داتا صاحبؒ

ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویریؒ المعروف بہ داتا گنج بخشؒ

(حیات و افکار)

ترتیب و تدوین

محمد اکرام چغتائی

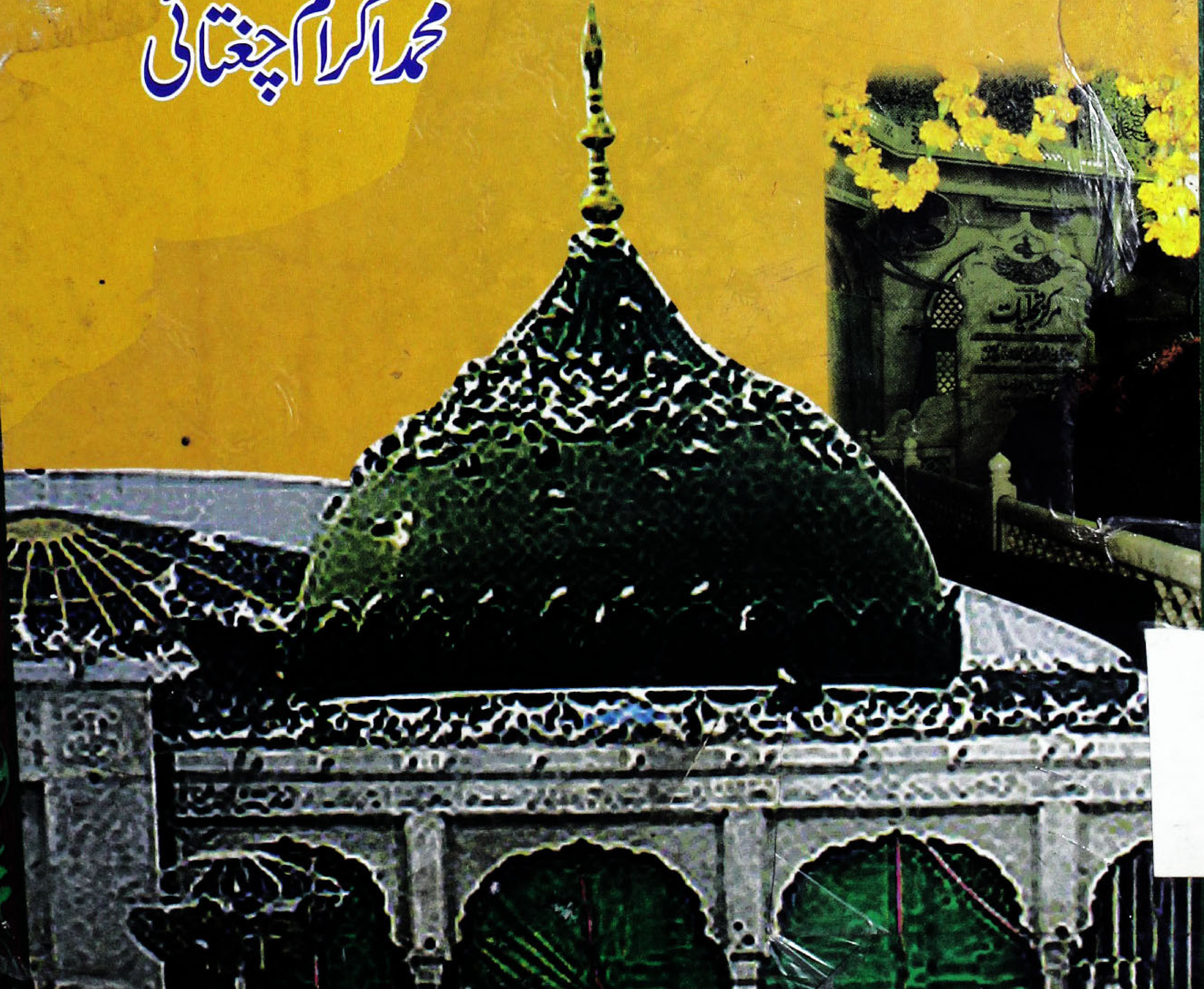

داتا صاحبؒ

ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ

(حیات و افکار)

ترتیب و تدوین

محمد اکرام چغتائی

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

Marfat.com

297.4 Chaghatai, M. Ikram
Data Sahab: Abul Hasan Syed Ali Bin Usman Hujvairi al-Maruf ba Data Ganj Bakhsh(Hayaat-o Afkaar)/ ed. by M. Ikram Chaghatai.- Lahore : Sang-e-Meel Publications, 2007.
558pp.
1. Islam - Sufism. I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/مصنف سے باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

2007

نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

ISBN 969-35-2069-6

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), P.O. Box 997 Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 7220100-7228143 Fax: 7245101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

Marfat.com

درگاہ حضرت داتا گنج بخشؒ

تصویر: ڈاکٹر ایل۔ای۔ براؤن (قبل 1872ء)

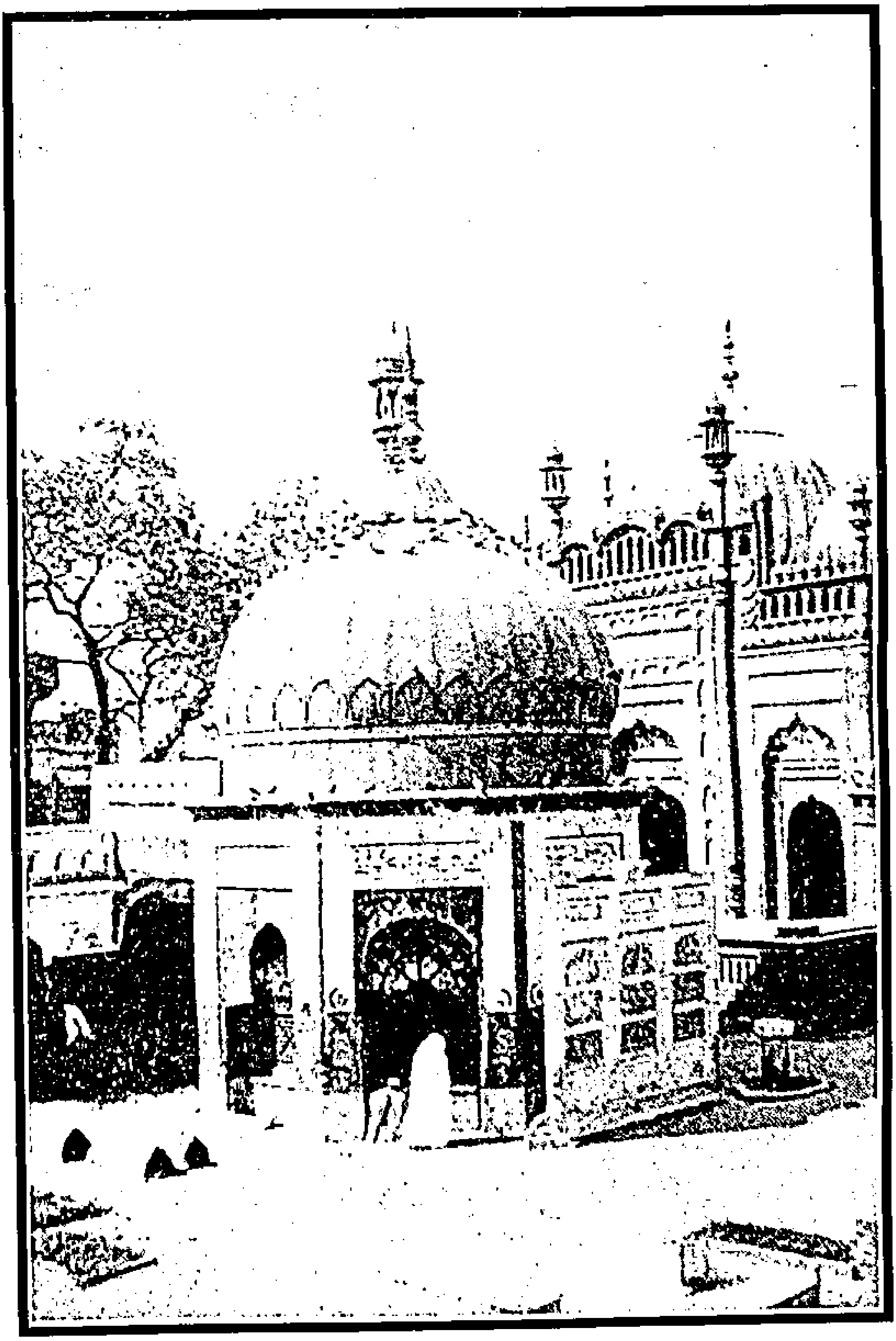

PHOTO. DR. L. E. BROWNE.

Dargāh Ḥaḍrat 'Alīu'l-Hujwīrī (d. 1063 A.D.) Known as Dātā Ganj Bakhsh, Lahore.

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

ترتیب

دیباچہ		05
(الف) شجرۂ طریقت		07
(ب) داتا گنج بخشؒ (منظوم)	واصف علی واصفؒ	09
(ج) برآرام گاہ حضرت شیخ علی ہجویری غزنویؒ	خلیل اللہ خلیلی	11
۱۔ محمد دین فوق	داتا گنج بخشؒ	13
۲۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری	تذکرہ حضرت داتا گنج بخش وتعارف ''کشف المحجوب''	116
۳۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع	حضرت داتا گنج بخشؒ	162
۴۔ پروفیسر شیخ عبدالرشید	حیات وتعلیمات حضرت داتا گنج بخشؒ	168
۵۔ ڈاکٹر محمد باقر	احوال وتعلیمات ابوالحسن ہجویری داتا گنج بخشؒ	195
۶۔ سید محمد متین ہاشمی	سوانح حیات حضرت سید علی ہجویریؒ	252
۷۔ اعجاز الحق قدوسی	حضرت داتا گنج بخشؒ	316
۸۔ محمد دین کلیم قادری	داتا گنج بخشؒ	327
۹۔ میاں طفیل محمد	علی ہجویریؒ	346
۱۰۔ اعجاز الحق قدوسی	حضرت شیخ ابوالحسن ہجویریؒ	356
۱۱۔ محمد دین کلیم قادری	حضرت سید علی بن عثمان ہجویریؒ	372
۱۲۔ قاضی جاوید	سید علی ہجویریؒ کے بارے میں چند باتیں	388
۱۳۔ محمد نصیب	کشف وکرامات حضرت داتا گنج بخشؒ	405

۱۴۔ صوفی سکندر شیخ	حضرت مخدوم سید ابوالحسن ہجویریؒ	433
۱۵۔ خواجہ رضی حیدر	داتا گنج بخشؒ	449
۱۶۔ خالد محمود	داتا صاحبؒ اور لاہور	459
۱۷۔ محمد لطیف ملک	سید علی مخدوم ہجویریؒ	493
۱۸۔ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی	داتا گنج بخشؒ	498
۱۹۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع	کشف المحجوب	505
۲۰۔ مولوی فیروز الدین	بحرالاسرار (اردو ترجمہ کشف الاسرار)	514
۲۱۔ محمد وارث کامل	حضرت داتا گنج بخشؒ	531
۲۲۔ پروفیسر احمد رفیق اختر	سید علی بن عثمان ہجویریؒ	549

Marfat.com

دیباچہ

بقول علامہ اقبال مقاصدِ فطرت کی نگہبانی کا فریضہ ادا کرنے کا شرف مردِ کوہستانی کو حاصل ہے یا بندۂ صحرائی کو۔ آسمان کو چھوتی ہوئی بلند و بالا چوٹیاں اور وسیع و عریض پہاڑی سلسلے تو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اُن کی ڈھلوانوں اور وادیوں میں بھی لاکھوں لوگ بستے ہیں' لیکن علامہ کی باریک بیں اور بصیرت افروز نظر میں جو ''مرد'' اس اعلیٰ صفت کا حامل ہے، وہ برصغیر کے شمالی پہاڑی علاقوں بشمول افغانستان کا باسی ہے۔[1] تاریخ شاہد ہے کہ یہاں کے جری اور دلیر فاتحین نے دُور دُور تک اپنی فتح و نصرت کے پرچم لہرا دیئے' لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مفتوحین کے جسموں کے بجائے اُن کے دلوں کو مسخر کرنے والے فطرتی مقاصد کے نگہبانوں کا آبائی تعلق بھی اسی خطہ سے تھا۔ ایسے ہی ایک ''نگہبان'' حضرت سید علی الہجویری غزنوی المعروف بہ داتا گنج بخشؒ کی ذات والاصفات بھی ہے' جو کم و بیش ایک ہزار سال قبل لاہور تشریف لائے اور یہاں ایسی روحانی سلطنت کی بنیاد رکھی' جو ابھی تک عروج کی منازل طے کرتی جا رہی ہے۔

کبھی سوچتا ہوں کہ داتا صاحبؒ نے غزنی سے مستقل نقل مکانی کرتے ہوئے رختِ سفر کے لیے کیا کیا اہتمام کیا ہو گا اور لاہور جیسے قریۂ غیر میں اپنے ورودِ مسعود کے موقع پر کیا کیا انتظامات کیے ہوں گے۔ دستیاب معلومات تو ایسے خیال کی نفی کرتی ہیں۔ ویسے بھی انہیں اس طرح کے ساز و سامان کی ضرورت ہی کیا تھی۔ بجانبِ لاہور روانگی کا اصل سبب تو اُن کے مرشد کا حکم تھا...... ایسا مرشد جس نے اُن کے ''من'' میں ایک ایسی ''بُوٹی'' کی پیوندکاری کر دی تھی' جو یہاں آ کر پھلی پھولی اور رفتہ رفتہ ایک ایسے تناور اور چھتنار درخت کی شکل اختیار کر گئی' جس کے ٹھنڈے سائے تلے بے حد و شمار انسان سکون و طمانیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حکمِ مرشد کی کُلّی متابعت کے علاوہ اپنے مالکِ حقیقی کی ذات پر یقینِ کامل اور سب سے بڑھ کر اقلیم بقا کے تاجدار حضرت محمدﷺ کی ذاتِ بابرکات سے ٹوٹ کر محبت کرنے کے جذبے نے اُن کی مرقدِ پُرانوار کو رشد و ہدایت کا محور و مرکز بنا دیا ہے اور یہاں سے گنجِ علم و دانش کے سوتے پھوٹتے رہتے ہیں۔

داتا صاحبؒ نے متعدد کتب تصنیف فرمائیں' لیکن ان میں سے بیشتر حوادثِ زمانہ کی نذر ہو گئیں اور جو

محفوظ رہی، وہ ''کشف المحجوب'' ہے۔ تصوف پر فارسی زبان میں تصنیف کردہ اس اوّلین کتاب کے خطی نسخوں، طباعتوں، ترجموں اور شرحوں کی خاصی بڑی تعداد ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ ''کشف المحجوب'' کے قدیم ترین اور قدرے مستند مخطوطات کی تعداد زیادہ تر بیرونی ممالک کے کتب خانوں کی زینت ہیں (مثلاً ویانا، سینٹ پیٹرز برگ وغیرہ)۔ مزید یہ کہ اس کتاب کا پہلا تنقیدی متن ایک روسی خاور شناس والنتین ژوکوفسکی نے مرتب کیا، جو اُس کی وفات (۱۹۱۸ء) کے بعد طبع ہوا (۱۹۲۴ء)۔[۲] اب تک جتنے اُردو تراجم (تیس سے زیادہ) شائع ہوئے ہیں، وہ تقریباً سبھی اسی متن کو سامنے رکھ کر کئے گئے ہیں۔ قبل ازیں ''کشف المحجوب'' کا ایک دیدہ زیب بخطِ جلی نستعلیق نسخہ سمرقند سے بھی منظرِ عام پر آ چکا تھا (اشاعتِ مکرّر، لاہور ۲۰۰۷ء)۔ اس سے چند سال قبل ''کشف المحجوب'' کا پہلا انگریزی ترجمہ بھی معروف رومی شناس اے۔ آر۔ نکلسن (م۔ ۱۹۴۵ء) نے کیا تھا۔ حال ہی میں ژوکوفسکی کے تسامحات سے پاک، نئے مقدمہ و تعلیقات سمیت اور جدید تدوینی اصولوں کے مطابق جس اسکالر نے آٹھ سالہ محنتِ شاقہ کے بعد اس کتاب کا متن طبع کرایا ہے، وہ بھی ایک ایرانی ڈاکٹر محمود عابدی ہے۔ (تہران ۲۰۰۴ء)

اولیائے کرام کے معروف تذکروں اور ملفوظات کے مجموعوں میں ''کشف المحجوب'' اور داتا صاحبؒ کا اجمالاً یا تفصیلاً ذکر ہوتا رہا اور یہی اُن کے سوانح کے قابلِ استناد مصادر میں شامل ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی کے نصف دوم میں لاہور کی تاریخ اور آثارِ قدیمہ پر جو کتابیں لکھی گئیں، اُن میں بھی ضمناً داتا صاحبؒ کا ذکر ملتا ہے (مثلاً تحقیقاتِ چشتی ۱۸۶۴ء، کنہیا لال کی ''تاریخ لاہور ۱۸۸۴ء، اور محمد لطیف کی انگریزی ''لاہور'' ۱۸۹۲ء) لیکن اُن کے حالاتِ زندگی اور صوفیانہ افکار پر الگ سے باقاعدہ تصنیفات (اُردو) بیسویں صدی عیسوی کے ربع اوّل سے شائع ہونے لگیں اور پھر ان کتابوں کا ایسا تانتا بندھا کہ اب تک جاری و ساری ہے۔ اساسی منابع کی کمیابی اور یکسانیت کے باعث اُن میں تکرار کا پہلو نمایاں ہے، لیکن پھر بھی بعض اہلِ علم و تحقیق کی قلمی نگارشات خاصی معلومات افزا ہیں اور انہوں نے بعض نئے پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے۔ زیرِ نظر کتاب بعنوان ''داتا صاحبؒ...... حیات و افکار'' انہی قدیم و جدید تحریروں کا انتخاب ہے اور اس کا بنیادی مقصد ''داتا شناسی'' کا فروغ ہے۔

محمد اکرام چغتائی

لاہور

۲۰ جولائی ۲۰۰۷ء

حواشی

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: راقم کی کتاب ''اقبال، افغان اور افغانستان''، لاہور، ۲۰۰۴ء

۲۔ مقدمہ بزبان روسی کے فارسی ترجمہ کے لیے دیکھیے: کشف المحجوب، مطبوعہ تہران، ۱۹۵۷ء

Marfat.com

شجرۂ نسب

حضرت داتا گنج بخشؒ لاہوری وسید عبدالقادر جیلانیؒ اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

(مرتبہ پیر غلام دستگیر نامیؒ)

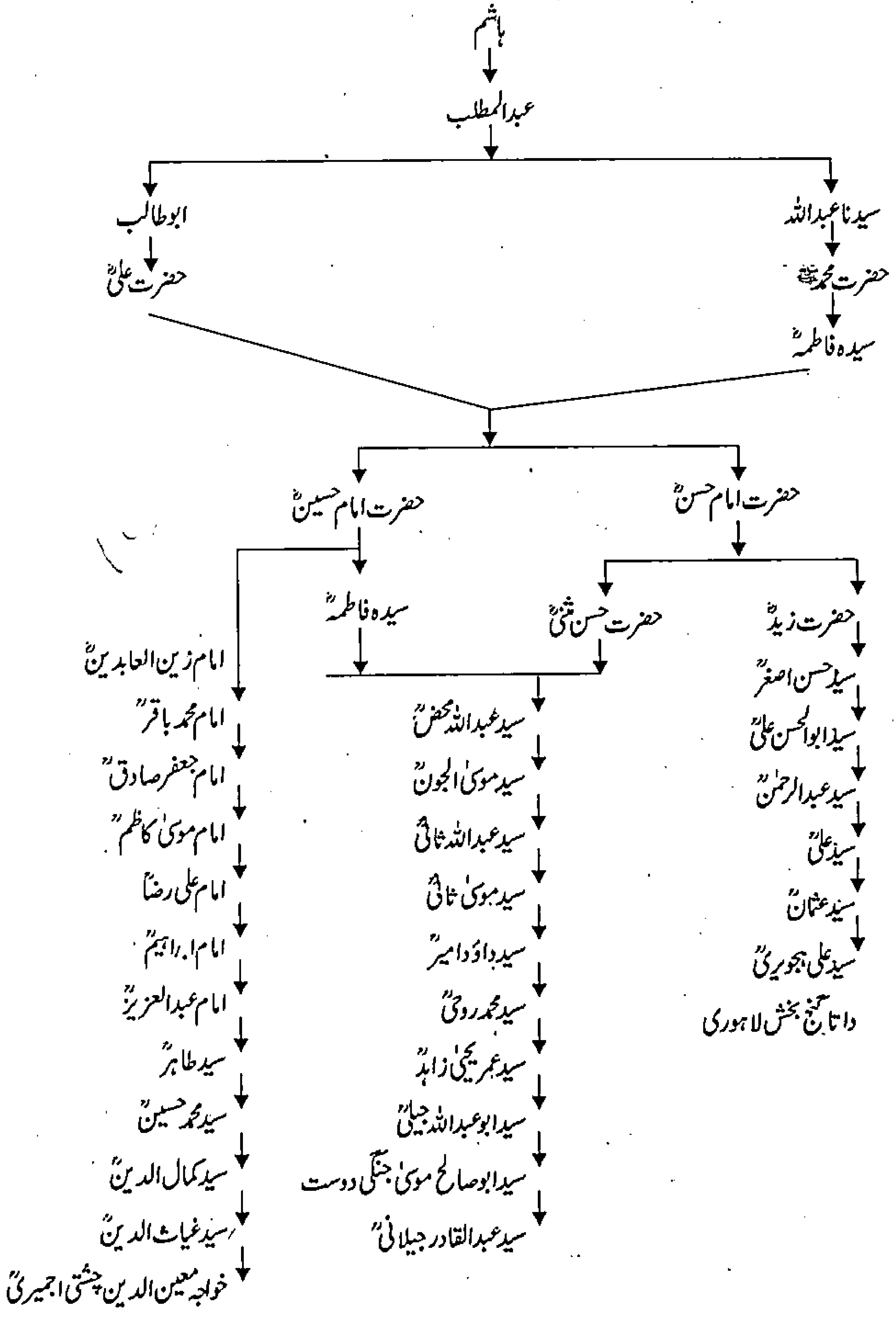

Marfat.com

شجرۂ طریقت

حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ وسید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

(مرتبہ پیر غلام دستگیر نامیؔ)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ
↓
خواجہ حسن بصریؒ
↓

- خواجہ حبیب عجمیؒ
  ↓ حضرت داؤد طائیؒ
  ↓ حضرت معروف کرخیؒ
  ↓ حضرت سری سقطیؒ
  ↓ حضرت جنیدؒ
  - خواجہ ممشاد دینوریؒ (جس سے سلسلہ سہروردیہ ملحق ہوتا ہے)
    ↓ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی
  - حضرت ابوبکر شبلیؒ
    - شیخ عبدالعزیز تمیمیؒ (جس سے سلسلہ قادریہ ملحق ہوتا ہے)
      ↓ شیخ ابوالحسن علی ہنکاریؒ
      ↓ شیخ ابوسعید مخزومیؒ
      ↓ سید عبدالقادر جیلانیؒ
    - حضرت شیخ حصریؒ
      ↓ شیخ ابوالفضل بن حسن ختلیؒ
      ↓ حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوریؒ
- خواجہ عبدالواحد (جس سے سلسلہ چشتیہ چلا)
  ↓ حضرت معین الدین چشتی اجمیری

Marfat.com

واصف علی واصفؒ

گنج بخش فیضِ عالمؒ!

السّلام اے سیّدِ ہجویر قطبُ الاولیاء
السّلام اے مرکزِ توحید، انوارِ اِلٰہ!
سَطوتِ علمُ الیقین و شوکتِ دینِ مُبیں!
رہبرِ اقلیمِ عرفانِ محمدؐ مصطفٰے!
اے شہِ بطحٰے کے نُور و کاشفِ رازِ خفی
شارحِ شانِ ولایت نُورِ چشمِ مُرتضٰےؓ! صلی اللہ علیہ وسلم
قرنِ اوّل میں ترا رُخ صُبحِ اوّل کی نمود
مہر و ماہِ عارفانِ ہند کے صَدرُ العُلٰے
تُو نشانِ عزم و وجدانِ قلوبُ الصّالحین
رہبرِ صدق و صفا و منبعِ جود و سخا
گوہرِ نایاب تُو ہے موجِ بحرِ نُورِ حق!
حق پناہ و حق نگر حق گو حقیقت آشنا
خطۂ لاہور میں سربستہ رازِ لا اِلٰہ
سرزمینِ شوق و مستی میں بہاروں کی فضا
کعبۂ گنجِ شکرؒ گنجِ ولایت، گنج بخشؒ!
قبلہ گاہِ خواجۂ ہند الولی روضہ ترا!
یاعلی مخدوم ہجویریؒ یہ ہے تیرا کرم
سرزمینِ پاک میں ہے آج نامِ کبریا
اے فقیر و صُوفی و صدّیق و صنّاعِ سلوک
پاسبانِ سُنّت و شرع و سجودِ بے ریا!

Marfat.com

یہ زمیں تیری ہے تیرے چاہنے والوں کی ہے

ابتدا ہے لا اِلٰہ اس کی یہی ہے انتہا!

آج پھر مِلّت کو ہے اندیشۂ کم مائیگی!

آیۂ "لاتقنطو" کی شرح ہو جائے ذرا

اب ضرورت ہے شرابِ شوق کی اِس قوم کو

جامِ اِلّا اللہ کو ساقی ذرا گردش میں لا!

توڑنا ہے پھر ہمیں گویا طلسمِ سامری!

گنج بخشِ فیضِ عالم ہو یدِ بیضا عطا

لا الٰہ ہر دور میں قائم رہے گا بالیقیں

ہے یدِ مومن ہی گویا ہاتھ اب اللہ کا!

سرزمینِ پاک پر ہے کرگسوں کا کیوں ہجوم!

کِس کی غفلت سے ہُوا مِلّت کا شیرازہ جُدا؟

اے ظہورِ صُورتِ بے صُورتِ آقائے کُل!

خدمتِ دینِ مُبیں سے "فیضِ عالم" ہو گیا!

تو بیانِ "کشف محجوب" و نشانِ بے نشاں

اے شہیدِ حُسنِ کامل گنج بخشِ پیرِ ما!

آستاں تیرا ہے گویا اِک نشانِ دینِ حق!

تیرے در پر جُھک گیا جو پا گیا راہِ خُدا

دِلّی و اجمیر میں گونجی صدائے گنج بخشؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ و رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تیرا فیضانِ نظر قطرے کو دریا کر گیا!

گنج بخشی ہے تری مشہور داتا گنج بخشؒ!

گاہے گاہے یک نگاہے برفقیرِ بے نوا

واصفِؔ مسکیں چہ گوید ایں مقامِ حیرت است

خواجۂ من قبلۂ من گفت قولِ حق بجا!

گنج بخشِ فیضِؒ عالم مظہرِ نُورِ خُدا

ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را راہنما

بر آرامگاہ حضرت شیخ علی ہجویری غزنویؒ

معروف بہ داتا گنج بخشؒ مؤلف "کشف المحجوب" در لاہور ۱۳۳۰

صبح جستم دولت شبگیر را
خوابگاه خواجهٔ هجویر را

بارگاهی دیدم از گردون بلند
خفته دروی ره شناس ارجمند

شیخ ما آن اوستاد غزنوی
پیشوای رهروان معنوی

فیض او از آسمان گشته فرود
چرخ می خواند به خاك وی درود

خاك کویش در نگاه کاملان
توتیای دیدهٔ صاحبدلان

آفتاب عشق تابد زین حریم
پادشاهی خفته اینجا در گلیم

Marfat.com

پـادشـاهـی بود از فقـرش کلاه　　زنـده دلـقش پـادشاهان را پناه

چیره شد چون خسرو گیتی ستان　　حـضرت مـحـمـود بر هندوستان

شیـخ مـابـی زحـمـت تیغ و کلاه　　رهسپـر شـد در غبـار آن سپـاه

در غبـار لشکـر آن عـالـی جناب　　همچو خورشیدش به کف اُمّ الکتاب

دولـت مـحـمـودیـان بـاقی نماند　　"آن قدح بشکست آن ساقی نماند"

لیك بـاشـد شیـخ مـا را جـاودان　　ملك عشق از این جهان تا آن جهان

رخـنـه در ملك دل آگـاه نیسـت　　ملك حق مغلوب سال و ماه نیست

ای چـراغ لاهـور از تـو نـوردار　　نـالـۀ زار مـراهـم گـوش دار

از سـنـایی من سـلام آورده ام　　وز پـدر پیشـت پیـام آورده ام[1]

از نـگـاهت حال ما مستور نیست　　کابل از لاهور چندان دور نیست

التـفـاتـی : زانـکـه مهـمـان توام　　میهـمـان خـوان احسـان تـوآم

ذرّه را خـورشیـد بالا می برد

تـابـریـن چـرخ مـعلّیٰ می برد

(در: دیوان خلیل اللہ خلیلی بکوشش محمد ابراہیم شریعتی۔

انتشارات عرفان، تہران، ۱۳۷۸، ص ۳۸۴۔۳۸۵)

۱۔ تربت پدر شیخ ہجویریؒ در غزنی است

Marfat.com

محمد الدین فوقؔ

سوانحات حضرت داتا گنج بخشؒ

دیباچہ (طبع اوّل)

جن کتابوں کو میں نے ہندوستان کے سب سے پہلے مشہور محمڈن مشنری (واعظ اسلام) سر آمد اولیائے کبار حضرت علی مخدوم ہجویری غزنوی المعروف حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ کے حالات ترتیب دینے کے لئے مطالعہ کیا ہے۔ تحریر و تصنیف کے علاوہ اگر ان کے مطالعہ کا وقت بھی شامل کر لیا جائے تو میں نے کامل دو ماہ حضرت زبدۃ الاخیار داتا صاحب کے سوانحاتِ عمر اور حضور کے کلمات و خیالات کو ترتیب دینے میں صرف کئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ بہت تھوڑے عرصے میں یہ چند جزو تیار ہو گئے ہیں۔ ع

بحمد للہ عجب ارزاں خریدم

کچھ شک نہیں کہ اگر مولوی غلام جیلانی صاحب خوشنویس لاہور (سکنہ سمبڑیال ضلع سیالکوٹ) اور سید رحمت علی شاہ صاحب شفیق مجھے بعض کتب مطبوعہ و غیر مطبوعہ کی فراہمی میں مدد نہ دیتے تو دو ماہ کی بجائے غالباً بہت زیادہ وقت صرف کرنا پڑتا، اس لئے میں ان ہر دو اصحاب کا خصوصیت سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے حضرتؒ کے حالات ترتیب دینے کے لئے ایسی کتابیں مہیا کر دیں جن کا بظاہر آسانی کے ساتھ دستیاب ہونا مشکل تھا۔ ع

تم نے دیا فروغ تو ہے داغ آفتاب

حضرت علی ہجویریؒ کے حالات مختلف کتابوں میں تو کہیں کہیں نظر آ جاتے تھے لیکن ان کی ایک مستقل اور جامع سوانح عمری ایسی نہ تھی جو ان کے ارادت مندوں کی پیاس بجھا سکتی اور اس باکمال بزرگ کے قابل تقلید حالات و خیالات کو ظاہر کر سکتی۔

حضرت علی ہجویریؒ سے پیشتر پنجاب میں صرف ان کے پیر بھائی شاہ حسین زنجانی اور ان کے چند ہمراہیوں کی تشریف آوری کا پتہ ملتا ہے لیکن ان کی ایسی شہرت نہیں ہوئی جیسی حضرت داتا صاحبؒ کی، جن کا نام ہندوستان کے علاوہ عراق و عجم اور خراسان و ایران تک مشہور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قابلِ قدر تصنیفات میں

اپنے علم وفضل اور اپنی عملی زندگی سے اپنے زہد واتقاء کا ایک عالم پر سکہ بٹھا دیا تھا۔ پھر یہ کہ ان کی تشریف آوری سے پنجاب میں اسلام کو نمایاں رونق ہوئی اور ان کے اخلاق حسنہ اور طرز عمل نے ہزاروں اور لاکھوں زنار تسبیح کی شکل میں بدل دیے۔ پھر حضرت معین الدینؒ چشتی اور حضرت بابا فرید شکر گنجؒ، قطب المشائخ اور زہد الانبیاء یہاں آ کر چلہ کش رہے۔ اس سے حضور حضرت داتا صاحبؒ کا عالی مرتبت ہونا صاف ظاہر ہے۔ ایسے ولی کامل، فاضل اجل، عالم باعمل بزرگ کے حالات میں آج تک کہ حضرت کی وفات کو آٹھ سو چھیاسٹھ سال کا زمانہ گزر چکا ہے، ایک بھی کتاب نہ لکھی گئی۔ کس قدر افسوس اور حیرت کا مقام اور ہماری بدمذاقی اور ناقدر دانی اور ''نام نیک رفتگاں'' کے ضائع کرنے کا کس قدر بدیہی ثبوت ہے۔ بحالیکہ جو بزرگ یہاں چلہ کشی کر گئے ہیں ان کے حالات وسوانحات میں درجنوں کتابیں موجود ہیں مگر وہ اصل سر چشمہ جہاں سے یہ فیض جاری ہوا اور پھر فیض یاب ہونے والوں کے ذریعہ تمام ہندوستان تک پہنچا، دنیا کی نظروں سے بالکل پوشیدہ ہے اور اپنے کمالات یا تو اپنی تصنیفات میں لپٹے ہوئے ہے یا ان کا تھوڑا تھوڑا ذکر لاہور کی چند تاریخوں یا ''نفحات الانس'' کے ایک صفحہ میں نظر آ جاتا ہے، حالانکہ ع

چاند چھپنے کے لئے ہے کہ نکلنے کے لئے

ان حالات کو مدنظر رکھ کر مجھے خود بھی عرصہ سے خیال تھا، چند دوستوں نے یہی تحریک کی۔ آخر سعادت دارین اور حال عمر سمجھ کر حضرت داتا صاحبؒ کے حالات لکھنے شروع کئے اور الحمد للہ کہ دو ماہ کے قلیل عرصہ میں اس بہت بڑے مرحلہ سے فارغ ہو گیا۔ ع

للہ الحمد ٹھکانے لگی محنت میری

یہ کتاب اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ ایک تو حضرتؒ کے کمالات باطنی وظاہری سے اُردو دان دنیا پورے طور پر واقف ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ حضرتؒ کے حالات اور خیالات سے فائدہ اٹھایا جائے اور شریعت وطریقت میں جو مسائل آپؒ نے بیان فرمائے ہیں، ان پر عمل پیرا ہو کر اپنے آپ کو ایک سچا مسلمان بنایا جائے۔

یہ کتاب سکھاتی ہے کہ پیر میں کیا اوصاف ہونے چاہئیں اور مرید کو کس طرح ارادت مندی کرنی چاہیے۔ بقول مشہور ع

یہ ہمیں کچھ جانتے ہیں یہ ہمیں سے پوچھو

۲۳ ذیقعد ۱۳۳۳ھ مطابق
۱۴ اکتوبر ۱۹۱۴ء موافق
۲۹ اسوج ۱۹۷۱ء بکرمی

محمد الدین فوق

Marfat.com

دیباچہ (طبع دوم)

سوانح عمری حضرت داتا گنج بخشؒ کا پہلا ایڈیشن مدت سے ختم تھا۔ طبع ثانی کے لئے قدر دان احباب کا اشتیاق اصرار و تقاضا کی تحریک و فرمائش کی منزلیں بھی طے کر چکا تھا۔ ملک غلام محمد صاحب تاجر کتب کشمیری بازار جو ایک اہل دل اور خادم الصوفیا مسلمان ہیں، دوسرے ایڈیشن کے بہت جلد عالم وجود میں لانے کا باعث ہوئے۔

احباب کا احسان مند ہوں کہ وہ میری ناچیز تصنیفات کو شرف قبولیت عطا فرما رہے ہیں۔

یکم محرم الحرام ۱۳۴۹ھ

مطابق ۱۵ ستمبر ۱۹۳۰ء

محمد الدین فوقؔ، لاہور

Marfat.com

سوانحات داتا گنج بخشؒ

حضرت کی پیدائش

حضرت علی مخدوم ہجویریؒ کے مختصر سوانحات عمر کے لکھنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے:

۱۔ تاریخ لاہور (بزبان انگریزی) از خان بہادر سید محمد لطیف مرحوم

۲۔ حدیقۃ الاولیاء۔ مصنفہ مفتی غلام سرور لاہوری

۳۔ تحقیقات چشتی۔ مصنفہ مولوی نور احمد چشتی مرحوم

۴۔ سفینۃ الاولیاء۔ مصنفہ شاہزادہ داراشکوہ مرحوم

۵۔ اذکار قلندری (قلمی کتاب) جس کے آخری حصہ میں لاہور کے بزرگوں کا بھی حال درج ہے۔

۶۔ کشف المحجوب۔ مصنفہ حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ

۷۔ گنج تاریخ۔ مصنفہ مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم

۸۔ نفحات الانس از مولانا جامی

۹۔ کشف الاسرار مصنفہ حضرت داتا گنج بخشؒ

۱۰۔ فرہنگ آصفیہ از مولانا سید احمد دہلوی

۱۱۔ ایک نامکمل قلمی کتاب پنجابی نظم کی۔ جس کے مصنف کا نام چراغ دین ہے۔

لیکن نہایت افسوس ہے کہ کسی ایک کتاب سے بھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حضرتؒ کس زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت کون اس ملک کا بادشاہ تھا۔ وہاں کی پولیٹیکل اور مذہبی حالت کیا تھی۔

''تاریخ لاہور'' اور دیگر کتابوں سے صرف سنہ وفات ۴۶۵ھ معلوم ہوتا ہے یا اتنا معلوم ہوتا ہے کہ لاہور میں آپؒ ۴۳۱ھ میں تشریف لائے تھے۔ لاہور آنے سے پہلے آپؒ نے اکثر ممالک ماوراء النہر، خراسان، آذربائیجان وغیرہ کی سیاحت بھی کی تھی اور علوم ظاہری و باطنی میں بھی بتوجہ پیر کامل درجہ کمال حاصل کر لیا تھا ان سب باتوں کے لئے اگر تیس سال کا وقفہ شمار کر لیا جائے، تو چنداں مبالغہ متصور نہ ہوگا، کیونکہ جب پیر اپنے کسی مرید کو اپنی نگرانی و نگہبانی سے آزاد کر دیتا ہے اور خلق اللہ کو فیض پہنچانے کی ہدایت کرتا ہے اور اس کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں

Marfat.com

جانے کی صلاح دیتا ہے، تو اس کے لئے عمر، تجربہ اور علم وفضل کی پختگی لازمی ہوتی ہے اور ان باتوں کے لحاظ سے تیس سال کی عمر چنداں زیادہ خیال نہیں کی جاتی۔

لاہور میں ان کا قیام چونتیس سال تک رہا۔ اس کے ساتھ اگر تیس سال اُن کی غزنوی زندگی کے بھی شامل کر لئے جائیں (جو ممکن ہے زیادہ ہوں) تو ان کی کل عمر چونسٹھ سال سمجھنی چاہیے۔ اس حساب سے ان کی پیدائش کا فخر ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ کو حاصل ہوتا ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا، جبکہ امیر سبکتگین کی وفات (۳۸۷ھ/۹۹۹ء) کو تیرہ سال گذر چکے تھے اور لاہور اس کے حملوں سے پامال ہو چکا تھا اور ہندوستان کا راستہ سلطان محمود غزنوی کی یلغار کے لئے بالکل کشادہ ہو گیا تھا۔

۴۰۰ھ/ ۴۰۱ھ کی پیدائش کے مطابق آپؒ سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے۔ اس وقت ملک کی یہ حالت تھی کہ سلطان محمود ہندوستان پر چھ حملے کر چکا تھا اور ساتویں مہم (۴۰۰ھ) میں مصروف تھا، جس میں اس نے وسط ہند میں پہنچ کر راجوں کو مطیع کیا اور اپنے مقاصد کو بآہستگی پورا کیا۔ اس زمانہ میں لاہور میں سلطان محمود غزنوی کی حکومت تھی۔ ۴۰۱ھ میں سلطان نے سوری پٹھانوں کے دارالحکومت غور پر (جو ہرات کے مشرقی پہاڑوں میں واقع ہے) چڑھائی کی اور اس کو فتح کیا۔

جس زمانہ میں حضرتؒ پیدا ہوئے ہیں، اُس وقت غزنی میں علماء، فضلاء اور شعراء کا بڑا چرچا تھا۔ سلطان خود فقرا اور گوشہ نشینوں کا بڑا معتقد تھا۔ شیخ ابوالحسن خرقانی (خراسانی) کی خدمت میں خود حاضر ہو کر ملاقات کرنے اور عاقبت محمود باد کی دعا لینے اور خرقہ درویشی حاصل کرنے کا واقعہ مشہور ہے۔

نام، وطن اور مذہب

حضرتؒ کا اصل نام علی تھا۔ باپ کا نام عثمان اور دادا کا نام علی۔ جیسا کہ ''کشف المحجوب'' میں جو فی الحقیقت دلوں کی تاریکیوں اور آلائشوں کے حجاب کو دور کرنے والی کتاب ہے، آپ لکھتے ہیں۔ ''علی غزنوی جس کے باپ کا نام عثمان اور دادا کا نام علی تھا۔ بیان کرتا ہے۔'' اسی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اصل وطن غزنی تھا۔ وہ غزنی جس کو اپنے مٹے ہوئے نشانات پر بھی فخر ہے اور جس نے برسوں تک سلطان محمود جیسے باجبروت شہنشاہ کو اپنی گودیوں میں پالا ہے۔

باوجود اصل وطن غزنی ہونے کے آپ بالعموم ''ہجویری'' اور ''جُلابی'' کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوا ہے کہ ہجویر اور جُلاب اُس زمانہ میں دو محلے شہر غزنی کے تھے اور چونکہ حضرت غزنی کے ان دونوں محلوں میں مختلف اوقات میں رہے ہیں، اس لئے وہ محلے بھی آپ کے نام کے ساتھ ہی مشہور ہو گئے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ شہرت ہمیشہ شہر یا ملک کے نام پر ہوتی ہے، محلہ کے نام پر نہیں ہوتی جیسے لاہوری، دہلوی، لکھنوی، شاہجہانپوری، سیالکوٹی، اور ملکوں میں سے پنجابی، سندھی، دکنی، کشمیری، بنگالی۔ محلہ کے نام سے کوئی مشہور نہیں ہوتا، اس

Marfat.com

لیے ممکن ہے کہ ہجویر اور جُلّاب بھی کسی شہر یا موضع کا ہی نام ہو، مگر بعض اصحاب کا یہ اعتراض کہ محلّہ کے نام پر شہرت نہیں ہوتی، غلط ہے۔ کشمیر میں سری نگر ایک بہت بڑا شہر ہے جس کی آبادی پونے دو لاکھ کے قریب ہے۔ اس شہر میں عام لوگ محلّوں کے نام پر مشہور ہیں۔ مثلاً عالی کدل، فتح کدل، صفا کدل، قلمدان پورہ، ارعناداری، خانیار، محلات اور شہر کے پُلوں کے نام ہیں، مگر ان پلوں اور محلوں کے رہنے والے اسی شہر میں عالی کدلی، قلمدان پوری، خانیاری کے ناموں سے مشہور ہیں۔

جس زمانہ میں (۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ یا کم و بیش) حضرتؒ کا وجود مُبارک اس دنیا میں ظاہر ہوا ہے، ان دنوں میں غزنی اہلِ کمال کا مجموعہ تھا اور بہت بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ کوئی تعجب نہیں۔ اگر ہجویر یا جُلّاب غزنی کے کسی محلّہ ہی کا نام ہو۔

ہجویر اور جُلّاب کے متعلق شہزادہ داراشکوہ نے بھی ''سفینۃ الاولیاء'' میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ شہر غزنی میں جُلّاب اور ہجویر دو محلے تھے۔ حضرت کی والدہ ماجدہ ہجویر کے رہنے والی تھیں اور آپ کی پیدائش بھی اسی محلّہ کی ہے۔ آپؒ کے والد ماجد محلّہ جُلّاب کے رہنے والے تھے، لیکن بعد میں آپؒ نے (غالباً والد ماجد کی وفات کے بعد) ہجویر ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اسی وجہ سے آپؒ ہجویری اور جُلّابی مشہور ہیں۔ بعض کتابوں میں جُلّابی کی بجائے جلالی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جلالی غلط ہے۔ دراصل صحیح لفظ جُلّابی ہے۔

حضرت علی مخدوم ہجویریؒ کے حالات کی تلاش و جستجو میں پنجابی نظم کی ایک قلمی کتاب[۲] بھی جس کے صرف آٹھ صفحے نامکمل سے دستیاب ہوئے ہیں، ملی ہے۔ اس میں حضرتؒ کی پیدائش سے لے کر لاہور آنے تک کا حال درج ہے۔ خدا جانے اگلے صفحوں میں جن کی صحیح تعداد بھی معلوم نہیں، لاہور میں جو آپؒ سے فیض و برکات ظاہر ہوئے، ان کی کیا کچھ کیفیت لکھی ہوگی۔ اسی کتاب میں ہجویر اور جُلّاب کے متعلق بھی اشعار ذیل درج ہیں:

اصل حضرت گنج بخش دا غزنی شہر پچھان   ہجویر، جُلّاب، دو ایس وچہ ہین محلے جان

سی جلابی داد کا اینہاں محلّہ خوب   جان محلّہ نانکا ہجویری ہے مرغوب

یعنی حضرت گنج بخشؒ کا اصلی وطن شہر غزنی ہے۔ ہجویر اور جُلّاب اس میں دو محلے ہیں۔ جُلّابی محلّہ میں ان کے باپ دادا رہتے تھے اور ہجویری محلّہ میں ان کی والدہ کا گھر ہے۔

حضرت علی مخدوم ہجویری عُرف داتا گنج بخشؒ ''کشف الاسرار'' میں اپنے وطن کی نسبت لکھتے ہیں۔ ''میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ میری پیدائش کا مقام ہجویر ہے۔ خدا تعالیٰ اسے آفتوں اور حادثوں اور ظالم بادشاہوں سے بچائے رکھے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے وطن سے آپ کو کس قدر محبت تھی۔

''نفحات الانس'' میں لکھا ہے کہ کنیت آپ کی ابوالحسن تھی اور نام علی بن عثمان بن علی الجُلّابی غزنوی۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جُلّاب شہر غزنی ہی کے ایک حصہ یا محلّہ کا نام ہے۔

مذہب کے معاملہ میں آپ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پابند تھے۔

Marfat.com

حضرتؒ کا شجرہ نسب

آپ سید حسینی ہیں یعنی امام حسنؓ کی اولاد سے ہیں۔ چنانچہ شجرہ طیبہ حسب ذیل ہے۔ علی بن عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمٰن بن سید عبداللہ (ایک کتاب میں سید عبداللہ کی جگہ شاہ شجاع کا نام دیکھا ہے جو غلط ہے) بن سید ابوالحسن علی بن سید حسنؓ (''حدیقۃ الاولیاء'' میں سید حسن کی جگہ حسین اصغر لکھا ہے) بن حضرت زید شہید بن حضرت امام حسن شبیر بن علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ۔ چونکہ آنحضرتﷺ (روحی فداہ) اور حضرت علی المرتضیٰؓ چچا زاد بھائی تھے، اس لئے نو واسطوں سے آپؒ کا سلسلہ نسب آنحضرتﷺ تک پہنچتا ہے۔

حضرتؒ کے پیر طریقت

حضرت جنیدیہ فرقہ میں شامل تھے، جس کی ابتداء سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے ہے۔ آپؒ کے پیر طریقت کا نام ابوالفضل محمد بن الحسین الختلی قدس سرہ ہے۔ چنانچہ آپؒ خود لکھتے ہیں کہ ''میں طریقت میں اُن کا تابع ہوں۔'' علوم تفسیر و روایات کے عالم تھے۔ حُصری کے مرید اور راز دان تھے۔ ابو عمرو قزوینی کے ہم عصر تھے۔ ساٹھ سال تک لوگوں سے بھاگتے رہے۔ ان سے کرامات اور نشانات بہت ظاہر ہیں، مگر صوفیوں کے لباس اور ان کے رسوم کے پابند نہ تھے اور آگے چل کر ظاہر ہوگا کہ حضرت علی ہجویریؒ بھی اپنے پیر طریقت کے پورے ارادتمند اور مرید ثابت ہوئے ہیں۔ آپؒ کا شجرہ نسب حسب ذیل واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ مرید خواجہ ابوالفضل اور وہ حسن ختلی اور وہ خادم شیخ علیؒ حصری اور وہ خادم حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ اور وہ خادم حضرت سید الطائفہ جنید بغدادیؒ اور وہ خادم حضرت سری سقطیؒ اور وہ خادم حضرت معروف کرخیؒ اور وہ خادم حضرت داؤد طائیؒ اور وہ خادم حضرت حبیب عجمیؒ اور وہ خادم حضرت خواجہ حسن بصریؒ اور وہ خادم حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے ہیں۔

جنیدی فرقہ کے متعلق حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ یہ بہت معروف اور زیادہ مشہور ہے اور ہمارے سب شیخ جنیدی مذہب کے ہوئے ہیں۔

کرامت کے متعلق آپؒ اپنے پیر طریقت خواجہ ابوالفضل بن حسن ختلی کی زبانی ارقام فرماتے ہیں کہ اس کا اظہار نہ ہو تو اچھا ہے، لیکن اگر کوئی ولی ولایت کو ظاہر کرے تو اس سے اس کو کچھ زیاں نہیں پہنچتا۔

ایک جگہ فرماتے ہیں۔ میرا شیخ بیت الجن سے دمشق کو جا رہا تھا۔ میں بھی ہمراہ تھا۔ بارش کی وجہ سے کیچڑ ہو گیا، جس سے ہم مشکل سے چلتے تھے، مگر باوجود اس کے جب میری نظر شیخؒ کی جوتی اور پاجامہ پر جاتی تھی۔ تو وہ بالکل خشک نظر آتے تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا۔ فرمایا، جب سے میں نے ہمت کو توکل کے راستے سے اٹھالیا ہے اور باطن کو وحشت سے نگاہ میں رکھا ہے، تب سے خدا تعالیٰ نے میرے قدموں کو بھی ان آلائشوں سے پاک کر دیا ہے۔

Marfat.com

خواجہ ابوالفضل ختلی اپنے مریدوں کو کم گوئی اور کم خوابی کی بہت تاکید کیا کرتے تھے۔ حضرت علی ہجویریؒ ''کشف المحجوب'' کے باب بستم (۲۰) میں لکھتے ہیں۔ ''شیخ فرمایا کرتے تھے۔ غلبہ کے سوا نہ سوؤ اور جب جاگو تو پھر دوبارہ سونے کی کوشش نہ کرو، کیونکہ مرید کے واسطے یہ حرام ہے اور بیکاری کی نشانی ہے۔''

سماع کی بابت صوفیاء میں اختلاف ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ کے پیرو مرشد خواجہ ابوالفضلؒ اس بارہ میں فرمایا کرتے تھے۔ سماع ان لوگوں کا توشہ ہے جو منزل سے پیچھے رہ گئے ہوں۔ جو پہنچ گئے ہوں ان کو سماع کی کیا حاجت ہے؟ کیونکہ وصل کے محل میں سننے کا حکم معزول ہوتا ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ اپنے پیر کی نسبت فرماتے ہیں۔ وہ رسمی صوفیوں (دوکانداروں) سے سختی سے پیش آتے تھے۔ میں نے ان سے بڑھ کر کوئی شخص ہیبت ناک نہیں دیکھا۔ فرماتے ہیں۔ ایک دن میں ان کے ہاتھ دھلا رہا تھا۔ دفعتہً یہ خیال گزرا۔ جب سب کام تقدیر اور قسمت پر منحصر ہیں، تو کیوں ہم لوگ اپنے آپ کو غلام بنا کر پیروں کی خدمت میں مصروف ہیں؟ آپؒ نے فرمایا۔ اے بیٹا! جو کچھ تمہارے دل میں گزر رہا ہے۔ سب معلوم ہے مگر ہر حکم کے لئے ایک سبب ہوا کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی کو تاج وتخت سپرد کر دے، تو اس میں پہلے اس کے سنبھالنے کی توفیق بھی پیدا کر دیتا ہے اور وہی خدمت اس کی بزرگی کا سبب بن جاتی ہے۔

خواجہ ابوالفضل نے ۵۶ سال تک ایک ہی جامہ رکھا اور بے تکلف اسی کو پیوند لگایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جامہ در جامہ ہو کر اصل کپڑے کا نشان بھی نہ رہا تھا۔

آپؒ کی وفات بیت الجن کے مقام پر ہوئی جو دمشق کے نزدیک ایک گاؤں ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ کے علم دین کے استاد

حضرت علی مخدوم ہجویریؒ نے علم دین اور علم معرفت وسلوک میں جسے کامل پایا، اسی سے فیض حاصل کیا ہے۔ وہ علم کی تلاش میں اس حدیث کے پورے پابند رہے کہ علم کو حاصل کرو خواہ وہ چین ہی سے ملے۔ انہوں نے حصول علم کی خاطر اپنے آرام اور اپنے وطن اور آسائشوں کو قربان کر دیا تھا۔ کبھی فرغانہ میں جا نکلے کبھی خراسان میں کبھی ماوراء النہر اور کبھی کسی جگہ۔ انہوں نے خواجہ ابوالفضل بن ختلی، شیخ ابوالقاسمؒ (گرگانی۔ قشیری) باب عمر فرغانہ اور بقول بعض شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ سے بھی فیض حاصل کیا ہے، مگر تصوف ومعرفت میں انہوں نے اپنا پیر خواجہ ابوالفضل اور علم دین میں شیخ ابوالقاسم ہی کو لکھا ہے۔ ابوالقاسم کے نام کے کئی شیخ گزرے ہیں مگر جن سے حضرت علی ہجویریؒ کی ملاقات ہوئی ہے، وہ صرف دو ہیں۔ ایک شیخ ابوالقاسم گرگانی۔ شیخ ابوالقاسم گرگانی سے آپؒ کا راہ ورابطہ بہت تھا۔ جب ان کے پاس ایک دن گئے تو وہ ستون سے باتیں کر رہے تھے۔ غرض ان کے پاس اکثر آمد ورفت رہا کرتی تھی۔ قیاس غالب یہی ہے کہ جس شیخ ابوالقاسم کو آپؒ نے ''کشف الاسرار'' میں علم دین کا استاد لکھا ہے، وہ شیخ ابوالقاسم گرگانی ہی تھے۔ ان سے ایک مقولہ بھی نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ میرے علم دین کے استاد فرمایا کرتے

Marfat.com

تھے۔ ''فقر میں رضا جوئی مرشد سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں۔ پس فقیر کو چاہیے کہ مرشد ہی کی حضوری رکھے۔ یعنی ہر وقت مرشد کو اپنے پاس ہی سمجھے۔'' آگے مرشد کی تعریف کی ہے کہ کس قسم کا ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ جو خود ہی ڈوبا ہوا ہو اور اپنے مرید کو بھی ساتھ لے ڈوبے۔

حضرتؒ کی پہلی تصنیف بارہ سال کی عمر میں

حضرت ''کشف الاسرار'' میں اپنے وطن میں بہت سے عجائبات دیکھنے کا ذکر کرتے ہیں۔ تفصیل تو نہیں لکھتے، مگر اتنا لکھتے ہیں کہ اگر تحریر کئے جائیں تو دنیا سیاہ آنسو بہانے لگ جائے۔ ان الفاظ کے بعد عجائبات کا ایک شمہ الفاظ ذیل میں ظاہر کرتے ہیں۔ وہاں (یعنی غزنی میں) ایک پیر مرد تھے۔ نام شیخ بزرگ اور تھے بھی بزرگ۔ ایک دن مجھ سے فرمایا۔ ''اے علی! کوئی ایسی کتاب لکھ کہ تیری یادگار رہ جائے۔'' اس وقت حضرت کی عمر صرف بارہ سال کی تھی۔ اس عمر کے لڑکے سے ایک پیر مرد کی یہ فرمائش کہ کوئی کتاب تصنیف کرو اور وہ کتاب بھی سرمایہ عمر اور قابل یادگار ہو۔ بظاہر کس قدر تعجب کی بات ہے، لیکن وہ پیر مرد ہی نہ تھے، بلکہ پیر روشن ضمیر بھی تھے۔ وہ حال میں مستقبل کی علامات اور بالائے سرش ستارۂ بلندی کی جھلک دیکھ رہے تھے۔

آپ لکھتے ہیں۔ ''میں نے اس پیر مرد سے عرض کیا کہ اے شیخ بزرگ! میری عمر ابھی بارہ سال کی ہے۔ علم سے بھی ناواقف ہوں۔ آپ کے حکم کی تعمیل کس طرح کر سکتا ہوں۔'' مگر جب اس پیر مرد نے بہت اصرار کیا تو آپؒ ایک کتاب لے آئے، جو اسی شہر میں آپ کی اس فرمائش سے (تھوڑا عرصہ) پہلے ہی آپؒ نے لکھی تھی۔ کتاب پڑھ کر اس پیر مرد نے فرمایا۔ تُو دین میں بڑا شخص ہوگا۔ آپ نے کہا آپ کی مہربانی چاہیے۔

ایک قلمی تحریر میں نظر سے گزرا ہے کہ اس کتاب کا نام ''بقاء وفناء'' ہے مگر اور کسی تصنیف بلکہ خود حضرت نے بھی اس کتاب کا نام نہیں بتایا، اس لئے یہ قابل اعتبار نہیں ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ کی پہلی اور دوسری شادی

حضرتؒ نے اپنی پہلی شادی کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ کب ہوئی، کہاں ہوئی۔ جہاں انہوں نے دوسری شادی کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ''گیارہ سال سے خدا تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا۔ مقدر نے آخر اس میں پھنسا دیا اور میں عیال کی صحبت میں دل و جان سے بن دیکھے ہی گرفتار ہو گیا۔'' یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپؒ بچپن ہی میں مناکحت کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے تھے اور پہلی بیوی کے انتقال کے بعد گیارہ سال تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی پہلی شادی بھی والدین کی موجودگی ہی میں ہوئی تھی اور دوسری شادی بھی ان کی موجودگی بلکہ یقیناً انہی کے اصرار سے ہوئی ہوگی، کیونکہ حضرت نے ''کشف المحجوب'' اور ''کشف الاسرار'' میں عورتوں سے خدا کی پناہ طلب کی ہے اور ان کی ذات کو فتنہ وفساد کا مخزن قرار دیا ہے، بلکہ آپ نے بھی اپنی دونوں متذکرہ بالا

Marfat.com

کتابوں میں حالت تجرید ہی کو پسند کیا ہے۔ نکاح ثانی کے بعد آپ کے یہ الفاظ کہ خدا تعالیٰ نے اس آفت سے بچایا ہوا تھا۔ اب مقدر نے پھر اس میں پھنسا دیا۔ آپ کی دلی ناپسندیدگی کا روشن عکس ہیں، مگر والدین کے ادب واحترام کی وجہ سے علانیہ انکار نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت علی ہجویریؒ پھر حالتِ تجرید میں

چنانچہ لکھتے ہیں۔ ''ایک سال تک اس آفت میں غرق رہا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور بخشش اور رحمت سے مجھے خلاصی عطا کی۔''

یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ایک سال کے بعد آپ کی دوسری عورت کا بھی انتقال ہو گیا اور پھر آپؒ نے تادمِ وصال نکاح کا نام نہیں لیا۔ آپؒ ہر چند تجرد و تنہائی کو زیادہ پسند کرتے اور عورت سے دور رہنے کے خواہشمند تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ مگر نکاح کے متعلق آپ نے ''کشف المحجوب'' میں جو تین قسم کے خیال ظاہر کیے ہیں، وہ بھی آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ فرماتے ہیں: (۱) مرد عورت سبؒ پر نکاح کرنا عموماً مباح ہے۔ (۲) جو حرام سے پرہیز نہ کر سکیں، ان پر فرض ہے۔ (۳) اور جو عیال کا حق ادا کر سکے، اس پر سنت ہے۔

آپ کے نکاح ثالث کے نہ ہونے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والدین کا آپ کے نکاح ثانی کے بعد ہی انتقال ہو گیا ہوگا، کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ضرور آپ کے نکاح کی کوشش کرتے اور حضرت علی ہجویریؒ اپنے والدین کے چونکہ از حد فرمانبردار تھے اور ان کو دونوں جہانوں کا قبلہ کہتے تھے، اس لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ ان کے حکم سے روگردانی کرتے۔

حضرت علی ہجویریؒ کی سیر و سیاحت

بزرگانِ سلف، صوفیائے کرام اور علمایانِ دین کی سیر و سیاحت کا مطلب دنیا جہان کی بے سُود گرداوری نہیں تھا۔ وہ کوئی خاص مقصد لے کر باہر نکلتے تھے اور جب تک اس میں کمال حاصل نہ کر لیتے تھے، واپس نہ آتے تھے۔ کوئی اشاعت دین کی غرض سے باہر نکلا ہے۔ کوئی حصول علم کی خاطر۔ تاکہ اس میں کمال حاصل کر کے خلق اللہ کو صراط مستقیم دکھا سکے۔ حضرت علی ہجویریؒ نے غزنی کے بزرگوں سے بھی بہت کچھ حاصل کیا تھا لیکن غزنی میں رہ کر ع

تا بہ دکان خانہ در گروی

کے مصداق نہیں بننا چاہتے تھے۔ وہ ریاضت و جفاکشی، حصول تجربہ اور حصول علم کی خاطر اپنے پیرومرشد کے ساتھ بھی ممالک میں پھرتے رہے اور تنہا بھی کئی مقامات پر گئے اور ریاضت شاقہ کے علمی سبق حاصل کرتے رہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ہندوستان میں تشریف لانے سے پہلے خراسان، ماوراء النہر، مرو اور آذر بائیجان تک کی سیاحت کی ہے، چنانچہ تھوڑے تھوڑے حالات آپ کی سیر و سیاحت کے جو کتاب ''کشف المحجوب'' سے معلوم ہو سکے، لکھے جاتے ہیں۔

۱۱۲۲ھ

Marfat.com

''کشف المحجوب'' میں جہاں آپ نے ادب کی خوبیاں اور احکام بیان کیے ہیں، وہاں اپنے سفر خراسان کا ذکر کرتے اور لکھتے ہیں۔ ''میں عثمان جلابی کے بیٹے علی نے خراسان[3] کے ایک گاؤں میں جس کو کمندور کہتے ہیں، ایک آدمی کو دیکھا ہے جس کو ادیب کمندی کہتے تھے۔ یہ بزرگ شخص بیس سال تک پاؤں کے بل کھڑا رہا اور سوائے نماز کے کبھی نہیں بیٹھتا تھا۔ لوگوں نے کھڑا رہنے کا سبب پوچھا۔ جواب دیا مجھے ابھی تک یہ درجہ حاصل نہیں ہوا کہ خدا کے مشاہدہ میں بیٹھنے کی عزت حاصل کرسکوں۔'' سچ ہے۔

ادب تاجیست از سرِّ الٰہی بند برسر برو ہر جا کہ خواہی

ایک[4] مرتبہ ماوراء النہر جا نکلے۔ احمد حماد سرخسی آپ کے رفیق تھے۔ ان سے پوچھا تم نکاح کیوں نہیں کرتے۔ اس نے کہا ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ فرمایا کیوں؟ کہا کہ میں اپنے زمانہ میں یا اپنے سے غائب ہوتا ہوں، یا غائب ہوتا ہوں تو دونوں جہانوں سے مجھے کچھ یاد نہیں ہوتا اور جب حاضر ہوتا ہوں تو اپنے نفس کو ایسا رکھتا ہوں کہ ایک روٹی کو ہزار حور سے بہتر سمجھتا ہوں۔ پس دل کے شغل سے بہتر اور کوئی شغل نہیں۔

''کشف المحجوب'' میں جو حقائق و معارف کا خزانہ ہے، باب الاشعار میں لکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ مرو[5] میں تھا۔ اہلِ حدیث کے ایک بڑے امام نے جو بہت مشہور تھا، مجھ سے کہا کہ میں نے سماع کے مباح ہونے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ میں نے کہا۔ اس سے بڑی خرابی پیدا ہوگی کہ تم نے جو خواجہ امام ہو، لہو یعنی کھیل کو جو سب گناہوں کا اصل ہے، حلال کر دیا ہے۔ اس نے کہا۔ اگر تو حلال نہیں سمجھتا تو آپ سماع کیوں کرتا ہے؟ فرماتے ہیں۔ میں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہر شخص سماع کے قابل نہیں ہے۔ اگر دل میں حلال کی تاثیر ہے، تو سماع حلال ہے اور اگر حرام کی تاثیر ہے تو حرام اور اگر مباح کی ہے تو مباح۔ جس چیز کا ظاہری حکم گناہ ہے، ممکن ہے صاحب باطن پر اس کا اطلاق نہ ہوسکتا ہو۔

سماع کی حقیقت اور اس کے مراتب کا جہاں ذکر کیا ہے، وہاں لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ[6] آذر بائیجان کے پہاڑوں میں پھر رہا تھا کہ ایک درویش کو دیکھا جو بہ حسرت وزاری اشعار پڑھ رہا تھا۔ شعروں کے پڑھنے کے بعد اس کا رنگ ایسا متغیر ومتاثر ہوا کہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور میرے دیکھتے دیکھتے وہ بے ہوش ہوکر گر پڑا اور جان جاں آفریں کو سونپ دی۔

ہندوستان کا سفر اختیار کرنے سے پہلے یقیناً آپ نے اور ممالک کی بھی سیر کی ہوگی، مگر ''کشف المحجوب'' سے جو آپ کی کئی تصانیف سے صرف ایک ہی مطبوعہ ضخیم تصنیف ہے، انہی چار پانچ سفروں کا حال معلوم ہوا ہے، جو اوپر درج کر دیا گیا ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ کی تصنیفات

متاہل زندگی کی بے فکری نے مطالعہ اور سیر وسیاحت کا شوق پیدا کر دیا تھا چنانچہ خوب پھرے اور تصنیف و

Marfat.com

تالیف کی طرف آئے تو ایسے ایسے جواہرِ گرانمایہ اور نکات و رموز ظاہر ہوئے، جو حجاب بشریت کے کاشف اور شرح تحقیق کے کلمات پاک ثابت ہوئے۔ آپؒ کی سب سے پہلی تصنیف جو بارہ سال کی عمر میں لکھی گئی تھی، کے علاوہ آپؒ کی مندرجہ ذیل تصنیفات کا آپؒ کی کتاب ''کشف المحجوب'' سے پتہ چلتا ہے:

(۱) دیوان جو صوفیانہ اور عارفانہ کلام سے مملو تھا۔

(۲) منہاج الدین۔

(۳) البیان لاہل العیان۔

(۴) اسرار الخرق والمؤنیات۔

(۵) کشف الاسرار۔

(۶) الرعایت بحقوق اللہ۔

(۷) کشف المحجوب۔

اب ہر ایک کتاب کی نسبت تھوڑا ذکر کیا جاتا ہے:۔

(۱) دیوان: اس کی نسبت وہ خود ہی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے پڑھنے کے لئے لیا۔ ایک ہی نسخہ میرے پاس تھا۔ وہ دے دیا۔ اس غارت گر نے دیوان میں جہاں میرا نام آتا تھا، اپنا نام لکھ دیا اور میری ساری محنت ضائع کر دی۔ یہ دیوان آپ کی سب سے پہلی تصنیف تھی۔ جو لوگ شاعر نہیں بلکہ شاعر ہیں اور جو سمجھتے ہیں ۔

خشک سیروں تن شاعر کا لہو ہوتا ہے
جب نظر آتی ہے اک مصرع تر کی صورت

وہ اُس رنج و قلق اور دماغی محنت کی تباہی و بربادی کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو ایک شعر نہیں۔ ایک غزل نہیں، بلکہ سارے کا سارا دیوان ایک مضمون چور کے اڑانے سے کسی شاعر کے قلب پر پڑ سکتا ہے۔ پھر شاعر بھی وہ جو منازل طریقت کا شہباز اور انوار عرفانی کا لاجواب مطلع اور علوم ظاہر و باطن کا عالم باعمل ہو۔

حضرتؒ کے چند اشعار کا نمونہ کسی دوسری جگہ درج ہے۔

(۲) منہاج الدین: دوسری تصنیف ہے، لیکن اس کا حشر پہلی تصنیف ہی کی طرح ہوا۔ یعنی اس کتاب کو بھی ایک شخص نے لے کر آپ کا نام اس سے مٹا دیا اور عام لوگوں کے نزدیک اس کا مصنف اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ مگر لکھتے ہیں خاص لوگ (جو اس کتاب کو آپ کے نام سے اور آپ ہی کے پاس دیکھ چکے تھے۔) اس کے قول پر ہنستے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی بے برکتی اس کو نصیب کی اور اپنی درگاہ کے طالبوں کے دیوان سے اس کا نام مٹا دیا۔ دیوان کے چور کے لئے تو آپ نے فرمایا۔ اچھا اللہ اس پر رحمت کرے، مگر ''منہاج الدین'' کے چور کے لئے آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ ''اس ادعٰی بدعٰی کا خدا کرے نام روشن نہ ہو۔'' یہ کتاب تصوف کے متعلق تھی اور غزنی ہی میں لکھی گئی تھی۔

Marfat.com

(۳) **البیان لاہل العیان**:۔ یہ آپ کی تیسری کتاب کا نام ہے۔ یہ کسی نے چرائی تو نہیں، مگر بالکل ناپید ہے اور غالب خیال یہ ہے کہ زیور طبع سے آراستہ ہی نہیں ہوئی۔ کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتاب میں اہلِ ظاہر کے بیانات (خیالات وکلمات) کو نا قابل وقعت ٹھہرایا ہوگا۔ ایک جگہ ''کشف المحجوب'' میں اس کتاب کا ذکر بھی آیا ہے۔ وہاں لکھتے ہیں معراج کی رات کو جب پیغمبر علیہ السلام کو دونوں جہان دکھائے گئے تو آپ نے کسی چیز کی طرف توجہ نہ کی۔ وہ یہ کہ وہ جمع میں جمع تھے اور جو جمع ہوا، وہ تفرقہ کو پسند نہیں کرتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغیٰ۔ محمد ﷺ کی آنکھ نے اِدھر اُدھر نہ میل کی۔ نہ حطنہ سے گذری۔ اسی موقعہ پر آپؒ نے لکھا ہے کہ ان معنوں میں (تفصیل کے ساتھ) میں نے ابتداء میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے جس کا نام ''البیان لاہل العیان'' رکھا ہے۔

(۴) **اسرار الخرق والمؤنیات**: یہ کتاب شیخ و مرید کے باب میں لکھی گئی ہے چنانچہ اس کا ذکر بھی آپؒ نے ''کشف المحجوب'' میں اس موقعہ پر کیا ہے، جہاں شیخ کے آداب و فضائل کا بیان ہے۔ مرقعہ یا خرقہ کی توضیح بیان کرتے ہوئے تجرید فرماتے ہیں جب باطن کے لئے تو نے ایسا مرقع بنایا۔ جس کا قبہ (کلس کا گنبد' کنگرہ) محبت سے بنایا گیا ہو، جس کی دو آستینوں سے مراد نفس کی حفاظت اور پاکیزگی ہو، جس کی تریزیں فقر اور برگزیدگی سے ہوں تو ظاہر کو بھی اس کے موافق بنانا چاہیے اور اس باب میں میری ایک کتاب ہے جس کا نام ''اسرار الخرق والمؤنیات'' ہے اور جس کا ایک ہی نسخہ ہے اور وہ بھی مرو میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ کتاب بھی اب تک نہیں چھپ سکی۔ مرو اور اس کے علاقہ میں یا تو اس کی نقلیں لوگوں نے کر لی ہوں گی، یا کسی کی غفلت و عدم توجہی اور مرور زمانہ کی وجہ سے گم ہوگئی ہوگی۔ بہر حال ہندوستان میں یہ کتاب نہیں ہے۔

(۵) **کشف الاسرار**: یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے، لیکن تصوف و معرفت کے نکات و رموز سے مالا مال ہے۔ ایک ایک نکتہ اس کتاب کا کئی کئی صفحوں کی تشریح کا محتاج ہے۔ یہ کتاب لاہور میں لکھی گئی ہے اور اسی کتاب سے آپ کی ایک غزل اور دو شعر مل سکے ہیں۔ اس کتاب کا بھی اردو میں ترجمہ چھپ چکا ہے، جس کے لئے پبلک صوفی منش مترجم (مولوی فیروز الدین صاحب) کی مرہون منت ہے۔

(۶) **الرعایت بحقوق اللہ**: یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ان حقوق کی رعایت میں لکھی گئی ہے جو عبد ہونے کی حالت میں ہم پر واجب ہیں۔ وحدانیت اور توحید کے مسئلہ پر اس میں خوب بحث کی گئی ہے اور ان لوگوں کے جو بے انتہا صانعوں اور خالقوں کو مانتے ہیں۔ بے ہودہ سخنوں کا قوی دلیلوں اور روشن براہین کے ساتھ رد کیا ہے۔ یہ کتاب بھی نایاب ہے اور اس کا صرف نام ہی نام سنا جاتا ہے۔

(۶) **کشف المحجوب**: حضرت کی تمام تصنیفات سے یہی ایک تصنیف ہے جو بہت ضخیم ہے اور عام طور پر ملتی ہے اور جس کی نسبت یہ یقین سے ظاہر کیا جاتا ہے کہ زمانہ قیام غزنی کی یہ سب سے آخری تصنیف ہے اور حضرت لاہور

Marfat.com

کی تشریف آوری کے وقت اس کو اپنے ہمراہ ہی لے آئے تھے اور یہیں اس کو مکمل کیا گیا تھا۔ کیونکہ اس کتاب میں ہندوستان کے ایک واقعہ کا بھی ذکر ہے۔ یہ کتاب ابوسعید ہجویری کی (جن کا مزار آپؒ کے احاطہ چار دیواری میں موجود ہے) اس خواہش کے مطابق لکھی گئی تھی کہ تصوف کے طریقہ کی تحقیق اور اہل تصوف کے مقاموں کی کیفیت، ان کے اقوال و مذاہب کا ذکر، ان کے رموز و اشارات اور خدائے بزرگ و بلند کی حجت کی حقیقت اور دلوں پر اس کے ظاہر کرنے کی حقیقت کا ذکر کیا جائے۔ عقول کے حجاب کا سبب ان کی حقیقت سے نفس کی نفرت اپنی صفائی اور پاکیزگی سے روح کے آرام کا بیان کیا جائے۔ ابوسعید ہجویری وہی بزرگ تھے جو غزنی سے آپؒ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے تھے۔

''کشف المحجوب'' میں تصوف و معرفت کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو نظر انداز کیا گیا ہو۔ یہ کتاب گم گشتگانِ راہِ ضلالت کے لئے ایک چراغِ ہدایت ہے۔ اصل کتاب فارسی میں ہے، مگر اب اُردو میں اس کا ترجمہ چھپ گیا ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ کی شاعری

حضرت علی ہجویریؒ کے دیوان کے متعلق قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ ایک شخص نے پڑھنے کے لئے لیا اور حضرتؒ کے نام کی جگہ اپنا نام یا تخلص رکھ کر اُس دیوان کو اپنے نام سے مشہور کر دیا۔ خدا ہی کو معلوم ہے کہ حضرتؒ نے دماغ کے صدف سے کیا کیا آبدار موتی اس کاغذی سمندر (دیوان) میں ڈالے ہوں گے، جن کو ایک مضمون چور مگرمچھ بن کر نگل گیا اور حقیقت و معرفت کے غواصوں کو اس خزانہ سے محروم کر گیا۔

''کشف الاسرار'' میں بھی آپؒ نے اپنے دیوان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''میں نے بہت سے شعر کہے ہیں، بلکہ ایک دیوان بھی تیار کیا ہے جو دیکھنے والوں کی نظر میں بہت پسند اور مرغوب ہوا ہے۔''

شاعری میں آپؒ نے کسی سے اصلاح نہیں لی اور نہ تکلف اور غور اور دماغ سوزی اور تصنع کو شاعری میں دخل دیا ہے بلکہ بے ساختہ جو کچھ زبان پر آیا ہے اور یادِ الٰہی نے جس قسم کی تڑپ دل میں پیدا کی ہے، ویسے ہی اشعار موزوں ہوتے گئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

> ''اے میرے مرید! میں ہر روز یار کے دیدار کو جاتا ہوں اور وہ کبھی کبھی مجھے جلوہ بھی دکھاتا ہے اور میں نے اپنے دیوان کو اسی حالت میں کہا ہے کہ جب یار کا منہ دیکھا جو کچھ بے اختیار منہ سے بغیر کسی فکر کے نکلتا گیا، دیوان بن گیا۔''

''کشف الاسرار'' میں آپؒ نے اپنی ایک چھوٹی سی غزل بھی درج کی ہے جو حسب ذیل ہے:

اشتیاقت روز و شب دارم دلا　　عشق تو دارم نہان و برملا
جاں بخواہم داد اندر کوے تو　　گر مرا آزار آید یا بلاء

Marfat.com

سوزِ تو دارم میانِ جان و دل میدہم از عشق تو ہر سو صدا
یا خداوندا رقیباں رابکش مست دریادت بگرداں یامرا
یارمن : داری شراب جام ِخوش مہربانی کن بمن غمِ مبتلا
دلبرا از تو ہے خواہم لقاء کن تو آرے مکن ہر گز تولاء
اے علی تو فرخی و شہروگو
دِہ زعشق خویشتن ہر سوصلاء

''کشف الاسرار'' کے آخر میں بھی جہاں لکھا ہے، ''الٰہی میری کتاب کونورانی کردے اور میرے گناہوں کو معاف فرما کہ جو کچھ ہے تو ہی تو ہے۔'' حضرت نے اپنے طبع زاد دوشعر لکھے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

مکن اے علی بیش ازیں گفتگو اگر مرد خفی و پاکیزہ خو
ہر آنچہ تو داری ثواب و عذاب آمرزش بخواہ از خدا بالصواب

حضرت علی ہجویریؒ کو لاہور کی روانگی کا حکم

جب حضرتؒ کے پیر روشن ضمیر کو معلوم ہو گیا کہ مرید اب تکمیل کو پہنچ گیا ہے اور اب وہ وقت آ گیا ہے کہ عوام الناس کو اس کی ذات سے فیض و برکت حاصل ہو، تو آپ نے ایک دن ان سے فرمایا کہ تم لاہور میں جاؤ۔ وہاں تمہاری بڑی ضرورت ہے اور وہ لوگ اس چشمہ کے منتظر ہیں اور اس سے سیراب ہونے کے متمنی ہیں جو تمہاری ہدایات ونصائح اور تمہارے خُلق اور تمہارے علم وفضل اور تمہارے فقر وتصوف سے اس سرزمین میں جاری ہونے والا ہے۔ آپؒ نے جواب دیا کہ وہاں تو ہمارے پیر بھائی اور آپ کے مرید کامل حضرت حسین زنجانی موجود ہیں اور وہ قطب الاقطاب ہیں۔ ان کی موجودگی میں میری کیا ضرورت ہے اور میرے جانے سے وہاں کے لوگوں کو کیا فائدہ ہو گا۔ آپؒ کے مرشد حضرت ابوالفضل بن حسن ختلی نے فرمایا۔ تم کو چون و چرا، این و آں اور بحث ومباحثہ سے کیا مطلب۔ بلاتوقف جاؤ۔

غزنی سے لاہور کا سفر جس قدر دشوار گذار ہے اور جس قدر دور دراز فاصلہ پر ہے، اس کو کون نہیں جانتا۔ ملک الگ، زبان الگ، معاشرت الگ، آب وہوا میں نمایاں اختلاف۔ ایسے ملک اور ایسے دور دراز سفر کی تیاریوں کے لئے جس قسم کے ساز وسامان کی ضرورت ہے، وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں، مگر حضرت علی ہجویریؒ پاپیادہ بغیر کسی ساز وسامان اور بغیر کسی اہتمام وانصرام کے روانہ ہوئے۔ اس ملک میں جس کے رستے سے بھی ناواقف ہیں اور جس کے باشندوں میں سے کسی ایک سے بھی شناسائی نہیں رکھتے، بلکہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ کس کی کشش لئے جاتی ہے اور کس کام اور مقصد کے لئے۔

ماندایم کہ منزل گہِ مقصود و کجا است
ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

Marfat.com

''پیر و مرشد'' ایسا ہی کامل ہونا چاہیے جو ایک نظر میں مرید کو کامل بنا دے اور اسے چون و چرا کی مہلت ہی نہ دے اور مرید بھی ایسا ہونا چاہیے جو بغیر پس و پیش کے مرشد کے حکم کو سر آنکھوں پر رکھے اور کہے۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ دست

حضرتؒ کے زمانہ میں غزنی کی پولیٹیکل حالت

سلطان محمود ۲۳ ربیع الآخر ۴۲۱ھ کو فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کے دو بیٹوں امیر محمد اور امیر مسعود میں تخت و تاج کے لئے جھگڑے ہوتے رہے جو پانچ ماہ تک برابر جاری رہے۔ آخر تخت مسعود کے قبضہ میں آیا اور ملک نے کسی قدر اطمینان حاصل کیا۔

سلطان محمود کی وفات سے نو دس سال بعد ۴۳۰ھ تک جب تک حضرت علی ہجویریؒ غزنی میں رہے۔ چونکہ ایک ہی بادشاہ کی حکومت تھی اور ملک کا دوسرا دعویدار (امیر محمد) اندھا کر کے قید میں ڈال دیا گیا تھا، اس لئے ملک کی حالت عام طور پر بہت زیادہ تشویش انگیز نہ تھی۔ البتہ سلطان مسعود سلجوقوں اور ترکمانوں سے ضرور لڑتا رہا اور ۴۲۹ھ میں جرجان اور طبرستان کی فتح کے بعد ہندوستان بھی آیا اور ہانسی اور سونی پت کے قلعوں کو فتح کیا، مگر فائدہ سے زیادہ نقصان ہو گیا یعنی اس کی غیر حاضری میں اس کی مملکت میں شور عظیم پیدا ہوا اور سلجوقوں اور ترکمانوں اور طبرستان کے امیر کو (جو منحرف ہو گیا تھا) بغاوت پر آمادہ پایا اور بڑی مشکلوں سے ان سب کو سیدھا کیا۔

سلطان مسعود کی مشکلات اور اُس کی موت

جس سال حضرت علی ہجویریؒ ہندوستان کے سفر کے لئے ترکِ وطن پر آمادہ ہوئے ہیں، اس سال یعنی ۴۳۱ھ میں ان کے وطن غزنی پر سخت تباہی آئی۔ رمضان المبارک ۴۳۱ھ کو ترکمانوں نے چاروں طرف سے ہجوم کر کے غزنی کے تمام راستے بند کر دیئے۔ جنگ عظیم ہوئی۔ سلطان کو اس موقعہ پر اس کے بڑے بڑے سرداروں نے بڑا دغا دیا، سب دشمن سے جا ملے۔ وہ تنہا لڑتا رہا۔ آخر مرو میں گیا۔ بعض بھاگے ہوئے سرداروں کو ہندوستان کے قلعوں میں قید کیا۔ اپنے بھائی امیر محمد کو جو اس کے حکم سے نابینا کیا گیا تھا، غزنی کے قلعہ میں بھیج دیا۔ اس کے بیٹوں کو زرِ نقد عطا کیا۔ خلعت دیئے۔ وظیفے مقرر کئے، بلکہ اس کے بڑے بیٹے امیر محمد احمد کے ساتھ اپنی بیٹی حرہ گوہر کو منسوب کر دیا۔ یہ انتظامات کر کے اس نے بیگمات کو زر و جواہر اور ضروری چیز لینے کی تیاری کا حکم دے کر اپنے ہمراہ ہندوستان لے جانے کا ارادہ کیا، تا کہ وہاں سے فوج جمع کر کے لائے اور سلجوقوں کو اپنے ملک سے نکال دے۔ امراء اور وزراء نے منع کیا، لیکن وہ اپنے ارادوں سے باز نہ آیا۔ آخر دریائے سندھ سے پار اُترا۔ غلطی یہ کی کہ خزانوں کو پیچھے رکھا۔ ایک امیر کی نیت بگڑی۔ وہ خزانے لے کر واپس گیا اور اندھے امیر محمد کو جو قلعہ میں قید تھا، باوجود اس کے انکار کے تخت

Marfat.com

حکومت پر بٹھا دیا اور سلطان مسعود سے لڑانے کے لئے دریائے سندھ کے پار لے گیا۔ چونکہ اقبال مندی ساتھ چھوڑ رہی تھی، اس لئے سب چھوٹے بڑوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ آخر گرفتار ہو کر اپنے اندھے بھائی کے پاس جواب امیر محمد کی بجائے سلطان محمد تھا، لایا گیا۔ اس نے جان بخشی کر کے ایک قلعہ میں نظر بند کر دیا، جہاں وہ ۴۳۳ھ میں امیر احمد اپنے داماد اور سلطان محمد کے بیٹے کی تحریک سے قتل کر دیا گیا۔

غرض غزنی میں خون خرابہ کا زمانہ تھا۔ جب آپؒ نے لاہور آنے کا قصد کیا ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ کی روانگی لاہور کو اور اس بارہ میں مختلف بیانات

حضرت علی ہجویریؒ غزنی سے کسی قافلہ کے ساتھ بجانب لاہور روانہ ہوئے یا شاہی لشکر کے ہمراہ یا اپنے ہی مشرب کے چند صوفیوں کو اپنا ہمراہ بنایا۔ اس میں بہت کچھ اختلاف ہے۔

خان بہادر سید محمد لطیف اپنی کتاب ''تاریخ لاہور'' (انگریزی) میں لکھتے ہیں کہ آپؒ سلطان مسعود پسر سلطان محمود کی فوج کے پیچھے پیچھے ۴۳۱ھ میں لاہور تشریف لائے۔'' ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۴۳۱ھ میں سلطان مسعود نے ہندوستان پر چڑھائی بھی کی ہوگی۔

''فرہنگ آصفیہ'' میں جو اردو زبان کی ایک لاجواب اور ضخیم کتاب ہے، حضرت علی ہجویریؒ کا نام شیخ محمد مخدوم عرف داتا گنج بخش غزنوی لاہوریؒ لکھ کر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آپ سلطان مسعود ابن سلطان محمود کے ہمراہ لاہور تشریف لائے تھے اور زمانہ تشریف آوری ۴۳۱ھ لکھا ہے۔

قلمی کتاب پنجابی نظم کی جس کے صرف آٹھ صفحے راقم الحروف کو مل سکے ہیں اور جن کا نہ آغاز ہے، نہ انجام۔ حضرت کی تشریف آوری کے متعلق ظاہر کرتی ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ایک ''کتاب فوائد'' لکھی ہے۔ اس یں انہوں نے بیان کیا ہے کہ وہ اپنے پیر روشن ضمیر کے حکم سے غزنی سے لاہور کو روانہ ہوئے۔ حضرت علی ہجویریؒ نے عذر کیا کہ وہاں میرے پیر بھائی حسین زنجانی موجود ہیں۔ میری کیا ضرورت ہے۔ اس پر آپؒ کے پیر نے فرمایا ہے۔

دتا حضرت پیر نے ایہ جواب صفا   تینوں حکمت پچھنی اسو چہ مطلب کیا
کرتوں میرے حکم دی ہن فوراً تعمیل   نا کر اس فرمانو چہ حجت تے تاویل

یعنی حضرت پیر نے یہ جواب دیا کہ تمہیں روانگی کی حکمت و وجوہات کے پوچھنے سے کیا مطلب۔ تم بغیر کسی حجت و تاویل کے میرے حکم کی تعمیل کرو۔

اسی قلمی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب غزنی سے روانہ ہوئے ہیں، اس وقت سلطان مسعود ابن سلطان محمود کا زمانہ تھا اور

چار سو اِکّی تن سی ہجری وچہ شمار   کیتا جدوں پنجاب نوں حضرت نے آباد

یعنی ۴۲۱ھ میں آپؒ پنجاب تشریف لائے۔

بزرگانِ لاہور اور لاہور کی عماراتِ قدیمہ کے متعلق جو کتاب حکام کے ایماء سے ۱۸۶۴ء مطابق ۱۲۸۱ھ کو لکھی گئی تھی اور جس کا حجم ۸۰۰ صفحہ کے قریب ہے، اس کا نام ''تحقیقات چشتی'' ہے۔ اس کی تصنیف کو اکیاون سال کا عرصہ گذر چکا ہے، مگر حالات کی تحقیق و تفتیش بھی اگر شمار کی جائے تو پورے ساٹھ سال کا عرصہ سمجھنا چاہئے۔ یہ کتاب مقامی حکام کے ایماء وحکم سے لکھی گئی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ مصنف کو حالات کے فراہم کرنے میں بہت سہولت ہوئی ہو گی۔ مفتی غلام سرور کی کتاب ''خزینۃ الاصفیا'' بھی بہت مشہور ہے، مگر دراصل وہ اسی کتاب کی خوشہ چینی کا ثمرہ ہے، کیونکہ وہ ''تحقیقات چشتی'' کے مصنف کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں کہ ''مجھے درگاہوں اور مزاروں کے سجادہ نشین اپنا اور اپنے بزرگوں کا حال بتانے سے گریز کرتے ہیں جب آپ کو بہ اقبال سرکار یہ حالات دستیاب ہوں، تو ان کی نقل مجھے بھی مرحمت کریں''۔ ان حالات میں ''تحقیقات چشتی'' آخری ضخیم اور مستند کتاب ہے جو لاہور کے دیگر بزرگانِ دین کے ساتھ حضرت علی ہجویریؒ کے حالات پر بھی روشنی ڈال سکتی ہے۔ چنانچہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ اپنے پیر و مرشد کے حکم سے لاہور میں محض اشاعتِ دین کے لئے تشریف لائے تھے۔ ان کا قافلہ صرف تین آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ایک خود حضرت علی ہجویریؒ۔ ایک شیخ احمد جمادی سرخسی اور تیسرے شیخ ابوسعید ہجویری۹ جن کے استفسارات کے جواب میں آپ نے کتاب ''کشف المحجوب'' لکھی ہے۔

ان بیانات کی تطبیق تاریخی واقعات سے

''تاریخ لاہور'' اور ''فرہنگ آصفیہ'' کے مصنفوں نے جو یہ لکھا ہے کہ آپؒ ۴۳۱ھ میں لاہور تشریف لائے۔ یہ بیان تو درست معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ امر کہ آپ سلطان مسعود کی ہمراہی میں یا اس کی فوج کے ساتھ غزنی سے روانہ ہوئے، تحقیق طلب ہے۔ قلمی پنجابی نظم والی کتاب کا لکھنا کہ آپؒ سلطان مسعود کے زمانہ میں لاہور آئے، درست ہے لیکن یہ امر کہ آپ ۴۲۱ھ میں لاہور پہنچے۔ تاریخی ثبوت کا محتاج نظر آتا ہے۔

جب ہم تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ سلطان مسعود ۱۹ ذی الحجہ ۴۲۹ھ کو غزنی سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا اور ۲۵ محرم ۴۳۰ھ یعنی ایک ماہ سات دن کے بعد دریائے جہلم کے کنارے خیمہ زن ہوا اور لاہور سے گذر کر نہم ربیع الاول ۴۳۰ھ کو (یعنی ورودگی جہلم سے کامل ڈیڑھ ماہ اور روانگی غزنی سے دو ماہ بائیس دن بعد) ہانسی (ضلع حصار میں) پہنچ گیا۔ جس کے سرکشوں کی تنبیہ کرنے اور قلعہ ہانسی و پانی پت کو فتح کرنے کے خیال سے وہ گھر سے نکلا تھا۔ سلطان کی عدم موجودگی میں سلجوقوں اور ترکمانوں نے ملک میں ایک شورش برپا کر دی، اس لئے مسعود کو جلدی واپس آنا پڑا۔ واپس آ کر فتنہ کی آگ دبا تو دی مگر بجھائی نہ جا سکی، بلکہ ۸ رمضان ۴۳۱ھ کو ان قوموں کا اس قدر زور ہو گیا کہ سلطان کو مرو میں جانا پڑا اور اپنے اندھے بھائی کو غزنی کے قید خانہ میں بھیجنا پڑا، تا کہ دشمن اسے اپنے قبضہ میں لا کر تخت کا دعوے دار نہ بنا دیں۔ اپنی ایک بیٹی کو بھائی کے لڑکے سے منسوب کر دیا۔ بھتیجوں

کے وظیفے مقرر کر دیئے اور بیگمات اور کچھ فوج اور خزانہ ہمراہ لے کر ہندوستان کو روانہ ہو گیا۔ ۸ رمضان کو جب سلطان مسعود کو مرو جانا پڑا ہے، اس وقت ۴۳۱ھ کے ختم ہونے میں تین مہینے اور بائیس دن تھے۔ مرو میں جانے، مفرور سرداروں کو جمع کر کے ہندوستان کے قید خانوں میں بھیجنے اور بھائی اور بھتیجوں کے معاملات کو درست کرنے کے لئے ایک ایسے ملک میں جہاں شورش اور فساد موجود اور امن واطمینان مفقود ہو، تین مہینہ کا عرصہ بہت زیادہ نہیں ہے۔ اگر ہمارا یہ خیال درست ہو، تو سلطان مسعود ذی الحج کے مہینہ میں بیگمات کو ہمراہ لے کر غزنی سے روانہ ہوا تھا اور ابھی وہ اٹک کے پار ہی پہنچا تھا کہ اس کا ایک امیر خزانہ کو واپس لے کر غزنی چلا گیا اور اس کے مکحول بھائی کو اس کے مقابلہ کے لئے اٹک کے پار لے گیا جہاں سلطان مسعود بچارا گرفتار ہو گیا۔ سلطان مسعود ۴۲۹ھ میں جب غزنی سے ہندوستان روانہ ہوا تو وہ ایک ماہ سات دن کے عرصہ میں جہلم پہنچا تھا۔ اب اٹک پہنچنے کے لئے بھی اس کو کم از کم ایک مہینہ صرف کرنا پڑا ہو گا جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ محرم ۴۳۲ھ کے وسط یا اس ماہ کی کسی کم وبیش تاریخ کو اٹک پہنچا ہو گا اور پھر یہیں سے گرفتار ہو کر واپس غزنی میں اس غریب کو جانا پڑا تھا۔ یعنی اس سفر میں جو اس کا آخری سفر تھا، اس کو ہندوستان کیا لاہور بھی دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

اس طویل تحریر سے مطلب یہ ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ کی تشریف آوری جو سلطان مسعود کے ہمراہ بیان کی جاتی ہے، وہ درست معلوم نہیں ہوتی، اس لئے کہ ۴۳۱ھ میں جب حضرت علی ہجویریؒ لاہور میں آئے ہیں، سلطان مسعود پنجاب میں نہیں آیا، بلکہ وہ ۴۳۰ھ کے شروع مہینے میں جہلم پہنچا ہے۔ اس کے بعد دوسرا سفر جو سلطان مسعود نے کیا ہے، وہ ۴۳۲ھ کے ابتداء میں ہے جس میں وہ اٹک تک ہی پہنچنے پایا تھا کہ اس کے مکحول بھائی نے اس کو گرفتار کر لیا۔ یہ درست ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمان بادشاہ کسی غیر اسلامی ملک پر حملہ کرنے کے وقت علماء وصوفیاء کی ایک جماعت بھی ساتھ رکھا کرتے تھے جو اپنے گفتار وکردار اور اپنے حسن خُلق سے کفر کی تاریکی کو اسلام کی نورانی شعاعوں سے دور کر دیتے تھے، مگر تاریخ ثابت کرتی ہے کہ ۴۳۱ھ میں جب حضرت علی ہجویریؒ لاہور آئے، سلطان مسعود نے پنجاب پر کوئی حملہ نہیں کیا، بلکہ وہ پنجاب میں شروع ۴۳۰ھ اور شروع ۴۳۲ھ میں آیا ہے۔ اس کا دوسرا سفر حملہ کے لئے نہیں بلکہ اپنے بچاؤ کے لئے تھا اور وہ پنجاب سے فوج لے کر غزنی سے سلجوقیوں اور ترکمانوں کا اثر کم کرنا چاہتا تھا۔ اس حالت میں یہ کبھی ممکن نہیں ہو سکتا کہ وہ علماء وصوفیاء کا ایک گروہ بھی ساتھ لایا ہو۔

پنجابی نظم کی قلمی کتاب میں جو یہ لکھا ہے کہ آپؒ ۴۲۱ھ میں لاہور آئے، یہ بھی غلط ہے۔ ۴۲۱ھ میں سلطان محمود کا انتقال ہوا تھا اور اس کے بعد اس کے جانشینوں میں کئی ماہ تک لڑائی جھگڑے رہے اور آخر سلطان مسعود تخت پر بیٹھا۔

جن لوگوں کو معلوم ہے کہ گذشتہ زمانہ کے صوفی اور اہل دل لوگ اشاعتِ توحید اور تبلیغ رسالت کی خاطر سفر کی صعوبتیں اٹھاتے رہے اور خاردار بیابانوں اور ہولناک جنگلوں اور دہشت خیز پہاڑوں کو محض تن تنہا عبور کرتے رہے ہیں اور محض اپنے سچے اسلامی سپرٹ اور کیریکٹر کی بدولت بے تیغ وتفنگ اسلام کی نمایاں خدمات بجا لاتے رہے

Marfat.com

ہیں۔ ان کو حضرت علی ہجویریؒ کے تنہا یا صرف چند ہمراہیوں کے ساتھ روانہ پنجاب ہونے پر ذرا بھی تعجب اور شبہ نہیں ہوتا اور نہ ہونا چاہیے۔

حضرتؒ کی تشریف آوری سے پہلے لاہور کی حالت

۳۶۷ھ مطابق ۹۷۷ء سے پہلے پنجاب، دہلی، کالنجر وغیرہ صوبجات میں ہندوؤں کی حکومت تھی۔ ۹۷۷ء سبکتگین غزنوی امیر افغانستان اپنے جلوس کے پہلے ہی سال میں لاہور پر حملہ آور ہوا اور نہ صرف لاہور بلکہ ملتان کا صوبہ بھی اپنے قبضہ میں کر لیا۔ ان دنوں برہمن خاندان کا راجہ جے پال لاہور میں حکومت کرتا تھا۔ سبکتگین نے اس کا ملک اسی کو بخش دیا، مگر وہ ہزیمت وشکست کا دھبہ مٹانے کے لئے دریائے سندھ کو عبور کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہوا اور شکست کھا کر اور بھی الٹا شرمسار ہوا، بلکہ زر نقد اور ہاتھیوں کی پیشکش اور بہت سے ہندی تحائف دینے کی شرط کر آیا۔ امیر سبکتگین نے اپنا معتمد نواب خیر اللہ خاں ساتھ بھیجا۔ واپس آنے پر برہمنوں نے ادائے خراج سے منع کیا اور چھتریوں نے ایفائے عہد پر زور دیا۔ چونکہ برہمنوں کا زور تھا، اس لئے راجہ جے پال نے اپنی شامتِ اعمال سے انہی کی بات مان لی اور نواب خیر اللہ خاں کی بر سر دربار سخت بے عزتی کی۔ جب یہ خبر غزنی پہنچی تو سبکتگین فوج کثیر لے کر روانہ ہوا اور باوجودیکہ تمام راجگان دہلی، اجمیر، قنوج و کالنجر وغیرہ نے راجہ لاہور کی مدد کی، مگر سبکتگین نے اسے شکست فاش دی۔

سبکتگین کے بعد اس کے بیٹے سلطان محمود نے ۳۹۱ھ میں لاہور پر حملہ کیا اور اپنے باپ کے قدیمی دشمن راجہ جے پال کو شکست فاش دی اور خراج و باج کا عہد و پیمان لے کر رہا کیا۔ راجہ کو باپ بیٹوں سے تین دفعہ شکست فاش مل چکی تھی۔ وہ اس شرم کی تاب نہ لا کر خود زندہ جل مرا اور راج اپنے بیٹے انند پال کو دے گیا۔

اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ ہی اشاعت اسلام کا دائرہ بھی وسیع ہو رہا تھا اور خدائے واحد کی پرستش کروڑہا دیوتاؤں پر غالب آ رہی تھی، بلکہ ملتان میں ایک مسلمان حاکم حمید لودھی بھی موجود تھا، جس کے سبکتگین سے اچھے تعلقات تھے۔ مگر جب اس کا پوتا ابو الفتح داؤد جو قرسطی[1] مذہب کا پیرو تھا، وہ دین اسلام میں رخنہ اندازی کرنے لگا، تو محمود کو ملتان پر چڑھائی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چونکہ لاہور سے ہو کر ملتان جانا پڑتا تھا، اس لئے راجہ انند پال والی لاہور سے صرف اس کے ملک سے گزر جانے کی امداد طلب کی، مگر اس نے انکار کیا۔ سلطان نے پہلے اس کا سر کچلا۔ آخر راجہ بھاگ کر کشمیروں کے پہاڑوں میں چلا گیا۔ بعد میں ابو الفتح داؤد پر بھی فتح پائی۔

اس عرصہ میں ہندوستان میں شعائر اسلام کا رواج ہو رہا تھا اور مساجد بھی تعمیر ہو رہی تھیں۔ سلطان محمود نے دسویں مہم جو تھانیسر پر کی، اس میں بھی سب سے پہلے لاہور ہی آنا پڑا۔ راجہ انند پال کو راہبروں کے مہیا کرنے اور سامان رسد تیار رکھنے کا حکم دیا۔ اس نے اپنی مملکت میں بنئے بقالوں کے نام احکام جاری کر دیئے اور اپنے بھائی کو دو ہزار سوار دے کر غزنی بھیجا کہ سلطان کو کہو کہ تھانیسر ہماری عبادت گاہ ہے۔ وہاں خراج لگا دو، تو بہتر ہے۔ میں بھی

Marfat.com

پچاس ہاتھی سالانہ نذر دیا کروں گا۔ سلطان نے کہا بت پرستی کی بیخ کنی کرنا اور شرع اسلام کا رواج دینا ہمارا پہلا فرض ہے۔ غرض محمود لاہور آ کے اُترا اور یہاں سے تھانیسر گیا۔

۴۱۲ھ میں لاہور کا راجہ انند پال کا بیٹا تھا۔ سلطان نے پہلے کشمیر کا قصد بعد میں لاہور کا ارادہ کیا۔ راجہ خوف کھا کر اجمیر کے راجہ کے پاس چلا گیا۔ سلطان نے اپنے لشکر کو لاہور کے قرب و جوار میں تاخت و تاراج کے لئے بھیجا۔ لشکر نے شہر اور اس کے مضافات کو خوب لوٹا۔ ملک بے وارث تھا۔ سلطان نے اپنے ایک معتمد کو لاہور میں ٹھیرایا اور پنجاب کو غزنی کا ایک صوبہ قرار دیا۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ دریائے اٹک کے جانب شرق میں لشکر اسلام نے سکونت کی اور مسلمان بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور دراصل اسی شہر سے سلطنت اسلامیہ کی بنیاد شروع ہوئی۔

غرض محمود نے جس قدر حملے ہندوستان پر کئے، وہ سب لاہور ہی کے راستے ہوئے، اس لئے لاہور اہل اسلام کے قدموں کا رمنا بنا ہوا تھا، مگر ۴۱۲ھ سے پہلے لاہور میں مسلمان امراء یا عام مسلمانوں کا اجتماع اس غرض سے نہیں ہوسکا تھا کہ وہ اس ملک کو اسلامی حکومت بنا کر یہاں قیام کریں۔

۴۳۲ھ بمطابق ۱۰۳۲ء میں سلطان محمود کے بیٹے سلطان مسعود کی طرف سے قاضی شیرازی لاہور کے حاکم اور تمام پنجاب کے ذمہ دار افسر تھے۔ سلطان نے کام کی زیادتی کی وجہ سے احمد نیال تگین کو سپہ سالار ہند کا عہدہ دے کر لاہور بھیجا۔ اس نے بنارس فتح کرنے کے بعد سرتابی کی۔ پھر سلطان نے ایک ہندو تلک نامی حجام زادہ کو یہ عہدہ دیا، جس نے شورش رفع کی۔ آخر میں سلطان نے شہزادہ امیر مجدالدین کو ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کر کے لاہور روانہ کیا۔

حضرت علی ہجویریؒ کی لاہور میں تشریف آوری

حضرت علی ہجویریؒ اپنے ہمراہیوں سمیت اپنے پیر روشن ضمیر حضرت خواجہ ابوالفضل بن ختلی کے ارشاد کے مطابق منزلوں پر منزلیں طے کرتے، راستے کے دیہاتی باشندوں کو پُر حکمت نصائح کے موتی لٹاتے، فقر و فاقہ اور صبر و شکر سے شکم پری کرتے اور آبلہ پاء کو خارِ براہ کا شکار بناتے ۴۳۱ھ بمطابق ۱۰۴۱ء میں لاہور پہنچے اور چونکہ شام کے بعد شہر میں پہنچے اور کسی سے جان پہچان نہ تھی، اس لئے بیرون شہر ہی شب باش ہوئے۔

قلمی پنجابی کتاب میں لکھا ہے کہ جہاں حوض ہے، وہاں حضرت نے قیام کیا۔ اس جگہ ایک بلند ٹیلہ تھا اور اس پر کریر کا ایک درخت بھی تھا۔ اس درخت کی لکڑی اب تک دربار میں موجود ہے۔ اس قلمی کتاب کے وہ اشعار جن کا مطلب متذکرہ بالا سطور میں لکھا گیا ہے، حسب ذیل ہیں:

حوض والی آ جگہ تے اُترے حضرت پیر　　　ٹبہ سی اک او سجا اس تے رُکھ کریر
اوہ لکڑی موجود ہے ہن تک وچہ دربار　　　دیکھے اکھیں جائیکے جس نوں نہیں اعتبار

غزنی سے چل کر شہر لاہور تک کا سفر اس زمانہ میں ڈیڑھ ماہ سے کم میں طے نہ ہوتا تھا۔ معلوم نہیں حضرت منزل بمنزل تشریف لائے یا راستے میں کہیں کچھ عرصہ کے لئے قیام بھی فرماتے رہے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ ان کی

Marfat.com

طبیعت چونکہ سیرانی تھی اور کسی خاص تاریخ پر پہنچنے کی کوئی پابندی نہ تھی، اس لئے یہ ڈیڑھ ماہ کا سفر آہستہ آہستہ طے کیا ہوگا۔ افسوس ہے کہ اس طویل سفر کے حالات پر کوئی کتاب روشنی نہیں ڈالتی۔

حضرت علی ہجویریؒ کی تشریف آوری کے وقت لاہور کی حالت

حضرت علی ہجویریؒ لاہور میں ۴۳۱ھ میں تشریف لائے ہیں۔ اس وقت غزنی اور لاہور میں سلطان مسعود کی حکومت اپنے آخری لمحے پورے کر رہی تھی، کیونکہ اسی سال کے آخر اور اس سے اگلے سال کی ابتداء میں سلطان مسعود اپنے اندھے بھائی سلطان محمد کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قید خانہ میں ڈالا گیا۔ جب اصل حکومت یعنی غزنی میں یہ خانہ جنگی برپا تھی تو فرع یعنی لاہور اور ہندوستان کے دیگر راجاؤں پر اس کا اثر ہونا لازمی تھا۔ لاہور تو ہندوستان کا ہیڈ کوارٹر اور دارالسلطنت تھا۔ یہاں سلطان مسعود کے چھوٹے بیٹے مجدود نے قبضہ کر لیا اور ہانسی اور تھانیسر تک اپنا استقلال جما لیا۔ اُدھر سلمان مودود (جو سلطان امیر محمد مکحول اور اس کے بیٹے احمد کے بعد تخت غزنی پر بیٹھا تھا) نے اپنے بھائی کے لئے لشکر جرار کی تیاری کی۔ دہلی اور دوسرے مقامات کے راجاؤں نے اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر اور باہمی اتفاق کر کے ہانسی اور تھانیسر کے مسلمانوں کو محصور کر لیا۔ محصورین نے اہل لاہور سے مدد مانگی، مگر باہمی رنجش کے سبب سے کمک نہ آئی، اس لئے بت خانے پھر قائم ہو گئے اور اتفاق ایسا ہوا کہ مجدود اپنے خیمہ میں خود بخود مردہ پایا گیا، جس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔

یہ حال دیکھ کر پنجاب اور گردونواح کے راجوں نے جو شیران اسلام کے خوف سے لومڑیوں کی طرح چھپے ہوئے تھے، سر باہر نکالا اور تین قوی دست راجاؤں نے دس ہزار سپاہ لے کر لاہور کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں پر یہ بڑا نازک وقت تھا اور لاہور کی رعایا نہ دن کو چین سے کاروبار کر سکتی تھی اور نہ رات کو آرام کی نیند سو سکتی تھی۔ اپنی نااتفاقی پر سب پشیمان تھے۔ آخر سلطان مودود کی اطاعت کی اور اس سے مدد مانگی، مگر پیشتر اس کے کہ غزنی سے مدد آئے، خدا کی قدرت نے ہند کے راجاؤں میں پھوٹ ڈال دی۔ اس طرح مسلمانوں نے عظیم فتح حاصل کی۔

ان حالات میں ملک کی اخلاقی اور مذہبی حالت کا کہاں ٹھکانا ہو سکتا ہے۔ اسلام کی ابھی یہاں ابتداء تھی، مگر باہم پھوٹ سے اس کی کافی نشوونما نہ ہو سکتی تھی۔ امرائے اسلام ضرور لاہور میں موجود تھے، لیکن اسلام کی اشاعت لوہے اور فولاد کی تلوار سے نہیں بلکہ خُلق محمدی کی تیغ آبدار سے ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ اسلام کے نہایت لطیف اور پاکیزہ اسرار بیان کرنے کے لئے صنم کدۂ ہندوستان میں اسلام کا وہ پہلا جید مشنری آیا جس کا نام علی مخدوم ہجویریؒ ہے اور جو آج اپنی فیض بخشی اور کرم گستری کی وجہ سے ''گنج بخش ہر دو عالم'' کے نام سے موسوم ہے۔

حضرتؒ کو پیر و مرشد کے حکم کا راز لاہور آ کر کھلا

جب آپؒ کو آپ کے پیر روشن ضمیر حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی نے لاہور جانے کے لئے فرمایا تھا تو

Marfat.com

آپؒ نے اس کا جواب دیا تھا کہ وہاں میرے پیر بھائی حضرت حسین زنجانی موجود ہیں۔ میرے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت مرشد نے فرمایا تھا۔ ان باتوں میں بحث مباحثہ کی ضرورت نہیں۔ جاؤ اور بلا توقف جاؤ۔ چنانچہ جب آپؒ لاہور آئے اور بیرون شہر رات کو قیام کر کے صبح کو شہر کی جانب روانہ ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جنازہ آرہا ہے۔ ایک جم غفیر اس کے ساتھ ہے۔ لوگوں سے پوچھا یہ کس کا جنازہ ہے؟ جب جواب میں حضرت حسین زنجانی کا نام سنا تو حکمتِ الٰہی پر دم بخود ہو کر شامل جنازہ ہو گئے اور تکفین و تدفین فرمائی۔

آپؒ کے پیر بھائی حضرت شاہ حسین زنجانی

اس کے قبل لکھا جا چکا ہے کہ جب آپ کو مرشد کامل حضرت ابوالفضل نے لاہور جانے کا ارشاد فرمایا تو آپؒ نے کہا کہ وہاں میرے پیر بھائی شاہ حسین زنجانی ہیں۔ میرے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ آخر جب آپ پیر کے حکم سے لاہور پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ لوگ حضرت شاہ حسین زنجانی کا جنازہ لے آتے ہیں۔ آپ ان کے جنازہ کے ساتھ اس مقام پر گئے، جہاں اب موضع کھوئی میراں آباد[11] ہے۔ چنانچہ پنجابی زبان کی قلمی کتاب کا شعرِ ذیل اس کی تصدیق کرتا ہے ۔

جنازہ پڑھ کر اُنہاں نُوں مشرق طرف لجا
پنڈ میراں دی کھوئی دے پھیر دِتا دفناء

یعنی جنازہ پڑھنے کے بعد ان کو شہر سے مشرق کی طرف لے گئے اور موضع کھوہی میراں میں دفن کر دیا۔

''تحقیقاتِ چشتی'' میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ المشائخ شاہ حسین زنجانی کے ہمراہ شہر زنجان سے حضرت سید یعقوب زنجانی المشہور رصدر[12] دیوان اور شیخ المشائخ سید اسحاق زنجانی بھی تشریف لائے تھے، بلکہ رستے میں حضرت امام علی الحق[13] بھی ان کو آملے تھے۔ لاہور کی تشریف آوری کا زمانہ ۹۹۷ء مطابق ۳۸۷ھ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ وہ سال ہے جس میں امیر سبکتگین نے وفات پائی تھی اور لاہور میں راجہ جے پال راج کرتا تھا۔

''تحقیقاتِ چشتی'' میں حضرت زنجانی کی تشریف آوری کا یہی سال لکھا ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے مگر ''تاریخ پنجاب'' مصنفہ رائے بہادر لالہ کنہیا لعل میں شاہ حسین زنجانیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپؒ کا مزار موضع میراں کھوہی میں واقعہ ہے۔ عمارت مختصر ہے مگر بہت قدیم ہے۔ آپؒ سلاطین غوریہ کے وقت شہر زنجان سے ہند کی سیر کو آئے اور پھر پھرا کر لاہور قیام فرمایا اور یہیں ۶۰۴ھ میں وفات پائی۔ جن لوگوں کو تاریخ سے واقفیت ہے، ان کو معلوم ہے کہ سلاطین غوریہ کا زمانہ ہندوستان میں سلاطین غزنوی کے زوال کے بعد ۱۱۹۰ء کے قریب شروع ہوتا ہے۔ شاہ حسین زنجانی حضرت داتا گنج بخشؒ کے پیر بھائی تھے اور ان سے کئی سال پہلے لاہور میں تشریف رکھتے تھے بلکہ اس روایت کے مطابق کہ آپ ۹۹۹ء مطابق ۳۸۷ھ میں لاہور آئے اور جو قریباً ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ آپ حضرت داتا گنج بخشؒ سے پچپن سال پیشتر معہ اپنے ہمراہیوں کے تشریف لائے تھے۔ حضرت علی ہجویریؒ کو ان کے پیر و مرشد نے

Marfat.com

بعہد سلطان مسعود غزنوی لاہور بھیجا۔ سب تاریخیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ اس وقت لاہور میں غزنوی حکومت تھی اور وہاں شاہ حسین زنجانی حضرت داتا گنج بخشؒ کے پیر بھائی بھی موجود تھے لیکن رائے کنہیا لال کا یہ لکھنا کہ شاہ حسین زنجانی سلاطین غور کے زمانہ میں لاہور میں آئے تھے، تاریخی واقعات کے سخت خلاف ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ایک عجیب بات یہ ہے کہ ''تحقیقات چشتی'' اور ''تاریخ لاہور'' مصنفہ رائے کنہیا لال میں سال وفات حضرت زنجانی کا بالاتفاق ۶۰۴ھ لکھا ہے۔ حضرت کے لاہور پہنچنے کے زمانہ میں تو دونوں کتابوں میں ۱۹۳ سال کا فرق ہے، لیکن سال وفات میں دونوں متفق ہیں۔ اگر بقول ''تحقیقات چشتی'' یہ درست ہے کہ آپ ۳۸۷ھ میں لاہور تشریف لائے اور ۶۰۴ھ میں آپؒ نے انتقال فرمایا تو صرف قیام لاہور ہی میں آپؒ کی عمر ۲۱۴ سال تک کی پائی جاتی ہے اور اگر کم سے کم پچیس سال آپ کی سابقہ زندگی (غزنی اور زنجان وغیرہ) اور حصول علم وغیرہ کی شمار کی جائے تو آپ کی عمر ۲۴۲ سال تک جا پہنچتی ہے۔

ایک اور دلچسپ تاریخی غلطی یہ ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کا سال وصال تمام تاریخوں اور کتابوں میں ۴۶۵ھ لکھا ہے۔ یہاں تک کہ حضرتؒ کے روضہ پر بھی یہی سالِ وفات مرقوم ہے۔ اب اگر شاہ حسین زنجانی نے ۶۰۴ھ میں انتقال کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ حضرت داتا صاحبؒ کی وفات کے بعد بھی ۱۳۰ سال تک زندہ رہے ہیں اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آپ کی موجودگی میں حضرتؒ کے مزار میں چلہ کاٹا ہے۔

''تحقیقاتِ چشتی'' میں ایک طرف تو لکھا ہے کہ یہ چاروں صاحب یعنی حضرت سید یعقوب زنجانی صدر دیوان، شیخ سید اسحاق زنجانی، شیخ سید حسین زنجانی اور حضرت امام علی الحق ایک ہی زمانہ میں اکٹھے وارد ہند ہوئے تھے۔ اس وقت ہجری کا سن ۵۵۷ھ تھا۔ (حالانکہ اسی کتاب میں شاہ حسین زنجانی کے حالات میں آمد کا سال ۹۹۷ء مطابق ۳۸۷ھ بتایا گیا ہے) بعد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ بھی آ گئے۔ آپس میں خوب صحبتیں رہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے یہاں چلہ بھی کاٹا۔ دوسری جگہ اسی کتاب میں صفحہ نمبر ۲۲۷ پر حضرت سید یعقوب سنجانی صدر دیوان کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ کے مزار پر بھی حضرت خواجہ معین الدینؒ نے چلہ کاٹا ہے۔ آپؒ کی محرابی نشستگاہ کا نشان موجود تھا، مگر اب وہ جگہ زمین دوز ہوگئی ہے۔ تعجب ہے کہ ان کا زمانہ بھی ایک ہی بتایا جاتا ہے اور پھر چلہ اعتکاف کا بھی اعتراف کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ کسی نے بتایا ہے اس کو کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔ تاریخی واقعات کی چھان بین میں زیادہ جستجو نہیں کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ زنجانی ۹۹۷ء مطابق ۳۸۷ھ یا اس سے چند سال پہلے یا پیچھے لاہور میں تشریف لائے تھے اور ٹھیک اس دن انتقال فرما گئے تھے، جب حضرت داتا گنج بخشؒ نے لاہور میں قدم رکھا ہے۔

حضرت شاہ حسین زنجانیؒ کے واقعہ انتقال کو نو سو سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ مزار آپ کا موضع کھوہی میراں (متصل لاہور) میں سکھوں کے باغ کے پاس دیوار بدیوار واقع ہے۔ میں اس بزرگ کی اس جگہ کو دیکھنے کے لئے جہاں یہ نو سو سال سے ان آنکھوں سے جن سے ہم محروم ہیں، دنیا کے انقلابات دیکھ رہے ہیں اور جس کو جائے مدفن

Marfat.com

مزار روضہ یا قبر کہا جاتا ہے، گیا۔ وہاں جو حسرت ناک کیفیت دیکھی اس سے بارگاہ عالیہ کے مجاوروں اور اس موضع کے مسلمانوں کی غفلت اور سستی پر اظہار افسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ مزار کے گرد چار دیواری ہے، جو غالباً حضرت کے انتقال کے بہت عرصہ کے بعد بنائی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل چار دیواری جس کے متصل اب باغات اور کھیتوں کا عمل دخل ہے، موجودہ حالت سے بہت وسیع ہو گی۔ صدر دروازہ کے دائیں اور بائیں طرف ایک ایک دالان ہے۔ حالت تو دونوں دالانوں کی قابل افسوس ہے، مگر بائیں طرف کے دالان کی تو چھت بھی کثرت بارش اور اس سے بھی زیادہ کسمپرسی کی وجہ سے سربسجود ہو گئی ہے۔

دروازہ کا کواڑ بھی ایک ہی تھا۔ دوسرے کواڑ کی جگہ خاردار جھاڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔

صدر دروازہ پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ بارگاہ فیض پناہ عارف سبحانی، قطب ربانی جناب حضرت سید میراں حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ''۔ یہ ملتانی پتھر جس پر یہ نام کندہ ہے بالکل تازہ معلوم ہوتا ہے۔ دروازہ میں داخل ہوتے ہی ایک سفید چبوترہ پر حضرت کا مزار ہے جو پختہ چونہ گچ ہے، لیکن جو اہل دل دولت مندوں کی توجہ کا محتاج ہے۔ مزار کے دائیں طرف بھی چند قبریں ہیں، جن میں سے ایک دو تازہ ہیں اور باقی چند سال قبل کی معلوم ہوتی ہیں۔ بائیں طرف ایک قبر کے بالمقابل جو بہت پرانی ہے، ایک حجرہ ہے اور اسی طرف ایک چبوترہ پر چھ قبریں اور چار کجھور کے درخت ہیں۔ حضرت کے چبوترہ مزار سے آگے چار دیواری کے اندر ہی ایک چھوٹی سی تین دروں کی مسجد ہے۔ یہ مسجد بھی چند سال ہی کی اور زیادہ سے زیادہ سکھوں کے زمانہ کی بنائی ہوئی ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ کے مزار کی وسیع چار دیواری کے اندر جیسا کہ اور مزارات میں بھی قاعدہ ہے، ایک مسجد ہو گی جو سرد مہر زمانہ یا کسی سنگدل نے چار دیواری کے گرانے کے ساتھ ہی گرا دی ہو گی اور جس کو مسلمانوں نے بعد میں موجودہ چار دیواری کے اندر ایک چھوٹے سے پیمانہ پر بنا دیا ہو گا۔ مسجد میں کیا سارے مزار بلکہ سارے احاطہ میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ احاطہ مزار میں آپ کے مزار کے علاوہ کل تئیس قبریں اور پانچ چھ درخت ہیں۔ چار دیواری کے باہر مزار کا جو احاطہ ہے، وہاں بھی کئی قبریں ہیں بلکہ ابھی تک ایک پختہ چبوترہ کے دھندلے سے نشان بھی نظر آتے ہیں جو خدا جانے چار دیواری کا صحن تھا یا کیا تھا۔ ایک چاہ خورد بھی جاری ہے۔ اس سے چند قدم کے فاصلہ پر ایک اور شکستہ اور سقف کی طرف سے سربسجود دالان واقعہ ہے۔ یہاں کے مجاور بھی وہی ہیں جو حضرت صدر دیوان کے مزار سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت کا عرس مجاوروں کی مرضی پر منحصر ہے۔ جب وہ اپنی سہولت اور فراغت دیکھتے ہیں، کر لیتے ہیں۔ مثلاً پچھلا عرس ماہِ رمضان کے بعد جو سب سے پہلا اتوار تھا، اس دن ہوا تھا۔ اس کے بعد اب تک کہ رمضان کے بعد شوال اور ذی قعد بھی گذر گئے ہیں، خاموشی کا عالم ہے۔ وہ بزرگ جن کی گدی پر حضرت داتا گنج بخشؒ جیسے کامل ولی جلوہ فرما ہوئے ہوں اور جنہوں نے اس زمانہ میں پنجاب اور خصوصاً لاہور میں اسلام کا نام روشن کیا ہو۔ جبکہ اس سرزمین کے چپہ چپہ سے کفر و الحاد کے آثار نمایاں تھے اور جن سے پیشتر کسی اور مسلمان عالم کے آنے کی کوئی تاریخ

Marfat.com

شہادت نہیں دیتی، اس بزرگ کی قبر کے ساتھ آج زمانہ کی طرف سے یہ بیدردی ہو رہی ہے کہ دروازہ تک ندارد۔ جو چیز ہے وہ شکستہ، جو چھت ہے وہ بیٹھی ہوئی۔

عرس میں ہجوم تو بہت ہوتا ہے، مگر افسوس ہے اس قرن اولیں کے سب سے بلند پایہ بزرگ کی قدر و قیمت اور ان کے حالات سے یہ ہجوم بالکل لاعلم ہوتا ہے۔[۱۴]

لاہور میں مسجد کی تعمیر

حضرت داتا صاحبؒ نے لاہور میں تشریف لا کر سب سے پہلے ایک مسجد تعمیر کرائی۔ چنانچہ موجودہ مسجد جو بعد میں از سر نو تعمیر ہوئی ہے، ان کے ادب و احترام اور یادگار کے طور پر اسی مسجد کی زمین پر تیار کی گئی ہے۔ یہ مسجد آپ نے اپنی گرہ سے تیار کرائی اور کون کہہ سکتا ہے کہ دیگر مزدوروں کے ساتھ آپ نے بھی کس خلوص، کس جوش اور کس شوق سے دیواریں چنی ہوں گی، چھت ڈالی ہوگی اور سر پر مٹی کی ٹوکریاں اٹھائی ہوں گی۔

آپؒ کی تشریف آوری سے پہلے گو ملک ہند میں اسلام کا زیادہ چرچا نہیں تھا، تاہم مسلمان خواہ وہ غیر ملکی حاکم تھے خواہ وہ لوگ جو ہندوستان میں مسلمان ہو گئے تھے، ضرور موجود تھے اور ان کے لئے مسجدیں بھی تھیں لیکن یہ پہلی مسجد تھی جو ایک مسلمان ولی اللہ نے اپنے صرف سے اور اپنے ہاتھوں سے لاہور میں تعمیر کرائی۔ اس مسجد کی بنا ۴۳۱ھ ہی سمجھنی چاہئے، کیونکہ آپؒ نے لاہور آتے ہی کچھ دنوں کے قیام کے بعد اس کی ضرورت محسوس کی تھی۔

حضرت کی مسجد کے متعلق ایک واقعہ

شہزادہ داراشکوہ[۱۵]'' سفینۃ الاولیاء'' میں لکھتے ہیں[۱۶] کہ جب حضرت نے یہ مسجد بنائی تو اور مسجدوں کی نسبت اس کے قبلہ کا رخ ذرا سا جنوبی سمت تھا۔ علماء لاہور نے اس پر اعتراض کیا۔ حضرت اعتراض سن کر خاموش ہو رہے۔ جب تعمیر مسجد سے فراغت پائی تو آپ نے کل علماء فضلا کو بلایا[۱۷] اور خود امام بن کر اس میں نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد تمام حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ اس مسجد کے قبلہ پر اعتراض کرتے تھے۔ اب دیکھو قبلہ کس طرف ہے۔ جب انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو یکبارگی قبلہ بالمشافہ بچشم ظاہر نظر آیا۔ حضرت نے فرمایا بتاؤ قبلہ کدھر ہے۔ قبلہ کو سیدھے رخ پر دیکھ کر سب معترضین نادم ہوئے اور آپ سے معذرت چاہی۔

یہ پہلی کرامت تھی جو لاہور میں آپؒ سے ظاہر ہوئی اور جس نے فوراً ہی سارے شہر میں آپ کو مشہور کر دیا اور رفتہ رفتہ تمام ہندوستان میں قطب الاقطاب مشہور ہو گئے۔

پہلا شخص جو حضرت کے ہاتھ پر مسلمان ہوا

'' تاریخ لاہور'' اور دیگر کتب میں جو لاہور کے حالات یا حضرت علی مخدوم ہجویریؒ کے سوانحات کے متعلق

Marfat.com

ہیں، لکھا ہے کہ حضرتؒ کے دم قدم سے اہل پنجاب اور بالخصوص اہل لاہور کو بہت سے روحانی فیوضات نصیب ہوئے اور سینکڑوں اور ہزاروں لوگوں کو آپؒ کے اخلاق حسنہ اور کلام پُر تاثیر سے اسلام کی لازوال نعمت میسر ہوئی۔ آپؒ کی زندگی اور آپ کے کلام اور کام نے وہ کام کیا، جو تیر وتفنگ، تیغ وتبر اور توپ و بندوق سے بھی ناممکن تھا۔ لوگ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہوتے تھے اور اس مظہر نورِ خدا، عارفوں کے پیر کامل اور کاملوں کے رہنما کی توجہ سے تاریکی سے روشنی، جہالت سے شائستگی، بے علمی سے علم اور کفر سے اسلام میں آتے تھے۔

ان ہزارہا بندگانِ خدا میں سے سب سے پہلے جو شخص مسلمان ہوا، وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا، بلکہ سلطان مودود والی کابل وغزنی کی طرف سے ولایت پنجاب کا نائب حاکم تھا۔ ''تحقیقات چشتی'' اور دیگر کتب میں اس کا نام رائے راجو لکھا ہے۔

چنانچہ ''تحقیقات چشتی'' کی اصل عبارت درج ذیل ہے۔ رائے راجو حاکم پنجاب کا نائب تھا۔ وہ حضرت کا مرید ہو کر مسلمان ہو گیا۔ چونکہ یہ پہلا ہندو بلکہ پہلا ہندوستانی تھا جو حضرت کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا، اس لئے حضرت نے اپنی دلی خواہش سے بطور یادگار اس کا نام ''شیخ ہندی'' رکھا اور موجودہ مجاور اور خدام جن کا تعلق آپؒ کے روضہ مبارک کی آمدنی سے ہے، اسی شیخ ہندی کی اولاد سے ہیں۔ جیسا کہ اپنے موقع پر اس کا ذکر آئے گا۔

حضرت علی مخدومؒ کس قسم کا لباس پہنتے تھے؟

لباس کے متعلق حضرت نے بہت طویل بحث کی ہے۔ پشم کا پہننا بڑے بڑے بزرگوں سے ثابت کیا ہے، مگر اپنے زمانہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آج کل اس کا رواج ان وجوہات سے کم ہو رہا ہے۔

(۱) اس وجہ سے کہ پشمیں مشکوک ہیں۔ چار پائے مختلف جنگوں اور لوٹ کھسوٹ میں ایک جگہ سے دوسری جگہ میں جا رہے ہیں (اور جائز ناجائز کی تمیز نہیں رہی)

(۲) یہ کہ بدعتیوں اور ظاہر پرستوں کے ایک گروہ نے پشم کے جامہ کو اپنا لباس بنا لیا ہے اور بدعتیوں کے طریق کے خواہ وہ سنت ہی کیوں نہ ہو، خلاف کرنا مناسب ہے۔

(۳) مرقع کی سلائی میں سادگی ہوتی تھی۔ درویش خود سیتے تھے یا کم سے کم چیتھڑے اور پیوند لگاتے تھے، مگر اب سلائی میں تکلف سے کام لیا جاتا ہے اور گودڑی کو ایک خاص زینت قرار دے دیا ہے۔

(۴) صوفیوں کو ان لوگوں سے جو ان کو بدنام کرنے اور ان کے لباس کو باوجود اس کے نااہل ہونے کے اپنا لباس بنا رہے ہیں، رنج پہنچتا ہے۔

لیکن ایک گروہ صوفیوں میں ایسا بھی ہے کہ اگر خدا نے ان کو گودڑی دی تو گودڑی پہن لی اور اگر قبا مل گئی تو وہی پہن لی۔ اس کی مثال میں لکھتے ہیں۔

ابو حامد دستان [18] مروزی ایک بزرگ ہوئے ہیں۔ مرید جوان کو پہنا دیتے تھے، پہن لیتے تھے اور جب وہ

Marfat.com

حالت وجد میں آیا کرتے تو اتار کر بطور تبرک اپنے پاس رکھ لیا کرتے اور پھر اور کپڑے پہنا دیا کرتے تھے۔ نہ وہ پہنانے والے سے پوچھتے کہ تونے کیوں نہ پہنائے اور نہ اتارنے والے سے پوچھتے کہ تونے کیوں اتارے۔ پھر ابوسعید ہجویری[19] کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ اس وقت غزنی میں بھی ایک پیر صاحب کرامت موجود ہے۔ خدا اس کو تادیر سلامت رکھے۔ اس کا نام مؤید ہے۔ ابو حامد دستان مروزی کی طرح اس کو بھی اپنے لباس پر قبضہ اور اختیار نہیں ہے۔ میں بھی اسی طریق کو پسند کرتا ہوں یعنی اگر گودڑی مل جاتی ہے تو وہی پہن لیتا ہوں۔ قبامل جائے تو اس سے بھی انکار نہیں۔ پشم کا جامہ اور سفید پیراہن بھی پہن لیتا ہوں۔ گو سفید میں دھونے کی تکلیف ضرور ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی خاص لباس کے پابند نہیں تھے۔ جومل جاتا اور جو میسر آتا، وہ پہن لیا کرتے تھے، مگر ایسے لباس سے ہمیشہ احتراز کرتے تھے جس سے زینت پائی جاتی ہو اور جو محض نمائش کے لئے ہو۔

چنانچہ ''کشف المحجوب'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں جن دنوں خراسان میں ایک مقصد کے حل کرنے کے لئے پھر رہا تھا، میں نے بطور سنت ایک سخت (کپڑے) کی گودڑی پہنی ہوئی تھی۔ ایک عصاء میرے ہاتھ میں تھا اور چمڑے کا لوٹا میری ظاہری کائنات تھی۔

لاہور میں حضرت مخدوم علی ہجویریؒ کی درسگاہ

گذشتہ زمانے میں کوئی مسجد ایسی نہ بنائی جاتی تھی جس میں طالب علموں کے رہنے کی جگہ اور ان کے پڑھنے کے سامان کا پہلے ہی فکر نہ کرلیا جاتا ہو۔ یہاں تک کہ اسی لحاظ سے

مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

سب ایک ہی معنوں میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ یعنی ازمنہ سلف میں خانقاہوں میں بھی درس کی جگہ رکھ لی جاتی تھی۔ جب آپ نے لاہور میں مسجد بنائی تو معلوم ہوتا ہے کہ یا تو مسجد کی درس گاہ میں لوگوں کو علم دین پڑھانا شروع کیا یا الگ کسی درسگاہ میں معلّمی اختیار کرلی۔ چنانچہ ''کشف الاسرار'' میں لکھتے ہیں کہ جب میں ہندوستان میں پہنچا اور نواح لاہور کو جنت نظیر پایا، تو یہیں بیٹھ گیا اور لڑکوں کو پڑھانا شروع کیا لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ اس طریق سے حکومت کی بو دماغ میں پیدا ہورہی ہے تو میں نے لوگوں کو درس دینا بھی چھوڑ دیا۔

معلّمی چھوڑنے کی ایک یہ روایت بھی کتابی حوالوں سے نہیں بلکہ سینہ بسینہ چلی آتی ہے کہ دو طالب علم تھے۔ آپ نے خفا ہو کر نگاہ کرم سے ان کو دیکھا۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے یہ کام بھی چھوڑ دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت علی ہجویریؒ اور شیخ حسام الدین لاہوری

حضرت مخدوم ہجویریؒ نے ''کشف الاسرار'' میں شیخ حسام الدین لاہوری کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں میں

Marfat.com

نے حسام الدین لاہوری سے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص ماں باپ کی قبر کو سجدہ کرے تو کافر نہیں ہوتا اور اگر کسی مشکل کے وقت ماں باپ کی قبر پر جا کر دعا کرے تو خدا اس کی مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ بھی ماں باپ کے ادب کے متعلق فرماتے ہیں کہ ماں باپ کو اپنا قبلہ سمجھنا چاہئے۔ جیسا کہ تفاسیر قرآن میں بھی آیا ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ شیخ حسام الدین کی بہت عزت ذکر کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں وہ ایک نیک طینت بزرگ تھا جس نے ۷۸ برس کی عمر پائی تھی۔ آپؒ جب حالت نزع میں شیخ کے پاس پہنچے تو شیخ نے کہا میری جان! میرے خاتمہ بالخیر کی دعا کر۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس کے آخری سانس میں اس کے منہ پر کان دھرا تو وہ کہہ رہا تھا: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّی وَاَنَا عَبْدُکَ۔ الٰہی تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ جب حضرت نے شیخ سے کہا کہ میرے لئے بھی کچھ دعا کیجئے۔ تو فرمایا۔ اے علی ہجویری! کسی کو رنجیدہ نہ کر۔ کوشش کرتا رہو کہ ہر کوئی تجھ سے خوش رہے۔ جہاں تک ہو سکے احسان کر مگر بایں ہمہ کسی کو اپنا دوست نہ سمجھو اور اپنے علم کو برباد نہ کر۔ مال اور اولاد کو فتنہ سمجھتا رہ۔ جیسا کہ قرآن شریف میں بھی آیا ہے کہ: اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ یعنی مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ میری طرف دیکھ کہ میری جانکنی کا وقت ہے، کوئی بیٹا اور کوئی رشتہ دار اس وقت میری مدد نہیں کر سکتا۔ جو کچھ میں نے کیا ہے، وہی میرے سامنے ہے اور وہی میرے آگے آئے گا۔

حضرت علی مخدوم ہجویریؒ جیسے کامل بزرگ اور ولی اللہ جس کی بزرگی کے قائل ہوں۔ افسوس ہے اس کے حالات پر تاریکی پڑی ہوئی ہے۔ شیخ حسام الدین کی بزرگی اور کمالیت میں جن سے حضرت داتا گنج بخشؒ بھی جو بزرگوں کے بزرگ اور ولیوں کے ولی ہیں، دعا کے طالب ہوں کیا شک ہو سکتا ہے۔ یہ جواہر لاہور کی مٹی کھا جائے۔ معمولی لوگوں کی قبریں اپنے نشانات ظاہر کریں اور یہ اللہ کا بندہ جو دم نزع تک اللہ ہی اللہ کہتا رہا اور جس کے سرہانے حضرت داتا گنج بخشؒ برکت لینے کے لئے کھڑے رہے، اس کی قبر کا شان تو کجا، اس کے اپنے نام سے بھی کسی کو خبر نہ ہو۔ افسوس! ع

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

لاہور کی کئی تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ کسی نے شیخ حسام الدین یا اس کے خاندان پر روشنی نہیں ڈالی۔ معلوم نہیں۔ اب لاہور میں ان کا کوئی نام لیوا بھی ہے یا نہیں۔

لاہور کے ایک سوداگر کا واقعہ

حضرت نے ''کشف الاسرار'' میں ایک جگہ دنیا کو سراسر درد والم کی جگہ قرار دیا ہے۔ عورت کو بے وفا بتایا ہے۔ لاڈلی اولاد کے نقصان بتائے ہیں اور صبر نہ کرنے اور قسمت سے زیادہ حاصل کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کرنے پر افسوس ظاہر کیا ہے اور اس کی مثال میں لاہور کا یہ چشم دید واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں لاہور میں ایک سوداگر تھا۔ کریم اللہ نام، مال و دولت اس کے پاس بافراط تھا۔ اس کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ امام بخش نام رکھا۔ بڑے جشن کئے۔ بہت

Marfat.com

خوشی منائی۔ اسی دن خبر آئی کہ جس کارواں میں اس کا مال تھا، اس پر ڈاکہ پڑا ہے۔ تھوڑے عرصے کے بعد ایک اور کارواں کے لٹنے کی خبر آئی اور لڑکا بھی ناز ونعمت سے پرورش پا رہا تھا۔ غرض بچارا تنگ ہو کر خود باہر نکلا مگر ناکام واپس آیا۔ لڑکے کو مکتب میں بٹھایا۔ جب صاحبزادہ نے استاد کی داڑھی کھینچنی چاہی، تو اس نے جواب دے دیا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ لڑکا آوارہ ہو گیا۔ گھر کی چیزیں بکنے لگیں۔ گھر کی چکی سوداگر کی عورت نے بازار میں چار درموں کو بیچی اور آخر خاوند سے منہ موڑ کر بے وفا ہو گئی اور یکے بعد دیگرے تینوں دردناک موت سے مر گئے۔ آخر میں فرماتے ہیں تقدیر الٰہی ایسی ہی تھی۔ کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں کہ وہ مالک ہے اور ہم بندے ہیں۔

لاہور میں حضرتؒ کا مباحثہ فناء اور بقاء پر

لاہور میں حضرت نے ایک مباحثہ بھی بقاء اور فناء کے مسئلہ پر کیا ہے۔ ''کشف المحجوب'' میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت نے گو لاہور کا نام نہیں لکھا کہ ضرور وہاں ہی مباحثہ ہوا ہے، مگر پنجاب میں ان کا قیام چونکہ لاہور ہی میں رہا ہے۔ اس لئے یہ مباحثہ بھی لاہور ہی میں ہوا ہوگا۔ حضرت کے اصل الفاظ یہ ہیں:

ہندوستان میں مَیں نے ایک مرد کو دیکھا جو تفسیر اور تذکیر اور علم کا مدعی تھا۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سے مباحثہ ہوا ہے وہ مسلمان تھا۔) فناء اور بقاء میں اس نے مجھ سے مباحثہ کیا، لیکن جب میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ فناء اور بقاء کے اصولوں سے قطعی ناواقف ہے اور محدث سے قدیم کا فرق بھی نہیں پہچان سکتا۔

حضرتؒ کو رسول کریم ﷺ کی زیارت

حضرت داتا گنج بخشؒ کو ممکن ہے حضرت رسول کریم ﷺ کی کئی مرتبہ زیارت ہوئی ہو، کیونکہ یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے پانچویں صدی ہجری کے وسط میں رسول کریم ﷺ کی سنت کو ہندوستان کے ملک میں جہاں اس وقت بت و بت خانوں کا زور تھا، نئے سرے سے جاری کیا اور جن کے فیض صحبت سے ہزارہا لوگ اسلام سے مشرف ہوئے، مگر آپ ''کشف المحجوب'' میں صرف ایک مرتبہ کی زیارت کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے پیغمبر ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کچھ وصیت فرمائیے۔ فرمایا۔ اپنے حواس کو (خدا کی محبت میں) مقید کرو، کیونکہ حواس کو بند کرنا پورا مجاہدہ ہوتا ہے اور تمام قسم کے علوم واحساسات انہی پانچ دروازوں سے حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ سماع کے قائل تھے

سماع کے متعلق بھی علماء اور صوفیاء میں اختلاف ہے اور اب تک چلا آتا ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ نے ''کشف المحجوب'' میں مختلف صوفیا کے اقوال نقل کئے ہیں لیکن نتیجہ سب کا یہی ہے کہ ہر ایک اس کا اہل نہیں ہے۔ س کا

Marfat.com

ظاہر فتنہ ہے اور باطن عبرت۔ حلال کے لئے حلال ہے۔ حرام کے لئے حرام۔ یعنی اگر دل میں حق کا خیال ہے تو سماع اس کو حق رسانی ہی کے لئے برانگیختہ کرے گا اور اگر وہ اس سے محض نفس ہی کو خوش رکھنا چاہتا ہے اور طلبِ باطل رکھتا ہے، تو اس کی طبیعت میں فساد پیدا ہوگا اور وہ خطا کھائے گا۔

سماع کی ابتداء حضرت داؤد علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے اور جن کے نام کے لحاظ سے لحن داؤدی کا خطاب آج بھی ہر ایک خوش آواز کو دیا جاتا ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے خوش آوازی کی نعمت دی تھی۔ پہاڑ اور جنگل کے وحشی پرندے سنتے تھے اور لوٹتے تھے۔ اس سے سمجھ لو کہ انسانوں کا کیا حال تھا۔

حضرت داتا صاحبؒ کے پیر طریقت شیخ ابوالفضل ختلی سماع کے قائل تو تھے مگر یہ کہتے تھے کہ یہ ان لوگوں کا توشہ ہے جو ابھی درمیانی منزل میں ہوں۔ جو منزل رسیدہ ہوں، ان کو سماع کی حاجت نہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ خود بھی سماع کے قائل تھے اور سماع کیا کرتے اور حالتِ وجد میں آیا کرتے تھے۔ مگر اس بات کو وہ عام کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ ہر کس و ناکس کو وہ اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے اسی لئے جب ایک بزرگ صوفی نے ان سے کہا کہ میں نے سماع کے مباح ہونے پر کتاب لکھی ہے۔ تو فرمایا۔ بڑا ظلم کیا۔ اس سے دین میں بہت خرابی پیدا ہوگی۔ ایک کھیل کو جو گناہوں کا اصل ہے حلال کر دیا ہے۔ اس نے کہا پھر تو خود کیوں سماع کرتا ہے۔ فرمایا۔ سماع کے لئے طبیعتوں میں مختلف حکم ہیں۔ جیسے کہ دلوں میں ارادے مختلف ہیں۔ اگر دل میں حلال کی تاثیر ہے تو سماع حلال ہے۔ اگر حرام کی تاثیر ہے تو حرام ہے اور اگر مباح کی تاثیر ہے تو مباح ہے۔

سماع سے حضرت داتا گنج بخشؒ کی توبہ

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ حضرت سماع کے قائل تھے، لیکن ملک میں بعض اہل لہو و لعب سماع کے پردے میں اپنی عیش و عشرت کے سامان مہیا کر کے ایک آفت پیدا کر رہے تھے، جس سے شریعت میں خلل اندازی ہو رہی تھی، اس لئے آپ نے ملک کو اس آفت سے بچانے کے لئے علی الاعلان فرمایا کہ " میں عثمان جلابی کا بیٹا علی اس کو زیادہ دوست رکھتا ہوں جو سماع میں نہ پڑے اور طبیعت کو پریشان نہ کرے، کیونکہ (نادانوں اور ظاہر بینوں کے لئے) اس میں بڑے خطرے ہیں اور بڑی آفت یہ ہے کہ عورتیں کسی اونچے مقام سے سماع کے حال میں درویشوں کو دیکھتی ہیں اور نوجوان اور نوخواستہ (بے ریش و بروت اور خام طبع لڑکے) ان مجلسوں میں شامل ہوتے ہیں جس سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس آفت سے (چونکہ آپ سماع کی مجلسوں میں شریک رہے تھے اور سماع کے قائل تھے) جو کچھ مجھ پر گذرا ہے گذرا ہے (آئندہ کے لئے) استغفار پڑھتا ہوں اور خداوند تعالیٰ سے مدد مانگتا ہوں کہ میرے ظاہر اور باطن کو آفتوں سے نگاہ رکھے۔ "

اس واقعہ سے یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ آپ کو شریعت سے کس قدر محبت تھی کہ محض اس میں رخنہ پڑتے دیکھ کر باوجود اہل ہونے کے سماع سے کنارہ کشی کر لی۔

Marfat.com

حضرت داتا گنج بخشؒ کا خطاب اپنے مریدوں سے

حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنے مریدوں کو بہت ہدایتیں اور نصیحتیں کی ہیں۔ کہیں ان کو دل کا ٹکڑا قرار دیا ہے۔ کہیں ان کو بادشاہ وقت کی تعریف کی ہدایت کی ہے اور کہیں اس سے کنارہ کشی کی۔ غرض مرید کا ظاہر و باطن درست کرنے کے لئے جولا جواب خیالات آپ نے تحریر فرمائے ہیں، وہ نہ صرف آپ کے مریدوں بلکہ ہر طالب حق کے لئے حرزِ جان ہونے چاہئیں۔ فرماتے ہیں:

اے میرے مرید! دنیا پانی پر کشتی کی مانند تیر رہی ہے یا مثل بریتہ کے ہے۔ پس تو غوطہ خور بن، نہ کہ غرق آب ہو۔ کسی کا دل تجھ سے رنجیدہ نہ ہو۔ بادشاہ دین پناہ جو زور وظلم کے اکھاڑنے اور رعیّت کے نفع وضرر کا جاننے والا ہو، اس کی تعریف کر۔ لیکن اس کی مداحی کسی دنیاوی غرض کے لئے نہ ہو۔ خوب یاد رکھ کہ طمع میں خواری ہے۔ مرشد کو اپنا قبلہ جان اور جان و دل سے اس کی خدمت کرتا رہ۔

اے میرے مرید! تو میرے دل کا ٹکڑا ہے کیونکہ تو نیک بخت ہے۔ اپنے وقت کو ہمیشہ پیدا کرنے والے کی یاد میں بسر کر۔ سختی اور محنت سے نہ گھبرا کہ یہی جوان مردی کی نشانی ہے۔ تجرید (یعنی مجرد رہنا) ایک انمول چیز ہے (اگر تو برداشت کر سکے) درود شریف کو اپنا وظیفہ بنا کہ درود شریف کے بعد جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہو جاتی ہے۔ یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھ کہ اس کا بڑا اجر ہے۔ فرض کی رکعتیں جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہئیں۔

اے میرے مرید! میں نے بہت دنیا دیکھی ہے۔ خدا سے اولاد نیک مانگنی چاہئے۔ بلکہ اگر اپنے آپ میں قوتِ استقامت پائی جائے اور اس بات پر اعتماد ہو کہ میں سلامت رہوں گا تو عورت ہی نہ کرنی چاہئے۔ عورت ایک بری بلا اور بڑا عذاب ہے۔

اے میرے مرید! علم پڑھ۔ علم سیکھ اور پھر عمل کرو۔

اے میرے مرید! ماں باپ کے ادب سے خدا صدرِ جنت میں جگہ دے گا۔

اے میرے مرید! جو کچھ اللہ تعالیٰ عنایت کرے، اس پر راضی رہ۔ اگر جنگل رہنے کو دے تو وہیں رہ۔ اگر آبادی عطا فرمائے تو اسی میں خوشی سے گزارا کر۔ وطن میں رکھے تو وہیں رہ۔ غربت نصیب کرے تو اسی پر جم جا۔ اگر گدڑی دے تو پہن لے اور اگر قاقم دے تو اس سے بھی انکار نہ کر۔ گدھا دے تو سوار ہو جا، گھوڑا دے تو اسے بھی دور نہ کر۔ غرض جو کچھ دے بخوشی لے اور اگر کچھ بھی نہ دے، تو صبر کر۔ صبر عجیب چیز ہے۔

حضرت علی ہجویری کو داتا گنج بخشؒ کا لقب

''تحقیقات چشتی'' اور بعض اور کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گنج بخشؒ کا لفظ جو آپ کے نام کے ساتھ ایزاد ہو گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتی سنجریؒ یہاں کچھ عرصہ مصروف

عبادت واعتکاف رہ کر ہندوستان کی طرف روانہ ہونے لگے تو آپ نے حضرت کی پائنتی کی طرف دست بستہ کھڑے ہوکر یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اسی وقت سے آپ کا نام گنج بخش مشہور ہوگیا۔ جو ابدالآباد تک جاری رہے گا، مگر جب حضرت کی اپنی تحریر کتاب ''کشف الاسرا'' میں دیکھی جاتی ہے تو مندرجہ بالا خیال ذہن سے فوراً منتقل ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ کتاب بتاتی ہے کہ حضرت کی زندگی ہی میں حضرت کا نام گنج بخش مشہور ہوگیا تھا۔ جیسا کہ حضرت خود ہی ''کشف الاسرار'' میں اپنے آپ سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں:

''اے علیؒ! تجھے خلقت گنج بخش کہتی ہے اور (عجیب لطف ہے کہ) تو ایک دانہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا۔ اس بات کا (کہ مخلوق تجھے گنج بخش کہتی ہے) کبھی خیال تک بھی نہ لا۔ ورنہ محض دعویٰ اور غرور ہوگا۔ گنج بخشی یعنی خزانے بخشنے پر قادر تو صرف اسی کی ایک ذات ہے۔ جو بیچون وبچگوں اور بے شبہ وشک مالک الملک ہے۔ اس کے ساتھ شرک نہ کر بیٹھنا۔ ورنہ زندگی تباہ ہوجائے گی۔ بے شک وہی اکیلا خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔''

مندرجہ عنوان اقتباس سے دو نتیجے اخذ کیے جاسکتے ہیں:

(۱) یہ کہ ان کی زندگی ہی میں لوگ ان کو گنج بخش کہتے تھے۔ البتہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے شعر پڑھنے سے اس لفظ کی زیادہ شہرت ہوگئی۔

(۲) یہ کہ حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ چونکہ توحید ہی کی اشاعت کے لئے وطن سے باہر نکلے تھے اور وہ ایسے الفاظ اپنے نام کے ساتھ سننے پسند نہ کرتے تھے جو شرک کی حد تک پہنچتے یا جن سے غرور اور تکبر کا احتمال ہوتا، اس لئے انہوں نے بار بار گنج بخشی کے قابل صرف خدا کی ذات پاک ہی کو قرار دیا ہے تا کہ جہلاء اور عوام کسی بدعت میں نہ پڑ جائیں۔

یہ امر کہ گنج بخشؒ کا لفظ پہلے کس کی زبان سے نکلا۔ کب نکلا اور اس کی وجہ کیا ہے۔ ان سے پہلی دو باتوں پر تو پردہ پڑا ہوا ہے۔ تیسری بات کہ آپ کو گنج بخش کیوں کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ لوگوں کو آپ کی ذات سے ظاہری و باطنی فیوضات بے حد وحساب پہنچ رہے تھے اور یہ کہ آپ کی ذات مبارک سراسر چشمہ رحمت تھی اور اس سے ہزاروں اور لاکھوں پیاسے سیراب ہوتے تھے۔

حضرت گنج بخشؒ کا وعظ

ایثار یعنی دوسرے کے فوائد کو اپنے فوائد پر مقدم سمجھنا

ایثار کے مسئلہ پر حضرت نے تفصیل سے بحث کی ہے اور چونکہ ملک میں ایثار یعنی دوسروں کے لئے اپنا

نقصان برداشت کرنے اور غیر کی راحت کے لئے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنے کی بہت کمی ہے اور ضرورت ہے کہ اس کمی کو دور کیا جائے۔ اس لئے ایثار کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا جاتا ہے۔

سمجھ لینا چاہیے کہ ایثار کا مضمون ایک تقریر دلپذیر یا وعظ حسنہ ہے۔ جو آج سے قریباً نو سو برس پہلے حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس امر کے متعلق کیا تھا کہ ہم اپنے دوسرے ہم جنسوں کے لئے کس طرح مفید ہو سکتے ہیں اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو کس طرح راحت پہنچا سکتے ہیں۔

فرماتے ہیں ابی الحسن احمد نوریؒ [۲۱] اور رقامؒ اور ابوحمزہ [۲۲] ان لوگوں کے امام گذرے ہیں جو دوسروں کی مصلحتوں پر اپنی مصلحتوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ امیر المؤمنین کے ایک غلام خلیل نامی کی ان سے عداوت ہوگئی۔ اس نے رپورٹ کی کہ ان لوگوں سے دین میں خرابی پیدا ہو رہی ہے اور ان کے خیالات ملحدانہ ہیں۔ اگر امیر المؤمنین ان کے قتل کا حکم دے دے تو بے دینوں کا اصل نیست و نابود ہو جائے، کیونکہ بے دینوں کے سب سے بڑے سردار یہی ہیں۔ خلیفہ نے اسی وقت ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ جلاد آئے۔ تینوں کے ہاتھ باندھ دیئے گئے۔ جب رقام کو قتل کرنے لگے تو نوری اُٹھا اور کہا پہلے میرا حق ہے۔ جلادوں نے کہا کیا تلوار میں ایسی ہی لذت ہے کہ تو رغبت سے دوڑا آیا ہے۔ جواب دیا ہاں ایسی ہی لذت ہے۔ میرا مذہب ایثار ہے۔ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز اپنی جان ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ چند سانس اپنے بھائیوں کی بہتری کے لئے صرف کر دوں۔ کیونکہ دوسرے جہان میں جہاں خدمت نہیں بلکہ قربت ہوتی ہے، ایثار کی لذت میسر نہیں آئے گی۔ یزید نے یہ خبر خلیفہ کو پہنچائی۔ حکم آیا قتل سے ہاتھ روک لو اور توقف کرو۔ غرض خلیفہ نے ان کو دربار میں بلوایا اور پوچھا کوئی حاجت ہے۔ کہا ہاں۔ اگر مہربانی کرے تو ہم کو فراموش کر دے اور پھر کبھی اپنے پاس بلانے کی تکلیف نہ دے۔

عمرؓ [۲۳] کے بیٹے کو ایک دفعہ مچھلی کی خواہش ہوئی۔ نافع روایت کرتے ہیں کہ بہت تلاش کے بعد مچھلی ملی۔ اس کو بھون کر میں اس کے پاس لے گیا۔ وہ مچھلی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اسی وقت دروازہ پر ایک سوالی آیا۔ عمر کے بیٹے نے کہا۔ اس کو مچھلی دے دو۔ غلام موجود تھا۔ اس نے کہا۔ کئی دنوں سے مچھلی کی خواہش تھی۔ آج خدا نے پوری کی ہے۔ فقیر کو کوئی اور چیز دے دو۔ کہا پیغمبر علیہ السلام کی حدیث نہیں سنی کہ جس چیز کو خواہش سے حاصل کرو، اس سے ہاتھ اُٹھالو۔

دس درویش تھے۔ وہ ایک جنگل میں راستہ بھول گئے۔ پیاس سے سخت بیتاب ہوئے، لیکن پانی جوان کے پاس تھا وہ صرف ایک ہی آدمی کی پیاس بجھانے کے لئے تھا۔ اپنی پیاس کی خواہش کو ایک دوسرے پر قربان کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک کے سوا سب مر گئے۔ غرض وہ پانی اس نے پی لیا اور اس کی قوت سے اُفتاں و خیزاں جنگل سے باہر نکلا۔ ایک شخص سے اس نے یہ ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا۔ اگر تو بھی وہ پانی نہ پیتا تو اچھا ہوتا۔ اس نے کہا۔ اگر میں نہ پیتا تو خودکشی کا مجرم ہوتا اور عاقبت میں گرفت ہوتی۔ کہنے والے نے کہا پھر وہ نو آدمی بھی خودکشی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ کیا ان سب سے جواب دہی ہوگی۔ اس نے کہا وہ سب شہید ہیں اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک

Marfat.com

دوسرے کی جان بچانے کے لئے خود موت قبول کرتا تھا، لیکن جب وہ سب ایک دوسرے کی موافقت میں انتقال کر گئے اور صرف میں ہی اکیلا رہ گیا تو شرع نے مجھ پر واجب کیا کہ میں پانی کو پی لوں اور اپنے آپ کو دانستہ اور بغیر کسی کی بھلائی کے ہلاکت میں نہ ڈالوں۔ اگر میں بھی پانی نہ پیتا تو میں بھی مر جاتا اور چونکہ گیارہواں کوئی آدمی نہیں تھا جس کے لئے میں ایثار کرتا، اس لئے میری موت بالکل حرام ہوتی۔

جس شب کو کفار مکہ نے آنحضرت[24] ﷺ کے مارنے کا قصد کیا ہے تو حضرت علیؓ[25] اپنی جان کو قربان کر کے ان کے بستر پر جا سوئے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ غار میں آپ کے ساتھ شامل رہے ہیں اور اپنی جان کو ان کی خاطر معرضِ خطر میں ڈال چکے تھے۔

جنگ اُحد کا ایک واقعہ بھی بہت مشہور ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آزمایا ہے اور آزمانے کے بعد ''وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (اور اپنی جانوں کا ایثار کرتے ہیں۔ اگرچہ انہیں تنگی ہو) کے خطاب سے ان کو مخاطب کیا ہے۔ ایک انصاری عورت جنگ احد میں کوئی خدمت کرنا چاہتی تھی۔ جب میدان جنگ میں گئی تو دیکھا کہ چند آدمی زخمی پڑے ہیں۔ ان میں سے ایک اپنے آخری سانس لے رہا تھا۔ وہ نیک بخت عورت اس کے پینے کے لئے پانی لائی۔ اس نے اشارہ سے کہا۔ پہلے اس کو۔ وہ دوسرے کے پاس لے گئی۔ کل سات آدمی تھے۔ غرض اسی طرح جب چھٹے آدمی نے بھی یہی کہا کہ پہلے ساتویں کو پلا دو، تو وہ اس کو پلانے لگی مگر دیکھا تو وہ جاں بحق تسلیم ہو چکا تھا۔ پھر واپس لوٹی، تا کہ ان میں سے کسی کو پلا دوں، لیکن ان میں سے اب ایک بھی زندہ نہ تھا۔

ایک عابد شخص سے کوئی خطا ہو گئی۔ خطاب ہوا کہ اُس کا نام بدبختوں کے دیوان میں لکھ دیا گیا ہے۔ عابد شخص نے کہا۔ خداوند دوزخ ہی میں بھیجنا مطلوب ہے تو ایسا کر کہ سب دوزخیوں کی جگہ میں اکیلا ہی کام دے سکوں، تا کہ اور مخلوق کو میرے اس انجام سے فائدہ پہنچے۔ حکم ہوا ناراضگی صرف ایک آزمائش تھی۔

ابی الحسن احمد نوریؒ بھی عموماً یہی دعا مانگا کرتے تھے۔ بار آلہا۔ ہر چیز خواہ وہ بُری ہے یا بھلی تیرے علم، تیری قدرت اور تیرے ارادہ سے اس دنیا میں ہے۔ اگر تو ناچار دوزخ کو بھرنا ہی چاہتا ہے تو اس کے طبقوں کو مجھ سے بھر دے اور دوزخیوں کو دوزخ کی آگ سے نجات دے۔

جان کا اور مال کا اور اپنے وقت کا خرچ کرنا کسی غیر کی بہتری کے لئے اسی کا نام ایثار نفس ہے۔ چنانچہ الٰہی ارشاد ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (ترجمہ) ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے۔ یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز کو جس سے محبت کرتے ہو۔ اب یہ ہر شخص کا کام نہیں کہ وہ اس چیز کو اللہ کی راہ پر خرچ کر دے جس سے اس کو محبت ہے۔ سوائے اس کے جو اللہ توفیق دے۔

خداوند بزرگ و بلند ان لوگوں کی نسبت جنہوں نے اپنے مال و جان کو اللہ کی راہ پر قربان کر دیا ہے فرماتا ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ'' اور ان لوگوں پر جو اللہ کے راستے پر مارے گئے یہ نہ گمان کرو کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ اپنے خدا کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

پس وہ شخص حیات ابدی پاسکتا ہے جو دوسروں کے لئے اپنے نفس کو تکلیف دیتا۔ اپنے مال کو دوسرے کی حاجت روائی کے لئے خرچ کرتا ہے اور اپنی جان کو دوسرے کی جان بچانے کے لئے اللہ کی راہ پر خرچ کرتا ہے۔ اسی موت کا نام حیات جاوید ہے اور یہ انہی لوگوں کو میسر ہوسکتی ہے، جو خدا کے فرمان اور اس کے دوستوں کی فرمانبرداری میں ہروقت آمادہ وکمربستہ رہتے ہیں۔

جیتا ہے وہ جو مر چکا ہے اور کے لیے
مرنا بھلا ہے اُس کا جو اپنے لیے جئے

حضرت داتا گنج بخشؒ کا ایثار

حضرت داتا گنج بخشؒ کوئی ایسی بات نہیں کرتے تھے، جس کے وہ خود عامل نہیں ہوتے تھے۔ ایثار پر جوان کے خیالات ہیں، وہ آپ نے دیکھ لئے ہیں۔ وہ خود بھی ایثار کے پابند تھے۔ ابتدائے عمر میں انہوں نے اپنے نفس کو راحت و آرام سے ہٹا کر حصول علم کی طرف متوجہ کیا۔ پھر جنگلوں اور بیابانوں اور شہروں اور مختلف دیار وامصار میں تجربہ، علم اور بزرگان دین کی زیارت کے لئے پھرتے رہے، تاکہ ان تجربوں اور سیاحتوں اور تحصیل علم سے جو کچھ حاصل ہو، اس سے خلق اللہ کو فیض پہنچایا جائے۔ شادی دو دفعہ ہوئی اور دونوں دفعہ والدین کے اصرار سے۔ تیسری دفعہ بھی وہ شادی کرسکتے تھے، مگر منعقد ہونے سے چونکہ لوگوں کو فیض پہنچانے کا زیادہ موقعہ نہ مل سکتا تھا، اس لئے اس طرف توجہ ہی نہیں کی۔ اس کے علاوہ محض اشاعت اسلام اور کفر کی تاریکی کو دور کرنے اور نیکی واخلاق حسنہ کا بیج بونے اور فسق وفجور کو نیست ونابود کرنے کے لئے غزنی سے لاہور میں اس زمانہ میں آئے جب رستے موجودہ زمانہ کی نسبت سخت تکلیف دہ اور زیادہ پُرخطر اور طویل تھے۔ لاہور میں آکر پہلے لڑکوں کو پڑھانا شروع کیا، مگر جب اس میں خودی اور حکومت کی بُو پائی تو اس سلسلہ کو ترک کرکے عام طور پر فیض پہنچانا شروع کیا اور یہ انہی کے فیوض وبرکات کا نتیجہ ہے کہ پنجاب کی آبادی میں مسلمانوں کی تعداد نصف سے بھی زیادہ ہے۔

آج کتنے صوفی اور علماء ہیں جو اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال کر دوسروں کے لئے راحت کا باعث ہورہے ہیں اور کتنے ہیں جو سچی بات کہنے میں اور اسلام اور توحید کی اشاعت کرنے میں بزرگانِ سلف کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

استخارہ کرنا سنت ہے

حضرتؒ استخارہ کے سختی سے پابند تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ استخارہ کرنا خداوند بزرگ وبلند کے آداب کی حفاظت ہے اور شیطان سے خدا کی پناہ اور استعانت چاہنا اور اپنے کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا یہ سب باتیں استخارہ ہی کے متعلق ہیں۔ پیغمبر خدا ﷺ کے اصحابوں نے روایت کی ہے کہ آپ ہمیں استخارہ اسی طرح سکھایا کرتے تھے

Marfat.com

جس طرح قرآن شریف فرماتے ہیں۔ جب نیکی بدی بندے کو خدا ہی کی طرف سے پہنچتی ہے اور پہلے سے مقرر ہے تو اپنے آپ کو قضا کے سپرد کرنے اور خدا سے مدد مانگنے کے سوا اور کیا چارہ ہے، اس لئے تمام کاموں کے ابتداء میں انسان کے لئے مناسب ہے کہ وہ استخارہ کرے تا کہ خداوند تعالیٰ اسے ہر خطا، ہر خلل اور ہر آفت سے محفوظ رکھے۔

ہر کام کا نیت پر انحصار ہے

ابوسعید ہجویری کو مخاطب کر کے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ہر کام کو شروع کر لینے سے پہلے اس کی نیت ضرور کر لینی چاہئے۔ اگر کام میں کچھ خلل واقع ہو یا کام بخیر وخوبی انجام تک نہ پہنچ سکے تو اس میں انسان معذور ہے، لیکن نیت اس کو کرنے اور انجام تک پہنچانے کی ہونی چاہئے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے: نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ۔ مومن کی نیت اس کے عمل سے اچھی ہے۔ تمثیلات میں فرماتے ہیں۔ ایک شخص سارے دن کا بھوکا ہے مگر اس نے روزہ کی نیت نہیں کی اور برخلاف اس کے ایک شخص نے روزہ کی نیت سے بھوک برداشت کی ہے۔ ان دونوں میں سے آخری شخص ثواب کا مستحق ہوگا۔

انسان کے لئے خطرناک حجاب

حقائق و معارف کے بہت سے نکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور اس کی درگاہ کے عزیزوں کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتے۔ ان نکتوں سے ناواقف رہنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے دل پر دوقسم کا حجاب ہوتا ہے۔ ایک رینی اور ایک غینی۔ حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں کہ رینی وہ حجاب ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے، کیونکہ اسی حجاب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فرمایا ہے۔ یعنی مہر لگا دی ہے اللہ نے ان کے دلوں پر۔ اس حجاب میں وہ لوگ شامل ہیں جن کو حق کے انکار اور باطل کے اختیار کرنے سے دلی محبت ہے۔ دوسرا حجاب غینی ہے۔ اس کے متعلق فرماتے ہیں۔ تربیت اور توجہ سے یہ حجاب جلدی دور ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کی طبیعت ہے تو حجاب میں اور بظاہر وہ حقائق اور معارف سے ہے بھی دور، لیکن اُس کی طبیعت میں فی الواقعہ حق کی طلب ہے اور کسی نہ کسی وقت مرشد کامل کے مل جانے سے وہ صفائے قلب اختیار کر سکتا ہے۔

حضرتؒ کے زمانہ میں شریعت وطریقت کا کیا حال تھا؟

جس طرح خداوند کریم پیغمبروں کا وجود دنیا کی اصلاح کے لئے پیدا کرتا ہے، اسی طرح ورثۃ الانبیاء یعنی علماء وصوفیا بھی اسی وقت عالم وجود میں آتے ہیں جب دنیا گناہوں میں سخت آلودہ ہوگئی ہو۔ بدی و بدکاری اور ریا کاری و مکر کا زور ہو گیا ہو۔ چنانچہ ہر پیغمبر اور ہر ولی اللہ ضرورتوں کے لحاظ سے مبعوث ہوتے رہے اور یہی ضرورت

Marfat.com

حضرت علی مخدوم ہجویریؒ کو کتم عدم سے عالم شہود میں لائی۔ چنانچہ حضرتؒ اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں تحریر فرماتے ہیں۔ خداوند بزرگ و بلند نے ہمیں اس زمانہ میں پیدا کیا ہے جس زمانہ میں لوگوں نے حرص اور لالچ کا نام شریعت اور تکبر و جاہ و ریاست کی طلب کا نام عزت اور علم ریائے خلق کا نام خوف الٰہی اور دل میں کینہ پوشیدہ رکھنے کا نام حلم، لڑائی جھگڑے کا نام بحث مباحثہ، طبع کے ہذیان یعنی بکواس کا نام معرفت، نفسانی باتوں اور دل کی حرکتوں کا نام محبت، خدا کے رستے سے پھرنے اور بے دین ہونے کا نام فقر، حق تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے کا نام فناء فی اللہ اور ترکِ شریعت کا نام طریقت رکھ لیا ہے۔

سوچو اور غور کرو کہ جب آج سے سات آٹھ سو سال پہلے ہماری مذہبی اور اخلاقی حس یہاں تک مردہ ہو چکی تھی کہ ہم تکبر کو عزت، لڑائی کو مباحثہ، کینہ توری کو حلم، نفسانی خواہشوں کو محبت، ہذیان و بکواس کو معرفت، بے دینی کو فقر کہتے تھے تو اب جبکہ ورثۃ الانبیاء کے وجود سے بظاہر سناٹا چھایا ہوا ہے اور ہر مسلمان اپنے آپ کو آزاد خیال اور کسی امام و مرشد کی ضرورت سے مستغنی خیال کرتا ہے اور جبکہ خدا اور اس کے رسول اقدس ﷺ کا خوف دلوں سے اٹھ گیا ہے اور اس مقدس کتاب کو جسے فرقانِ مجید کہتے ہیں اور جو دین و دنیا کے معلومات و معاملات کا ایک بیش قیمت خزانہ ہے، ہم نے بالائے طاق رکھ دیا ہے تو ہماری مذہبی حمیت کا کیا حال ہو رہا ہوگا۔ رحم اے رحمتوں کے سرچشمے رحم!

فرقہ صوفیا پر ایک ظاہر بین کا اعتراض

ایک ظاہر بین نے جو اپنے آپ کو اہل علم سے جانتا تھا اور جس نے کلاہِ غرور کا نام علم کی عزت، حرص کی پیروی کا نام سنت پیغمبر اور شیطان کی موافقت کا نام پیشواؤں کی خصلت رکھا تھا[۲۵] اثنائے بحث میں آپؒ سے کہا کہ ملحدوں کے بارہ فرقے ہیں جن میں سے ایک صوفیوں کے گروہ میں بھی ہے۔ آپ نے فرمایا صوفیوں میں تو ایک گروہ ملحد ہے۔ تم میں سے گیارہ ہیں۔ صوفی ایک فرقہ سے تو اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں، اس لئے کہ ان میں بچنے اور بچانے کی صلاحیت تو موجود ہے، لیکن تم گیارہ ملحد اور زندقہ فرقوں سے کہاں بچ کر جا سکتے ہو۔ پھر جذبہ میں آکر فرماتے ہیں۔ اے نادان! اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے دوستوں کو اسی گروہ (صوفیاء) میں پوشیدہ رکھا ہے۔

نفس کے بندہ کا انجام

نفس کا بندہ اپنی نجات کے فکر سے غافل ہو کر چارپاؤں کا قائم مقام بن رہا ہے۔ یہ وہ بدنصیب شخص ہے جس نے توحید کی بو نہیں سونگھی۔ احدیث کا جمال نہیں دیکھا۔ وحدانیت کا مزہ نہیں چکھا۔ مشاہدہ کی تحقیق سے عاجز ہے اور خوشی الٰہی کو چھوڑ کر دنیاوی حرص میں پھنس گیا ہے۔ بندۂ نفس کی یہ تعریف حضرت داتا گنج بخش نے ''کشف المحجوب'' میں لکھی ہے اور اس تعریف کے آخر میں لکھا ہے۔ نفس کو بندہ کھانے پینے سونے اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنے کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ اس کو انجام میں عنایت و توفیق الٰہی کی بجائے خواری و ذلت نصیب ہوتی ہے۔ نفس کی

Marfat.com

پیروی بدی اور شر کا منبع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو اس سے پرہیز کرنا فرمایا ہے۔ فی الواقعہ نفس کا بندہ اگر قومی مفاد اور برادرانہ تعلقات کو ملیا میٹ کر کے اپنی ذاتی اغراض میں منہمک ہے اور بڑے بڑے عہدوں اور اپنے تمول پر نازاں ہے تو کیا ہے ؎

نہنگ و اژدہا و شیرِ نر مارا تو کیا مارا
نہ مارا نفسِ امّارہ کو گر مارا تو کیا مارا

اسرارِ تصوف بغیر علم کے بیان نہیں ہو سکتے

حضرت داتا گنج بخشؒ اہل تصوف کی ضرورت کے قائل تھے، مگر اس سے بھی زیادہ علم کی فضیلت اور وسعت کے خواہش مند تھے چنانچہ حضرت ابوسعید ہجویری کو ان کے سوالوں کے متعلق جو سب سے پہلا جواب آپ نے دیا ہے، وہ ضرورت علم ہی کے متعلق ہے۔ فرماتے ہیں۔ تصوف کی جڑ قوی اور اس کی شاخ میوہ دار ہے مگر اس جڑ کو علم کے چشمہ سے پانی ملنا چاہئے، اس لئے کہ سب بزرگانِ تصوف اہل علم ہی ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے مریدوں کو بھی علم سیکھنے ہی کی تاکید کی ہے اور مرتے دم تک ان کو طلب علم ہی کی ضرورت بیان کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے کبھی بے ہودہ طریق اختیار نہیں کئے، بلکہ طریقت کے مطالب و معانی میں وہ مضامین خلق اللہ کی بہتری کے لئے لکھے ہیں، جو خدا کی طرف سے ان کے دل میں وارد ہوتے رہے ہیں۔

علمِ نقصان رساں سے پناہ مانگو

علم کے متعلق حضرتؒ نے بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کو دو حصوں پر منقسم کیا ہے۔ ایک خدا تعالیٰ کا علم، ایک مخلوق کا علم، یا ایک دین کا علم، ایک دنیا کا۔ دین کے علم کے متعلق فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول خدا ﷺ نے بغیر جانے علم فقہ کے عبادت کرنے والا اس گدھے کی مانند ہے جو خراس میں جُتا ہو۔ علوم دنیوی کے متعلق لکھتے ہیں۔ علوم نجوم، طب، حساب وغیرہ کئی علوم وفنون ہیں۔ گو ہر ایک کا جاننا فرض نہیں ہے، مگر بقدر ضرورت اور جس قدر کہ شریعت اجازت دے، سیکھنا ضروری ہے۔ نجوم کی اس لئے ضرورت ہے کہ وقت پہچان سکو۔ طب کی اس لئے ضرورت ہے کہ اس علم کے جاننے والا (مختلف عوارض سے) اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ علم حساب سے فرائض اور عدت کی مدت (اور لین دین کے معاملات) معلوم ہو سکتے ہیں، لیکن ان سب باتوں کے باوجود اس علم سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے جو انسان کو نقصان پہنچاتا ہے اور اس کو بدیوں اور ملحدات کی طرف مائل کرتا ہے اور اسی ذیل میں آیت و حدیث سے بھی کام لیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید سے اللہ تعالیٰ کے یہ الفاظ لکھے ہیں: وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ اور سیکھتے ہیں اس چیز کو جو انہیں نقصان دیتی ہے نہ کہ نفع۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ۔ علم بے منفعت سے خدا مجھے پناہ دے۔ فرماتے ہیں، علم وہ ہے جو ظاہر و باطن میں کام آئے۔

علمِ حقیقت وشریعت کے اقسام

ظاہری وباطنی علوم کی اقسام میں بھی آپ نے مفید عامہ بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں علم حقیقت کے تین رکن ہیں:

(۱) خداوند تعالیٰ کی ذات اوراس کی وحدانیت کا علم۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی صفتوں اوراس کے حکموں کا علم۔

(۳) حق سبحانہ تعالیٰ کی حکمت اوراس کے فعلوں کا علم۔

پھر علم شریعت کے تین رکن بیان فرمائے ہیں:

(۱) کتاب یعنی کلام الٰہی۔

(۲) سنت۔

(۳) اُمت کا اجماع۔

اسی ذیل میں حضرت نے ان چھ قسموں پر نظیریں اور تمثیلیں دے کر بحث کی ہے اور براہین صادقہ سے خدا کی صفتوں، اس کے فعلوں اور اس کی ذات اور اس کی کتاب اور اس کے رسول اقدس ﷺ کی سنت اور امت کے اجماع کو ثابت کیا ہے۔

موجودہ صوفیا کے لئے ایک سبق

علم کی ضرورت پر خدا تعالیٰ کا یہ قول: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓءُ (خدا سے اس کے عالم بندے ہی ڈرا کرتے ہیں) اور پیغمبر ﷺ کی یہ حدیث: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَاتٍ (علم کی طلب کرنی ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے) اور اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ (عِلم کی طلب کرو خواہ وہ چین ہی میں ہو) نقل کی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ اے شخص! جان لے کہ علم کی کوئی حد نہیں اور عمر اس کے مقابلہ میں بہت تھوڑی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے علم کے متعلق بہت تاکید فرمائی ہے اور اپنی لاجواب کتاب میں اکثر مقامات پر طلب علم کا ذکر کیا ہے۔ خود صاحب تصانیف اور عالم متبحر تھے۔ ان کے ملنے والے اور مرید اور اخلاص مند سب انہی کے رنگ میں رنگے ہوئے اور نہ صرف عالم بلکہ عالم باعمل تھے۔ موجودہ زمانہ میں کس قدر ایسے پیر صاحبان ہیں جو اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو طلب علم کی تاکید کیا کرتے ہیں۔ کیا پنجاب، سندھ اور کشمیر میں کئی ایسے پیر صاحبان نہیں ہیں جن کی بسر اوقات ہی اپنے مریدوں کی جہالت و بے علمی کی وجہ سے ہے اور کیا یہ غلط ہے کہ بعض ممالک خصوصاً کشمیر میں کئی جُبہ پوش پیر صاحبان اپنے مریدوں کو مروجہ علوم (انگریزی اُردو وغیرہ) کے پڑھنے سے منع کرتے رہتے ہیں۔ محض اس لئے کہ وہ علم پڑھ کر ہمارے پھندے سے نہ نکل جائیں۔

Marfat.com

اُدھر حضرت داتا گنج بخشؒ کو دیکھئے کہ نہ صرف اپنے مریدوں کو بلکہ تمام لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ علم حاصل کرو اور مثال میں خدا اور اس کے پیغمبر ﷺ کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب پیر خود کامل ہو تو وہ اپنے مریدوں کو بھی درجہ تکمیل تک پہنچانے کا خواہش مند رہتا ہے اور اس کو اپنے علم وعمل کی پختگی کے مقابلہ میں کسی سائنس وفلسفہ کا کوئی خطرہ نہیں رہتا، لیکن جو خود ناقص ہو اور قابل اصلاح ہو اور پھر پیر ومرشد کہلاتا ہو، اس کو اپنے پڑھے لکھے مریدوں سے خوف نہ ہو تو کیا ہو۔

غافل عالموں اور جاہل صوفیوں کی صحبت سے بچو

حضرت داتا صاحبؒ نے یوں تو ہر ایسے آدمی کی صحبت سے کنارہ کشی کی ہدایت فرمائی ہے جس کے اثر سے دین وایمان اور اخلاق کو صدمہ پہنچنے کا احتمال ہو، مگر پڑھے لکھے آدمیوں کی صحبت سے پرہیز کرنے کی ہدایت بھی فرمائی ہے اور اس بارہ میں شیخ المشائخ یحیٰی کے اقوال نقل کئے ہیں:

غافل عالموں کی تشریح میں لکھا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کو اپنے دل کا قبلہ بنالیا ہے اور شرع سے روگردانی کر کے بادشاہوں اور ظالموں کی پرستش اختیار کر لی اور ان کی درگاہ کو اپنا طواف بنالیا ہے۔ یعنی امیروں اور بادشاہوں کی خوشامد اور پائے بوسی اختیار کر لی ہے اور اپنے ضمیر کو بیچ دیا ہے اور علم کی قدر نہیں کی اور نفاق وحسد کو اپنا مذہب بنالیا ہے۔ جاہل صوفی وہ ہیں جو کسی پیر کی صحبت میں نہ رہے ہوں۔ کسی بزرگ سے ادب نہ سیکھا ہو۔ زمانہ کی گوشمالی اور تکالیف ومصائب کا مزانہ چکھا ہو اور ہیچ مدانی پر اپنے آپ کو ہمہ دان سمجھتے ہوں۔ ایسے آدمیوں سے بچوں کہ وہ دعووں میں جھوٹے ہیں اور رفتار میں ناکامل۔

فقر اور غنا سے درجہء فضیلت کس کو ہے؟

فقر اور غناء کے مسئلہ میں مشائخ میں مدت سے اختلاف چلا آتا ہے۔ بعض فقر کو ترجیح دیتے ہیں، بعض غنا کو۔ شیخ ابوسعید فرماتے ہیں: " الفقیر هو الغنی بالله " فقیر وہ ہے جو اللہ کے ساتھ غنی ہو۔ بعض دونوں کو برابر سمجھتے ہیں، لیکن حضرت داتا گنج بخشؒ اس باریک مسئلے کے متعلق لکھتے ہیں۔ " اور میں عثمان جُلابی کا بیٹا علی کہتا ہوں کہ غنا کا نام خاص خدا ہی کے لئے ہے اور لوگ اس نام کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ فقر مخلوق کے لئے زیبا ہے اور غنا خالق کے لئے اور مجازاً جو کسی کو غنی کہتے ہیں وہ حقیقت میں غنی نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس کا غنا اسباب کا محتاج ہے اور خدا خود مسبب الاسباب ہے۔ یعنی وہ سببوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ جب خدا کی ذات میں شرکت نہیں ہو سکتی تو صفات میں کون اس کا شریک ہو سکتا ہے: وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ ۔ اللہ بے احتیاج ہے اور تم محتاج۔ خدا نے فقر میں صبر اور صبر کی برداشت کو اپنے قُرب کی زیادتی کا باعث قرار دیا ہے اور فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (تحقیق اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔"

ایک دن جنیدؒ[۲۶] اور ابن عطارؒ[۲۷] اسی مسئلہ پر بحث کر رہے تھے۔ ابن عطارؒ نے کہا غنی افضل ہیں کیونکہ قیامت کے دن ان کا حساب کریں گے اور اس عتاب و حساب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا اغنیا سے بے وسیلہ اور براہ راست کلام ہوگا اور نیز یہ کہ عتاب ہمیشہ دوست پر ہی ہوتا ہے اور یہ علامت اس بات کی ہے کہ غنی خدا کے دوست ہیں۔ جنیدؒ نے کہا اگر اغنیاء کا حساب کرے گا تو درویشوں اور فقیروں سے عذر خواہی کرے گا اور عذر حساب و عتاب سے افضل ہے۔ حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں۔ جہاں محبت ہو وہاں عذر چاہنا بیگانگی کی علامت ہے اور عتاب ظاہر کرنا محبت نہ ہونے کی نشانی۔ دوستوں کا درجہ اور مقام اس سے بلند تر ہے۔ یہ دونوں باتیں عذر اور عتاب دوستی کے لئے آفت ہیں، کیونکہ عذر یا عتاب دوست کے فرمان کی کوتاہی میں ہوتا ہے اور وہ دوستی ہی کیا جہاں کوتاہی و سستی ہو۔ پس فقیر کو صبر اور غنی کو شکر اختیار کرنا چاہئے۔

صوفی کی تعریف

صوفی کے معنوں کی تحقیق میں خود صوفیاء کو اختلاف ہے تو اوروں کی نسبت کیا کہا جا سکتا ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے صوفی وہ ہیں جو ''اُون'' کا کپڑا پہنتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی وہ ہیں جو قیامت کے دن پہلی صف میں کھڑے ہوں گے۔ ایک کا خیال ہے کہ جن لوگوں نے اصحاب صفہ سے محبت اور دوستی کی تھی، انہی کا نام صوفی ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں۔ طریقت کی تحقیق کے موافق گو لفظ صوفی کے ہر معانی میں ایک لطیفہ اور نکتہ ہے، مگر لغوی معنی اور ہیں۔ صوفی صفا کی ستودہ صفت کا اظہار ہے۔ جب اہل تصوف اپنے معاملات اور اپنے اخلاق و خیالات کو مہذب بناتے اور صفائی قلب حاصل کرتے اور طبیعت کی آفتوں اور دل کی خواہشوں سے کنارہ کشی کرتے اور کثافت و کدورت سے دل صاف کرتے ہیں تو صوفی کہلاتے ہیں۔ صوفی کی تعریف خاص خاص معاملات پر محیط اور محدود نہیں ہے۔ اس کے معنی بڑے وسیع اور بزرگ تر ہیں۔ صوفی وہی ہے جو کدورت کو ترک کر دے۔ اب کدورت کی وسعت ملاحظہ ہو۔ بدی، کینہ، حسد، ضرر رسانی، دروغ، فریب، حرص، نفس کی تابعداری، خدا اور رسول ﷺ کے احکام کی مخالفت یہ سب باتیں کدورت میں داخل ہیں۔ پس صوفی وہی ہے جس نے اپنی ذات کو دیگر ابنائے جنس کے مفاد اور خدا تعالیٰ کی یاد کو بقا دینے کے لئے فنا کر دیا ہو۔ طبیعتوں کی قید سے چھوٹا ہوا اور حقیقتوں سے ملا ہوا ہو۔

صوفی کے معانی و تعریف کرنے کے بعد حضرتؒ فرماتے ہیں کہ اس گروہ کی نسبت لوگوں کے خیالات بھی عجیب ہیں۔ کوئی تو کہتا ہے کہ یہ صرف ظاہری اصلاح کے پابند ہیں (جیسے نماز، روزہ، اخلاق حسنہ وغیرہ)۔ بعض کہتے ہیں ان کو ظاہر سے کیا تعلق، یہ تو باطن کی اصلاح کے لئے آئے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے صوفی بننا ایک رسم ہے جو بے اصل اور بے حقیقت چلی آتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کو ٹھٹھا کرنے والوں کی طرح ان علماؤں نے بھی تصوف سے انکار کر دیا ہے جو صرف ظاہر ہی پر نگاہ کرنے والے ہیں اور عام لوگوں نے ان کی پیروی کر کے باطن کی صفائی کی خواہش کو دل سے دور کر دیا ہے۔

Marfat.com

تصوف کی آٹھ قسمیں

حضرت جنید بغدادی سہروردیؒ جن کے سلسلہ میں حضرت داتا صاحبؒ شامل ہیں، تصوف کی حسب ذیل آٹھ قسمیں بیان کرتے ہیں۔ رضا، سخا، صبر، اشارہ، غربت، لباس، سیاحت، فقر۔

اب حضرت داتا صاحبؒ ان قسموں کی تشریح و کیفیت میں تحریر فرماتے ہیں۔ رضا، اسحاق علیہ السلام کے لئے ہے کہ خدا کے حکم پر راضی ہوا اور اپنی جان کو ترک کر دیا۔ سخاوت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہے جس نے بیٹے کو بھی قربان کر دیا۔ صبر ایوب علیہ السلام کے لئے ہے کہ بدن میں کیڑے پڑ گئے مگر اُف تک نہ کی اور صبر سے کام لیا۔ اشارہ زکریا علیہ السلام کے لئے ہے، جس کو خدا تعالیٰ نے کہا کہ تو سوائے اشارات کے تین دن تک لوگوں سے نہ بول سکے گا۔ غربت حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے ہے کہ ساری عمر غریب رہے، بلکہ خویشوں میں رہ کر خویشوں سے بے گانہ رہے۔ لباسِ تصوف موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہے کہ ان کے سب کپڑے ''اون'' کے ہوتے تھے۔ سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہے جو ساری عمر بے سرو سامانی کے ساتھ سیر کرتے رہے۔ ابتداء میں صرف ایک پیالہ اور کنگھی ان کے پاس تھا۔ جب ایک آدمی کو دونوں ہاتھوں سے پانی پیتے ہوئے دیکھا تو پیالہ بھی پھینک دیا اور جب دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھوں کی اُنگلیوں ہی سے بالوں کو صاف کر رہا ہے تو کنگھی بھی توڑ دی۔ فقر آنحضرت ﷺ کے لئے ہے جن کو حق تعالیٰ نے زمین و آسمان کی چابیاں عطا کیں، جن کو اہل مکہ نے اپنا بادشاہ بنانا چاہا، مگر انہوں نے فقر کو ان سب پر ترجیح دی۔

صوفیوں کا لباس گدڑی ہے

صوفیوں کے لئے کس قسم کا لباس چاہئے۔ آپ نے ازمنہءِ سلف کے صوفیاء بلکہ خود حضرت ﷺ ان کے خلفاء اور اصحاب سے روائتیں بیان کر کے ثابت کیا ہے کہ صوفیوں کا اصل لباس گدڑی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا یہ قول صوف کے متعلق لکھا ہے۔ صوف کا پہننا اپنے آپ پر لازم کرو۔ اپنے دلوں میں ایمان کی لذت پاؤ گے۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہؓ[28] کی زبانی یہ قول آنحضرت ﷺ کا لکھا ہے۔ جامہ کو ضائع نہ کرو، جب تک اس پر پیوند نہ لگ جائیں۔ حضرت عمرؓ[29] جو گدڑی پہنتے تھے، اس پر تیس پیوند لگے ہوئے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اکثر اوقات لمبا پیراہن پہنتے تھے۔ خواجہ حسن بصریؒ[30] سے روایت ہے کہ میں نے سلمان فارسی[31] کو گدڑی پہنے ہوئے دیکھا ہے جس پر چیتھڑے لگے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت اویس قرنی کو پشم کا جامہ پہنے دیکھا ہے جس پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ[32] نے جب گوشہ نشینی کا ارادہ کیا تو پشم کی گدڑی پہن لی لیکن جب آنحضرت ﷺ نے ان کو خواب میں فرمایا کہ تم کو خدا نے گوشہ نشینی کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ باہر نکلو اور مردوں کے درمیان آؤ کیونکہ تم میری سنت کے زندہ ہونے کا سبب ہو،

Marfat.com

اس وقت کے بعد انہوں نے گدڑی ترک کر دی۔ حضرت ابراہیم ادہم جب امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو وہ پشم کی گدڑی پہنے ہوئے تھے۔

لیکن آج کل گدڑی اور صوفیانہ وفقرانہ لباس محض اظہار خوبی و مرتبہ اور جھوٹے تصوف وفقر کے لئے رہ گیا ہے۔ باطن ظاہر کے موافق نہیں رہا۔ صرف نسبت ہی نسبت رہ گئی ہے:

خیر ایں ہم غنیمت است
نسبت بہت اچھی ہے اگر حال بُرا ہے

فقراء وصوفیاء کے پاس لوگ کس غرض سے جاتے ہیں؟

حضرت داتا صاحبؒ نے لوگوں کے ارادوں اور نیتوں پر جو صوفیاء کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں اور ان کی صحبت اختیار کرتے ہیں، خوب روشنی ڈالی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں کے بھیدوں سے وہ خوب واقف تھے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ چار قسم کے لوگ صوفیوں کے پاس آتے ہیں:

(۱) وہ جو باطن کی صفائی، دل کی روشنی، طبیعت کی پاکیزگی اور مزاج کے اعتدال پر آنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔

(۲) وہ جو بدن کی بہتری، دل کے سکون، شریعت کی پابندی اور آداب اسلام کے خواہاں ہوتے ہیں۔

(۳) وہ جو بڑوں کے ساتھ عزت سے، چھوٹوں کے ساتھ جوان مردی سے، نزدیکیوں کے ساتھ خوشی سے پیش آنے کے آرزومند ہیں اور کوشش اور محنت سے رزق حلال حاصل کرنا اور اپنے آپ کو نیکوں کے گروہ میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔

(۴) وہ لوگ ہیں جو نفس کی خودرائی اور طبیعت کی سستی کو دور کرنے کے بغیر بزرگوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں اور علم کی خصوصیت اور دیگر اوصاف کے ناپید ہونے کے باوجود صدر نشینی کا ارادہ رکھتے ہیں اور صرف اپنے نفس کی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے صوفیوں اور فقیروں کے ارد گرد منڈلاتے رہتے ہیں۔

درویش کو کیا چاہیے؟

حضرت داتا صاحبؒ حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ [۳۳] سے بھی اپنی سیاحت کے زمانہ میں ملے ہیں۔ ابوالقاسم گرگانیؒ کی عزت وعظمت جو آپؒ کے دل میں تھی، وہ اسی سے ظاہر ہے کہ آپؒ نے ان کو "بزرگوں کے بزرگ" کہا ہے۔ آپ نے گرگانیؒ سے پوچھا درویش کے واسطے کم سے کم کیا ہونا چاہئے، تاکہ وہ اپنا فقر پورا کر سکے۔ حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ نے جواب دیا۔ درویش کے لئے کم سے کم تین چیزوں کی سخت ضرورت ہے:

اوّل: درویش کو اس بات کی تمیز ہونی چاہیے کہ چیتھڑا یا پیوند ٹھیک کس طرح لگایا جا سکتا ہے؟

دوم: یہ کہ وہ سخن ٹھیک طور پر سن سکے۔

سوم: یہ کہ اپنا پاؤں اچھی طرح زمین پر رکھ سکے۔

حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں اس وقت درویشوں کا ایک گروہ بھی بیٹھا ہوا تھا۔ میں بھی اور وہ بھی سب ادب کی وجہ سے خاموش رہے اور سخن ٹھیک سننے اور پاؤں صحیح طور پر رکھنے کی کیفیت نہ پوچھ سکے۔ غرض جب ہم سب ان سے رخصت ہوئے تو رستے میں درویشوں میں بحث چھڑی کہ ان اشارات کا کیا مطلب تھا۔ جس کی سمجھ میں آیا اس نے بیان کیا۔ آخر میری باری آئی۔ میں نے کہا (۱) چیتھڑا ٹھیک وہ ہوتا ہے جو فقر پر پایا جائے نہ کہ بدن پر، اس لئے کہ فقر کا ٹھیک سیا ہوا چیتھڑا بدن پر بھی ٹھیک آ سکتا ہے۔ (۲) سخن ٹھیک وہ ہوتا ہے جو حالت وجد میں سنیں، نہ احسان اور نعمت میں اور وجد حق پر ہو، نہ کہ ہزل پر (۳) پاؤں ٹھیک وہ ہوتا ہے جو وجد کی حالت میں زمین پر رکھیں، نہ کہ کھیل اور رسم کے طور پر۔

حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں جب ان معانی اور اس تشریح کا حال حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ کو معلوم ہوا تو کہا۔ "اَصَابَ عَلِیٌّ خیرہ اللّٰہُ" یعنی نیک کہا علی نے۔ خدا اسے نیکی دے۔

سیاہ لباس آج سے صدہا سال پیشتر مشرق میں بھی ماتم کی علامت سمجھا جاتا ہے

ہم اہل مشرق جب اہل مغرب بالخصوص اہل انگلستان کو اپنے ملک میں بازوؤں پر سیاہ کپڑا باندھا ہوا یا بالکل ہی سیاہ کپڑا پہنے دیکھتے ہیں تو یہی سمجھتے ہیں کہ اہل یورپ میں سیاہ کپڑا ماتم کی علامت ہے۔ چنانچہ حضرت مرحومہ کوئن وکٹوریا، حضور ایڈورڈ ہفتم اور دیگر شاہزادگاں اور متوسلین شاہی خاندان کے انتقال پر تمام انگریز بطور ماتم اپنے بازوؤں پر سیاہ کپڑا باندھ لیتے ہیں۔ ہم اس رسم کو آج تک ہمیشہ اہل مغرب ہی کی ایجاد سمجھتے رہے، مگر "کشف المحجوب" میں جس کی تصنیف کو قریباً نو سو سال گزر چکے ہیں، جہاں حضرت داتا گنج بخشؒ نے لباس کی قسموں پر بحث کی ہے وہاں تحریر فرمایا ہے کہ صوفیا لوگ جو سیاہ اور نیلگوں جامہ پہنتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ:

(۱) سفید میں دھونے کی تکلیف ہے اور وہ میلا جلدی ہو جاتا ہے۔

(۲) سفید چونکہ خوبصورت اور چمکیلا ہوتا ہے اس لئے اس سے رعونت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۳) دنیا چونکہ محنت کا مقام، مصیبت کا گھر، اندوہ کا گڑھا اور آفات کا گہوارہ ہے۔ اس لئے صوفیوں نے نیلگوں ماتمی لباس اختیار کر لیا ہے۔

(۴) دنیا میں معاملہ کوتاہی اور دل کی خرابی اور وقت کے ضائع ہونے کے سوا اور کچھ نہ پایا، اس لئے سیاہ پوشی اختیار کر لی، کیونکہ ایک تو کسی عزیز کی موت پر سیاہ لباس پہنا جاتا ہے، دوسرا اپنے مطلب و مقصد کی فوتیدگی پر بھی ماتم کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس کی مثال میں فرماتے ہیں۔ ایک درویش سے کسی بے علم مدعی نے پوچھا تو نے سیاہ جامہ کیوں پہنا ہے؟ کہا پیغمبر خدا ﷺ سے تین چیزیں یادگار ہیں: فقر، علم اور تلوار۔ تلوار بادشاہوں نے لے لی اس کا کچھ غم نہیں،

Marfat.com

لیکن قلق یہ ہے کہ اپنے موقعہ پر استعمال نہ کی۔ بیجا ستانیوں سے کام لیا یا اپنے ہی بھائیوں کے گلے کاٹے۔ علم کو علماء نے لے لیا۔ بہت اچھا کیا کہ وہ ورثۃ الانبیاء ہیں، لیکن عمل نہ کیا اور اس لئے کیا کرایا سب کچھ خاک میں ملا دیا۔ فقر باقی تھا اس کو فقیروں نے لے لیا۔ وہ انہی کے لئے تھا۔ وہ نہ لیتے تو کون لیتا۔ ع: قرعہ فال بنامِ من دیوانہ زدند۔ لیکن انہوں نے بھی اس سے دکانداری چلانی شروع کر دی اور عجیب عجیب اختراع پیدا کر دیئے۔ ان گروہوں کی مصیبت میں حضرت رسول اقدس ﷺ کی یادگاروں کے لُٹ جانے کے غم میں میں سیاہ پوش ہو گیا ہوں۔

''کشف المحجوب''، جس میں حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ نے یہ واقعہ لکھا ہے، آج سے قریباً نو سو سال پہلے کی تصنیف ہے اور جن سیاہ لباس پہننے والے درویشوں کی انہوں نے مثالیں بیان کی ہیں کہ وہ بطور اظہار ماتم اس کو پہنتے تھے، خدا جانے وہ ان سے کس قدر عرصہ پہلے گذر چکے ہیں۔ اس زمانہ میں یعنی آج سے نو سو یا ایک ہزار سال پہلے انگلستان اور یورپ کی حالت اس قابل نہ تھی کہ تہذیب و شائستگی وہاں دخل کر سکتی اور ایجادات و اختراعات کا سہرا پہن سکتی۔ معلوم ہوتا ہے یورپ نے یہ رسم مشرق خصوصاً اہل عرب سے حاصل کی ہے جو اس زمانہ میں یعنی آج سے ہزار سال پیشتر تہذیب و تمدن، علوم و فنون اور ایجادات و اختراعات کے مالک تھے۔

شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی امت میں

یہ حدیث ہے جس کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''اَلشَّیخُ فِیْ قَومِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّۃ'' شیخ یعنی پیر طریقت کا یہ مرتبہ بہت بڑا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اس مرتبہ کا اہل ثابت ہو۔ حضرت داتا صاحبؒ نے مرید و مرشد کے تعلقات اور حقوق و آداب پر جامع بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب کوئی مرید ہونا چاہے تو اس کو واجب ہے کہ ایک سال لوگوں کی خدمت، ایک برس حق کی خدمت اور ایک سال اپنے دل کی رعایت میں رہے۔ جب وہ تین شرطیں پوری کر لے تو اسے مرقعہ پہنانا اور اپنے حلقہ میں لانا درست ہے، لیکن پیر وہ ہو جو مستقیم الحال ہو اور طریقت کے ہر نشیب و فراز سے واقف ہو۔ جلال کے قہر اور جمال کے لطف سے بے خبر نہ ہو، بلکہ مرید کے اس حال سے بھی واقف ہو کہ وہ موچی کا موچی ہی رہے گا یا کچھ حاصل کر کے سکون اختیار کرے گا یا حد کمال تک پہنچنے والوں میں ہو گا۔

شیخ ایک طبیب کی مانند ہوتا ہے۔ جب طبیب بیماری سے جاہل رہے اور اس کا علاج کرتا رہے تو آخر بیمار طبیب کی ناواقفیت کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا ہے۔

مُرید کا فرض ہے کہ وہ مرقع یا خرقہ یا گدڑی کو جو اسے پیر کی طرف سے عنایت ہو، کفن سمجھ کر پہنے اور زندگانی کی لذتوں اور دل کو دنیا کی راحتوں سے پاک اور منقطع کر دے۔

حریص مرقع پوشوں کی جماعت

ایک مرتبہ آپ اپنے پیر و مرشد شیخ ابو الفضل الختلی کے ساتھ آذر بائیجان کے ملک میں پھر رہے تھے۔ وہاں

آپ نے چند مرقع پوش درویشوں کو دیکھا کہ وہ گیہوں کے ایک خرمن کے پاس کھڑے ہوئے ہیں اور اپنے کپڑے کا دامن پھیلا کر زمینداروں سے کچھ طلب کر رہے ہیں۔ اہل علم اور اہل فقر کی یہ دردناک حالت دیکھ کر آپ کے دل کو صدمہ پہنچا۔ شیخ ابوالفضل سے عرض کیا۔ یا حضرت! یہ کیا حال اور کیا انجام ہے۔ شیخ نے یہ آیت پڑھی۔ ''اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ'' یہ وہ گروہ ہے جس نے ہدایت کی بجائے گمراہی کو خریدا اور کچھ فائدہ نہ دیا۔ اس تجارت نے ان کو اور یہ گروہ ہدایت یافتہ نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا۔ یا شیخ! یہ کتنی بڑی بے عزتی سے اس حرص میں مبتلا ہو کر لوگوں اور خصوصاً اہل دانش کی نظروں میں ذلیل اور خوار ہو رہے ہیں۔

شیخ۔ ان کے پیر نے یہ نہ دیکھا کہ یہ لوگ جو میرے پاس مریدی کے لئے آ رہے ہیں، ان کے پاس وہ زمین بھی ہے یا نہیں جو بیج قبول کر سکے گی، صرف مرید جمع کرنے کی حرص کی کہ بڑا پیر کہلا سکوں۔ چونکہ پیر میں حرص موجود تھی اس لئے مریدوں میں بھی وہ قائم رہی اور اب وہ حرص کے لئے دربدر ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔

سچ کہا ہے شیخ ابراہیم ذوق نے ۔

سب کو دنیا کی ہوس خوار لئے پھرتی ہے   کون پھرتا ہے یہ مردار لئے پھرتی ہے

صوفیاء کے گروہِ ملامتیہ کا طریق کیا ہے؟

صوفیاء کے ایک گروہ نے طریقِ ملامتیہ اختیار کر لیا ہے۔ یہ طریق کیوں اختیار کیا جاتا ہے؟ ملامت کیا ہوتی ہے؟ اب ایسے طریق کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ نے تفصیل سے لکھا ہے۔ ملامت تین طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو خدا کی باتیں اختیار کرنے میں جیسا کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے جب حق کی دلیلوں اور وحی کے اترنے اور خدائے واحد کی پرستش کا ذکر کیا، تو لوگوں نے طعن و تشنیع اور ملامت کی زبان دراز کر دی۔ دوسری وہ ملامت ہے جو خدا کی باتیں ترک کرنے میں ہوتی ہے۔ مثلاً نماز روزہ بلکہ خدا کے وجود تک سے انکار۔ رسول اللہ ﷺ کے احکامات پر استہزاء وغیرہ وغیرہ جیسا کہ ملحدوں، زندیقوں اور دہریوں کا قاعدہ ہے۔ تیسری ملامت وہ ہے جو اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں میں عمداً ذلیل کر کے حاصل کی جاتی ہے تاکہ ہمارے ظاہری کردار و گفتار سے اہل دنیا ہم سے نفرت کریں اور ہم کو یاد الٰہی کے لئے وقت مل سکے اور کسی ایسی چیز پر ہم کو تکبر ہوتا ہے جو ہم میں موجود ہے اور جس کی دنیادار تعریف کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص ہے اس کو خدا نے بڑا مرتبہ دیا ہے۔ روحانی، دینی یا دنیوی اس کے کسی کام کو لوگوں نے پسند کیا ہے اور اس کی تعریف کرتے ہیں، لیکن وہ نیک بخت تعریف سننا پسند نہیں کرتا کیونکہ تعریف اور خوشامد سے انسان مغرور اور متکبر ہو جاتا ہے۔ اس وقت خدا کی غیرت جوش میں آتی ہے۔ وہ اپنے دوست کو نہ صرف غیروں کی نظروں سے بلکہ اس کی اپنی نظروں سے بچانے کے لئے بھی ان کی ظاہری حالت میں اسی قسم کا تغیر پیدا کر دیتا ہے کہ نہ لوگ اس کے حال کا جمال دیکھ سکیں اور نہ وہ خود اپنا جمال دیکھ کر

Marfat.com

تکبر وغرور کی آفت میں مبتلا ہو۔

ابو یزیدؒ[۴۴] ایک مرتبہ حجاز کے سفر سے آ رہے تھے۔ جب رَے میں پہنچے تو بہت لوگ ان کو دیکھنے کو آئے اور ایک جمِ غفیر علماء وفضلاء کا ان کے استقبال کو شہر سے باہر نکلا۔ بایزید اس جھنجٹ سے بہت گھبرایا۔ جب لوگ اس کے پاس آئے تو اس نے آستین سے ایک روٹی نکالی اور اسے کھانا شروع کر دیا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ سب لوگ یہ حرکت دیکھ کر نفرین کرنے لگے اور واپس چلے گئے۔ بایزید نے اپنے ہمراہی مرید سے کہا۔ دیکھا طریقت کی شریعت کے ایک ہی مسئلہ پر عمل کیا تو سب کوڑا کرکٹ دور ہو گیا۔

شیخ ابو طاہر حرمیؒ ایک دن گدھے پر سوار ہو کر بازار سے گذر رہے تھے۔ لوگوں نے شور مچایا۔ دیکھو وہ بے دین پیر جا رہا ہے۔ مرید ہمراہ تھے۔ ان کو طیش آیا۔ ان میں سے ایک لوگوں کو مارنے کو دوڑا۔ شیخ نے منع کیا اور کہا تجھے ایک بات بتاؤں گا کہ تیرا سارا رنج جاتا رہے گا۔ مکان پر آئے۔ خطوں کا صندوق باہر نکلوایا اور مرید کے آگے رکھا اور کہا۔ دیکھ کسی نے شیخ الاسلام لکھا ہے، کسی نے شیخ زکی، کسی نے شیخ زاہد، کسی نے شیخ الحرمین۔ حالانکہ درحقیقت میں ایسا نہیں ہوں۔ ہر ایک نے اپنے علم، اپنی سمجھ اور اپنے اعتقاد کے مطابق جس نام سے چاہا مجھے مخاطب کیا۔ اگر کسی نے بے دین پیر کہہ دیا تو کیا ہوا۔ اس کے علم میں میں بے دین ہی ہوں گا۔ اس پر جھگڑا کرنے اور مارنے مرنے کی کیا ضرورت!۔

طریقِ ملامتیہ کے متعلق حضرت داتا گنج بخشؒ کے خیالات

حضرت داتا گنج بخشؒ جو اپنے آپ کو ہمیشہ ''عثمان جلّابی کا بیٹا علی'' کے نام سے خطاب کر کے لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں بے شک ملامت کی ضرورت تھی تا کہ تکبر وغرور کو شروع ہی میں بیخ وبُن سے اکھاڑ دیا جائے اور وہ لوگ اس قابل بھی تھے کہ ملامت میں سلامت رہ سکیں، لیکن یہ زمانہ بڑا نازک ہے۔ شریعت کے خلاف کوئی چیز اختیار کر کے کہنا کہ میں ملامت کے طریق میں ہوں، ظاہراً گمراہی اور آفت ہے۔ اگر تو خدمت کے طریق ہی کو پسند کرتا ہے تو نماز کی دو رکعتیں اور زیادہ کر لے اور دین میں پورا پورا منہمک ہو جا۔ کہنے والے اس طریق پر ملامت ہی کریں گے۔ پھر کیا ضرور ہے کہ ملامت کے بہانوں سے تو دنیا جہان کی حرص کو پورا کرے۔ فرماتے ہیں اس زمانہ میں بہت لوگ ایسے ہو گئے ہیں جو اپنے آپ کو گروہ ملامتیہ میں سے سمجھتے ہیں، لیکن دراصل وہ مکار ہیں اور اپنے نفس کی پرورش کے لئے ملامت کے عذر کو درمیان میں لا رہے ہیں۔

حضرت داتا صاحبؒ ایک مرتبہ ماوراء النہر کی سیاحت میں تھے۔ ایک ملامتی سے ملے۔ وہ ان کی ملاقات سے بہت خوش ہوا۔ آپ نے پوچھا شوریدہ حالی سے تیری مراد کیا ہے؟ کہا۔ لوگوں سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔ فرمایا۔ لوگ بہت ہیں اور عمر کم، کس کس سے پیچھا چھڑائے گا اور کب تک؟ تُو خود ہی ان کا پیچھا چھوڑ دے۔

Marfat.com

ایک مرحلہ کا حل کس طرح ہوا؟

لکھتے ہیں بعض جگہ ملامت کام بھی بڑا دے جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ سے کسی نے پوچھا تُو نے کسی وقت اپنے دل کی مراد بھی پائی۔ کہا، کئی مرتبہ۔ ایک تو اس وقت جب میں ایک کشتی پر سوار تھا۔ لوگ مجھ سے ہنسی مذاق کرتے تھے، بلکہ ایک شخص میرے سر کے بال کھینچتا اور نوچتا اور مسخرہ پن سے میری حقارت کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مسخرہ اٹھا اور اس نے مجھ پر پیشاب کر دیا۔ میں اپنی اس حقارت پر بہت خوش ہوتا تھا اور اپنے دل کو قرب الٰہی کے درجہ پر دیکھتا تھا۔

حضرت داتا صاحبؒ اس موقعہ پر اپنے ایک ذاتی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مجھے ایک دفعہ کوئی مشکل پیش آ گئی۔ میں شیخ ابو یزیدؒ کی قبر پر اس وقت تک مجاور رہا جب تک وہ میری مشکل حل نہ ہوگئی۔ ایک دفعہ پھر ایسی ہی مشکل پیش آئی۔ میں پھر ان کی قبر پر گیا۔ ہر روز تین دفعہ نہاتا اور تیس دفعہ وضو کرتا تھا۔ تین مہینے تک مزار کی مجاوری کی، مگر مقصد دل پورا نہ ہوا۔ آخر مایوس ہو کر خراسان کے سفر کا ارادہ کیا سنت کے طور پر۔ (سخت کپڑے کی) گدڑی میرے بدن پر تھی اور اہل ظاہر کے اسباب میں سے صرف ایک عصا اور چمڑے کا لوٹا میرے پاس تھا۔ شہر کِش کے نواحات میں ایک گاؤں تھا۔ وہاں ایک خانقاہ میں جہاں ظاہری صوفیوں کی ایک جماعت تھی، میرا قیام ہوا۔ اس جماعت سے کوئی مجھے نہ پہچان سکا۔ میں ان کی نظروں میں بہت حقیر معلوم ہوتا تھا۔ مجھے انہوں نے شب باشی کے لئے ایک بالا خانہ دیا اور آپ اس سے اوپر کی منزل پر چڑھ گئے۔ ایک سوکھی روٹی جو پڑے رہنے کے سبب سبز رنگ کی ہوگئی تھی، مجھے کھانے کو دی اور آپ نہایت لذیذ طعام کھانے لگے۔ طعام کے بعد انہوں نے خربوزے کھانا شروع کئے اور ان کے چھلکے میری طرف پھینکتے تھے۔ جوں جوں وہ میری حقارت کرتے تھے اور میری ملامت کرتے تھے اور مجھے طعن دیتے تھے، میرا دل بہت خوش ہوتا تھا اور مجھ پر عجیب وغریب نکات ظاہر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ میری وہ مشکل جو بایزید کے مزار پر بھی حل نہ ہو سکی تھی، خود بخود آسان ہوگئی اور مجھے معلوم ہو گیا کہ بزرگ کس طریق سے جاہلوں کی صحبت سے مستفیض ہوا کرتے تھے۔

صوفیوں کے فرقوں کا بیان

حضرت داتا صاحبؒ نے صوفیوں کے بارہ فرقے بتائے ہیں۔ لکھتے ہیں ان میں سے دو مردود ہیں اور دس مقبول۔ جو مقبول فرقے ہیں ان کو مجاہدات و مشاہدات میں خواہ کس قدر اختلاف ہو، مگر اصولوں اور شرع کی شاخوں اور توحید کے معاملات میں سب متفق ہیں۔ ان میں سے چند فرقوں کے بیان میں لکھتے ہیں:

محاسبیہ

یہ فرقہ اسد کے بیٹے ابی عبداللہ حارث محاسبی سے ہے۔ یہ فرقہ اصول اور فروع اور حقیقتوں کے علم کا عالم

Marfat.com

اوران کا سخن توحید کی تجرید ہے۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ رضا مقام سے نہیں بلکہ حال سے ہے۔ خراسان والوں نے ان کی تقلید کی، مگر عراقیوں کو ان سے اختلاف رہا اور وہ آج تک چلا آتا ہے۔ رضا معرفت کی آخری منزل ہے، کیونکہ جس نے یہ کہہ دیا۔ ع

راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تیری رضا ہے

اس کی نہ کوئی تمنا ہے اور نہ اس کو رنج سے رنج ہے اور نہ خُوشی سے خوشی۔ وہ تو ع

رشتہ درگرہ نم افگندہ دوست

کا مصداق ہے۔

قصاریہ

اس فرقہ کی ابتداء صالح قصاریؒ بن حمدون بن احمد عمار سے ہے۔ اس فرقہ کا طریق اظہار و ملامت ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ تنہائی میں خدا کی یاد کرنی چاہئے۔ ظاہر میں اپنے آپ کو قابل ملامت بنانا چاہئے۔

طیفوریہ

اس سلسلہ کی ابتداء عیسٰی بسطامی کے بیٹے ابی یزید طیفور بسطامیؒ سے ہے۔ یہ بہت بڑے بزرگ ہو گذرے ہیں۔ ان کا طریق صحو اور سکر تھا۔ سکر خدا کی محبت کے غلبہ کو کہتے ہیں اور صحو حصول مراد کو۔ اہل معنی سے ایک گروہ سکر کو صحو پر اور ایک صحو کو سکر پر ترجیح دیتا ہے۔

جنیدیہ

اس گروہ کی بنا محمدؒ کے بیٹے حضرت ابی القاسم جنیدؒ کے وجود سے ہے جس کو علمایان عصر اور صوفیانِ دہر طاؤس العلماء کہتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ بھی اسی فرقہ سے تھے۔ صحو اور سکر کے معاملہ میں اس فرقہ کو طیفوریوں سے اختلاف ہے۔ ان کے خیال میں صحو خدا کے ساتھ حال کی صحت سے ہے۔ جیسا کہ حضرت جنیدؒ نے حسین بن منصور کو کہا تھا کہ تو ہماری صحبت کے لائق نہیں ہے، کیونکہ صحبت کے لئے صحت لازمی ہے اور سکر شوق کی کثرت اور محبت کے غایت درجہ کو کہتے ہیں اور ان دونوں صفتوں کو کسب سے نہیں بلکہ تائید ایزدی سے سمجھتے ہیں۔

نوری

اس فرقہ کے صوفی شیخ محمد نوری کے بیٹے ابی الحسنؒ سے محبت کرتے ہیں۔ تصوف میں ان کا مذہب پسندیدہ ہے اور ان کا معاملہ جنیدؒ کے موافق ہے۔ یہ فرقہ گوشہ نشینی سے کنارہ کش اور صحبت کا مؤید ہے اور ایثار کا پابند۔ یعنی دوسرے کی مصلحت کو اپنی مصلحت پر مقدم سمجھتا ہے۔

سُہیلی

اس فرقہ کے مشائخ عبداللہ تستری کے بیٹے سہلؒ سے اپنی نسبت ملاتے ہیں، جن کا طریق اجتہاد نفس کا مجاہدہ اور ریاضت بہت سخت ہے۔ حضرت سہلؒ نے اپنے ایک مرید کو کہا کہ تمام دن اللہ اللہ کے سوا کوئی کلام نہ کر۔ پھر تین دن کے لئے اور تاکید کی۔ پھر کچھ دن اور بڑھا دیئے۔ یہاں تک کہ جب مرید کوئی خواب دیکھتا اس میں بھی اللہ اللہ ہی کی آواز سنائی دیتی۔ ایک مرتبہ مکان کی چھت کی لکڑی مرید کے سر پر گر پڑی۔ خون کے جو قطرے زمین پر گرے، ان سے بھی اللہ اللہ ہی ظاہر ہوتا رہا۔

فرازی

یہ فرقہ ابوسعید فرازی سے شروع ہوا ہے۔ طریقت میں یہ صاحب تصانیف ہو گذرے ہیں۔ تجرید و انقطاع میں ان کا بڑا مرتبہ تھا اور بقاء و فناء کے مسائل پر بڑا زور دیا کرتے تھے۔

خفیفی

خفیف کے بیٹے ابی عبداللہ محمدؒ سے اس فرقہ کی ابتداء ہے۔ یہ ظاہری و باطنی علوم کے عالم تھے۔ ان کی تصانیف عالی پایہ ہیں۔ آپ شاہی خاندان سے تھے۔ جب توبہ کی تو بڑا بلند مرتبہ پایا۔ یہ حضوری و غیبت کے مسائل پر بہت زور دیتے تھے۔ یعنی فرمایا کرتے تھے کہ جو اپنے سے غائب ہوتا ہے، خدا کی درگاہ میں حاضر ہوتا ہے اور جو خدا کی درگاہ میں حاضر ہوتا ہے اس کو اپنی خبر نہیں ہوتی۔

اسے ہم نے بہت ڈھونڈھا نہ پایا
اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا

حلولی

اس فرقہ کو جو ابوحلمان دمشقی کا پیرو ہے، آپ نے لعنتی فرقہ بیان کیا ہے۔ اس فرقہ کے لوگوں کو آپ ملحد بیان کرتے ہیں۔ دوسرا ملحد فرقہ اپنے آپ کو حسینؒ فارسی کا معتقد ظاہر کرتا ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں عثمان جُلابی کا بیٹا علی کہتا ہوں کہ میں نہیں جانتا، فارس کون ہے اور ابوسلمان کون؟ اور انہوں نے کیا کہا اور کیا کیا، لیکن جو شخص تحقیق اور توحید کے خلاف چلتا ہے، اس کو دین میں کچھ نصیب نہیں ہوتا اور جب دین جو اصل ہے مضبوط نہ ہو تو تصوف جو اس کی شاخ ہے، کس طرح مستفید ہو سکتی ہے۔

نفس کی موافقت بندہ کی ہلاکت ہے

نفس کیا چیز ہے؟ اس کی موافقت میں کیا ہلاکت اور اس کی مخالفت میں کیا نجات ہے؟ اس پر حضرت داتا

Marfat.com

صاحبؒ نے نہایت لطیف بحث کی ہے اور آیتوں، حدیثوں اور مختلف اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ نفس کی تابعداری جان کی ہلاکت ہے۔فرماتے ہیں:

ایک گروہ کے نزدیک نفس روح کو کہتے ہیں۔ایک اس کے معنی جسم کے لیتا ہے۔ایک خون کے معنوں میں اس کو استعمال کرتا ہے۔ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ ایک چیز ہے جو دل میں جان کی طرح رکھی گئی ہے اور شر کا منبع ہے۔ایک کا خیال ہے کہ نفس اور روح دونوں لطیف چیزیں ہیں جیسے شیطان اور فرشتے اور بہشت اور دوزخ کہ ایک خیر کا محل ہے ایک شر کا۔

حضرتؒ نے انسان کی ترکیب کو تین معنوں سے ظاہر کیا ہے۔یعنی روح، نفس اور بدن۔فرماتے ہیں۔ ہر ایک کے لئے ایک صفت ہے۔روح کے لئے عقل، نفس کے لئے ہوا اور بدن کے لئے حس۔انسان جس جہان میں رہتا ہے اس کی ترکیب آگ، پانی، مٹی، ہوا اور بلغم، خون، صفرا، سودا سے ہے۔جس جہان میں انسان یہاں سے جائے گا، اس کی ترکیب بہشت دوزخ، میدان قیامت سے ہے تو جان کو جو نہایت لطیف ہے بہشت سمجھ۔نفس کو جو آفت اور وحشت ہے دوزخ تصور کر اور جسم کو میدان قیامت خیال کر۔بہشت خدا کی رضا اور دوزخ اس کے قہر کا نمونہ اور میدان قیامت اس کے جمال وجلال کا مظہر ہے۔پس اپنے نفس کو ذلت سے پہچان تا کہ خدا کے نزدیک عزت پائے۔اپنے آپ کو عبودیت میں لے جا تا کہ ربوبیت تک پہنچے۔خدا نے اور اس کے رسولؐ نے نفس کے خلاف کرنے کا حکم دیا ہے اور نفس (ہوا وہوس) کو قابو میں رکھنے والوں کی مدح اور جنہوں نے نفس کی غلامی کی ہے، ان کی مذمت کی ہے۔پس اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا اور نفس پر قابض رہ۔اس سے مجاہدہ کر کیونکہ یہی جہاد اکبر ہے اور اسی سے مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔

مسجد کی حرمت کو نگاہ رکھو

مسجد خانہ خدا ہے۔خدا کے گھر میں وہ لوگ جو بظاہر خدا کے بندے کہلانے اور اس کی عبادت کرنے اور اپنی عبودیت کا ثبوت دینے کے لئے آتے ہیں، ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ معلوم نہیں، وہ کونسا تیسرا جہان ہے جہاں ان منافقوں اور مشرکوں کا ٹھکانا ہوگا۔کئی مسجدوں کے مُلّا، کئی نمازی، لمبی لمبی داڑھیوں والے بعض ایسے افعالِ ناشنوا کے مرتکب دیکھے گئے ہیں کہ اسلام کا مجسمہ ان کی جان کو دونوں ہاتھوں سے دعا دے رہا ہے۔ان کے علاوہ عام لوگ بھی نہ وضو کا احترام کرتے ہیں نہ مسجد کا۔اُدھر وضو ہو رہا ہے، ساتھ ہی باتیں بھی۔وہ بھی دین کی نہیں بلکہ دنیا کی ہو رہی ہیں۔اُدھر نماز ختم ہوئی۔اِدھر پھر دنیاوی معاملات کے قصے شروع ہو گئے۔خدا کے گھر کا احترام برائے نام بھی نہیں کیا جاتا۔اس میں عام لوگ ہی نہیں، بلکہ بڑے بڑے لوگ بھی مبتلا ہیں۔چنانچہ حضرت داتا گنج بخشؒ حضرت بایزید بسطامیؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ایک بزرگ کی زیارت کے لئے ایک مسجد میں گئے۔دیکھا کہ منہ کا لعاب مسجد میں پھینک رہا ہے۔آپ بغیر ملنے اور بغیر سلام کرنے کے واپس آ گئے اور کہا یا تو مسجد کی حرمت قائم رکھ کر لعاب کو

باہر پھینکتا تھا۔ اپنے دوست کے گھر کی یہ بے ادبی یا اگر تو ولی ہے تو کرامت کے زور سے وہ طاقت پیدا کر کہ لعاب منہ سے بھی نکل جائے اور خانہ خدا کو بھی پلید نہ کرے۔ اسی طرح حضرت داتا صاحبؒ ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ شیخ ابوسعیدؒ کے پاس ایک شخص آیا۔ وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آنے والے نے مسجد میں پہلے بایاں پاؤں رکھا۔ شیخ ابوسعیدؒ نے اندر ہی سے حکم دیا۔ اس شخص کو باہر نکال دو۔ جو دوست کے گھر میں داخل ہونا بھی نہیں جانتا وہ اس کے رموز ونکات کو کیا سمجھے گا۔

معجزہ اور کرامت میں کیا فرق ہے؟

معجزہ اور کرامت اور پیغمبر اور ولی کے موضوع پر حضرت داتا صاحبؒ نے پُراز معلومات بحث کی ہے اور طالب کو اس بحث سے نہایت لذت حاصل ہوتی ہے۔ معجزوں کی شرط یہ ہے کہ وہ ظاہر کئے جائیں اور کرامت کی شرط یہ ہے کہ وہ حتی الامکان ظاہر نہ کی جائے۔ صاحب معجزہ شرع میں تصرف پیدا کر سکتا ہے، کیونکہ وہ خدا کا نبی، پیغمبر اور رسول ہوتا ہے اور صاحب کرامت کو سوائے شرعی احکام کے تسلیم اور قبول کر لینے کے اور کوئی چارہ نہیں کیونکہ ولی کی کرامت نبی کی شرع کے خلاف کبھی نہیں چل سکتی۔ اپنے پیر ومرشد شیخ ابوالفضل بن حسن الختلی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ولی ولایت کو ظاہر کرے اور اس کا دعویٰ کرے تو یہ حالت کی صحت کو زیاں نہیں پہنچاتا، لیکن اس کے ظاہر کرنے میں (بسا اوقات) دل میں رعونت پیدا ہو جاتی ہے اور ولی نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ کفر ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ اثباتِ کرامت کے بیان میں فرماتے ہیں کہ ولی پر کرامت کا ظہور جائز ہے، کیونکہ وہ اس کے صدق کی علامت ہے اور ولی کی کرامت نبی کی نبوت کا ثبوت ہے اور مومن کے لئے بھی ولی کی کرامت رویت نبی کے صدق پر زیادہ اعتماد پیدا کرتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ کرامت کا ظہور تکلف اور رعونت سے نہ ہو۔

ولایت اور کرامت خدا کی بخششوں میں سے ہے۔ نہ کسب کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور روا ہے کہ یہ کسی ایسے شخص سے بھی ظاہر ہو، جو اسلام کی نعمت سے مشرف نہ ہو۔ ولیوں کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ازلی عصمت اور (مادرزاد) پاک دامنی نبیوں ہی کے لئے ہے۔

مسجد کے ستون سے ہمکلامی

حضرت داتا گنج بخشؒ ایک مرتبہ شہر طوس میں شیخ ابوالقاسم گرگانی کی زیارت کو گئے۔ وہ مسجد کے حجرہ میں تنہا بیٹھے تھے۔ فرماتے ہیں میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ میرا واقعہ ستون سے کہہ رہے تھے۔ آپ نے عرض کیا۔ اے شیخ! کس سے باتیں کر رہے ہو؟ جواب دیا۔ اے بیٹا! اس ستون کو اس وقت اللہ تعالیٰ نے (جو کل شئی قدیر ہے) طاقت گویائی عطا کی ہے۔ اس نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی جس کا میں نے اس کو جواب دیا ہے۔

اس واقعہ پر اس ستون کا واقعہ یاد آ گیا ہے جو آنحضرت ﷺ کے فراق میں رو رہا تھا۔

بے موسم کے میوے اور معاملہ کی صفائی پر کبوتر کی پرواز

ایک مرتبہ حضرت فرغانہ کے علاقہ میں ایک بزرگ کی تلاش کر رہے تھے۔ ایک موضع میں جس کا نام ملانگ تھا، ان کا پتہ ملا۔ اس پیر مرد کا نام باب عمر تھا۔ ان کے پاس ایک ضعیف العمر عورت بھی تھی جس کا نام فاطمہ تھا۔ آپ فرماتے ہیں زقند سے میں نے اس پیر مرد کی زیارت کا ارادہ کیا تھا۔ جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کیونکر آنا ہوا۔ میں نے کہا آپ کی زیارت کے لئے۔ شیخ نے نظر التفات سے دیکھ کر کہا کہ اے بیٹا! میں فلاں روز سے تجھ کو دیکھ رہا ہوں اور جب تک کہ تجھ کو مجھ سے غائب نہ کریں گے، میں چاہتا ہوں کہ تجھے دیکھتا رہوں۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے دنوں اور سالوں کا شمار کیا تو وہ دن جو اس پیر مرد نے بتایا تھا، میری توبہ کی ابتداء کا دن تھا۔ اس پیر مرد نے فاطمہ سے کہا۔ درویش کے کھانے کے لئے کچھ لاؤ۔ وہ گئی اور انگور اور کھجوریں لے آئیں، حالانکہ ان کا موسم نہ تھا اور فرغانہ میں کھجوروں کا ہونا ناممکنات سے تھا۔

ایک مرتبہ آپ شیخ ابوسعید کی قبر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک سفید کبوتر آیا اور اس غلاف کے نیچے جو قبر پر ڈالا گیا تھا، چلا گیا۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں نے سمجھا شاید کسی نے اڑایا ہے۔ جب غلاف کو الٹ کر دیکھا تو کچھ بھی نہ تھا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی حیرت انگیز معاملہ ہوا۔ رات کو شیخ خواب میں ملے۔ میں نے ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ فرمایا یہ کبوتر میرے معاملہ کی صفائی ہے اور ہر روز میری قبر پر میری ہم نشینی کے لئے آتا ہے۔

غرض ولیوں کی کرامتوں کے متعلق آپ نے اپنے چشم دید اور دوسرے اولیائے کرام کے بہت سے واقعات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ کرامتوں کا صحیح ہونا عقل کی دلیل ہے۔

انسان فرشتوں سے افضل ہے

معتزلہ ایک فرقہ ہے۔ وہ فرشتوں کو نبیوں سے افضل سمجھتا ہے اور دلیل یہ دیتا ہے کہ وہ زیادہ مطیع، زیادہ پاکیزہ اور زیادہ بلند ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ لکھتے ہیں۔ اگر وہ زیادہ مطیع اور زیادہ پاکیزہ ہیں تو تعجب ہی کیا ہے۔ وہ پیدا ہی اطاعت اور پاکیزگی کے لئے کئے گئے ہیں، مگر ان سے بھی زیادہ بلند مرتبہ اور افضل وہ ہستی ہے جس کا نام انسان ہے اور جس کے سجدہ کرنے کے لئے اس پاکیزہ ہستی (فرشتوں) کو حکم دیا گیا اور جن میں سے سوائے ایک کے جس کا نام اب شیطان ہے، سب نے سجدہ کیا۔ سجدہ ہمیشہ اسی کو کیا جاتا ہے جو اپنے سے افضل ہو۔ اس کے علاوہ ایک اور بات ہے۔ فرشتے ایک لطیف ہستی ہیں، لیکن انسان کے ساتھ اس کی پیدائش ہی میں شہوت مرکب ہے اور گناہوں کا ارتکاب اس سے ممکن اور دنیا کی آرائش اور اس کے جھگڑے بکھیڑے سب اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ پھر شیطان کو اس کے جسم میں اس قدر غلبہ ہے کہ وہ اس کی رگوں میں خون کے ساتھ ساتھ دوڑتا پھرتا ہے۔ پس ایسا شخص جو باوجود شہوت کے غلبہ کے بدکاری اور گناہوں سے پرہیز کرے اور باوجود شیطانی وسوسوں کے نفسانی آفتوں سے بچا

رہے اور نفس کے مجاہدہ اور شیطان کے جنگ میں مشغول ہو۔ وہ اس سے زیادہ بلند مرتبہ اور زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ جس میں شہوت کی طاقت نہیں ہے، جس کو غذا اور لذت کا احساس نہیں ہے اور جس کو عورت اور فرزند کا اندوہ نہیں ۔

یہ قوت رکھ کے بچتا ہے گنہ سے ملک سے بڑھ کے رتبہ ہے بشر کو

وضو کس طرح کرنا چاہیے؟

وضو کرنا سب جانتے ہیں، لیکن جو طریق حضرت داتا گنج بخشؒ نے ظاہری و باطنی پاکیزگی و طہارت کے متعلق بیان فرمایا ہے، اگر اس پر عمل کیا جائے تو فی الواقعہ وضو کرنے والا یہ شعر کہنے کا مجاز ہو سکتا ہے ۔

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

حضرت داتا صاحبؒ وضو اور طہارت کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ جب تو استنجا کرے تو چاہئے کہ جس طرح ظاہر کی پلیدی سے نجات طلب کی ہے، باطن میں غیر کی دوستی سے بھی نجات حاصل کر۔ جب تو ہاتھ دھوئے تو چاہیے کہ دل کو دنیا کی دوستی سے دھو ڈالے اور جب پانی منہ میں ڈالے تو چاہیے کہ منہ کو غیر کے ذکر سے خالی کرے اور جب نتھنوں میں پانی ڈالے تو چاہئے کہ شہوتوں کو اپنے اوپر حرام کرے اور جب منہ دھوئے تو چاہیے کہ تمام اپنی ایسی چیزوں سے جن میں اس کو منہمک ہو جانے کا اندیشہ ہے، یک لخت منہ پھیر لے۔ جب سر کا مسح کرے تو چاہیے کہ اپنے معاملات خدا کے سپرد کر دے اور جب پاؤں دھوئے تو چاہیے کہ خداوند تعالیٰ کے حکم کی موافقت کے سوا اقامت کی نیت نہ کرے تاکہ ظاہر و باطن کی طہارت اس کو نصیب ہو۔

جلالی اور جمالی توبہ

سالکانِ راہ حقیقت کا پہلا مقام توبہ ہے اور اس پر حضرت داتا صاحبؒ نے طویل بحث کر کے نہایت اچھے نکات اور اشارات بیان کئے ہیں۔ توبہ کیا ہوتی ہے؟ توبہ کی کتنی قسمیں ہیں؟ توبہ کر کے پھر بدی پر اگر انسان مائل ہو جائے تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟ توبہ کرنے والوں کے متعلق الٰہی ارشاد کیا ہے؟ گنہگار اور گنہ کا ارادہ کرنے والے میں کس کو فضیلت ہے؟ غرض بڑی دلچسپ بحث ہے۔ یہاں 'مشتے نمونہ از خروارے' توبہ کے متعلق حضرت کے ملفوظات سے صرف دو نکتے بیان کئے جاتے ہیں:

فرماتے ہیں گناہ کا ذکر حسرت سے ہوتا ہے یا ارادہ سے۔ جب کوئی حسرت اور ندامت سے اپنے گناہ کو یاد کرے تو وہ توبہ کرنے والا ہوتا ہے اور جو ارادہ سے گنہ کو یاد کرے وہ گنہگار، کیونکہ گناہ کرنے میں اتنی آفت نہیں ہوتی جتنی گناہ کا ارادہ کرتے رہنے سے جو ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

فرماتے ہیں۔ توبہ ایک جمالی بھی ہوتی ہے اور ایک جلالی بھی اور اس کا نام توبۃ الانابت اور توبۃ الاستحیاء ہے۔ انابت کا توبہ مطلب ہے کہ بندہ خدا کے عذاب کے خوف سے توبہ کرے اور استحیاء یہ ہے کہ ادھر اپنے گناہوں

Marfat.com

کو دیکھے اور اُدھر اس کے لطف و کرم اور دریائے رحمت کو اور خود ہی شرم سے غرق ہوتا جائے۔

مائیم پُر گناہ تو دریائے رحمتی

جائیکہ فضلِ تست چہ باشد گناہِ ما

جو توبہ خوف کی وجہ سے ہو، وہ جلال کے کشف سے ہوتی ہے اور جلالی کہلاتی ہے اور جو حیا اور شرم کی وجہ سے ہو، وہ جمال کے دیکھنے سے ہوتی ہے اور جمالی کہلاتی ہے۔

بزرگانِ دین نماز کس طرح پڑھتے تھے؟

جس طرح ہم اذان دیتے اور تکبیر کہتے ہیں، جس طرح نماز میں رکوع و سجود اور قیام کا لحاظ اس زمانہ میں مسلمان رکھتے ہیں۔ یہی باتیں پچھلے مسلمانوں اور خلفائے راشدین اور اولیائے کرام میں تھیں، مگر ایک بات ہے، جو آج نہیں ملتی ہے اور اس زمانہ میں عام تھی۔ وہ خلوص نیت اور خدا کو حاضر ناظر جانتا ہے۔ رسمی طور پر نہیں، بلکہ دل کی عاجزی اور فروتنی سے جو رکوع و سجود ہوتا ہے، وہ آج عنقا صفت ہے۔

جب آنحضرتﷺ سرنیاز بدرگاہ رب العلیٰ جھکاتے تھے تو ان کے دل میں کانسی کی اس دیگ کی طرح ایک جوش ہوتا تھا جس کے نیچے زور و شور سے آگ جل رہی ہو۔ جب حضرت علیؓ نماز میں مصروف ہوتے تھے تو ان کے بال کپڑے سے سر باہر نکال دیتے تھے اور کانپنے لگ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ نماز کے ادا کرنے کے وقت ایک ایسی امانت آتی ہے کہ آسمان اور زمین اس کے اٹھانے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ حاتم اصم[۳۵] فرماتے ہیں کہ میں نماز کے وقت دائیں طرف بہشت کو اور بائیں پہلو پر دوزخ کو اور قدموں کے نیچے پُل صراط کو دیکھتا ہوں اور ملک الموت کو اپنی پشت پر سوار پاتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے۔ پانچویں صدی ہجری ہی سے مسلمانوں کی دینی حمیت بہت کمزور ہوگئی تھی۔ اسی لئے مندرجہ بالا بزرگان دین کی نمازوں کا ذکر کرنے کے بعد حضرت داتا صاحبؒ نے نماز ادا کرنے کی سات شرطیں بیان کی ہیں، جن میں سے تین درج کی جاتی ہیں، جن کا تعلق ظاہر سے ہے:

(۱) ظاہر و باطنی پاکیزگی اور طہارت۔

(۲) کپڑا پاک ہو اور رزق حلال سے ہو۔

(۳) نماز گاہ پاک ہو۔ ظاہر میں آفتوں اور حادثوں سے اور باطن میں فساد اور گناہ سے۔

زکوٰۃ اور نذر مشائخ کو لینی چاہیے یا نہیں؟

زکوٰۃ کے باب میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے ان مشائخ، صوفیاء اور پیران عظام کا بھی ذکر کیا ہے جو زکوٰۃ لے لیتے ہیں یا نہیں لیتے۔ فرماتے ہیں، جن کا فقر اختیاری ہے وہ تو نہیں لیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مال اس لئے جمع نہیں کرتے کہ زکوٰۃ نہ دینی پڑے اور دنیا داروں سے ہم لیتے بھی نہیں تاکہ ان کا ہاتھ اوپر نہ ہو۔ جن کا فقر اضطراری

Marfat.com

ہے یعنی جو اپنے اختیار میں نہیں ہیں، انہوں نے زکوۃ لے لی ہے اور اس بنا پر کہ مسلمان بھائی کی گردن سے فرض کے بوجھ کو ہلکا کریں اور جب یہ نیت ہو تو ہاتھ نیچے نہیں بلکہ اوپر ہوتا ہے کیونکہ وہ خدا کی موافقت کے ساتھ ہے اور خدا کے حق کا لینا اس پر واجب ہے، بلکہ اگر نہ لے تو قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی۔

پیغمبروں نے بھی خدا کا حق لیا[36] ہے اور اسے اپنے خرچ میں لائے ہیں، کیونکہ وہ خدا کے امر سے لیتے رہے ہیں۔ پیغمبروں کے بعد دین کے اماموں نے بھی اس طریق کی پیروی کی ہے اور جو لینے والے ہاتھ کو نیچا کہتا ہے، وہ غلطی پر ہے۔

خدا کا نام جوّاد ہے سخی کیوں نہیں؟ عالم ہے عاقل کیوں نہیں؟

سخی وہ ہوتا ہے جو بخشش اور عطا میں تمیز کرے اور جو کرے اس میں کوئی غرض اور سبب بھی ہو اور یہ بخشش اور عطا کے مقامات کی ابتداء ہے۔

جوّاد وہ ہوتا ہے جو تمیز نہ کرے اور اس کا ایسا کرنا کسی بے غرضی کے ساتھ ہو۔ اس کی مثال میں حضرت داتا صاحبؒ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ مہمان کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ ایک دن ایک گبر مہمان آیا۔ اس سے کہا دوسرے مذہب کے مہمان کے لئے میرے پاس روٹی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا جس شخص کو میں نے ستّر سال تک پالا ہے۔ اے ابراہیم! تُو اس کو ایک وقت کی روٹی دینے سے نفرت کرتا ہے۔ جُود کی مثال میں آنحضرت ﷺ کا واقعہ لکھتے ہیں کہ ان کے پاس جب حاتم کا بیٹا آیا تو انہوں نے اپنی چادر اس کے نیچے بچھا دی تھی اور فرمایا جب کسی قوم کا سخی بزرگ تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کرو۔ غرض آپ نے نبوت کی چادر کو ایک کافر کا فرش بنایا اور یہ جود کی شان تھی۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کو تمام امتیں عالم کہہ سکتی ہیں، لیکن عاقل یا فقیہ نہیں کہتیں، اس لئے کہ اس کا مرتبہ ان الفاظ سے بہت بلند ہے۔

عورتیں فساد کی جڑ ہیں

عورتیں گھروں کی زینت ہیں۔ یہ انسانی گاڑی کا دوسرا پہیہ ہیں۔ یہ نہ ہوں تو کچھ بھی نہ ہو۔ خدا تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے۔ یہ تمہارے لئے اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے۔ تحقیق عورتوں میں سے زیادہ بابرکت عورتیں وہ ہیں، جن سے تکلیف کم ہو۔ جو خوبصورت ہوں اور جن کے مہر تھوڑے ہوں، مگر بایں ہمہ یہ فساد کی جڑ ہیں اور آتش کا پرکالہ۔ حضرت رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ ''اپنے بعد مردوں کو زیادہ نقصان پہنچانے والا فتنہ عورتوں کے سوا میں نے کوئی نہیں چھوڑا۔'' حضرت داتا گنج بخشؒ تو ان کو نہ صرف ظاہری بلکہ باطنی فتنہ بھی قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ بہشت میں سب سے پہلا فتنہ جو آدم علیہ السلام پر مقدر ہوا ہے، اس کا اصل یہی عورت تھی۔ پہلے پہل جو فتنہ دنیا میں ظاہر ہوا یعنی ہابیل قابیل کی لڑائی اس کا سبب بھی یہی ذات شریف تھی

Marfat.com

اور جب خدا نے چاہا کہ دو فرشتوں کو عذاب دے تو اس کا سبب بھی عورت ہی کو قرار دیا اور آج کے دن یعنی (حضرت کے زمانہ ۴۶۵ھ) تک دینی اور دنیاوی فتنوں کے تمام اسباب کا ذریعہ یہی عورتیں ہیں۔

حضرت کے زمانہ کو قریباً نو سو سال گذر چکے ہیں۔ عورتوں کے مکر وفریب میں کچھ ترقی ہی ہوئی ہے، کمی نہیں ہوئی اور گو یہ درست ہے۔

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد

مگر کثرت پر نظر کرنے سے اس جنس لطیف سے پناہ ہی مانگنی پڑتی ہے۔ یہ وہ آفت ہے جو بھائی کو بھائی سے، بیٹے کو باپ سے جدا کر دیتی ہے۔ اگر نیکی اور اتفاق کی طرف مائل ہو جائے تو گھر کو بہشت بنا دیتی ہے، ورنہ جہنم کا نمونہ بننے میں تو شبہ ہی نہیں۔

صوفیوں کی اصطلاحات

پینسٹھ الفاظ کے عارفانہ معانی

حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ نے شریعت اور حقیقت اور طریقت و معرفت پر ''کشف المحجوب'' میں جس وضاحت سے بحث کی ہے، وہ ایک ایسے شخص کے لئے جس کے دل پر مہر نہیں لگ گئی، جس کے کانوں پر پردے نہیں پڑ گئے اور جس کی آنکھوں میں ابھی طاقتِ بینائی باقی ہے، شرح صدر کا حکم رکھتی ہے۔ شریعت اور حقیقت کا کلام چونکہ اکثر استعارات پر ہوتا ہے اور ان کے لئے خاص خاص الفاظ صوفیاء نے مقرر کر لئے ہیں جن کو عوام بہت جلد نہیں سمجھ سکتے اس لئے حضرت داتا صاحبؒ نے ان الفاظ کے معانی و مطالب بیان کرنے کے لئے اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں تفصیل سے کام لیا ہے جس کو لغات الاصفیاء کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ الفاظ بہت زیادہ ہیں، مگر حضرت نے چونکہ اختصار سے کام لے کر صرف پینسٹھ الفاظ کی تشریح کی ہے، اس لئے وہی الفاظ یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں:۔

الحق: اہل باطن کی مراد اس لفظ سے خداوند تعالیٰ ہے کیونکہ حق خدا کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

الحقیقت: واصل بحق ہونے کے محل میں بندہ کی اقامت کا نام۔

المضرات: تضریق کے حکموں (یعنی خدا کی نافرمانی) سے جو دل پر گذرے۔

الوطنات: اسرار الٰہی جو متوطن ہو۔

الطمس: عین کی ایسی نفی کہ اس کا اثر رہے۔

Marfat.com

الدمس: دل سے عین کی نفی معہ اس کے اثر کے۔

العلائق: وہ اسباب وتعلقات جن سے طالب اپنی مراد سے رہ جائے۔ یہ وہی علائق ہیں جن کی نسبت ذوق کہتا ہے۔

ممکن نہیں ہے ذوق علائق سے چھوٹنا جب تک کہ روح کو ہے تعلق بدن کے ساتھ

الوسائط: وہ اسباب جن کے تعلق سے طالب اپنی مراد کو پہنچتا ہے۔

الزوائد: دل میں نور کی زیادتی کا ہونا۔

الفوائد: اپنے ضروری بھید کو سمجھنا۔

الملجاء: دل کا بھروسا۔ مراد کی حضوری پر۔

النجاء: آفت کے محل سے دل کا رہائی پانا۔

الکلیت: کلیت میں آدمی کی صفتوں کا استغراق۔

اللوائح: مراد کا ثبوت اس کی نفی کی جلدی سے۔

اللوامع: دل پُرنور کا ظاہر ہونا معہ اس کے فوائد کے۔

الطّوالع: دل پر معرفت کے نوروں کا طلوع ہونا۔

الصوارق: دل پر اس واردات کا گذرنا جورات کی مناجات میں بشارت یا تنبیہ سے واقعہ ہو۔

اللطیفہ: اشارہ۔

السر: دوستی کی باتوں کو پوشیدہ رکھنا۔

النجوی: غیر کی اطلاع سے زمانہ کی آفتوں کو چھپانا۔

الاشارۃ: غیر کی خبر۔

الایاء: بغیر عبارت اور اشارات کے خطاب کی تعریض۔

الوارد: دل میں معانی کا نزول وحلول۔

الانتباہ: دل سے غفلت کا زائل ہونا اور متنبہ ہونا۔

Marfat.com

الاشتباہ: حق اور باطل کی پہچان میں جو مشکلات پیش آئیں۔

القرار: حال کی حقیقت سے ترددات کا دور ہونا۔

الانزعاج: وجد کی حالت میں دل کا حرکت کرنا۔

العالم: خداوند تعالیٰ کی مخلوق سے مراد ہے۔

الحدث: وجود میں متاخر یعنی جو بعد میں ہوا ہو۔

القدیم: جو سابق اور ہمیشہ ہو اور وہ جس کی ہستی سب ہستیوں سے پہلے ہو۔ مراد خداوند تعالیٰ۔

الازل: وہ جس کے لئے ابتدا نہیں۔

الابد: وہ جس کا کوئی انجام نہیں۔

الذات: کسی چیز کی ہستی اور حقیقت۔

الصفت: وہ جو قسمت قبول نہ کرے کیونکہ وہ خود بخود قائم نہیں رہتی۔

الاسم: مسمی غیر حواس کا بیان کرنے والا ہو۔

التسمیہ: مسمی کا غیر۔

النفی: جو منفی کے عدم کا تقاضا کرے۔

الاثبات: جو مثبت کے وجود کو چاہے۔

السیان: ایک کا وجود دوسرے وجود کے ساتھ روا ہو۔

الضدان: یہ کہ ایک کا وجود دوسرے کے وجود کے باقی ہونے میں ایک حال میں روانہ ہو۔

الغیران: یہ کہ ہر ایک کا وجود بغیر دوسرے کے روا ہو۔

الجواہر: چیز کا اصل جو بذاتہ قائم ہو۔

الجسم: پراگندہ جزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

العرض: جو جوہر کے ساتھ قائم ہو۔

السوال: حقیقت کا طلب کرنا۔

Marfat.com

الجواب: سوال کے مضمون سے خبر دینی

الحسن: جو امر کے موافق ہو۔

القبح: الحسن کا جواب یعنی جو امر کے مخالف ہو۔

السفہ: امر کا ترک کرنا۔

الظلم: کسی چیز کا ایسی جگہ رکھنا جو اس کے لائق نہ ہو۔

العدل: کسی چیز کا اپنی جگہ پر رکھنا۔

الملک: وہ ہے جس کے لئے پر اعتراض نہیں کر سکتے۔

الخاطیر: دل میں معنوں کا حاصل ہونا۔

الواقع: وہ امر جو دل پر وارد ہو اور جس کے دفع کرنے کی طالب میں طاقت نہ ہو۔

الاختیار: اپنے اختیار پر خدا کے اختیار کو (خیر اور شر میں) اختیار کرنا۔

التحلی: اپنے آپ کو کسی گروہ کی مانند جتانا۔ بناوٹ سے نہیں بلکہ حقیقت سے۔

التجلی: خدا کے عرفان کے نوروں کی تاثیر۔

التخلی: ایسے مشاغل سے روگردانی کرنا جو بندہ کو خدا تعالیٰ سے الگ کرتے ہوں۔

الشرود: آفتوں اور حجابوں سے خدا کی طلب اور اس طلب کی بے قراری۔

القصود: مقصود کی حقیقت کے طلب کرنے پر ارادہ کی صحت۔

الاصطناع: سب خطروں اور آفتوں کے دور ہونے سے مہذب بننا، یہاں تک کہ نعمتوں کے زوال اور وصفوں کے تبدیل ہونے سے اپنے سے بےخود ہو جائے۔

الاصطفا: حق تعالیٰ بندے کے دل کو اپنی معرفت کے لئے فارغ کر لے۔

الاصطلام: خدا کا غلبہ ہے جو لطف امتحان سے ارادہ کی نفی میں بندہ کو اپنا مقہور بنا لیتا ہے۔

الرین: دل پر کفر اور گمراہی کا وہ پردہ جو ایمان کے سوا نہیں کھسکتا۔

الغین: دل کا وہ پردہ جو غلیظ اور خفیف ہوتا ہے اور استغفار سے دور ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

التلبیس: کسی چیز کو اس کی تحقیق کے خلاف ظاہر کرنا۔

الشرب: اطاعت کی شیرینی، کرامت کی لذت اور اُلفت کی راحت کا نام گروہ صوفیا نے مشرب رکھا ہے۔

الذوق: ذوق شرب ہی کی طرح ہے۔ شُرب راحتوں کے لئے ہے۔ ذوق رنج و راحت دونوں میں شامل ہے۔

حضرتؒ کے ہمراہیوں کی کیفیت

جب حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ غزنی سے لاہور جلوہ فرما ہوئے تو آپ کے ساتھ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، دو اور بزرگ بھی تھے۔ ایک تو خواجہ احمد سرخسی جو سرخس کے رہنے والے تھے اور دوسرے ابوسعید ہجویری جو آپ کے ہم وطن تھے۔ حضرت ابوسعید ہجویری کا حال اس سے زیادہ کچھ اور معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کو حضرت نے ''کشف المحجوب'' میں کئی جگہ مخاطب کیا ہے اور آپ ہی کے بعض استفسارات کے جواب میں یہ لاجواب کتاب عالمِ وجود میں آئی ہے۔

دوسرے خواجہ احمد سرخسی ہیں۔ ان سے ایک دفعہ آپؒ نے پوچھا، تیری توبہ کی ابتداء کس طرح ہوئی؟ کہا، ایک مرتبہ میں سرخس کو روانہ ہوا۔ ایک مدت تک ایک جنگل میں اپنے اونٹوں کے ساتھ رہا۔ اس دن میں بہت خوش ہوتا تھا جب خود بھوکا رہ کر اپنے حصہ کی خوراک کسی مسافر یا راہ گیر کو دیا کرتا تھا۔ ایک دن ایک شیر آیا اور میرے ایک اونٹ کو مار کر آپ بلندی پر جا بیٹھا اور ایک چیخ ماری جس سے گرد و نواح کے درندے لومڑی، گیدڑ اور بھیڑیئے وغیرہ آ گئے۔ ان کے آنے پر شیر نے اونٹ کو پھاڑ ڈالا اور پھر بلندی پر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سب جانور اونٹ کا گوشت مزے سے کھانے لگے اور خوب سیر ہو کر چلے گئے۔ پھر شیر نیچے اُترا۔ اس غرض سے کہ آپ بھی کچھ کھا لے۔ اتنے میں ایک لنگڑی لومڑی نظر آئی، جو اسی طرف آ رہی تھی۔ شیر پھر واپس چلا گیا اور جب وہ بھی کھا کر چلی گئی تو شیر نے بھی آ کر تھوڑا سا کھا لیا۔ میں دور سے یہ کیفیت دیکھ رہا تھا۔ شیر میرے نزدیک آیا اور خدا کے حکم سے گویا ہو کر کہنے لگا۔ اے احمد! لقموں کا ایثار کرنا بھی کوئی ایثار ہے۔ اگر مرد ہے تو اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کر۔ لقموں کا ایثار تو حیوانات بھی کر سکتے ہیں۔ تو مرد ہے، تجھ کو جوان مردانہ ایثار ہی مناسب ہے۔ احمد سرخسی نے کہا جب شیر سے یہ بات میں نے سنی تو مجھ پر ایثار کے اسرار کھلے اور میں نے دنیا کے تمام شغلوں سے توبہ کر لی اور یہی میری توبہ کا ابتدائی دن تھا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پُر انوار میں گنبد کے نیچے دائیں اور بائیں دو چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں قبریں حضرت کے انہی مجاہد ہمراہیوں کی ہیں۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ کی زندگی ہی میں ان صاحبان کا انتقال ہو گیا تھا یا بعد میں۔ بہر حال عام طور پر یہ دونوں قبور جن کے درمیان حضرت داتا صاحبؒ کی قبر ہے، آپ کے ہمراہیوں ہی سے منسوب کی جاتی ہیں۔

Marfat.com

حضرت داتا گنج بخشؒ کی وفات

آخر وہ بھی دن آ گیا کہ اس شہباز طریقت وحقیقت کو علائق دنیوی کے ظاہری دام سے بھی رہا ہونا پڑا۔ کسی کتاب سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کتنے دن بیمار رہے اور کس مہینے کی کس تاریخ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ البتہ عرس آپ کا چونکہ ہر ماہ صفر کی بیس تاریخ کو ہوتا ہے، اس لئے خیال یہ ہے کہ اسی تاریخ کو یا کم سے کم اسی مہینے میں آپ کا انتقال ہوا ہوگا۔

سال وفات میں بھی کچھ اختلاف ہے۔ مولانا جامیؒ ''نفحات الانس'' میں ۴۶۵ھ لکھتے ہیں۔ صاحب ''تذکرۃ الاصفیاء'' ۴۶۴ھ، حضرت داراشکوہ ''سفینۃ الاولیاء'' میں ۴۶۶ھ اور رائے بہادر کنہیا لال مصنف ''تاریخ لاہور'' اردو اور خان بہادر سید محمد لطیف مصنف ''تاریخ لاہور'' انگریزی اور صاحب ''فرہنگ آصفیہ'' مولوی سید احمد دہلوی سال وفات ۴۶۵ھ لکھتے ہیں اور غالباً صحیح بھی یہی ہے۔ چنانچہ مزار مبارک کے اندرونی دروازے پر بھی جو قطعہ تاریخ درج ہے، اس میں بھی سالِ وصلش برآئداز سردار (۴۶۵ھ) لکھا ہے۔

چونتیس سال تک آپ لاہور میں قیام فرما رہے۔ اس عرصہ میں ہزاروں کرامتیں آپ سے ظاہر ہوئی ہوں گی۔ ظاہری و باطنی برکات سے لاکھوں آدمی فیض یاب ہوئے ہوں گے۔ اس زمانہ کے علماء، فضلا اور صوفیائے کرام سے آپ کی ملاقاتیں ہوئی ہوں گی۔ ان ملاقاتوں سے عجیب عجیب روحانی اور عارفانہ نکات و رموز ظاہر ہوئے ہوں گے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ آپ چونتیس سال تک صرف لاہور ہی میں رہے ہوں جبکہ آپ کی سابقہ زندگی جو غزنی، خراسان ماوراء النہر اور دیگر ممالک میں گذری ہے، ظاہر کرتی ہے کہ آپ کو سیر و سیاحت کا بڑا شوق رہا ہے اور آپ 'سیروفی الارض' کے سختی کے ساتھ پابند رہے ہیں، اس لئے آپ نے پنجاب کے دیگر مقامات کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے عزت بخشی ہوگی۔ لوگ جوق جوق آئے ہوں گے۔ چونکہ آپ کی ذات سراپا رحمت تھی، اس لئے کنواں ضرور پیاسوں کے پاس گیا ہوگا۔ وہ تشنہ لب سیراب ہوئے ہوں گے اور ہزارہا بندگانِ خدا جو تاریکی و جہالت اور بے علمی کی وجہ سے بت پرستی میں مصروف تھے، وحدانیت کے سایہ میں آئے ہوں گے۔ افسوس ہے چونتیس سال کے واقعات پردہ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں، جو اگر ظاہر ہو جاتے تو یقیناً مسلمانوں اور خدا پرستوں کے ازدیاد ایمان کا باعث ہوتے۔

۴۶۵ھ میں جب حضرتؒ کا انتقال ہوا ہے، تو سلطان ظہیر الدولہ ونصیر الملۃ رضی الدین سلطان ابراہیم تخت غزنی پر متمکن تھا اور لاہور اور پنجاب بھی اسی کے زیر نگین تھے۔ سلطان ابراہیم ۴۵۰ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اس کی وفات بقول بعض ۴۸۶ھ اور بقول بعض روایات ۴۹۲ھ بیان کی جاتی ہے۔ یہ بادشاہ بڑا عابد، زاہد اور متقی تھا۔ لاہور میں حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر بھی حاضر ہوا تھا جیسا کہ اپنی جگہ اس کا ذکر آئے گا۔

Marfat.com

تاریخ ہائے وفات حضرت داتا گنج بخشؒ

مزار کی اندرونی ڈیوڑھی پر جس کی مینا کاری کا کام اب بھی اس کی قدامت اور مٹی ہوئی شوکت کو ظاہر کر رہا ہے، حسب ذیل قطعہ سنگ مرمر پر لکھا ہوا ہے:

این روضہ کہ بانیئش شدہ فیض است ‏ ‏ مخدوم علی راست کہ باحق پیوست
در ہستی ہست نیست شد ہستی یافت ‏ ‏ زاں سالِ وصالش افضل آمد از ہست
۴۶۵ھ

ڈیوڑھی سے اندر داخل ہوتے ہی صحن مزار اور مسجد کا جو دروازہ ہے، اس پر لکھا ہوا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحمٰن

خانقاہِ علی ہجویری ست ‏ ‏ خاک جاروب ازدرش بردار
طوطیا کن بدیدۂ حق بیں ‏ ‏ تاشوی واقف در اسرار
چونکہ سردار ملک معنیٰ بود ‏ ‏ سال وصلش برآید از سردار
۴۶۵ھ

یہ دونوں قطعات تاریخ جو حضرت کے مزار پر کندہ ہیں، بہت پرانے زمانہ کے معلوم ہوتے ہیں۔ صاحب قطعہ نے اپنا نام کہیں نہیں لکھا اور نہ ''سفینۃ الاولیاء'' اور ''تاریخ لاہور'' اور دیگر کتابوں میں یہ ذکر ہے کہ یہ قطعات کس کی تصنیفات سے ہیں۔

البتہ ''تحقیقات چشتی'' میں لکھا ہے کہ پہلا قطعہ حضرت مولانا جامیؒ کی تصنیف سے ہے، مگر خود مولانا جامیؒ نے ''نفحات الانس'' میں حضرت داتا گنج بخشؒ کا ذکر کرتے ہوئے اس قطعہ کو نہیں لکھا۔ دربار کے مجاور بھی اس قطعہ کو مولانا جامیؒ ہی سے منسوب کرتے ہیں۔

''گنج تاریخ'' میں مفتی غلام سرور لاہوری نے حضرت کے انتقال پر بہت سی تاریخیں لکھی ہیں۔ ''تحقیقاتِ چشتی'' میں بھی مولوی نور احمد چشتی نے اپنے والد مولوی احمد بخش یکدل اور مولوی غلام فرید قریشی کے کئی قطعات لکھے ہیں، جو حضرت کی وفات کے متعلق ہیں۔ یہاں صرف ایک قطعہ مولوی یکدل صاحب کا لکھا جاتا ہے۔

شیخ عالی علی ہجویری ‏ ‏ بود مخدوم ہر صغار وکبار
ہست۔ سردار۔ زیور لاہور ‏ ‏ طرفہ تاریخ وصل آں سردار
۴۶۵ھ ۴۶۵ھ ۴۶۵ھ

لفظ ہست اور سردار اور زیور لاہور سے علیحدہ علیحدہ ۴۶۵ھ نکلتا ہے۔

Marfat.com

حضرت داتا گنج بخشؒ کی تصویر

تصویر بنانے والوں نے یوں تو حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت علیؓ اور حضرت پیران پیرؒ تک کی تصویریں بنالی ہیں، لیکن حضرت علی مخدوم ہجویری عرف حضرت داتا گنج بخشؒ کی تصویر چونکہ ایک ایسے ماہوار رسالہ ؎ میں شائع ہوئی ہے جس کے دو ایڈیٹروں میں ایک بی اے اور بیرسٹر اور ایک ایم۔اے ہے، اس لئے توقع تھی کہ وہ تصویر کی تشریح میں بتائیں گے کہ یہ تصویر کہاں سے حاصل کی گئی۔ ان کی زندگی میں بنی تھی یا ان کے بعد۔ حضرت داتا گنج بخشؒ جو ولی کامل اور شریعت کے سختی سے پابند تھے، کیا وہ اپنی زندگی میں تصویر کشی کی اجازت دے سکتے تھے یا اگر ان کے بعد بنی ہے تو کیا وہ اصل تصویر ہے، لیکن افسوس ہے تصویر کے متعلق کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی۔ تصویر میں جو لباس دکھایا گیا ہے، وہ اس لباس سے بالکل مختلف ہے۔ جو حضرت استعمال کیا کرتے تھے۔ نیچے سفید کرتہ ہے جس کی لمبی لمبی آستینیں ہیں۔ اس کے اوپر کوٹ ہے جس کو ہم پیراہن یا خرقہ یا مرقعہ کہنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ چھینٹ کی قسم کا ایک خوبصورت کپڑا معلوم ہوتا ہے حالانکہ حضرتؒ گدڑی بھی سخت کپڑے کی پہنا کرتے تھے۔ آپ اس تصویر میں گاؤ تکیہ کے سہارے اس انداز سے بیٹھے ہوئے ہیں جیسے کسی کو تصویر کھنچوانے سے پہلے تیار کر کے بٹھایا جاتا ہے۔ سر پر سفید پگڑی ہے جس کی بندش کشمیری پنڈتوں کی پگڑیوں سے ملتی جلتی ہے۔ حضرتؒ نے خود ایک جگہ فرمایا ہے کہ صوفی لوگ (جن کو زینت کا خیال نہیں ہے) سفید لباس کو نہیں پہنتے کیونکہ دھونے کی ضرورت اور تکلیف رہتی ہے، بلکہ نیلگوں یا میل خورہ کپڑے استعمال کرتے ہیں۔ حضرت کی نسبت کبھی زینت کرنے کا خیال پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنے پاس کل جائداد جب ایک گدڑی، ایک عصا اور ایک چمڑے کے لوٹے سے زیادہ نہیں رکھتے تھے اور جب لڑکوں کو پڑھانا محض اس بنا سے ترک کر دیتے ہیں کہ اس میں حکومت اور بادشاہی کی بو پائی جاتی ہے، ان سے کب یہ توقع ہوسکتی ہے کہ وہ اعلیٰ قسم کے کپڑے کے گاؤ تکیے رکھیں اور چھینٹ کی قسم کے کپڑے استعمال کریں۔ ہمارے خیال میں یہ تصویر بالکل فرضی ہے اور حضرتؒ کے بہت زمانہ کے بعد بنائی گئی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کے اقوال اور کلمات طیبات

حضرت داتا گنج بخشؒ کی زبان مبارک کا ایک ایک لفظ گوہر آبدار ہے۔ دنیا داروں اور دینداروں کے لئے انہوں نے کلمات طیبات کا ایک لازوال خزانہ اپنی یادگار میں چھوڑا ہے۔ کوئی عمل کرنے والا ہو تو بقول شخصے ؎

اگر در خانہ کس است حرفے بس است

ایک ہی لفظ کافی ہے۔

ہم طالبانِ حق کی روحانی غذا کے لئے آپ کے وہ کلمات اور اقوال یہاں درج کرتے ہیں جو ''کشف المحجوب'' اور ''کشف الاسرار'' سے منتخب کئے گئے ہیں:

Marfat.com

(۱) حال وہ حقیقت ہے جو خدا کی طرف سے انسان کے دل میں آتی ہے۔ جب آئے تو اسے دور نہیں کر سکتے اور جب جائے تو اسے حاصل نہیں کر سکتے۔

(۲) نفس کی مخالفت سب عبادتوں کا اصل اور سب مجاہدوں کا کمال ہے۔

(۳) یہ ضروری نہیں کہ جو زیادہ مجاہد ہو وہ زیادہ امن میں ہو، بلکہ جس پر خدا کی زیادہ عنایت ہوتی ہے، وہی قرب الٰہی کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ بقول ؎

چاہے تو ڈال دے وہ دوزخ میں زاہدوں کو
کس وہم میں پڑے ہیں وہم و گمان والے

(۴) نفس ایک باغی کتا ہے۔ کتے کا چمڑا جب تک دباغت اور رنگ نہ کیا جائے، پاک نہیں ہوتا۔

(۵) تصوف اور معرفت کے طریقہ کی بنیاد اور قاعدہ سب ولایت اور اس کے اثبات پر ہے۔

(۶) جو ولی کی معرفت کے نہ ہونے کے قائل ہیں، ان کا قول معتبر نہیں۔

(۷) کرامت ولی کے صدق کی علامت ہے۔

(۸) ولی مخصوص ہے کرامتوں سے اور نبی معجزوں سے۔

(۹) پیغمبر کی بزرگی اور رتبہ کی بلندی صرف معجزوں ہی سے نہیں، بلکہ عصمت کی صفائی سے ہے۔

(۱۰) سب نبی ولی ہوتے ہیں، مگر ولیوں میں سے کوئی ولی نبی نہیں ہو سکتا۔

(۱۱) اپنے سے غائب ہونا حق کی حضوری ہے اور حق کی حضوری سے اپنی غیبت۔

(۱۲) روح ایک لطیف شے ہے جو خدائے بزرگ و بلند کے حکم سے آمد و رفت رکھتی ہے۔

(۱۳) جب کوئی قدیم کو محدث سے نہیں پہچانتا تو جو کچھ وہ کہتا ہے، اپنی گفتار میں جاہل ہوتا ہے۔

(۱۴) عارف عالم بھی ہوتا ہے، مگر ضروری نہیں کہ عالم بھی عارف ہو۔

(۱۵) بندہ کے لئے سب چیزوں سے زیادہ مشکل خدا کی پہچان ہے۔

(۱۶) جس کو خدا گمراہ کر دے، اس کو کوئی راستہ پر نہیں لا سکتا اور جس کو خدا سیدھی راہ دکھا دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔

(۱۷) خدا کے راستہ کے سالکوں کا پہلا مقام توبہ ہے۔

(۱۸) محبت حال ہے اور حال کبھی قال نہیں ہوتا۔ یعنی محبت اگر زبردستی پیدا کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے کیونکہ یہ عطائے الٰہی ہے۔ یہاں زور و زر کا کام نہیں۔ ؎

نہ بزور و نہ بزاری نہ بزر مے آید

(۱۹) علم سے بے پرواہی کرنا محض کفر ہے۔

(۲۰) مشاہدہ مردوں کا میدان ہے اور مجاہدہ لڑکوں کا کھیل ہے۔

Marfat.com

(۲۱) بوڑھوں کو چاہئے کہ وہ جوانوں کا پاس خاطر کریں، کیونکہ ان کے گناہ بہت کم ہیں اور جوانوں کو چاہیے کہ بوڑھوں کا احترام کریں کیونکہ وہ ان سے زیادہ عابد اور زیادہ تجربہ کار ہیں۔

(۲۲) غذا کے بغیر چارہ نہیں، کیونکہ طبیعتوں کا برقرار رکھنا کھانے اور پینے کے بغیر نہیں ہے، لیکن شرط مروت یہ ہے کہ حد سے زیادہ نہ بڑھ جائے۔

(۲۳) مجردوں کو چاہیے کہ وہ ناشائستہ اوامر سے اپنی آنکھ کو بچائیں اور جو چیزیں دیکھنے کے لائق نہ ہوں، ان کو نہ دیکھیں اور جو سوچنے کے لائق نہ ہوں، ان کو نہ سوچیں۔

(۲۴) فقیر کو مناسب ہے کہ بادشاہوں کی ملاقات کو سانپ اور اژدہاؤں کی ملاقات کے برابر سمجھے۔ (بشرطیکہ وہ ملاقات اپنے نفس کے لئے ہو۔)

(۲۵) خواہ کافروں کی سی ٹوپی سر پر رکھ مگر سچا فقیر بن۔

حاجت بہ کلاہ برگی و اشتنت نیست

درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

(۲۶) فقیر کی معرفت (اور آزمائش اور پہچان) کے لئے سیر دنیا سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔ "قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ"۔

(۲۷) پروانہ ہمیشہ شمع پر ہی جاتا ہے۔ پس اگر پروانہ کی طرح یہ جان بھی اسی (شمع حقیقت) کے غم میں جل مرے تو بڑی بات ہے۔

(۲۸) آنکھوں سے پانی بہا اور خوشی تھوڑی کر۔

(۲۹) تحفہ و ہدیہ و خیرات وغیرہ کے طور پر جو چیز (بے طلب) خود بخود حاضر ہو، اسے رد نہ کر۔

(۳۰) اگر کسی مزار پر گذر ہو تو کچھ پڑھ کر بخش، تاکہ صاحب مزار کو خوشی حاصل ہو اور وہ بھی تیرے حق میں دعا کرے۔

(۳۱) اگر کسی کی ایک کھجور کی گٹھلی بھی تجھ پر نکلتی ہو۔ اس سے سبکدوشی حاصل کر۔

(۳۲) ماں باپ کو اپنا قبلہ سمجھنا چاہیے جیسا کہ تفاسیر قرآن شریف میں بھی آیا ہے۔

(۳۳) اگر تم ہفت ہزاری بھی ہو جاؤ تو کیا بنے گا۔ آخر وہ مٹھی بھر خاک ہی رہو گے۔

(۳۴) سچ جانو کہ تم ناپاک مٹی کا صرف ایک قطرہ ہو۔ پھر اس تکبر و نخوت سے کیا حاصل۔

(۳۵) اے دانا! جاہی کے خیال کو اپنے دل سے نکال اور مرد مسافر ہو جا۔

(۳۶) بیگانوں کا حق اپنے پاس نہ رکھ۔

(۳۸) مال کی محبت کو عذاب سمجھ کر فاقہ کشوں (اور مستحقوں) پر لٹاتے رہو اور یہ سب کچھ اس دن سے پہلے کر جبکہ قبر میں تجھے کیڑے کھا جائیں گے۔

Marfat.com

(۳۸) دنیا کے ساتھی (ہاتھ، پاؤں، آنکھیں) جو ظاہر میں دوست نظر آتے ہیں، دراصل تیرے دشمن ہیں۔

(۳۹) استاد کا حق ضائع نہ کر۔

(۴۰) حرام کے لقمہ سے پرہیز کر۔

(۴۱) جہاں بے عزتی ہو، وہاں نہ جا۔

(۴۲) دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں (۱) گناہوں کو توبہ (۲) رزق کو جھوٹ (۳) نیک اعمال کو غیبت (۴) عمر کو غم (۵) بلاؤں کو صدقہ (۶) عقل کو غصہ (۷) سخاوت کو پشیمانی یعنی دے کر بعد میں پچھتانا۔ (۸) علم کو تکبر (۹) بدی کو نیکی (۱۰) ظلم کو عدل۔

(۴۳) فقیر کو چاہیے کہ مرشد ہی کی حضوری رکھے۔ مرشد وہ ہوتا ہے جو دریائے معرفت کا غوطہ خور ہو نہ کہ کنارہ پر رہنے والا۔

(۴۴) مرید کو بیعت کرتے وقت اپنے زہد و ریاضت کی قوت کو دیکھ لینا چاہیے، ورنہ اس کے دونوں جہاں خراب ہو جائیں گے۔

(۴۵) الٰہی علی کو پہلے شکر کا خزانہ بخش اور پھر فقر کی دولت عطا فرما۔ پہلے اسے کدورت سے پاک کر اور پھر اپنا بھید مرحمت فرما۔ پہلے صبر کی لذت عنایت کر اور پھر رنج و بیماری بھی بخش۔

(۴۶) مبتدی کو چاہیے کہ راگ اور سماع سے پرہیز کرے، کیونکہ یہ رستہ اس کے لئے بہت مشکل ہے۔

(۴۷) بادشاہ دین پناہ جو زور و ظلم کے اُکھاڑنے والا اور رعیت کے نفع و ضرر جاننے والا ہو، اس کی تعریف فقیر کو شایاں ہے۔

(۴۸) بھید کو نہ کھول اور نماز کو نہ بھول۔

(۴۹) اولیاء خدا کے رحم اور غضب کے اظہار کا ذریعہ اور احادیث نبوی کی تجدید کا باعث ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کے معاصرین

حضرت داتا گنج بخشؒ نے جیسا کہ قبل ازیں لکھا جا چکا ہے، اپنی عمر کا بڑا حصہ سیر و سیاحت میں بسر کیا ہے۔ وہ سیاحت کے بڑے شوقین تھے۔ اپنے مریدوں کو بھی درویش بننے کے لئے سیر و سیاحت ہی کی ہدایت کرتے تھے۔ غزنی تو آپ کا گھر ہی تھا۔ وہاں بھی جو مشائخ تھے، ان کی خدمت میں آپ گئے ہیں۔ مگر شام، فارس، بغداد، عراق، آذربائیجان، خراسان، کرمان اور ماوراء النہر میں بھی جن جن بزرگانِ دین سے آپ ملے ہیں اور جو آپ کے زمانہ میں گذرے ہیں، ان کی تفصیل آپ نے لکھی ہے اور وہ نام ذیل میں درج ہیں:

صوفیائے شام وعراق

شیخ زکی: علا کے بیٹے تھے۔فرماتے ہیں: میں نے ان کو محبت کا ایک شعلہ پایا۔

ابوجعفر محمد صیدلانی: مصباح کے بیٹے تھے۔صوفیائے عظام میں سے تھے۔حسین بن منصور سے ان کا بڑا رابطہ تھا۔ صاحب تصانیف تھے۔

ابوالقاسم مسدیؒ: آپ گڈریے تھے۔با مجاہدہ اور نیک حال پیر تھے۔

صوفیائے اہل فارس

ابوالحسنؒ: سابعہ کے بیٹے شیخ الشیوخ تھے۔شیراز میں رہتے تھے۔آپ کی وفات ۴۲۳ھ میں ہوئی۔

ابواسحاقؒ: شہر یار کے بیٹے۔شیخ مرشد کے نام سے بھی موسوم تھے۔

ابوالحسنؒ: بکران کے بیٹے اور طریقت کے شیخ تھے۔صوفیوں کے بزرگوں میں ان کا بڑا درجہ تھا۔

شیخ ابومسلم ہرویؒ: طریقت کے زندہ کرنے والوں میں سے تھے۔

شیخ ابوالفتح سابعہؒ:

شیخ ابوطالب مرویؒ:

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فارس کے مندرجہ عنوان صوفیا میں سے صرف شیخ الشیوخ ابوالحسن اور شیخ مرشد اسحاق کو نہیں دیکھا۔

آذر بائیجان اور اہل کوہستان طبرستان کے صوفیا

شیخ شفق فرخؒ: معروف باخی زنجانی۔نیک خو اور ستودہ طریقت گزرے ہیں۔

شیخ انذرینؒ: گروہ صوفیاء کے بزرگوں میں سے ہیں۔

بادشا طائبؒ: خدا کے راستہ میں بڑے ہشیار تھے۔

شیخ عبداللہ جنیدیؒ: ان کے متعلق لکھتے ہیں۔میرے رفیق تھے اور (خلق اللہ کے) محترم پیر۔

شیخ ابوطاہرؒ: بہت بڑے بزرگوں میں سے تھے۔

خواجہ حسن سمنانیؒ: خدا کے عشق میں گرفتار اور مرد آدمی تھے۔

شیخ سھلکیؒ: بہت شفقت کرنے والے درویشوں میں سے تھے۔

احمدؒ: شیخ خرقانی کے بیٹے۔بڑے نیک لڑکے تھے (معلوم ہوتا ہے جوانی ہی میں ان کا انتقال ہو گیا ہوگا)

ادیب کمندیؒ: زمانہ کے سرداروں میں سے تھے۔بیس سال تک کھڑے رہے تھے۔

Marfat.com

صوفیائے کرمان

خواجہ علیؒ: حسین برکلا کے بیٹے تھے۔ وقت کے سیاحوں میں پاکیزہ خصلتیں رکھتے تھے۔

شیخ محمد بن سلمہؒ: ان کی ولایت پوشیدہ رہی ہے۔ بہت بڑے بزرگوں میں سے تھے۔

صوفیائے خراسان

ابوالعباس سرنائیؒ: مجتہد شیخ تھے۔

خواجہ ابوجعفر محمدؒ: علی حواری کے بیٹے تھے۔ اس گروہ کے بزرگوں اور محققوں سے گذرے ہیں۔

خواجہ ابوجعفر طرشیزیؒ: وقت کے عزیزوں میں سے گذرے ہیں۔

خواجہ محمود نیشاپوریؒ: پیشوائے وقت تھے۔

شیخ محمد معشوقؒ: زندگانی نیک رکھتے تھے اور وقت خوش۔

حمزۃ الحبؒ: نیک باطن اور محترم تھے۔

خواجہ رشید مظفرؒ بن شیخ ابوسعیدؒ: قوم کے مقتداء اور دلوں کا قبلہ تھے۔

خواجہ شیخ احمد بادی سرخسی: وقت کے بہادر اور ایک مدت تک حضرت داتا گنج بخشؒ کے رفیق رہے ہیں۔ فرماتے ہیں میں نے ان کے کاموں سے بہت سے عجائبات دیکھے ہیں۔ جوانمرد صوفیوں میں سے تھے۔

شیخ احمد نجار سمرقندیؒ: مرو میں ان سے ملاقات ہوئی۔ وہیں ان کا قیام رہا کرتا تھا۔ اپنے زمانہ کے باطنی سلطان تھے۔

شیخ ابوالحسنؒ: ابوعلی کے بیٹے تھے۔ ہمت کی بلندی اور فراست کے صدق میں اپنے زمانہ میں عدیم النظیر تھے۔

سرزمین خراسان کو آپ نے طریقت کا اقبال اور محبت کا آفتاب لکھا ہے اور فرماتے ہیں۔ میں نے خراسان میں تین سو بزرگوں کو دیکھا ہے۔ طوالت کے خوف سے صرف چند ایک کا ذکر کیا ہے۔

صوفیائے ماوراء النہر

ابوجعفر محمدؒ: حسن حرمی کے بیٹے اور مقبول امام تھے۔

خواجہ محمد القریؒ: فقیہ تھے اور قوی معاملہ۔

احمد ایلاقیؒ: وقت کے شیخ تھے اور زمانہ کے بزرگ اور رسموں اور عادتوں کے تارک۔

خواجہ حارثؒ: اپنے زمانہ کے سرتاج تھے۔

علیؒ: ابواسحاق کے بیٹے تھے۔ زمانہ کے خواجہ اور محتشم۔

صوفیائے غزنی

ابوالفضلؒ: اسدی کے بیٹے۔ پسندیدہ بزرگ تھے۔ ان کی کرامتیں بہت مشہور ہیں۔ ان کے زمانہ کے لوگ شریر تھے۔

اسماعیل تاشیؒ: محتشم پیر تھے۔ طریقہ ملامتیہ کے پیرو تھے۔

شیخ سالار طبریؒ: صوفی عالموں میں درجہ اختصاص رکھتے تھے۔

ابوعبداللہ معروف: خدا کی درگاہ کے مستوں میں سے تھے اور اپنے زمانہ میں لاثانی۔ ان کی ولایت لوگوں پر پوشیدہ رہی۔

سعید عیارؒ: ابی سعید کے بیٹے۔ طویل العمر اور حدیث کے حافظ تھے۔ بہت شیخوں کو دیکھا۔ قوی حال تھے اور باخبر لیکن لوگوں کو اپنی ولایت سے بےخبر رکھا۔

ابوالعلا عبدالرحیمؒ: قوم کے عزیز اور زمانہ کے سردار تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں۔ میرے دل کو ان سے بڑی محبت ہے۔ تمام علوم سے کامل آگاہ اور بڑے وقار اور حرمت والے تھے۔

شیخ اوحدؒ: محمد جزویری کے بیٹے تھے۔ طریقت کے لوگوں سے بڑی شفقت رکھتے تھے۔

(متفرقات ''نفحات الانس'' مولانا جامیؒ سے)

شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ: ان کی نسبت تین واسطوں سے حضرت جنیدؒ تک پہنچتی ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ ایک مرتبہ ان کو ملنے کے لئے گئے تو آپ ستون سے باتیں کر رہے تھے۔ شیخ ابوالقاسمؒ اور شیخ ابوسعید ابو الخیر کی طوس میں باہم ملاقات ہوئی ہے۔

شیخ ابوالقاسم قشیریؒ: صاحب تصانیف تھے۔ ربیع الآخر ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔ ابتدائے حال میں جب آپ پتھر کو ہاتھ لگاتے، وہ جواہر بن جاتا تھا۔ آپ عربی اور فارسی کے شاعر بھی تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ نے ان سے ملاقات بھی کی ہے۔

شیخ ابوالعباس شقانیؒ: آپ کا نام احمد بن محمد ہے۔ اصول و فروع کے امام تھے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں۔ بعض علوم میں میرے استاد تھے۔ شرع کے نہایت عالم تھے۔ مجھے ان سے محبت تھی اور وہ بھی مجھ پر شفقت ظاہر فرمایا کرتے تھے۔

باب فرغانیؒ: نام عمر ہے۔ فرغانہ میں رہتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرغانہ میں جا کر آپ سے ملے ہیں۔ آپ کی کرامتیں ظاہر تھیں۔ حضرت داتا صاحبؒ آپ کو (اوتاد الارض) یعنی زمین کی میخیں کہا کرتے تھے۔ تمام بزرگ آپ کو باب کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ: اصل نام فضل اللہ بن ابی الخیر ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے بقول بعض آپ سے بھی فیض

Marfat.com

حاصل کیا ہے۔ آپنے زمانہ کے تمام مشائخ ان کے گرویدہ تھے۔ ان کے پیر طریقت شیخ ابو الفضل بن حسن سرخسی ہیں۔ نیشا پور میں آپ کا قیام تھا۔ آپ کی بہت سی رباعیات فارسی مشہور ہیں، جو بطور ورد و وظائف پڑھی جاتی اور دافع آفات و بلیات بیان کی جاتی ہیں۔ ''نفحات الانس'' میں آپ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ ۴ شعبان ۴۴۰ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ عمر آپ کی ہزار مہینہ بیان کی جاتی ہے۔ اس حساب سے آپ کی پیدائش ۳۵۷ھ میں ہوئی تھی۔

حکیم سنائی غزنویؒ: یہ بزرگ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں صوفیوں میں سے نامی شاعر تھے۔ ''نفحات الانس'' میں ان کا سال وفات ۵۲۵ھ لکھا ہے۔ سلطان محمود کا انتقال ۴۲۱ھ میں ہوا ہے۔ اس کی عمر قریباً تریسٹھ سال کی تھی۔ وہ تیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا تھا۔ اس حساب سے حکیم سنائی کی عمر کا اندازہ ایک سو چالیس اور ڈیڑھ سو سال کے درمیان سمجھنا چاہئے۔ آپ حضرت داتا صاحبؒ سے کئی سال پہلے پیدا ہوئے اور ان کے انتقال کرنے کے ایک سو چار سال بعد وفات پائی۔ حکیم سنائی نے ایک قصیدہ رائیہ ''حدیقۃ الحقیقت'' اور تین اور مثنویاں لکھی ہیں۔ ''حدیقۃ الحقیقت'' ۵۲۵ھ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے۔ آپ کی توبہ کا عجیب واقعہ مشہور ہے۔ لکھا ہے کہ سلطان محمود ایک دفعہ سردی کے موسم میں ہندوستان کی چڑھائی پر آمادہ ہوا۔ حکیم سنائی قصیدہ سنانے اور صلہ حاصل کرنے کے لئے جا رہا تھا۔ رستے میں ایک شراب خانہ کے پاس ایک مجذوب کو دیکھا۔ وہ ساقی سے کہہ رہا تھا کہ ایک پیالہ بھر کر دے کہ محمود کے نام پر اس کو پی جاؤں۔ ساقی نے کہا وہ مرد غازی اسلام کا بادشاہ ہے ایسا کیوں کہتے ہو۔ کہا جو کچھ اس کے حکم کے نیچے ہے، اس کو تو سنبھال نہیں سکتا اور آگے دوڑا جاتا ہے۔ پھر کہا کہ ایک پیالہ سنائی کی قبر کے لئے درکار ہے۔ ساقی نے کہا وہ تو ایک فاضل لطیف الطبع شاعر ہے۔ کہا اگر لائق ہوتا تو کسی اچھے کام میں مصروف ہوتا۔ وہ تو بے ہودہ گوئی میں مشغول ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کو خدا نے کس کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ سنائی یہ حال سن کر لرز گیا۔ اسی وقت حالت بدل گئی اور غفلت کی مستی سے ہوشیار ہو گیا۔

سلطان ابراہیم غزنوی کی طرف سے حضرتؒ کے مزار کی تعمیر

جمال الدولہ فرخ زاد غزنوی کی چھ سالہ حکومت کے بعد جب سلطان ابراہیم کو (جو سلطان محمود کا برادر زادہ اور سلطان مسعود کا بیٹا تھا اور قید خانہ میں بند تھا) تخت و تاج ملا، تو اس نے سلجوقوں سے جنہوں نے اس کے پیشرو جانشینوں کو امن و چین سے محروم کر رکھا تھا، مصالحت کر لی اور چونکہ سلطنت کی اندرونی خرابیوں کی وجہ سے بیرونی

Marfat.com

انتظام بگڑ رہا تھا، اس لئے ۴۷۲ھ میں یعنی حضرت داتا گنج بخشؒ کے انتقال کے آٹھ سال بعد وہ ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا۔

جب لاہور پہنچا تو حضرت علی مخدوم ہجویری غزنوی عرف حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر بھی حاضر ہوا اور حکم دیا کہ جس پایہ کے یہ بزرگ ہیں، اسی درجہ کا ان کا مزار بھی بنایا جائے۔

اگر چہ اب مزار کا احاطہ کچھ بہت بڑا نظر نہیں آتا لیکن جن لوگوں کی نظر مرور زمانہ کے حالات پر رہتی ہے۔ ان سے مخفی نہیں ہے کہ جو مزار بادشاہ کے حکم سے بنایا جائے اور ایسے عالی جاہ محبوب خالق و خلائق کا بنایا جائے جیسے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ تھے، اس کی وسعت کہاں تک نہ ہوگی۔ اب بھی آثار سے پایا جاتا ہے کہ اس مزار میں بہت سی زمین شامل تھی جو رفتہ رفتہ ظالم حاکموں اور سنگدل لوگوں کی ناخدا ترسیوں کی وجہ سے کم رہ گئی ہے۔

چبوترہ اور نواح مزار سلطان ابراہیم ہی کے زمانہ کا ہے۔ تعویذ مزار جو ڈیڑھ دُرعہ طول اور سات دُرعہ عرض کا ہے، ایک ہی پتھر کا بنا ہوا ہے۔ خدا جانے یہ تختہ سنگ مرمر جس سے یہ تعویذ نکالا گیا ہوگا، کس قدر بڑا ہوگا۔

حضرتؒ کی خانقاہ پر بادشاہوں کی حاضری

سب سے پہلا بادشاہ جو حضرت داتا صاحبؒ کے مزار پر آیا، وہ سلطان ابراہیم غزنوی تھا۔ اس وقت حضرت کی وفات کو صرف آٹھ سال گذرے تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا علاؤ الدولہ مسعود ۴۹۲ھ میں تخت پر بیٹھا۔ وہ خود تو ہندوستان نہیں آیا، لیکن اس کے امیر عضد الدولہ اور طغاتگین جو یکے بعد دیگرے سپہ سالار ہندوستان نامزد ہو کر لاہور میں متمکن رہے، حضرتؒ کے مزار پر آتے رہے۔ اس کے بعد ۵۰۸ھ میں اس کا بیٹا سلطان الدولہ ارسلان شاہ تخت پر بیٹھا۔ وہ ۵۱۰ھ میں سلطان سنجر سے شکست کھا کر ہندوستان میں چلا آیا۔ گو تاریخ نے صاف طور پر نہیں لکھا کہ وہ کہاں آ کر مقیم ہوا، مگر غزنوی بادشاہوں کے تمام نائبوں کا جو ہندوستان پر متمکن ہوتے تھے، لاہور ہی چونکہ دارالخلافہ ہوتا تھا، اس لئے ارسلان شاہ بھی یقیناً لاہور ہی میں آیا ہوگا اور یہ ناممکن تھا کہ وہ غزنوی ہو کر اپنے بڑوں کی تقلید نہ کرتا اور حضرت داتا گنج بخشؒ غزنوی کے مزار پر حاضر نہ ہوتا۔

ارسلان شاہ کے بعد سلطان معز الدولہ بہرام شاہ بن مسعود تخت پر بیٹھا اور جب وہ اپنے سپہ سالار ہند محمد باہیم کی گوشمالی کے لئے جس نے ارسلان شاہ کی حمایت میں علم بغاوت بلند کر لیا تھا، ۵۱۱ھ میں لاہور آیا تو اس کو قید کرنے کے بعد حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر بھی حاضر ہوا۔ اسی بادشاہ کے زمانہ میں غزنوی سلطنت پر زوال آیا اور غوریوں نے عروج حاصل کر لیا۔ اس کا بیٹا خسرو شاہ لاہور ہی میں تخت پر بیٹھا، کیونکہ غزنی میں غوریوں کا عمل دخل تھا۔ خسرو شاہ اور اس کے بعد اس کا بیٹا خسرو ملک بھی جو خاتم السلاطین خاندان غزنوی ہے، اس مزار مقدس پر حاضر ہوتے رہے۔ ان کے بعد جس قدر خاندان لاہور اور ہندوستان میں صاحب حکومت رہے مثلاً غوری، خاندانِ غلاماں، سادات لودھی، مغلیہ وغیرہ ان میں سے جتنے بادشاہ لاہور میں آئے، سب نے یہاں آ کر طوق غلامی پہنا۔ اکبر،

جہانگیر، شاہ جہان اور شاہزادہ داراشکوہ ہمیشہ یہاں آتے رہے۔ یہاں تک کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی باوجود احاطہ مزار کی بیرونی عمارتوں کو نقصان پہنچانے اور پتھر اور سنگ مرمر اکھیڑے جانے کے اس مزار کا بہت ادب کرتا تھا۔ نذرانے کے روپے بھیجتا تھا اور کبھی کبھی خود بھی حاضر ہوتا تھا۔

چنانچہ ''تاریخ لاہور'' مصنفہ رائے بہادر کنہیا لال میں مزار داتا گنج بخشؒ اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے متعلق حسب ذیل عبارت درج ہے:

اس عالی شان ومتبرک مقبرے کے گرد بڑی بڑی عالی شان عمارتیں تھیں۔ چنانچہ روضہ ومسجد شاہ اشرف ۳۸ کی اسی کے جوار میں تھی، مگر سب کی سب سکھوں کی نذر ہوئیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اگرچہ ادب اس مزار کا بہت کرتا تھا اور ہزاروں روپے نذرانہ کے بھیجتا تھا، مگر باہر کی عمارت اس نے بھی ایک نہ چھوڑی۔ سب کے سب پتھر اکھڑوا کر ان کی بنیجیں زمین سے نکلوا دیں۔ صرف مزار کا مکان باقی رہ گیا۔

بادشاہوں اور شہنشاہوں کے علاوہ لاہور کے مقامی حکام یعنی ناظم اور صوبے دار نواب میر مومن وغیرہ سب کو اس آستانہ سے عقیدت تھی۔

خانقاہ معلیٰ پر بادشاہوں اور دیگر اُمراء کی نذر نیاز اور معافیات

جب سلطان ابراہیم غزنوی کے حکم سے روضہ کی عالی شان عمارت تیار ہوئی ہوگی تو خدا جانے اس عمارت اور اس کے مجاوروں کے اخراجات کے لئے کس قدر گاؤں اس آستانہ کے ساتھ وابستہ کئے گئے ہوں گے اور ان کے بعد جس قدر اور بادشاہ ہوئے ہیں خصوصاً شاہانِ مغلیہ اور ان کے عہد کے ناظمان لاہور نے جن کا دائرہ اقامت لاہور ہی ہوتا تھا، ان معافیات میں اور بھی کیا کچھ اضافہ کیا ہوگا اور شہزادہ داراشکوہ جس کو اپنے باپ شاہ جہان کی طرف سے صوبہ پنجاب جاگیر میں ملا ہوا تھا، وہ تو بہت ہی معتقد تھا۔ معلوم نہیں وہ کس قدر نذر نیاز یہاں کے مجاوروں کو دیتا ہوگا۔ اسی طرح نواب میر مومن خاں آخری ناظم لاہور کو بھی حضرت سے بے حد عقیدت تھی، بلکہ اس کی وصیت کے مطابق اس کی قبر بھی اسی احاطہ مزار ہی میں ہے۔ اس کی طرف سے بھی یقیناً بہت سی معافیات اس خانقاہ کے ساتھ ہوں گی۔ مہاراجہ رنجیت کی سرکار سے ایک ہزار روپیہ سالانہ مجاورین کو ملا کرتا تھا۔ علاوہ نقدی کے کچھ زمین اور ایک چاہ واقعہ شیش محل متصل مزار شریف اور ایک چاہ برلب دریائے راوی ملحقہ موضع کلا لانوالہ بھی واگذار تھا۔

لاہور میں ایک شخص محمد خاں ٹکسال والہ سکھوں کے زمانہ میں تھا۔ جہاں اب میڈیکل کالج واقعہ ہے، وہاں اس کا ایک کنواں غیر آباد تھا۔ اس نے اس کو آباد اور تیار کرا کے خانقاہ کی نذر کر دیا تھا۔ انگریزوں کے ابتدائی عہد میں جب چھاؤنی انارکلی تیار ہوئی تو وہ چاہ پھر ویران ہوگیا۔ اس کے ساتھ صرف ایک بیگھہ زمین شامل تھی۔ سرکار انگریزی نے دریائے راوی پر متصل رکھ بولا گڈھر ایک بیگھہ کی بجائے پانچ بیگھہ زمین عطا کر دی۔ نواب غلام محبوب سبحانی رئیس اعظم لاہور اور ان کے والد نواب شیخ امام الدین صوبہ کشمیر بھی اس خانقاہ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ نواب غلام محبوب

Marfat.com

سبحانی (جن کے انتقال کو بارہ سال گذر چکے ہیں) ایک سو اسّی روپیہ سالانہ اس مزار کو دیا کرتے تھے۔

حضرت داتا صاحبؒ کے مزار کی موجودہ معافیات

گذشتہ سطور میں دیکھ چکے ہو کہ کیسے کیسے جلیل القدر بادشاہوں بلکہ شہنشاہوں کی طرف سے حضرتؒ کے مزار کے لئے جاگیرات اور معافیات تھیں۔ یہاں تک کہ مہاراجہ رنجیت نے باوجود غیر مذہب ہونے کے سالانہ ایک ہزار روپیہ نقد اور کچھ زمین اور چاہات بھی مقرر کئے ہوئے تھے اور علاوہ اس کے اس کے خاندان کے ممبروں کی طرف سے مزار کی بعض عمارات کی مرمت وغیرہ کا سلسلہ بھی رہتا تھا۔ ''بیک گردشِ طاق نیلوفری'' انقلابِ زمانہ نے پنجاب کو ایسی قوم کے سپرد کر دیا جس کو اہل مشرق کے مذہبی جذبات کا احترام تو ہے لیکن اہل مشرق کی سی عقیدت مندی نہیں، اس لئے وہ معافیات جو سلطان ابراہیم غزنوی کے زمانہ سے شروع ہو کر مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشینوں کے زمانہ تک چلی آتی تھیں، رفتہ رفتہ مٹ گئیں اور مجاوروں کی گذر اوقات کا ذریعہ صرف چڑھاوا ہی رہ گیا۔

اب ایک مجاور کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ اس دربار کے نام کل معافی صرف تریسٹھ روپیہ ہے اور وہ بھی اس چاہ کا لگان ہے جو بیرون ٹکسالی دروازہ میاں کریم بخش صاحب مرحوم رئیس لاہور کے جانشینوں کے پاس ہے۔

یہ کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ لاہور کے مسلمان اس عالی جاہ اور بلند پایہ روحانی اور مذہبی بزرگ کے مزار کی طرف سے غافل ہیں جس نے اسلام کا بیج پنجاب کی سرزمین میں بویا اور اسی تخم ریزی کا یہ نتیجہ ہے کہ چاروں طرف اسلام نے غلغلہ ڈال رکھا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے مزارات کے ساتھ ہزاروں کی معافیات ہیں۔ معینہ اور فریدیہ سکول جاری ہیں۔ اور دینی اور دنیوی علوم سے خلق اللہ فیض یاب ہو رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن کو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار پاک سے خاص عقیدت ہے۔ وہاں سرکار نظام کی طرف سے ہزاروں اور لاکھوں کے چڑھاوے چڑھتے ہیں۔ اگر دربار حضرت داتا صاحبؒ کے مجاور اور متولی صاحبان حضور نظام کو حضرت کے مزار کی طرف بھی توجہ دلائیں اور حضرت خواجہ معین الدینؒ اور بابا فرید الدین شکر گنج کے اس درگاہ عالی سے فیض یاب ہونے کا ذکر کریں تو امید ہے کہ حضور نظام ضرور اس مزار پاک کے لئے بھی کچھ عطیہ مقرر کر دیں۔ اس دربار کے ساتھ بھی اگر کوئی معقول جاگیر ہوتی یا حکام وقت جو سلطان ابراہیم غزنوی سے لے کر مہاراجہ رنجیت سنگھ اور شیر سنگھ کے جانشین چلے آتے ہیں، جنہوں نے اس جاگیر کے لئے معافیاں منظور کی ہوئی تھیں، نقدی کی صورت ہی میں اس دربار کے لئے کچھ عطیہ منظور فرما دیتے اور متولیوں کی ایک کمیٹی ان عطیات و معافیات کی نگران ہوتی تو آج ہم حضرت داتا صاحبؒ کے مزار کے پہلو میں بھی دینی و دنیوی علوم و فنون کی ایک درسگاہ دیکھتے اور چونکہ وہ علم کے بڑے طالب اور شائق اور عاشق تھے اور اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں اور عالم لوگوں کو بھی حصول علم کی تاکید کیا کرتے تھے اس لئے یقیناً اپنے مزار کے پہلو میں ایسی درگاہ کے قیام سے ان کی روح خوش ہوتی۔ [۳۹]

Marfat.com

دربار داتا گنج بخش صاحبؒ کے قرآن شریف

دربار گوہر بار حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ کے لئے بادشاہ امرا، وزراء اور عوام لوگوں نے نقدی اور جاگیرات کی معافیات ہی کافی نہیں سمجھیں، بلکہ بطور تبرک و نذر اور بڑے ایصال ثواب حضرت کی روح پُر فتوح کے لئے یہاں اعلیٰ درجے کے قرآن شریف بھی اپنے ہاتھوں سے لکھ کر اور لکھوا کر بھیجے ہیں۔ یہ قرآن شریف یہاں صدہا سال سے چلے آتے ہیں جن کو صاحب ورد و وظائف اور اللہ کے پیارے بندے پڑھتے اور نذر دینے والے کو دعائے خیر سے یاد کرتے ہیں۔ ان میں چار قرآن شریف تو بہت بڑے ہیں جن کا الگ الگ ایک ایک سیپارہ ہے۔ ایک قرآن شریف نواب دکن (حیدر آباد نظام) مومن الملک علاؤ الدولہ جعفر خاں نصیری بہادر ناصر جنگ کا نذر کردہ ہے۔ ہر سیپارہ کے آخر پر نواب مومن الملک کی طرف سے وہ تحریر درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب ناصر جنگ نے دربار حضرت داتا گنج بخشؒ کی طرح اور کئی بزرگان دین کے مزارات مثلاً اجمیر شریف، درگاہِ حضرت نظام الدین اولیاؒ، مزار حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ، سالار مسعود غازیؒ، سید گیسو درازؒ بلکہ آنحضرت ﷺ کے روضۂ مقدسہ پر بھی قرآن شریف بھجوائے اور دو دو تین تین قاری انؒ کے پڑھنے کے لئے بھی مقرر کئے۔ مدینہ منورہ میں تیس سیپاروں کے لئے تیس قاری مقرر کئے جن کا خرچ اپنی گرہ سے دیتا تھا۔

قدوۃ الاولیاء حضرت علی مخدوم ہجویریؒ کے مزار پر جو قرآن شریف بھیجا۔ اسؒ کے پڑھنے کے لئے تین قاری مقرر کئے اور یہ قرآن شریف ۱۱۳۷ھ میں مزار حضرت ہجویریؒ کے مجاور کی تولیت میں دیا گیا۔ جیسا کہ ہر سیپارہ کی آخری تحریر سے معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا قرآن شریف موراں طوائف ؒ محبوبہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۲۵۱ھ میں نذر کیا۔

تیسرا قرآن شریف محمد خاں چٹھہ احمد نگر ضلع گوجرانوالہ نے نذر کیا ہے۔

چوتھا قرآن شریف امیر بخش کی طرف سے جن کی زیادہ کیفیت معلوم نہیں ہوسکی۔ ان کے علاوہ بعض اور قرآن شریف بھی ہیں۔ ایک وہ ہے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پشاور کی فتح کے بعد وہاں سے حاصل کیا اور دربار حضرت داتا صاحبؒ میں بطور نذر چڑھا دیا۔ ایک شیخ غلام محی الدین صوبیدار کشمیر کا نذر کردہ ہے، جو اس نے کشمیر سے یہاں بھجوایا تھا۔ تیسرا میاں صدو کشمیری سوداگر پشمینہ امرتسر اور چوتھا میاں غلام یاسین خوشنویس لاہوری کا نذر کردہ ہے۔ ایک قرآن شریف بہاری خط میں ہے اور مشک سے لکھا ہوا ہے۔ یہ بہت پرانا ہے۔ معلوم نہیں کس کی طرف سے یہ نذر ہوا ہے۔ ایک قرآن شریف ملتانی خط میں ہے جو نواب ملتان نے نذر کیا تھا۔ ایک اور قرآن شریف ہے جو بخط ثلث ہے اور بہت قدیمی ہے۔

''تاریخ لاہور'' رائے بہادر کنہیا لال میں لکھا ہے کہ اس دربار عالی جاہ میں سلطان محمد ابراہیم غزنوی اور سلطان شمس الدین التمش وغیرہ بادشاہوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن شریف بھی موجود ہیں۔

Marfat.com

احاطہ مزار حضرت داتا صاحبؒ کی اندرونی قبریں اور عمارتیں

(۱) مسجد

یہ وہی مسجد ہے جو حضرت کے زمانہ میں تعمیر ہوئی تھی اور جس کی شکل ہر چند تعمیر ثانی وثالث وغیرہ سے بدل گئی ہے، لیکن جگہ وہی ہے جہاں حضرت نے اپنی زندگی میں مسجد کی تعمیر کی تھی۔ مسجد کا موجودہ چھت چادری ہے۔ محراب پر اب کلمہ طیب لکھا ہوا ہے۔ سنگ مرمر کا ایک منبر بھی موجود ہے۔ ایک چھت گیر لیمپ آویزاں ہے، جو میاں احمد الدین کشمیری ٹین سمتھ وٹھیکہ دار کا نذر کردہ ہے۔ ایک لالٹین بھی احاطہ مزار میں اسی ٹھیکہ دار کی نذر کی ہوئی نصب ہے۔ مسجد کے سامنے وسیع صحن ہے اور اس میں وضو کرنے کے لئے ایک حوض ہے۔

مسجد کی ایک تعمیر جیسا کہ ''تحقیقات چشتی'' (زمانہ تصنیف ۱۸۶۴ء) سے معلوم ہوتا ہے، گلزار شاہ سادھو (کشمیری) نے بھی سابقہ جگہ کی بنیاد پر ہی کرائی تھی۔ پہلے اس مسجد کے گنبد وغیرہ نہیں تھے۔ صرف چوبی چھت تھی۔ گلزار شاہ نے گنبد بھی بنوادیئے۔ ۱۳۰۹ھ میں جھنڈو چوب فروش (لاہور) نے اس کی پھر مرمت کرائی، چنانچہ مسجد پر اس کا نام لکھا ہوا ہے۔

(۲) صحن مسجد کی قبر

مسجد کے صحن میں حجرہ اعتکاف حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے عقب میں ایک قبر بہت پرانی ہے، جو سید حضوری شاہ کی بیان کی جاتی ہے۔ مجاوروں کی زبانی اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے کہ یہ بزرگ حضرت داتا صاحبؒ کے قریب زمانہ میں گذرے ہیں۔

(۳) حجرۂ اعتکاف حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز ۵۳۷ھ میں اپنے وطن سنجر (سیستان) میں پیدا ہوئے۔ ۵۸۰ھ کے قریب یا اس سے کچھ عرصہ پیشتر ہندوستان میں تشریف لائے اور حضرت داتا گنج بخشؒ اور بقول بعض حضرت سید یعقوب زنجانی صدر دیوان کے مزار پر بھی عرصہ تک معتکف اور چلہ کش رہے۔ حضرت خواجہ صاحب کا حجرہ اعتکاف مسجد کے بالمشافہ ایک گز کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔ حجرہ کا چھوٹا سا دروازہ ہے۔ اس کا گنبد اکبر بادشاہ کے حکم سے تیار ہوا تھا۔ اب سنگ مرمر کے پتھر پر چھوٹے سے دروازہ کے اوپر حسب ذیل عبارت تحریر ہے۔ حجرہ اعتکاف حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ حجرہ کے اندر سفید اور سیاہ پتھر کا خوبصورت فرش ہے جس کو خان بہادر میاں محمد بخش مرحوم ٹھیکہ دار نے بنوایا تھا۔

(۴) مجاوروں کی قبریں

مسجد کے شرق رویہ سرزینہ حجرۂ اعتکاف کے سامنے ایک چھوٹی سی پختہ قبر سیڑھی کے ساتھ ملی ہوئی ہے، جو سب سے پہلے مجاور شیخ ہندی کی تیرھویں پشت کے ایک مجاور شیخ سلیمان کی ہے۔ اس قبر کی نسبت تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں بنی تھی۔ حضرت کے روضہ کے سامنے اور شرق رویہ جو بہت سی چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں، وہ سب مجاوران قدیم کی ہیں اور انہی میں دو قبریں ہیں جو اکٹھی ہیں، لیکن سب سے الگ ہیں۔ انہی میں ایک قبر سب سے پہلے مجاور شیخ ہندی (سابق رائے راجو نائب حاکم پنجاب) کی بھی بیان کی جاتی ہے۔ جنوب کی طرف بھی مجاوروں کی دو قبریں ہیں جن کو انتقال کئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے۔

خان بہادر میاں محمد بخش مرحوم نے جب سے نئے دالان اور کمرے تعمیر کرائے ہیں، بعض ایسی قبریں بھی جو مزار کی چار دیواری سے ذرا باہر تھیں، چار دیواری کے وسیع ہونے سے احاطہ مزار کے اندر آ گئی ہیں۔ چنانچہ جنوب کی طرف جو قبریں ہیں، اُن میں بھی چند ایک قبریں مجاوروں کی ہیں جن پر ان کے نام معہ سنہ وفات لکھے ہوئے ہیں۔

(۵) احاطہ مزار کی عام قبریں

جنوب رویہ آٹھ دس قبریں اور بھی ہیں جن میں سے بعض ۱۳۲۸ھ سے پہلے چار دیواری سے باہر تھیں، مگر اس کے وسیع ہونے سے اندر آ گئیں اور بعض ایسی ہیں جو ۱۳۴۸ھ کے بعد ہی تعمیر ہوئی ہیں۔

(۶) گورنر صوبۂ کشمیر اور اس کے خاندان کی قبریں

جس دالان میں قرآن شریف رکھے ہوئے ہیں اور جہاں لوگ بیٹھ کر تلاوت کرتے ہیں۔ اس کے ملحق ایک دالان میں جس کی چھت غالباً مرمت کے لئے اکھاڑی گئی ہے، نواب شیخ امام الدین صاحب صوبہ (گورنر) کشمیر کی قبر ہے۔ آپ کی وفات ۱۲۷۵ھ میں ہوئی تھی۔ آپ سکھوں کے آخری صوبہ دار کشمیر تھے۔ آپ کی قبر کے ساتھ آپ کے خاندان کے اور ممبروں کی قبریں بھی ہیں جن میں شیخ فیروز الدین سابق وزیر بہاولپور (تاریخ وفات ۱۲۹۹ھ) اور ایک عورت (وفات ۱۲۸۹ھ) کی قبر اور دالان سے ذرا باہر نواب غلام محبوب سبحانی مرحوم کے خُرد سال صاحبزادہ کی قبر ہے۔

(۷) خان بہادر میاں محمد بخش مرحوم کے تعمیر کردہ کمرے

خان بہادر میاں محمد بخش مرحوم ٹھیکہ دار نے لاگت کثیر سے احاطہ مزار میں دو عالیشان دو منزلہ کمرے بنوائے ہیں۔ نچلے حصہ کے دروازے تو احاطہ سے باہر کی طرف ہیں۔ ان میں عام مسافر لوگ اور فقیر فقراء رہتے ہیں۔ ان کی چھت مزار مبارک کی سطح زمین کے برابر ہے، اس لئے ان کے اوپر چھت ڈلوا کر ان کو دو ہرا بنا دیا ہے تاکہ سردی گرمی میں عام لوگ یہاں رہائش رکھ سکیں۔

Marfat.com

مندرجہ ذیل اشعار بطور قطعہ تاریخ اس نئی عمارت کے شرقی دروازہ کے اوپر سنگ مرمر پر کندہ ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحمٰن

الوقف لوجہ اللہ الکریم

زخاں صاحب محمد بخش نامی — کہ مشرب قادری دارد عظامی
بنا شد ایں عمارت بہر مولا — بطیب روح مخدوم علی را
یکے آرام خلق عام آراست — ازیں وقفے رفاہِ عام درخواست
خلیقا سالِ تاریخش چہ جوئی — ز زادِ آخرت حقا بگوئی

۱۳۲۸ھ

اس حساب سے اس نئی عمارت کو اب دس سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔

مزار مبارک کی تعمیر اور مرمت وغیرہ

حضرت کا مقبرہ تو سلطان ابراہیم غزنوی نے بنوایا تھا۔ اس کے بعد اکبر بادشاہ کے زمانہ تک بہت سے سلاطین گذرے ہیں، جنہوں نے ہندوستان ہی میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے یا ان میں سے کئی ایک نے بھی ضرور اس روضہ کی مرمت وغیرہ یا کسی خاص عمارت کی ایزادی وغیرہ کی ہو گی۔ جیسا کہ اکبر بادشاہ نے شیخ سلیمان مجاور کی قبر اور حضرت خواجہ معین الدینؒ کے حجرۂ اعتکاف کا گنبد بنوایا ہے۔ روضہ عالیہ کی چار دیواری بھی اس بادشاہ نے تیار کرائی تھی۔ اکبر کے بعد داراشکوہ نے بھی جو حضرت داتا صاحبؒ کا بہت معتقد اور ایک دوست شہزادہ تھا، اس روضہ کی مرمت کی ہو گی کیونکہ وہ اکثر لاہور ہی میں رہتا تھا۔

آج [1] سے اکیانوے سال پیشتر یعنی ۱۸۲۳ء مطابق ۱۸۸۰ بکرمی میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے پھر اس کی مرمت کرائی اور نئی چھت ڈلوائی۔

حضرت کا مزار سفید سنگ مرمر کے چبوترے پر واقعہ ہے۔ اردگرد جو دو چھوٹی چھوٹی قبریں کانسی کار ہیں وہ آپ کے ہمراہیوں کی ہیں۔ مقبرہ عالیہ پر ہمیشہ ایک غلاف کمخواب پڑا رہتا ہے۔ آپ کے تعویذ کے گرد ایک پنجرہ چوبی ہشت پہلو ہے جس کو میاں عوض خاں فیلبان مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۲۴۰ھ میں بنوایا تھا۔ جس طرح پہلے مسجد کے اوپر گنبد نہیں تھا۔ اسی طرح مزار بھی گنبد سے خالی تھا، مگر ۱۲۷۸ھ میں حاجی نور محمد سادھو (کشمیری) نے مزار پر ایک مدور گنبد نہایت خوبصورت بنوایا۔ روضہ کے گرد جو ہشت پہلو آئینے لگے ہوئے ہیں۔ یہ خان بہادر ڈاکٹر محمد حسین صاحب مرحوم (وفات ستمبر ۱۹۱۴ء) کی عقیدت مندی کا نتیجہ ہیں۔ اس آئینہ بندی کو قریباً پچپن سال ہو گئے ہیں۔

حاجی نور محمد کے بعد سفیدی وغیرہ کی مرمت میاں محمد جان گتائی (کشمیری) رئیس امرتسر نے کرائی تھی۔

حضرتؒ کے مقبرہ کے سرہانے ایک چھوٹا سا حوض ہے جس میں پانی بھرا رہتا ہے۔ زائرین وہ پانی آنکھوں

کو لگاتے ہیں۔

حضرتؒ کے چبوترہ کے گرد جو چاندی کا کٹہرہ ہے۔عرصہ ستائیس سال کا ہوا۔نواب غلام محبوب سبحانی نے اس کٹہرہ پر چاندی لگوا دی تھی۔ بلور کا ایک جھاڑ بھی قبر کے تعویذ سے کچھ اوپر لٹک رہا ہے جو خان بہادر شیخ نصیر الدین[۴۲] کا نذر کیا ہوا ہے۔روضہ کا گنبد ہشت پہلو بیضوی شکل ہے۔دروازہ کے اوپر یہ شعر لکھا ہے ۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ؛ ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

گنبد کے ہر پہلو پر فارسی زبان کا ایک ایک مصرع لکھا ہوا ہے۔معلوم ہوا ہے کہ پہلے یہاں اور اشعار تھے۔اب سفیدی کے وقت جو ۱۳۲۸ھ میں ہوئی ہے اور اشعار لکھائے گئے ہیں۔یہ شعر منشی دین محمد خوشنویس مصور (کشمیری) کے لکھے ہوئے ہیں، جو آج اپنے فن میں فرد واحد ہے۔

مزار مبارک کی سفیدی اور مختلف دالانوں کی تعمیر و مرمت اس سے پہلے سکھوں کے زمانہ میں بھی ہوتی رہی ہے۔چنانچہ موراں طوائف اور مہر نشاں طوائف اور نواب شیخ امام الدین صوبہ کشمیر نے روضہ کی سفیدی پر بہت لاگت خرچ کی ہے۔میر مومن خاں نائب ناظم لاہور کی قبر کے بالمشافہ ایک دالان سنگ سیاہ کا نواب خان خانان نے (غالباً بزمانہء اکبر) بنوایا تھا۔۱۸۱۲ء میں ایک زلزلہ سے اس دالان کو سخت صدمہ پہنچا۔محمد خاں[۴۳] مہتمم ٹکسال مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۱۳ء میں اس کو خشتی بنوا دیا۔

جس دالان میں قرآن شریف رکھے جاتے ہیں، وہ بھائی ہیرا مصاحب کنور نونہال سنگھ نے بنوایا تھا۔بعد میں رانی جنداں والدہ مہاراجہ دلیپ سنگھ نے اس کو اور کشادہ کرا دیا۔

مزار حضرت داتا صاحبؒ کی بیرونی عمارتیں

(۱) دالان رانی چندکور

اندرونی ڈیوڑھی کے متصل جو چاہ اور سبیل اور غسل خانہ ہے، وہاں سے دو تین سیڑھیاں چڑھ کر بیرونی قبرستان کو راستہ جاتا ہے۔وہاں ایک دالان پختہ چونہ گچ رانی چندکور والدہ کنور نونہال سنگھ و مہارانی مہاراجہ کھڑک سنگھ نے تعمیر کرایا تھا۔

(۲) مقبرہ نواب میر مومن خاں

بیرونی ڈیوڑھی کی راہ سے حضرت کے مزار میں داخل ہوں تو اندرونی ڈیوڑھی میں داخل ہونے سے پیشتر دائیں ہاتھ بلند چبوترہ پر ایک پختہ قبر ہے، جو نواب میر مومن خاں نائب ناظم لاہور کی ہے۔میر مومن بڑا نیک اور عادل حاکم تھا۔لکھا ہے کہ ایک جوان اور خوش شکل ہندو عورت اس پر عاشق ہو گئی[۴۴] اور سب طرف سے ناکام اور پختہ مغزان جنون کی طرح پابندی شرم و حیا سے آزاد ہو کر ایک دن جبکہ وہ ڈبی بازار سے گذر رہا تھا، اس کے گھوڑے

کی باگ پکڑ لی۔ نواب نے کہا۔ کیا چاہتی ہو؟ کہا عنایت ہو تو ایک بیٹے کی آرزومند ہوں جو شکل وصورت میں نواب سے ملتا ہو اور مختصر یہ ہے کہ مجھے اپنی زوجیت میں قبول کیجئے۔ نواب نے کہا۔ میرے تمہارے تعلقات سے خدا جانے کوئی اولاد ہو یا نہ ہو اور ہو بھی تو کیا ضرور ہے کہ وہ بیٹا ہی ہو اور اگر بیٹا ہی ہو تو اس کا کیا یقین ہے کہ وہ میری ہی شکل کا ہو، اس لئے تم مجھے ہی اپنا بیٹا تصور کرو۔ یہ سن کر عورت بے حال ہوگئی۔ ''تحقیقات چشتی'' اور دیگر کتب میں لکھا ہے کہ نواب میر مومن خاں تادم مرگ بیٹوں کی طرح اس کھترانی کے پاس جاتے رہے اور ہمیشہ ماؤں کی طرح ادب کرتے رہے۔ اور ہر ہندو تیوہار پر اس کو کچھ روپیہ بھی دیا کرتے تھے اور اس عورت کو بھی خدا نے نواب کے صدق نیت کی وجہ سے وہ صبر دیا کہ اس نے پھر کبھی اس کی طرف میلی نگاہ سے نہ دیکھا اور نہ مرتے دم تک شادی کی۔ ایسا عابد وزاہد و نیک حاکم اس مزار کے نیچے برسوں سے سویا پڑا ہے۔ اس کی قبر اس کی وصیت کے مطابق حضرت داتا صاحبؒ کے مزار میں بنائی گئی۔[۴۵]

نواب میر مومن خاں کو حضرت داتا گنج بخشؒ سے ارادت کاملہ تھی۔ دربار میں اکثر حاضر ہوا کرتے اور پہروں محویت کے عالم میں رہا کرتے تھے۔ جب ان کا آخری وقت آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ میری قبر حضرت داتا صاحبؒ کے قدموں میں بنائی جائے۔ چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی۔

یہ قبر جیسا کہ قبل ازیں لکھا گیا ہے، نئی ڈیوڑھی سے داخل ہو کر بڑے دروازہ کے متصل جس پر ۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

لکھا ہوا ہے۔ دائیں طرف چبوترہ پر بنی ہوئی ہے۔

میر مومن خاں سید بخاری تھے۔ بغداد سے آ کر محمد شاہ بادشاہ کے دربار میں سرفراز ہوئے۔ بادشاہ نے نواب کا خطاب دے کر صوبہ لاہور کا نائب ناظم مقرر کیا۔ ''تحقیقات چشتی'' سے ۱۸۶۴ء تک آپ کی اولاد کا پتہ ملتا ہے۔

(۳) نو تعمیر ڈیوڑھی

بیرونی ڈیوڑھی جو نہایت عالی شان ہے اور جس کے نیچے پختہ فرش ہے اور جو حضرت کے روضہ کی قدیم ڈیوڑھی تک جاتا ہے، میاں غلام حسین ولد حاجی غلام حسن مرحوم نے ۲۹ جنوری ۱۹۰۵ء مطابق ۲۲ شوال ۱۳۲۳ھ کو تکمیل تک پہنچا کر اپنی ارادت مندی وغلامی کا ثبوت دیا۔ ڈیوڑھی کے بیرونی دروازے پر بسم اللہ کلمہ طیبہ، گنج بخش فیض عالم کا سارا شعر اور تعمیر کنندہ کا نام درج ہے۔

(۴) ایک قدیمی مسجد

ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہی دائیں طرف تو روضہ کی عمارت ہے اور بائیں طرف کو ایک قدیمی چاہ کے پاس سے جو جاری ہے اور جہاں سے وضو وغیرہ بھی کیا جاتا ہے۔ مغرب کی طرف نظر کریں تو بہت سی پرانی قبور نظر آتی ہیں۔ یہاں سے سیدھے شمال کو ہو جائیں تو ایک قدیمی مسجد معہ چاہ جاری نظر آتی ہے۔ جس پر مرمت کنندہ گلاب

الدین محلّہ دار ۱۳۲۶ھ لکھا ہوا ہے۔ مسجد کے اندر داخل ہونے پر بڑے محراب کے اوپر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ نیچے دو شعر ہیں۔ ان میں غالباً بانیٔ مسجد کا نام یا سال بنا تحریر ہوگا۔ مگر افسوس ہے حرفوں سے سیاہی مٹ گئی ہے اور وہ صاف پڑھے نہیں جاتے۔ ایک مجاور کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ مسجد سکھوں کے زمانہ کی بنی ہوئی ہے۔

(۵) نواب غلام محبوب سبحانی کی قبر

مسجد سے مشرق کی طرف آئیں تو روضہ کے اس دالان کی پشت کے نیچے (جس میں قرآن شریف رکھے ہوئے ہیں) بہت سی پرانی قبریں کچھ زمین میں دھنسی ہوئی، کچھ بالائے زمین اور کچھ اس سے بھی زیادہ قابل افسوس حالت میں نظر آئیں گی۔ اسی جگہ نواب غلام محبوب سبحانی کی قبر بھی ہے (جن کا انتقال دسمبر ۱۹۰۳ء میں ہوا تھا) جس کے گرد چار دیواری ہے اور جس پر ایک شخص چراغ روشن کرنے کے لئے مقرر ہے اور جو اسی چار دیواری میں رہتا ہے۔ چار دیواری کے باہر اور بھی بہت سی قبریں ہیں جن کا کچھ پتہ نہیں معلوم ہوسکا اور جن میں سے کئی ایک مجاوروں کی بیان کی جاتی ہیں۔ نواب صاحب فارسی زبان کے اعلیٰ شاعر تھے۔ ان کا مطبوعہ دیوان موجود ہے۔

حضرتؒ کا روضہ چشمۂ فیض ہے

اس چشمہ سے کون کون سیراب ہوا؟

حضرتؒ کے دربار دُربار پر ۴۶۵ھ (سال وفات حضرتؒ) سے لے کر ۱۳۳۲ھ تک (جبکہ یہ کتاب لکھی جا رہی ہے) اور سال طبع دوم ۱۳۳۹ھ تک لاکھوں نہیں کروڑوں اور کروڑوں نہیں اربوں اور پدموں تک بلکہ بے تعداد بے حساب مخلوق اس چشمۂ سراپا رحمت سے اپنی روحانی پیاس بجھاتی رہی ہے۔ عام بھی آتے رہے، خاص بھی۔ غریب بھی آتے رہے، امیر بھی۔ محتاج بھی آتے رہے، بادشاہ بھی۔ لیکن ان کے علاوہ وہ پاک بزرگ اور وہ پاک نفوس بھی اس آستانہ پر حاضر ہوتے رہے ہیں جو آج فقر و تصوف کے بادشاہ ہیں اور جنہوں نے ہندوستان اور خصوصاً راجپوتانہ اور دہلی، پنجاب، آگرہ وغیرہ علاقہ جات میں چاروں طرف اسلام کو پھیلا دیا ہے۔ یعنی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت لال حسین لاہوریؒ وغیرہ۔

(۱) حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ حضرتؒ کے روضہ پر

ان بزرگوں میں سب سے پہلے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اس درگاہ پر حاضر ہوئے۔ ''تحقیقات چشتی'' میں لکھا ہے کہ آپ ۵۲۵ھ میں اور ایک اور کتاب ''مخزن الاسرار'' میں لکھا ہے کہ ۵۰۰ھ میں آپ یہاں تشریف لائے، لیکن تعجب یہ ہے کہ ایسے واقعات لکھتے وقت تاریخ کو بالکل نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت خواجہ سلطان الہند غریب النواز اجمیریؒ کے حالات پڑھے جاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش

Marfat.com

۵۳۷ھ میں واقع ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی سب لوگ اتنے ہیں اور تاریخیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ آپ نے عین عالم شباب میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی (نیشا پور) سے بیعت کی اور پھر سالہا سال ان کی خدمت میں رہے اور خرقہ حاصل کرنے کے بعد حضرت غوث الاعظمؒ کے پاس جیلان میں جا کر پانچ چھ ماہ تک قیام کیا۔ وہاں سے مختلف ملکوں کی سیر کرتے ہوئے حج کو گئے اور وہاں سے یہ ارشاد نبوی ولایت ہند پر مامور ہو کر براہِ غزنی ولاہور اجمیر پہنچے۔ جب آپ لاہور پہنچے ہیں تو اس وقت خاندان غزنوی غزنی سے لاہور میں منتقل ہو چکا اور معرض زوال میں آ چکا تھا۔ شہاب الدین غوری بڑھتی دولت اور نہ رکنے والے سیلاب کی طرح پنجاب پر قبضہ کر کے اجمیر کے لینے کی کوششوں میں تھا اور کئی دفعہ ناکام رہ چکا تھا۔ آخر جب حضرت خواجہ وہاں پہنچے تو شہاب الدین نے بےغل وغش اجمیر پر قبضہ کر لیا۔ یہ زمانہ ۵۸۸ھ کا تھا۔ زمانہ سلف کے صوفیا کی سیاحت عموماً اس طرح ہوتی تھی کہ ایک ایک مقام پر جہاں وہ قیام کرنا مناسب سمجھتے تھے، کئی کئی ماہ بلکہ کئی کئی سال گذار دیتے تھے۔ اس زمانہ میں ریل تو تھی نہیں کہ شام کو لاہور سے سوار ہوئے اور صبح کو تین سو میل کا فاصلہ طے کر کے دہلی جا پہنچے۔ نہ سڑکیں صاف اور نہ رستے درست تھے۔ جنگلوں اور بیابانوں کا سفر تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ اپنی مرضی کا سفر تھا اس لئے یہ بالکل ممکن ہے کہ حضرت خواجہؒ لاہور سے روانہ ہو کر دہلی، آگرہ اور بڑے بڑے شہروں میں قیام کرتے ہوئے سات آٹھ سال کے عرصہ میں اجمیر پہنچے ہوں۔ اس حساب سے لاہور میں ان کی تشریف آوری کا زمانہ ۵۸۰ھ یا اس سے کچھ کم وبیش سمجھنا چاہئے اور یہ وہی زمانہ ہے، جب لاہور کا آخری غزنوی بادشاہ خسرو ملک شہاب الدین غوری سے تنگ آیا ہوا تھا۔

کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت خواجہؒ عرصہ تک یہاں معتکف رہے۔ حجرۂ اعتکاف جو حضرت داتا صاحبؒ کے مزار کی پائنتی کی طرف موجود ہے، اس بات کی زندہ شہادت ہے۔ لاہور کی مدت قیام معلوم نہیں، لیکن قیاس یہی ہے کہ کئی سال تک یہاں رہے ہوں گے، کیونکہ بقول بعض مصنفین آپ نے حضرت صدر دیوان کے مزار پر بھی چلہ کاٹا ہے۔ جب حضرت خواجہ یہاں سے فیض یاب ہو کر اور حضرت کی روح پُرفتوح سے استمداد حاصل کر کے رخصت ہونے لگے تو پائنتی کی طرف دست بستہ کھڑے ہوئے اور کمال خلوص اور خضوع وخشوع سے یہ شعر پڑھا ۔

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نورِ خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

یہ شعر لاہور میں بچہ بچہ کو ازبر یاد ہے اور نہایت مقبول ومشہور ہے بلکہ حضرت داتا صاحبؒ کے روضہ کے صدر دروازہ پر بھی لکھا ہوا ہے۔

(۲) حضرت بابا فرید شکر گنجؒ اور مزار حضرت داتا صاحبؒ

ان بزرگ کا اصل نام خواجہ مسعود اجودھنی ہے۔ اجودھن پاک پٹن کا قدیم نام ہے۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ آپ کے دادا پیر تھے۔ یعنی آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید تھے جو حضرت خواجہ معین الدینؒ کے مایہ ناز خلیفہ تھے۔ آپ ۶۰۰ھ میں لاہور تشریف لائے ہیں۔ چونکہ حضرت کے مزار پر آپ کے دادا پیر حضرت

Marfat.com

خواجہ معین الدینؒ نے چلہ کشی کی تھی۔ جب آپ لاہور آئے تو آپ نے فرمایا کہ جہاں میرے بزرگ پیر بیٹھ گئے ہوں میں وہاں بیٹھنے کے قابل نہیں ہوں۔ چنانچہ آپ نے قبر کی پائنتی کی طرف ایک بلند ٹیلے پر اپنی نشست مقرر کی۔ یہ جگہ کچہری ضلع کے مغرب کی طرف واقع ہے۔ آپ کے قیام کی وجہ سے اس کا نام فرید آستانہ مشہور ہو گیا۔ پھر فریدانہ اور اب عام لوگ اس جگہ کو پھلیدانہ کہتے ہیں۔ یہ جگہ بہت متبرک ہے۔ یہاں کسی زمانہ میں قبریں ہی قبریں تھیں، مگر اب قبروں کی صفائی ہو گئی ہے اور حسب الحکم سرکار ٹیلہ بھی گرا دیا گیا ہے۔ صرف مکان عبادت گاہ کا محفوظ ہے۔

بعض لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت اس ٹیلہ سے بپاس ادب گھٹنوں کے بل حضرت داتا صاحبؒ کے آستانہ پر آتے تھے اور بغیر پشت کئے اسی طرح اُلٹے واپس جاتے تھے۔ آپ نے اسی ٹیلہ پر بیٹھ کر حضرت داتا صاحبؒ کی روح سے استمداد حاصل کی ہے۔ حضرت بابا فرید شکر گنجؒ کا مزار پاک پٹن میں مرجع خاص و عام ہے۔

(۳) حضرت لال حسینؒ اور (۴) شیخ حسّو تیلیؒ حضرت داتا صاحبؒ کے مزار پر

یہ دونوں بزرگ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں لاہور کے قطب المشائخ ہو گذرے ہیں۔ شیخ حسّو تیلیؒ کی ضعیفی کا زمانہ تھا اور حضرت لال حسینؒ ابھی شباب میں تھے۔ دونوں حضرت داتا صاحبؒ کے دربار میں فیض روحانی حاصل کیا کرتے تھے۔ شیخ حسّو تیلیؒ کی دکان چوک جھنڈا میں تھی۔ حضرت لال حسینؒ اسی رستے دربار حضرت داتا صاحبؒ میں جایا کرتے اور جب شیخ حسّو تیلیؒ کی دکان کے پاس پہنچتے تو خوب اُچھلا کودا کرتے اور شور و غل سے آسمان سر پر اٹھا لیا کرتے۔ [۴۸]

(۴) شہزادہ حضرت داراشکوہ آستانہ حضرت داتا صاحبؒ پر

شاہ جہان کا سب سے بڑا بیٹا داراشکوہ ایک صوفی منش شہزادہ تھا۔ اس نے تصوف میں کتابیں بھی لکھی ہیں۔ "سفینۃ الاولیاء" میں اس نے لکھا ہے کہ چالیس دن متواتر یا چالیس جمعرات تک اگر کوئی شخص حضرت کے مزار پر حاضر ہوتا رہے اور خدا کو یاد کرتا اور حضرتؒ کی روح سے استمداد کرتا رہے تو انشاء اللہ وہ اپنے دل کی مراد حاصل کر لے گا۔ اپنی نسبت وہ لکھتا ہے کہ میں چالیس روز برابر حضرت کے مزار پر حاضر ہوتا رہا اور جو میرے دل کا مقصد تھا، وہ جناب الٰہی نے بہ طفیل حضرت پیر علی مخدوم ہجویری پورا کر دیا۔

اب بھی ہزارہا مخلوق نزدیک و دور سے آتی ہے اور جمعرات اور جمعہ کے دن تو زائرین کا اچھا خاصہ ہجوم بلکہ میلہ ہوتا ہے۔

مزار حضرت داتا صاحبؒ کے میلے

حضرتؒ کے مزار پُر انوار پر مندرجہ ذیل میلے اور ہجوم زائرین اور خلق اللہ کے ہوتے ہیں:

Marfat.com

(۱) چھوٹا عرس جو ۱۹ صفر کو ہوتا ہے۔

(۲) بڑا عرس جو ۲۰ صفر کو ہوتا ہے۔

(۳) آخری چہار شنبہ کو یہاں قوالی ہوتی ہے اور بے انتہا ہجوم جمع ہوتا ہے۔

(۴) نانویں محرم کو غسل ہوتا ہے اور اس دن بھی بہت لوگ جمع ہوتے ہیں۔

(۵) دسویں محرم کو تعزیوں کا میلہ ہوتا ہے اور چونکہ امام باڑہ اسی طرف ہے اور میلہ بھاٹی دروازہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے اس دن بھی بڑی رونق ہوتی ہے۔

(۶) حج کے روز بھی یہاں لوگ آتے ہیں۔

(۷) شالا مار باغ لاہور کا میلہ ہر سال کے ماہِ مارچ کے آخری جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو ہوتا ہے، مگر دوشنبہ یعنی پیر کے دن یہاں بھی خلقت جمع ہوتی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کا عرس

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ حضرت کا عرس ۱۹ اور ۲۰ صفر کو ہوتا ہے۔ ۱۹ کو چونکہ ہجوم تھوڑا ہوتا ہے اس لئے اس کا نام چھوٹا عرس ہے اور ۲۰ صفر کو چونکہ احاطہ مزار کے اندر اور باہر بلکہ دور دور تک تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی اور کھوے سے کھوا چھلتا ہے، اس لئے اس کو بڑا عرس کہا جاتا ہے۔ عرس کے دن باورچی خانہ کھل جاتا ہے اور فقرا اور عام مساکین کے لئے کھانا تقسیم ہوتا ہے۔ خادم اور عقیدت مند نذریں چڑھاتے ہیں اور مجاوروں میں سے بعض کو دستاریں ملتی ہیں۔ یہ میلہ دو دن رات برابر رہتا ہے۔ کئی دکانیں لگ جاتی ہیں اور بڑی رونق رہتی ہے۔ گو خلقت دور دور سے آتی ہے، مگر امرتسر تو امنڈ کر آ جاتا ہے۔ خصوصاً وہاں کے اہل خطہ لوگوں کو حضرت سے بڑی عقیدت ہے اور ان کا ایک جم غفیر عرس کے دن دیکھا جاتا ہے۔ احاطہ مزار کے باہر جو دھا چوکڑی نظر آتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مجمع کو باطنی طور پر عرس حضرت داتا صاحبؒ سے کوئی نسبت نہیں، اس لئے کہ سارے مجمع میں جس کی تعداد بلا خوف تردید ہزار ہا تک ہوتی ہے، کسی کی زبان سے بھی حضرت کے فضائل و مراتب کا ذکر نہیں سنا جاتا۔

یہ عرس اس عالی جاہ اور قطب الاقطاب بزرگ کا ہے جس کی چوکھٹ پر شہنشاہان عالم جبہ سا ہوتے رہے اور جس کی دہلیز پر بڑے بڑے مشائخ نے سر رکھے ہیں۔ یعنی اپنی عقیدت مندی ظاہر کی اور حضرتؒ کی بزرگی کو تسلیم کیا ہے۔ ایسے بزرگ اور پاک وجود کے حالات جس نے پنجاب میں بالواسطہ اور سارے ہندوستان میں بلا واسطہ اسلام کے گل بوٹے لگائے اور چمن محمدی کو سرسبز و شاداب کیا ہے۔ عام طور پر ہر کلمہ گو کو حرزِ جان ہونے چاہئیں۔ مذہب کے لئے جو تکلیفیں حضرتؒ نے اپنی جان پر گوارا کی ہیں اور ایثار کے جو لطیف معانی آپ نے بیان فرمائے ہیں، وہ سب مسلمانوں کی حمیت و غیرت کو تازہ کرنے کے لئے دہرانے چاہئیں۔ کیا ایسے بزرگ کی خانقاہ پر جس نے اشاعت علم، اشاعت اسلام کی خاطر وطن پر غربت کو اور امیری پر فقیری کو ہمیشہ ترجیح دی ہو۔ ایسے ہی راگ رنگ اور

لغویات ہونے چاہئیں جیسے کہ ہو رہے اور دیکھے جا رہے ہیں۔

مگر احاطہ مزار کے اندر عرس کے دن اور بعض جمعراتوں پر بھی نعت خوانی ہوتی ہے اور مسجد میں علمایانِ دین کے وعظ بھی کرائے جاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے عرس اور میلے فی الواقعہ بہت بدنام ہو گئے ہیں۔ لغویات اور ہزل گوئی نے اصل مقاصد مفقود کر دیئے ہیں۔ ہزاروں آدمی اور عورتیں جو عرس کے دنوں میں دیکھے جاتے ہیں، خصوصاً احاطہ مزار کے باہر، وہ عجب مضحکہ خیز انداز بلکہ افسوس ناک حالت میں دیکھے جاتے ہیں۔ ان میں یقیناً ایسے لوگوں کی تعداد بھی بہت ہوگی، جو حضرت داتا صاحبؒ کے فضائل ومراتب اور ان کے بیش قیمت خیالات سے آگاہ ہونا تو اک طرف، ان کے اصلی اور صحیح نام سے بھی واقف نہ ہوں، اس لئے حضرتؒ کے مزار کے اندرونی اور بیرونی حصہ میں عرس کے دنوں میں علمایان دین کے موعظ حسنہ کثرت سے ہونے چاہئیں اور ان کی قابل تقلید زندگی کے واقعات بیان کر کے مسلمانوں کو دینی حرارت کی گرمانا چاہیے۔

دربار معلیٰ کے مجاوروں کی کچھ کیفیت

حضرتؒ کے مزار عالیہ کے مجاور شیخ ہندی ہی کی اولاد سے چلے آتے ہیں یا یوں سمجھنا چاہیے کہ ۴۶۵ھ یعنی آج سے ۸۶۶ ؁ سال پیشتر سے ایک ہی خاندان مجاوری کی خدمات پر چلا آتا ہے۔ شیخ لطف اللہ یعنی بارہویں پشت تک تو ہر ایک کے ہاں ایک ایک ہی اولاد نرینہ ہوتی رہی، مگر شیخ لطف اللہ سے (جو اکبر کے عہد میں پیدا ہوئے ہیں) ان کی اولاد بڑھنی شروع ہوئی۔ شیخ سلیمان جس کی قبر حضرت کی مسجد کے زینہ کے ساتھ اور حجرۂ اعتکاف کے سامنے ہے، اسی لطف اللہ کا ایک بیٹا تھا۔

جب کوئی لڑکی یا لڑکا کسی مجاور کے ہاں پیدا ہوتا ہے تو حصہ ان کا جاری اور جب مر جاتا ہے یا لاہور چھوڑ کر کسی اور ملک کو چلا جاتا ہے تو حصہ اس کا بند ہو جاتا ہے۔ مگر غیر حاضری کی صورت میں واپس آنے پر پھر اسے حصہ مل سکتا ہے۔ خانقاہ کے چڑھاوے میں سب حصہ دار شریک ہوتے ہیں۔ البتہ بروز عرس یا جمعرات یا جمعہ اگر کوئی ارادتمند معمول سے زیادہ کسی مجاور کو دیدے تو دوسرے کو اس میں شمولیت نہیں ہوتی۔ جمعرات کو سڑکوں پر صبح ہی صبح اکثر فقیر فقرا بیٹھ جاتے ہیں اور اللہ کے پیارے بندے اور زائرین گذرتے ہوئے ان کو کوڑیاں اور پیسے دیتے جاتے اور وہاں جا کر ورد و وظائف کرتے اور فاتحہ پڑھتے ہیں۔

''تحقیقات چشتی'' ۱۸۶۴ء میں پہلی مرتبہ چھپی تھی۔ اس میں لکھا ہے کہ چھیاسٹھ آدمی مجاور علی الدوام یہاں حاضر ہوتے ہیں۔ اب ۱۹۱۴ء میں مجاوروں کی تعداد تراسی بیان کی جاتی ہے۔

Marfat.com

مناقب وسلام حضرت داتا گنج بخشؒ

مسدس مُبارک

درمدح جناب قطب الاقطاب فرد الافراد پیشوائے اہل توحید وتفرید حضرت داتا گنج بخش صاحب علی ہجویری نوراللہ مرقدہ۔ از سلطان العاشقین معارف آ گاہ حضرت خواجہ مستان شاہ صاحب کابلیؒ

مالکِ ملک دو عالم خواجہ ہر دو سرا　　نہ سپہرش سایہ گرداں مہرو ماہش خاکپاء
اولیاء اللہ لاخوف علیہم را سزا　　کیست آں ظلِ الٰہی نور پاک مصطفیٰ
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

شاہبازِ قاف قدس وطائر صدرہ نشیں　　بل بود سُکان سدرہ مرورازیر نگیں
حامل بارِ امانت خامئے دنیا و دیں　　آستاں بوس حریمش غوث قطب اجمعیں
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

نور پاک مصطفیٰ پرورده رب جلیل　　کعبہ معنی ولہارا بود ہچوں خلیل
فیض عامش کردہ جاری خلد آسازین قبیل　　جوئے شہد و جوئے شیر و سلسبیل و زنجبیل
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

روضہ پُرنور پاکش و ز زمیں ہچوں بہشت　　بہرہ ورازفیض عامش خاص وعام وخوب وزشت
تیر رفتہ باز گرداند بدل سازد سرشت　　خوش بہ سُفتہ دراوصافش معین الدین چشت
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

نوربیچون تقدس درمیان ماء وطیں　　حق پرستاں راکشودہ دیدۂ حق الیقیں
خازنِ گنجینہ اسرار را باشد امیں　　سایہ الطاف ایزد رحمتہ للعالمیں
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

Marfat.com

ناصیہ فرساہمہ روئے زمین بردر گہش پہلوئے شیرِ فلک رامے دراند روبہش
از خدا آگہ کند دل را خیال آگہش شد معین الدین فرید الدین بطوفش چلہ کش
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اے شہنشاہ دو عالم خواجہ مالک رقاب از فراقت دیدۂ ماگریہ دارد چوں سحاب
تابشد خورشید عالم در زمین زیر نقاب ہرزماں خواند فلک یالَیتنی کُنتُ تراب
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اے کہ از خوبان عالم بردہِ یکسر سبق چرخ خیر مقدمت کردہ ستارہ درطبق
سینۂ بے کینہ ات از تیغ وحدت گشتہ شق آفتاب ملک معنی ذات آں دیدار حق
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

شاہ جیلاں غوثِ اعظم شیخ ارض و نہ سما گفت در جمع مریداں از کرامت بارہا
ہم زمانہ گرہی بودم علی ہجویر را تازہ بیعت کردمے بردستِ آں بیضاء لقاء
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

شاہِ عالم فخر آدم قطب جملہ اولیاء سید عالی نسب فرزندِ خاص مصطفیٰ
سرِ حق اسرار احمد نور پاک مرتضیٰ مرحباو مرحباو مرحباو مرحباو
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

چشم مستت سرمہ کش از کحل مازاغ البصر مقتبس از روضہ پُرنور تو شمس و قمر
مہر تو منقوش بردل ہمچو نقش کالحجر یک نظر برحال مسکین وفقیراں یک نظر
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

طوفِ کویت مے نماید جملہ طوافیاں چوں طواف کعبۃ اللہ مے نماید حاجیاں
در صفاو مروہ کویت ہمہ نعرہ زناں صاحب بیتے نظر بر حال زارِ عاجزاں
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

Marfat.com

جسم زاریم و نظر ناروح و روحانی شویم   برجہم از خاکدانِ تیرہ نورانی شویم
تا بکے لبیک گویاں جان و ایجانی شویم   عید وصلت رانماتا جملہ قربانی شویم
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما
لاہور از فیض قدومت رشک بستانِ ارم   میر سد برطوف کویت ہندی و رومی عجم
کعبہ ثانی شدہ بر عاشقاں زاں لاجرم   بہ زبان پیر و برناگشتہ جاری دمبدم
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما
شہسوار اوج ولات عرش اعلیٰ متکا   لطف کن از فیض عامت خواجہ عالم پناہ
زاں نظر جو حضرت اجمیر کر دی بادشاہ   کن بجال زار مستاں شاہ کابل یک نگاہ
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

مخمس برمصرع خواجہ حافظ شیرازی

در مدح حضرت سید الاولیا قطب الاقطاب والا جناب پیشوائے اہل توحید وتفرید حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری نور اللہ مرقدہٗ

از مولوی محرم علی صاحب چشتی لاہوری

سگ دربار تو برفرق شہاں خواہد بود   عاشق روئے تو جانانِ جہاں خواہد بود
روضہ پاک زبس رشک جناں خواہد بود   سوئے ایں قبلہ رخ اہل زماں خواہد بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود
وصفت از خامئہ ایں عاجز مسکین چہ شود   خادمت مدح تو اے حضرت داتا چہ کند
یمن ایں مرقدِ پاک تو نہ حدے دارد   بر زمینے کہ نشانِ کف پائے تو فند
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود
ہر قدر نور و تجلی کہ عیاں مے بینم   مرقد پاک تو یک مظہر آں مے بینم
بس کہ او ثانئے محراب جناں مے بینم   برسر ابروئے پاک ترتباں مے بینم
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

Marfat.com

گفتہ پاک تو چوں زنگ ضلالت بزرود　　قلب طالب تو سوے سماہا بربود
بس کہ این ہر کرۂ فقر بعالم بکشود　　برسوئے نکتہ ایں کشف تو دانم زشہود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

رخش مہرت شدہ اے آراستہ باساز و بہ زیں　　از سما رُخ بکند گر بسوئے ملک زمیں
برسرِ نقشِ دو نعلش چو ہلال از راہِ دیں　　ماہ ہا خلق شوء راکع و دیگر بہ یقیں
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

اے خوشا حال کسے آنکہ بفہد خویش　　فرخ آنست کہ در خواب بہ بیند رویش
گر کسے ذرہ یک ذرہ بیابد بویش　　نیک بنی کہ زہر طبقہ عالم سویش
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

قبلہ و کعبہ ما حضرت بابائے فرید　　گفت چوں حضرت جیلاں بجمعے زمرید
ہر کہ با صدق رہِ خدمت داتا بدوید　　جانب یک سر پایش تو بخواہی ایں دید
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

نظم من گر نبود خوب بباشد ہمہ زشت　　کن تو مقبول پے حضرت مستاں شہ چشت
چونکہ در مدح تو ایں چند سخن ہا بنوشت　　باور این است سوئے خامہ چشتی بہشت
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

مسدّس بطور سلام

بحضور فیض گنجور سر آمد اولیائے کبار زبدہ اخیار و ابرار حضرت مخدوم علی ہجویری ملقب بہ داتا گنج بخش لاہوری بتضمین شعر حضرت خواجہ معین الدین الحسن السنجری ثم اجمیری چشتیؒ از طبع زاد مولوی فیروز الدین صاحب مترجم ''کشف المحجوب'' لاہور

السلام اے آفتاب خاندان مصطفیٰ　　السلام اے سر دبستان محمد مجتبیٰ
السلام اے نور چشمانِ علی مرتضیٰ　　السلام اے فخر فرزندان امام باصفا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے قدوۂ درگاہ رب ذوالجلال　　صد سلامت یا علی یا مظہر شانِ جمال
السلام اے طائر صدرہ نشین خوش مقال　　السلام اے صاحب فضل و کمالِ لایزال
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

Marfat.com

السلام اے ساقی صہبائے نور معرفت　　السلام اے قاسم لطف و سرور معرفت
السلام اے شرح فرمائے طہور معرفت　　السلام اے گوہر پاک بحور معرفت
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے غازی میدان زہد و اتقا　　السلام اے شتہ شمشیر عشق جانفزا
السلام اے پہلواں عرصہ فقر و غنا　　السلام اے تاجدار وفاتح ملک ولا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے نغمہ خوانِ قل ہو اللہ احد　　السلام اے صدر بزم عشق اللہ الصمد
السلام اے ماہرِ تجرید و تفرید ابد　　السلام اے محو لم یولد قتیل لم یلد
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے مہبط فیض حقیقت السلام　　السلام اے سرمہ چشم بصیرت السلام
السلام اے رہبر ملک طریقت السلام　　السلام اے داب شریعت السلام
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السام اے مرجع و امیدگاہ شیخ و شاب　　السلام اے بادشاہ اولیائے پنج آب
السلام اے سرگردہ صوفیاے عالی جناب　　السلام اے گنج بخش بے شمار و بے حساب
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلا م اے چارۂ بے چارگان بے نوا　　السلام اے مرہم جاں بخش زخم جاں گزا
السلام اے ہر مرض را خاک تو دارالشفاء　　السلام اے وجہ تسکینِ دل ہر مبتلا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنماء

السلام اے حامئے درماند گانِ ناتواں　　السلام اے اوج بخش در حضیض افتاد گاں
السلام اے قاطع بدعات و کفرانِ جہاں　　السلام اے ہادیٔ پیراں دلیل طالباں
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

Marfat.com

السلام اے روئے زیبائت جواب صد بہشت — السلام اے فیض یاب در گہت ہر خوب وزشت
نقشبندی قادری و سہروردی در بسفت — ہمزباں در مدحتت ہچوں معین الدین چشت

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے حضرت مخدوم عالم السلام — جز سلامت نیست دیگر یک کہالم السلام
نفس و شیطانند ہر دم در زوالم السلام — کن بر این اعدائے دیں فیروز حالم السلام

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اُردو

ازمولوی فیروز الدین صاحب مترجم ''کشف المحجوب'' اردو

ہیں ترے در پر سلامی ہو رہے باصد ولا — ہندی و سندھی و کشمیری و افغانی شہا
جو کوئی آتا ہے لے جاتا ہے اپنا مدعا — کیوں نہ پھر نکلے ہر اک کے منہ سے یہ سچی صدا

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

چشتیوں کو فخر تجھ سے قادری تجھ پر فدا — نقشبندی تجھ پہ نازاں سہروردی جبہ سا
صابری ہو یا نظامی یا سلیمانی گدا — صدق دل سے ہے ہر اک قائل ترے اوصاف کا

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

کس قدر ہے روضہ انور تیرا معمور نور — رحمت و برکت کا ہر دم جس پہ ہوتا ہے ظہور
ہے صلوۃ و صوم پر ورد و وظائف کا وفور — ہر گھڑی قرآن خوانی ذوق افطار و سحر

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آفتاب فیض ہے تو فقر کا مہر منیر — صاحب تاج کرامت ملک معنی کا امیر
طالبوں کا قبلہ جاں عارفوں کا زندہ پیر — نامرادوں کی مراد اور بیکسوں کا دستگیر

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

ہیں تصانیف معلے گنج گوہر لاکلام — کشف محجوب اور کشف اسرار ہے جن سے دوام
علم خود نازاں رہے گا جن کی ہستی پرمدام — راز دارِ فقر جن سے ہو رہے ہیں خاص و عام

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

غزنی و ہجویر تھا گر مفتخر تجھ سے مدام — کر دیا پنجاب کو بھی تو نے مشہور انام
زیور لاہور ہے درگاہ جنت احتشام — تیرا خطبہ پڑھ رہا ہے ملک سارا صبح و شام

۴۶۵ھ

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

فخر ہو مجھ کو نہ کیوں اس عزت احضار پر — جبکہ ہو نازاں ہر اک سائل تیری سرکار پر
جان و دل قربان ہے شاہا تیرے در بار پر — ہر سلامی صدق سے قائل ہے اس اقرار پر

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

ہوں تیرے در کا سلامی میں بھی اے شاہِ شہاں — میری حالت مو بمو ہے آپ پر ساری عیاں
کب تلک یہ دل رہے گا نامراد و نیم جاں — کیجئے چارہ کہ تم ہو چارۂ بے چارگاں

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

گنج بخشی آپ کی آفاق میں مشہور ہے — دلدہی خستہ دلوں کی آپ کا دستور ہے
نزعہ اعداء میں یہ قلب حزیں محصور ہے — یا علیؓ امداد کیجئے منتظر مہجور ہے

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

یا علی مخدوم ہجویریؒ نگاہِ التفات — کشت دل کے واسطے ہے ابر رحمت تیری ذات
شرم اس فیروزؔ عاصی کی ہے شاہا تیرے ہات — بند عصیان وغم دنیا سے دے دیجئے نجات

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

جب تلک باقی الٰہی! اثر نور و نار ہو — گنج بخش دین و دنیا آپ کا دربار ہو
قبلہ حاجات عالم آپ کی سرکار ہو — زائروں کو دمبدم اس شعر کا تکرار ہو

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

Marfat.com

از جناب مفتی غلام سرور صاحب لاہوری

یا جناب مصطفیٰ سلطان داتا گنج بخش
یا محمد بادشاہ دین و دنیا گنج بخش
میرے صاحب میرے مالک میرے آقا گنج بخش
میرے حضرت میرے والی میرے مولا گنج بخش
مانگنے کے واسطے آیا ہے در پر آپ کے
یہ فقیر بے نوا عاجز گدا یا گنج بخش
خیر بخشو اپنے گنجینے سے یا خیر الوریٰ
خالق اکبر نے ہے تم کو بنایا گنج بخش
آپ کے در کے ہیں سائل بادشاہان جہاں
نام ہے مشہور دنیا میں تمہارا گنج بخش
گنج علی و گنج عرفاں گنج سیم و گنج زر
بخشو اس دریوزہ گر کو میرے داتا گنج بخش
کون آیا ہے سخی دنیا میں ثانی آپ کا
اور ہوا ہے کون اس رتبے کا پیدا گنج بخش
مانگنے آتا ہے جب کوئی گدا دربار پر
آپ دیتے ہیں اسے فی الفور سارا گنج بخش
ایک گر مانگے کوئی دس اس کو کرتے ہو عطا
کون ایسا دوسرا دنیا میں ہو گا گنج بخش

ہے یقیں اب سرورؔ مفلس غنی ہو جائے گا
پا لیا ہے اس نے اب یثربؐ میں اپنا گنج بخش

از طبع زاد جناب محی الدین صاحب

دو جہاں زیر نگین مہر نام گنج بخش
جن و انسان و ملک منقاد و رام گنج بخش
سید السادات نور مصطفیٰ و مرتضیٰ
گردش چرخ بریں باشد بکام گنج بخش
بادشاہِ اولیاء والا قدر عالی محل
سلم ہفت آسمان کمتر زبام گنج بخش
پیر کامل مرشدو ہادی مکمل راہنما
بوئے عرفان الٰہی در مشام گنج بخش
بر مزار پاک او صد شعلہ ہائے نور حق
روشن از صبح درخشاں ہست شام گنج بخش
گر ہمے خواہی کہ بینی بر زمین باغ ارم
روضہ انور مقدس بیں مقام گنج بخش
معتقد را تاج عزت مے نہد بر فرق سر
گردن منکر زند براں حسام گنج بخش
ہر کہ آمد با ارادت صد سعادت یافت او
ہر کسے شد بہرہ یاب از فیض عام گنج بخش
ہر کرا اندک عطا از وے میسر شد بس است
مست دارد تا قیامت جرعہ جام گنج بخش
روز و شب وردِ زبانم ہست نام پاک تو
اسم اعظم یافتم من پاک نام گنج بخش
کرہ نفس است د ایم در کجی و سرکشی
کس نہ گرداند مطیعش جز لگام گنج بخش
دردلم جز مدعائے دیدن دیدار نیست
گوش ہم خواہد شنیدن یک کلام گنج بخش

Marfat.com

از خدا خواہم کہ یا بد دیدہ ام دیدار تو — شکر حق افتاد مرغ دل بدام گنج بخش
گنج عرفان الٰہی نیز گنج عافیت — کن عطا یا رب بایں مسکیں بنام گنج بخش
ہر زمانش میفرستم صد سلام و صد دعا — بر امید آنکہ یا بم یک سلام گنج بخش

از دل و جانم غلام شاہِ میراں محی دیں
نیز از فضل خدا ہستم غلام گنج بخش

دیگر فارسی

گنج بخش از لطف خود ایں بیکسا نرا گنج بخش — صحتِ کامل زہر بیماری و ہر ز گنج بخش

ایضاً

گر ہے خواہی کہ بینی بر زمیں باغ ارم — روضہ انور مقدس ہیں مقام گنج بخش
ہر کہ آمد از ارادت صد سعادت یافت او — ہر کے شد بہرہ یاب از فیض عام گنج بخش

ایضاً

چشمکے ہابین کہ حوراں رابگزار بہشت — ے کنندا ولٰی غلامانِ جناب گنج بخش
گر بصیرت ہست دربارش بچشم دل بہ بیں — قبلہ حاجات عالم ہست باب گنج بخش
ایں خزائن ہائے عرفاں را کہ بایند عارفاں — ہست اکثر از عطا ہائے جناب گنج بخش

با بضرورت مقصدِ دنیا و دین حاصل شود
کرکنی یک چلہ اندر جناب گنج بخش

ترجیع بند

بہ عتبہ عالیہ بندگان سرکار ابد قرار نائب مناب سید المرسلین عارف معارف صدر عرش نشیں زبدۃ الثقلین عمدۃ الدارین ہادی گمراہان ضلالت خضر بادیہ طریقت سرمایہ جناب اجمیری فیض رسان عالم و عالمیان حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری ادام اللہ فیوضہ

(از تصنیف سید فیروز شاہ صاحب شوق امرتسری تلمیذ
حضرت استادی المعظم نواب فصیح الملک بہادر مرزا داغ دہلوی)

رونق لاہور بستی آفتاب پُر ضیاء — عاشق شیدا علی مشتاق محبوب خدا
اے مرے حامئی مشکل اے میرے حاجت روا — آستانے پر تیرے جھکتے ہیں سب شاہ و گدا

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

Marfat.com

آپ محتاجوں کے والی درد مندوں کی دوا
بے کسوں کے آپ وارث اے ولی شان خدا
مشکلیں حل ہوتی ہیں دربار عالی سے سدا
جاری دریا ہے سخاوت کا تری شہنشاہ
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

محسن عالم ہو تم حاجت روا ہر کام کے
واقف رازِ نہاں آغاز اور انجام کے
مسائل آتے ہیں یہاں بغداد و روم وشام کے
صدقے اس دربار کے قربان میں اس نام کے
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آپ کو سید حسن اور شاہ نظام الدین بھی
خواجہ قطب الدین بھی خواجہ معین الدین بھی
یہ بھی تو چاروں کے چاروں اور یہاں دو تین بھی
کہہ رہے ہیں صاحب ارشاد اور تلقین بھی
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

یہ مجھے معلوم حضرت آپ ہیں ہجویر کے
خاک رہ پر سینکڑوں نقش قدم ہر شیر کے
اے ولی لائی یہاں تیری ہدایت گھیر کے
صاحب لطف و کرم ہو خواجہ اجمیر کے
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

جھومتے عابد ہیں سب اسم شہ لولاک پر
وجد میں صوفی ہیں ہے دھوم عرس کی افلاک پر
لوٹتے پھرتے ہیں مجذوب آج فرش خاک پر
کہہ رہے سالک ہیں یہ مل کر مزار پاک پر
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

دست بستہ شوق کی اب التجا ہے آپ سے
وہ بیماری ہو اتنا مدعا ہے آپ سے
تنگ آ کر عرض یہ کرنا پڑا ہے آپ سے
آپ اولادِ علیؑ ہیں کہہ دیا ہے آپ سے
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

Marfat.com

قطعہ تاریخ

از جناب میر کرامت اللہ صاحب میرؔ امرتسری

فوقِ حالات خواجہ ہجویری　　زدرقم بالغشی والابکار
از پئے سال انطباعش میرؔ　　گفت ہاتف مرقع اذکار

۱۳۳۲ھ

حواشی

۱۔ ''طبقات اکبری'' اور ''تاریخ فرشتہ'' میں ساتویں اور آٹھویں مہم کو ایک ہی واقعہ ظاہر کیا ہے۔ مگر ''حبیب السیر'' اور ''تاریخ یمینی'' اور ''روضۃ الصفاء'' کے حوالہ سے مولانا ذکاء اللہ دہلوی نے اپنی ''تاریخ ہند'' کی جلد اوّل میں اس کا الگ الگ ذکر کیا ہے۔

۲۔ یہ بوسیدہ اور پھٹے ہوئے چار اوراق مولوی غلام جیلانی صاحب خوشنویس لاہور (سکنہ سمبڑیال ضلع سیالکوٹ) نے عنایت فرمائے تھے۔ اس کتاب میں چونکہ داراشکوہ کی کتاب ''سفینۃ الاولیاء'' کا بھی ذکر ہے، اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ کے بعد کی یہ کتاب لکھی ہوئی ہے۔

۳۔ اصل نام خورسان یعنی مانند آفتاب ہے۔ ایران کا شمال مشرقی صوبہ ہے۔ مشہد اور نیشا پور اس کے مشہور شہر ہیں۔

۴۔ یہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز ۷۱۷ء بمطابق ۹۹ھ تا ۷۳۱ء بمطابق ۱۰۱ھ کے عہد میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور کچھ لوگ ہشام ۷۲۴ء بمطابق ۱۰۵ھ تا ۷۴۴ء بمطابق ۱۲۵ھ کے عہد میں بھی مسلمان ہوئے۔

۵۔ متصل ہرات

۶۔ آذر بائی جان کا دارالسلطنت قدیم زمانہ میں تبریز تھا۔ اب ایران کا ایک صوبہ ہے اور کردستان، الورستان، اصفہان اور کاشان اور قم ان میں شامل ہیں۔

۷۔ اس غزل کا ترجمہ اردو نظم سلیس میں مولوی فیروز الدین صاحب مترجم ''کشف المحجوب'' نے مندرجہ ذیل کیا ہے:

شوق تیرا رات دن رکھتا ہے دل　　عشق تیرا ظاہر و باطن ہوا
جان دے دوں گا تیری دہلیز پر　　خواہ ہو تکلیف اور آئے بلا
عشق میں آہ و فغاں کیونکر نہ ہو　　جبکہ سوزش سے ہو دل تک جل رہا
یا الٰہی کر رقیبوں کو فنا　　یا مجھے کر مستِ عشق و لربا
ہے خوشی کی مے کا ساغر تیرے پاس　　غمزدہ ہوں میں مجھے بھی دے پلا
تشنہء دیدار تیری ہے یہ آنکھ　　کہہ دے ہاں اور نہ نہ کر بہر خدا

اے علیؒ خوش ہو کے آوازے نکال
تاکہ مشک عشق سے مہکے ہوا

Marfat.com

۸۔ ترجمہ ان اشعار کا بھی مولوی فیروز الدین صاحب نے حسب ذیل کیا ہے ۔

زیادہ نہ کر گفتگو اے علی ! اگر ہے تو پاکیزہ خو اور ولی
بُرا اور بھلا مجھ میں ہے جس قدر عنایت سے یا رب اسے عفو کر

۹۔ اسی کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ امام باڑہ گامے شاہ واقعہ بیرون بھاٹی دروازہ متصل مزار داتا گنج بخشؒ کے شمال رویہ جو قبر خام ہے، وہ پیر بہاون بہشت کی ہے اور یہاں کسی زمانہ میں بہت بڑا قبرستان تھا اور سارا علاقہ بہاون بہشت کے نام سے مشہور تھا۔ مشہور ہے کہ یہ پیر صاحب بھی حضرت داتا صاحبؒ کے ہمراہیوں میں تھے۔ ان کا جذبہ ایسا تھا کہ اگر اس راہ سے کسی ہندو کا جنازہ گذرتا تھا تو اس کو آگ نہ لگتی تھی۔ آپؒ کے سر کی طرف ایک چھوٹا سا حوض تھا اور قبر کی دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جس سے نکلنے والے شہد سے ہر مرض کا مریض شفایاب ہو جاتا تھا۔ جب طامع اور حریص لوگ اس شہد کو جمع کرنے لگے تو شہد کا نکلنا موقوف ہو گیا اور دودھ نکلنے لگا اور وہ بھی برسوں اور صدیوں تک جاری رہا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ سکھوں کی ابتدائی عملداری میں وہ دودھ پانی کی شکل میں تبدیل ہو گیا حتیٰ کہ (اسی زمانہ میں) خشت فروشانِ ناخدا ترس نے وہ چبوترہ بھی گرا دیا۔ قبر بھی ڈھا دی۔ اب صرف خام قبر موجود ہے۔

۱۰۔ عبداللہ بن میمون ایک ایرانی النسل شخص نے مذہب اسماعیلیہ اختیار کر کے اور پھر اس میں بھی کئی شاخسانے نکال کر اسلام کو تباہ کرنے کا قصد کیا۔ اس کے مذہب کا خلاصہ یہ تھا کہ سب مذہب فضول ہیں۔ دنیا اور عقبیٰ میں نیک و بد کی کوئی جزا سزا نہیں ہے۔ اس کے مریدوں میں احمد بہت نامی گذرا ہے اور درحقیقت وہی قرمطی مذہب کا بانی ہے اور اسی کا نام قرمطی تھا۔ اس کا عروج ۲۷۸ھ میں ہوا۔ وہ اپنے آپ کو مہدی، احمد، محمد، یحییٰ بن زکریا، روح القدس، جبرئیل سبھی کچھ بتاتا تھا۔ اس نے نماز کی اذان نئی ایجاد کی تھی اور اس میں آدم، نوح، عیسیٰ اور محمد (روحی فداہ) کے نام کے ساتھ اپنا نام بھی احمد بن محمد بن الحنفیہ رسول اللہ پڑھواتا تھا اور بتاتا تھا کہ محمد پر وحی آتی ہے اور مجھے الہام بھی ہوتا ہے۔ ۲۹۰ھ میں ملک شام پر اس فرقہ نے بڑا ہولناک حملہ کیا۔ ۳۱۹ھ میں اس کے جانشین ابو طاہر قرمطی نے مکہ معظمہ پر قبضہ کر کے بہت آدمیوں کو قتل کیا اور حجر الاسود کو بیس سال تک اپنے قبضہ میں رکھا۔ خاندان عباسیہ کا بیسواں خلیفہ الراضی حاجیوں کو حج کرنے کے لئے سالانہ روپیہ بھی ان کو دیتا تھا۔ ہلاکو خاں اور منگو خاں نے اس فرقہ کے زن و مرد اور بچوں کو قتل کیا۔ محمود کے حملہ ملتان کے بعد بھی ان کا وجود باقی تھا۔ چنانچہ محمد غوری نے ۵۷۱ھ میں ان کو پھر ملتان سے نکالا۔ ۶۳۴ھ میں ان کا پھر زور ہو گیا اور دہلی کی جامع مسجد میں انہوں نے بہت لوگوں کو قتل کیا مگر آخر یہ سب لوگ کیفر کردار کو پہنچ گئے۔

۱۱۔ جہاں اب موضع کھوئی میراں ہے۔ وہاں سابقہ زمانہ میں درندے اور خوفناک جانور رہتے تھے۔ یہ جگہ عین برلب دریائے راوی تھی۔ یہاں سکھوں کے زمانہ میں اکثر ڈاکہ زنی بھی ہوا کرتی تھی۔ جب لاہور تین حاکموں کے تحت تھا تو لہنا سنگھ حاکم کے حکم سے اس جگہ کو آباد کرنے کے لئے سمت ۱۸۰۰ بکرم میں (یعنی آج سمت ۱۹۷۱ بکرم سے ۱۷۱ سال پیشتر) یہاں چار دیواری کرائی گئی اور ابتدائی دہ سال کا مالیہ زمینداروں کو معاف کیا گیا۔ موضع کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ میر صاحب گھوڑے شاہ کے مریدوں میں سے تھے (جن کا مزار متصل باغ راجہ دینا ناتھ ہے)۔ انہوں نے یہاں ایک کھوہی (چاہ خورد) بنوائی تھی۔ چار دیواری اور آبادی اور رونق ہونے پر موضع کا یہی نام رکھا گیا۔ اس کھوہی پر اب تک چڑھاوا چڑھتا ہے۔ یہ موضع لاہور سے بجانب شرق ایک کوس کے فاصلہ پر ہے اور خوب آباد ہے۔

۱۲۔ یہ بزرگ شاہ حسین زنجانی کے ہمراہ ہی آئے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں لوگوں کو تعلیم و تلقین کی۔ پنجاب میں اسلام ایسے ہی بزرگانِ دین کے اخلاق حسنہ سے اشاعت پذیر ہوا۔ آپ کے زمانہ تشریف آوری کو ساڑھے نوسو (۹۵۰) سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اس طویل مدت میں لاہور اور ہندوستان میں ہزاروں انقلاب آئے۔ سینکڑوں مختلف خاندانوں اور مختلف

نسلوں کے بادشاہ ہوگذرے، جن کی نوبت و نقارے گونجتے رہتے تھے، لیکن آج سوائے اس دین کے خادم کے جو محض توحید الٰہی اور رسالتِ پیغمبر کی منادی کے لئے گھر سے باہر نکلا تھا، کسی کا نام و نشان بھی کوئی نہیں جانتا۔ ''تاریخ لاہور'' رائے کنہیالال ''تحقیقات چشتی''، ''سفینۃ الاولیاء'' اور ''خزینۃ الاصفیاء'' میں آپ کے حالات و مزار کا مفصل ذکر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقبرہ آپ کا نہایت عالی شان تھا اور چبوترہ کلاں سے جانب مغرب جو مسجد واقعہ ہے، وہ بھی شاندار تھی۔ ''تحقیقاتِ چشتی'' میں جس کی تصنیف کو پچاس ساٹھ سال کا عرصہ گذر چکا ہے، اس عمارت کی بہت تفصیل لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ والئ پنجاب اس مکان کی خبر گیری بھی کیا کرتے اور کبھی کبھی خود بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ احاطہ مزار کے باہر ایک طویل قبرستان تھا، جس میں کئی مسجدیں بھی موجود تھیں۔ یہاں تک کہ سکھوں کے زمانہ میں بھی اس کی حد دور دراز تک تھی۔ سب سے پہلے لالہ رتن چند داڑھی والا نے قبرستان کا بہت سا حصہ اپنی سرائے اور تالاب میں شامل کر لیا۔ پھر بہت سی زمین ہسپتال میں لے لی گئی۔ اب زنانہ ہسپتال کی متصل گلی سے ہو کر اس مزار پر جانا پڑتا ہے اور شاہ راہ عام سے یہ مزار بالکل الگ ہو گیا ہے۔ اردگرد سب عمارتیں ہو گئی ہیں اسی لئے اب چنداں رونق بھی نہیں ہوتی۔ سالانہ عرس البتہ ساڑھے نوسو سال سے برابر چلا آتا ہے یا ہر جمعرات کو چراغ جلا دیا جاتا ہے۔ راقم سطور ہذا خود اس مزار پر حاضر ہوا۔ چبوترہ مزار پر جو لکڑی کا کٹہرا ہے، وہ بہت شکستہ ہے۔ اسی چبوترہ پر پانچ قبریں ہیں۔ جو بڑی قبر ہے اور ذرا اونچی ہے، وہ آپ کی ہے۔ باقی چاروں قبروں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آپ کے دو بھتیجوں اور ایک والدہ کی ہے۔ دروازہ مزار پر مینا کاری کے کام کے اب بھی نشانات پائے جاتے ہیں، بلکہ صدر دروازہ پر برنگ کانسی طاق سفید ہیں۔ اللہ اکبر، ابوبکر، عثمان، عمر، عثمان، علی، حسن، حسین اور دونوں طرف بخط ثلث ''یا فتاح'' سبز رنگ کانسی کا لکھا ہوا ہے۔ ''تحقیقات چشتی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ''یا وہاب'' بھی لکھا ہوا تھا، مگر بخوبی پڑھا نہیں جاتا، لیکن اب تو ان حرفوں کا وہاں نشان بھی نہیں ہے۔ احاطہ مزار کے بعد جہاں مصنف ''تحقیقات چشتی'' نے کئی قبروں اور کئی مسجدوں اور ایک پختہ طویل چبوترہ کا پتہ دیا ہے، اب کوئی نشان کسی قبر یا مسجد یا چبوترہ کا نظر نہیں آتا۔ البتہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ ؎

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے   کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

احاطہ میں ایک اور چبوترہ ہے جس پر ''تحقیقاتِ چشتی'' کے زمانہ تک نو قبریں تھیں اور دو درخت ایک کیکر، ایک گوندی مگر اب وہاں گیارہ قبریں ہیں اور صرف دو دن یا کریر کے درخت ہیں۔ مسجد کی حالت بھی افسوس ناک ہے جس کے تین محراب ہیں۔ چھت پر مٹے ہوئے نشانات دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ ضرور یہ مسجد شاندار ہوگی۔ مجاوروں کے مکانات بھی احاطہ مزار کے باہر موجود ہیں جن کی تعداد دس بارہ بتائی گئی ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے صرف چار گھر تھے۔ شاہ حسین زنجانیؒ اور حضرت صدر دیوانؒ کا سجادہ نشین ایک ہی خاندان ہے اور وہ صدر دیوانؒ کے احاطہ میں ہی رہا کرتا ہے۔ یہاں سکھوں کے زمانہ میں سبزی منڈی کی وجہ سے بھی بڑی رونق ہوا کرتی تھی۔

۱۳۔ اس بزرگ کے حالات افسوس ہے نہیں مل سکے اور نہ آپ کا مزار معلوم ہو سکا ہے کہ کس جگہ واقع ہے۔

۱۴۔ حضرت امام علی الحقؒ کا مزار سیالکوٹ میں مرجع خاص و عام ہے۔ ''تاریخ سیالکوٹ'' مطبوعہ مطبع صدی سیالکوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام علی الحقؒ راجہ سہپال والئ سیالکوٹ اور فیروز شاہ بادشاہ دہلی کے عہد حکومت میں سیالکوٹ میں تشریف لائے تھے اور راجہ کے ساتھ لڑائی کرتے ہوئے سیالکوٹ کو فتح کرنے کے بعد ۷۰۷ھ میں شہید ہو گئے تھے۔ اس تاریخ میں یہ بھی ذکر ہے کہ آپ فیروز شاہ کی فوج میں تعینات اور بادشاہ کے مزاج پر حاوی تھے۔ شاہ حسین زنجانیؒ اور سید یعقوب زنجانیؒ اور امام علی الحقؒ اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کا ہم جلیس و ہم صحبت رہنا تاریخی واقعات سے تو قطعی غلط ہے۔ البتہ باطن میں روحانی طور پر ان کی ملاقاتیں ہوتی رہی ہوں تو تعجب نہیں ہے۔

۱۵۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیری کی پیدائش ۵۳۷ھ کی ہے۔ ۵۸۰ھ کے قریب وہ لاہور آئے ہیں۔ آپؒ کی وفات ۶۳۳ھ میں ہوئی ہے اس لئے غلط ہے کہ آپ شاہ حسین زنجانیؒ اور حضرت صدر دیوانؒ کی صحبتوں میں رہے ہیں بلکہ آپؒ تو حضرت داتا صاحبؒ کے مزار پر ان کی وفات کے قریباً ۱۱۵ سال کے بعد آئے تھے۔

۱۶۔ شہزادہ داراشکوہ اورنگ زیب عالمگیر کا بھائی اور شاہ جہان صاحبقران کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اپنے چھوٹے بھائی عالمگیر کے ہاتھوں شہید ہوا۔ بڑا فقیر دوست تھا۔ کئی کتابیں تصوف اور سلوک کی اس کی تصنیف سے ہیں۔ ہندو اور مسلمان فقراء کا بڑا ادب کرتا تھا۔ حضرت ملا شاہ کا مرید تھا جن کو حضرت میاں میرؒ سے عقیدت مندی تھی۔ پنجاب چونکہ داراشکوہ کی جاگیر میں تھا، اس لئے لاہور میں وہ بہت مدت رہا اور لاہور کی اس نے بہت تعریف کی ہے۔ ''سفینۃ الاولیاء'' میں لکھتا ہے ''لاہور ایک بہت بڑا متبرک شہر ہے۔ چار دانگ عالم کا تحفہ یہاں مل سکتا ہے۔ اولیاء، صلحاء اور علماء وفضلا کا یہ مجمع ہے۔ مزارات متبرکہ یہاں بہت ہیں اور آدمی یہاں کے صحیح القول ہیں۔ حفاظ (قرآن شریف کے حافظوں) کے محلے یہاں بہت ہیں۔ محلہ طلابی میں کہ اس شہر کا ایک محلہ ہے، تیس ہزار حافظوں (عورت۔ مرد) بچوں بوڑھوں نے وباء کے دنوں میں قرآن شریف کی تلاوت کی تھی۔'' جہاں اب لنڈا بازار میں میاں محمد سلطان کا باغ اور کنواں اور ریلوے کا ٹکنیکل سکول ہے، وہاں اس کے محلات تھے اور اس علاقہ کا نام چوک داراشکوہ تھا۔ عمارتوں کی بنیادوں کے نشانات زمین کھودنے سے اب بھی مل سکتے ہیں۔

۱۷۔ اصل عبارت حسب ذیل ہے۔ ''مسجد یکہ خود ساختہ بودند محراب آں نسبت بمساجد دیگر مائل بہ سمتِ جنوب است۔ گویند علماء آنوقت، برشیخ دریں باب اعتراض کردند۔ روزے ہمہ را جمع نمودہ خود امام شدہ درآں مسجد نماز گذاردند۔ وبعد از نماز بحاضراں گفتند کہ نگاہ کنید کہ کعبہ بکدام سمت است، حجابہا از میان برخاست وکعبہ حجازی نمود۔''

۱۸۔ بعض نے لکھا ہے کہ بلا کر ضیافت کی۔

۱۹۔ مروان کا وطن تھا اور یہیں رہا کرتے تھے۔ ''نفحات الانس'' میں ان کا ذکر ہے، لیکن نہ تاریخ پیدائش لکھی ہے نہ وفات، ان کے حالات میں لکھا ہے، ابو حامد دوستان ایک رفیق کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک جگہ قیام کیا۔ آپ کے ہمراہی نے کہا یہاں ٹھہرے رہو۔ میں شہر میں ایک امیر شخص سے مل کر واپس آتا ہوں۔ وہ گیا اور ابو حامد بیٹھ گئے مگر جلدی واپس آنے کی بجائے کثرت برف باری کی وجہ سے صبح کو واپس آیا۔ دیکھا تو آپ اسی جگہ جہاں وہ بٹھا گیا تھا، بیٹھے ہوئے ہیں اور برف آپ پر پڑی ہوئی ہے۔ جب آپ شانے ہلاتے ہیں تو برف گر پڑتی ہے۔ اس نے تعجب سے پوچھا ابو حامد چھت کے نیچے کیوں نہ چلے گئے۔ کہا تم نے کہا تھا یہیں بیٹھے رہو۔ میں اس وفا کو نباہ رہا ہوں۔ ایک مرتبہ آپ مرو میں کسی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ماشکی سے پانی طلب کیا۔ جب پیالے میں پانی پینے لگے تو ایک مکھی بھی آ بیٹھی۔ آپ نے اس وقت تک جب تک کہ مکھی پانی پی کر اڑ نہ گئی، پانی نہ پیا۔ ماشکی نے کہا شیخ! پانی کیوں نہیں پیتے؟ فرمایا مکھی کے پینے تک صبر اور ایثار سے کام لے رہا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا یا شیخ! رعب داب کب جاتا رہتا ہے؟ فرمایا جب صحبت قدیم یعنی دیرپا ہو جائے۔

۲۰۔ آپ کا ذکر اس کتاب میں اکثر جگہ آتا ہے آپ حضرت کے ہمراہ غزنی سے لاہور میں آئے تھے۔

۲۱۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ''کشف المحجوب'' غزنی میں نہیں، بلکہ لاہور میں لکھی گئی ہے۔ غزنی کی تصنیف ہوتی تو اس میں ہندوستان کا ذکر نہ ہوتا۔

۲۲۔ دوسرے طبقہ کے صوفیاء میں آپ گذرے ہیں۔ نام آپ کا احمد بن محمد ہے۔ کنیت ابن بغوی ہے۔ آپ کا وطن شہر بغشور ہے۔ جو ہرات اور مرو کے درمیان ہے۔ پیدا آپ بغداد میں ہوئے۔ حضرت سری سقطیؒ کی صحبت میں رہے ہیں۔ ذوالنون مصریؒ کو دیکھا ہے اور حضرت جنیدؒ کے ہم عصروں میں سے تھے۔ آپ کا انتقال بقول بعض ۲۹۵ھ اور بقول ''تاریخ یافعی''

۲۸۲ھ میں ہوا ہے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں نوری کے انتقال سے آدھا علم جاتا رہا۔ آپ لوگوں سے بہت کم ملتے اور بہت کم مکان سے باہر نکلتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک دن نور کی طرف دیکھا۔ پھر میں اس کو ہمیشہ دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہی نور میں خود بن گیا۔

۲۳۔ ''نفحات الانس'' میں دو بزرگ ایسے ہیں جن کا نام ابوحمزہ ہے اور وہ دونوں حضرت ابوالحسن نوریؒ کے زمانہ میں گذرے ہیں۔ ابوحمزہ خراسانی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ عراق کے اکثر مشائخ کے ساتھ رہے ہیں۔ حضرت جنیدؒ کے ہم عصر تھے۔ آپ حضرت جنیدؒ اور نوری سے پہلے اور ابوسعید خراز اور ابوحمزہ بغدادی کے بعد ۲۹۵ھ میں انتقال کر گئے۔ ابوحمزہ خراسانی (جن کا وطن نیشاپور بھی بیان کیا جاتا ہے) وجد اور حال میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ابوحمزہ بغدادی کے حالات میں لکھا ہے کہ اصل نام ان کا ابراہیم ہے۔ حضرت سری سقطیؒ کا زمانہ انہوں نے دیکھا ہے۔ آپ کا انتقال ابوحمزہ خراسانی کے بعد ہوا ہے۔ ابو حمزہ کا قول ہے کہ فقراء کی محبت بہت سخت ہوتی ہے۔ ایک دفعہ آپ طرطوس میں گئے۔ سکر کی حالت میں ایک ایسی بات آپ کے منہ سے نکل گئی جس کا مطلب ظاہر دار لوگ نہ سمجھ سکے اور ان پر حلولی اور زندقی ہونے کے طعن کرنے لگے۔ آکر ان کو طرطوس سے نکال کر ان کے مال مویشی کو لوٹ لیا۔ معلوم نہیں نوری اور رقام کے ہمراہ حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ نے جس ابوحمزہ کا ذکر کیا ہے وہ بغدادی تھے یا خراسانی۔ اگر وہ ان کے وطن کا نام بھی ساتھ ہی لکھ دیتے تو اس قدر مغالطہ نہ پڑتا۔ بہر حال دونوں کا تھوڑا تھوڑا ذکر کر دیا ہے۔

۲۴۔ ''کشف المحجوب'' میں اصل نام نہیں صرف عمر کا بیٹا ہی لکھا ہے۔

۲۵۔ آنحضرت ﷺ کے بہت سے نام ہیں مگر محمدؐ اور احمدؐ زیادہ مشہور ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے والد کا نام عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف تھا۔ والدہ کا نام آمنہ خاتون۔ حضرت سرور کائنات بعہد نوشیرواں عادل اس کے جلوس کے اکتالیسویں سال میں بوقت صبح صادق بروز اتوار پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ کوئی ربیع الاول کی آٹھویں کوئی بارہویں کہتا ہے۔ سال مسیحی کے حساب سے اپریل ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد اور والدہ نے عین عالم شباب میں انتقال کر دیا تھا بلکہ والد تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔ پچیس سال کی عمر میں حضور ﷺ نے پہلا نکاح حضرت خدیجہؓ سے کیا۔ ۴۱ سال کی عمر کے شروع میں ۳ یا ۸ ربیع الاول کو خلعتِ نبوت عطا ہوا۔ اکیاون سال نو مہینے کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج سے مخصوص کیا۔ ربیع الاول دوشنبہ کے دن آپ نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ میں ہجرت فرمائی۔ یہیں سے آغاز سنہ ہجری ہوتا ہے۔ یہ واقعہ ۱۲ جولائی ۶۲۲ء کے مطابق ہے۔ وفات آنحضرت ﷺ بعمر تریسٹھ سال (اور بقول بعض چونسٹھ سال) بتاریخ بارہ ربیع الاول ۱۱ھ کو واقع ہوئی۔ مدفن پاک مدینہ منورہ ہے۔ حضور سرور کائناتؐ کے حالات میں بیسیوں اور سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ اس وقت دنیا میں چالیس کروڑ سے زیادہ مسلمان آپ کے نام لیوا ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔ صاحبزادے بچپن ہی میں انتقال فرما گئے۔

۲۶۔ آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچیرے بھائی ہیں۔ آپ کا نام علیؓ کنیت ابوالحسن و ابوتراب اور القاب گرامی بہت سے ہیں۔ آپ کے والد کا نام ابوطالب بن عبدالمطلب ہے۔ جب آنحضرت ﷺ کو خلعت نبوت عطا ہوا تو دوسرے ہی دن آپ ان پر ایمان لے آئے۔ اس وقت عمر آپ کی گیارہ سال کی تھی۔ پچیس سال کے سن یا ہجرت کے دوسرے سال آپ کا نکاح حضرت فاطمۃ الزہرا بنت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ ذوالنورین کی شہادت کے بعد آپ ۱۹ ذی الحجہ ۳۵ھ کو زینت بخش مسند خلافت راشدہ ہوئے۔ بعمر تریسٹھ سال ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو شہادت فرمائی۔ مزار گوہر بار نجف اشرف میں ہے۔ آپ کے کئی صاحبزادے اور صاحبزادیاں تھیں مگر امام حسنؓ اور امام حسینؓ بہت مشہور ہیں۔

۲۷۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ، صفحہ ۱۸ و ۱۹

Marfat.com

۲۸۔ آپ دوسرے طبقہ کے صوفیاء میں ہیں۔ کنیت ابو القاسم اور لقب قواریری اور زجاج اور خراز ہے۔ وطن اصل نہاوند تھا۔ پیدائش بغداد میں ہوئی۔ مذہب میں ابو ثور شاگرد امام شافعی اور بقولِ بعض سفیان ثوری کے پیرو تھے۔ سری سقطی، حارث محاسبی اور محمد قصاب کی صحبت میں رہے ہیں اور ان کے شاگردوں میں ہیں۔ صوفیوں کے سردار اور امام اور سید الطائفہ ہیں۔ آپ کی وفات ۲۸۹ھ اور بقول بعض ۲۹۰ھ بیان کی جاتی ہے۔ آپ صاحب حال و وجد تھے۔ آپ کے مفصل حالات کتابوں سے مل سکتے ہیں۔

۲۹۔ آپ کا نام ابو العباس عطار ہے۔ آپ کا اور حضرت جنیدؒ کا ایک ہی زمانہ گزرا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ جنیدؒ علم معرفت میں ہمارے امام اور پیشوا ہیں۔

۳۰۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کا نکاح آنحضرت ﷺ سے سال دہم بعثت میں ہوا تھا۔ آپ بڑی مفتی، فصیحہ اور بلیغہ تھیں۔ کتب صحاح میں دو ہزار دو سو دس حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔ آپ نے ۱۷ رمضان ۵۸ھ شب سہ شنبہ کو چھیاسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔

۳۱۔ نام آپ کا عمرؓ لقب فاروق اعظم ہے۔ نبوت کے چھبیسویں سال میں حضرت امیر حمزہ کے ایمان لانے کے تین دن بعد آپ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت صدیق اکبر کی وفات کے بعد ۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کے عہد خلافت میں دین اسلام کو بڑی تقویت اور رونق حاصل ہوئی۔ آپ نے تریسٹھ سال کی عمر میں غزوہ محرم الحرام ۲۴ھ کو انتقال فرمایا۔

۳۲۔ آپ ۲۱ھ میں بہ عہد خلافت حضرت فاروق اعظم مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام حسن حضرت عمر فاروق اعظم نے رکھا تھا۔ آپ کی خلافت و بیعت حضرت علیؓ اور بقول بعض حضرت امام حسنؓ سے بیان کی جاتی ہے۔ ۵ رجب ۱۱۰ھ کو جمعۃ المبارک کے دن بعہد خلافت ہشام بن عبدالملک بن مروان خلیفہ دہم بنی امیہ آپ نے وفات پائی۔ مزار بصرہ سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے۔

۳۳۔ حضرت سلمان فارسی جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے۔ ایرانی النسل تھے۔ قبولیت اسلام سے پہلے ان کا نام مایہ تھا۔ آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا قصہ بڑا دلچسپ ہے۔ افسوس ہے یہاں گنجائش نہیں۔ آپ آنحضرت ﷺ کی تلاش میں ایران سے مدینہ تک آ پہنچے اور آپ آنے کے بعد آنحضرت سرور کائنات مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔ اسلام لانے کے بعد آنحضرت ﷺ کے ساتھ کئی غزوات میں شامل رہے۔

۳۴۔ نام نامی نعمان کنیت ابوحنیفہؒ لقب گرامی امام اعظمؒ ہے۔ غرہ ذی الحجہ ۸۰ھ کو کوفہ میں بعہد خلافت عبدالملک بن مروان خلیفہ پنجم پیدا ہوئے۔ آپ نسل کے لحاظ سے ایرانی ہیں۔ وفات ۱۵۰ھ میں بعہد خلافت ابو جعفر منصور خلیفہ دوم عباسی بیان کی جاتی ہے۔ مزار شہر بغداد میں ہے۔

۳۵۔ آپ کا کچھ حال آپ کے معاصرین کے بیان میں لکھا گیا ہے۔

۳۶۔ آپ کا اصل نام طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان ہے۔ آپ کا دادا بُت پرست تھا۔ بعد میں مسلمان ہو گیا۔ آپ کی وفات ۲۶۱ھ میں واقع ہوئی ہے۔ آپ اصحاب رائے واجتہاد تھے لیکن آپ کی ولایت نے مذہب کے کمالات ظاہر نہ ہونے دیئے۔

۳۷۔ آپ خراسان کے پرانے مشائخ میں سے ہیں۔ احمد خضرویہ کے استاد اور شقیق بلخی کے ہم عصر تھے۔ ۲۳۷ھ میں بلخ کے نواح میں انتقال کیا۔ آپ بہرے نہیں تھے، مگر عوام میں بہرے مشہور ہو گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک بڑھیا سے آپ باتیں کر رہے تھے۔ اتفاقاً بڑھیا سے ہوا نکل گئی۔ آپ نے فرمایا ذرا اونچی کہو۔ میں بہرا ہوں۔ اس سے مطلب یہ تھا کہ وہ شرمندہ نہ ہو۔ اسی دن سے آپ کا نام حاتم اصم مشہور ہے۔

۳۸۔ حدیث نبوی کے موافق جناب رسول اللہ ﷺ نذر لے لیا کرتے تھے، مگر زکوٰۃ نہیں لیا کرتے تھے اور یہی حکم آپ کی آل کے لئے بھی ہے۔

۳۹۔ مخزن لاہور بابت اکتوبر ۱۹۱۲ء، جلد ۲۳۔ نمبر ۷۔

۴۰۔ یہ مزار جیل خانہ کی سڑک سے مشرق کی طرف چاند ماری کے پڑاووں کے درمیان واقع ہے۔ چبوترہ پر دو قبریں ہیں۔ ایک محمد فاضل کی جو بزمانہ شاہجہان بادشاہ قادریہ سلسلہ کے ایک عالم فاضل صوفی تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۱۱ھ میں ہوا تھا۔ دوسری قبر ان کے بیٹے شاہ شرف کی ہے جن کا انتقال ۱۱۷۶ھ میں ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مزار حضرت داتا صاحبؒ کے گرد جو بڑی بڑی عمارتیں تھیں، وہ دور دور تک تھیں۔

۴۱۔ گو اس ضرورت کو ایک حد تک انجمن حمایت اسلام لاہور نے پورا کر دیا ہے، کیونکہ انجمن نے حضرتؒ کے مزار کے متصل ایک عالی شان عمارت تعمیر کرا کر وہاں ایک اسلامیہ ہائی سکول جاری کر دیا ہے۔ یہ سکول جس کا بنیادی پتھر ۱۹۱۳ء میں سر میکائل اوڈوائر لاٹ صاحب پنجاب نے رکھا تھا، ۱۹۱۴ء سے برابر جاری ہے۔

۴۲۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ طبیعت کا بڑا سخت اور تلوار کا بڑا دھنی تھا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ موراں کے سامنے بھیگی بلی بنا رہتا تھا۔ مہاراجہ نے موراں کے نام کا سکہ بھی جاری کیا جو تمام پنجاب میں مہاراجہ صاحب کے سکہ کے برابر قیمت پاتا تھا۔ ''تاریخ لاہور'' میں رائے بہادر کنہیا لال لکھتے ہیں کہ مہاراجہ کا دربار برائے نام تھا۔ اصل دربار موراں کے گھر پر ہوتا تھا۔ تمام سکھ سردار اور بڑے بڑے منشی متصدی پہروں باہر کھڑے رہتے تھے۔ مہاراجہ برملا موراں کے گھر پر آتا تھا اور سواری بازار میں کھڑی رہتی تھی۔ موراں نے ایک مسجد بھی ۱۲۲۴ھ میں شاہ عالمی دروازہ کے اندر تعمیر کرائی جو نہایت عمدہ ہے جس کی امامت مہاراجہ صاحب کے حکم سے مولانا غلام رسول و غلام اللہ استاد کل کے سپرد ہوئی تھی، جن کے خاندان سے خلیفہ حمید الدین ایک مشہور عالم گذرے ہیں۔

۴۳۔ سال طبع اول ۱۳۳۲ھ مراد ہے۔

۴۴۔ خان بہادر اگست ۱۹۲۰ء میں فوت ہوئے۔

۴۵۔ محمد خاں کی قبر بھی احاطہ فراز کے باہر واقع ہے، جو ۱۲۴۱ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔

۴۶۔ تحقیقات چشتی۔

۴۷۔ ''تحقیقات چشتی'' کی متضاد تحریروں سے بعض وقت بڑی پریشانی ہوتی ہے۔ مثلاً نواب میر مومن خاں کے متعلق لکھا ہے ''آپ یہاں تک نیک تھے کہ ہر ایک آدمی آپ کو نیک یاد کرتا ہے اور فاتحہ خیر دیتا ہے۔ عہدِ حکومت و نظامت میں صدہا کام نیک ان سے سرزد ہوئے۔'' دوسری جگہ پر اسی نواب کے متعلق لکھا ہے ''نواب میر مومن خاں اور محمود خاں راجپوت قزاق کے ساتھ مل کر لٹیروں اور رہزنوں سے حصہ لینے لگا۔ آخر نواب زکریا خاں نے جو لاہور کا صوبہ دار تھا، اس کو سرزنش کی۔'' ایک ہی مصنف کی ایک ہی شخص کے متعلق دو متضاد رائیں اور ایک ہی کتاب میں۔ یہ معمہ سمجھ میں نہیں آتا۔

۴۸۔ اقتباس الانوار (فارسی) مطبوعہ اسلامیہ پریس لاہور سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں آپ ایک عرصہ تک رہے۔ وہاں کے بہت لوگوں سے آپ نے ملاقاتیں کیں اور نامی صوفیائے کرام سے صحبتیں گرم رہی ہیں۔

۴۹۔ بعض لوگ گنج بخش فیض عالم بھی لکھتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔

۵۰۔ مفصل حالات دیکھنے ہوں تو مؤلف کی کتاب ''یادِ رفتگاں'' اور ''تاریخ شالامار باغ لاہور'' ملاحظہ فرمائیے۔

۵۱۔ طبع ثانی ۱۴۳۹ھ میں ۸۷۴ سال شمار ہونے چاہئیں۔

Marfat.com

حکیم محمد موسیٰ امرتسری

داتا گنج بخشؒ

مخدوم الاولیاء سلطان الاصفیاء حضرت شیخ علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ العزیز اس قدسی گروہ کے سرخیل ہیں جو امام رسل ہادی سبل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی کمال محبت و متابعت سے ولایت کے ارفع و اعلیٰ مقام اور بلند مراتب پر فائز ہو کر خلافت الٰہیہ اور حضرت سید الانبیا ﷺ کی نیابت کبریٰ کے منصب جلیلہ پر متمکن ہوتے ہیں اور چونکہ انہوں نے اپنے آپ کو محبوب خدا کی محبت میں فنا کر دیا ہوتا ہے۔ انہیں بھی مقام محبوبیت عطا ہو جاتا ہے اور وہ زمین پر خلیفۃ اللہ اور مظہر انوار خدا اور نائب محبوب خدا ہوتے ہیں لہٰذا:

۱۔ ان کی ظاہری زندگی میں بے پناہ فیض رشد و ہدایات جاری ہوتا ہے۔

۲۔ برزخی زندگی میں قاسم فیوض و برکات ہوتے ہیں اور ان کا روحانی فیض عوام و خواص کے لئے یکساں ہوتا ہے۔

۳۔ ان کی تعلیمات وارشادات طالبان راہ خدا کے لئے مرشد طریق کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہر مرتبہ واستعداد کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور ظرف کے مطابق ان سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں۔

چنانچہ بہ عطائے الٰہی و بہ فیض سرور عالم ﷺ حضرت داتا گنج بخشؒ نے:

۱۔ اپنی حیات مبارکہ میں کفرستان ہند میں اسلام کا پرچم لہرایا اور اپنی روحانی قوت اور نظر کیمیا اثر کے ذریعے بے شمار گم گشتگان بادیہ کفر وضلالت کو صراط مستقیم پر گامزن کیا اور ان کے سینوں کو نور اسلام سے منور فرمایا۔

۲۔ بعد وصال حضرت شیخ کا مزار پر انوار فیض رسان عالم اور منبع روحانیت وطمانیت ہے۔

نام فقیر تنہاندا باہو قبر جہاندی جیوے ہُو

۳۔ ان کے ارشادات گرامی وافاضات عالی (کشف المحجوب) بجائے خود مرشد کامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

غرضیکہ ایسی محبوبیت و مقبولیت امت محمدیہ (ﷺ) کے بہت کم اولیاء کرام کو حاصل ہوئی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

Marfat.com

حالات زندگی

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ برصغیر پاک و ہند کے اوّلین مبلغین اسلام میں سے ہیں اور ان کا مزار گوہر باران کے فیضان کی وجہ سے عرصہ نوسو سال سے مرجع خواص وعوام چلا آرہا ہے اور ان کی ''کشف المحجوب'' اطراف و اکناف عالم میں شہرت و مقبولیت رکھتی ہے۔ بایں ہمہ ان کے حالات بابرکات پر کوئی قدیم کتاب نہیں ملتی۔ میرے خیال میں اس کی وجوہ یہ ہیں:

(الف) جس زمانے میں حضرت داتا صاحبؒ نے لاہور میں شمع ہدایت روشن کی، اس وقت یہاں مسلمانوں کے نئے نئے قدم جمے تھے اور پورے طور پر سیاسی استحکام حاصل نہیں ہوا تھا۔ ان حالات میں جن مورخین نے تاریخ نویسی کا آغاز کیا، انہوں نے تاریخ کو اپنے آقایان نعمت (فاتحین) کے گرد گھمانا شروع کر دیا اور بعد کے مورخین نے صرف ان بزرگوں کے مختصر حالات لکھے جن کے آستانوں پر ان کے ممدوحین کو شرف حاضری نصیب ہوا۔

(ب) جن حضرات نے بادشاہوں سے ہٹ کر صرف ان نفوس قدسیہ جن کی حکومت لوگوں کے دلوں پر تھی، کے حالات زندگی اور ان کی اسلامی و روحانی خدمات جلیلہ کی تفصیلات کو قلم بند کیا، ان کی تالیفات کو اس خطے کی ازلی بدنصیبی (بہ سلسلہ اتلاف کتب) نے محفوظ نہیں رہنے دیا۔

ظاہر ہے کہ بزرگان دین کے تذکرہ نویسوں میں سے اکثر فن تاریخ کے ماہر نہ تھے لہٰذا وہ بزرگوں کے حالات لکھتے وقت واقعات کے سنین کا صحیح تعین نہ کر سکے جس کے باعث تاریخ دانوں پر بدظنی کا موقع مل گیا۔

بہر حال حضرت داتا صاحب قدس سرہ پر بھی ضرور کام ہوا ہوگا مگر وہ محفوظ نہیں رہ سکا۔ جہانگیری عہد کے مشہور تذکرہ نگار محمد غوثی بن حسن شطاری، حضرت داتا صاحبؒ کے حالات کے ذیل میں بسال ۱۰۲۲ھ لکھتے ہیں:

> ''تواریخ مشائخ کے سابقہ مصنفین کا خیال ہے کہ کشف المحجوب کے مصنف وہ بزرگ ہیں جن کا مزار مبارک لاہور میں ہے۔''[1]

محمد غوثی نے سابقہ مصنفین کا جو حوالہ دیا ہے اس سے واضح ہے کہ حضرت داتا صاحب قدس سرہ کے حالات کے بہت سے مآخذ تلف ہو چکے ہیں...... ان مآخذوں کے اتلاف کا نتیجہ ہے کہ

ع چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

کے مصداق یہاں کے دانشور، تاریخ و تحقیق کے نام پر کوئی نہ کوئی نیا افسانہ پیش کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔[2]

بہر حال موجود و معلوم تذکروں میں سے ''تذکرۃ الاولیاء'' از شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ میں صرف دو جگہ حضرت داتا صاحب کا اسم گرامی درج ہے۔ محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات ''فوائد الفواد'' اور ''درر نظامی میں'' بھی ان کا ذکر خیر آیا ہے۔ ان کے بعد کے ایک ایسے مآخذ سے ایتے (Ethe) نے علمی دنیا کو متعارف کرایا ہے جو انڈیا آفس

Marfat.com

لائبریری لندن میں موجود ہے۔ اس کا نام ''رسالہ ابدالیہ'' ہے جو حضرت مولانا محمد یعقوب بن عثمان[3] غزنوی کی تالیف ہے۔ پھر مولانا جامی نے ''نفحات الانس'' میں، شیخ احمد زنجانی نے ''تحفۃ الواصلین'' (غیر موجود) میں، ابوالفضل نے ''آئین اکبری'' میں، عبد الصمد بن افضل محمد نے ''اخبار الاصفیاء''[4] (خطی) میں، لعل بیگ لعلی نے ''ثمرات القدس'' (خطی) میں، مولانا محمد غوثی نے ''گلزار ابرار'' میں، محمد داراشکوہ نے ''سفینۃ الاولیاء'' میں، مولانا محمد بقا بقا اور بختاور خان نے ''ریاض الاولیاء''[5] میں ذکر کیا ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ کے حالات کے یہی قدیم مآخذ ہیں۔ ان کے بعد لالہ سجان رائے بٹالوی نے ''خلاصۃ التواریخ'' میں اور میر غلام علی آزاد بلگرامی نے ''مآثر الکرام'' میں ضمناً ذکر کیا ہے۔ متاخرین میں سے لالہ گنیش داس وڈیرہ نے ''چار باغ پنجاب'' میں، مفتی غلام سرور نے ''خزینۃ الاصفیاء'' اور ''حدیقۃ الاولیاء'' میں، مولوی نور احمد چشتی نے ''تحقیقات چشتی'' میں حالات لکھے ہیں اور ان کے بعد کے مولفین نے ان ہی کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

مگر ان سب تذکروں اور تاریخوں کے مندرجات کے پڑھنے سے مستند اور قابل اعتماد تاریخی مواد بہت کم ملتا ہے حتیٰ کہ صحیح سن پیدائش بھی معلوم نہیں ہوسکتا۔ تاریخ وصال میں بھی اختلافات ہے اور حضرتؒ کے ورود لاہور کا مسئلہ بھی خاصا پریشان کن ہے۔ غرض کہ حضرت داتا صاحبؒ کے مستند حالات زندگی اسی قدر ملتے ہیں جتنے انہوں نے خود ''کشف المحجوب'' میں بیان کئے ہیں۔

نام ونسب

ابوالحسن کنیت، علی اسم گرامی ہے۔ مفتی غلام سرور نے بحوالہ ''تاریخ متقدمین'' شجرہ نسب اس طرح لکھا ہے:

حضرت مخدوم علی، بن عثمان، بن سید علی، بن عبد الرحمٰن، بن شاہ شجاع، بن ابوالحسن علی، بن حسین اصغر، بن سید زید شہید، بن حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن علی کرم اللہ وجہہ۔[6]

مشہور ماہر علم انساب پیر غلام دستگیر نامی مرحوم (م ۱۳۸۱ھ) نے یہی شجرہ نسب ''تاریخ جلیلہ''[7] اور ''بزرگان لاہور'' میں درج کیا ہے، مگر پانچویں بزرگ کا نام عبد اللہ اور قوسین میں شجاع شاہ تحریر کیا ہے[8] اور درج ذیل نوٹ دیا ہے:

''مفتی غلام سرور نے زید کے ساتھ جو لفظ شہید لکھا ہے وہ ٹھیک نہیں کیونکہ جو زید شہید مشہور ہیں وہ امام زین العابدین بن امام حسین بن علی کے فرزند تھے۔'' (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

''آریانا دائرۃ المعارف'' میں حضرت داتا صاحبؒ پر جو مختصر اور غیر تحقیقی مقالہ درج ہے، اس میں لکھا ہے:

''مولوی غلام سرور لاہوری در خزینۃ الاصفیاء در شرح حال او از سیادت او ذکری نماید، واز مآخذ خود نام نمی برد، جز اینکہ می گوید در تواریخ قدیم نسب او چنیں شمردہ اند.......... بہ حال در ذکر

Marfat.com

نسب او آنچہ مورد اعتماد است و جامی و داراشکوہ نیز آں راواثق دانستہ اند، ہماں ذکرمختصر یست کہ خود شیخ در کشف المحجوب نمودہ و دراں ہیچ گونہ اشارتی نہ تصریحاً ونہ کنائتاً بہ طرف سیادت خود نمودہ است تنہا در غزنی خانوادہ کہ خودرابہ شیخ منسوب واولاد اومی دانند خودراسیدمی شمارند۔''[9]

ترکِ نسب شانِ فقراورنشان عشق ہے۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامیؔ

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزی نیست

اسی بناء پر سیدنا غوث الثقلین حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''قصیدہ غوثیہ'' جوایک خاص حالت میں لکھا گیا، کے سوا کہیں اپنے آپ کو سید نہیں لکھا لہٰذا صاحب مقالہ مذکور کا اس طرف خیال جانا تعجب کی بات ہے۔ بہ ہر حال ایسے لوگوں کے اطمینان کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ داراشکوہ سے دوسوسال پہلے فوت ہونے والے سید محمد نور بخش جو ماہر انساب بھی تھے، نے اپنی کتاب ''سلسلۃ الذہب مشجر الاولیاء'' میں حضرت داتا صاحبؒ کو سید لکھا ہے[10] اور جو یہ لکھا ہے کہ ''غزنی میں وہ خانوادہ جو اپنے آپ کو حضرت شیخ سے منسوب کرتا ہے اور ان کی اولاد جانتا ہے اور اپنے آپ کو سادات میں شمار کرتا ہے۔'' کچھ عجیب سی بات ہے۔ یہ لوگ حضرت داتا صاحبؒ کے ہم جد ہوں گے۔

مولد وموطن

حضرت داتا صاحب قدس سرہ افغانستان کے شہر غزنی کے رہنے والے تھے۔ جیسا کہ خود فرماتے ہیں:

''علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی الہجویری''

داراشکوہ لکھتا ہے:

''حضرت غزنی کے رہنے والے تھے۔ جلاب اور ہجویر غزنی کے محلوں میں سے دو محلے ہیں۔ پہلے جلاب میں قیام پذیر تھے پھر ہجویر میں منتقل ہو گئے تھے۔ ان کے والد ماجد کی قبر غزنی میں ہے......اور ان کی والدہ محترمہ کی مرقد بھی ان کے ماموں تاج الاولیاء کے مزار سے متصل ہے اور ان کے خاندان کے تمام افراد صاحب زہدوتقویٰ تھے[11]......میں ان کے والدین اور ماموں کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں۔''[12]

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے تحریر کیا ہے:

''زبیری صاحب کمشنر بہاولپور نے ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو مجھے بتایا کہ یہ قبریں اب بھی موجود ہیں۔ وہ (زبیری صاحب) غزنی گئے تھے اور انہوں نے ان قبروں کو موجود پایا۔''[13]

سالِ ولادت

حضرت داتا صاحب قدس سرہ کا سال ولادت کسی قدیم کتاب میں درج نہیں اس دور کے مولفین نے ظن و تخمین سے کام لیا ہے۔ پروفیسر نکلسن کا خیال ہے:

''ان کی پیدائش دسویں صدی کی آخری دہائی میں یا گیارہویں صدی کی ابتدائی دہائی میں ہوئی ہوگی۔''[14] یعنی ۳۸۱ھ تا ۴۰۱ھ

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع لکھتے ہیں:

''اندازے سے کہا جاتا ہے کہ ان کی ولادت پانچویں صدی کے شروع میں ہوئی ہوگی۔''[15]

ڈاکٹر معین الحق کی رائے یہ ہے:

''بعض لوگوں نے ان کی پیدائش کا سال ۴۰۰ھ لکھا ہے لیکن اس کو یقینی نہیں کہا جا سکتا۔''[16]

منشی محمد دین فوق رقم فرماتے ہیں:

''ان کی پیدائش کا فخر ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ کو حاصل ہوتا ہے۔''[17]

سال ولادت کے باب میں مذکورۃ الصدر قیاس آرائیوں کی تائید ''رسالہ ابدالیہ'' سے بھی ہوتی ہے یعنی رسالہ مذکور کے مولف نے لکھا ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ وقتاً فوقتاً محمود غزنوی کے دربار میں جاتے تھے اور انہوں نے عنفوان شباب میں ایک ہندی فلسفی سے مناظرہ بھی کیا تھا۔[18] عنفوان شباب سے بیس اکیس سال عمر فرض کر سکتے ہیں۔ محمود ۴۲۱ھ میں فوت ہوا لہٰذا ''رسالہ ابدالیہ'' کی اس روایت کی بناء پر حضرت کا سال ولادت ۴۰۰ھ کے لگ بھگ قرار دیا جا سکتا ہے۔

بقول لین پول، محمود غزنوی س ۳۸۸ھ/۹۹۸ء میں سریر آرائے سلطنت ہوا گویا حضرت داتا صاحبؒ، سلطان محمود کے دور حکومت میں اس وقت پیدا ہوئے جب کہ وہ پاک و ہند پر متعدد بار حملہ آور ہو چکا تھا اور حضرت داتا صاحبؒ اس غازی کے پاس اس کی زندگی کے آخری دو برسوں میں آتے جاتے رہے ہوں گے۔

اساتذہ

حضرت داتا صاحبؒ قدس سرہ علوم ظاہری و باطنی کے بحر زخار تھے۔ ان کی یہ عظمت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ انہوں نے متعدد علماء و فضلاء سے اکتساب علوم کیا ہوگا۔ مولانا جامی نے صرف ''عارف و عالم بودہ'' لعل بیگ

Marfat.com

لعلی نے ''درفنون علوم ماہر بود'' اور مفتی غلام سرور نے ''جامع بود میان علوم ظاہر بو باطن'' لکھنے پر اکتفا کیا ہے مگر ''کشف المحجوب'' جہاں داتا صاحب کے مختصر حالات سے آگاہ کرتی ہے، وہاں ان کے ایک باقاعدہ استاد کے نام نامی کی بھی نشاندہی کرتی ہے۔ حضرتؒ نے اپنے ایک استاد گرامی حضرت ابوالعباس بن محمد شقانی کا ذکر نہایت ادب و احترام سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''مرا بادی انسی عظیم بود ووی را بر من شفقتی صادق، ودر بعضی از علوم استاد من بود......''[۱۹]

حضرت داتا صاحب قدس سرہ جواں عمری ہی میں علوم ظاہری کی تکمیل کر چکے تھے۔ انہیں فطرتاً ولی اللہ ہونے کا مقام و مرتبہ حاصل تھا یعنی وہ بطن مادر ہی سے ولی کامل پیدا ہوئے تھے۔ صاحب ''رسالہ ابدالیہ'' کا بیان ہے۔ حضرت شیخ علی ہجویریؒ نے سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کی موجودگی میں بمقام غزنی ایک ہندوستانی فلسفی سے مناظرہ کیا اور اسے اپنی روحانی قوت سے ساکت وصامت کر دیا۔[۲۰] ظاہر ہے کہ یہ مناظرہ سلطان محمود کی زندگی کے آخری برسوں میں ہوا ہوگا اور اس وقت حضرت کی عمر بیس برس کے لگ بھگ ہوگی۔

مرشدِ ارشد

حضرت داتا گنج بخشؒ سلسلہ جنیدیہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی[۲۱] قدس سرہ (م ۴۶۰ھ) سے بیعت تھے۔ شجرہ طریقت سلطان ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تک اس طرح منتہی ہوتا ہے:

''حضرت شیخ علی ہجویریؒ مرید شیخ ابوالفضلؒ محمد بن حسن ختلیؒ کے وہ مرید حضرت شیخ حصریؒ کے وہ مرید شیخ ابوبکر شبلیؒ کے وہ مرید حضرت جنید بغدادیؒ کے وہ مرید شیخ سری سقطیؒ کے وہ مرید حضرت معروف کرخیؒ کے وہ مرید حضرت داؤد طائیؒ کے وہ مرید حضرت حبیب عجمیؒ کے وہ مرید حضرت حسن بصریؒ کے اور وہ مرید حضرت علی المرتضیٰؓ کے۔'' (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرت داتا صاحبؒ اپنے پیر و مرشد کے علوِ مقام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''صوفیہ متاخرین میں سے اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی ہیں۔ طریقت میں میری اقتداء (بیعت) ان ہی سے ہوئی۔ علم تفسیر اور روایات (حدیث) کے عالم تھے اور تصوف میں حضرت جنید کا مذہب رکھتے تھے۔ حضرت حصری کے راز دار مرید تھے۔ ابوعمر قزوینی اور ابوالحسن سالبہ کے ہم عصر تھے۔ صحیح گوشہ نشینی کے لئے ساٹھ سال تک تنہائی کی تلاش میں پھرتے رہے اور مخلوق کے ذہنوں سے اپنا نام محو کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ زیادہ تر جبل لکام[۲۲] میں قیام پذیر رہے۔ عمر طویل پائی۔ اپنی ولایت کی بہت سی دلیلیں اور

Marfat.com

نشانیاں رکھتے تھے لیکن صوفیہ کی رسوم اور لباس کے پابند نہ تھے اور رسوم میں جکڑے ہوئے صوفیوں سے درشتی سے پیش آتے تھے۔ میں نے ان سے زیادہ کسی کو باہیبت نہیں دیکھا۔"[۲۳]

جس روز حضرت ختلی کا وصال ہوا حضرت داتا صاحبؒ ان کی خدمت میں حاضر تھے اور مرشد ختلی نے مرید ہجویری کی گود میں جان جان آفرین کے سپرد کی تھی۔ اس واقعہ کو یوں بیان فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ ختلی بروز وصال بیت الجن میں تھے۔ یہ ایک گاؤں ہے گھاٹی پر، جو بانیار (رود بانیاں) اور دمشق کے درمیان واقع ہے۔ دم رحلت ان کا سر میری گود میں تھا اور میرا دل انسانی فطرت کے مطابق ایک سچے دوست کی جدائی پر رنجیدہ تھا۔ اس حالت میں انہوں نے فرمایا: اے بیٹا! میں تمہیں اعتقاد کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں۔ اگر اس پر مضبوطی سے عامل رہو گے تو تمام تکلیفوں سے محفوظ رہو گے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ تمام مواقع اور حالات میں نیک و بد کو پیدا کرنے والا خدائے عزوجل ہے لہٰذا اس کے کسی فعل پر کبیدہ نہ ہونا اور رنج کو اپنے دل میں جگہ نہ دینا...... اس کے سوا اور کوئی لمبی وصیت نہیں کی اور جاں بحق تسلیم ہو گئے۔"[۲۴]

حضرت بایزید بسطامی اور مشائخ طیفوریان (رحمہم اللہ) سکر کو ترجیح دیتے تھے اور حضرت جنیدؒ اور ان کے پیرو صحو کو سکر پر فضیلت دیتے تھے۔ حضرت ختلی اور حضرت ہجویری (رحمہا اللہ) جنیدی ہونے کی وجہ سے صحو کی افضلیت کے قائل تھے۔ "کشف المحجوب" میں اپنے مرشد کی رائے نقل فرماتے ہیں کہ سکر بازیچہ اطفال اور صحو مردوں کا میدان فنا ہے:

"شیخ من گفتی ووی جنیدی مذہب بود کہ سکر بازی گاہ کودکان است وصحو فنا گاہ مردان ومنکہ علی بن عثمان الجلابی ام، می گویم: بر موافقت شیخم۔"[۲۵]

سید محمد نور بخشؒ (م ۸۶۹ھ) بانی سلسلہ نور بخشیہ جن کے سلسلہ سے منتسبین اپنے شیخ کے مسلک سے ہٹ کر گمراہ اور بے دین ہو چکے ہیں، نے حضرت داتا صاحبؒ کو دو بزرگوں شیخ ختلیؒ اور شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کا مرید وخلیفہ لکھا ہے:

"...... حضرت علی ہجویری ہم ازیں سلسلہ (جنیدیہ) منسلک است کہ او مرید (و) خلیفہ و مشائخ اند، یکے شیخ ابوالقاسم گرگانی...... دوم شیخ ابوالفضل ابن ختلی ......"[۲۶]

مگر حقیقت یہ ہے کہ شیخ گرگانی، داتا صاحبؒ کے شیخ صحبت یا شیخ تربیت ہیں نہ کہ پیر بیعت۔

ہم عصر مشائخ سے استفادہ

حضرت شیخ ختلی کے علاوہ اور بھی بہت سے مشائخ کرام کے فیض صحبت و شرف مکالمت سے بہرہ یاب

Marfat.com

ہوئے جن کا ذکر خیر "کشف المحجوب" میں مسطور ہے مثلاً ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی قدس سرہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"مرابا وی اسرار بسیار بود واگر باظہار آیات مشغول شوم از مقصود باز مانم۔"[27]

ابوالقاسم امام قشیری قدس سرہ سے بھی صحبتیں رہیں اور ان کا ذکر بڑی عقیدت کے ساتھ کیا ہے:

"استاد امام و زین اسلام عبدالکریم ابوالقاسم بن ہوازن القشیری اندر زمانہ خود بدیع ست و قدرش رفیع ست و منزلت بزرگ و معلوم ست اہل زمانہ راا ز روزگار وی وانواع فضلش، اندر ہر فن وی را لطایف بسیار است و تصانیف نفیس جملہ با تحقیق و خداوند تعالیٰ حال و زبان وی را از حشو محفوظ گردانید ست۔"[28]

حضرت شیخ احمد حمادی سرخسی قدس سرہ کے ساتھ ماوراء النہر میں محبت و دوستی رہی۔ ان کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"خواجہ احمد حمادی سرخسی مبارز وقت و مدتی رفیق من بود واز کار وی عجائب بسیار دیدم، وی از جواں مردان متصوفہ بود......"[29]

حضرت ابوجعفر محمد بن مصباح صیدلانی قدس سرہٗ جو صاحب تصانیف عالم و عارف تھے، ان کی تصانیف ان ہی کے روبرو پڑھیں:

"شیخ بزرگوار ابوجعفر محمد بن المصباح الصید لانی از روساء متصوفہ بود و زبانی نیکو داشت اندر تحقیق و میلی عظیم داشت بہ حسین بن منصور و بعضی از تصانیف وی بروخواندم۔"[30]

حضرت ابوسعید ابوالخیر، شیخ ابواحمد المظفر بن احمد بن حمدان رحمہما اللہ اور متعدد دیگر اولیاء اللہ سے ملاقاتوں کا حال "کشف المحجوب" کے مختلف مقامات پر مذکور ہے۔ صرف خراسان میں تین سو صوفیہ سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔[31]

حضرت خضر علیہ السلام سے استفادہ

لعل بیگ لعلی نے لکھا ہے حضرت شیخ علی ہجویریؒ بہت سے اولیاء وقت کو ملے اور ان کے ہم صحبت رہے۔ نیز حضرت خضر علیہ لاسلام سے گہری دوستی رکھتے تھے اور ان سے علم ظاہری و باطنی حاصل کیا تھا۔

"وبسیاری از اولیاء وقت را در یافتہ و با ایشاں ہم صحبت بودہ و با خضر علیہ السلام دوستی عظیم داشتہ و از وی علم ظاہری و باطنی فرا می ستدہ۔"[32]

Marfat.com

حنفی المذہب

حضرت داتا صاحبؒ حنفی المذہب تھے۔ سیدنا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ اسی سبب سے انہوں نے امام موصوف کا نام نامی واسم گرامی نہایت تعظیم وتکریم سے اس طرح رقم فرمایا ہے:

''امام اماماں ومقتدائے سنیاں، شرف فقہاء وعز علماء ابوحنیفہ بن نعمان بن ثابت الخرازؒ۔''[۳۳]

حضرت امام اعظمؒ کے کمالات کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اپنا ایک ایمان افروز خواب بیان کیا ہے اور اس سے ایک نہایت لطیف نکتہ اخذ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''میں ملک شام میں تھا کہ ایک دفعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ موذن رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روضہ اطہر کے سرہانے سو گیا اور خواب میں دیکھا کہ میں مکہ معظّمہ میں ہوں اور جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر تشریف لائے ہیں اور ایک بوڑھے شخص کو گود میں لئے ہوئے ہیں جس طرح کہ شفقت سے بچے کو گود میں لیتے ہیں۔ میں دوڑ کر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سرکار کے پائے اقدس کو بوسہ دیا۔ میں حیران تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں جنہیں حضور نے اٹھایا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ قوت معجزہ میرے اس باطنی خیال سے آگاہ ہو گئے اور ارشاد فرمایا یہ شخص تیرا اور تیرے ملک والوں کا امام یعنی ابوحنیفہ ہے۔ مجھے اس خواب سے اپنے آپ اور اپنے وطن والوں سے بڑی امیدیں قائم ہو گئیں اور مجھے اس خواب سے یہ راز بھی منکشف ہوا کہ حضرت امام اعظم ان برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں جو اپنے ذاتی اور طبعی اوصاف سے فانی ہو چکے ہیں اور صرف احکام شرع کے لئے باقی و قائم ہیں اس لئے کہ ان کے حامل اور رہبر خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور انہیں خود چلتے دیکھتا تو یہ سمجھتا کہ وہ باقی الصفت ہیں اور جو باقی الصفت ہوتا ہے وہ اجتہادی امور میں مخطی ہوتا ہے یا مصیب چونکہ انہیں اٹھا کر لے جانے والے حضور پُرنور ہیں، اس لئے وہ اپنی ذاتی صفات سے فانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات سے باقی ہیں۔ جب پیغمبر سے کسی خطا کا صدور ممکن نہیں تو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے آپ کو فنا کر چکا ہے، اس سے بھی خطا کا صدور ممکن نہیں۔ یہ ایک لطیف رمز ہے۔''

نکاح

عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

Marfat.com

''قید ازدواج سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آزادی رہی البتہ ایک مقام پر آپ بیتی یوں بیان کرتے ہیں کہ جیسے غائبانہ کسی سے تعلقات محبت قائم ہوگئے تھے اور یہ ایک سال تک اس زخم لطیف کے بسمل بنے رہے۔ پھر آخر اس سے نجات مل گئی۔ بیان ہے اتنا مجمل کہ تفصیلات کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ لکھا ہے۔[۳۶]

''منکہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ مراحق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود، ہم مقدر یروی بفتنہ اندر افتادم وظاہر وباطنم اسیر صفتی شد کہ بامن کردند بی آنکہ رویت بودہ ویک سال مستغرق بودم، چنانکہ نزدیک بود کہ دین برمن تباہ شود، تاحق تعالیٰ مرا بکمال لطف و تمام فضل خود عصمت را باستقبال دل بیچارہ من فرستاد وبرحمت خلاصی ارزانی داشت والحمد اللہ علی جزیل نعماءٖ''[۳۶]

پروفیسر نکلسن نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:

''ازدواجی زندگی کے متعلق ان کا تجربہ بہت مختصر اور ناخوشگوار تھا۔''[۳۷]

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:

''شادی کے متعلق ان کو جو معاملہ پیش آیا وہ خوش آئند ثابت نہ ہوا۔''[۳۸]

اور حاشیہ میں لکھا کہ:

''میور (۲۸۹) یہ خیال کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ حضرت بغیر شادی کے رہے۔''

سید صباح الدین عبدالرحمٰن رقم طراز ہیں:

''تعلقات زناشوئی سے پاک رہے۔''[۳۹]

مگر اسی مجمل عبارت سے جناب محمد دین فوق مرحوم نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حضرت نے دو شادیاں کیں۔ لکھتے ہیں:

''حضرت نے اپنی پہلی شادی کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ کب ہوئی کہاں ہوئی۔ جہاں انہوں نے دوسری شادی کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ''گیارہ سال سے خدا تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا، مقدر نے آخر اس میں پھنسا دیا اور میں عیال کی محبت میں دل و جان سے بن دیکھے ہی گرفتار ہوگیا...... یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ بچپن ہی میں مناکحت کی زنجیروں

میں جکڑ دیئے گئے تھے اور پہلی بیوی کے انتقال کے بعد گیارہ سال تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی پہلی شادی بھی والدین کی موجودگی ہی میں ہوئی تھی اور دوسری شادی بھی ان کی موجودگی بلکہ یقیناً ان ہی کے اسرار سے ہوئی ہوگی۔"

پھر ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں:

"چنانچہ (داتا صاحب) لکھتے ہیں "ایک سال تک اس آفت میں غرق رہا' یہاں تک کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہوجائے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور بخشش اور رحمت سے مجھے خلاصی عطا کی۔" یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ایک سال کے بعد آپ کی دوسری عورت کا بھی انتقال ہوگیا اور پھر آپ نے تادم وصال نکاح کا نام نہیں لیا......"[۱۰]

فوق صاحب نے اس عبارت کا ٹھیک ترجمہ نقل نہیں کیا اور اس سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بھی درست نہیں۔ لہٰذا زیر بحث اقتباس کا ترجمہ یہاں پیش کرنا ضروری ہے۔

داتا صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:

"اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے گیارہ سال تک نکاح کی آفت سے محفوظ رکھا ہوا تھا...... مگر بہ تقدیر الٰہی پھر میں اس فتنہ میں گرفتار ہوگیا اور میرا ظاہر و باطن اس (کسی عورت) کی صفات کا جو مجھ سے دوسروں نے بیان کی تھیں، اسیر ہوگیا اور اسے دیکھے بغیر ہی ایک سال تک اس کے خیال میں مستغرق رہا...... چنانچہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہوجاتا اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف اور فضل تمام سے عصمت (گناہ سے بچنے کی قوت) کو میرے بے چارہ دل کے استقبال کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت سے مجھے (اس فتنہ) سے نجات دلائی۔"[۱۱]

اس عبارت پر غور کیا جائے تو حسب ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

(الف) حضرت نے نکاح کیا تھا مگر اہلیہ جو ان کی مزاج شناس نہ تھیں، وفات پا گئیں۔ پھر گیارہ سال تک تزویج کے تصور وخیال سے بھی ناآشنا رہے۔

(ب) گیارہ سال بعد ایک عورت جسے انہوں نے دیکھا بھی نہیں تھا، محض دوسروں سے اس کی خوبیاں معلوم ہونے پر اس کی محبت میں اسیر ہوگئے اور ایک سال تک اس عشق مجازی میں مبتلا رہے۔

(ج) صوفیہ کے نزدیک عشق مجازی میں گرفتار رہنا ابتلا میں مبتلا رہنا ہے۔ یہ حضرات مجاز میں گرفتاری کو مصیبت وآفت سمجھتے ہیں، اس لئے کہ یہ منزل نہیں ہے۔ المجاز قنطرۃ الحقیقۃ تو قدرت الٰہی نے انہیں مجاز سے نکال کر حقیقت کی راہ پر ڈال دیا اور جو لوگ صورت ظاہری اور مظاہر محسوسہ کے چکر میں پھنسے رہتے

ہیں، وہ برباد ہو جاتے ہیں۔ شیخ عطار فرماتے ہیں:

ہر کہ شد در عشق صورت مبتلا　　　ہم ازاں صورت فتد در صد بلا

حاصل کلام یہ کہ حضرت نے ایک شادی کی تھی۔ اہلیہ کی وفات کے گیارہ سال بعد ایک ایسی عورت کی خوبیوں پر فریفتہ ہو گئے جسے انہوں نے دیکھا تک نہ تھا اور ایک سال تک اس کے عشق میں مبتلا رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے اس عورت کا خیال محو فرما دیا۔ لہٰذا دوسری شادی کا افسانہ محض اختراع طبع ہے۔

تصانیف

حضرت داتا صاحب قدس سرہ کی آخری تصنیف ''کشف المحجوب'' کے مطالعہ اور ان کی نو اور تصانیف کے نام معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں سے ایک بھی دستیاب نہیں۔ بعض کے سرقہ اور دوسروں کا اپنی طرف منسوب کر لینے کا واقعہ حضرت نے خود لکھا ہے۔ بہ ہر حال ان نو تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ دیوان: اس دیوان کو کسی نے اپنی طرف منسوب کر لیا (کشف، ص۲) مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ مجموعہ اشعار عربی میں تھا یا فارسی میں اور اپنا تخلص بھی ظاہر نہیں فرمایا'' اس کے باوجود'' کشف الاسرار'' کے واضع نے ان کا علمی تخلص گھڑ کر ایک غیر معیاری غزل اور چند اشعار بھی شامل کر دیئے ہیں۔

۲۔ کتاب فنا و بقا: مسئلہ فنا و بقا میں (کشف، ص۶۷)

۳۔ اسرار الخرق والمؤنات: ظاہری اور باطنی مرقعہ کے آداب میں (کشف، ص۶۴) اس کتاب کا نام فارسی کے تمام ایڈیشنوں میں یہی لکھا ہے مگر ژوکوفسکی ایڈیشن میں ''اسرار الخرق والملونات'' درج ہے۔

۴۔ الرعایت بحقوق اللہ تعالیٰ: مسائل توحید پر (کشف، ص۳۶۰) اس نام کی ایک تصنیف شیخ احمد بن خضرویہ متوفی ۲۴۰ھ کی بھی ہے جو ''کشف المحجوب'' کے مآخذوں میں شامل ہے اور اسی نام کی ایک کتاب ابوعبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی (م ۲۴۳ھ) کی تصنیف بھی ہے جو لندن سے چھپ چکی ہے۔

۵۔ کتاب البیان لاہل العیان: در معنی جمع و تفرقہ (کشف، ص۳۳۳)

۶۔ بحر القلوب: مسئلہ جمع پر مفصل کتاب ہے (کشف، ص۳۳۳)

۷۔ منہاج الدین: طریقت تصوف اور مناقب اصحاب صفہ میں ہے اور حسین بن منصور حلاجؒ کا حال بھی بیان کیا ہے (کشف، ص:۲، ۹۶، ۱۹۲)۔ دیوان کی طرح اسے بھی کسی نے اپنی طرف منسوب کر لیا۔

Marfat.com

۸۔ایمان: ایمان اور اثبات اعتقادِ مشائخ میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام نہیں بتایا (کشف ،ص ۳۶۸)

۹۔شرح کلام منصور: حسین بن منصور حلاجؒ کے کلام کی شرح (کشف،ص۱۹۲)

ژوکوفسکی کا سہو......فاضل موصوف نے حضرت شیخؒ کی تصانیف میں ایک نام ''فَرق فِرق'' دیا ہے[۴۲] حالانکہ یہ ان کی کسی مستقل تصنیف کا نام نہیں ہے بلکہ ''کشف المحجوب'' کے ایک باب کا نام ہے۔تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ نے بغداد شریف کے نواح میں ملاحدہ کا ایک ایسا گروہ دیکھا جو حضرت حسین بن منصور حلاجؒ سے محبت کا مدعی تھا اور ان کے کلام سے اپنی زندیقیت کو سہارا دیتا تھا اور حلاجؒ کے معاملہ میں مبالغہ کرتا تھا جس طرح کہ روافض حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی محبت میں غلو کرتے ہیں۔اس کے بعد فرماتے ہیں:

''اندر دکلمات ایشان بابی بیاورم اندر فَرق فِرق انشاء اللہ عزوجل۔''[۴۳]

''بابی بیاورم'' سے ژوکوفسکی کا ذہن ایک مستقل تصنیف کی طرف منتقل ہوگیا حالانکہ اس کی مصحح ومحشی ''کشف المحجوب'' کا تیرہواں اور مطبوعہ سمرقند کا یہ چودہواں باب ہے۔

''باب فی فرق فرقھم ومذاھبھم وآیاتھم ومقاماتھم وحکایاتھم''[۴۴]

کشف الاسرار۔آٹھ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ حضرت داتا صاحبؒ کی طرف منسوب ہے جو غالباً پہلی بار مطبع محمدی لاہور میں طبع ہوا، پھر اس کے متعدد اردو ترجمے شائع ہوئے۔طرفہ یہ کہ اکثر محققین نے اسے حضرت داتا صاحبؒ کی تصنیف سمجھ لیا اور اس سے استناد کرتے رہے حالانکہ یہ رسالہ بزبان حال اپنے وضعی ہونے کی خود شہادت دے رہا ہے۔اس سلسلے میں سیر حاصل مقالہ پھر کبھی لکھا جائے گا۔سردست اس کی صرف نقاب کشائی کرنا مقصود ہے۔

(الف) ''کشف الاسرار'' کے جعلی ہونے کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ یہ سبک ہندی میں ہے اور ''کشف المحجوب'' کی نثر دوراول یعنی دور سامانیاں کی ہے اور ان دونوں کی زبان میں فرق کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

(ب) اس کا مؤلف اپنے پراگندہ خیالات کو ایک مشہور ومعروف بزرگ کے نام سے مشتہر دیکھنے کا خواہاں تھا یا اپنے کسی بڑے (جیسا کہ حسام الدین کا نام لیا ہے) کو داتا صاحب سے پہلے کا بزرگ ثابت کرکے اپنی دکان چمکانا چاہتا تھا۔[۴۶] علمی اعتبار سے بھی مایہ ہے۔

(ج) یہ تاریخی حقیقت ہے کہ پنج ہزاری اور ہفت ہزاری خطابات مغلیہ دور میں ایجاد ہوئے یعنی حضرت داتا صاحبؒ کے کئی سوسال بعد......''مگر کشف الاسرار'' کا واضع لکھتا ہے:

''بفہم اگر ہفت ہزاری گردی چہ شد مشت گرد ہستی۔''[۴۷]

ہفت ہزاری کی بات تو کچھ ایسی ہے کہ آج کوئی صاحب اپنے ابا جان کا تذکرہ لکھنے بیٹھیں تو یہ بیان فرمائیں کہ وائسرائے ہند نے انہیں اعلیٰ خدمات کے صلے میں ستارہ خدمت کا خطاب عطا کیا تھا۔

(د) لکھا ہے...... ''پسری تولد شد امام بخش نام نہادند''[48]......ظاہر ہے کہ داتا صاحبؒ کے زمانہ میں ایسے نام رائج نہ تھے۔

(ہ) آخر رسالہ میں تحریر ہے:

''از گفتہ من رنجی نہ کنی وغصہ نہ کنی کہ من راست گفتہ ام، ع
بر رسولاں بلاغ باشد وبس۔''[49]

سعدی کا مصرعہ داتا صاحب کا نقل کرنا کرامت ہی سمجھا جاسکتا ہے۔

(و) لکھا ہے:

''اے علی! تر خلق می گوید گنج بخش دانہ پیش خود نہ داری
دردل خود جامدہ کہ پنداراست گنج بخش و رنج بخش حق است''[50]

''کشف الاسرار'' پر اعتماد کرنے والے مؤلفین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت شیخ علی ہجویریؒ اپنی زندگی ہی میں اس لقب سے ملقب ہوگئے تھے مگر یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ حضرت شیخؒ اس صحیح اور جائز لقب سے قریباً پانچ سو سال بعد ملقب ہوئے۔ مفتی غلام سرور نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہ نے انہیں ''گنج بخش'' کہا، قدیم تذکروں اور ملفوظات خواجگان چشت سے ہرگز ہرگز اس کی تائید نہیں ہوتی۔

(ز) اس وضّاع (مؤلف کشف الاسرار) کی دین سے خبرداری ملاحظہ ہو:

''در تفسیر آمدہ است واز حسام الدین لاہوری شنیدم اگر
مردی بر گور مادر و پدر سجود کند کافر می شود''[51]

اب ''کشف الاسرار'' اور ''کشف المحجوب'' کے بیانات میں تضاد ملاحظہ ہو:

کشف الاسرار	کشف المحجوب
از قبلہ خود شنیدہ بودم زاد من ہجویر است[52] یعنی ہجویر ان کا دوسرا مسکن تھا۔	علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی ثم الہجویری
''...... معشوق بگزیں وجان خود را فدای او کن وبگو کہ اگر جان در راہ او فدا شود۔ بہ است۔''[53]	''من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از بس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود ہم بہ تقدیروی بفتنہ اندر افتادم وظاہر و باطنم اسیر صفتی شد کہ با من کردند بی آن کہ رویت بودہ ویک سال مستغرق بودم چنانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ بہ کمال لطف وتمام فضل خود عصمت استقبال دل بیچارہ من فرستاد و برحمت خلاصی ارزانی داشت والحمد للہ علیٰ جزیل نعمائہ۔''[54]

حضرت داتا صاحبؒ عشقِ مجازی سے نجات پر خدا کا شکر بجا لا رہے ہیں اس لئے کہ اس میں دین کے تباہ ہونے کا خطرہ تھا مگر صاحب ''کشف الاسرار'' معشوق پر فدا ہونے کی تلقین کر رہا ہے۔ اگر اس سے عشقِ حقیقی مراد ہو تو بھی یہ داتا صاحبؒ کا انداز بیان نہیں ہے۔

''چوں در ہندوستان آمدم نواحی لاہور راجنت مثال یافتم''۔[55]

''من اندر دیار ہند در بلدہ لہانور کہ از مضافات ملتان است درمیان ناجنساں گرفتار شدہ بودم۔''[56]

''کشف المحجوب'' کی عبارت تو یہ واضح کر رہی ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ لاہور میں اپنے آپ کو ناجنسوں میں قید سمجھ رہے ہیں اور ''کشف الاسرار'' ان کے لئے اس ماحول کو جنت مثال قرار دے رہی ہے اور داتا صاحبؒ کے زمانے میں لاہور کو لہانور یا لہاور وغیرہ لکھا جاتا تھا۔ لاہور اس وقت نہیں لکھا جاتا تھا۔

''بیت واشعار بسیار گفتہ ام دیوانی گفتم بسیار مطبوع و پسندیدہ واز نظر خود گزیناں بر آمدہ۔'' اے طالب من! ہر روز برائے دیدن دیدار ارمی روم، لیکن گاہی گاہی بنظر من آں ماہ خنداں می آید و دیوان رابدیں حالت گفتہ بودم وقتی کہ روی یار دیدمی غزل از دہانم بےفکر بر آمدی دراں فکری نہ کردہ ام۔''[57]

''......مرا ایں حادثہ افتاد دوبار یکی آنکہ دیوان شعر م کسی بخواست دباز گرفت واصل نسخہ جز آں نہ بود، آں جملہ بگردانید ونام من از سر آں بیفگند ورنج من ضائع گردانید تاب اللہ علیہ۔''[58]

''کشف الاسرار'' کے ان اقتباسات سے واضح ہے کہ یہ انداز بیان اور طرز زندگی صاحب صحو داتا صاحبؒ کا نہیں ہے اور انہوں نے اپنے دیوان کے سرقہ کا ذکر بڑے دکھ کے ساتھ کیا ہے۔ نیز پوری ''کشف المحجوب'' میں اپنا کوئی شعر درج نہیں کیا مگر اس وضاع نے ایک غیر معیاری غزل اور دو شعر بھی ان کے سر منڈھ دیئے ہیں۔

قارئین کرام کی تفریح طبع کے لئے ایک اور اقتباس نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں:

''پیری بود شیخ بزرگ نام اوشان مرا گفتند کہ اے علی کتابی درین عمر تصنیف بکن کہ یادگاری تو بماند گفتم یا ایھا الشیخ ان لا یعلم من علم ۔ بسیار چسپیدسن من الحال اثنا عشر کہ ہستند' درمیان ہمیں عمر در بلدہ ہجویر تصنیف کردہ ام و ورادادم او مرا گفت کہ تو بزرگ خواہی شد......''[59]

اس زبان کی خوبیاں اور لطافتیں تو عیاں ہی ہیں مگر ''کشف المحجوب'' میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا...... تفریح طبع کا سامان اس میں یہ ہے کہ اس کا مؤلف چونکہ لاہور کا باشندہ ہے اور یہاں بے حد اصرار کرنے والے کو کہتے ہیں ''چمڑ ای گیا اے'' ''یعنی چمٹ ہی گیا ہے'' لہٰذا اس نے شیخ بزرگ کے بہت زیادہ اصرار کو ''بسیار چسپید'' کے ذریعے واضح کیا ہے۔

Marfat.com

کشف المحجوب

حضرت داتا گنج بخشؒ کی تصنیف منیف ''کشف المحجوب'' جو انہوں نے آغوش رحمت خداوندی میں بیٹھ کر لکھی ہے، مسائل شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے اور اولیاء متقدمین کے حالات بابرکات اور ان کی مقدس تعلیمات کا بہترین خزینہ ہے۔ نیز فارسی زبان میں تصوف واحسان پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور اسے ہر دور کے اولیاء اللہ اور صوفیہ کرام نے تصوف کی بے مثل کتاب قرار دیا ہے۔ ''کشف المحجوب'' کاملین کے لئے رہنما ہے تو عوام کے لئے پیر کامل کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ عوام میں سے اس کا مطالعہ کرنے والوں کو دولت عرفان وایقان حاصل ہوتی ہے اور شک وشبہات کی وادی میں بھٹکنے والے یقین کی دنیا میں آباد ہوتے ہیں اور اس کے بار بار کے مطالعہ سے حجابات اٹھ کر نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں۔ اس نادر وبے مثل کتاب کو جو مقبولیت و پذیرائی نصیب ہوئی، وہ اس موضوع کی کسی اور فارسی میں لکھی جانے والی کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔ اکابر اولیاء اللہ نے خود اس سے استفادہ کیا اور طالبان حق کو اس سے مستفید ہونے کی تلقین فرمائی اس لئے کہ اس میں ناقصوں اور کاملوں کے لئے سامان ہدایت موجود ہے اور اس کے برعکس بعض کتب تصوف ''فصوص الحکم'' وغیرہ میں صرف خواص بلکہ اخص الخواص کے لئے رہنمائی ہے اور ناقصین کے لئے حیرانی وسرگردانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

وجہ تسمیہ وکیفیت کشف المحجوب

''کشف المحجوب'' حضرت داتا گنج بخشؒ کی آخری تصنیف ہے جو انہوں نے جناب ابوسعید ہجویریؒ کی درخواست پر لکھی اور ان کے سوالات کی اساس پر یہ نورانی صحیفہ تیار ہوا۔ اس مبارک کتاب کی وجہ تسمیہ اور غایت تصنیف حضرت شیخ کے قلم اعجاز رقم نے یہ لکھی ہے:

> ''یہ جو میں نے کہا ہے کہ اس کتاب کو ''کشف المحجوب'' (پنہاں کو عیاں کرنے والی) کے نام سے موسوم کیا ہے اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ کتاب کا نام ہی اس کے موضوع اور مطالب کو عیاں کردے اور اہل بصیرت اس کا نام سنتے ہی جان لیں کہ اس میں کیا ہے اور یہ واضح رہے کہ اولیاء اللہ اور عزیزان بارگاہ خداوندی کے سوا تمام عالم (وعالمایاں) رموز واسرار خداوندی کے حقائق کو سمجھنے سے محجوب ومستور ہیں۔ چونکہ یہ کتاب سیدھی راہ بتانے اور عارفانہ کلمات کی تشریح وتوضیح اور بشریت کے حجاب رفع کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہے لہٰذا اسے کسی اور نام سے موسوم کرنا مناسب نہیں سمجھا اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حجاب کا اٹھنا محجوب (پوشیدہ) کی موت ہوتا ہے اسی طرح حجاب کا آنا مکاشف (ظاہر شدہ) کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے......''[11]

Marfat.com

حضرتؒ نے یہ کتاب اپنی عمر کے آخری حصے میں تحریر فرمائی اور اس کا تین چوتھائی حصہ یقیناً لاہور میں لکھا۔ وہ ایک مقام پر رقم فرماتے ہیں:

''اس وقت اس سے زیادہ ممکن نہیں اس لئے کہ میری کتابیں غزنی (حرسہا اللہ) میں رہ گئی ہیں اور میں ہند کے شہر لاہور میں جو مضافات ملتان میں سے ہے، ناجنسوں کے درمیان گرفتار ہوں''[62]

حضرت نے اپنی کتابوں کے غزنی رہ جانے کا جو ذکر کیا ہے، اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان کے پاس کتابیں بالکل نہیں تھیں بلکہ وہ شاکی اس کے ہیں کہ ایک متبحر عالم اور فاضل مصنف کو جس بہتات سے کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ یہاں پوری نہیں ہوسکتی تھی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''امام قشیری کی طرح شیخ ہجویری نے تصوف کو اسلامی شریعت سے قریب[63] لانے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ شیخ کے حالات میں بڑی صفائی اور انداز بیان میں بڑی گہرائی ہے۔ تصوف کی کتابیں اب تک عربی میں تھیں اس لئے عوام کو استفادہ کا موقع بہت کم تھا۔ یہ پہلی کتاب ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی۔ حقیقی تصوف کو عوام تک پہنچانے میں اس کتاب کا بڑا حصہ ہے۔''[64]

پھر لکھتے ہیں:

''شیخ ہجویری کی اس کتاب نے ایک طرف تصوف سے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دور کیا، دوسری طرف اس کی ترقی کی راہیں کھول دیں۔''[65]

شیخ ابوسعید ابوالخیر نے اپنی رباعیات، شیخ عبداللہ ہروی نے اپنی مناجات اور شیخ ہجویریؒ نے اپنی ''کشف المحجوب'' کے ذریعے تصوف کے خیالات کو عوام تک پہنچا کر تصوف کے عوامی تحریک بننے اور سلاسل کے منظم ہونے کا سامان بہم پہنچایا ہے۔

کشف المحجوب

صوفیہ کرام اور مؤرخین کی نظر میں

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی قدس سرہ کی نہایت اہم رائے ان کے ملفوظات ''درر نظامی'' (خطی) ہے۔ مرتبہ شیخ علی محمود جاندار میں درج ہے:

Marfat.com

''دمی فرمودند ''کشف المحجوب'' از تصنیف علی ہجویری است قدس اللہ روحہ العزیز اگر کسے را پیری نہ باشد، چوں ایں را مطالعہ کند اورا پیدا شود......من ایں کتاب را بہ تمام مطالعہ کردہ ام۔''٦٨ے

چنانچہ حلقہ بگوشان حضرت محبوب الٰہیؒ جن کتب تصوف کے مطالعہ کے شائق تھے، ان میں ''کشف المحجوب'' شامل تھی۔ برنی لکھتا ہے:

''واشراف و اکابر کہ بخدمت شیخ پیوستہ بودند در مطالعہ کتاب سلوک وصحائف احکام طریقت مشاہدہ می شدو کتاب ''قوت القلوب'' و''احیاء العلوم'' و''ترجمہ احیاء العلوم'' و ''عوارف و ''کشف المحجوب'' ''وشرح تعرف'' و''رسالہ قشیری'' و''مرصاد العباد''، ''مکتوبات عین القضاۃ'' ''ولوائح ولوامع'' قاضی حمید الدین ناگوری'' و''فوائد الفواد'' امیر حسن رابواسطہ ملفوظات شیخ خریداران بسیار پیدا آمدند و مردمان پیشتر از کتابیان از کتب سلوک وحقائق باز پرس کردند۔''٦٩ے

سلطان التارکین حمید الدین حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ (م ٧٣٧ھ) خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین سہروردی ملتانیؒ نے اپنے مرشد ارشد (حضرت رکن الدین) کی شان میں متعدد مدحیہ نظمیں لکھی ہیں۔ ایک نظم میں اپنے مرشد کے کمالات کو تیس معتبر کتب کے اسماء سے بیان کیا ہے۔ ''کشاف کشف المحجوب'' کی بندش ملاحظہ ہو۔

''گشت کشاف کشف ہم محجوب......فہم تو اے فہیم ذوالاقدار۔''٧٠ے

شہزادہ محمد داراشکوہ (م ١٠٦٩ھ) نے لکھا ہے:

''حضرت پیر علی ہجویری را تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور ومعروف است وہیچ کس را برآن سخن نیست و مرشدی است کامل در کتب تصوف بخوبی آن در زبان فارسی کتابی تصنیف نہ شدہ۔''٧١ے

شیخ محمد اکرم براسوی صابری علیہ الرحمتہ (م ١١٥٩ھ) اپنی مشہور تصنیف ''اقتباس الانوار'' جو ١١٣٢ھ میں لکھی گئی، میں رقم طراز ہیں:

''صوفیہ کے طبقہ اول میں علوم و اسرار مشائخ، طالبوں کو رموز و اشارات میں تعلیم کئے جاتے تھے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی اور چند تصانیف بھی ان کی تھیں جنہیں عوام پر ظاہر نہیں کرتے تھے مگر طبقہ ثانی میں جب سید الطائفہ جنید بغدادی، خواجہ ابوالحسن نوری، خواجہ ابو سعید خراز اور خواجہ ابوبکر شبلی کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے یہ رموز و اشارات یعنی اخفا کے طریقہ کو

Marfat.com

ترک کر کے طالبوں کو ان علوم کا علانیہ درس دینا شروع کر دیا۔ اس وقت سے ہر سلسلہ کے مشائخ نے تصوف پر کتابیں لکھنا شروع کر دیں جن کی تفصیل طوالت کا موجب ہوگی لہٰذا اس موقع پر صرف ان چند معتبر کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا مطالعہ جمیع مشائخ کا معمول ہے۔ پہلی کتاب جو خانوادہ جنیدیہ میں لکھی گئی ''طبقات صوفیہ'' تصنیف ابوعبدالرحمٰن سلمی ہے اور اس کے بعد شیخ علی بن عثمان ہجویری غزنوی جنیدی نے ''کشف المحجوب'' لکھی۔[۲] (ترجمہ بہ تغیر یسیر)

مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم (م ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:

''شیخ علی ہجویری را تصانیف بسیار است اما 'کشف المحجوب'' از مشہور و معروف ترین کتب وی است و ہیچ کس را بروی جائے سخن نی بلکہ پیش ازیں در کتب تصوف ہیچ کتابی بہ زبان فارسی تصنیف نہ شدہ بود۔''[۳]

محمد بن عبدالوہاب قزوینی (ایران) مقدمہ ''تذکرۃ الاولیاء'' میں رقم طراز ہیں:

''ولی در زبان فارسی آنچہ درنظر است دو کتاب است کہ قبل از ''تذکرۃ الاولیاء'' تالیف شدہ یکی ''کشف المحجوب لارباب القلوب'' لابی الحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری الغزنوی المتوفی سنۃ ۴۶۵ ...... و دیگر ترجمہ ''طبقات الصوفیہ.....'' للسلمی کہ آں را شیخ الاسلام ابواسماعیل عبد اللہ بن محمد الانصاری الخزرجی المتوفی ۴۸۱ در مجالس وعظ و تذکیر املا نمودہ''[۴]

کشف المحجوب

بحیثیت مآخذ کتب تصوف

''کشف المحجوب'' کو صوفیہ کرام کے مشہور و مستند تذکروں اور تصوف کی معتبر کتابوں کا مآخذ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے...... حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ (م ۶۶۷ھ) نے اپنی معروف ترین کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' میں ''کشف المحجوب'' سے صوفیہ متقدمین کے حالات اور ان کے اقوال معمولی سی تبدیلی الفاظ کے ساتھ نقل کئے ہیں۔ ملک الشعراء بہار نے لکھا ہے:

''عطار ظاہراً از کتاب ''کشف المحجوب'' استفادہ کردہ است و غالباً عبارات آں بدون ذکر خود کتاب یا مؤلف باندک تصرفی کہ تبدیل کہنہ بہ نو باشد نقل نمودہ است۔''[۶]

ملک الشعرا بہار نے ''سبک شناسی'' (ص: ۲۰۶۔۲۰۹) میں اس کی واضح مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

Marfat.com

روسی مستشرق ژوکوفسکی کی تحقیق یہ ہے:

''شیخ عطار در ''تذکرۃ الاولیاء'' خود مکرر از کشف المحجوب ہجویری جلابی غزنوی استفادہ کردہ ودر موارد متعدد بدون ذکر ماخذ از او اقتباساتی کردہ است ودر اغلب ایں موارد فقط بذکر عبارت (نقلست) اکتفا ورزید۔''[۷۷]

حضرت شیخ عطارؒ نے ''تذکرۃ الاولیاء'' میں صرف دو مقام پر حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کا اسم گرامی تحریر کرکے اُن کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اوّل سیدنا حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) کے حالات[۷۸] میں۔ دوم: حضرت ابن عطاؒ (م ۳۰۹ھ) کے ذکر میں۔[۷۹]

حضرت مولانا جامیؒ کا استفادہ:

''نفحات الانس'' میں مولانا جامی نے ''کشف المحجوب'' سے چند بزرگوں کے حالات لئے ہیں مثلاً حضرت شیخ ختلی قدس سرہ کے حالات ''کشف المحجوب'' ہی سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح دیگر مقامات پر بھی اخذ واستفادہ کیا ہے...... اس موقع پر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ زمانہ قدیم میں اخذ واستفادہ کا یہی طریقہ تھا، لہٰذا اسے معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

حضرت خواجہ شرف الدین یحیٰ منیری قدس سرہ (۷۸۲ھ) اپنے مکاتیب شریفہ میں ''کشف المحجوب'' کی عبارات بطور سند نقل کرتے ہوئے حضرت داتا صاحبؒ کی عظمت کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

''صاحب ''کشف المحجوب'' کہ مقتدائی عصر خود بودہ است''[۸۰]

حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ (م بعد از ۸۲۵ھ) کے مجموعہ ملفوظات ''لطائف اشرفی'' مرتبہ حضرت نظام غریب یمنی میں متعدد مقامات پر ''کشف المحجوب'' کے حوالے ملتے ہیں، مثلاً:

۱۔ ''می فرمودند کہ صاحب ''کشف المحجوب'' را......''[۸۱]

۲۔ صاحب ''کشف المحجوب'' گوید......''[۸۲]

حضرت خواجہ پارسا نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''فصل الخطاب'' کی متعدد فصول اور مختلف مقامات پر ''کشف المحجوب'' کی عبارتیں نقل کی ہیں اور نہایت تعظیم وتکریم سے حضرت داتا گنج بخشؒ کا ذکر کیا ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''شیخ عالم، عارف، زاہد، مجاہد شیخ الشیوخ قدوۃ اہل الطریقۃ کاشف اسرار الحقیقت ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الغزنوی رحمہ اللہ کہ از اقران سلطان طریقۃ وبرہان حقیقت شیخ ابوسعید بن ابوالخیر فضل اللہ بن محمد بن احمد المیہنی است قدس اللہ تعالیٰ روحہ واقتدائی ہر دو بزرگوار در طریقت بزین اوتادو شیخ عباد ابوالفضل محمد بن الحسن السرخسی است قدس اللہ روحہ در کتاب ''کشف المحجوب لارباب القلوب'' آوردہ است......''[۸۳]

Marfat.com

التباس حضرت پارسا رحمہ اللہ

حضرت خواجہ پارسا رحمہ اللہ نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت شیخ علی ہجویریؒ اور حضرت ابوسعید بن ابی الخیر (رحمہا اللہ) حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن سرخسی رحمہ اللہ کے مرید تھے، صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کے پیران طریقت کا ایک ہی نام تھا مگر مسکن علیحدہ علیحدہ ...... محض ہم نامی کی وجہ سے انہیں یہ اشتباہ ہوگیا۔ حضرت ابوسعید کے حالات کے سلسلے میں ''کشف المحجوب'' میں بتایا گیا ہے کہ ان کے مرشد سرخس میں رہتے تھے۔

''دراں وقت والی سرخس شیخ ابوالفضل حسن بود''[۸۴]

مولانا جامی قدس سرہ نے شیخ ابوالفضل بن حسن السرخسی قدس سرہ کے حالات کے شروع میں لکھا ہے:

''شیخ ابوالفضل بن حسن السرخسی قدس سرہ نام وی محمد بن الحسن است وی مرید ابونصر سراج است و پیر شیخ ابوسعید ابوالخیر۔''[۸۵]

پھر شیخ ابوسعید کے حالات میں رقم فرمایا ہے:

''پیروی در طریقت شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسی است۔''[۸۶]

ہم نامی کی وجہ سے جو التباس واشتباہ پیدا ہوجاتا ہے اس کے پیش نظر حضرت داتا صاحب کے مرشد ارشد کے حالات لکھتے وقت شروع ہی میں وضاحت کردی ہے:

''ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی قدس سرہ وی غیر ابوالفضلؒ بن حسن سرخسی است۔''[۸۷]

معلوم ہوتا ہے کہ ''فصل الخطاب''، حضرت خواجہ یعقوب چرخی غزنوی صاحب ''رسالہ ابدالیہ'' کے پیش نظر تھی لہٰذا انہوں نے ''فصل الخطاب'' کے اس بیان پر اعتماد کرتے ہوئے لکھ دیا کہ حضرت ابوسعید ابوالخیر اور حضرت علی ہجویریؒ دونوں بھائی (پیر بھائی) تھے[۸۸] اور خواجہ پارسا کے تتبع میں ''کشف المحجوب'' کے نام کے ساتھ ''لارباب القلوب'' کا اضافہ بھی روا رکھا...... ''کشف المحجوب'' کے نام کے ساتھ ''لارباب القلوب'' کے اضافے پر بحث آگے آئے گی۔ انشاء اللہ۔

حضرت ابوفتح سید محمد حسینی گیسو دراز قدس اللہ سرہ العزیز (م ۸۲۵ھ)

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے اپنی بے مثل تصانیف میں ''کشف المحجوب'' کے حوالے دیئے ہیں۔ ان کے مکتوبات شریف کا مجموعہ پیش نظر ہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''آں محقق مدقق آں شیخ برحق آں صوفی معنوی وصوری ابوعلی عثمان (علی بن عثمان) ہجویری قدسی نقل کردہ است۔''[۸۹]

ان مکاتیب شریفہ کا متن اغلاط سے پُر ہے۔ مصحح نے تصحیح کی امکانی کوشش کی ہے مگر پھر بھی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ حضرت داتا صاحبؒ کے اسم گرامی کو جو ''ابوعلی عثمان'' لکھا ہے، یہ بھی کتابت کی غلطی ہے۔

شیخ محمد اکرم صابریؒ نے ''اقتباس الانوار'' کے ماخذوں کی فہرست اس کے صفحہ تین پر دی ہے جس میں ''کشف المحجوب'' کا نام درج ہے۔

ژوکوفسکی لکھتا ہے:

''درتالیف و تدوین ''سفینتہ الاولیاء'' ''خزینتہ الاصفیاء'' ''نامہ دانشوران''[۹۰] ''وطرایق الحقائق''[۹۱] نیز از ''کشف المحجوب'' استفادہ ہای بسیار و اقتباسات مکرر و متعددی شدہ است''[۹۲]

مراجع ومنابع کشف المحجوب

''کشف المحجوب'' سے استفادہ واستفاضہ کرنے والے اولیاء کرام اور مؤرخین کے ذکر کے بعد حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کی نورانی تصنیف کے مراجع ومنابع کا بیان اشد ضروری ہے۔

(الف) فیض عالم قدس۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام (الانعام ع ۱۵) یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے...... افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ ...... یعنی جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور (روشنی) پر ہوتا ہے...... اور جسے حق تعالیٰ شرح صدر کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے تو اسے اپنے انوار وتجلیات سے نوازتا ہے اور عالم قدس سے جو انوار اس کے قلب پر وارد ہوتے ہیں، ان کی برکات سے کشف حقائق ہوتا ہے اور رموز حقیقت واسرار معرفت منکشف ہوتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کا صحیح فہم وادراک حاصل ہوتا ہے، غرض کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی تصنیف منیف کا منبع اول یہی فیض عالم قدس ہے۔

وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

(ب) قرآن مجید

(ج) احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

پروفیسر ژوکوفسکی نے ''کشف المحجوب'' کے دقیق مطالعہ کے بعد اس کے منابع ومآخذ تلاش کئے ہیں اور اپنے مقدمہ ''کشف المحجوب'' میں ان کے نام درج کئے ہیں۔

Marfat.com

۱۔تاریخ اہل صفہ: تالیف حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی متوفی س ۴۱۲ھ (کشف، ص ۹۹) حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں اس تالیف کا نام نہیں لکھا مگر ''تاریخ اہل الصفوۃ'' کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ زیر بحث کتاب ہی ہو (جلد دوم۔ نمبر شمار ۲۱۶۸)

۲۔کتاب سُلّمی: (کشف، ص ۱۴۱) جو بعد میں ''طبقات الصوفیہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

۳۔کتاب قشیری: (کشف، ص ۱۴۱) ''جو الرسالتہ القشیریہ'' کے نام سے معروف ہے۔

۴۔کتاب محبت: (کشف، ص ۳۹۹) تالیف عمر بن عثمان مکی متوفی ۲۹۶ھ۔۲۹۷ھ شیخ عطار نے بھی ''تذکرۃ الاولیاء'' میں اس سے استفادہ کیا ہے۔ (تذکرہ طبع لاہور، ص ۲۳۳)

۵۔لمع (فی التصوف): تالیف ابو نصر سراج (یافعی نے ''مراۃ الجنان'' میں لکھا ہے کہ اس کا سال اتمام تصنیف ۳۷۸ھ ہے)

۶۔تاریخ المشائخ: تالیف محمد بن علی حکیم ترمذی (کشف، ص ۵۰)

۷۔کتاب مقدسی (کشف، ص ۳۳۴) ممکن ہے کہ یہ وہی ''رسائل اخوان الصفا'' ہوں جن کے مولفین میں سے ایک ابوسلیمان البستی المقدسی ہے۔

۸۔حکایات عراقیاں: (کشف، ص ۵۶) از تصانیف شیوخ صوفیہ عراق۔

۹۔حکایات: حضرت علی ہجویری قدس سرہ نے ''کشف المحجوب'' میں بار بار فرمایا ہے: ''اندر حکایات یافتم۔'' بنابریں یہ واضح ہے کہ یہ کتاب ''کشف المحجوب'' کے ماخذوں میں سے ہے۔

منابع درجہ دوم

مشہور اور اہم کتابیں جو ''کشف المحجوب'' کی تصنیف کے وقت دوسرے درجہ پر حضرت داتا صاحبؒ کے پیش نظر رہیں، ان کے نام یہ ہیں:

۱۔تصانیف حسین بن منصور حلاجؒ، ''کشف المحجوب'' کے بیان کے مطابق ان کی تعداد پچاس اور اقطار و اکناف خوزستان، فارس اور خراسان میں منتشر ہو چکی ہیں۔ (کشف، ص ۱۹۱)

۲۔تالیف ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی...... (کشف، ص ۲۱۴ و ۳۳۴)

۳۔رسائل ابو العباس سیاری......حضرت داتا صاحبؒ نے ان کے پیروؤں کو مرو اور نسا میں دیکھا لہٰذا یہ رسائل

Marfat.com

بھی ان ہی شہروں میں دیکھے ہوں گے۔

۴۔رسائل حکیم ترمذی۔ یہ رسائل حضرت داتا صاحب قدس سرہ کی توجہ کا مرکز رہے۔(کشف،ص۱۷۸،۴۳۹) اوران کے نام یہ ہیں: "بیان آداب المریدین"،"ختم الولایت"،"کتاب النہج"،"نوادر الاصول" (فی معرفت اخبار الرسول)

۵۔کتاب سماع۔ازابوعبدالرحمٰن سلمی (کشف،ص۵۲۳)

۶۔روایات۔ازابوالفضل ختلی مرشد ہجویری رحمہا اللہ (کشف،ص۱۱۰)

۷۔غلط الواجدین۔ازتصانیف ابومحمد رویمی۔(کشف،ص۱۷۰)

اب ان کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جومستقلاً حضرت ہجویری قدس سرہ کا مراجع نہیں ہیں بلکہ کبھی کبھی ان کی طرف رجوع کیا گیا۔

۱۔تصحیح الارادہ۔ازتصانیف حضرت جنید بغدادی قدس سرہ (کشف،ص۴۳۹)

۲۔الرعایہ بحقوق اللہ۔ازتالیف احمد بن خضرویہ۔(کشف،ص۴۳۹)

۳۔کتاب اندراباحت سماع۔مؤلف نامعلوم (کشف،ص۵۲۴)

۴۔کتاب اندرمرقعہ۔ازتصانیف ابومعمار اصفہانی (کشف،ص۶۲)

۵۔کتاب رغایب۔ازتصانیف ابوعبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی دراصول تصوف (کشف،ص۱۳۴) حاجی خلیفہ نے"کشف الظنون" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۶۔مراۃ الحکماء۔ازتصانیف شاہ شجاع کرمانی (کشف،ص۱۷۴)

آخر میں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ مذکورۃ الصدر کتب ورسائل کے علاوہ اور تصانیف وتوالیف بھی صاحب"کشف المحجوب" کے زیرنظر رہی ہیں جن کے مصنفین ومؤلفین کے صرف اسماگرامی تحریر کرنے پر اکتفا کی گئی ہے مثلاً تصانیف یحییٰ رازی (کشف،ص۱۵۳) تالیف ابوبکر وراق (کشف،ص ۱۷۹۔۴۳۹) آثار سہل بن عبداللہ (کشف،ص۴۳۹) کتب مشائخ (کشف،ص۳۳۴) اورابوحمدون قصاروصوفیہ قصاریان کے اقوال مکرر نقل کیے گئے ہیں۔(کشف،ص۳۲۸)[۹۵]

رسالہ قشیریہ اورکشف المحجوب

حضرت امام ابوالقاسم قشیری قدس سرہ (م۴۶۵ھ) حضرت شیخ علی ہجویری قدس سرہ کے معاصر ہیں اور

Marfat.com

حضرت مخدوم ہجویریؒ نے ان سے ملاقات بھی کی ہے اور ''کشف المحجوب'' میں ان کی جلالت شان کے معترف ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ حضرت داتا صاحبؒ کے استاد بھی ہیں مگر ''کشف المحجوب'' سے اس خیال کی تائید وتصدیق نہیں ہوتی۔ امام قشیری نے ''الرسالتہ القشیر یہ'' ۴۳۷ھ میں لکھنا شروع کیا اور اوائل ۴۳۸ھ میں مکمل کرلیا تھا اور ''رسالہ قشیریہ'' ''کشف المحجوب'' کی تصنیف کے وقت حضرت داتا صاحبؒ کے پیش نظر تھا...... یہ دونوں کتابیں جو ایک ہی موضوع سے متعلق ہیں اور ہم عصر بزرگوں کی تصانیف ہیں، ان دونوں میں جو نمایاں فرق ہے، اسے سمجھنے کے لئے درج ذیل آرا مفید ثابت ہوں گی۔

ڈاکٹر پیر محمد حسن مترجم ومحشی رسالہ ''قشیریہ'' فرماتے ہیں:

''ہجویری نے اس کتاب (''کشف المحجوب'') میں قشیری کے رسالہ کا تتبع کیا ہے اور بعض ایسے امور سے بحث کی ہے جن کا رسالہ میں کوئی ذکر نہیں۔''۹۶

مخدومی پیر صاحب نے حضرت داتا صاحب کو امام قشیری کا تتبع لکھنے کے ساتھ یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ شیخ ہجویری نے ''بعض ایسے امور سے بحث کی ہے جن کا رسالہ میں کوئی ذکر نہیں'' مگر ''کشف المحجوب'' کے مصحح اور مقدمہ نگار ژوکوفسکی امام قشیری کو حضرت داتا صاحبؒ کے شیوخ صحبت میں شمار کرنے کے باوجود یہ تسلیم نہیں کرتا کہ ہجویریؒ نے اپنی تصنیف میں قشیری کا تتبع کیا ہے۔ لکھتا ہے:

''الرسالتہ القشیر یہ فی علم التصوف للامام العالم ابی القاسم عبد الکریم ہوازن القشیری ''کشف المحجوب'' ہجویری جلابی، غزنوی، اولی بتازی دو دمی بپارسی ہر دو از کتب طراز اول تصوف و ہر دو در حدود اواسط قرن پنجم ہجری تالیف شدہ است باوجود وحدت کامل موضوع، ہر بحث، نہ در کیفیت وکمیت مسائل مورد نظر و نہ در تعبیر وتفسیر مطالب مطروحہ ہیچ گونہ وجہ اشتراکی بین این دو اثر نفیس و اصیل مشاہدہ نمی شود فقط گاہ گاہی در بعضی اصطلاحات فنی اندک مشابہتی بین آں دو ملاحظہ می گردد (فی المثل قشیری گوید: المحو والاثبات (ص۔۴۶ رسالہ) وہجویری می نویسد النفی والاثبات (ص۔۴۹۴ کشف) لاغیر۔''۹۷

عبدالماجد دریابادی، جو رسالہ قشیریہ اور ''کشف المحجوب'' میں سے کسی کے بھی دیباچہ نگار نہیں ہیں، ان کی رائے یہ ہے:

''اس کتاب کے تقریباً ہم عمر امام ابو القاسم قشیری کا عربی رسالہ القشیر یہ ہے موضوع اس کا بھی تصوف ہے۔ دونوں کے طرز تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال وحکایات کے نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے بہ خلاف اس کے مخدوم ہجویری ایک محققانہ

مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات، مکاشفات، واردات، مجاہدات وغیرہ بھی قلم بند کرتے جاتے ہیں اور مباحث سلوک پر ردو قدح کرنے میں تامل نہیں کرتے اس لئے ان کی کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعہ روایات و حکایات کی نہیں بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے۔"[۹۸]

سبک کشف المحجوب

ملک الشعراء بہار نے "کشف المحجوب" کی نثر کو دوراول یعنی دور سامانیاں میں شامل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"این کتاب از حیث سبک بالاتر و اصیل تر و بدوره اول نزدیک تر است تا سائر کتب صوفیه ومی تواں آں را یکی از کتب طراز اول شمرد که هر چند در قرن پنجم تالیف شده وبیش از کتب قدیم دست خوش تازی ولغت ہای آں زمان است اما باز نمونه سبک قدیم را از دست نداده وروی همرفته دارای سبک کہنه است۔ افعال ولغات کہنه وغریب استعمالات دوره اول بتما مهادریں کتاب دیده می شود وازیں گذشته اصطلاحات خاصی نیز از خود دارد که غالب آن ہابعدازین درکتب تصوف مصطلح گردیده است"[۹۹]

اس کے بعد ملک الشعراء نے ذیل کے عنوانات کے تحت داد تحقیق دی ہے:

"لغات فارسی، اصطلاحات وکلمات تازه عربی، موازنه وسجع، حذف افعال بقرینه۔"[۱۰۰]

"کشف المحجوب" کے نام اور زبان کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ

"کشف المحجوب" کے تمام قدیم خطی نسخوں میں اس کا پورا نام "کشف المحجوب" ہی لکھا ہے اور قدیم ترین مصنفین نے بھی اس کا یہی نام تحریر کیا ہے، مگر بعض مصنفین نے اس کا پورا نام "کشف المحجوب لارباب القلوب" سمجھا ہے۔ اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ حضرت خواجہ محمد پارساؒ نے "فصل الخطاب" میں یوں لکھا ہے:

"درکشف المحجوب لارباب القلوب آورده است۔"[۱۰۱]

چونکہ "کشف المحجوب" حاجی خلیفہ کے پیش نظر نہ تھی اس لئے انہوں نے "کشف الظنون" میں اس کا نام اور کیفیت "فصل الخطاب" سے نقل کی ہے۔

ژوکوفسکی لکھتا ہے:

"دریں مورد می تواں گفت که مشارٌ الیه (حاجی خلیفه) اصلاً خود متن کتاب "کشف المحجوب" را نه

Marfat.com

دیدہ بودہ است، زیرا معمولاً حاجی خلیفہ ہنگام بحث از کتابہای کہ شخصاً برای العین دیدہ، آغاز و انجام نسخہ نیز نقل می کند ولی در مورد کشف المحجوب چنیں چیزی نیاوردہ است"[۱۰۲]

لہٰذا "کشف الظنون" پر اعتماد کرتے ہوئے متاخرین نے اس کا نام "کشف المحجوب لارباب القلوب" لکھنا شروع کر دیا۔

پھر لکھا ہے:

"خواجہ محمد پارسا از عرفای طریقہ نقشبندیہ متوفی ہشت صد و بیست و دو ہجری قمری کہ در حدود دو قرن قبل از حاجی خلیفہ می زیستہ، در تالیف خود بنام "فصل الخطاب لوصل الاحباب" اظہار داشتہ کہ "کشف المحجوب" عنوان اختصاری کتاب ہجویری است و نام کامل آں چنیں می باشد: کشف الحجب المحجوب لارباب القلوب۔"[۱۰۳]

اور حاشیہ میں لکھا ہے:

"در فہرست آغاز نسخہ بدین عنوان آمدہ: کتاب کشف سر المحجوب لارباب القلوب باضافۃ کلمہ "سر"۔[۱۰۴] (نسخہ خطی دانش گاہ لینن گراڈ)

اس اقتباس میں ژوکوفسکی کی دو باتیں محل نظر ہیں: اول یہ کہ "فصل الخطاب" کے نام کے ساتھ "لوصل الاحباب" کا اضافہ غلط ہے۔ اس کتاب کا جو قلمی نسخہ راقم السطور کے پیش نظر ہے، اس سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔ دوم: حاجی خلیفہ نے اس کا نام "فصل الخطاب فی المحاضرات" لکھا ہے۔[۱۰۵] پھر آگے چل کر ایک اور کتاب کا تعارف کرایا ہے جس کا نام "فصل الخطاب لوصل الاحباب" ہے۔ "کشف الظنون" کی عبارت ملاحظہ ہو:

فصل الخطاب لوصل الاحباب...... منظومہ فی اثنی عشرت الف بیت للشیخ بدرالدین محمد بن محمد المعروف بابن رضی الدین الغزی م ۹۸۴۔"[۱۰۶]

معلوم ہوتا ہے کہ ژوکوفسکی کو "کشف الظنون" دیکھتے وقت غلطی لگی ہے دوسرے جو یہ لکھا ہے:

"فصل الخطاب میں اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ کشف المحجوب اختصاری نام ہے اور پورا نام کشف الحجب المحجوب لارباب القلوب ہے۔"

عجیب بات ہے...... ۱۱۷ صفحات پر مشتمل "فصل الخطاب" پیش نظر ہے۔ اس میں ہمیں تو ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں ملا۔ اس کتاب میں ساٹھ ستر جگہ "کشف المحجوب" کے اقتباسات صرف "کشف المحجوب" کے نام سے نقل ہوئے ہیں۔ بلا کسی وضاحت کے اور صرف دو مقام پر اس طرح کے نام نظر آئے ہیں:

Marfat.com

۱۔ ''کشف المحجوب لارباب القلوب''[۱۰۷]

۲۔ ''کشف حجب المحجوب لارباب القلوب''[۱۰۸]

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ پارسا جوشِ عقیدت اور کتاب کے موضوع کی مزید وضاحت کی خاطر اپنی طرف سے الفاظ بڑھاتے رہے ہیں جیسا کہ نسخہ مخزونہ دانش گاہ لینن گراڈ کی فہرست میں ایک تیسرا اضافہ یہ ہے: ''کشف سر المحجوب لارباب القلوب۔''

غرض کہ ''فصل الخطاب'' کے مطالعہ ہی سے ''رسالہ ابدالیہ'' اور ''کشف الظنون'' کے مؤلفین کو اشتباہ ہوا ہے وگرنہ حضرت داتا صاحبؒ کی کتاب کا نام صرف اور صرف ''کشف المحجوب'' ہی ہے۔

پروفیسر محمد حبیب (علی گڑھ یونیورسٹی) جو بھارت کے مسلمانوں کے اذہان کو کمیونزم کے زہریلے اثرات سے مسموم کرنے پر مامور تھے، اسی لئے انہیں دارا شکوہ کے دورالحاد و زندقہ کی تحریریں بہت پسند تھیں۔ یہ صاحب ۱۹۲۱ء میں کابل گئے تو بقول ان کے حضرت نورالمشائخ ملا صاحب شور بازار رحمہ اللہ نے ان سے اس خیال کا اظہار کیا کہ ''کشف المحجوب'' عربی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اس کا فارسی ترجمہ بعد کو ہوا۔ عربی اصل ضائع ہوگئی۔ فارسی ترجمہ باقی رہ گیا۔ پروفیسر صاحب نے اس رائے کو قبول کرلیا اور آخر تک اس پر قائم رہے۔[۱۰۹]

خدا جانے حضرت نور المشائخ نے کیا فرمایا اور انہوں نے کیا سمجھا۔ بہر حال یہ رائے بالکل غلط ہے۔ اس کتاب کی نثر سبک قدیم میں ہے جو بعد میں نہیں لکھی جاسکتی تھی۔ نیز قدیم کتابوں میں جو اس کے اقتباسات ملتے ہیں، وہ بالکل اس کے مطابق ہیں۔

کشف المحجوب فارسی کے مطبوعہ نسخے

اس کتاب کی افادیت کے پیش نظر اس کے خطی نسخے بہت جلد اطراف و اکناف عالم میں پھیل گئے تھے جیسا کہ ''تذکرۃ الاولیاء'' میں اس کے حوالے ملتے ہیں اور اس کے قلمی نسخے دنیا کی تمام بڑی بڑی لائبریریوں میں موجود ہیں اور بعض لوگوں کے ذاتی کتب خانوں میں بھی اس کے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں مگر بخوف طوالت اس وقت ان کی تعداد اور ضروری کوائف بیان نہیں کئے جاسکتے۔ صرف مطبوعہ فارسی نسخوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

۱۔ کشف المحجوب۔ مطبوعہ مطبع پنجابی لاہور، صفحات ۲۶۷۔ راقم الحروف کے سامنے اس کا جو نسخہ (مملوکہ میاں محمد الدین کلیم) ہے۔ اس کا پہلا صفحہ بوسیدہ ہونے کے باعث سن طباعت بچشم خود پڑھ نہیں سکا۔ ڈیوگن نے اپنے مضمون میں اس کا سن طباعت س ۱۸۷۴ء دیا ہے۔[۱۱۰]

۲۔ مطبوعہ بہاول پریس لاہور۔ سن طباعت ندارد، صفحات ۳۲۸۔ اس نسخہ میں مطبع پنجابی کے نسخہ کے حواشی من وعن درج ہیں۔ گویا یہ اسی کی نقل ہے۔ یہ ایڈیشن میرے پیش نظر ہے۔ اس پر سن طباعت درج نہیں مگر ڈیوگن نے اس کا سن طباعت ۱۹۰۳ء دیا ہے۔ خدا جانے اس نے یہ کیسے جانا۔ بہر حال یہ نسخہ ہے

Marfat.com

خاصہ قدیم۔

۳۔ مطبوعہ مطبع نامی کرامی حرمت مند سلیانوف (سمرقند) سن طباعت ۱۳۳۰ھ۔۱۹۱۲ھ۔ یہ نسخہ بہت شوق سے چھاپا گیا ہے اور آخر میں مصنف کے سوانح داراشکوہ کی ''سفینۃ الاولیاء'' سے نقل کردیئے گئے ہیں۔

۴۔ مطبوعہ مطبع اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور سن طباعت ۱۳۴۲ھ۔1923ء صفحات ۳۲۹۔ یہ نسخہ نمبر ایک اور دو کی نقل ہے اور اس کے مصحح ہیں مولانا سید احمد علی شاہ پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور۔ آخر میں مصنف کے مختصر سوانح بزبان فارسی مرقومہ منشی حبیب اللہ درج ہیں اور یہ نسخہ سنہ مذکورہ میں دوبار طبع ہوا۔

۵۔ مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور، سن طباعت ۱۹۳۱ء، صفحات ۳۲۸۔

۶۔ نسخہ ژوکوفسکی مطبوعہ لینن گراڈ (روس) سن اشاعت ۱۳۴۴ھ۔۱۹۲۴ء۔ صفحات مع فہارس ۶۰۷۔ یہ نسخہ اس کے مرتب پروفیسر والنتین ژوکوفسکی (م ۱۹۱۸ء) کی تصحیح، مقدمہ بزبان روسی اور ضمیمہ ہشت فہارس کے لحاظ سے سب نسخوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ چونکہ اس کے صرف اڑھائی سو نسخے طبع ہوئے تھے، اس لیے نایاب کے حکم میں داخل ہے۔ راقم نے بھی اس کی زیارت نہیں کی۔

۷۔ نسخہ ژوکوفسکی طبع تہران۔ ژوکوفسکی کا تصحیح کردہ نسخہ اور انتشارات امیر کبیر تہران نے ۱۳۳۶ شمسی ۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔ ژوکوفسکی کے مقدمہ کو فارسی میں منتقل کر کے شامل کیا گیا ہے۔ فاضل محمد لوی عباسی نے اس کے ابتدا میں دو مقالے ''تجلیات تصوف ایرانی'' اور ''تحقیقات نوین راجع بکشف المحجوب'' شامل کر کے اس کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ محمد لوی عباسی کے پہلے دو مقالے اور ژوکوفسکی کا مقدمہ ۶۲ صفحات کے محیط ہیں اور متن کتاب کے ۵۴۶ صفحات ہیں۔ آخری آٹھ فہرستوں کے ۶۱ صفحے ہیں۔ غرض کہ یہ بہترین نسخہ ہے۔

۸۔ مطبوعہ نامی پریس لاہور۔ سن اشاعت ندارد، صفحات ۳۲۸۔ کاغذ اور صحت کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔ اس پر سن اشاعت تحریر نہیں لیکن راقم کو معلوم ہے کہ قریباً ۱۹۶۰ء میں طبع ہوا تھا۔ اس کے آخر میں ۲۸ صفحات پر مشتمل فصول وابواب کی وضاحتی فہرست موجود ہے۔

۹۔ نسخہ مولوی محمد شفیع مطبوعہ نوائے وقت پرنٹرز، لاہور سن طباعت ۱۹۶۸ء صفحات ۴۸۱ ناشر احمد ربانی۔ اس کے شروع میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب کی نشری تقریریں بطور پیش لفظ اور مقدمہ دے دی گئی ہیں۔ چونکہ یہ نسخہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے مکتوبہ نسخے کی نقل بتایا جاتا ہے اس لئے حضرت زکریا قدس سرہ کے حالات زندگی مرقومہ مولوی صاحب موصوف بھی شامل کردیئے گئے ہیں مگر اہل علم اس خطی نسخے کا حضرت زکریا سے انتساب صحیح نہیں سمجھتے۔ مولانا نور احمد خان فریدی مؤلف تذکرہ حضرت بہاؤالدین زکریا و مؤلف کتب کثیرہ رقم فرماتے ہیں:

''العزیز بہاولپور کے شمارہ فروری ۱۹۴۵ء میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں صاحب

مضمون نے تحریر کیا تھا کہ حضرت شیخ الاسلام نے سید ہجویری کی مشہور عالم تصنیف ''کشف المحجوب'' کو بھی اپنے ہاتھ سے سپردِ قلم فرمایا تھا۔ یہ قیمتی نسخہ جیسا کہ صاحب مضمون نے تحریر کیا، پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب ایم اے مترجم ''عجائب الاسفار'' کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ خاکسار نے ان کے قریبی رشتہ داروں سے ہر چند دریافت کرنے کی کوشش کی لیکن اس گنج شائگاں کا پتہ نہیں چل سکا۔ حال ہی میں جناب احمد ربانی صاحب نے محکمہ اوقاف کی اعانت سے ''کشف المحجوب'' کا ایک فارسی نسخہ طبع کرایا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ وہی نسخہ ہے جس کی ڈھنڈیا پڑ رہی تھی۔ انہوں نے اس نسخے کا پہلے اور آخری نسخے کا عکس بھی دیا ہے مگر اسے حضرت شیخ الاسلام سے منسوب کرنے میں چند اشکال حائل ہیں۔ ایک یہ کہ اس پر تاریخ ارقام ۶۶۴ھ درج ہے حالانکہ حضرت کا سنہ وصال بالاتفاق ۶۶۱ھ ہے۔ دوسرے یہ کہ دستخط کی عبارت بہاؤالدین زکریا پر مشتمل ہے لیکن حضرت شیخ الاسلام کا نام صرف زکریا ہے ابو محمد کنیت اور بہاؤالدین لقب ہے۔ کوئی شخص اپنے نام کے ساتھ اپنے قلم سے لقب نہیں لکھا کرتا چہ جائیکہ حضرت شیخ الاسلام جیسی منکسر المزاج شخصیت اپنے نام سے پہلے اپنے لیے بہاؤالدین لکھنا پسند کرتی لہٰذا اس قلمی نسخے کا حضرت سے انتساب صحیح نہیں۔''[111]

مولانا فریدی صاحب نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ ''حضرت کا سن وصال بالاتفاق ۶۶۱ھ ہے'' صحیح نہیں اختلاف ہے کسی نے ۶۶۱ھ تو کسی نے ۶۶۶ھ لکھا ہے۔ اگر ۶۶۶ھ ہی کو صحیح قرار دے دیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۹۵ برس سے کچھ اوپر ہوگی۔ کیا اس عمر میں وہ اتنی ضخیم کتاب کی نقل کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے؟ مزید طرفہ یہ کہ ترقیمہ میں بہاء الدین کو بہاؤالدین واؤ کے اضافہ کے ساتھ اور زکریا کو ذکریا ذال کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام ہرگز ہرگز اس طرح کی غلطیاں نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا اس نسخے کا حضرت شیخ الاسلام کی طرف انتساب کاتب کا جعل ہے۔ بہر حال یہ نسخہ صحت کے اعتبار سے سمرقندی نسخہ سے بہتر ہے۔

تراجم

پروفیسر نکلسن (م ۱۹۴۵ء) نے ''کشف المحجوب'' کا انگریزی ترجمہ کیا جو پہلی بار ۱۹۱۱ء میں گب میموریل لندن نے شائع کیا۔ ۱۹۳۶ء میں اس کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن چھپا۔ پھر ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۷ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ یہ اس کتاب کی مقبولیت کی واضح دلیل ہے کہ اس کا انگریزی ترجمہ بھی چار بار چھپ چکا ہے۔

بیس سے زائد اردو تراجم چھپ چکے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو بار بار شائع ہوئے۔ اس وقت ان سب تراجم کی تفصیل دینے کی گنجائش نہیں۔

Marfat.com

سیاحت

مردان خدا کی زیارت اور مزارات اولیاء اللہ سے استفادہ و استفاضہ کی غرض سے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا بہت بڑا مجاہدہ ہے جو مشاہدہ کی دولت سے نوازتا ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ نے یہ مجاہدہ بھی حد کمال کو پہنچادیا۔ قریباً تمام عالم اسلام کی سیاحی کی اور وقت کے اعاظم مشائخ وصوفیہ سے اکتساب فیض کیا۔ انہوں نے جن جن ملکوں اور شہروں کے بزرگوں سے ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا، اس کا ذکر ''کشف المحجوب'' میں کیا ہے۔ ان اماکن کی نامکمل فہرست درج ذیل ہے:

ماوراء النہر، آذر بائیجان، بسطام، خراسان، کش، کمند، نیشا پور، بخارا، سمرقند، سرخس، طوس، شام، بیت الجن، دمشق، رملہ، عراق، بغداد، فارس، نواحی خوزستان، فرغانہ، شلا تک، اوزکند، میھنہ، مرو، ترکستان، پاک و ہند۔

''کشف المحجوب'' حضرت داتا صاحبؒ کا سفر نامہ نہیں ہے۔ اس میں ان کے سفر و سیاحت کا ذکر ضمناً ہوتا چلا گیا ہے لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے اتنے ہی ملکوں اور شہروں کی سیاحی کی، جن کے نام ان کی کتاب میں مذکور ہوئے ہیں اور ان کا سفر پاک و ہند بھی صرف اس حد تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ غزنی سے چل کر لاہور پہنچ گئے۔ ''کشف المحجوب'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پاک و ہند کے اکثر شہروں کی سیاحت کی تھی۔ یہاں کے علماء سے ملے تھے اور یہاں کی تہذیب و تمدن، رسم و رواج اور ہندوؤں کے عقائد سے گہری واقفیت حاصل کی تھی۔ فنا و بقا کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ہندوستان میں میرا ایک عالم سے مناظرہ ہوا تھا:

> ''ہندوستان کے اندر میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جو تفسیر و تذکیر اور علم کا مدعی تھا۔ اس نے مجھ سے فنا و بقا کے مسئلہ پر مناظرہ کیا۔ جب میں نے اس کی تقریر سنی تو معلوم ہوا کہ یہ خود فنا و بقا کو بالکل نہیں سمجھتا اور قدیم و محدث کے فرق کو بھی نہیں جانتا۔''[۱۱۲]

حلولیہ کے عقائد باطلہ کے بیان میں روح کے مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''......اور جملہ اہل ہندوتبت اور چین و ماچین یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ شیعوں، قرامطیوں اور باطنیوں کا بھی اسی پر اجماع ہے......''[۱۱۳]

محبت کی شہرت اور تعریف کی بحث کے دوران سلطان محمود غزنوی سے ہنود کی قلبی ناراضی اور ان کی بے بسی کا ذکر نہایت لطیف پیرائے میں کیا ہے:

> ''ہندوؤں کے نزدیک محبت کی قید محمود کی قید سے بھی زیادہ مشہور ہے......اور محبت کا زخم اور

Marfat.com

داغ ہندوؤں کے نزدیک اس زخم سے بھی زیادہ شہرت رکھتا ہے جو محمود نے انہیں لگایا تھا۔"[۱۴]

باب سماع الاصوات والالحان میں رقم طراز ہیں:

"مشہور ہے کہ ہندوستان میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو جنگل میں جاکر گاتے اور سریلی آواز نکالتے ہیں۔ ہرن جب ان کے غنا اور لحن کو سنتے ہیں تو وہ ان کی طرف آجاتے ہیں اور شکاری ان کے گرد گھوم کر گاتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ہرن گانے کی لذت سے مست ہو کر آنکھیں بند کر کے سو جاتے ہیں اور وہ انہیں پکڑ لیتے ہیں۔"[۱۵]

ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:

"میں نے ہندوستان میں دیکھا کہ زہر قاتل میں ایک کیڑا پیدا ہو گیا تھا اور اس کی زندگی اسی زہر پر موقوف تھی۔"[۱۶]

غرض کہ انہوں نے بے سروسامانی میں پاپیادہ اس قدر سفر کئے کہ آج کے ذرائع میں ایک بے سروسامان فقیر کے لئے ان کا تصور بھی ناممکن ہے، چنانچہ لعل بیگ لعلی لکھتا ہے:

"مسافرت بسیار نمودہ و ریاضت و مجاہدات شاقہ کہ از طاقت بشری بیرون بود، کشیدہ۔"[۱۷]

لاہور میں ورودِ مسعود

خاک پنجاب ازدم او زندہ گشت
صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت

داراشکوہ نے لکھا ہے کہ حضرت داتا صاحب قدس سرہ نے تجرید و توکل کی بنیاد پر بارہا طویل سفر کئے اور بہت زیادہ سیاحی کے بعد دارالسلطنت لاہور میں اقامت گزین ہوئے اور اس شہر کے تمام باشندے ان کے مرید و معتقد ہو گئے:

"بارہا بر قدم تجرید و توکل سفر بسیار کردہ اند بعد از سیاحی بسیار در دارالسلطنت لاہور رسیدہ اقامت ورزیدند؛ اہل آں دیار ہمہ مرید و معتقد او گشتند۔"[۱۸]

لاہور تشریف لا کر اسی مقام پر قیام پذیر ہوئے جہاں ان کا مزار پُرانوار ہے۔ مرزا لعل بیگ لعلی لکھتا ہے:

"اکنوں قبرش در خطہ لاہور، در ہمان زمین است کہ روح پاکش از جسد مطہر وی مفارقت کردہ۔"[۱۹]

Marfat.com

لاہور کب تشریف لائے؟

اس باب میں مختلف آراء ہونے کے سبب یہ مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے۔ لالہ سجان رائے بٹالوی رقم طراز ہے:

> ''محمود غزنوی کے ہمراہ غزنی سے لاہور آئے اور یہیں فوت ہوئے۔ سلطان کا عقیدہ تھا کہ لاہور کی فتح ان ہی کی توجہ سے ہوئی۔''[۱۲۰]

یہ روایت واضح طور پر غلط ہے اس لئے کہ بقول سید محمد لطیف مصنف ''تاریخ لاہور'' سلطان محمود غزنوی نے لاہور ۳۹۳ھ میں فتح کیا اور بقول لین پول سلطان محمود ۳۹۲ھ میں پہلی بار پاک و ہند کی طرف متوجہ ہوا۔ گویا اس وقت تک حضرت داتا صاحبؒ کی اس جہان رنگ و بو میں تشریف آوری بھی نہیں ہوئی تھی۔

''فوائد الفواد'' میں ایک ایسی روایت درج ہے جو بعض غلط فہمیوں کا باعث ہوئی، لہٰذا وہ آج تک ہدف تنقید بنتی چلی آرہی ہے وھو ھذا:

> ''شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہا دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور وہ پیر اپنے عہد کے قطب وقت تھے۔ شیخ حسین زنجانی (شیخ علی ہجویری سے) پہلے ہی لاہور میں مقیم تھے۔ کچھ مدت بعد ان کے پیر نے خواجہ علی سے فرمایا کہ لاہور جاؤ اور وہیں مقیم ہوجاؤ۔ شیخ علی ہجویری نے عرض کی کہ وہاں حسین زنجانی مقیم ہیں۔ پیر نے فرمایا! تم جاؤ اور جب علی ہجویری ان کے حکم کے مطابق لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ لوگ حسین زنجانی کا جنازہ باہر لا رہے ہیں۔''[۱۲۱]

اس روایت کی تکذیب وتردید میں راقم احقر اس قسم کی گرما گرم بحث نہیں کرسکتا جس طرح کہ ڈاکٹر پیر محمد حسن اور پروفیسر محمد اسلم نے کی ہے اس لئے کہ یہ ان ہی فضلاء کا حق ہے۔[۱۲۲] مختصر یہ کہ حضرت شیخ حسین زنجانیؒ جن کا مزار مبارک چاہ میراں لاہور میں مرجع خلائق ہے، ان کا سال وفات ''خزینتہ الاصفیاء'' میں ۶۰۰ھ اور ''تحقیقات چشتی'' میں ۶۰۶ھ درج ہے اور ان کی لاہور میں آمد کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سید یعقوب زنجانی کے ہمراہ آئے اور سید یعقوب زنجانی کے حالات میں بیان کیا ہے کہ وہ ۵۳۵ھ میں وارد لاہور ہوئے۔[۱۲۳] حضرت سید محمد معصوم شاہ قادریؒ ساکن چک سادہ شریف (م ۱۳۸۸ھ) نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ ''میں نے شیخ زنجانی کے مزار پر وہ پتھر نصب دیکھا ہے جس پر ان کا سن وصال ۶۰۰ھ کندہ تھا جو مزار کی مرمت کے وقت اتار دیا گیا۔'' عجیب بات یہ ہے کہ مفتی غلام سرور اور مولوی نور احمد چشتی نے ان کا سن وصال ۶۰۰ھ اور ۶۰۶ھ اپنی اپنی کتابوں میں لکھنے کے باوجود ''فوائد الفواد'' کی اس روایت کو حضرت داتا صاحبؒ کی لاہور میں آمد کے سلسلے میں درج کر کے اسے حضرت حسین زنجانی مدفون چاہ میراں پر منطبق کردیا ہے۔ بہرحال یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت حسین زنجانیؒ حضرت داتا صاحب قدس سرہ

سے قریباً ایک سوتیس سال بعد واصل بحق ہوئے اور ان سے حضرت خواجہ خواجگان معین الدین حسین سجزی (س، ج ز، ی) چشتی اجمیری قدس سرہ (م۶۳۳ھ) نے لاہور میں ملاقات کی تھی۔ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا ذکر معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ مشہور تذکرہ نویس اور صوفی بزرگ حضرت شیخ جمالی (م۹۴۲ھ) نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

’’حضرت شیخ المشائخ حسین زنجانی جو حضرت شیخ سعد الدین حمودیہ قدس روحہ کے پیر ہیں[125] ان دنوں بقید حیات تھے۔ حضرت زبدۃ المشائخ والاولیاء معین الحق والدین قدس سرہ اور حضرت شیخ المشائخ والاولیاء شیخ حسین زنجانی قدس سرہ کے درمیان حد سے زیادہ ربط ومحبت کا اظہار ہوا۔‘‘[126]

ابوالفضل ’’آئینِ اکبری‘‘ میں ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

’’شیخ حسن (حسین) زنجانی فراواں آگہی داشت، خواجہ معین الدین در لاہور بہ صحبت او رسید و خواب گاہ او درانجاست۔‘‘[127]

مولانا محمد غوثی شطاری رقم طراز ہیں:

’’جب خواجہ معین الاولیاء چشتی اجمیری ہند کو تشریف لائے تو اس وقت چند روز لاہور میں پیر زنجانی کی مصاحبت میں بھی قیام فرمایا تھا، باہم راز داری اور خدا شناسی کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔‘‘[128]

ملا محمد صالح کنبوہ بھی ان بیانات کی تائید کرتا ہے۔

’’بالجملہ در لاہور بہ صحبت شیخ حسین زنجانی رسیدہ وزانجا توجہ جانب دہلی اختیار فرمود۔‘‘[129]

داراشکوہ کی تائید مزید بھی ملاحظہ ہو:

’’.....بہ شیخ حسین زنجانی را در لاہور دیدہ اند۔‘‘[130]

اس مقام پر یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت خواجہ اجمیری قدس سرہ لاہور کب تشریف لائے؟ مولانا سید عبد الباری اجمیری اپنی تنقیدی تالیف ’’تاریخ السلف‘‘ میں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ بزرگ ۵۸۸ھ میں وارد ہند ہوئے اور لاہور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد ۵۸۹ھ میں اجمیر شریف پہنچ گئے۔[131]

اندریں صورت ’’فوائد الفواد‘‘ کی اس روایت کو الحاقی سمجھ لینا کوئی گناہ نہیں مگر جب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں کی تاریخ نے سب بزرگوں کے حالات کو محفوظ کرلیا ہے تو عنانِ فکر کو اس طرف بھی موڑا جاسکتا ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ سے پہلے لاہور تشریف لانے والے حسین زنجانی ان سے مختلف ہوں گے اور ان کا مزار اور حالات محفوظ نہیں رہ سکے مگر ہم نامی کی وجہ سے پہلے حسین زنجانی سے متعلق روایت کو بعد والے حسین زنجانی کی طرف منسوب کردیا

گیا۔ ہم نام بزرگوں کے حالات کے سلسلے میں اکثر ایسا ہوا ہے اور اس کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ حضرت خواجہ پارسا قدس سرہ کے تسامح کا واقعہ مذکور ہوچکا ہے کہ انہوں نے حضرت داتا صاحبؒ اور حضرت ابوسعید (رحمہا اللہ) دونوں کو ایک ہی پیر کا مرید قرار دیدیا یا جس طرح کہ جامی لاہوری کے قطعہ تاریخ وفات حضرت داتا صاحب کو حضرت عبدالرحمٰن جامیؔ کی طرف منسوب کردیا گیا لہٰذا اس معاملہ میں بھی التباس واشتباہ کا قوی امکان ہے۔ اندریں حال حضرت حسین زنجانیؒ سے متعلق روایت مندرجہ ''فوائد الفواد'' اس مسئلے کو سلجھانے کے بجائے مزید الجھادیتی ہے۔

بہرحال جس طرح حضرت کی تاریخ ولادت اور دیگر حالات زندگی کے باب میں قدیم تاریخیں کوئی رہنمائی نہیں کرتیں، اسی طرح ان کے لاہور میں ورودِ مسعود کے سلسلے میں بھی کوئی نشان دہی نہیں کرتیں، لہٰذا اس کے متعلق بھی صرف قیاس ہی سے کام لیا گیا ہے۔

رائے بہادر کنہیالال نے بسال ۱۸۸۴ء کسی ماخذ کا حوالہ دیئے بغیر لکھا ہے:

''یہ بزرگ سلطان مسعودؒ سلطان محمود کے بیٹے کے ہمراہ لاہور میں آیا۔''[۱۳۲]

سید محمد لطیف نے بسال ۱۸۹۲ء سنِ ورود کا تعین بھی کردیا۔

''آپ سلطان مسعود پسر سلطان محمود کی فوج کے پیچھے ۴۲۱ھ میں لاہور تشریف لائے۔''[۱۳۳]

سید محمد لطیف نے سن کا تعین کرکے اسی قیاسی سن کو مزید مشکوک بنادیا ہے، اس لئے کہ ۴۳۱ھ میں سلطان مسعود دور ابتلاء میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اس سال ترکمانوں نے اس کے ملک پر حملہ کرکے اسے شکست دے دی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے خزائن کو لے کر لاہور آرہا تھا کہ دریائے جہلم کے کنارے اپنے ہی فوجیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوکر اپنے بھائی محمد کا قیدی بن گیا (ملخصاً)[۱۳۴]

اس کے باوجود ۴۳۱ھ پر اکثر مؤرخین مطمئن نظر آتے ہیں مگر رائے بہادر کنہیالال کی ''تاریخ لاہور'' سے ۳۲ سال قبل لکھی جانے والی کتاب ''چار باغ پنجاب'' مؤلفہ گنیش داس وڈیرہ میں ان کی تشریف آوری کا سال ۴۵۱ھ تحریر ہے۔

''در ۴۵۱ھ چہارصد وپنجاہ ویک ہجری در لاہور تشریف آوردند...... بعد چہاردہ سال در سلطنت سلطان ابراہیم غزنوی بتاریخ ۴۶۵ھ چہارصد وشصت وپنجم ہجری در لاہور ودیعت حیات سپردند۔''[۱۳۵]

جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ نے اپنی عمر کے آخری سال لاہور میں گزارے۔[۱۳۶] تو پھر گنیش داس وڈیرہ نے جو سن ۴۵۱ھ دیا ہے، اسے ترجیح دینا چاہیے ۴۵۱ھ کو قرین قیاس قرار دے لیا جائے تو حضرت

داتا صاحب سلطان ابراہیم ظہیر الدولہ بن مسعود بن محمود غزنوی کی تخت نشینی کے ساتھ ہی لاہور تشریف لائے۔ لین پول نے ابراہیم کے سریر آرائے سلطنت ہونے کا سال ۴۵۱ھ/۱۰۵۹ء لکھا ہے۔

مگر یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت داتا صاحب قدس سرہ کے مرشد حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی قدس سرہ کی تاریخ وصال ''خزینۃ الاصفیاء'' میں ۴۵۳ھ درج ہے اور بقول ذہبی وہ ۴۶۰ھ میں واصل الی اللہ ہوئے اور ان کے وصال کے وقت حضرت داتا صاحبؒ بیت الجن (دمشق) میں مقیم تھے اور پیر نے مرید کی گود میں جان جاں آفریں کے سپرد کی تھی......ڈاکٹر محمد شفیع نے اس کا حل یہ پیش کیا: ''وہ یا تو لاہور ۴۶۰ھ کے بعد آئے یا ایک سے زیادہ دفعہ یہاں آئے۔''

حق زحرفِ او بلند آوازہ شد

اس نائب رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قیام لاہور کے دوران ہزار ہا بت پرست کفار کو کلمہ توحید پڑھا کر ان کے سینوں کو نور اسلام سے منور کیا اور سینکڑوں خداؤں کو پوجنے والوں کو صرف ایک خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے پر مائل کیا اور لاتعداد گم گشتگان بادیہ ضلالت کو صراط مستقیم پر گامزن کیا اور کتنے ہی خوش نصیبوں کو اپنی نظر کیمیا اثر کی بدولت ولایت کی بلند مراتب پر فائز کیا۔

یہ درست ہے کہ محمود کی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی یہاں مسلمان ایک ''حاکم قوم'' کی حیثیت سے رہنے لگے تھے اور یہاں کے کفار مسلم عوام سے بظاہر مرعوب تھے، لیکن ان کے قلوب مسلمان فاتحین کے ساتھ نہیں تھے اور وہ ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتے تھے مگر یہاں تشریف لانے والے صوفیہ کرام بالخصوص حضرت داتا صاحبؒ کے ورود مسعود کے یہاں کی مقامی آبادی میں سے لاتعداد لوگ ان کی تبلیغ کے سبب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے چنانچہ یہاں کے باشندوں میں سے ایک کثیر گروہ کی دلی ہمدردیاں فاتحین کے ساتھ ہو گئیں۔ ''نظریہ وطنیت'' خاک میں مل گیا اور ''دو قومی نظریہ'' کی بنیادیں رکھ دی گئیں اور بعد میں آنے والے صوفیہ کرام کی مساعی جمیلہ سے اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا جس سے مسلمانوں کی حکومت استحکام پکڑتی گئی۔ فاتحین نے کفار کو تیر و سنان سے زیر کیا تو ان نائبین مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں تیر نظر سے خدائے واحد کا مطیع و منقاد بنا دیا۔

علامہ اقبال علیہ الرحمتہ نے حضرت داتا صاحب قدس سرہ کی عظیم الشان دینی خدمات اور روحانی عظمت کو چند اشعار میں جو خراج عقیدت پیش کیا ہے، وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ ذیل میں ان کے وجد آفریں اشعار ملاحظہ ہوں:

سید ہجویر مخدوم امم ۔۔۔ مرقد او پیر سنجرؒ را حرم
بند ہای کوہسار آساں گسیخت ۔۔۔ در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد ۔۔۔ حق ز حرف او بلند آوازہ شد
پاسبان عزت ام الکتاب ۔۔۔ از نگاہش خانہ باطل خراب

Marfat.com

خاک پنجاب ازدم اوزندہ گشت صبح ما ازمہر اوتابندہ گشت
عاشق وہم قاصد طیار عشق از جبنش آشکار اسرار عشق

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہ نے لاہور کو جو قطب ارشاد کا درجہ دیا ہے، اصل میں یہ اسی قطب الاقطاب (علی ہجویریؒ) کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔ حضرت شیخ مجددؒ فرماتے ہیں۔

''فقیر کے نزدیک یہ شہر لاہور تمام ہندوستان کے شہروں میں قطب ارشاد کی طرح ہے۔ اس شہر کی خیر و برکت تمام بلادِ ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔''[138]

حضرت نے اپنی روحانی قوت سے کفرستان ہند میں جو ''تخم سجدہ کی کاشت'' کی تھی، رائے بہادر کنہیالال نے بدیں الفاظ اس کا اعتراف کیا ہے:

''مسلمانی دین پھیلانے میں بڑی بڑی کوشش کی۔''[139]

اور گنیش داس وڈیرہ رقم طراز ہے:

''دراں عہد اکثر قوم گوجران ہندومشرب درلاہور وطن گاہ داشتند معتقد اوشدہ اسلام قبول کردند۔''[140]

مولوی نور احمد چشتی نقل کرتے ہیں:

''جب حضرت یہاں تشریف لائے تو اس وقت یہاں ایک شخص رائے راجو نائب حاکم پنجاب، حضرت کا مرید ہو کر مسلمان ہوا اور اس کا نام شیخ ہندی رکھا گیا۔ اس کی اولاد تا حال خادم و مجاور ہے۔''[141]

تعمیرِ مسجد اور ایک کرامت

حضرت داتا صاحب قدس سرہ نے لاہور تشریف لاتے ہی اپنی فرودگاہ کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی۔ داراشکوہ لکھتا ہے:

''انہوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جس کی محراب دیگر مساجد کی بہ نسبت جنوب کی طرف مائل ہے۔ کہتے ہیں کہ اس وقت کے علماء جو لاہور میں موجود تھے، اس محراب کی سمت کے سلسلے میں حضرت شیخ پر معترض ہوئے چنانچہ ایک روز حضرت نے سب علماء کو جمع کیا اور خود امامت کے فرائض انجام دیئے اور بعد ادائے نماز حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا دیکھو کعبہ شریف کس سمت میں ہے؟ دیکھا تو حجابات اٹھ گئے اور کعبہ شریف محراب کی سیدھ میں نمودار ہو گیا۔ ان کا مزار بھی ان کی مسجد کی سمت کے مطابق ہے۔''[142]

Marfat.com

سالِ وصال

حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے سال وصال میں بھی خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔لعل بیگ لعلی نے ''ثمرات القدس'' میں اور شہزادہ دارا شکوہ نے ''سفینتہ الاولیاء'' میں ان کے سنِ وفات ۴۵۶ھ اور ۴۶۴ھ رقم کئے ہیں۔عہد جہانگیر کے ایک عالم وعارف مولانا جامی لاہوری (مدفون بجوار حضرت شیخ طاہر بندگیؒ) نے اپنے قطعہ تاریخ میں ۴۵۶ھ نظم کیا ہے۔میر غلام علی آزاد بلگرامی نے ''ماثر الکرام'' میں، گنیش داس وڈیرہ نے ''چار باغ پنجاب'' میں، سامی بیگ نے ''قاموس الاعلام'' میں ۴۶۵ھ ہی لکھا ہے اور دیگر متعدد مؤلفین نے بھی یہی سن نقل کیا ہے۔نکلسن نے ۴۵۰ھ تا ۴۶۹ھ کا کوئی سا سال کہا ہے۔ڈاکٹر قاسم غنی نے ''تاریخ تصوف در اسلام'' جلد دوم میں در حدود ۴۷۰ھ تجویز کیا ہے۔

مگر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع اور عبد الحی حبیبی قندھاری (کابل) ان سب سے آگے نکل گئے ہیں۔مولوی صاحب نے ۴۷۹ھ [۱۴۳] اور حبیبی صاحب نے ۵۰۰ھ تک کا تعین کیا ہے ان فاضلوں نے ''کشف المحجوب'' کے چند ایک مختلف ایڈیشن سامنے رکھ کر اس قسم کی داخلی شہادتیں فراہم کی ہیں کہ داتا صاحبؒ نے فلاں فلاں بزرگ کے نام کے ساتھ ''رحمتہ اللہ'' یا ''رضی اللہ عنہ'' لکھا ہے اور فلاں کا ذکر بہ صیغہ ماضی کیا ہے لہٰذا یہ کتاب بقول مولوی محمد شفیع ۴۷۹ھ اور بقول حبیبی ۴۸۱ھ کے بعد تک لکھی جارہی تھی۔حبیبی صاحب نے اپنی طویل بحث کا لب لباب ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

''لازمی طور پر ۴۸۱ھ اور ۵۰۰ھ کے درمیان وفات پائی ہوگی۔''[۱۴۴]

مفصل بحث کا یہ مقام نہیں۔مختصر یہ کہ بیشتر مقامات پر ''رحمہ اللہ'' اور ''رضی اللہ عنہ'' کاتبوں کے خود ساختہ اضافے ہیں اور اسی طرح ''ہست'' کو ''بود'' بھی بنایا ہوا ہے۔ایسی تحقیق کی بنیاد مصنف کا اپنا مکتوبہ نسخہ ہونا چاہیے۔اگر یہ ممکن نہ ہو تو قدیم ترین متعدد خطی نسخے پیش نظر ہونے چاہئیں۔کاتبوں کی کمی بیشی تحقیق کا مدار نہیں بن سکتی۔اس جدید تحقیق کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔فاضل حبیبی نے ''کشف المحجوب'' نسخہ سمرقند سے ذیل کا اقتباس پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کتاب زیر تسوید تھی کہ حضرت امام قشیری قدس سرہ ۴۶۵ھ میں وفات پا گئے تھے۔

''استاد امام زین الاسلام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری رضی اللہ عنہ اندر زمانہ خود بدیع بود وقدش رفیع ومنزلتش بزرگ۔''[۱۴۵]

مگر یہی عبارت ژوکوفسکی ایڈیشن میں اس طرح ہے:

''استاد و امام زین اسلام عبدالکریم ابوالقاسم بن ہوازن القشیری اندر زمانہ خود بدیع ست و قدرش رفیع ست و منزلت بزرگ۔''[۱۴۶]

پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ''کشف المحجوب'' کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ ۱۰۸۰ھ موجود ہے اس میں بھی:

''اندر زمانہ خود بدیع ست......''[۱۴۷]

تحریر ہے......گویا اس بحث برائے بحث یا تحقیق کی بنیاد محض اختلاف نسخ اور کاتبوں کے اضافات پر رکھی گئی ہے۔اگر اس پر اصرار کیا جائے کہ ان بزرگوں کو اسماء کے ساتھ ''رحمہ اللہ'' وغیرہ حضرت نے خود ہی لکھا ہے تو پھر ان کے اپنے اسم گرامی کے ساتھ شروع کتاب ہی میں ''رضی اللہ عنہ'' بھی لکھا ہوا ہے۔ اس کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ اور اگر انہوں نے اپنے لیے یہ دعائیہ کلمہ خود تحریر کیا ہے تو دوسرے زندہ بزرگوں کے لئے بھی کر سکتے تھے......بہر حال حضرت کا صحیح سن وصال کسی معاصر نے نہیں لکھا لہٰذا ۴۵۶ھ قطعاً غلط ہے، ۴۶۵ھ تا ۴۶۹ھ ہی قرین صحت سمجھا جاسکتا ہے۔[۱۴۸]

مزارِ پُر انوار

یوں تو جملہ ارباب یقین کے قلوب حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے مزار ہیں مگر جہاں وہ محو استراحت ہیں، وہ مقام بوسہ گاہ عالم، قبلہ اہل صفا اور کعبہ عشاق ہے۔ یہاں عوام کے علاوہ ہر وقت اولیائے ظاہرین و مستورین کا ہجوم رہتا ہے۔ پاکستان بھر میں یہ وہ متبرک و مقدس مقام ہے جہاں جملہ مقامات مقدسہ سے زیادہ قرآن خوانی ہوتی ہے جہاں سب سے زیادہ ذکر خدا اور ذکر محبوب خدا ﷺ ہوتا ہے اور یہ تبلیغ اسلام اور روحانیت کا سب سے بڑا مرکز ہے جہاں ہر وقت حاجتمند زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اور داتا (سخی) کے دریائے فیض کو دیکھ کر بے اختیار ان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا — ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

حضرتؒ کا مزار فائض الانوار زمانہ قدیم سے مرجع خواص و عوام چلا آ رہا ہے۔ بڑے بڑے عارفین اور سرخیل اولیاء یہاں سے فیض یاب ہوئے اور اس خانقاہ کی دھول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا عین سعادت سمجھتے رہے۔ مولانا جامی لاہوری لکھتے ہیں۔

خانقاہ علی ہجویری است — خاک جاروب ازورش بردار
طوطیاں کن بدیدہ حق بیں — تاشوی واقف دراسرار
چوں کہ سردار ملک معنی بود — سال وصلش برآیداز سردار
۴۶۵

میر عبدالعزیز زنجانی جو غالباً شاہ جہاں کے زمانہ کا شاعر ہے نے عرفی کے مشہور قصیدے کے جواب میں لاہور پر ایک قصیدہ لکھا۔ اس میں حضرت داتا صاحبؒ کے روضہ انور واطہر پر جو زائرین کا ہجوم رہتا ہے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے ۔

Marfat.com

مزار دُر نثار شاہ ہجویری ندید ستی — کہ محل آسابہ پیراموش انس وجاں بنی
گدای ورگہش از منزلت شاہ جہاں یابی — غلام خادمش از رتبہ مخدوم جہاں بنی[150]

داراشکوہ لکھتا ہے:

''ہر جمعرات کو خلقت انبوہ در انبوہ روضہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوتی ہے اور مشہور ہے کہ جو کوئی چالیس جمعراتیں یا چالیس دن متواتر ان کے روضہ شریفہ کا طواف کرے اس کی ہر حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ فقیر (داراشکوہ) نے بھی ان کے روضہ منورہ کی زیارت کی ہے۔''[151]

مفتی علی الدین رقم طراز ہیں:

''ہر شب جمعہ و روز جمعہ ہزار ہا مردم برائے زیارت ایشاں مع نذورات می روند، مرادات دلی رامستدعی می شوند۔''[152]

داراشکوہ مزار شریف کے محل وقوع کے بارے میں لکھتا ہے۔

''قبر درمیان شہر لاہور مغربی قلعہ واقع شدہ''

(ان کی قبر لاہور شہر میں قلعہ سے، مغرب کی جانب واقع ہے۔)[153]

اس جملے کا محمد وارث کامل نے یوں ترجمہ کیا ہے،

''مزار مبارک لاہور کے مغربی قلعہ میں واقع ہے۔''[154]

لاہور کا نقشہ تبدیل ہو جانے کے سبب داراشکوہ کی یہ تحریر مبہم ہوگئی ہے۔ پھر ترجمہ کرنے والے نے غلطی کھائی تو آج قریباً پندرہ سال قبل لاہور کے ایسے مولوی صاحب نے جو صوفیہ کے مزارات پر حاضری بدعت و شرک سمجھتے تھے، یہ اعلان داغ دیا کہ یہ مزار داتا صاحب کا نہیں۔ ان کا مزار تو قلعہ لاہور میں ہے۔ اس وقت مولوی صاحب موصوف کے اس بیان کے خلاف متعدد مضامین شائع ہوئے تھے۔ دارشکوہ کی اس تحریر کے ابہام کو ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے اس طرح حل کیا ہے۔

''داراشکوہ نے یہ کہا ہے کہ ''قبر شہر لاہور کے درمیان قلعہ کے مغرب میں واقع ہے۔'' یہ کچھ عجیب سا بیان ہے اس لئے کہ قبر شہر کی فصیل کے باہر ہے البتہ شہر کی بیرونی آبادی کے درمیان ہے اور قلعہ کے مغرب کی بجائے جنوب مغرب کہنا زیادہ صحیح تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ کے زمانہ میں قلعہ سے مغرب کو آتے تھے تو شاہی مسجد جو اس وقت تھی ہی نہیں، پہلا قابل ذکر مقام دریائے راوی کا گھاٹ تھا۔ دریا اس وقت قلعہ کے نیچے سے بہتا تھا۔ اس گھاٹ کو کابل جانے والی سڑک عبور کرتی تھی اور گھاٹ کے بعد داتا صاحب کے مزار والا

علاقہ ہی قابل ذکر تھا چنانچہ ایک انگریز سیاح فنچ نامی نے جو ۱۶۱۱ء یعنی جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ساڑھے چھ ماہ کے قریب لاہور میں ٹھہرا رہا، اسی ترتیب سے اس مواضع کا ذکر کیا ہے۔ گو وہ مسجد شکر گنج کہتا ہے بجائے مسجد گنج بخش کے۔''[۱۵۵]

حضرت داتا صاحبؒ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود کے عہد حکومت میں واصل الی اللہ ہوئے تھے اور اسی سلطان نے حضرت کا مزار تعمیر کرایا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت کے ساتھ جو دو قبریں ہیں وہ شیخ احمد حمادی سرخسی اور شیخ ابوسعید ہجویری کی ہیں۔[۱۵۶] واللہ اعلم بالصواب۔

(تذکرہ حضرت داتا گنج بخش و تعارف کشف المحجوب از حکیم محمد موسیٰ امرتسری، لاہور ۲۰۰۰ء)

حواشی

۱۔ اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار' تالیف محمد غوثی، طبع آگرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۲۵۔

۲۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی ''حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخش'' مؤلفہ پروفیسر شیخ عبدالرشید ہے' جسے مرکزی اردو بورڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔

۳۔ رسالہ ابدالیہ نمبر ۴۷۷' انڈیا آفس لائبریری لندن ضمناً در کشف المحجوب

۴۔ اس کے خطی نسخے بعض لائبریریوں میں موجود ہیں۔ مفتی غلام سرور نے داتا صاحبؒ کے حالات کے سلسلے مین اس سے استفادہ کیا ہے۔

۵۔ کتب خانہ آصفیہ نمبر ۱۱۵

۶۔ خزینۃ الاصفیاء جلد دوم' ص ۲۳۴

۷۔ تاریخ جلیلہ، طبع دوم' ص ۲۰۴

۸۔ بزرگان لاہور' ص ۱۸۴

۹۔ آریانا دائرۃ المعارف' جلد اوّل' طبع کابل' ص ۹۴۷

۱۰۔ سلسلۃ الذہب مشجر الاولیاء حصہ دوم' ص ۲۲

۱۱۔ سفینۃ الاولیاء (فارسی) طبع کانپور ۱۹۰۰ء بار دوم' ص ۱۶۴

۱۲۔ ایضاً' ص ۱۶۵

۱۳۔ مقالات دینی و علمی حصہ اول از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، ۱۹۷۰ء ص ۲۲۲

۱۴۔ کشف المحجوب انگریزی ترجمہ از نکلسن' ص ۱۱ (دیباچہ)

۱۵۔ مقالات دینی و علمی' ص ۲۲۳

۱۶۔ معاشری و علمی تاریخ' طبع کراچی' ص ۲۱

۱۷۔ داتا گنج بخش' ص ۵

۱۸۔ فہرست مخطوطات فارسیہ انڈیا آفس لائبریری مرتبہ ایتے' ۴۷۷ اور دیباچہ کشف المحجوب انگریزی ترجمہ از نکلسن' ص ۱۰

Marfat.com

۱۹۔ کشف المحجوب، طبع تہران، ص ۲۱۰
۲۰۔ دیباچہ کشف المحجوب (انگریزی ترجمہ از نکلسن)، ص ۱۰
۲۱۔ خُتّل یا ختلان، بدخشاں کے مغرب میں دریائے جیحوں کے دائیں کنارے پر واقع ایک مقام کا نام ہے۔
۲۲۔ جبلِ لکام، سلسلۂ کوہ لبنان کا وہ حصہ ہے جو انطاکیہ اور مصیصہ سے متصل ہے۔
۲۳۔ کشف المحجوب، طبع تہران، صفحہ ۲۰۸
۲۴۔ ایضاً۔ ص ۱۰۹
۲۵۔ ایضاً۔ ص ۲۳۲
۲۶۔ کتاب سلسلۃ الذہب، مشجر الاولیاء از سید نور بخش۔ طبع لاہور ۱۹۷۲ء حصہ دوم۔ ص ۲۲
۲۷۔ کشف المحجوب، طبع تہران۔ ص ۲۱۲
۲۸۔ ایضاً۔ ص ۲۰۹
۲۹۔ ایضاً۔ ص ۲۱۶
۳۰۔ ایضاً۔ ص ۲۲۱
۳۱۔ کشف المحجوب، طبع سمرقند، ص ۲۱۶
۳۲۔ ثمرات القدس خطی (مملوکہ صاحبزادہ نصرت نوشاہی (شرقپور شریف)۔)
۳۳۔ کشف المحجوب، طبع سمرقند۔ ص ۱۱۷
۳۴۔ ایضاً۔ ص ۱۲۱
۳۵۔ تصوف اسلام، طبع سوم، ص ۴۷
۳۶۔ کشف المحجوب، طبع سمرقند، ص ۴۳۷
۳۷۔ دیباچہ کشف المحجوب (انگریزی ترجمہ نکلسن) ص ۱۰
۳۸۔ مقدمہ کشف المحجوب۔ نسخہ مولوی محمد شفیع، ۱۹۶۸ ص ۳
۳۹۔ بزم صوفیہ، ص ۷
۴۰۔ داتا گنج بخش مطبوعہ ۱۹۲۰ء، ص ۱۳۔۱۴
۴۱۔ کشف المحجوب طبع سمرقند، ص ۳۶۶
۴۲۔ مقدمہ کشف المحجوب از ژوکوفسکی طبع تہران، ص ۵
۴۳۔ کشف المحجوب طبع تہران، ص ۱۹۳
۴۴۔ ایضاً۔ ص ۲۱۸
۴۵۔ اس رسالہ پر سنِ اشاعت تحریر نہیں، مگر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کا بیان ہے کہ چھ ورق کا ایک رسالہ "فقرنامہ" مشہور بہ "کشف الاسرار" کے نام سے "کشف المحجوب" ہی پر مبنی کر کے شاید ۱۸۷۰ء میں لاہور ہی سے شائع ہوا۔ (مقالات دینی و علمی حصہ اول، ص ۲۲۸)
۴۶۔ حضرت داتا صاحبؒ کے مزار کی مرجعیت کے پیش نظر کئی اور مزاروں کے مجاوروں نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ یہ داتا صاحبؒ کے پہلے کے بزرگ ہیں اور داتا صاحبؒ یہاں حاضری دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ سید احمد توختہ ترمذی کی صاحبزادیوں کے مزارات (قبور بی بیانِ پاک دامن) کے مجاوروں نے دورِ آخر کے مؤلفوں سے یہ لکھوا دیا کہ یہ سید زادیاں کربلا کے حادثہ

Marfat.com

فاجعہ کے بعد لاہور آ گئی تھیں۔ اسی طرح حضرت پیر مکی کے مجاوروں نے عوام میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ داتا صاحبؒ کا فرمان ہے کہ میرے پاس آنے سے پہلے ان کے مزار پر حاضری دیں۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ بعض لوگ تو حضرت پیر مکی کو حضرت داتا صاحبؒ کا اُستاد کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ وغیرہ وغیرہ

۴۷۔ کشف الاسرار، طبع لاہور، ص ۴
۴۸۔ ایضاً، طبع لاہور، ص ۷
۴۹۔ ایضاً، ص ۸
۵۰۔ ایضاً، صفحہ ۵
۵۱۔ ایضاً، ص ۳
۵۲۔ ایضاً، ص ۴
۵۳۔ ایضاً، ص ۲
۵۴۔ کشف المحجوب، طبع سمرقند، ص ۴۲۷
۵۵۔ کشف الاسرار، ص ۳
۵۶۔ کشف المحجوب، طبع سمرقند، ص ۱۵۱
۵۷۔ کشف الاسرار، ص ۷
۵۸۔ کشف المحجوب، ص ۲
۵۹۔ کشف الاسرار، ص ۴
۶۰۔ اگرچہ ''کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف'' (عربی) تالیف امام ابوبکر بخاری کلاباذی قدس سرہ (م ۳۸۵ھ یا ۳۹۰ھ) کی نفیس فارسی شرح بنام ''شرح تعرف'' تالیف امام ابراہیم بن اسمٰعیل مستملی بخاری قدس سرہ (م ۴۳۴ھ) جو ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں پہلی بار لکھنؤ سے طبع ہوئی، ''کشف المحجوب'' سے پہلے لکھی گئی تھی، مگر یہ مستقل تصنیف نہیں بلکہ عربی متن (تعرف) کی فارسی شرح ہے۔
۶۱۔ کشف المحجوب، طبع تہران، ص ۴
۶۲۔ کشف المحجوب، طبع سمرقند، ص ۱۱۵
۶۳۔ نظامی صاحب نے یہ فیشن کے طور پر لکھ دیا ہے ورنہ وہ جانتے ہیں کہ تصوف اور شریعت جدا جدا نہیں ہیں۔
۶۴۔ تاریخ مشائخ چشت، طبع دہلی، بار اول ۱۹۵۳ء، ص ۹۸
۶۵۔ ایضاً، ص ۹۹
۶۶۔ ایضاً، ص ۱۰۲
۶۷۔ ''درر نظامی'' کا اردو ترجمہ دہلی سے چھپ چکا ہے مگر اس وقت پیش نظر نہیں۔
۶۸۔ بحوالہ تصوف اسلام از عبدالماجد دریابادی، طبع اعظم گڑھ، بار سوم، ص ۵۶
۶۹۔ تاریخ فیروز شاہی برنی، سرسید ایڈیشن کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص ۳۴۶
۷۰۔ گلزار (دیوان حاکم) مرتبہ نامی، طبع لاہور ۱۹۴۶ء، ص ۱۴۰
۷۱۔ سفینۃ الاولیاء طبع کانپور، ص ۱۶۴
۷۲۔ اقتباس الانوار (فارسی) مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور ۱۸۹۵ء، ص ۲۹

Marfat.com

۷۳۔ خزینۃ الاصفیاء طبع لکھنؤ' جلد دوم' ص ۲۳۲
۷۴۔ کشف المحجوب کے نام کے ساتھ "لارباب القلوب" کا اضافہ غلط ہے۔ اس غلطی کا سبب آئندہ بیان ہوگا۔
۷۵۔ مقدمہ تذکرۃ الاولیاء' طبع تہران' بارسوم' ص ۸
۷۶۔ سبک شناسی یا تاریخ تطور نثر فارسی از شادروان محمد تقی بہار "ملک الشعرا" جلد دوم' طبع تہران' بار دوم' ص ۳۶۰
۷۷۔ ترجمہ مقدمہ روسی بہ فارسی کشف المحجوب مصححہ ژوکوفسکی' طبع تہران' ص ۶۰
۷۸۔ تذکرۃ الاولیاء طبع لاہور' ص ۱۳۴' طبع تہران' حصہ اوّل' ص ۱۹۰
۷۹۔ ایضاً' ص ۳۵۰' طبع تہران' حصہ دوم' ص ۵۸
۸۰۔ سہ صدی مکتوبات از شیخ یحییٰ منیری' طبع لاہور ۱۳۱۹ھ حصہ اوّل' ص ۲۶۷
۸۱۔ لطائف اشرفی' طبع دہلی ۱۲۹۸ھ' جلد اول' ص ۱۶۲۔ س ۱۵
۸۲۔ ایضاً' جلد دوم' ص ۸۵' ص ۱۹
۸۳۔ فصل الخطاب خطی' ص ۶ (مملوکہ حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری مدظلہ العالی لاہور) یہ کتاب تاشقند سے طبع ہو چکی ہے لیکن یہاں کمیاب ہے۔
۸۴۔ کشف المحجوب' طبع تہران' ص ۲۰۶
۸۵۔ نفحات الانس' طبع لکھنؤ' ص ۲۶۴
۸۶۔ ایضاً' ص ۲۷۷
۸۷۔ ایضاً' ص ۲۹۰
۸۸۔ فہرست مخطوطات فارسیہ انڈیا آفس لائبریری، نمبر ۱۷۷۴ (۲)
۸۹۔ مکتوبات حضرت خواجہ گیسو دراز مرتبہ مولانا رکن الدین ابوالفتح علاء قریشی، طبع حیدرآباد دکن ۱۳۶۲ھ ص ۸۰
۹۰۔ عصرِ حاضر کی مشہور تصنیف جو ایران کے متعدد فضلا کی کاوش کا نتیجہ ہے۔
۹۱۔ طرائق الحقائق تالیف نائب الصدر حاج میرزا معصوم بن رحمت علی شاہ قزوینی نعمت اللہی شیرازی متوفی ۱۳۴۴ق ۲ جلد تہران (فہرست کتب ہای چاپی، جلد اوّل از خان بابا مشار، طبع تہران، کالم ۱۰۹۰)
۹۲۔ ترجمہ مقدمہ روسی بہ فارسی کشف المحجوب، طبع تہران' ص ۶۱
۹۳۔ کشف المحجوب کے صفحات نمبر چاپ تہران سے دیے گئے ہیں اور کشف سے مراد "کشف المحجوب" ہے۔
۹۴۔ کشف سے مراد "کشف المحجوب" ہے۔
۹۵۔ بہ تغیر قلیل از مقدمہ کشف المحجوب' طبع تہران' ص ۶۰۔ ۵۸
۹۶۔ مقدمہ رسالہ قشیریہ مترجم اردو' طبع راولپنڈی ۱۹۷۰ء ص ۳۹
۹۷۔ ترجمہ مقدمہ کشف المحجوب' روسی بفارسی' طبع تہران' ص ۵۷
۹۸۔ تصوف اسلام از عبدالماجد دریابادی' طبع سوم' ص ۵۴۔ ۵۳
۹۹۔ سبک شناسی یا تاریخ تطور فارسی' ص ۱۸۷
۱۰۰۔ ایضاً۔ ص ۱۹۰۔ ۱۸۷
۱۰۱۔ فصل الخطاب خطی۔ ص ۶۰ (مملوکہ حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری' لاہور)
۱۰۲۔ مقدمہ ژوکوفسکی کشف المحجوب' طبع تہران' ص ۵۲

Marfat.com

۱۰۳۔ ایضاً۔ص۵۲
۱۰۴۔ ایضاً' حاشیہ' ص۵۲
۱۰۵۔ کشف الظنون (فلوگل ایڈیشن) نمبر ۹۰۵۸ جلد چہارم' ص۴۲۲
۱۰۶۔ ایضاً' نمبر۹۰۶۰
۱۰۷۔ فصل الخطاب' قلمی' ص۶
۱۰۸۔ ایضاً۔ص۴۲۱
۱۰۹۔ رسالہ میڈیول انڈیا' مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جلد۲ص۱۲ بحوالہ تاریخ مشائخ چشت' ص۹۹
۱۱۰۔۱۱۱ جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ' جلد۸' ۱۹۴۲ء۔ مقالہ کشف المحجوب از ایل۔ایس۔ڈیوگن
۱۱۲۔ تاریخ ملتان جلداول' ملتان ۱۹۷۱ء' ص۱۸۶۔۱۸۵
۱۱۳ کشف المحجوب' طبع تہران' ص۳۱۴۔۳۱۳
۱۱۴۔ ایضاً' ص۳۳۷
۱۱۵۔ ایضاً' ص۳۹۹
۱۱۶۔ ایضاً' ص۵۲۲
۱۱۷۔ ایضاً' ص۵۳۱
۱۱۸۔ ثمرات القدس خطی (مملوکہ صاحبزادہ نصرت نوشاہی' شرق پور شریف)
۱۱۹۔ سفینۃ الاولیاء' طبع کانپور' ص۱۶۴
۱۲۰۔ ثمرات القدس (قلمی)
۱۲۱۔ خلاصۃ التواریخ مترجم اردو از ڈاکٹر ناظر حسن زیدی' ص۱۰۶
۱۲۲۔ فوائد الفواد فارسی' طبع لاہور' ص۵۷
۱۲۳۔ ماہ نامہ ''فکر ونظر'' اسلام آباد ستمبر ۱۹۷۱ء مقالہ ''سید علی ہجویری اور حسین زنجانی'' از مخدومی ڈاکٹر پیر محمد حسن اور تاریخی مقالات طبع لاہور از پروفیسر محمد اسلم ملاحظہ ہوں۔
۱۲۴۔ خزینۃ الاصفیاء جلد دوم' ص۲۵۰
۱۲۵۔ ایضاً' ص۲۵۲
۱۲۶۔ ''مآثر الکرام'' میں بھی لکھا ہے کہ سعد الدین حمویہ شیخ زنجانی کے مرید تھے۔ ''شیخ فخر الدین زنجانی پیر ارشاد شیخ سعد الدین حموی'' (ص۔۷) شیخ حمویہ ۶۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ جملہ تذکروں میں ان کے پیر کا نام حضرت نجم الدین کبریٰ تحریر ہے۔ حضرت زنجانی سے بھی استفادہ کیا ہوگا۔
۱۲۷۔ سیر العارفین قلمی از شیخ جمالی' مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری بحوالہ تاریخی مقالات از پروفیسر محمد اسلم' ص۲۸۲
۱۲۸۔ آئینِ اکبری جلد سوم از ابوالفضل۔ سرسید ایڈیشن ۱۲۷۲ھ۔ص۲۰۷
۱۲۹۔ اذکارِ ابرار ترجمہ گلزار ابرار از محمد غوثی بسال ۱۰۲۳ھ طبع آگرہ' ص۶، ۲۵
۱۳۰۔ عمل صالح (شاہ جہاں نامہ) طبع لاہور' جلد اول' ص۵۰
۱۳۱۔ سفینۃ الاولیاء' طبع کانپور' ص۹۳
۱۳۲۔ تاریخ السلف' طبع آگرہ' ۱۳۴۴ھ' ص۸، ۹۷۷

۱۳۳۔ تاریخ لاہور از کنہیا لال، طبع لاہور ۱۸۸۴ء، ص ۹۱
۱۳۴۔ تاریخ لاہور انگریزی بحوالہ سوانح داتا گنج بخش از محمد الدین فوق، ص ۲۷
۱۳۵۔ تاریخ بیہقی، مجلد اول طبع تہران، ص ۴،۲۸۳
۱۳۶۔ چار باغ پنجاب فارسی از گنیش داس وڈیرہ مرتبہ پروفیسر کرپال سنگھ۔ شائع کردہ سکھ ہسٹری ڈیپارٹمنٹ خالصہ کالج امرتسر ۱۹۶۵ء، ص ۲۷۹
۱۳۷۔ مقالات دینی و علمی، حصہ اول از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، ص ۲۲۸
۱۳۸۔ اہلِ تحقیق کے نزدیک سجز لکھنا صحیح ہے۔ استاد سعید نفیسی نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے شعر میں ''پیر سنجر'' غلط چھپ گیا ہے اصل میں یہ شعر یوں ہونا چاہیے۔ ''سید ہجویر مخدوم اُمم مرقدِ او پیر سجزی را حرم۔'' (ہلال فارسی، کراچی، بحوالہ اذکار جمیل از محمد موسیٰ، ص ۵۱)
۱۳۹۔ مکتوباتِ مجدد الف ثانی اردو ترجمہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی، طبع کراچی، دفتر اول، حصہ اول، ص ۲۳۸
۱۴۰۔ تاریخ لاہور از کنہیا لال، ص ۹۱
۱۴۱۔ چار باغ پنجاب، طبع امرتسر، ص ۲۷۹
۱۴۲۔ تحقیقاتِ چشتی، طبع لاہور، ۱۳۲۴ھ، ص ۱۴۷
۱۴۳۔ سفینۃ الاولیاء فارسی، طبع کانپور، ص ۱۶۴
۱۴۴۔ مقالاتِ دینی و علمی از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، حصہ اول، ص ۲۳۱
۱۴۵۔ مقالات منتخبہ مجلہ دانشکدہ خاور شناسی، دانش گاہ پنجاب مقالہ تاریخ وفات داتا گنج بخش علی ہجویری غزنوی از عبدالحیٔ حبیبی۔ فاضل موصوف کا یہ مقالہ پہلی بار اورینٹل کالج میگزین شمارہ فروری ۱۹۶۰ء میں طبع ہوا تھا۔
۱۴۶۔ مقالات منتخبہ، ص ۲۶۴
۱۴۷۔ کشف المحجوب، طبع تہران، ص ۲۰۹
۱۴۸۔ تفصیل فہرست مخطوطاتِ فارسیہ پنجاب پبلک لائبریری مرتبہ منظور حسن عباسی ۱۹۶۳ء نمبر ۶، ۲۹۷، ص ۱۵۷
۱۴۹۔ عبدالحیٔ حبیبی نے اس بحث کا اعادہ مقدمہ ''طبقات الصوفیہ'' میں بھی کیا ہے۔ اول اول میں نے ان کی یہ تحقیق اسی میں دیکھی تھی اور میں ان کی ثقاہت کے پیشِ نظر اس کا قائل ہو گیا تھا اور مقدمہ مکتوبات امام ربانی لکھتے وقت ان کا اتباع کیا تھا، مگر اب ''کشف المحجوب'' کے متعدد نسخے دیکھنے سے اس تحقیقِ جدید سے اعتماد اُٹھ گیا۔
۱۵۰۔ مقدمہ کشف المحجوب از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، ص ۸
۱۵۱۔ ایضاً، ص ۸
۱۵۲۔ سفینۃ الاولیاء، طبع کانپور، ص ۱۶۵
۱۵۳۔ عبرت نامہ، طبع لاہور، مجلد دوم، ص ۶۴
۱۵۴۔ سفینۃ الاولیاء، طبع کانپور، ص ۱۶۵
۱۵۵۔ ایضاً، اردو ترجمہ از وارث کامل، طبع لاہور، ص ۱۹۸
۱۵۶۔ مقدمہ کشف المحجوب از ڈاکٹر مولوی محمد شفیع۔ ص ۷۔۶
۱۵۷۔ تحقیقاتِ چشتی، ص ۶، ۱۴۵

☆......☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع

حضرت داتا گنج بخشؒ

حضرت داتا گنج بخشؒ کا نام علی اور ان کے والد ماجد کا نام عثمان تھا۔ ان کا پورا نسب اور ان کی نسبت یہ ہے: علی بن عثمان بن علی الجُلّابی ثم الہجویری الغزنوی۔ ان کی کنیت ابوالحسن ہے۔ ''حدائق الحنیفہ'' میں ہے کہ آپ کا شجرہ نسب امام حسنؓ تک پہنچتا ہے۔ ان کا تمام گھرانا زہد وتقویٰ کا گھرانا تھا۔ ''سفینۃ الاولیاء'' میں ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی اصل افغانستان کے شہر غزنین سے ہے۔ جُلّاب اور ہجویر غزنین کے دو محلے ہیں۔ آپ پہلے ایک محلے میں رہتے تھے۔ پھر دوسرے میں منتقل ہوئے' اس لئے انہیں کبھی جُلابی اور کبھی ہجویری کہتے ہیں۔ ان کے والد بزرگوار کی قبر غزنی میں ہے اور ان کی والدہ ماجدہ کی قبر بھی اسی شہر میں حضرت داتا گنج بخشؒ کے ماموں تاج الاولیاء کی قبر سے متصل ہے۔ ان تمام قبروں کی زیارت شہزادہ داراشکوہ نے خود کی۔ (زبیری صاحب کمشنر بہاول پور نے ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو مجھے بتایا کہ یہ قبریں اب بھی موجود ہیں۔ وہ غزنی گئے تھے اور انہوں نے ان قبروں کو موجود پایا۔) ''گنج بخش' جناب ہجویری کا لقب ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ آپ کے مزار پر معتکف رہے، جاتے وقت یہ مشہور شعر

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا   عاملاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

جس میں آپ کو گنج بخش کہا ہے، پڑھا۔ مگر بعض قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو آپ کی زندگی ہی میں اس لقب سے ملقب کیا گیا تھا۔

مختلف تذکروں میں داتا صاحبؒ کا کچھ نہ کچھ حال دیا ہے۔ ''نفحات الانس'' میں انہیں ''عالم وعارف'' کہا ہے اور ''سفینۃ الاولیاء'' میں ہے کہ ان کے خوارق وکرامات حدِّ حصر سے زیادہ ہیں اور ''حدائق الحنیفہ'' میں ہے کہ آپ اولیاء متقدمین میں سے ہیں۔ جامع علوم ظاہری وباطنی، عابد، زاہد، متقی، مظہر خوارق وکرامات اور حنفی المذہب، لیکن مفصل حالات پرانے تذکرہ نویسوں میں سے کسی نے نہیں لکھے، یہاں تک کہ ان کی تاریخ ولادت ووفات اور ان کے ورود لاہور کی تاریخ بھی قطعی طور پر معلوم نہیں۔ اندازے سے کہا جاتا ہے کہ ان کی ولادت پانچویں صدی ہجری کے شروع میں ہوئی ہوگی اور وفات کی تاریخ مشہور ۴۶۵ھ اور ۴۶۹ھ کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ مگر قیاس چاہتا ہے کہ ان کا وصال اس سے بہت بعد ہوا۔ اس کی دلیل ابھی بیان ہوگی۔ مواد کی اس قلت کے باوجود داتا

صاحبؒ کی کتاب ''کشف المحجوب'' میں ان کی زندگی کے بعض کوائف اتفاقاً مذکور ہو گئے ہیں۔ انہیں پر اعتماد کر کے چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید طریق تصوف پر گامزن ہونے سے پہلے حضرت داتا صاحبؒ پر ایک دور ایسا بھی گزرا جس میں وہ عراق میں مقیم اور دنیا طلبی اور فناء اموال میں بے چینی کے ساتھ مصروف رہتے تھے۔ اس زمانے میں انہوں نے بہت سا قرض بھی لے لیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہر کسی کی بے ہودہ فرمائش مجھے برداشت کرنا پڑتی تھی۔ لوگ میری طرف رخ کرتے تھے اور میں ان کی خواہشات کے سرانجام دینے کی مشکل میں گرفتار تھا۔ اس وقت سیدانِ وقت میں سے ایک نے مجھے یہ خط لکھا: ''دیکھو بیٹا! جو دل ہوا و ہوس میں مشغول ہے، اس کی خاطر سے تم اپنے دل کو خدائے عزّ و جل سے نہ ہٹاؤ۔ ہاں، اگر تم ایسے دل کو پاؤ جو تمہارے دل سے گرامی تر ہو، تو اس دل کو راحت دینے کی خاطر تم بے شک اپنے دل کو مشغول کرو، ورنہ رک جاؤ۔ اس لئے کہ بندوں کے لئے خدا خود کافی ہے۔'' داتا صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اس بات سے مجھے فوراً سکون دل حاصل ہو گیا۔

ایک دوسرے مقام پر آپ نے اپنی زندگی کا ایک اور واقعہ بھی بیان فرمایا ہے۔ بظاہر ان کے دنیا کو ترک کرنے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا۔ وہ کہتے ہیں: ''میں کہ علی ابن عثمان الجلابی ہوں، گیارہ سال تک شادی کی آفت سے محفوظ رہا۔ مگر میری تقدیر میں تھا کہ میں آزمائش میں پڑوں، میں نے طرف ثانی کو دیکھا بھی نہ تھا۔ مگر جو صفت میرے سامنے بیان ہوئی، میرا ظاہر و باطن اس کا اسیر ہوا اور میں کامل طور پر اس میں منہمک ہو گیا۔ نزدیک تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے، حق تعالیٰ نے اپنے کامل فضل اور پوری مہربانی سے اپنی نگہداری کو میرے ناچار دل کی حفاظت کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت سے مجھے نجات دلائی۔ والحمد لله علی جزیل نعمائه۔''

یوں تو داتا صاحبؒ نے بہت سے مشائخ کی صحبت سے فیض پایا، لیکن انہوں نے حضرت ابوالعباس شقانی کی نسبت لکھا ہے کہ: ''مجھے ان سے کمال انس تھا اور وہ بھی مجھ پر سچی شفقت فرماتے تھے۔ بعض علوم میں وہ میرے استاد تھے۔ یہ بزرگ نہ صرف اہل تصوف کے بزرگان اجل میں سے تھے، بلکہ مختلف اصول اور فروعی علموں میں اہم بھی تھے۔'' یہ تو تھا علم ظاہر۔ امورِ باطن میں داتا صاحبؒ نے شیخ ابوالفضل محمد ابن حسن الختلی سے فیض پایا۔ ختل یا ختلان بدخشان کے مغرب میں دریائے جیحون کے دائیں کنارے پر ایک علاقے کا نام ہے۔ کبھی اس نام کا اطلاق خراسان کے مشرق اور شمال کے تمام بلاد پر بھی ہوتا ہے۔ جناب ختلی کی نسبت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں: ''میں طریقت میں ان کا پیرو ہوں۔ وہ علم تفسیر و روایات کے عالم تھے اور تصوف میں مذہب جنید کے پابند تھے۔ حصری کے مرید اور ان کے راز دار تھے...... سچی گوشہ نشینی کی وجہ سے ساٹھ سال تک گوشوں میں چھپا کیے اور اپنا نام خلقت کے درمیان گم کر دیا۔ وہ اکثر جبلِ لکام میں رہا کرتے تھے۔'' جبلِ لکام سلسلہ کوہ لبنان (Anti-Taurus) کا وہ حصہ ہے، جو انطاکیہ اور مصیصہ کے متصل ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ جناب ختلی نے لمبی عمر پائی۔ وہ صوفیوں کے لباس اور ان کی رسوم کے پابند نہ تھے، بلکہ اہل رسم کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔ اس کے بعد داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

Marfat.com

''ایک دن میں ان کے ہاتھ دھلا رہا تھا کہ میرے دل میں خیال گذرا کہ جب کام تقدیر اور قسمت سے بنتے ہیں تو کیا ضرورت ہے کہ آزاد لوگ خود کو بوڑھوں کا غلام بنائیں۔ شیخ نے مجھے مخاطب کر کے کہا: ''بیٹا! میں جانتا ہوں کہ تم نے کیا سوچا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہر حکم کا ایک سبب ہوتا ہے۔ جب خدا کو یہ منظور ہوتا ہے کہ وہ ایک عوان بچے کے سر پر تاج کرامت رکھے، تو اسے توبہ کی توفیق دیتا ہے اور اپنے دوست کی خدمت میں مشغول کر دیتا ہے۔ غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ خدمت اس کی کرامت کا سبب بن جائے'' عوان دیوانِ سلطانی کے سرہنگوں کو کہتے ہیں۔ اس قصے سے گمان گذرتا ہے کہ داتا صاحبؒ کے بزرگوں میں سے شاید کسی کا تعلق کبھی اس گروہ سے رہا ہو، مگر اور کسی ماخذ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ دمشق کے قریب ایک گاؤں ہے، جسے ''بیت الجن'' کہتے تھے۔ جناب ختلی کا انتقال اس گاؤں میں ہوا۔ جب ان کا وقت قریب آ پہنچا تو داتا صاحبؒ کو یہ وصیت کی: ''تمہیں معلوم رہے کہ ہر مقام پر نیک و بد حال پیدا کرنے والا خدائے عزّوجل ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اس کے کام پر جھگڑا نہ کرو اور دل کو رنجیدہ نہ ہونے دو۔'' اس کے سوا آپ نے اور کوئی وصیت نہ کی اور جان بحق تسلیم کی۔

''کشف المحجوب'' داتا صاحبؒ کی واحد تصنیف ہے، جو ہم تک پہنچی۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ داتا صاحبؒ نے نو (۹) کتابیں اور بھی لکھیں، مگر وہ سب کتابیں اب ناپید ہیں۔

''کشف المحجوب'' کے متعلق مولانا جامیؒ لکھتے ہیں کہ یہ کتاب فن تصوف کی مشہور اور معتبر کتابوں میں سے ہے اور اس میں مصنف نے بہت سے لطائف وحقائق جمع کر دیئے ہیں۔ داراشکوہ نے لکھا ہے کہ ''کشف المحجوب'' میں کسی کو جائے سخن نہیں۔ وہ ایک کامل مرشد ہے۔ تصوف پر جو کتابیں فارسی میں لکھی گئیں، ان میں سے کوئی بھی اس کتاب کی خوبی کو نہیں پہنچتی۔

داتا صاحبؒ نے یہ کتاب اپنی عمر کے آخری حصے میں تصنیف کی اور کم از کم اس کا ایک حصہ لاہور میں لکھا۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''اس وقت (اس موضوع پر) اس سے زیادہ لکھنا ممکن نہیں، اس لئے کہ کتابیں دارالسلطنت غزنی حرسہا اللہ میں ہیں اور میں دیارِ ہند میں لاہور کے شہر میں جو ملتان کے مضافات میں ہے، ناجنسوں کے درمیان گرفتار ہوں۔'' اس عبارت سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ تحریر کتاب کے وقت داتا صاحبؒ کے پاس کوئی تحریری مواد مراجعت کے لئے موجود نہ تھا۔ درجنوں آیاتِ شریفہ، ۱۳۷ احادیث اور ۵۷ عربی اشعار جو اس کتاب میں آئے ہیں، ان کا زبانی لکھ لینا تو چنداں دشوار نہ تھا، مگر تقریباً تین سو اقوالِ مشائخ اور بیس اکیس کتابوں کی عبارتیں جو بقیدِ مصنف کتاب میں درج ہیں، ان کا حافظے سے درج کرنا قرین قیاس نہیں۔

''کشف المحجوب'' کی ترتیب یہ ہے کہ جناب ہجویریؒ نے اپنے ہم وطن ابوسعید ہجویریؒ کا ایک سوال نقل کیا ہے۔ اس میں سائل نے تحقیقِ طریقت کا بیان داتا صاحبؒ سے چاہا ہے اور صوفیوں کے مقامات، ان کے مذاہب و مقالات اور ان کے رموز واشارات کی تشریح آپ سے طلب کی ہے۔ محبت خدا اور اس کے دلوں میں ظاہر ہونے کی کیفیت پوچھی ہے۔ اس کی کنہ و ماہیت سمجھنے میں عقلوں پر جو حجاب چھا جاتے ہیں، ان کا سبب دریافت کیا ہے۔ داتا

Marfat.com

صاحبؒ نے ساری کتاب اس سوال کے جواب دینے کے لئے لکھی ہے۔ انہوں نے ابتدائے اسلام سے شروع کر کے تصوف کا پورا حال بیان کیا ہے۔ صحابہ، اہل بیت، تابعین، اتباعِ تابعین اور متاخرین، صوفی اماموں کو، پھر عرب و عجم کے رجال صوفیہ کو گنا ہے اور ان کا حال دیا ہے۔ اس کے بعد کتاب کا اہم ترین باب ہے۔ یعنی مختلف صوفی فرقوں کا فرق، ان کے مذاہب و آیات و مقابات و حکایات۔ اس باب میں گیارہ صوفی فرقوں کا حال بیان کیا ہے اور اکثر فرقوں کا حال بیان کرنے میں تصوف کے ایک یا زیادہ نکتوں کی مفصل تشریح کی ہے۔ اس باب کے بعد کشف وحجاب کے گیارہ باب دیئے ہیں، جن میں تصوف کے نقطہ نظر سے ارکانِ اسلام کی تشریح کی ہے۔ صحبت کے آداب واحکام بیان کئے ہیں۔ صوفیوں کی اصطلاحات کی تشریح کی ہے اور آخر میں سماع اور اس کے انواع پر بحث کی ہے۔ "کشف المحجوب" فارسی میں تصوف کی اولین کتاب ہے، مگر اس میں تصوف کی تمام اصطلاحیں عربی میں دی ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تصوف کی ابتداء عرب ممالک میں ہوئی تھی۔ جناب داتا صاحبؒ اصولِ تصوف کے ماہر ہیں۔ اسی حیثیت سے انہوں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ ان کا انداز مؤرخانہ نہیں ہے۔ ساری کتاب میں شاید ہی کوئی تاریخ دی ہو۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ تصوف کے مسائل اور نکات کی تشریح کی جائے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

> "یہ کتاب راہِ حق بیان کرتی ہے۔ کلمات کی شرح کرتی ہے اور مختلف پردے کھولتی اور ہٹاتی ہے۔"

لاہور میں "کشف المحجوب" دو تین دفعہ چھپی ہے۔ ایک عمدہ ایڈیشن لینن گراڈ اور ایک سمرقند میں طبع ہوا۔ اس کتاب کا اردو اور انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

داتا صاحبؒ نے اپنی عمر کے آخری سال لاہور میں گذارے۔ یہ غزنویوں کا دور تھا۔ آپ نے یہاں اپنا وقت اشاعتِ اسلام، تلقین اور تدریس علوم میں صرف کیا اور یہیں آپ نے انتقال فرمایا۔ شاید یہ سلطان ظہیر الدین ابراہیم غزنوی کا زمانہ تھا جس نے ۴۵۱ھ سے ۴۹۲ھ تک حکومت کی۔ کہتے ہیں کہ ان کی سنگ مرمر کی قبر اسی سلطان نے بنوائی تھی، مگر مجاور کسی کو یہ پتھر دیکھنے نہیں دیتے جس سے ممکن ہے قیاسات میں کچھ مدد ملے۔ "فوائد الفواد" میں لکھا ہے کہ ۷۰۸ھ کے آخر میں حضرت نظام الدین اولیاؒ کے سامنے ایک شخص نے ذکر کیا کہ اس نے لاہور میں داتا صاحبؒ کے مزار کی زیارت کی ہے۔ داراشکوہ نے "سفینۃ الاولیاء" میں لکھا ہے کہ "داتا صاحبؒ کی قبر شہر لاہور کے بیچ میں قلعے کے مغرب کی طرف واقع ہے۔ جمعہ کی رات کو زائرین کا ہجوم ہوتا ہے۔ میں نے خود بھی ان کے مزار کی زیارت کی ہے۔" یہ تو داراشکوہ کے زمانے کا حال تھا۔ بعد کی صدیوں میں بھی اب تک زائرین بکثرت، زیارت کے لئے آتے رہے ہیں اور آتے ہیں اور حضرتؒ کا فیضان جاری ہے۔ ۲۰ صفر کو ہر سال آپ کا عرس ہوتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ ان قدیم ترین بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے پنجاب میں اسلام کا پیغام پہنچایا۔ یہ پانچویں صدی ہجری کا زمانہ تھا۔ پنجاب میں سلطان محمود غزنوی کے متواتر حملوں کی وجہ سے اگرچہ مسلمانوں کی سطوت و جبروت کا سکہ دلوں میں بیٹھ چکا تھا، لیکن عین اسی وجہ سے اور دیگر وجوہ سے بھی، غیر مسلموں کا ردعمل مسلمانوں کے

Marfat.com

سخت خلاف تھا اور ان کے دل اسلام دشمنی کے جذبات سے لبریز تھے۔ ایسے زمانے میں اس ملک میں پہنچ کر انہیں لوگوں کے درمیان تبلیغ اسلام کرنا کسی معمولی فردِ بشر کا کام نہ تھا۔ اس مطلب کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو عالم و عارف ہو، جس کا یقین اور ایمان پہاڑ کی طرح محکم ہو، جس کا صدق وصفا للہیّت اور بے غرضی، یعنی جس کا فقر کامل ہو، جس میں تاریک روحوں کو نورِ اسلام سے منور کرنے کا بے پناہ جذبہ موجود ہو، جس میں جذب اور مقناطیسیت بے حساب ہو، جس کی روحانی قوت ایسی ہو کہ دشمن کو دوست بنا دے، جو آہنی عزم کا مالک ہو اور حالات کا غلام نہیں، ان کا آقا ہو، جسے اپنے بلند مقصد کے حصول کے مقابلے میں اپنے آرام وآسایش کی کوئی پروانہ ہو۔ ایسا پیرِ کامل اور کاملوں کا راہنما وہ جلیل القدر اور عظیم الشان بزرگ تھا، جس کے ذکرِ خیر سے ہم رحمتِ ایزدی کو دعوتِ نزول دیتے ہیں۔

افسوس ہے کہ جناب شیخ کے شخصی حالات بہت کم محفوظ رہے ہیں۔ آپ کی تاریخ ولادت معلوم نہیں اور تاریخ وفات جو مشہور ہے وہ بھی یقینی نہیں۔ ان کے لاہور آنے کا زمانہ، ان کے قیام لاہور کی مدت، ان میں سے کوئی بات وثوق کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ بعض باتیں جو انہوں نے اپنے متعلق اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں لکھ دی ہیں، صرف انہیں پر اعتماد ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی تاریخ وفات کے سلسلے میں بھی اسی کتاب سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔

''سفینۃ الاولیاء'' مطبوعہ میں داراشکوہ نے لکھا ہے کہ: ان کی وفات کی تاریخ ۴۵۶ھ ہے اور ایک دیگر روایت کی رو سے ۴۶۴ھ ہے'' مگر خزینۃ الاصفیاء'' ہی میں ہے کہ ''نفحات الانس'' کے مطبوعہ اور قدیم نسخوں میں جو میں نے دیکھے ہیں، کہیں آپ کی تاریخ وفات درج نہیں ہے۔ بہر حال آپ کے احاطہ مزار میں دو جگہ جامی لاہوری کے دو قطعاتِ تاریخ میں ۴۶۵ھ ہی تاریخ دی ہے اور یہی تاریخ ''ماثر الکرام''، ''حدائق الحنفیۃ'' اور ''نزہتہ الخواطر'' میں اختیار کی گئی ہے مگر بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخؒ اس سے کئی سال بعد تک زندہ رہے۔

مفصل بحث کا یہ مقام نہیں۔ صرف یہ کہنا کافی ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ نے ''کشف المحجوب'' میں متعدد معاصر شیوخ کا ذکر بصیغہ ماضی کیا ہے۔ مثلاً کہا ہے کہ فلاں بزرگ زہد وتقویٰ اور صلاحیت میں ایسے ایسے تھے۔ اب ان بزرگوں کی وفات کی تاریخیں دیکھیں تو وہ ۴۶۰ھ سے ۴۷۹ھ تک پہنچتی ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ وہ حضرت شیخؒ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جناب ہجویریؒ کی وفات ۴۷۹ھ یا اس کے بعد ہوئی ہوگی۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ ''کشف المحجوب'' میں وہ فرماتے ہیں کہ اپنے پیر جناب ختلی کی وفات کے وقت وہ ان کی خدمت میں حاضر تھے۔

جناب ختلی کی وفات ذہبی کی ''تاریخ الاسلام'' کی رو سے ۴۶۰ھ میں ''بیت الجن'' کے مقام پر ہوئی۔ یہ مقام دمشق سے کچھ فاصلے پر تھا۔

اگر وہاں سے روانہ ہو کر حضرت شیخؒ ۴۶۱ھ میں بھی لاہور پہنچ گئے ہوں اور ۴۶۵ھ میں فوت ہو گئے ہوں تو ان کے قیام لاہور کی مدت صرف ۴ سال کے قریب بنتی ہے۔ جب داراشکوہ یہ کہتا ہے کہ بہت سی سیاحت کے بعد

Marfat.com

وہ لاہور پہنچے اور یہیں مقیم ہو گئے اور دیارِ لاہور کے لوگ سب ان کے مرید و معتقد ہو گئے تو اتنا عظیم الشان کام سرانجام دینے کے لئے جو غیر زبان، غیر مذہب اور روایتی متعصب و معاند لوگوں میں سرانجام دیا گیا، بہت کم ہے۔

پس اگر حسبِ بیانِ بالا ان کی تاریخ وصال ۴۷۹ھ یا اس کے بعد تھی، تو اس حساب سے قرین قیاس ہے کہ ان کی ولادت بھی چوتھی صدی ہجری کے اواخر یا پانچویں کے ابتداء میں ہوئی ہوگی۔

"خلاصۃ التواریخ" کا یہ بیان درست معلوم نہیں ہوتا کہ جناب شیخ سلطان محمود کے ساتھ اس ملک میں آئے، اس لئے کہ سلطان کے حملوں کا زمانہ بقول لین پول ۳۹۲ھ تا ۴۱۵ھ (۱۰۰۱ء تا ۱۰۲۴ء) تھا۔ پس اگر جناب ہجویریؒ ۴۱۵ھ میں بھی لاہور آئے ہوں تو ان کی عمر اس وقت ۱۵، ۲۰ سال کے قریب ہوگی جو ان کے کارناموں کے لئے موزوں عمر نہیں ہے۔

"کشف المحجوب" میں ہے کہ وہ ابوسعید ابی الخیر (م۔۴۴۰ھ) کی قبر پر پہنچے۔ یعنی ۴۴۰ھ یا اس کے بعد کسی سال وہ خراسان میں تھے۔ پس اگر وہ ۴۴۰ھ یا اس کے بعد خراسان میں تھے اور ۴۶۰ھ میں دمشق کے نواح میں تھے، تو وہ یا تو لاہور ۴۶۰ھ کے بعد آئے یا ایک سے زیادہ دفعہ یہاں آئے۔

حضرت شیخ نے بہت سفر کیا۔ اس زمانے کی مشکلات سفر اور ان کی بے سامانی کو مدنظر رکھتے ہوئے عقل حیران ہوتی ہے کہ اتنا طول طویل سفر کس طرح ممکن ہو سکا، مگر اس میں شک نہیں کہ تجرید اور توکل کے قدم پر حضرت شیخ نے عالم اسلام میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک گردش کی۔ حدود شام سے مشرقی ترکستان تک اور بحیرہ خزر سے لاہور تک پہنچے اور بے شمار صوفیائے کرام اور مشائخ عظام سے استفادہ کیا۔ چنانچہ بقول ان کے تین سو شیوخ سے صرف خراسان میں ملاقات کی (کشف احوال معاصرین) کہیں سے حدیث معنی، کہیں سے امور باطنیہ کے نکتے جمع کیے، جن اکابر سے ان کی ملاقات ہوئی ان میں مشائخ ذیل بھی شامل تھے: شیخ المشائخ ابوالقاسم گرگانی (م۔۴۶۴ھ)، ابوالقاسم قشیری صاحب "رسالہ قشیریہ" (م ۴۶۵ھ)، شیخ ابوسعید ابی الخیر مہینی (م۔۴۴۰ھ)، جناب ہجویریؒ کے پیر ابوالفضل بن حسن ختلی تھے (م۔۴۶۰ھ ۷) اور ختلی ایک واسطے سے شیخ شبلی کے اور حضرت جنید کے مرید تھے۔ ابو العباس احمد بن محمد اشقانی (م۔۴۷۹ھ) بعض علوم میں جناب ہجویریؒ کے استاد تھے ("کشف المحجوب" طبع بہاول پریس لاہور، ص ۱۲۱) ان بے شمار بزرگوں سے حضرت شیخ نے مختلف مسائل پر گفتگو کی اور ان کے اقوال کا قیمتی اور نایاب ذخیرہ اپنی کتاب میں جمع کیا۔

(کشف المحجوب، بامقدمہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، لاہور ۱۹۶۸ء، ص ۱۔۱۵)

حاشیہ

۱۔ ۱۹۶۰ء میں اوقاف ڈیپارٹمنٹ کی وساطت سے اس پتھر کی تصویر والد مرحوم نے لی۔ (احمد ربانی)

Marfat.com

پروفیسر شیخ عبدالرشید
مترجم: ڈاکٹر ناظر حسن زیدی

حیات وتعلیمات

حضرت داتا گنج بخشؒ

تصوف اور اس کے سلسلوں کا آغاز

پروفیسر ایچ اے آر گب نے لکھا ہے کہ بارھویں صدی عیسوی سے مختلف ممالک میں ملت اسلامیہ میں جو واقعات رونما ہوئے، ان میں صوفی مشائخ اور ان کے سلسلوں کی کارگزاریوں اور اثرات کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ یہ تصوف کی تحریک ہی تھی جس نے اسلام کی روح کو پائندہ تر بنایا۔ جب تک تصوف کے اسباب ونتائج کا غائر نگاہ سے مطالعہ نہ کیا جائے، اسلام کی جامع ومکمل تاریخ کا لکھنا ممکن ہی نہیں۔ ہندوستان میں اسلام کی تاریخ تحریر کرتے ہوئے یہ ضرورت اور بھی اہم ہو جاتی ہے۔

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں نے معاشرتی نظام کی ناانصافیوں اور جابر وقاہر حکومتوں کے ظلم سے بچنے کے لئے نیز حکمران طبقے کی سخت گیریوں اور نام نہاد الٰہیات کے روح فرسا عقائد سے محفوظ رہنے کے لئے تصوف ہی کے دامن میں پناہ لی۔ اولین صوفی بزرگوں میں علی بن عثمان ہجویری جلابی غزنویؒ کا نام نامی بھی شامل ہے جو گیارھویں صدی کے آغاز میں غزنی سے لاہور آئے اور یہیں مقیم ہو گئے۔ لاہور کے یہ قطب داتا گنج بخشؒ کے نام سے مشہور ہیں اور ان عظیم ہستیوں کے پیشرو ہیں جنھوں نے اپنی پاکیزہ زندگی اور ایمان افروز تعلیم سے لاکھوں اشخاص کو اسلام کے دائرے میں داخل کیا۔ ان بزرگوں نے عمر بھر نکوکاری اور ایمان کامل کا نمونہ پیش کر کے، نیز مرگ وحیات کے مسائل کی صاف صاف سیدھی سادی تشریح کر کے گمراہوں کو صراط مستقیم دکھائی؛ جاہ طلب، جابر وقاہر حکومتوں نے جبر واستبداد کی جو آہنی زنجیریں عوام کو پہنائی تھیں، انہیں اتارا اور مصیبتوں کی ماری انسانیت کو ایمان ویقین کی دولت عطا

Marfat.com

کر کے تسکین دی۔

''صوفی'' کی وجہ تسمیہ لوگوں نے مختلف طریقوں سے بیان کی ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ نے اپنی تصنیف ''کشف المحجوب'' میں بعض تشریحات درج کی ہیں۔ آج کل بالعموم یہ خیال رائج ہے کہ کلمہ ''صوفی'' صوف سے مشتق ہے یعنی وہ شخص جو پرانے صوفیوں کی تقلید میں صوف (اون) کے کپڑے پہنتا ہو مثلاً سفید اونی لباس جس میں خرقہ (دلق مرقع) بھی شامل ہے۔ بعد ازاں جیسا کہ فارسی اصطلاح ''پشمینہ پوش'' سے ظاہر ہے، نیلے رنگ بلکہ سبز رنگ کا لباس بھی پہنا جانے لگا۔ اولین صوفیوں میں سے ایک بزرگ حضرت قشیری (وفات ۱۰۷۳ء) کا قول ہے کہ:

> ''واضح ہو کہ جناب رسالت مآب کے انتقال کے بعد کسی مسلمان کا معزز ترین لقب یہ تھا کہ آں حضرت کا صحابی کہلائے کیونکہ اس سے بڑا امتیاز اور نہ تھا۔ اس بنا پر ممتاز ترین مسلمانوں کو صحابہ کہتے تھے۔ اگلی نسل کے وہ لوگ جنہیں صحابیوں کا فیض صحبت نصیب ہوا تابعین کہلائے۔ یہ بزرگ اس لقب کو اپنے لئے شریف ترین خطاب تصور کرتے تھے۔ پھر اگلی نسل جسے تابعین سے ملنے اور استفادہ کرنے کا شرف نصیب ہوا، تبع تابعین کہلائے۔ اس کے بعد لوگوں میں اختلافات پیدا ہو گئے اور مختلف القاب و اصطلاحات وضع کیے جانے لگے۔ منتخب روزگار اشخاص جنہیں اسلام سے بے پناہ شغف تھا، زاہد اور عابد کہلائے۔ بعد ازاں اختلاف کی جگہ بدعات نے لے لی اور مختلف فرقوں میں جھگڑے پھیل گئے۔ فرقہ اہل سنت والجماعت کے وہ چیدہ و برگزیدہ اشخاص جنہوں نے خدا سے لو لگائی اور پرہیزگاری و اعتدال کا دامن تھاما، صوفی کہلانے لگے۔ یہ لفظ ان حق پرست بزرگوں کے لئے دوسری صدی ہجری کے خاتمے سے پہلے بالعموم استعمال ہونے لگا۔''

کلمۂ صوفی سب سے پہلے جس شخص کے لئے استعمال کیا گیا وہ ابو ہاشم تھے، جن کا انتقال ۷۷۷ء میں ہوا۔ یہ بزرگ کوفے میں پیدا ہوئے لیکن شام میں زندگی بسر کی۔

کلمہ ''صوفی'' کی طرح تصوف کی ابتداء، اصل اور اس کے حقائق و عقائد کے متعلق بھی نظریات میں اختلاف ہے۔ مغربی اہل قلم میں سے بعض کا خیال ہے کہ تصوف، اسلام جیسے باضابطہ مذہب کے خلاف آریائی ذہن کا ردعمل تھا، جس کے بنیادی عقائد بدھ مت، نصرانیت، فلسفہ افلاطونی و غناسطیت سے ماخوذ ہیں۔ دراصل تصوف روح انسانی کا وہ جذبہ بیتاب ہے جو عبد کو معبود سے وصال و اتصال کے لئے بے قرار رکھتا ہے۔ رفتہ رفتہ تصوف کی تحریک اور اس کے الٰہیاتی نظریوں پر بیرونی اثرات کی پرچھائیاں پڑتی گئیں۔ بایں ہمہ اس کی بنیاد اسلام کے مستحکم اصولوں پر قائم رہی۔

تصوف کے عناصر خود اسلام میں یعنی رسول کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کرامؓ کے افعال و اقوال میں موجود ہیں۔ اس دور کے صوفی (اصحاب صفہ) جنہیں پروفیسر نکلسن نے ''عزلت گزیں'' کا خطاب دیا ہے، خوف خدا اور

Marfat.com

خوف قیامت سے لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ احساس معصیت اور خوف قیامت سے بچنے کی صورت یہی تھی کہ انسان ذکر وفکر اور مراقبے میں مشغول ہو جائے اور دنیا کے جنجال سے الگ ہو کر خلق خدا کی خدمت کو اپنا شعار بنا لے تاکہ روز جزا کا دھڑکا مٹ جائے۔ اصحاب رسولؐ کی زندگیاں اس نقطہ نظر کی بہترین مثال ہیں مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت حذیفہؓ، یمانیؓ اور حضرت عمران بن حسینؓ۔ ان اوّلین زاہدوں کے بعد قاریان قرآن کی ایک جماعت بروئے کار آئی جو قرآن کی آیتیں پڑھتے اور ان کی تشریح وتفسیر کرتے پھرتے تھے۔ اول اول صوفیوں اور علما میں کوئی اختلاف نہ تھا لیکن بعد ازاں ان میں افتراق شروع ہوا۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کو اسلامی علوم میں ممتاز ترین مقام حاصل ہے۔ وہ علما جنہوں نے انتہائی احتیاط اور جان کاہی سے ان علوم کو ترتیب دیا تھا۔ اس بات کے مدعی تھے کہ اسلام کے سربراہ اور قائد ہم ہیں۔ صوفی حضرات ان دعووں کو مسترد کرتے تھے۔

صوفی بزرگ، عالموں اور ان کے پیرووں کو عیاشی کا ملزم قرار دیتے تھے کیونکہ وہ علما جو اس دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش ہیں، وہ عقبیٰ کی لذتوں کے طالب ہیں۔ اس طرح ان کا تقویٰ ایک دور اندیشانہ منصوبے پر مبنی ہے۔ صوفیا کے نزدیک جنت کا تصور لذتیت سے ماورا یعنی روحانی سکون کے مفہوم میں تھا۔ حضرت ابراہیم بن ادہم کا یہ مقولہ زبان زد عام ہے کہ ”خدایا! تو واقف ہے کہ اگر مجھے تمہارے عشق کی دولت مل جائے تو میں جنت کو تنکے کے برابر بھی نہ سمجھوں۔“ حضرت بایزید بسطامیؒ کہا کرتے تھے کہ ”اہل محبت کی نظر میں جنت کی کوئی حیثیت نہیں“۔

دوسری طرف علما کی جماعت بڑی صفائی سے جواب دیتی کہ یہ صوفی روحانی حقائق کے محرم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اسلام سے کوسوں ہیں مثلاً حشویہ جو قائل ہیں کہ انسان خدا کا اوتار ہوتا ہے، حلولیہ جو انسانی پیکر میں خدا کے حلول کے قائل ہیں، مجسمیہ جو خدا کی جسمانیت کا تصور رکھتے ہیں، تناسخیہ اور امتزاجیہ جو انسان میں خدائی صفات پیدا ہو جانے کا یقین رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ علما کہتے تھے کہ یہ سب اشخاص اسماعیلی (باطنی) ہیں جو مختلف بہروپ بھر بھر کر اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں۔

تذکروں میں جن اولین قابل احترام صوفیوں کا ذکر ملتا ہے، وہ یہ ہے: حضرت اویس قرنیؒ، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ (متوفی ۷۷۷ء)، شیخ شقیق بلخیؒ (متوفی ۸۱۰ء) جنہوں نے سب سے پہلے توکل کو تصوف کی ایک منزل قرار دیا، حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت معروف کرخیؒ، شیخ حبیب عجمیؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ (متوفی ۸۰۳ء) حضرت عبداللہ بن مبارک مروزیؒ (متوفی ۷۹۷ء) جو ”کتاب الزہد“ کے مصنف ہیں، حضرت بشر حافی بن حارثؒ (متوفی ۸۴۱ء) اور حضرت رابعہ بصریہؒ (متوفیہ ۸۰۱ء)۔

پہلے صوفی مصنف، جن کی تحریروں نے بڑے پیمانے پر مابعد کے صوفی مفکروں کو متاثر کیا ہے، حضرت حارث بن اسد محاسبیؒ (۷۸۱ء تا ۸۳۷ء) تھے۔ ان کے معاصر حضرت ذوالنون مصری (متوفی ۸۶۱ء) نے تصوف میں معرفت کا رنگ بھرا۔ حضرت بایزید بسطامی (متوفی ۸۷۵ء) نے 'مقام فنا' کی تشریح کی جو بعد ازاں تصوف کا مرکزی عقیدہ (فنا فی اللہ) بن گیا۔ حضرت براز نے ”بقا باللہ“ کا تصور پیش کیا جسے تصوف نے قبول کیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ

Marfat.com

نے ''فنا فی اللہ'' کے نظریے کی مزید تشریح کی جس کا نقطہء عروج منصور حلاج کی ذات ہے جنہیں ۹۲۲ء میں دار پر کھینچا گیا۔ دوسرے قابل ذکر حضرات یہ ہیں: ابوبکر شبلی (متوفی ۹۴۶ء)، ابوبکر واسطی (متوفی ۹۱۲ء)، محمد بن عبدالجبار نفریؒ (متوفی ۹۶۱ء) اور ابن الخفیف شیرازی (متوفی ۹۸۲ء)۔

گیارہویں صدی کے آغاز میں تصوف کی تحریک بہت منظم اور مضبوط ہو گئی۔ تصوف کو اسلامی علوم میں شمار کیا جانے لگا۔ بدعت و الحاد کی روز افزوں تحریکوں کے پیش نظر یہ بات ضروری سمجھی گئی کہ تصوف اور شریعت میں مفاہمت کی راہیں نکالی جائیں۔ شریعت و طریقت کے امتزاج پر متعدد کتابیں لکھی گئیں مثلاً سراج (متوفی ۹۸۷ء) کی ''کتاب اللمع'' کلاباذی'' (متوفی ۹۹۵ء) کی ''التعرف لمذہب اہل التصوف'' اور ''معانی الاخبار'' نیز قشیری (متوفی ۱۰۷۳ء) کا رسالہ جس میں انہوں نے تصوف کے اعلیٰ مقامات کی اہمیت واضح کی اور تصوف کے ایک مقام ''وجدان و وصال'' کی وضاحت کی، لیکن سب سے بڑے صوفی عالم حضرت غزالی تھے جنہوں نے شریعت و طریقت کو باہم ترکیب دینے کی کوشش کی۔

حضرت علی ہجویریؒ حضرت قشیری کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے اپنی سیاحت کے دوران میں متعدد صوفی بزرگوں سے ملاقات کر کے گفتگو کی تھی۔ انہوں نے مشاہدہ کر کے یہ محسوس کیا تھا کہ تصوف کی سیدھی سادی تحریک جو زہد اور عشق الٰہی پر قائم تھی، وحدت الوجود سے متاثر ہو کر فلسفہ الٰہیات کی دقیق موشگافیوں کی طرف جا رہی ہے۔ ایران و خراسان میں تصوف کی جو صورت تھی اور بعد ازاں برصغیر پاک و ہند میں اس نے جو شکل اختیار کی، حضرت علی ہجویریؒ کی ذات کو اس کا برزخ یعنی درمیانی مظہر سمجھنا چاہیے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ تصوف کی بدلتی ہوئی شکل سے خوش نہ تھے۔ انہیں شکایت ہے کہ میرے زمانے میں بہت سے صوفی محض مکار ہیں۔ کسی دردمند صوفی کا قول ہے کہ ''کسی زمانے میں تصوف ایک حقیقت تھی جس کا نام نہ تھا، اب وہ وقت آیا ہے کہ نام تو ہے لیکن حقیقت نہیں''۔ اسی سے اس ناامیدی کا اظہار ہوتا ہے جو حال و مستقبل کے متعلق طاری ہے اور ماضی کے اس زریں عہد کا بھی جسے مصائب و آفات کے زمانے میں یاد کرنا مسلمانوں کا شیوہ ہے۔ احمد بن عاصم (انطاکیہ۔ ۷۵۷ء۔ ۸۳۰ء) رقم طراز ہے:

> ''عنایت الٰہی سے مجھے یہ توفیق ہے کہ جو حقیقت خدا نے مجھے بتا دی ہے اسے بیان کر دوں۔ یعنی میں ایک ایسے زمانے میں زندگی بسر کر رہا ہوں جو نہایت عجیب، سخت ظالم اور خطرناک ہے۔ ہمیں اس دور میں اپنے عقائد بیان کرنے کی اور ان کے عقلی دلائل پیش کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ ہم اسلام کا نام لے لے کر اس کے اوصاف یوں بیان کرتے ہیں جیسے ماتم دار آدمی اپنے مرحوم عزیز کا ذکر کیا کرتے ہیں۔''

حضرت علی ہجویریؒ بھی اپنے زمانے کی خرابیوں سے پیدا شدہ ضلالت کا مدلل ذکر کرتے ہیں۔ ابوبکر وراق المعروف بہ مؤدب الاولیا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

Marfat.com

''ممتاز انسانوں کے تین گروہ ہیں: علماء، امراء، فقرا۔
جب علما خراب ہو جاتے ہیں تو لوگوں کی روزی گھٹ جاتی ہے، جب فقرا یعنی درویش خراب ہو جاتے ہیں تو لوگوں کا اخلاق تباہ ہوتا ہے۔ علما کی خرابی کا باعث حرص و طمع ہے۔ بادشاہوں اور امرا کی خرابی کا سبب ظلم و جور ہے اور درویشوں کی خرابی کی وجہ ریا کاری ہے۔ امراء صرف اس وقت بگڑتے ہیں جب وہ علما کو نظر انداز کر دیں۔ علما اس وقت خراب ہوتے ہیں جب وہ امیروں کی مصاحبت اختیار کر لیں اور درویش اس وقت گمراہ ہوتے ہیں جب وہ نام و نمود کے طالب ہو جائیں۔ وجہ یہ ہے کہ امرا کی ناانصافی کا سبب علم کی کمی ہوتی ہے۔ علما کے لالچ کی وجہ یہ ہے کہ ان کی پارسائی و حق پرستی کم ہو جائے، درویشوں کی ریا کاری کا سبب توکل کی کمی ہے۔''[9]

حضرت علی ہجویریؒ آزردگی اور افسردگی کے عالم میں لاہور وارد ہوئے۔ ان کی زندگی ایسے اشخاص کے درمیان بسر ہوئی جنہیں وہ روحانیت و معرفت میں اپنا ہم سر نہ سمجھتے تھے۔

تصوف کی بہترین تنظیم کا زمانہ دسویں صدی عیسوی ہے جب مختلف سلسلوں کے صوفی اپنے اپنے مرشوں یعنی پیران طریقت سے وابستہ تھے۔ حضرت علی ہجویریؒ کا بیان ہے کہ ان کے زمانے میں تصوف کے بارہ سلسلے بہت مشہور تھے جن میں سے دس مقبول عام تھے اور دو مردود یا ملامتی سمجھے جاتے تھے۔[10] ''ابوالفضل نے سولہویں صدی میں ان سلسلوں کی تعداد سترہ لکھی ہے۔''[11] آج ہمارے زمانے میں یہ عالم ہے کہ ان کا شمار ۱۷۶ سے بھی زیادہ ہے۔ اسلام کے بنیادی عقائد کے متعلق تو ان سلسلوں میں کوئی اختلاف نہیں البتہ ریاضتوں اور مجاہدات کا طریقہ ہر گروہ میں جداگانہ ہے۔

ان سلسلوں نے اول سے آخر تک مسلمانوں کی جو تعلیمی، تبلیغی اور سماجی خدمات انجام دی ہیں نیز تصوف کو باضابطہ اسلام سے جو تعلق ہے، اس کا مطالعہ نہایت دلچسپ ہے۔ اب تک اس طرف خاص توجہ نہیں کی گئی۔ یہ سلسلے ساری دنیا میں مختلف شکلوں اور مختلف مقاصد کے ساتھ موجود ہیں۔ ہونس جو چم کسلنگ کی تصریح کے بموجب ان سب سلسلوں میں بعض باتیں مشترک ہیں۔ وہ پیر طریقت یا شیخ کی غیر مشروط اطاعت پر زور دیتے ہیں جس کی ایک مثال یہ عقیدہ ہے کہ درویش کو اپنے مرشد کے ہاتھ میں یوں رہنا چاہیے جس طرح مردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس سخت تنظیم کے مختلف مرحلے ایسے ہیں کہ مرید اپنے مرشد کی کامل اطاعت کا پابند ہوتا ہے۔ بعض رسمی امور مثلاً بیعت نیز آزمائش و استقلال کی بعض منزلیں مثلاً ترک و تجرید میں مرشد کی مو بہ مو تقلید کوئی لازم ہے۔ ان مراحل کی تکمیل کے بعد وہ منزل آتی ہے جب سالک کو صوفی کا لقب ملتا ہے[12] اور وہ صوف کا لباس پہننے کا اہل بنتا ہے۔[13]

اوّل اوّل صوفی بزرگ بہت ذی علم اشخاص ہوتے تھے جنہیں اسلام کے علوم متداولہ مثلاً حدیث، تفسیر اور فقہ میں کمال حاصل ہوتا تھا۔ ان کا قول و فعل نیز ان کی تعلیمات میں شریعت اسلامی کی شاہراہ سے سرِمُو انحراف نہ ہوتا تھا۔ اولین خلفائے عباسی کے زمانے میں فقہ کی چار شاخیں یعنی مالکی، حنبلی، شافعی اور حنفی قائم ہو چکی تھیں۔ شاہان

Marfat.com

سلجوقی کے دور میں جابجا دینی مدرسوں کا جال بچھ گیا جس سے شریعت کی گرفت اور سخت ہوگئی۔ مذہب کے اصول و فروع میں وہ وہ موشگافیاں کی گئیں کہ فقہ کا دارومدار اسلام کی اصلی روح پر ہونے کے بجائے محض الفاظ کے ظاہری مفہوم پر ٹھہرایا گیا۔ علما نے بادشاہوں اور امرا کی ہم نشینی اختیار کر لی۔ اس طرح انہیں دنیوی اقتدار کا چسکا لگا جس کے حصول کی خاطر وہ باہم کشمکش اور زور آزمائی میں مصروف رہنے لگے۔ یعنی وہی طبقہ جو امت کی روحانی اور مذہبی رہنمائی کا امین تھا، دنیا دار بن گیا۔ یہیں سے اہل شریعت اور اہل طریقت میں وہ افتراق پیدا ہوا جس سے تاریخ اسلام کے اوراق آج تک داغ دار ہیں۔ دونوں طبقوں میں مصالحت و مفاہمت کی کوششیں بھی کی گئیں۔ حضرت علی ہجویریؒ نے ''کشف المحجوب'' میں دنیا دار جاہ طلب علما کی نیز نام نہاد نفاق پیشہ صوفیوں کی خوب خبر لی ہے۔[۱۱] البتہ سلسلہ ہائے مابعد کے بعض صوفی بزرگ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ اسلام اور اس کی روایات کے اعتبار سے پورے دیندار قرار پاتے ہیں۔

صوفیوں نے اپنے خیالات ونظریات کے اظہار کے لئے بہت جلد مختلف اصطلاحات وضع کر لیں۔ مرشد اور شیخ اپنے مریدوں کو ان اصطلاحوں کا مطلب سمجھاتے تھے اور انہیں اپنی تحریروں میں درج کرتے تھے۔ دیگر علمی اصطلاحوں کی طرح یہ کلیے بھی نہایت جامع و مانع اور درست مفہوم ادا کرتے تھے اور جب تک کہ قاری یا سامع کے ذہن میں ان کی وضع و ساخت کا تصور نہ ہوتا، وہ ان کا مفہوم سمجھ نہیں سکتا تھا۔ حضرت علی ہجویریؒ نے ان اصطلاحوں کے استعمال میں بہت احتیاط برتی ہے اور اپنی تصنیف میں ان کی تشریح بہت باریک بینی کے ساتھ کی ہے۔ ''کشف المحجوب'' کے آخری یعنی چوبیسویں باب میں سالک کی رہنمائی کے لئے ان اصطلاحوں کی تعریف اور تشریح کی گئی ہے۔

تصوف کا رواج شروع ہوتے ہی امت کے ہر طبقے کے آدمی جوق جوق صوفیوں سے رجوع کرنے لگے۔ نومسلموں کا میلان خصوصیت سے تصوف کی طرف ہوا کیونکہ وہ مسلمان ہو جانے کے باوجود اپنے سابقہ مذہب کی رسموں اور روایتوں سے کچھ لگاؤ باقی رکھنے کے خواہش مند تھے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتے تھے کہ اسلام سے جو روحانی یا مادی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، انہیں بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ تصوف نے اپنی کشادہ دلی اور وسیع المشربی کی بدولت انہیں اپنے دامن کے نیچے لے لیا اور صلح کل کے ایسے نغمے سنائے جن سے غیر مذہب والوں کے کان پہلے سے آشنا تھے۔

اس سہولت کی وجہ سے صوفیوں نے لاکھوں کروڑوں عوام کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا اور انہیں اسلام کے دائرے میں داخل کیا۔ ان کی روز افزوں مقبولیت اور مریدوں کی تعداد اتنی بڑھی کہ حکام نیز وہ علما جو حکومت کے ایوان کا ستون بنے ہوئے تھے، ان سے خائف رہنے لگے۔ کلمہ، صوفی گویا امید اور امن و امان کی علامت بن گیا۔ علما صرف دماغ کی تربیت کرتے تھے لیکن صوفی حضرات دل کی نگہداشت پر مائل تھے۔ علما کی دولت اور اقتدار جوں جوں بڑھتے وہ عوام سے دور تر ہو جاتے۔ یہ لوگ جو کتابی علم کے شیدا اور دنیوی مفاد کے عاشق تھے، لاکھوں نادار اور مفلوک الحال عوام کی ضروریات کو سمجھنے سے قاصر اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونے کی صلاحیت سے محروم تھے۔ صوفی

Marfat.com

بزرگ عوام میں رہتے اور ان کے ساتھ گھل مل جاتے تھے۔ رہی دولت دنیا، سو یہ بزرگ اس کی طرف نظر بھی نہ اٹھاتے تھے۔ فقر و استغنا جو تصوف کی پہلی منزل ہے، انہیں دنیوی جاہ و حشم اور امیروں وزیروں کے آستانوں سے بے نیاز بلکہ متنفر کر دیتی تھی۔ وہ دولت مندوں اور بادشاہوں کے عطا کردہ اعزازات یا تحفے قبول کرنے سے انکار کر دیتے۔ ان بزرگوں کے لنگروں سے ہزاروں آدمی کھانا کھاتے۔[15] وہ خیرات کرتے، سادہ خانہ ساز لباس پہنتے، سیدھی سادی پاکیزہ زندگی بسر کرتے۔ یہ ایسے اوصاف تھے جو دنیا پرست، جاہ طلب علما میں بالکل نہ تھے۔ یہی سبب تھا کہ علما کی بات بہت کم سنی جاتی اور صوفیوں کی طرف ہر شخص مائل ہو جاتا۔

اس طرح صوفیا اسلام کے مبلغ اور نقیب بن گئے۔ وہ معاشرے کی اصلاح کے پورے طور پر اہل تھے لیکن ان سے یہ کام شاذ و نادر ہی لیا گیا۔ حضرت علی ہجویریؒ نے اپنی تصنیف میں واضح طور پر لکھا ہے کہ علما نا اہل ہیں۔ نیز یہ کہ صوفی کا نصب العین کتنا بلند ہونا چاہیے۔

ان کا قول ہے کہ انسانوں کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ اہل دنیا جنہیں صرف دنیوی مفاد عزیز ہیں، دوسرے اہل دین جو دیندار میں کامل ہیں لیکن تیسرا فرقہ ان مخصوص لوگوں کا ہے جو اہل فقر ہیں۔[16]

علما کی بھی تین قسمیں ہیں: اول علمائے باطنی را علمائے ربانی، دوسرے علمائے دین، تیسرے دنیا دار علما۔

> ''عقبیٰ کے عاشقوں کو اس دنیا کی نعمتوں سے محروم رہنا پڑتا ہے۔ جو اس دنیا کے عاشق ہیں انہیں عقبیٰ کی راحتوں سے حصہ نہیں ملتا لیکن جو اللہ کے عاشق ہیں انہیں نہ اس دنیا سے واسطہ ہے نہ عقبیٰ سے۔''

ان تمام باتوں کے باوجود تصوف کی اشاعت برابر جاری رہی۔ بادشاہوں کا جبر و استبداد، حکام کی چیرہ دستی اور مظالم نیز علما کی مخالفت کو بھی تصوف کی آبجوئے نرم و نازک کی روانی میں حائل نہ ہو سکا۔ علماء ظاہری کے متعلق صوفیوں کا جو نقطہ نظر ہے وہ کاشانی ''مصباح الہدایہ'' کی اس عبارت سے صاف واضح ہوگا:

> ''دنیادار علما پر اسلامی علوم کا فقط سایہ سا پڑا ہے۔ استادوں نے جو کچھ پڑھایا ہے وہ انہوں نے رٹ لیا ہے۔ وہ ایمان کی لذت سے بے بہرہ ہیں۔ وہ مشتبہ، مکروہ اور ممنوع کاموں سے باز نہیں رہتے لہٰذا ان کی برائیاں دوسروں میں بھی سرایت کر جاتی ہیں۔ انہیں قرآن میں ''اصحاب یسار'' کے لقب سے یاد کیا گیا ہے اور یہ گمراہ علما سخت شریر لوگ ہیں، ان کے لئے جا بجا تہدید و توبیخ اور لعنت و ملامت آئی ہے۔ حضور رسالت مآب ﷺ نے معراج کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ میں نے کچھ لوگ ایسے دیکھے جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے پوچھا تم کون ہو؟ وہ بولے کہ دوسروں کو نکوکاری کا حکم دیتے اور بد کرداری سے بچنے کی ہدایت کیا کرتے تھے لیکن خود اپنی نصیحتوں پر عمل پیرا نہ ہوتے تھے۔ آں

حضورؐ کی ایک اور حدیث یہ ہے کہ ''سنگین ترین سزا اس عالم کو دی جائے گی جس نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا ہوگا۔'' نیز جس طرح ایک ربانی عالم بہترین مخلوق ہے اسی طرح ظاہر دار، ظاہر بیں عالم، بدترین مخلوق ہے۔ وجہ یہ ہے کہ علم کا جو ہر غذا کی مانند ہے جس سے توانائی حاصل ہوتی ہے۔''[۱۷]

کسی شیخ یا مرشد کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کا مسئلہ بالعموم ذاتی لیاقت وصلاحیت کی بنا پر طے ہوتا تھا۔ اس میں وراثت کو چنداں دخل نہ تھا کیونکہ بعض شیوخ شادی کرتے ہی نہ تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ اصول بھی بدلا اور پیر طریقت کے وصال پر اس کا بیٹا یا کوئی قریبی عزیز اس کا سجادہ نشین ہونے لگا۔ حضرت علی ہجویریؒ کے معاملے میں یہ سوال پیدا نہیں ہوا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ان کے وصال کے بعد کون شخص ان کا سجادہ نشین بنا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کے ملفوظات اور تعلیمات کس ذریعے یا سلسلے سے محفوظ ہو کر باقی رہیں۔

رفتہ رفتہ تصوف اور اس کے مختلف سلسلوں میں خرابیاں پیدا ہونے لگیں۔ خود حضرت علی ہجویریؒ کے زمانے میں تصوف کی ہیئت اور عقائد کے متعلق نیز بعض صوفیوں کے نظریات اور طریقوں کی بابت بدگمانی و بے اطمینانی کی پوشیدہ لہریں ابھرنے لگی تھیں۔[۱۸] کسلنگ ہماری توجہ خاص طور پر ان مفاسد کی طرف مبذول کراتا ہے جو صوفی سلسلوں کی مقبولیت و اشاعت کے ہاتھوں پیدا ہوئے تھے۔ یہیں سے اس بات کا بھی سراغ لگتا ہے کہ بعض صوفیوں، بالخصوص بے شرع قلندروں، کے افعال قبیحہ کی بنیاد کسی بدی پر نہ تھی بلکہ ان کا آغاز اس طرح ہوا کہ جو نصب العین معقول اور مثبت تھے، ان میں تباہ کن مبالغہ شامل ہو گیا تھا۔[۱۹] کسلنگ نے جن برائیوں کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ یہ ہیں:

قلندری جو بے شرع بد اصولی تک پہنچتی ہے، احکام شرع کی خلاف ورزی جس سے درویش فاسق بن جاتا ہے۔ خود کو اخلاقی پابندیوں سے آزاد سمجھنا جس سے درویشی میں ناتسیت اور فساد کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ نیز فقر و فاقہ کو زندگی کا بنیادی اصول بنا لینا جس سے انسان معاشرے کا بوجھ بن کر رہ جاتا ہے۔

یہ پیش گوئی تو مشکل ہے کہ آیا تصوف اپنی سابقہ حیثیت دوبارہ حاصل کر سکے گا یا تصوف کے سلسلے اسلامی معاشرے میں اپنے وظائف انجام دیں گے؟ تاہم معبود مطلق کو پانے کے لئے روح کی بے تاب آرزو اور حقیقت کے چہرے سے پردے الٹنے کی تمنا ہمیشہ دل کی دنیا کو آباد رکھے گی۔ عالم اسلام میں جو حالیہ اصلاحی رجحان رونما ہو رہے ہیں مثلاً زاہدان خشک کا اصلاحی گروہ اور مغربی تعلیم یافتہ متوسط طبقہ جو اسلامی روایات سے بیگانہ ہو چکا ہے، ان کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر گب رقم طراز ہے کہ:

''ان دونوں جماعتوں نے خیر وشر کو اس طرح گڈمڈ کر ڈالا ہے کہ کفر والحاد کا بیج بونے کے لئے زمین ہموار ہو گئی ہے۔ افسوس کہ اس ملحدانہ ثقافت کی تخم ریزی نے مہلک تر توہمات کے سوا اور کچھ پیدا نہیں کیا۔ خطرے کی جڑ اور مصائب وآفات کی بنیاد یہی ہے کیونکہ یہ نام نہاد روشن خیال مصلح حضرات تصوف کی بیخ کنی کر کے ایک طرف تو عشق الٰہی کے اس پاکیزہ تصور کو

Marfat.com

غارت کر رہے ہیں جو صوفیوں نے پیش کیا تھا اور دوسری طرف اسلام کے سرچشموں کو خشک کر رہے ہیں۔ بھلا اس سے اسلام کو اور بنی نوع انسان کی مذہبی سرگرمی کو کیا فائدہ پہنچے گا؟''[20]

حضرت علی ہجویریؒ کے سوانح حیات

حضرت علی ہجویریؒ ہر طبقے کے آدمیوں میں مقبول ہیں اور نو صدیوں سے ان کا احترام برابر ہوتا آ رہا ہے۔ اس کے باوجود ان کے سوانح نگار کو بہت ہی مشکلات پیش آتی ہیں۔ داتا صاحبؒ کی کوئی معتبر سوانح عمری یا ملفوظات کا مجموعہ جو ان کے مریدوں یا رفیقوں نے ترتیب دیا ہو، موجود نہیں۔ نور الدین جامیؒ کی ''نفحات الانس'' کے سوا اولیا و صوفیا کا کوئی قدیم تذکرہ بھی ایسا نہیں جس میں ان کا ذکر آیا ہو۔ صرف داراشکوہ نے ''سفینۃ الاولیاء'' میں اس بزرگ کا مختصر لیکن اطلاع بخش بیان کیا ہے اور بہت سی کراماتوں کا بھی حوالہ دیا ہے جن میں فقط اس کرامت کی تفصیل ہے جو ان کی تعمیر کردہ مسجد کی سمت سے متعلق ہے۔[21] حضرت علی ہجویریؒ کے سوانح حیات کی اس نایابی کا سبب غالباً یہ ہے کہ اس زمانے میں لاہور بہت سے سیاسی اور فوجی ہنگاموں سے مسلسل دو چار رہا جن میں تمام تحریری یادداشتیں تلف ہوگئی ہوں گی۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور قادریہ سلسلوں کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور وہ جنیدی سلسلہ جس سے حضرت علی ہجویریؒ وابستہ تھے، بظاہر منظم و مستحکم نہ ہو سکا۔ سوانح و حالات کی یہ کمی ایک طرح سے برکت ثابت ہوئی کیونکہ موصوف کے نام پر کراماتوں، معجزوں اور داستانوں کا کوئی غلاف ایسا نہیں چڑھا جس سے ان کی شخصیت چھپ کر رہ جاتی۔ تصوف پر ان کی شہرہ آفاق کتاب ''کشف المحجوب'' نیز ''کشف الاسرار'' جو ایک نامستند تصنیف ہے، وہ مآخذ ہیں جن سے ان کے حالات و خیالات کا پتا چلتا ہے۔

حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری جلابی غزنوی غالباً غزنی میں پیدا ہوئے جہاں ان کا خاندان آباد ہوا تھا اور جس کے افراد اپنی پارسائی اور علم کی بدولت بہت محترم تھے۔[22] انہیں ہجویری و جلابی اس لئے کہتے ہیں کہ مدتوں غزنی کے ان نواحی محلوں میں رہے ہیں۔ ان کی ابتدائی زندگی اور تعلیم کے متعلق معلومات بہت کم ملتی ہیں۔ اپنے استادوں میں سے انہوں نے ابوالعباس بن محمد الشوکانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے[23] کہ ''مجھے ان سے بہت ربط تھا اور وہ مجھ سے ''بے لوث'' محبت کرتے تھے۔ انہوں نے بعض علوم مجھے پڑھائے۔ میں نے اپنے گروہ میں زندگی بھر کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو احکام شریعت کا احترام ان سے زیادہ کرتا ہو۔''[24] شیخ ابوجعفر محمد الصید لاری[25] کا بھی ذکر کیا ہے جن سے وہ حسین بن منصور حلاج کی تصانیف پڑھتے تھے۔[26] ایک اور ذی علم بزرگ عبدالقاسم ابوالکریم بن ہوازن القشیری (متوفی ۴۶۵ھ) تھے،[27] جن سے ان کا بخوبی ربط وضبط تھا اور جنہیں وہ متعدد صفات حمیدہ، نیز بصیرت و معرفت کی بنا پر ''اعجوبہ روزگار'' کہتے تھے۔[28] انہوں نے ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانیؒ سے بھی ملاقات کی تھی اور اس بے نظیر جہاں، یکتائے زمانہ بزرگ سے مکالمات کئے تھے۔[29] ان کے علاوہ انہوں نے ابوالعباس احمد بن قصاب، ابوعبداللہ محمد بن علی داغستانی[30]، ابوسعید فضل اللہ بن محمد اور ابواحمد المظفر بن ہمدانی کا بھی ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

ان کے مرشد کا نام ابو الفضل محمد بن الحسن الختلی ہے جو روایت و تفسیر کے ماہر تھے۔ حضرت علی ہجویریؒ کا بیان ہے کہ یہ بزرگ طریقت میں ایک ایسے صوفی کے مرید تھے جن کے برابر مجھے کسی اور نے مرعوب و متاثر نہیں کیا۔ وہ شام میں بمقام بیت الجن خدا سے واصل ہوئے۔ ان کے مرتے وقت حضرت علی ہجویریؒ ان کے بستر مرگ پر اس طرح تھے کہ مرنے والے بزرگ کا سر ان کے سینے پر تھا۔ اس مرشد نے حضرت علی ہجویریؒ سے کہا کہ:

> ''اے فرزند! میں تجھے ایمان و یقین کا وہ راز تلقین کرتا ہوں کہ اگر تو اس پر عامل ہو جائے تو تمام آفات سے محفوظ رہے گا۔ خدا کی طرف سے جو آفت یا رحمت جس مقام اور جس حال میں پیش آئے اس کے آگے سر تسلیم خم کرنا اور دل میں آزردہ نہ ہونا۔''[۳۲]

جیسا کہ اولین صوفی شیوخ کا دستور تھا، انہوں نے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد شام، عراق، ایران، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان اور ماوراء النہر میں خوب سیاحت کی اور اپنے زمانے کے مشہور صوفیوں سے ملے۔ خراسان کے سفر میں انہیں نام نہاد صوفیوں کی ایک جماعت سے بھی واسطہ پڑا جس کا ذکر انہوں نے مزے کے ساتھ ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''ایک بار راقم، علی بن عثمان جلابی، کسی مشکل میں گرفتار ہوا۔ اس سے نکلنے کے واسطے میں نے مختلف ریاضتیں کیں۔ پھر جیسا کہ ایک اور موقع پر میں نے کیا تھا اور مراد پائی تھی، میں حضرت بایزید بسطامی کے مزار پر حاضر ہوا اور وہاں تین مہینے تک رہا۔ ہر روز تین مرتبہ غسل اور تیس بار استغفار کے ورد کیا کرتا تا کہ میری مشکل حل ہو جائے۔ وہ مشکل حل نہ ہوئی لہٰذا میں نے وہاں سے رخصت ہو کر خراسان کی راہ لی۔ ایک شب میں وہاں کسی گاؤں میں وارد ہوا جس کی خانقاہ میں تصوف کے کچھ مدعی جمع تھے۔ سنت کے مطابق میں سرمئی رنگ کا کرتہ پہنے ہوئے تھا لیکن صوفیوں کا رسمی ساز و سامان بجز ایک عصا اور چرمی بوتل کے میرے پاس نہ تھا۔ میں ان صوفیوں کی نظر میں جو مجھ سے واقف نہ تھے، بہت حقیر ٹھہرا۔ میری ظاہری حالت دیکھ کر وہ باہم کہنے لگے کہ یہ شخص ہمارے گروہ کا نہیں ہے۔ ان کا یہ قول بالکل درست تھا کیونکہ فی الواقع میں ان میں سے نہ تھا۔ بہر حال مجھے رات وہاں گزارنی تھی۔ انہوں نے پھپھوندی لگی سوکھی روٹی میرے سامنے رکھ دی اور مجھے ایک چھت پر ٹھہرایا۔ وہ خود اس سے اوپر کی منزل پر ٹھہرے۔ میری ناک میں ان کے لذیذ کھانوں کی خوشبو برابر آتی رہی۔ وہ چھت پر سے مسلسل حقارت آمیز فقرے مجھے سناتے رہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر اپنی سرخوشی کا اظہار کرنے اور میری تحقیر کے واسطے انہوں نے مجھ پر خربوزوں کے چھلکے برسانے شروع کر دیے۔ میں نے دل میں کہا ''پروردگار! اگر یہ لوگ تیرے دوستوں کا سا لباس پہنے نہ ہوتے تو میں ان

Marfat.com

کی یہ شوخی برداشت نہ کرتا (بد دعا دیتا)۔'' تاہم جتنا تمسخر وہ میرے ساتھ کرتے گئے، میں دل میں خوش ہوتا گیا کہ شاید ان کی تحقیر و تمسخر سے خدا میری مذکورہ بالا مشکل آسان کر دے۔ معاً مجھ پر واضح ہوا کہ اسی لئے بزرگوں کا یہ شیوہ ہے کہ وہ نامعقول آدمیوں کا اپنے پاس بیٹھنا اور ان کی بے تمیزیاں گوارا کرتے ہیں۔''[۳۳]

کہتے ہیں کہ حضرت علی ہجویریؒ نے چالیس برس تک سیاحت کی۔ اس عرصے میں وہ ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتے اور نماز جمعہ کے لئے بالالتزام کسی شہر میں پہنچتے رہے۔ اپنے مرشد کی طرح وہ بھی نمود و نمائش سے متنفر اور صوفیانہ ساز و سامان سے بے نیاز رہے، کیوں کہ وہ ان چیزوں کو ریاکاری کی علامت سمجھتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار وہ عراق میں کچھ عرصے کے لئے مقیم ہو گئے۔ وہاں انہوں نے کچھ دولت جمع کر لی، لیکن اسے ایسا بے دریغ خرچ کیا کہ مقروض ہو گئے۔ کسی نے انہیں اس حال میں دیکھ کر یہ الفاظ لکھ بھیجے ''خبردار! جو لوگ نام و نمود کے شیدا ہیں ان کی خواہشات پوری کر کے تم صراط مستقیم سے منحرف ہو رہے ہو۔ اگر تمہیں کوئی اپنے سے بڑا خدا شناس ملے تو ایسا کرو کیونکہ خدا اپنے بندوں کی کارسازی کے لئے کافی ہے۔''[۳۴]

پتا نہیں چلتا کہ انہوں نے شادی کی تھی یا نہیں۔ ان کی کتاب ''کشف المحجوب'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بالعموم عورتوں کو برا سمجھتے تھے۔ ممکن ہے انکی یہ رائے کسی ناخوشگوار تجربے پر یعنی بُری عورتوں کے ساتھ رہنے پر مبنی ہو۔''[۳۵] تجرد کے متعلق صوفیوں کے نظریات مختلف ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ معرفت الٰہی کے لئے کامل ذکر و فکر اور مراقبے کی ضرورت ہے اور شادی کا جنجال اس راہ میں بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ تاہل کی زندگی کا مختصر اور ناخوشگوار حوالہ جو نکلسن نے ''کشف المحجوب'' کے انگریزی ترجمے کے دیباچے میں دیا ہے، مندرجہ ذیل ہے:

''آدم کو جنت میں جس آفت سے پہلے پہل دو چار ہونا پڑا اس کا سبب عورت تھی اور دنیا میں جو پہلا فساد ہوا (واقعہ ہابیل و قابیل) اس کی بانی یہی تھی۔ ہاروت و ماروت کو جو سزا ملی وہ بھی عورت ہی کی وجہ سے ملی۔ اس کے بعد آج تک دین دنیا کا جتنا فساد ہوا ہے سب عورت ہی کے قدموں کی برکت ہے۔ خدا نے گیارہ سال تک مجھے شادی کے جنجال سے محفوظ رکھا۔ پھر نوشتہ تقدیر کے بموجب میں ایک عورت کی صفات سن کر نادیدہ اس پر عاشق ہو گیا۔ سال بھر میں نفس امارہ نے مجھ پر ایسا غلبہ کیا کہ قریب تھا کہ میرا دین برباد ہو جائے۔ پھر پروردگار نے اپنے رحم و کرم سے میرے بدبخت دل کو بچا لیا اور کمال عنایت سے مجھے اس مخمصے سے آزاد کیا۔ المختصر تصوف کی بنیاد تجرد پر تھی۔ جب صوفیوں نے تجرد کو ترک کر کے شادی بیاہ کا بکھیڑا اختیار کیا تو بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی۔''[۳۶]

نکلسن کا یہ خیال کہ حضرت علی ہجویریؒ نے شادی کی ہو گی، دور از قیاس ہے۔

Marfat.com

حضرت علی ہجویریؒ اپنے مرشد کے حکم سے شیخ حسین زنجانی کے جانشین کی حیثیت سے لاہور آئے۔[۳۷] یہ وہ دور تھا کہ ایک طرف سلجوقی خاندان کے ظہور نے اور دوسری جانب ہندوستان کے ہندو راجاؤں کی مزاحمت نے غزنوی سلطنت کو پارہ پارہ کر رکھا تھا۔ خود غزنی میں زندگی بسر کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ حضرت علی ہجویریؒ صبر آزما حالات میں غزنی سے یوں رخصت ہوئے کہ کتابیں تک وہیں چھوڑنی پڑی۔[۳۸] ''فوائد الفواد'' کے مطابق حضرت علی ہجویریؒ رات کو لاہور میں وارد ہوئے۔ صبح کے وقت دیکھا کہ جس بزرگ (حسین زنجانی) کے جانشین کی حیثیت سے انہیں لاہور بھیجا گیا تھا ان کا جنازہ لوگ اٹھائے لا رہے ہیں۔ شیخ حسین زنجانی اور حضرت علی ہجویریؒ ایک ہی مرشد کے مرید تھے جو اپنے وقت کا قطب تھا۔ حسین زنجانی کو کچھ عرصے کے لئے لاہور میں قیام کا حکم ہوا۔ بعد ازاں مرشد نے حضرت علی ہجویریؒ کو ہدایت کی کہ لاہور جا کر وہاں قیام کرو۔ حضرت علی ہجویریؒ نے جتایا کہ حسین زنجانی تو وہاں موجود ہی ہے میری کیا حاجت ہے لیکن مرشد نے انہیں پھر یہی حکم دیا۔ جب اس ارشاد کی تعمیل میں حضرت علی ہجویریؒ لاہور پہنچے تو رات ہو گئی تھی۔ صبح کو شیخ حسین کا جنازہ برآمد ہوا۔[۳۹] معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کا قیام ان کے مذاق کے مطابق نہ تھا کیوں کہ یہاں انہوں نے اپنے آپ کو صحبت ناجنس میں گرفتار محسوس کیا۔ لکھتے ہیں:

> ''میرے شیخ نے اس کے متعلق بہت سی باتیں بتائی تھیں لیکن میرے لئے اس سے زیادہ قلم بند کرنا ممکن نہیں۔ میری کتابیں غزنی میں (خدا اسے آباد رکھے) رہ گئی تھیں اور میں ناجنس لوگوں کی صحبت میں شہر لاہور میں گرفتار تھا جو ملتان کی حدود میں ہے۔ خوشی ہو یا غم، ہر حال میں خدا کا شکر ہے۔''[۴۰]

لاہور آ کر حضرت علی ہجویریؒ نے اس جگہ قیام کیا جہاں اب ان کا مزار ہے۔ یہاں انہوں نے ایک مسجد بنائی اور طالب علموں کا ایک گروہ ان کے حلقہ درس میں داخل ہو گیا۔ انہوں نے تعلیم کا مشغلہ ترک کر دیا کیونکہ ان کے بقول تعلیم کی وجہ سے دل میں رعونت پیدا ہو جاتی ہے۔ مسجد کے متعلق داراشکوہ نے ایک حکایت بیان کی ہے جو ان کی واحد کرامت ہے جس کا ذکر اس نے کیا ہے:

> ''علی ہجویری لاہور میں دن کے وقت تعلیم دیتے اور رات کو طالبان حق کو ہدایت کیا کرتے۔ ان کی رہبری سے ہزاروں جاہل عالم بن گئے۔ کافروں نے اسلام قبول کیا۔ گمراہوں نے ہدایت کی راہ پائی، دیوانے ہوش مند ہو گئے، جن کا علم ناقص تھا کامل ہوئے، فاسق و فاجر پارسا بن گئے...... ان دنوں لاہور علما کا مرکز تھا جنہوں نے علی ہجویریؒ کی تعلیم سے فیض پایا تھا۔''[۴۱]

مسجد کے متعلق داراشکوہ نے لکھا ہے کہ:

> ''انہوں نے ایک مسجد بنائی تھی جس کی محراب دوسری مسجدوں کے مقابلے میں ذرا جنوب کی طرف مائل تھی۔ اس زمانے کے علما نے محراب کی سمت کے متعلق اعتراضات کئے۔ ایک روز

علی ہجویریؒ نے تمام علما کو جمع کیا اور انہیں نماز پڑھائی۔ پھر ان سب سے یوں خطاب کیا، کعبہ کس طرف ہے۔ علما کی نگاہوں سے سارے پردے اٹھ گئے اور انہوں نے دیکھا کہ کعبہ عین ان کے سامنے ہے۔" [۴۲]

مشہور ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ نے علاقہ لاہور کے بے شمار باشندوں کو مسلمان کیا۔ اوّلین نومسلموں میں رائے راجا [۴۳] نام کا ایک شخص بھی تھا جو سلطان محمود [۴۴] کے زمانے میں لاہور کا نائب تھا۔ ایمان لانے کے بعد اس کا نام شیخ ہندی رکھا گیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک اسی کی اولاد حضرت علی ہجویریؒ کی درگاہ کی متولی چلی آتی ہے۔

داتا صاحبؒ نے بہ تاریخ ۲۰ ربیع الاول ۴۶۴ھ وفات پائی لیکن یہ تاریخ، مہینہ اور سال صرف قیاسی ہیں۔ اکثر سابق تذکرہ نگاروں کا اتفاق ۴۶۵ھ پر ہے کیونکہ متعدد قطعات تاریخ سے یہی سن برآمد ہوتا ہے۔ پروفیسر نکلسن کا خیال ہے کہ ان کا وصال ۴۶۵ھ اور ۴۶۹ھ کے درمیان میں ہوا۔ جناب یحییٰ حبیبی نے اپنے مدلل و مبسوط مقالے میں جو "اورینٹل کالج میگزین"، جلد ۳۶ صفحات ۲۷ تا ۴۳ پر شائع ہوا ہے، سال وفات کے مسئلے کا اچھا تجزیہ کیا ہے۔ ان کے دلائل کی بنیاد "کشف المحجوب" ہے۔ اس داخلی شہادت کی بنیاد پر یعنی ان ہم عصر اشخاص کی تاریخ ہائے وفات کا مقابلہ کر کے جو حضرت علی ہجویریؒ کے خاص دوست تھے، مصنف حسب ذیل نتائج پر پہنچے ہیں:

(۱) "کشف المحجوب" کی تالیف ۴۸۱ھ اور ۵۰۰ھ کے درمیان ہوئی ہے لہٰذا:

(۲) حضرتؒ کی تاریخ وفات کا تعین بھی ۴۸۱ھ اور ۵۰۰ھ کے درمیان ہونا چاہیے۔

قاری جناب حبیبی سے اتفاق کرنے پر مائل ہو جاتا ہے لیکن ایک بڑی الجھن یہ پیدا ہوتی ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ کے بیان کے مطابق وہ اپنے مرشد کے وصال کے وقت ان کے بالیں پر موجود تھے۔ علامہ ذہبی کے بقول شیخ ختلی کا وصال ۴۶۰ھ میں ہوا۔ یہ تاریخ بالعموم تسلیم کی جاتی ہے۔ مفتی غلام سرور کا بیان ہے کہ ان کا وصال ۴۵۳ھ میں ہوا۔ اگر یہ تاریخ بھی تسلیم کر لی جائے تو کیا اس سے یہ مطلب اخذ کرنا بعید از قیاس ہوگا کہ حضرت علی ہجویریؒ نے کہیں اپنے پیر بھائی حسین زنجانی کا ذکر تو نہیں کیا جن کے متعلق خیال ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ انہی کے جانشین تھے۔ حسین زنجانی کی تاریخ وفات کے متعلق بھی یہی دقت پیش آتی ہے۔

لاہور میں حضرت علی ہجویریؒ کی زندگی کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ "کشف المحجوب" میں لاہور کا ذکر صرف ایک جگہ آیا ہے۔ ہمیں ان کی روزمرہ زندگی، ان کے مریدوں، دوستوں اور ملنے والوں کا کچھ حال نہیں ملتا۔ حضرت علی ہجویریؒ جیسے کارکن شخص کے متعلق یقین ہے کہ تبلیغ اسلام اور صوفیانہ عقائد کو مقبول بنانے کے لئے انہوں نے وہ تمام مذہبی ریاضتیں اور مشغلے اختیار کئے ہوں گے جن کا ذکر انہوں نے اپنی تصنیف میں کیا ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ نے "کشف الاسرار" میں بیان کیا ہے کہ میں ایک بزرگ حسام الدین سے ملا اور ان کی پارسائی سے بہت متاثر ہوا۔ میں نے التجا کی کہ میری روحانی ترقی کے لئے کچھ ارشاد فرمائیے۔ بزرگ نے جواب دیا: "ہر دم لوگوں کی دل جوئی اور تسکین میں مشغول رہو تاکہ وہ اپنا غم بھول جائیں...... کسی کے جذبات کو ٹھیس نہ لگاؤ

Marfat.com

......اپنا حاصل کیا ہوا علم ضائع نہ کرو...... ہر وقت اپنے مرشد سے لو لگائے رکھو"۔ "کشف الاسرار" میں ایک اور شخص کریم اللہ تاجر کا بھی ذکر ہے جو بہت مال دار آدمی تھا اور جس کا سب کچھ یعنی دولت اور زن وفرزند تباہ ہو گئے۔ یہ حکایت مریدوں کو یہ سمجھانے کے لئے درج کی گئی ہے کہ وہ دنیوی ساز وسامان کو ناپائدار سمجھیں۔[۴۵]

حضرت علی ہجویریؒ اپنی تعمیر کردہ مسجد کے پاس دفن ہوئے۔ معاشرے کے ہر طبقے سے بے شمار آدمی نیز متعدد صوفی بزرگ ان کے مزار کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ حضرت معین الدین چشتیؒ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اعتکاف کے لئے یہیں قیام فرمایا تھا[۴۶] اور رخصت ہوتے وقت یہ شعر پڑھا تھا:

گنج بخش فیضِ عالم، مظہرِ نورِ خدا

ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

عام روایت ہے کہ اسی وقت سے حضرت علی ہجویریؒ کا لقب داتا گنج بخش مشہور ہو گیا لیکن حضرت علی ہجویریؒ "کشف الاسرار" میں یہ گلہ کرتے ہیں کہ لوگ مجھے گنج بخش کہتے ہیں حالانکہ میں نادار آدمی ہوں۔[۴۷] اس کے یہ معنی ہوئے اور یہی قیاس معقول ہے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں گنج بخش کہلاتے تھے۔ یہ بات بھی بہت معنی خیز ہے کہ ان کے بعد کئی بادشاہ اور اولیا کا لقب یہی ہوا مثلاً لچھمن سین حاکم ندیا، قطب الدین ایبک، سلطان سخی سرور اور شیخ حامد گنج بخش قادری۔

حضرت علی ہجویریؒ کا مزار لاہور میں بھاٹی گیٹ کے باہر واقع ہے۔ اس کے شمال میں ایک قبرستان، کنواں اور حمام ہیں۔ کنویں سے مشرق کی طرف کا صحن کھڑک سنگھ کی رانی چند کور کا تعمیر کردہ ہے۔ بعض موجودہ عمارتیں اکبر بادشاہ نے بنوائی تھیں جن کی ترمیم وتعمیر مہاراجا رنجیت سنگھ نے کی۔ ڈیوڑھی سے ملی ہوئی مسجد ہے جو اس مسجد کی توسیعی صورت ہے جسے حضرت علی ہجویریؒ نے اپنی زندگی میں تعمیر کرایا تھا۔ مسجد سے مشرق کی جانب شیخ سلیمان مجاور کی قبر ہے جو اکبر کے زمانے میں بنی۔ اس کے سامنے اس حجرے کا دروازہ ہے جہاں حضرت معین الدین چشتیؒ چلہ کشی کرتے رہے۔ مزار سے مغرب کی طرف قرآن خوانی کا صحن ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ کا مزار سفید سنگ مرمر کے چبوترے پر ہے۔ اس کا احاطہ مہاراجا رنجیت سنگھ کے فیلبان جواز خاں نے بنایا تھا۔ وسط میں حضرت علی ہجویریؒ کی قبر ہے اور پہلوؤں میں شیخ احمد سرخسی کی اور ابوسعید ہجویری کی قبریں ہیں جس کی فرمائش پر "کشف المحجوب" لکھی گئی تھی۔ مزار، چبوترہ اور بعض عمارتیں ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم نے بنوائی تھیں جو سلطان محمود غزنوی کا بھتیجا تھا۔ ۱۲۷۸ھ میں میر محمد سادھو نے احاطے کے اوپر گنبد بنوایا۔[۴۸] کلام اللہ کے متعدد نسخے جو درگاہ پر چڑھائے گئے، محفوظ ہیں۔ ان میں سب سے بیش بہا نسخے مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مہاراجا رنجیت سنگھ کی محبوبہ رانی موراں کا پیش کردہ۔

(۲) محمد خاں چٹھا ساکن احمد نگر کا ہدیہ۔

(۳) نواب ناصر جنگ والی دکن کا دستخط کردہ نسخہ۔

Marfat.com

(۴) امیر بخش کا پیش کردہ۔

(۵) مہاراجا رنجیت سنگھ کا پیش کیا ہوا وہ نسخہ جو اس نے افغانوں پر فتح پانے کے بعد بھیجا تھا۔

(۶) کسی نامعلوم شخص کا نذر کردہ نسخہ جو مشک سے لکھا ہوا ہے۔[۴۹]

''کشف المحجوب'' اور حضرت علی ہجویریؒ کی متصوفانہ خدمات

حضرت علی ہجویریؒ نے متعدد کتابیں تصنیف کی تھیں جن کا ذکر انہوں نے اپنی قابل قدر تصنیف ''کشف المحجوب'' میں کیا ہے اور جن کی فہرست پروفیسر نکلسن نے کتاب مذکور کے انگریزی ترجمے میں دی ہے یعنی ایک دیوان ''منہاج الدین'' جس میں تصوف کا قاعدہ بیان کیا ہے اور اصحاب صفہ کے حالات کے علاوہ حسین بن منصور حلاج کی مکمل سوانح عمری لکھی ہے۔ ''اسرار الخرق والمؤنتہ'' جس میں صوفیوں کی دلق مرقع کا ذکر ہے۔ ''کتاب فنا و بقا'' جو ''جوانی کی سرمستی و نمود کے زمانے میں لکھی گئی۔'' ایک بے نام کتاب جس میں حسین بن منصور حلاج کے اقوال کی تشریح کی گئی ہے۔ ''کتاب البیان لاھل العیان'' وصل و اتصال الٰہی سے متعلق ہے۔ ''بحر القلوب'' اور ایک بے نام کتاب جس میں ایمان کا بیان ہے۔[۵۱]

آج کل مذکورہ بالا تصانیف میں سے کوئی بھی دستیاب نہیں۔ ''کشف الاسرار'' مختصر سا رسالہ ہے جو ان سے منسوب ہے اور لاہور میں طبع ہوا ہے۔ ظن غالب یہ ہے کہ یہ معرفت آموز تالیف کسی ایسے شخص کی ہے جسے حضرت علی ہجویریؒ کی تعلیمات کو مقبول بنانے کی دھن تھی۔ یہ ''کشف المحجوب'' کی تکمیل کے بعد لکھی گئی۔ اس کی پُرمغز ضرب الامثال اور ہدایات، ''کشف المحجوب'' سے بہت مطابق ہیں۔ اسلوب تحریر اور پند و نصائح کے ابلاغ کا انداز بھی وہی ہے۔ مصنف کسی دوست یا شاگرد سے خطاب کرتے ہوئے بار بار اپنا نام اور صیغہ متکلم استعمال کرتا ہے۔ اس میں حضرت علی ہجویریؒ کے کچھ مزید حالات بھی ملتے ہیں۔

اگر ''کشف الاسرار'' کو حضرت علی ہجویریؒ کی تصنیف نہ تسلیم کیا جائے تب بھی اتنا ضرور ہے کہ یہ رسالہ ان کی تعلیمات کا بہت اچھا خلاصہ ہے اور ان کی مشہور تصنیف کے ساتھ پوری مطابقت رکھتا ہے۔ مصنف نے جا بجا اپنا نام درج کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ''اس سے پہلے بعض بے ہودہ اشخاص نے میری دو تصانیف کو اپنے نام سے منسوب کر لیا تھا۔ میں نے نہ چاہا کہ اس رسالے کا بھی وہی انجام ہو۔''

''کشف المحجوب'' کو فارسی زبان میں تصوف کی پہلی اہم تصنیف ہونے کی وجہ سے بے حد محترم مقام حاصل ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ اور دارا شکوہ اس کے بہت مداح ہیں۔ دارا شکوہ کا بیان ہے کہ یہ کتاب بے شک و شبہ تصوف کی مکمل رہنما ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے شیخ علی محمود جاندار کی غیر مطبوعہ تالیف ''درر نظامی'' میں ''کشف المحجوب'' پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ اگر کسی کا کوئی مرشد نہ ہو اور وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے تو یہ کتاب اس کے لئے پیر طریقت بن جائے گی۔

Marfat.com

"کشف المحجوب" محض ناموں اور حوالوں کا مجموعہ نہیں ہے۔ اس میں بہت سے گذشتہ اور معاصر صوفیوں کا ذکر ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ کو محض ان کی تعلیمات و ہدایات سے غرض ہے جن کا تجزیہ انہوں نے بہت باریک بینی سے کیا ہے۔ وہ بعض ہدایتوں کو تسلیم کر کے ان کی تشریح کرتے اور بعض کو مسترد کر دیتے ہیں۔ البتہ اس کتاب میں مختلف موضوعات مختلف عنوانوں میں گڈمڈ ہو گئے ہیں اور ایک ہی موضوع کئی کئی جگہ زیر بحث آیا ہے جس سے کہیں کہیں التباس پیدا ہو گیا ہے۔

کتاب کی تاریخ تصنیف ٹھیک ٹھیک معین نہیں ہو سکتی۔ داتا صاحبؒ کو اس کی تالیف میں کافی عرصہ لگا ہو گا کیونکہ لاہور میں ان کی کتابیں ان کے ساتھ نہ تھیں۔ اگر وہ اس کی تصنیف کے بعد زیادہ عرصے تک زندہ رہے ہوں تو انہوں نے اور بھی کئی کتابیں لکھی ہوں گی جو اب ناپید ہیں۔ وہ کثیر التصانیف آدمی تھے اور موضوعات کے انتخاب میں ان کی قوت ادراک و امتیاز بہت قوی تھی۔

اپنی وسیع سیاحت کے دوران میں وہ بعض ممتاز صوفیوں اور حکما سے ملے تھے جن سے انہوں نے بہت استفادہ کیا۔ ان کے ساتھ بعض متنازعہ مذہبی مسائل پر مذاکرہ کرنے سے ان کے خیالات میں وضاحت پیدا ہوئی۔ جیسا کہ پروفیسر نکلسن کا خیال ہے وہ بہت عمیق و دقیق مفکر صوفی نہ تھے۔ انہوں نے نہ تو تصوف کا کوئی انقلابی نظریہ پیش کیا نہ کسی جدید سلسلے کی بنیاد رکھی۔ وہ بہت عمدہ معلم تھے اور انہوں نے متشرع عالموں اور ممتاز صوفی بزرگوں کے عقائد میں امتزاج پیدا کر دیا تاکہ شریعت و طریقت کے یک جان ہو جانے سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ انہوں نے وہ کام کیا جو ان سے کچھ پہلے "کتاب اللمع" اور "رسالہ" کے مصنفوں نے کرنا چاہا تھا اور جسے بعد میں امام غزالی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے انجام دیا۔ "کشف المحجوب" میں ابو نصر سراج اور "کتاب اللمع" کا حوالہ موجود ہے اور القاسم قشیری کا ذکر اکثر آتا ہے لیکن ان کے مشہور رسالے کا ذکر نہیں ملتا، غالباً وہ یہ تصنیف کبھی دیکھ نہیں سکے۔ بہر حال حضرت علی ہجویریؒ نے السلمی اور قشیری کے تذکرہ جات صوفیہ کا حوالہ دیا ہے اگرچہ ان کا نام ظاہر نہیں کیا۔ پروفیسر نکلسن کی رائے میں انہوں نے غالباً "طبقات الصوفیہ" اور "رسالہ قشیریہ" کا حوالہ دیا ہے۔

"کشف المحجوب" کو ابو سعید ہجویری کی التماس پر تصنیف کیا گیا تھا جس نے درخواست کی تھی کہ:

> "مجھے طریقت کے صحیح معنی اور صوفیوں کے مقامات سے آگاہ فرمایئے۔ نیز ان کے عقائد، نظریات، صوفیانہ تمثیلوں اور عشق حقیقی کی ماہیت سے بھی آشنا کیجئے۔ یہ بھی بتایئے کہ انسان کے قلب میں عشق کیونکر ظہور کرتا ہے، عقل اس کے ادراک سے کیوں محروم رہ جاتی ہے، روح اس کی حقیقت پانے سے کیوں قاصر رہتی ہے، نفس ناطقہ کو عشق کا خلوص کس لئے مدہوش کر دیتا ہے۔ میری یہ بھی التماس ہے کہ تصوف کے عملی پہلو جو مذکورہ بالا نظریات سے متعلق ہیں ان کی بھی وضاحت کی جائے۔"

داتا صاحبؒ کے پیش نظر کوئی ذاتی منفعت یا خواہش تو تھی نہیں۔ سائل ان کا مرید تھا لہٰذا اس کے سوالات

Marfat.com

کا تفصیلی جواب دینا ضروری تھا۔ انہوں نے اپنے عہد کے تصوف کی حالت اختصار کے ساتھ بیان کر کے ابوسعید کے سوالوں کا تفصیلی جواب یوں دیا:

> ''واضح ہو کہ ہمارے عہد میں، بالخصوص اس ملک میں، علم تصوف مردہ ہو چکا ہے۔ ہر شخص نفس امارہ کا مطیع ہے اور شیوۂ تسلیم و رضا سے منحرف۔ علما اور علم کے مدعیوں نے تصوف کا کچھ ایسا تصور گھڑ لیا ہے جو اس کے بنیادی اصولوں سے مختلف ہے۔ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ، سب تصدیق باللسان پر قانع ہیں۔ روحانی ذوق و شوق کی جگہ اندھی تقلید نے لے لی ہے۔ جاہل عوام معرفت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ خواص جن کے دلوں میں عقبیٰ کی تھوڑی سی لگن ہے، مدعی ہیں کہ ہم ارباب بصیرت اور اہل عشق ہیں۔ ہر شخص راز حقیقت سے آشنا ہونے کا دعویٰ دار ہے۔ مرید ریاضت و عبادت ترک کر کے لایعنی خیالات میں غرق ہیں اور اسے مراقبہ یا فکر کا نام دیتے ہیں۔''

کتاب ۲۵ ابواب پر مشتمل ہے جو مزید فصلوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ دیباچے میں حقیقی تصوف اور اس کی اہمیت کا بیان ہے۔ صوفیوں کا ذکر زمانی ترتیب کے لحاظ سے ہے اور ان کو مندرجہ ذیل طبقوں میں تقسیم کیا ہے: اصحاب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، خلفائے راشدینؓ، تابعینؒ یعنی صحابہ کے پیرو، تبع تابعینؒ، بعد کے صوفی بزرگ جو بوقت تصنیف زندہ نہ تھے اور مصنف کے معاصر آخری حصے میں۔ جغرافیائی ترتیب سے جن ملکوں کے صوفیوں کا تذکرہ ہے، وہ یہ ہیں: شام، عراق، پارس، کرمان، خراسان، ماوراء النہر، غزنی۔

کتاب میں صوفیوں کے مندرجہ ذیل فرقوں کا بھی بیان ہے: محاسبیہ، قصاریہ، طیفوریہ، جنیدیہ، نوریہ، سہیلیہ، حاکمیہ، خرازیہ، خفیفیہ، سیاریہ، حلولیہ۔ کتاب کی گیارہ فصلوں میں ''کشف المحجوب'' کے عنوان سے صوفیوں کے عقائد و شعائر درج ہیں۔ مثلاً معرفت الٰہی، توحید، ایمان، تزکیہ نفس، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، معاملات یا حقوق العباد اور ضوابط زندگی، صوفیوں کی عام اصطلاحیں اور ان کے حقیقی معنی، سماع وغیرہ۔ ان میں سے بعض کا خلاصہ جس سے حضرت علی ہجویریؒ کے انداز فکر اور نظریات تصوف کا اظہار ہوتا ہے، درج ذیل ہے:

پہلا باب: علم

علما کے متعلق قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علما ہی خوف خدا رکھتے ہیں (الفاطر:۲۸)۔ یہاں حضرت ہجویریؒ نے تحصیل علم کے متعلق معروف احادیث درج کی ہیں: ''ہر مسلمان مرد اور عورت پر طلب علم فرض ہے'' اور ''علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے چین جیسے دور دراز ملک میں جانا پڑے'' اور ''عمل کے بغیر علم بے فائدہ ہے''۔

Marfat.com

علم کی دو قسمیں ہیں۔علم دین اور علم دنیا۔علم دین کا مقصد یہ ہے کہ معرفت الٰہی حاصل ہو جائے۔
علم حقیقت کے تین ستون ہیں:

(۱)علم توحید

(۲)صفات الٰہیہ

(۳)حکمت وافعال خداوندی

شریعت کے بھی تین ستون ہیں۔قرآن،سنت اور اجماع۔محمد بن فضیل بلخی کے بقول علم کی تین قسمیں ہیں: خدا کا دیا ہوا علم یعنی شریعت، خدا کا جاننا یعنی علم معرفت اور خدا سے واصل ہونے کا علم یعنی طریقت (اہل اللہ کا طریقہ)

دوسرا باب: فقر

طالبان حقیقت کے لئے فقر بہت بلند مقام ہے۔حضور رسالت مآبؐ کی احادیث نیز قرآن حکیم (۲:۲۷۴، ۶، ۵۳:۳۲، ۱۶:۳۲) سے یہ بات ثابت ہے۔فقیر تمام ظاہری اور باطنی سامان ترک کر کے خدا کی طرف مائل ہوتا ہے۔جس شخص کا فقر جتنا زیادہ ہو،اس کے روحانی مراتب اتنے ہی بلند ہوتے ہیں۔اگر کوئی درویش مال ومتاع کے لالچ میں پھنس جائے تو اس کا غلام بن جاتا ہے۔یہ نکتہ اس بادشاہ کے قصے سے واضح ہوتا ہے جو کسی رویش سے ملا اور کہا کہ جو چاہے مجھ سے مانگ لے۔درویش نے جواب دیا کہ میں کسی ایسے سے کیا مانگوں جو میرے غلاموں کا غلام ہے۔مراد یہ تھی کہ حرص وطمع جو میرے دو غلام ہیں،تم ان کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہو۔داتا صاحبؒ نہ تو ان لوگوں سے اتفاق کرتے ہیں جن کا خیال ہے کہ دولت کو فقر پر فوقیت حاصل ہے اور نہ ان سے جو فقر کو خدا کی نعمتوں سے برتر سمجھتے ہیں۔ان کی رائے ہے کہ" دولت وفقر دونوں خدائی نعمتیں ہیں۔انسان دولت پا کر خدا سے غافل ہو جائے تو خرابی پیدا ہوتی ہے۔اسی طرح اگر فقیر لالچ میں مبتلا ہو جائے تو فقر ضائع ہو جاتا ہے۔" بعد ازاں انہوں نے اس موضوع پر ممتاز صوفیوں کے اقوال درج کیے ہیں۔

تیسرا باب: تصوف

داتا صاحبؒ لفظ صوفی کے مختلف مشتقات سے بحث کرتے ہیں۔انہیں افسوس ہے کہ:

ہمارے زمانے میں خدا نے لوگوں کو تصوف اور اہل تصوف سے بیگانہ رکھا ہے اور طریقت کے رازوں کو ان کے دل سے پوشیدہ کر دیا ہے۔

تمسخر اور علمائے ظاہری نے تصوف کی حقیقت سمجھنے کی ذرا سی کوشش کیے بغیر اسے مردود ٹھہرایا ہے۔ان کے بقول حضرت ابوبکرؓ اہل طریقت کے پیشوا تھے۔

داتا صاحبؒ کے خیال میں سچا صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک ہو۔انہوں نے نام بتائے بغیر

Marfat.com

کسی صوفی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "عشق جسے پاک کردے وہ پاک ہے اور جو محبوب حقیقی کی یاد میں مشغول ہو کر ماسوا کو ترک کردے، وہ صوفی ہے۔" ابوالحسن نوری کے الفاظ میں تمام نفسانی لذات کے ترک کرنے کو تصوف کہتے ہیں۔

چوتھا باب: دلق مرقع

حضرت ہجویریؒ کا ارشاد ہے "واضح ہو کہ گدڑی پہننا تصوف کے سالکوں کا نشان ہے۔" یہ جناب رسالت مآبؐ کی، حضرت عمر فاروقؓ اور مولیٰ علی مرتضیٰؓ کی سنت ہے۔ انہیں افسوس ہے کہ ہمارے زمانے میں لوگ پیوند لگی گدڑی اور عبا و قبا محض دنیوی اعزاز و اعتبار حاصل کرنے کے لئے پہنتے ہیں حالانکہ خباثت نفس کی وجہ سے وہ اس ملبوس کے اہل نہیں ہیں۔ صوفیوں کا سا خرقہ پہن لینا اور تصوف کے فرائض سے بے خبر ہونا بڑی لغویت ہے۔ جاہلوں کے لئے خرقہ محض سامان سرور ہے لیکن برگزیدہ لوگوں کے لئے زرہ بکتر ہے۔ اونی لباس پہننا تمام صوفیوں کا شیوہ نہ تھا کیونکہ عمدہ قسم کی اون کمیاب تھی۔ علاوہ ازیں بعض بدعتی جماعتوں نے بھی خرقہ پوشی اختیار کر لی تھی۔ حضرت ہجویریؒ سفر میں عبا اور قبا پہنتے تھے۔ سفید کے بجائے نیلا لباس بہتر سمجھا جاتا تھا کیونکہ ایک تو یہ سفر میں میلا نہ ہوتا تھا، دوسرے نیلا لباس غم زدوں اور آفت رسیدوں کا پہناوا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک درویش سے کسی نے نیلا لباس پہننے کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ "رسول کریم حضرت احمد مختارؐ نے تین چیزیں چھوڑی تھیں: فقر، علم، شمشیر۔ شمشیر کو تو حکام نے لے لیا اور اس سے خوب ظلم کرتے ہیں، علم کو عالموں نے سنبھالا جو محض اس کی تعلیم دے کر مطمئن ہو گئے اور فقر کو درویشوں نے پسند کیا تھا جو اس کے ذریعے دولت جمع کرنے لگے۔ میں ان تینوں گروہوں کی تباہی کے غم میں نیلی پوش ہو گیا ہوں۔" خرقے کا پہننا صرف ان لوگوں کو زیبا ہے جو دنیا کو ترک کر کے خدا کے طالب ہوں۔ مرید کو تین سال کی روحانی تربیت کے بعد خرقہ دیا جاتا تھا اور اسے کفن سے مشابہ سمجھتے تھے۔

پانچواں باب: فقر اور صفوت کے متعلق مختلف آراء

فقر اور صفوت کے متعلق صوفیوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ابوالحسن ذوالنون کے زمانے سے اس بحث کی ابتدا ہوئی، تاہم حضرت ہجویریؒ اس معاملے میں اپنے نظریات قطعیت کے ساتھ پیش نہیں کرتے۔

چھٹا باب: ملامت

بہت سے صوفی الزاموں کا نشانہ بنے ہیں۔ صوفیوں کے گروہ میں جو لوگ مقبول ہیں انہیں عوام اچھا نہیں سمجھتے۔ جو لوگ عوام کے ممدوح ہیں وہ صوفیوں کے حلقے میں مردود سمجھے جاتے ہیں۔ دراصل الزام یا ملامت روح کی غذا ہے۔ ملامت کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ جو راہ حق پر چلنے کے باوجود کی جاتی ہے۔ دوسری وہ جو بالقصد کسی کام کے کرنے پر کی جائے اور تیسری وہ جو ترک شرع پر ہو۔ حضرت علی ہجویریؒ کا ارشاد ہے کہ:

"جو شخص شرع محمدی کو ترک کر کے کسی ناجائز فعل کا ارتکاب کرے اور پھر یہ کہے کہ میں ملامتیہ

فرقے کے اصول پر کار بند ہوں، وہ صریحی غلطی، فسق اور نفس پرستی کا مجرم ہے۔"

ملامت کا عقیدہ حمدون قصار نے پھیلایا تھا۔ ان کے خیال میں "ترک سلامت کو ملامت کہتے ہیں۔" ملامتیہ فرقے کے درویش معرض الزام میں آنا بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ ملامت سننے سے روح کی تطہیر حاصل ہوتی ہے۔ حضرت ہجویریؒ اسے محض نمائش و ریاکاری سے تعبیر کرتے ہیں لیکن بعض فقرا نفس کشی کے لئے اسے اختیار کرتے ہیں۔

ساتواں باب: اصحاب رسولؐ جو تصوف کے بانی تھے

حضرت ہجویریؒ کے بقول حضرت ابوبکرؓ امت کے عمومی اور صوفیوں کے خصوصی پیشوا تھے کیونکہ وہ اوّل سے آخر تک رضائے الٰہی پر قائم رہے۔ حضرت عمر فاروقؓ اوّل صوفیوں کے لئے نمونہ ہیں کیونکہ دیگر صفات کے علاوہ وہ پیوند لگی قمیض بھی پہنتے تھے اور فرائض دین کے سختی سے پابند تھے۔ حضرت عثمانؓ کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے مصیبت کی گھڑی (محاصرے) میں شیوۂ تسلیم اختیار کیا لیکن تصوف کی راہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ کا درجہ بہت بلند ہے کیونکہ انہوں نے اسرار حقیقت کی تشریح بڑی دقیقہ سنجی کے ساتھ کی ہے۔ اس بارے میں حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ "تصوف کے اعمال و نظریات دونوں میں حضرت علیؓ ہمارے امام ہیں۔" کسی نے جناب علی مرتضیٰؓ سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ جواب ملا کہ "زن و فرزند کی محبت میں محو نہ ہونا کیونکہ اگر وہ (بیوی بچے) خدا کے دوست ہیں تو خدا خود ان کی خبر لے گا اور اگر وہ اس کے دشمن ہیں تو تم اس کے دشمنوں کی خبر گیری کیوں کرتے ہو۔" جناب ہجویریؒ کا قول ہے کہ "حقیقت کے ظواہر بیان کرنے، نیز اسرار حقیقت کی باریکیاں سمجھانے میں جناب علی مرتضیٰؓ صوفیوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔"

آٹھ تا تیرہ ابواب:

ان ابواب میں داتا صاحبؒ نے صوفیوں کے نظریات اختصار سے بیان کر کے ان کی تشریح و توسیع کی ہے۔

چودھواں باب: صوفیوں کے مختلف سلسلوں کے عقائد

حضرت ہجویریؒ نے بیان کیا ہے کہ "صوفیوں کے بارہ سلسلے ہیں جن میں سے دس مقبول ہیں اور دو مردود۔" حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ تجرید کے معاملے میں (یعنی آیا صفات عین ذات ہیں یا ذات سے جدا ہیں) علما میں اختلاف ہے۔" مذکور بالا سلسلے یہ ہیں:

(۱) محاسبیہ: یہ لوگ ابوعبداللہ حارث بن اسد المحاسبی کے مقلد ہیں۔ اس باب میں رضا کی ماہیت کے متعلق ایک فصل ہے۔ نیز "احوال" اور "مقامات" کا فرق بھی واضح کیا ہے۔ رضا کی دو قسمیں ہیں:

(الف) خدا کا بندے سے راضی ہونا۔

Marfat.com

(ب) بندے کا اپنے رب سے خوشنود ہونا۔

مقام سے مراد سالک کا وہ مرتبہ ہے جو اسے بارگاہ الٰہی میں حاصل ہو۔ حال سے مراد وہ عنایت و توفیق ہے جس سے خدا اپنے عاشقوں کے دلوں کو بہرہ مند کرتا ہے۔

(۲) قصاریہ: یہ ابو صالح ہمدم بن عمر القصارؒ کے پیرو ہیں جو عقیدہ ملامت کے بانی تھے۔

(۳) طیفوریہ: یہ گروہ حضرت بایزید طیفور بسطامی کے مقلد ہیں۔

(۴) جنیدیہ: یہ فرقہ ابو قاسم جنید بن محمد کی تقلید کرتا ہے۔ ان کے خیال میں بارگاہ الٰہی میں کسی شخص کے مقام کی عظمت صحو سے ظاہر ہوتی ہے جب کہ سکر صرف شدت شوق اور شدت عشق کی نمائندہ ہے۔ جنیدی درویش اس بات پر زور دیتے ہیں کہ فقیر اپنے احوال پر مسلسل نگاہ رکھے۔

(۵) نوریہ: یہ لوگ ابوالحسن احمد بن محمد نوری کے سلسلے میں ہیں۔ وہ تصوف کو فقر سے برتر سمجھتے تھے۔ ان کا لقب اس لئے نوریہ پڑ گیا تھا کہ جب وہ کسی تاریک کمرے میں بولتے تو وہ روشن ہو جاتا۔ حضرت جنیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ ابوالحسن لوگوں کے دلوں میں جھانکتا ہے۔

(۶) سہلیہ: یہ سہل بن عبداللہ تستری کے پیرو ہیں۔ وہ مریدوں کو زہد اور نفس کشی کی تعلیم دیتے تھے اور مجاہدے پر اصرار کرتے تھے۔ یہاں نفس امارہ کی حقیقی ماہیت پر ایک تقریر ہے اور ہوا و ہوس کے معنی بھی سمجھائے گئے ہیں۔ نیز نفس امارہ کو مارنے کے طریقے بتائے ہیں۔ داتا صاحبؒ نے قرآن کی یہ آیت بھی درج کی ہے۔ "جو لوگ ہم تک پہنچنے کی جدوجہد کرتے ہیں ہم انہیں اپنا رخ دکھائیں گے۔" (۲۹:۶۹) نبی کریمؐ نے فرمایا تھا "مجاہد وہ ہے جو خدا کی رضا کے لئے اپنی پوری طاقت سے نفسانی خواہشات کے جنگ کرتا ہے۔" یہی جہاد اکبر ہے۔ مذکورہ بالا آیت کے مخفی مفاہیم پر داتا صاحبؒ نے ناقدانہ انداز میں تبصرہ کیا۔

(۷) حاکمیہ: یہ ابو عبداللہ محمد بن علی الحاکم ترمذی کے پیرو تھے، جنہوں نے ولایت کی صحیح ماہیت بیان کی ہے اور اولیا کے مختلف طبقے نیز مختلف طبقوں کے درجے بتائے ہیں۔ خدا اپنے اولیا کو بنی نوع انسان میں سے انتخاب کرتا ہے اور ان پر اسرار حق کھول دیتا ہے۔ ولایت کے معنی ہیں اہتمام کرنے کی قوت۔ حکمت بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ ولی کے معنی دوست بھی ہے۔ اور ولی وہ ہوتا ہے جسے خدا اپنی دوستی سے ممتاز کر دے۔ اپنی سلطنت کے انتظام کے لئے چن لے۔ نیز کرامتوں کی صلاحیت عطا کر دے۔

"اس نے اولیا کو کائنات کا انتظام سونپا ہے۔ وہ اسی کے کام انجام دیتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات ترک کر دیتے ہیں۔ انہی کے دم قدم کی برکت سے بارش برستی ہے اور انہی کی پاکیزہ زندگی کے طفیل میں زمین سے نباتات اُگتے ہیں۔ انہی کے روحانی تصرف سے مسلمانوں کو کفار پر فتح حاصل ہوتی ہے۔ چار ہزار اولیا ایسے ہیں جو چھپے رہتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کو تو کیا، خود اپنے احوال و مقامات سے بھی آگاہ نہیں ہوتے وہ انسانوں سے مخفی

Marfat.com

ہوتے ہیں اور خود اپنی ذات سے بھی۔ اس مضمون کی روایتیں موجود ہیں اور اولیا کے اقوال اس بات کی صداقت کا اعلان کرتے ہیں۔ الحمد للہ کہ میں نے اس معاملے کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ اولیا میں سے وہ جنہیں معاملات کے حل وعقد کا اختیار ہے اور بارگاہ قدس میں ذی مرتبت ہیں، ان کی تعداد تین سو ہے اور انہیں اخیار کہتے ہیں۔ چالیس ابدال ہیں۔ سات ابرار کہلاتے ہیں۔ چار کا لقب اوتاد ہے۔ تین کو نقیب کا خطاب حاصل ہے اور ایک کو قطب یا غوث کہتے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے کو جانتے، پہچانتے ہیں اور باہمی رضا مندی سے امور کا انجام کرتے ہیں۔'' اس کے بعد یہ بیان ہے کہ کرامات کی صلاحیت صرف ان اولیا کے حصے میں آتی ہے جو اصول شریعت کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ معجزے اور کرامات کا فرق، اولیا پر پیغمبروں کی برتری اور اولیا کی فرشتوں پر برتری کا بھی بیان ہے۔ وہ اس بیان کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں کہ:

''ولایت ایک مقدس راز تھا جس کا اظہار فقط کردار سے ہوتا تھا۔ معجزوں کا ظہور سکر کے عالم میں نہیں ہوتا بلکہ سنجیدگی اور تمکین کی حالت میں ہوتا ہے۔ صوفی اس دلیل سے کہ اولیا اللہ سلطنت الٰہی کے منتظم اور کائنات کے نگران ہیں، یہ حجت کرتے ہیں کہ جب خدا نے کائنات کا انتظام انہیں سونپ دیا ہے تو یقیناً ان کے فیصلے قطعاً صحیح ہوں گے اور ان کے دل خلق اللہ کے معاملے میں انتہائی نرم ہوں گے۔

جو اپنی خواہشات کو ترک کر دیتا ہے اسے رضائے الٰہی باقی رکھتی ہے کیونکہ انسان کی خواہش فانی ہے اور رضائے الٰہی جاودانی ہے۔ جب بندہ اپنی مرضی کو پیش نظر رکھتا ہے تو وہ فنا کے کنارے آجاتا ہے لیکن جب انسان پورے طور پر شیوۂ تسلیم اختیار کر لے اور رضائے الٰہی کا تابع ہو جائے تو اسے بقا کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آگ میں جو چیز ڈال دی جائے آگ اسے اپنے جیسا بنا لیتی ہے۔ یقیناً رضائے الٰہی کی طاقت آگ سے کہیں زیادہ ہے، لیکن یہ ملحوظ رہے کہ آگ میں پڑے ہوئے لوہے کی صرف تاثیر بدلتی ہے، ماہیت نہیں بدلتی۔ لوہا آگ میں پڑ کر سرخ ہو جائے گا لیکن آگ نہیں بنے گا۔''

(۸) خرازیہ: یہ ابوسعد خراز کے مقلد ہیں جنہوں نے سب سے پہلے فنا و بقا کے عقیدے کی تشریح کی۔ داتا صاحبؒ کی رائے ہے کہ ان اصطلاحوں کا علمی مفہوم کچھ اور ہے اور تصوف میں ان کا مطلب کچھ اور ہے۔ کسی اور اصطلاح نے علماء ظاہری کو اتنا حیران نہیں کیا جتنا ان دو اصطلاحوں نے کیا ہے۔

(۹) خفیفیہ: یہ ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی کے پیرو ہیں جنہوں نے غیبت و حضور کا عقیدہ واضح کیا۔ داتا صاحبؒ نے ان اصطلاحوں کی یہ تشریح کی ہے: ''اپنی ذات سے بے خبر ہو جانا خدا کی حضوری ہے۔ حضوری کے یہ معنی ہیں کہ انسان اپنی ذات کو سراسر فراموش کر دے۔''

(۱۰) سیاریہ: ابوعباس سیاری مروزی کے پیروؤں کو سیاریہ کہتے ہیں جنہوں نے جمع و تفریق کا نظریہ پیش کیا۔ جمع کے معنی ہیں خصوصیت یعنی روح کا پروردگار سے قرب و اتصال۔ تفریق یا عبودیت کے معنی پروردگار سے فراق و بُعد

Marfat.com

ہیں۔ داتا صاحبؒ نے اس موضوع پر مختلف آراء کا جائزہ لیا ہے۔

(۱۱) حلولیہ: یہ حلمان دمشقی کے پیرو ہیں جو اس بات کا قائل تھا کہ خدا انسان کی ذات میں حلول کرتا ہے یا آدمی کو اپنا اوتار بنا کر اس کے ساتھ امتزاج کر لیتا ہے۔ وہ تناسخ کے عقیدے پر بھی ایمان رکھتا تھا۔

تمام اولین صوفیوں کی مانند حضرت ہجویریؒ بھی شریعت کی کامل تقلید پر زور دیتے اور توحید کو ایمان کی بنیاد ٹھہراتے تھے۔ وہ سختی کے ساتھ نہایت واشگاف الفاظ میں اہل بدعت کو، جو شریعت کے سیدھے راستے سے ہٹ گئے ہیں، مردود قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے حسین بن منصور حلاج کے معاملے میں نرمی برتی ہے یعنی اس کی تحریروں کو ''الٰہیات کے دقیق مسئلے'' کہہ کر گزر گئے ہیں لیکن اس قسم کے دوسرے مجذوبوں کے اقوال کو وہ حقارت سے رد کر دیتے ہیں۔ مثلاً:

> ''میں، علی بن عثمان جلابی، صاف کہتا ہوں کہ مجھے خبر نہیں فارض اور ابوحلمان کون تھے اور ان کا قول کیا ہے لیکن صاف بات یہ ہے کہ جس شخص کا عقیدہ توحید یا سچی طریقت کے برخلاف ہو، اسے دین حق سے کچھ واسطہ نہیں۔ دین یا مذہب ہمارے عقائد کی جڑ ہے۔ اگر یہی مضبوط نہ ہو تو تصوف جو مذہب کا ایک شعبہ ہے، یقیناً کمزور ہو جائے گا۔ اس کا تصور ہی نہ کیجئے کہ دین دار اہل توحید کے سوا کوئی اور شخص بھی معجزے یا کرامات دکھا سکتا ہے۔''

(۱۲) دوسرا قابل اعتراض فرقہ حلاج کا ہے۔

پندرہ تا اٹھارہ ابواب:

اس حصے کا عنوان ''کشف الحجاب'' ہے اور اس میں ان حجابوں کا ذکر ہے جو توحید، ایمان اور طہارت نفس کے معاملوں میں حائل ہو جاتے ہیں۔ اس میں مصنف نے اپنی بصیرت کے مطابق توبہ پر اس طرح اظہار خیال کیا ہے:

> ''واضح ہو کہ جس طرح عبادت کی پہلی شرط طہارت ہے، حقیقت کی راہ میں سالک کی پہلی منزل توبہ ہے۔ اسی لئے پروردگار پاک کا ارشاد ہے کہ ''اے اہل ایمان! خدا کے حضور میں سچی توبہ کرو'' (قرآن حکیم ۸:۶۶)۔''

نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ:

> ''خدا کسی شے کو اتنا پسند نہیں کرتا جتنا اس جوان کو جو توبہ کرتا ہے۔''

آپ ﷺ ہی کی یہ حدیث ہے کہ:

> ''جو توبہ کر لے وہ ایسا ہے گویا اس سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوا۔''

Marfat.com

ساتھ ہی آنحضورﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ’’خدا جس سے الفت رکھتا ہے اسے گناہ کوئی نقصان نہ پہنچائے گا۔‘‘ یعنی گناہ کی وجہ سے وہ کافر نہیں ہوگا اور اس کا ایمان خراب نہ ہو سکے گا۔

لغت میں توبہ کے معنی واپسی ہیں۔ درحقیقت توبہ کا مفہوم یہی ہے کہ انسان خدا کا حکم مان کر ممنوع کاموں سے پلٹ آئے۔

پنجم نماز: اس میں محبت کے موضوع پر ایک تقریر بھی ہے۔ ششم زکوٰۃ، ہفتم روزہ، ہشتم حج۔ مندرجہ ذیل عبارت بہت معنی خیز ہے لیکن ممکن ہے کہ دین دار حضرات اس پر چیں بہ جبیں ہو جائیں:

اس لحاظ سے حج کی دو قسمیں ہوئیں: (۱) حج حضوری (۲) حج غیاب۔ جو شخص خانہ کعبہ کا طواف کرتے وقت خدا سے غافل رہے، ایسا ہی ہے جیسے وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا خدا کو بھول رہا ہو اور جو شخص اپنے گھر میں بیٹھا ہوا یادِ الٰہی میں غرق ہو، ایسا ہی ہے جیسے وہ بیت اللہ میں پروردگار سے لو لگائے۔ حج تو مجاہدے کی ایک صورت اور مشاہدے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ مشاہدے کا واقعی سبب نہیں بن سکتا بلکہ محض ایک وسیلہ ہے۔ جس طرح وسیلہ کسی شے کی حقیقت و ماہیت پر مزید اثر انداز نہیں ہوتا اسی طرح حج کا اصلی مقصد کعبے کی زیارت نہیں بلکہ اصلی مقصد مشاہدہ حق ہے۔

اس کے بعد مشاہدے اور رفاقت پر ایک مذاکرہ ہے۔ حضور رسالت مآبﷺ نے فرمایا:

’’شائستگی ایمان کا جز ہے۔‘‘ ’’تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمام دینی اور دنیوی امور کی رونق آداب و قواعد پر منحصر ہے۔ نیز یہ کہ ہر مقام اور ہر طبقے کے اشخاص کے لئے مخصوص قواعد ہیں۔‘‘

ادب یا شائستگی کی تعریف کرتے ہوئے حضرت داتا صاحبؒ رقم طراز ہیں کہ:

’’شائستگی کا اصلی مفہوم صفات حمیدہ کا حصول ہے۔ اگرچہ عرف عام میں ادب کا مفہوم یہی ہے کہ عربی زبان اور قواعد کی واقفیت حاصل کر لی جائے لیکن صوفیوں کے نزدیک صفات حمیدہ کے حصول کو ادب کہتے ہیں۔ نیز یہ کہ خلوت ہو یا جلوت، ہر جگہ حقوق اللہ کا خیال رکھا جائے۔‘‘

یہاں وہ اُن آدابِ معاشرت کا بیان بھی کرتے ہیں جو سفر میں، حضر میں، کھانے پینے، سونے جاگنے، گفتگو، خاموشی، التماس و التجا، تاہل اور تجرد، غرض مختلف حالات میں ملحوظ رکھنے چاہئیں۔

یہ حصہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں حضرت ہجویریؒ کے نظریہ تاہل پر روشنی پڑتی ہے:

’’اگر زن و شوہر ہم مزاج اور موزوں و مناسب ہوں تو احترام و اطمینان کے اعتبار سے کوئی رفاقت شادی سے بہتر و برتر نہیں۔ لیکن بیوی ناجنس ہو تو اس سے بڑھ کر عذاب و تشویش بھی اور کوئی نہیں لہٰذا درویش کو چاہیے کہ اس جھمیلے میں اڑنے سے پہلے خوب غور کر لے اور تجرد و تاہل دونوں کی خرابیوں کا موازنہ کر کے فیصلہ کرے کہ وہ کس کی برائیوں پر بسہولت قابو پا سکتا ہے۔ تجرد کے دو عیب ہیں: (۱) سنت سے انحراف (۲) شہوت کا دل میں پرورش پاتے رہنا اور فسق و فجور میں پھنس جانے کا خطرہ۔ شادی میں بھی دو عیب ہیں: (۱) دل کا غیر اللہ کی محبت میں محو ہو جانا (۲) نفسانی لذتوں کی خاطر جسم کا زیاں۔

Marfat.com

ہمارے زمانے میں اچھی بیوی کا ملنا محال ہے یعنی ایسی بیوی جس کی ضرورتیں اوسط درجے کی ہوں اور جس کے مطالبات معقول ہوں، نہیں ملتی۔ اس لئے بہت سے اشخاص تجرد اختیار کر لیتے ہیں اور اس حدیث پر عمل کرتے ہیں کہ ''آخری زمانے میں سب سے اچھے آدمی وہ ہوں گے جن کی پشت پر کم بوجھ ہوگا۔'' یعنی وہ لوگ جو زن وفرزند کے بکھیڑے سے آزاد ہوں۔ فرقہ جنیدیہ کے شیوخ کی بالاتفاق یہ رائے ہے کہ: ''بہترین اور اعلیٰ صوفی وہی ہیں جو مجرد ہوں بشرطیکہ ان کے دل پاک صاف ہوں اور ان کی طبیعتیں شہوت ومعصیت سے مبرا ہوں۔''

محض تجرد یا تاہل کسی کو نہیں بگاڑتے۔ اصلی خرابی خواہشات ومیلانات کے ہاتھوں پیدا ہوتی ہے۔ شادی شدہ آدمی کو مندرجہ ذیل قاعدوں پر عمل کرنا چاہیے: کسی قسم کی عبادت ترک نہ کرے، کسی حال کو ضائع نہ ہونے دے، نہ اپنے وقت کو تلف کرے۔ اپنی زوجہ پر مہربان ہو اور اس کی جائز ضروریات پوری کرتا رہے لیکن یہ نہ ہو کہ اس کے اخراجات پورے کرنے کے لئے کسی ظالم بادشاہ یا عامل کی درباری اختیار کر لے۔''

چوبیسواں باب:

اس میں صوفیوں کی اصطلاحوں کی تشریح اور ان کے مسلمہ نظریات کا بیان ہے۔

پچیسواں باب:

اس میں سماع کے انتہائی متنازعہ مسائل پر بحث ہے۔ ایک مدلل تقریر میں موسیقی پر، بالخصوص سماع پر، اپنے نظریات یوں بیان کئے ہیں:

''راقم الحروف، علی بن عثمان جلابی، اس بات کو مستحسن سمجھتا ہے کہ مبتدیوں کو مجالس سماع میں آنے کی اجازت نہ دی جائے مبادا ان کی فطرتیں خراب ہو جائیں۔ یہ محفلیں انتہائی خطرناک اور خرابی کا موجب ہیں۔ عورتیں اِدھر اُدھر چھتوں پر سے سماع سننے والے درویشوں کو دیکھتی ہیں اور ان درویشوں کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ بعض بے خبر صوفیوں نے سماع کو مذہب کا درجہ دے رکھا ہے اور حقیقت کو پس پشت ڈال دیا ہے اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی نوعمر بے شرع قلندر بھی مجلس میں شامل ہو جائے۔ میں خدا سے توفیق کا طالب ہوں کہ وہ میرے ظاہر وباطن کو معصیت کی سیاہی سے محفوظ رکھے۔ قارئین کتاب سے میری گزارش ہے کہ اس کے مطالب پر عمل پیرا ہوں اور ناچیز مصنف کے حق میں یہ دعا کریں کہ ایمان پر خاتمہ ہو اور آخرت میں دیدار الٰہی نصیب ہو۔''

حضرت ہجویریؒ نوجوانی میں سماع کے بہت شوقین تھے۔ اپنی مخصوص بے تکلفی سے انہوں نے وہ واقعہ بھی بیان کیا ہے جس کے بعد انہوں نے سماع ترک کر دینے کا فیصلہ کیا:

''ایک روز حضرت ابو احمد المظفر بن احمد بن ہمدم کے سلام کو گیا۔ موسم بے حد گرم تھا۔ میں مسافرانہ

Marfat.com

لباس پہنے تھا اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا "بتاؤ! اس وقت تمہاری کیا خواہش ہے"۔ میں نے عرض کی کہ سماع کو جی چاہتا ہے۔ انہوں نے فوراً ایک قوال اور چند موسیقاروں کو بلایا۔ میں پُر جوش نوجوان تھا۔ مریدی کی سرگرمی اس پر مستزاد تھی۔ سماع کی تانیں سنتے ہی دل میں ولولہ اور خروش پیدا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب میرا جذب و شور فرو ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ "کہو! کچھ لطف آیا؟" میں نے عرض کی کہ "بے حد محفوظ ہوا"۔

فرمانے لگے کہ:

"ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ سماع تمہیں پہاڑی کوے کی کائیں کائیں کی طرح ناگوار گزرے گا۔ سماع کی تاثیر بس اس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ مشاہدے کی کیفیت حاصل نہیں ہوتی۔ جونہی مشاہدے کی منزل آئی، سماع بے تاثیر ہو جاتا ہے۔ احتیاط کرو کہ تمہیں اس کی لت نہ پڑ جائے ورنہ یہ تمہاری طبیعت کا جز بن جائے گا اور تمہیں اعلیٰ مقامات سے باز رکھے گا۔"

حواشی

۱۔ دیکھیے مختصر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام طبع لیڈن۔ ای۔ جے۔ برل۔ ۱۹۵۳ء۔ ص ۵۷۹۔ حضرت ہجویریؒ کے بیان کردہ مشتقات کے علاوہ ذیل کے مشتقات بھی قابلِ توجہ ہیں۔ بنوصفہ (ایک بدو قبیلہ) صوفانہ (ایک ترکاری)' صفوۃ الکفار (گردن پر بالوں کا گچھا) نیز یونانی لفظ۔

۲۔ کشف المحجوب از حضرت ہجویری مترجمہ آر۔ اے۔ نکلسن، ای۔ جی۔ ڈبلیو گب میموریل سیریز لنڈن ۱۹۵۹ء، باب ۳۔ ص ۴۴۔ ۳۰

۳۔ عبدالرحمان جامی، نفحات الانس ص ۳۱، مرتبہ ناسوس لیز۔ کلکتہ ۱۸۵۸ء، ص ۳۱ بحوالہ ای۔ جی۔ براؤن۔ تاریخ ادبیات ایران۔ جلد اول ص ۲۹۷، ۲۹۸۔ طبع لنڈن ۱۹۱۹ء

۴۔ نفحات الانس، ص ۳۴

۵۔ براؤن ص ۴۱۹، ۴۲۰۔ نکلسن نے اس نظریے کی تردید کی ہے۔ ملاحظہ ہو آر۔ اے۔ نکلسن کی صوفیائے اسلام (Mystics of Islam) ص ۸، طبع لنڈن ۱۹۱۴ء

۶۔ ابوالحسن فشنجی، نکلسن، ص ۴۴

۷۔ اے۔ جے۔ آربری۔ صوفی ازم، ص ۳۱ طبع لنڈن ۱۹۶۳ء

۸۔ نکلسن ص ۷، ۸، ۴۳

۹۔ ایضاً ص ۱۴۲، ۱۴۳

۱۰۔ ایضاً ص ۱۳۰، ۱۷۶ فارسی متن ص ۲۲۲

۱۱۔ ابوالفضل علامی، آئین اکبری، جلد سوم، ص ۳۸۹۔ ۴۰۰، گیرٹ، کلکتہ، ۱۹۴۸ء

۱۲۔ عزلت یعنی گوشہ گیری و مراقبہ

۱۳۔ Studies in Islamic Cultural History مرتبہ جی ای گرونے بوم۔ The American Anthropological Association, Memoir, No. 76, p. 24 April 1954.

۱۴۔ نکلسن، ص ۷، ۱۲، ۱۱۶، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۷۶، ۲۱۳، ۳۸۲

۱۵۔ کسلنگ، در: سٹڈیز، درج بالا، ص ۳۲

۱۶۔ نکلسن

Marfat.com

۱۷۔ مصباح الہدایۃ، حصہ دوم، ص ۷، ۱۰

۱۸۔ نکلسن، ص ۱۷، ۴۳، ۴۴، ۱۴۲

۱۹۔ کسلنگ، ص ۳۳

۲۰۔ ایچ۔اے۔آر۔گب: Studies on the Civilization of Islam، لنڈن ۱۹۶۲ء، ص ۲۱۸

۲۱۔ داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء، اردو ترجمہ از غلام دستگیر، لاہور، بعد تاریخ، ص ۶۴۵

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ اپنے دور کے ایک معروف بزرگ

۲۴۔ نکلسن، ص ۱۶۸

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۷۲

۲۷۔ ایضاً، ۱۶۷

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ نفحت، ص ۲۶۶

۳۰۔ ایضاً، ص ۲۷۶

۳۱۔ نکلسن، ص ۱۶۷

۳۲۔ ایضاً، ص ۶۸۔۶۹

۳۳۔ ایضاً، ص ۳۴۵

۳۴۔ ایضاً، ص ۳۶۰۔۳۶۶

۳۵۔ ایضاً، ص ۳۶۴

۳۶۔ امیر حسن سجزی: فوائد الفواد، لاہور ۱۹۶۶ء، ص ۵۷

۳۷۔ نکلسن، ص ۹۱

۳۸۔ فوائد الفواد، ص ۵۷

۳۹۔ سفینۃ الاولیاء، ص ۶۴۵

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ معاصر فارسی مآخذ میں رائے راجو کا نام نہیں ملتا۔

۴۲۔ سلطان مودود بن سلطان مسعود غزنی کا حکمران رہا (۱۰۴۱ء۔۱۰۴۹ء)

۴۳۔ کشف الاسرار، ص ۴۲

۴۴۔ چلہ مخصوص وقت کے لیے ہوتا ہے۔ عام طور پر چالیس دن تک بھوکا رہ کر اذکار میں مشغول رہا جاتا ہے۔

۴۵۔ کشف الاسرار، ص ۳۰۔۳۲، ۵۰

۴۶۔ دیکھیے، نور احمد چشتی: تحقیقاتِ چشتی، جلد دوم، لاہور ۱۹۶۴ء، ص ۱۰۷۲۔۱۰۸۲

۴۷۔ نکلسن، ص xi-xii

۴۸۔ اُن کا ایک ایسے شخص سے مباحثہ ہوا، جو علم تفسیر وغیرہ پر گہری نظر رکھتا تھا، لیکن بقا و فنا کے مسئلہ سے بالکل ناواقف تھا۔ محمود غزنوی کے دربار میں ایک ہندو سے اُس کے مناظرے ہوتے تھے۔ نکلسن، ص ۲۴۳، ایتے: کٹالاگ، ص ۹۷۱، کولم ۲

۴۹۔ نکلسن۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر محمد باقر

احوال شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ

ا۔تاریخ ولادت

''طبقات الصوفیہ''(امالی شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبداللہ ہروی انصاری) تالیف بعد از سال ۴۸۱ھ (۱۰۸۸ء)''اور ادالاحباب وفصوص الاداب'' تالیف ابو المفاخر یحیٰی باخرزی (متوفی ۶۴۶ھ۔۶۵۹ھ)اور ''فردوس المرشدیہ فی اسرار الصمدیہ'' تالیف محمود بن عثمان (سال ۷۲۸ھ) میں مخدوم ابوالحسن علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویریؒ کا ذکر نہیں ملتا۔سوانح نگاروں کا سب سے پرانا ماخذ''نفحات الانس''نور الدین عبدالرحمان جامی (مرتبہ ۸۸۳ھ/۱۴۷۸ء) بھی سال ولادت کی تصریح نہیں کرتا لیکن بعض لوگوں نے معاصر یا قریب کے مآخذ یا منابع سے استناد کے بغیر کئی سو سال کے بعد سال ولادت ۴۰۰ھ/۱۰۰۹ء۔۱۰۱۰ء قرار دیا ہے،جس کی کوئی وجہ بیان نہیں کی ۔لہٰذا اس سند کو مجعول سمجھنا چاہیے تا آنکہ اس کی کوئی سند دستیاب ہو۔

۲۔نام ونسب

آپ کا اسم گرامی علی، کنیت ابو الحسن اور لقب داتا گنج بخش ہے۔انہوں نے اپنی تالیف ''کشف المحجوب'' کے آغاز میں اپنا تعارف یوں کرایا ہے:

''قال علی بن عثمان بن علی[۱]''الجلابی الغزنوی ثم الہجویری''[۲]

اس اندراج سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے والد کا نام عثمان اور دادا کا نام علی تھا اور یہ کہ وہ اپنے آپ کو جلاب،غزنی اور ہجویر سے منسوب کرتے تھے۔وہ اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہتے،لیکن تقریباً سوا سو سال پہلے لاہور کے ایک بزرگ مولوی نور احمد چشتی اپنی تالیف ''تحقیقات چشتی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''نسب شریف ان کی اس طرح سے زبانی مجاورین کے ظاہر ہوئی کہ حضرت علی گنج بخش بن

Marfat.com

سید عثمان بن سید علی بن سید عبد الرحمان ابن سید عبد اللہ ہجویری بن سید ابوالحسن علی بن سید حسن بن سید زید شہید بن حضرت امام حسن بن حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا، کرم اللہ وجہہ۔''[۳]

چشتی صاحب نے نسب نامے کے لیے مجاوروں کی روایت کو اپنایا ہے جو سند کا اعتبار نہیں رکھتی لہٰذا اتنی بات بالکل صحیح ہے کہ آپ کے والد کا نام عثمانؒ اور دادا کا نام علی تھا۔ اس سے آگے محض قیاس اور ظن ہے۔

دارا شکوہ پہلا آدمی ہے جو سید علی کے مولد کا ذکر اور جُلاب وہجویر کی توضیح یوں کرتا ہے:

''اصل ایشان از غزنین است۔ وجلاب و ہجویر دو محلہ است از محلات شہر کہ انتقال کردہ انداز یکے بدیگرے۔ قبر والدہ بزرگوار ایشان در غزنین است۔''[۴]

(یہ اصل میں غزنین کے ہیں اور جلاب اور ہجویر اس شہر کے علاقوں میں سے دو علاقے ہیں جو ایک دوسرے میں مدغم ہوگئے ہیں اور ان کی والدہ بزرگوار کی قبر غزنین میں ہے)۔

راقم نے غزنی کو آخری مرتبہ ۱۹۷۱ء میں دیکھا ہے۔ یہ ایک اجڑا ہوا شہر ہے، جو اپنی عظمت پارینہ پر نوحہ کناں ہے۔ یہاں ابھی تک چند مزار ایسے ہیں جو اس کے ماضی کی اہمیت وحیثیت پر دال ہیں۔ ان میں سے مشہور ترین یہ ہیں:

مزارات حکیم سنائی، بہلول علی لالا، شاہ میر فالیزوان، تاج اولیاء (حضرت داتا صاحبؒ کے ماموں)، خواجہ بلغار، سلطان محمود، سلطان مسعود سبکتگین، سلطان حلقوم، سلطان عبد الرزاق، سلطان مودود، شمس صاحب اور شیخ عبد السلام۔

لیکن کابل سے بطرف جنوب ۱۳۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع اس شہر کے متعلق یہ اطلاع محمد دارا شکوہ کے سوا کسی اور جگہ سے نہیں ملتی کہ اس کے دو محلے یا مضافات جلاب اور ہجویر بھی تھے، جن سے سید علی نے اپنے آپ کو منسوب کیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ محمد دارا شکوہ کے عہد تک غزنی، جلاب اور ہجویر آباد ہوں، اس لیے اس کی تردید نہیں کی جاسکتی۔ یہ اطلاع شاید مفید ہو کہ چوتھی صدی ہجری یعنی سید علی سے ایک صدی پہلے شعرائے متقدمین میں سے ایک مشہور شاعر شاکر بخاری کے نام کا ہو گزرا ہے جس کا تخلص جلاب تھا۔ ''مجمع الفرس سروری'' میں مؤلف نے کلمہ جلاب کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جلاب بوزن گلاب، نام شاعری استادست کہ در بخارا بود، کذافی التحفہ۔''[۶]

''لغت فرس اسدی'' میں اس شاعر کے بہت سے اشعار نقل ہوئے ہیں۔[۷]

سید علی ہجویریؒ نے اپنی تالیف ''کشف المحجوب'' کی ابتداء میں ذکر کرتے ہیں کہ میرا ایک دیوان بھی تھا جو کسی نے لے کر واپس نہ کیا۔[۸] محمد لوے عباسی کا خیال ہے کہ گو تذکروں میں اس کا ذکر نہیں لیکن اس کا تخلص جلابی[۹]

Marfat.com

تھا۔ چنانچہ ان کے جو چند اشعار دستیاب ہوئے ہیں، ان میں وہ علی کا تخلص استعمال کرتے ہیں:

ای علی تو فرخی در شہر و کوی
دہ زعشق خویشتن ہر سو صلا
مکن ای علی بیش ازین گفتگوی
کہ مرد خدایی و پاکیزہ خوی[۱۰]

معلوم نہیں ہوسکا کہ محمد عباسی نے ان کا تخلص جلابی کیسے قرار دیا ہے۔ وہ کوئی سند پیش نہیں کرتے۔

۳۔ اساتذہ، تعلیم وتربیت

سید علی ہجویریؒ اس عہد میں بقید حیات تھے جب عصر حاضر کی طرز کے مکاتب و دانشگاہیں قائم نہیں ہوئی تھیں۔ تدریس وتحصیل کا ایک مروج طریق کار یہ تھا کہ حاجتمندان فاضل اساتذہ کی خدمت میں شخصاً حاضر ہوتے جن سے انہیں کسب فیض کرنا ہوتا۔ اس میں ملک و مقام کی تخصیص نہ تھی۔ چنانچہ سید علی بھی ہمیں ملک بہ ملک اپنے معاصر اساتذہ کی خدمت میں پہنچتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کا ذکر انہوں نے ''کشف المحجوب'' میں اس طرح کیا ہے:

(الف) شیخ ابوالعباس شقانی (اشقانی)[۱۱]

''شیخ امام اوحد واندر طریق خود مفرد، ابوالعباس احمد بن محمد الاشقانی: اندر فنون علم اصول وفروع امام بود...... مراباوی انسی عظیم بود و برابر من شفقتی صادق، واندر بعضی علوم استاد من بود۔'' (کشف المحجوب، سلیانوف، ۲۱۰)

(اپنے طریق میں شیخ وامام یگانہ ابوالعباس احمد بن محمد الاشقانی، فنون علم اصول وفروع میں امام تھے...... مجھے ان سے بہت اُنس تھا اور انہیں مجھ سے شفقت صادق اور بعض علوم میں میرے استاد تھے۔)

حضرت داتا صاحبؒ نے ''کشف المحجوب'' میں اپنے اس استاد کا پانچ دفعہ مختلف مواقع پر ذکر کیا ہے جس سے ان کی علمیت، شخصیت، عقائد اور کردار پر روشنی پڑتی ہے۔

حسین بن منصور حلاج کے تذکرہ کے دوران ہجویریؒ فرماتے ہیں:

''باز گروہی اندر امروی توقف کردہ اند، چون جنید وشبلی و جریری وحصری وجز ایشان۔ وگروہی

Marfat.com

دیگر بسحر واسباب آن وی را منسوب کردہ اند، اما اندر ایام ما شیخ ابو سعید و شیخ ابوالقاسم گرگانی، شیخ ابوالعباس اشقانی اندر حدیث وی سری داشتہ اند۔ و بنزدیک ایشان بزرگ۔"[۱۲]

(ایک گروہ نے اس کی بابت توقف کیا ہے جیسے کہ جنید، شبلی، جریری اور حصری وغیرہ نے اور ایک اور گروہ نے اسے سحر اور اس کے اسباب سے نسبت دی ہے لیکن ہمارے زمانے میں شیخ ابو سعید، شیخ ابوالقاسم گرگانی اور شیخ ابوالعباس اشقانی نے اس کی بات کا راز سمجھا ہے اور ان کے نزدیک وہ ایک بزرگ ہے۔)

منصور کے متعلق سید ہجویریؒ اپنے استاد کی رائے سے متاثر اور متفق نظر آتے ہیں۔ یہ عقیدے کی بات ہے۔

نفس امارہ

پھر ایک جگہ نفس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"شیخ ابوالعباس اشقانی کہ امام وقت بود گفت: من روزی بخانہ اندر آمدم۔ سگی دیدم زرد، برجای خود خفتہ۔ پنداشتم کہ از محلت اندر آمدست۔ قصد راندن وی کردم و وی بزیر دامن اندر آمد، و ناپدید شد۔"[۱۳]

(امام وقت شیخ ابوالعباس اشقانی نے کہا: ایک دن میں گھر آیا تو ایک سگ زرد کو اپنی جگہ پر سوتا پایا۔ میں سمجھا کہ گلی سے اندر گھس آیا ہے۔ میں اسے بھگانا چاہتا تھا کہ وہ میرے دامن میں گھس کر غائب ہو گیا۔)

سید ہجویریؒ کے استاد کا نفس امارہ کا یہ تصور اہل بینش کے لیے کتنا صحیح ہے!

انسان کی قدرت

قرآن مجید کے حوالے سے انسان کی صحیح قدرت بیان کرتے ہوئے اپنے استاد ابوالعباس اشقانی کا یہ واقعہ سید علی ہجویریؒ نے نقل کیا ہے:

"روزی من پیش شیخ ابوالعباس اشقانی اندر آمدم۔ وی را یافتم میخواند:

حزب اللہ مثلاً عبداً مملوکا لا یقدر علی شئی

ومیگریست و نعرہ میزد تا پنداشتم کہ از دنیا برفت۔ گفتم:

ایھا الشیخ این چہ حالتست؟ گفت: یازدہ سالست تا وردم اینجا رسیدہ است۔ از ینجای من نتوانم گذشت۔"[14]

(ایک دن میں شیخ ابوالعباس اشقانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں یہ آیت پڑھتا ہوا پایا:

اللہ نے مثال دی ایک مملوک بندے کی جو کسی چیز پر قادر نہیں۔

(وہ یہ الفاظ پڑھتے جاتے تھے) اور روتے جاتے تھے۔ پھر انہوں نے نعرہ مارا اور بیہوش ہوگئے۔ میں سمجھا کہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ میں نے پوچھا: اے شیخ! یہ کیا کیفیت ہے؟ فرمایا: گیارہ سال میں میرا ورد (قرآن) یہاں تک پہنچا ہے۔ اب یہاں سے میں آگے بڑھ نہیں سکتا۔)

انسان بزعم خویش اپنے آپ کو نہ جانے کیا کچھ سمجھتا ہے لیکن انسان کی صحیح طاقت اور قدرت کے متعلق اللہ کا فرمان دیکھ کر پران چھوٹ گئے کہ حقیقت ظاہریت سے کتنی مختلف ہے۔

سماع کا ذکر کرتے ہوئے علی ہجویریؒ نے اپنے استاد اشقانی کا ایک حیرتناک تجربہ بیان کیا ہے:

"من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از شیخ ابوالعباس اشقانی شنیدم کہ گفت: روزی در مجمعی بودم کہ گروہی سماع می کردند۔ دیوان دیدم برہنہ اندر میان ایشان بازی می کردند۔ و من متعجب حال ایشان ماندہ بودم کہ در مید میدند و ایشان گرم تر می شدند۔"[15]

(میں نے کہ علی بن عثمان جلابی ہوں، شیخ ابوالعباس اشقانی سے سنا کہ انہوں نے کہا: ایک دن میں ایک مجلس میں جہاں ایک گروہ سماع کر رہا تھا، ان کے درمیان میں نے ننگے شیطانوں کو ناچتے دیکھا اور میں ان کی صورت حال سے حیران تھا کہ (یہ دیو) ان پر پھونکیں مارتے تھے اور وہ گرم تر ہو جاتے تھے)۔

سید علی ہجویریؒ کے علاوہ مولانا جامیؒ نے جو تصویر شیخ اشقانی کی کھینچی ہے۔ وہ یہ ہے:

"ایک روز شیخ ابوسعید ابوالخیر نیشاپور میں اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بہت بڑے سید جو اکابر سادات نیشاپور میں سے تھے، شیخ کے سلام کے لیے آئے اور شیخ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اتفاق سے اسی وقت ابوالعباس اشقانی آ گئے۔ شیخ ابوسعید نے انہیں سید سے زیادہ معزز جگہ پر بٹھایا۔ سید کو اس سے رنج ہوا۔ شیخ ابوسعید نے ان سے فرمایا کہ ہم جو تمہیں دوست رکھتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے دوست ہیں اور ان کو اللہ کی وجہ سے دوست رکھتے ہیں۔"[16]

Marfat.com

(ب) شیخ ابو جعفر محمد المصباح الصید لانی

اکتساب کے سلسلے میں سید ہجویریؒ اس شیخ کا نام لیتے ہیں جن کی کچھ تالیفات سید موصوف ان کی خدمت میں حاضر ہوکر پڑھتے ہیں:

''شیخ بزرگوار ابو جعفر محمد بن المصباح الصید لانی ؒ از رؤسای متصوف بود و زفانی نیکو داشت اندر تحقیق و میلی عظیم داشت بحسین بن منصور و بعضی از تصانیف وی بر و خواندم۔''

(کشف، طہران، 214)

(شیخ بزرگوار ابو جعفر محمد بن المصباح الصید لانی صوفیاء کے سرداروں میں سے تھے اور تحقیق میں ان کی زبان بڑی عمدہ تھی۔ حسین بن منصور سے انہیں بڑی رغبت تھی۔ میں نے ان کی بعض تصانیف ان کے سامنے پڑھیں)۔

(ج) سید ہجویری نے شیخ ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری سے بھی فیض حاصل کیا اس لیے جا بجا انہیں استاد کے نام سے یاد فرماتے ہیں:

''از استاد امام ابو القاسم القشیری ی (رض) شنیدم کہ گفت: وقتی از طابرانی پرسیدم از ابتدائے حالش گفت: وقتی مرا سنگی می بایست از رود خانہ سرخس ہر سنگ کہ برمیگرفتم جوہری میشد و بازی انداختم۔ واین ازان بود کہ ہر دو بنزدیک وی یکشان بود۔ لابل کہ ہنوز جوہر خوار تر کہ ویرا ارادت سنگی بود و از ان جوہر نہ۔'' (کشف، طہران ۲۸۲)

(میں نے استاد امام ابو القاسم القشیری ی سے سنا کہ انہوں نے فرمایا: میں نے جب طابرانی (طبرانی) سے ان کے ابتدائے حال (ابتدائی روحانی تجارب) کا پوچھا تو انہوں نے کہا: ''جب مجھے پتھر کی ضرورت ہوتی اور میں نہر سرخس سے پتھر اٹھاتا تو وہ ہیرا بن جاتا۔ میں اسے پھر واپس پھینک دیتا''۔ اور یہ اس وجہ سے تھا کہ ان کے نزدیک ہر دو برابر تھے۔ نہیں بلکہ ہیرا گھٹیا تھا کیونکہ انہیں ضرورت پتھر کی ہوتی تھی نہ کہ ہیرے کی)۔

انسانی حوائج کے احساس اور ان کی صحیح کفالت کا جو معیار اس ایک واقعہ میں بیان کیا گیا ہے، وہ بنی نوع انسان کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے اور اسلامی مزاج کا آئینہ دار۔

استاد قشیری کا ذکر کرتے ہوئے سید علیؒ نے فرمایا:

''اندر زمانہ خود بدیعست و قدرش رفیعست و منزلت بزرگ''۔ (کشف، طہران، ۲۵۹)

(اپنے زمانے کے وہ ایک لاثانی انسان ہیں۔ ان کی اونچی قدر ہے اور بڑی منزلت)۔

Marfat.com

''کشف'' میں اس استاد کا ذکر مختلف مقامات پر کم وبیش دس مرتبہ آیا ہے۔

(د) شیخ ابو القاسم علی گرگانی[19] سے ایک گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے سید علی نے شیخ کی تلقین کا ذکر ان کی زبان سے یوں کیا ہے:

''آدمی ہرگز از بند پندار نرہد۔ ویرا باید کہ درگاہ بندگی گیرد و جملہ نسبت ہا از خود دفع کند، بجز نسبت مردی وفرمان برداری۔'' (کشف، طہران ۲۱۲)

(انسان زندان پندار سے کبھی رہائی نہیں پاتا۔ (حالانکہ) اسے چاہیے کہ درگاہ بندگی سے وابستہ ہوکر دیگر تمام نسبتوں سے اپنا ناطہ توڑ لے سوائے مردی اور فرمان برداری کی نسبت کے)۔

شیخ علی گرگانی نے ان مختصر الفاظ میں انسان کے خدا سے تعلقات پر ایک بسیط راہنمائی کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ انسان اپنے فخر و پندار کی وجہ سے گوناگوں حرص و آز کے زندان میں محبوس رہتا ہے لیکن صحیح راستہ صرف ایک ہی ہے کہ ہر طرح کی دیگر نسبتوں اور وابستگیوں سے مردانہ وار ناطہ توڑ کر صرف باری تعالیٰ کی بندگی کی دہلیز پر سر جھکا دیا جائے۔

(ہ) شیخ ابو الفضل محمد بن الحسن الختلی۔ تصوف میں سید علی کے مرشد تھے اور ہجویریؒ نے ان کا اعلیٰ مرتبہ یوں مقرر کیا ہے کہ وہ علم تفسیر اور علم حدیث کے بڑے اونچے پایہ کے عالم تھے۔

''اقتداء من درین طریقت بدوست۔ عالم بود بعلم تفسیر و روایات و اندر تصوف مذہب جنید داشت و مرید حصری بود و صاحب سروی بود۔'' (کشف، طہران، ۲۰۸)

(اس طریقت میں مَیں ان کا مقتدی ہوں۔ وہ علم تفسیر و حدیث کے عالم تھے اور تصوف میں مذہب جنید کے پیرو تھے۔ وہ حصری کے مرید تھے اور ان کے راز دار)

اپنے اس استاد کی گوشہ نشینی، عقاید اور تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے سید نے لکھا ہے:

''شصت سال بحکم عزلتی صادق بگوشہ ہا اندر می گریخت و نام خود از میان خلق گم کردہ بود و بیشتر بجبل لکام بودی۔ عصری نیکو یافت و روایات و براہین بسیار داشت، اما لباس و رسوم متصوف نداشتی و با اہل رسم شدید بود۔ و من ہرگز مہیب تر از وی ندیدم۔ از وی شنیدم کہ گفت: 'الدنیا یوم ولنا فیہا صوم، دنیا یک روز است و ما اندر آن روز بروزہ ایم یعنی از ان ہیچ نصیب نمی گیریم و اندر بندوی نیائیم، زانچ آفت آن بدیدہ ایم و بر حجب آن واقف شدہ و از ان اعتراض کردہ۔ (کشف، طہران، ۲۰۸)

Marfat.com

(انہوں نے ساٹھ سال عزلت (تنہائی) صادق کے گوشوں میں گزار دیے اور اپنا نام خلق کو بھلا دیا (یعنی گمنام رہے)۔ بیشتر وقت انہوں نے جبل لکام پر گزارا۔ اچھی عمر پائی۔ ان کی بزرگی کی بہت سی روایات اور براہین ہیں لیکن وہ تصوف کے لباس اور رسوم کے پابند نہ تھے اور رسوم کے پابند لوگوں سے بہت سختی سے پیش آتے تھے۔ میں نے ان سے زیادہ رعب والا آدمی نہیں دیکھا۔ میں نے ان سے سنا کہ فرما رہے تھے: ''دنیا صرف ایک دن ہے اور ہم اس دن کا روزہ رکھے ہوئے ہیں''۔ یعنی اس (دنیا) سے کوئی حصہ نہیں لیتے اور اس کے جال میں نہیں پھنستے کیونکہ اس کی آفت ہم اچھی طرح دیکھ چکے ہیں اور اس کے پردوں سے واقف ہیں اس لیے ہم اس سے دور ہٹ گئے ہیں۔''

ایک دلچسپ تجربے اور سوچ کا ذکر کرتے ہوئے سید ہجویریؒ اپنے اس استاد کے متعلق لکھتے ہیں:

''وقتی من بردست وی آب می ریختم، مرطہارت را، اندر خاطرم بگذشت کہ چون کارہا بتقدیر و قسمت است چرا آزادان خود را بندہ پیران کنند؟ گفت: ای پسر! دانستم کہ چہ اندیشیدی، بدانک ہر حکمی را سپسی است۔ چون حق تعالیٰ خواہد کہ عوان بچہ را تاج کرامت بر سر خواہد نہاد وی را توبہ دہد و بخدمت دوستی مشغول کند، تا این خدمت مر کرامت وی را سبب گردد۔''

(کشف، طہران، ۲۰۹۔۲۰۸)

(ایک دفعہ میں طہارت کے لیے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا تھا کہ میرے جی میں آئی کہ جب یہ طے ہے کہ ہر ایک کام تقدیر و قسمت سے وابستہ ہے تو آزاد لوگ اپنے آپ کو پیروں کا غلام کیوں بناتے ہیں؟ (یعنی مرادیں حاصل کرنے کے لیے) آپ نے فرمایا: بیٹے جو تم سوچ رہے ہو وہ میں جانتا ہوں۔ سمجھ لو کہ ہر حکم (الٰہی) کے لیے ایک سبب بنتا ہے۔ جب حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ عوان بچہ (پاسبان کے بیٹے) کے سر پر تاج کرامت رکھا جائے تو اسے توبہ (کرنے کا ڈھنگ) بتاتے ہیں اور اپنے ایک دوست کی خدمت پر لگا دیتے ہیں تاکہ یہ خدمت اس کی کرامت (کے حصول کا) وسیلہ بن جائے)۔

گویا ہر حکم خداوندی کی تعمیل کے لیے ظاہری اسباب ضرور فراہم ہوتے ہیں اور ان اسباب میں انسان کی حیثیت صرف ایک پرزے کی ہے اور اس کے فرائض صرف توبہ اور خدمت ہیں۔ مرشد کی وفات کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''آن روز کہ وی را وفات آمد بیت الجن بود۔ و آن دیہست بر سر عقبہ میان بانیان (بانیار) و دمشق۔''

(کشف، طہران، ۲۰۹)

Marfat.com

(وہ بیت الجن میں تھے جس دن ان کی وفات ہوئی۔ یہ بانیان (بانیار) رود اور دمشق کے درمیان ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع قصبہ ہے (اس وقت) ان کا سر میری گود میں تھا۔)

مرشد کے وصال کے وقت ان کی آخری بات جو سید علی نے سنی، وہ بڑی اہم ہے۔ کہتے ہیں:

''مرا رنجی می بود اندر دل از یکی یاران خود، چنانک عادت آدمیان بود۔ وی مرا گفت: اے پسر مسئلہ ای از اعتقاد با تو بگویم۔ اگر خود را بران درست کنی از ہمہ رنجہا باز رہی۔ بدانک اندر ہمہ محلہا آفرینندۂ حالہا خدایست عزوجل از نیک و بد باید کہ بر فعل وی خصومت نکنی و رنجی بدل نگیری۔ و بجز این وصیتی دراز نکرد و جان بحق تسلیم کرد۔ رحمۃ اللہ علیہ ورضی اللہ عنہ وسقاء صوب رضوانہ وہو اعلم۔ (کشف، طہران ۲۰۹)

(میرے دل میں ایک دوست کی طرف سے کچھ رنج تھا جیسا کہ عام آدمیوں کی عادت ہے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: بیٹے! میں تمہیں اعتقاد کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں۔ اگر تم اپنے آپ کو اس کے مطابق بنالو گے تو سب رنجوں سے نجات پا جاؤ گے۔ خدائے عزوجل نیک و بدحالات کے تمام مواقع کا خالق ہے، اس لیے تمہیں اس کے کسی فعل کی مخالفت نہیں کرنا چاہیے اور نہ دل میں رنجیدہ ہونا چاہیے۔ اس وصیت کے سوا انہوں نے اور کچھ نہ کہا اور جان خالق کے سپرد کر دی۔ (رحمۃ اللہ علیہ رضی اللہ عنہ وسقاہ صوب رضوانہ)۔

اللہ! اللہ!! راضی برضائے الٰہی رہنے کی کتنی خوبصورت تلقین ہے۔

(و) سید علی ہجویری نے جن دس معاصر صوفیائے بزرگ کا ذکر کیا ہے، ان میں سے چھ سے براہ راست کسی نہ کسی طرح اکتساب فیض کیا ہے۔

شیخ ابو احمد المظفر بن احمد بن حمدان، چھٹے ایسے بزرگ ہیں جن سے سماع کی درخواست آپ نے کی اور قبول ہونے کے بعد شیخ نے جو ہدایت فرمائی، وہ قابل غور ہے۔ سید علی فرماتے ہیں:

''روزی من اندر گرمائے گرم بہ نزدیک وی اندر آمدم، با جامہ راہ بشونیدہ۔ وی مرا گفت: یا ابا الحسن! ارادت حالی مرا بگوے تا چیست؟ گفتم: مرا می سماع باید۔ اندر حال کس فرستاد تا قوال را بیاوردند و جماعتی از اہل عشرت۔ و آتش کودکی من وقوت ارادت وحرقت ابتدا مرا اندر سماع کلمات مضطرب کرد۔ چون زمانی برآمد و سلطان وغلیان آن آفت اندر من کمتر شد، مرا گفت: چگونہ بود مرتو ابا این سماع؟ گفتم: ایہا الشیخ! سخت خوش بودم۔ گفت: وقتی بیاید کہ این و بانگ کلاغ ہر دو ترا یکسان شود۔ قوت سمع تا آنگاہ بود کہ مشاہدت نباشد۔ چون مشاہدت حاصل

Marfat.com

آمد ولایت سمع ناچیز شد، ونگر تا این راعادت نکنی تا طبیعت نشود وبدان باز مانی۔“

(کشف، طہران، ۲۱۴)

(ایک دن میں سخت گرما میں آپ کے پاس مسافرت کا لباس پہنے پریشان پہنچا۔ آپ نے فرمایا: اے ابوالحسن: بتاؤ اس وقت تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: مجھے سماع کی خواہش ہے۔ آپ نے اس وقت آدمی بھیج کر قوال اور اہل عشرت کی ایک جماعت کو بلوایا۔ سماع کی ابتدا میں ہی مجھے بچپن کے جوش، قوت ارادہ اور شوق نے مضطرب کر دیا۔ جب تھوڑا سا وقت گزر گیا اور اس آفت کا قبضہ اور جوش مجھ پر کم ہوا تو آپ نے مجھ سے پوچھا: یہ سماع تمہارے لیے کیسا رہا؟ میں نے عرض کیا: اے شیخ! میں بہت خوش ہوا۔ آپ نے کہا! ایک وقت ایسا آئے گا جب یہ (سماع) اور کوے کی آواز تیرے لیے یکساں ہوگی کیونکہ قوت سماع اس وقت تک ہوتی ہے جب مشاہدہ (حق) نہ ہو۔ جب مشاہدہ حاصل ہو جائے تو ولایت سماع معدوم ہو جاتی ہے اور دیکھو! اسے (سماع کو) عادت نہ بنانا کہ طبیعت (ثانیہ) بن جائے اور تم (اصل مقصد سے رہ جاؤ)۔

گویا سماع کرانے والے بزرگ بھی سماع کے متعلق اچھی رائے نہ رکھتے تھے۔

۴۔ تربیتی اثرات:

جن معاصر بزرگوں سے سید علی ہجویریؒ کو شرف تلمذ حاصل تھا اور جن کے سامنے آپ نے اکتساب فیض کے لیے زانوئے ادب تہ کیا، ان کا ذکر اوپر آ چکا ہے لیکن معاصرین کے تذکرے میں آپ نے ان شیوخ کا ذکر بھی کیا ہے جن سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے۔ اس طرح سے قدماء کے سلسلے میں آپ نے متعدد بزرگوں کی توصیف کی ہے جن کے عقاید اور تبلیغات سے آپ مثبت طور پر متاثر ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان تمام تربیتی اثرات نے سید ہجویریؒ کو وہ کچھ بنایا جس کے لیے وہ آج علمی اور اسلامی دنیا میں جانے پہچانے جاتے ہیں، لہٰذا اس موقع پر اجمالی طور پر ان علماء کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(الف) شیخ خواجہ احمد حمادی سرخسی

سید علی اس بزرگ سے ماوراء النہر میں ملے اور اس کی رفاقت کا ذکر یوں کرتے ہیں:

”خواجہ احمد حمادی سرخسی مبارز وقت خود ومدتی رفیق من بود۔ واز کار وی عجائب بسیار دیدم۔ وی از جوانمردان متصوف بود۔“ (کشف، ۱۵۵)

(خواجہ احمد حمادی سرخسی اپنے وقت کے مبارز اور ایک مدت تک میرے رفیق رہے۔ میں نے

Marfat.com

ان کے کام میں بہت سے عجائب دیکھے۔ وہ نوجوان صوفی تھے)۔

مسئلہ ازدواج کے متعلق خواجہ سرخس کا نظریہ واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"احمد حمادی سرخسی کہ بماوراء النہر رفیق من بود، مردی محتشم بود۔ ورا گفتند: حاجت آید ترا بتزویج؟ وی گفت: نہ۔ گفتند: چرا؟ گفت: من اندر روزگار خود غایب باشم از خود، یا حاضر بخود۔ چون غایب باشم از کونین یادم ناید۔ واگر حاضر بوم، نفس خود را چنان دارم کہ چون نانی بیابد، چنان داند کہ ہزار یافتہ است۔ پس شغل دل عظیم باشد۔ بہر چہ خواہی گو باش۔

(کشف، طہران، ۷۔۲۷۶)

(احمد حمادی سرخسی،[۲۱] جو ماوراء النہر میں میرے رفیق تھے، بڑے محتشم انسان تھے۔ ان سے پوچھا گیا: آپ کو ازدواج کی حاجت محسوس ہوتی ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں پوچھا گیا: کیوں؟ فرمایا: میں ان دنوں یا تو اپنے آپ سے غائب ہوتا ہوں، یا اپنے آپ میں حاضر۔ جب غائب ہوتا ہوں تو میرے نفس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جب اسے ایک روٹی مل جاتی ہے تو اسے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اسے ہزار حوریں مل گئی ہوں۔ ذہن کو مصروف رکھنا بڑی بات ہے۔ آپ جو کچھ بھی چاہیں اسے بننے کے لیے کہہ سکتے ہیں)۔

اللہ اکبر!

(ب) شیخ ابوسعید فضل اللہ بن محمد المیہنی [۲۲]

سید علی ہجویریؒ پیر میہنہ شیخ ابو سعید فضل الدین محمد المیہنی سے بڑے متاثر نظر آتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"شاہنشاہ محبان، ملک الملوک صوفیان، ابوسعید فضل اللہ بن محمد المیہنی سلطان طریقت بود، وجملہ اہل زمانہ ورا مسخر بودند، گروہی بدیدار وگروہی باعتقاد، وگروہی بقوت حال۔ واو عالم بود بفنون علم، روزگاری عجیب داشت وشان عظیم۔" (کشف، طہران، ۱۱۶)

(شاہنشاہ محبان ملک الملوک صوفیاں، ابوسعید فضل اللہ بن محمد المیہنی بادشاہ طریقت تھے اور دنیا کے سب لوگ انہوں نے تسخیر کیے ہوئے تھے، کچھ اپنے دیدار سے، کچھ اعتقاد سے اور کچھ قوت حال سے۔ وہ فنون علم کے ماہر تھے۔ ان کا زمانہ عجیب تھا اور شان عظیم)۔

(ج) شیخ ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذی [۲۳]

جن مشائخ سے پیر ہجویرؒ کو بے حد دلی عقیدت تھی، شیخ ابوعبداللہ، محمد حکیم ترمذی ان میں سے ایک ہیں۔

Marfat.com

لکھتے ہیں:

"ومنهم شیخ ابوعبداللہ محمد بن علی الترمذی، اندر فنون علم کامل و امام بود، واز مشائخ محتشم بود۔ وی را تصانیف بسیارست و نیکو و کرامات مشہور اندر بیان ہر کتاب چون ختم الولایۃ و کتاب النہج و نوادر الاصول و جز این بسیار کتب دیگر ساختست۔ و سخت معظمست بنزدیک من، زیراکہ دلم شکار ویستؒ......وی را اندر ترمذ محمد حکیم خوانند و حکیمیان از متصوفہ اقتدا بدو کنند۔"

(کشف، طہران ۱۷۷، ۲۶۷، ۲۶۵)

(شیخ ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذی اور ان (صوفیائے کرام) میں سے شیخ ابوعبداللہ محمد بن علی الترمذی ایک محترم شیخ تھے جو فنون علم میں کامل اور امام تھے۔ ان کی بہت سی اور عمدہ تصانیف اور کرامات مشہور ہیں جن کا ذکر ان کی کتابوں ختم الولایت، کتاب النہج اور نوادر الاصول میں ہے۔ ان کے علاوہ انہوں نے اور بھی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ میرے نزدیک وہ بڑے محترم ہیں کیونکہ میرا دل ان کا شکار ہے......ترمذ میں انہیںؒ محمد حکیم کہتے اور صوفیوں کا فرقہ حکیمیان انہیں اپنا امام مانتا ہے)۔

(د) حسین بن منصور حلاج

پیر ہجویر اس عارف نامی کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ ان کا دفاع بھی کرتے ہیں اور ان کی کرامات کے بھی قائل ہیں اور اس سلسلے میں "کشف المحجوب" کے اقتباسات "تذکرۃ الاولیا" شیخ عطار اور محمد پارسا میں شامل ہیں۔

(ہ) ان مشائخ کے علاوہ حضرت سید علیؒ نے اپنے جن معاصرین کا ذکر "کشف المحجوب" میں کیا ہے اور جن میں سے بیشتر سے آپ ملے ہیں، ان سے ہر ایک کے متعلق آپ نے صرف چند تعریفی کلمات لکھنے پر اکتفا کی ہے اور ان کو مندرجہ ذیل علاقوں کے اعتبار سے تقسیم کیا ہے:

۱۔ شام و عراق
۲۔ فارس
۳۔ قہستان، آذربائیجان، طبرستان اور کش
۴۔ کرمان
۵۔ خراسان
۶۔ ماوراء النہر
۷۔ غزنہ

(کشف، باب ۱۳)

Marfat.com

اور پھر بعض علاقوں کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر میں یہاں کے تمام صوفیا و مشائخ کو گنواؤں تو بات بڑی لمبی ہوجائے گی۔

ان علاقوں کے مشائخ کے تذکرے اور ان سے ملاقات کے اذکار سے پتہ چلتا ہے کہ شوق تجسس و اکتساب علم حضرت داتا صاحبؒ کو کن کن علاقوں میں کشاں کشاں لے گیا۔ آج کل کے لاہور کے رہنے والوں کے لیے ان کے وطن غزنی تک پہنچنا بھی دشوار ہورہا ہے جہاں سے وہ کئی مرتبہ یہاں آئے اور گئے حالانکہ اس تحریر کے وقت ہوائی جہاز سے لاہور غزنی سے صرف ڈھائی گھنٹے کی مسافرت پر ہے اور سڑک کے راستے اس پر بارہ گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔

(و) سیاحت وگردش

حضرت سید علی ہجویریؒ محض سیر وتفریح کے لیے سیاحت وگردش کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے اس مقصد کا ذکر بھی کہیں نہیں کیا، لیکن ''کشف'' میں وہ اپنے عہد کی ممتاز اسلامی شخصیتوں سے مختلف ممالک میں ملاقات اور استفادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی سیاحت کا ایک بڑا مقصد کسب فیض اور تکامل طریقت تھا۔ اس سلسلے میں وہ کہاں کہاں پہنچے، کیا کیا تجارب حاصل کیے اور کن علماء وافاضل سے ذاتی ملاقات بھی کی۔ اس کا ایک مجمل ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

ماوراء النہر:

فرماتے ہیں:

> ''پیری را دیدم از اہل ملامت بماوراء النہر کہ ہر چیزی کہ آدمی را دران نصیبی بودی، نخوردی و نپوشیدی۔ چیزہای خوردی کہ مردمان بینداختدی، چون ترہ پوسیدہ و کدوی تلخ و گزر، تباہ شدہ و ملبس و پوشش از خرقہ ہای ساختی کہ از راہ برچیدی و نمازی کردی و از آن مرقعہ ساختی۔''
>
> (کشف، طہران ۵۶)
>
> (میں نے ماوراء النہر میں ایک بوڑھا دیکھا جو ملامتیہ فرقے کا تھا۔ وہ نہ کوئی ایسی چیز کھاتا نہ پہنتا جس میں کسی آدمی نے شرکت کی ہو۔ وہ ایسی چیزیں کھاتا جو لوگوں نے پھینک دی ہوں مثلاً سڑی ہوئی سبزی، کڑوا کدو اور گلی ہوئی گاجر وغیرہ۔ وہ راستے سے چیتھڑے اٹھا کر اور دھو کر لباس بنالیتا اور انہی سے اس نے ایک مرقعہ بنایا تھا)۔

آذربائیجان:

> ''وقتی در خدمت شیخ خود میرفتم اندر دیار آذربائیجان مرقعہ داری دوسہ دیدم کہ بر سر خرمن گندم

Marfat.com

ایستادہ بودند۔ ودامنہای مرقعہ پیش کردہ تامرز بزرگر گندم دران افگند۔ شیخ بدان التفات کردو بر خواند: اولئک الذین اشترو الضالة بالھدی فما ربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین ۔[۲۴] گفتم: ایہا الشیخ! ایشان بچہ بی حرمتی بدین بلا مبتلا گشتند و برسر خلایق فضیحت شدند؟ فرمود: کہ پیران ایشانرا حرص مرید جمع کردن وبدست وایشانرا حرص دنیا جمع کردنست و حرص از حرصی اوّلین ترانیست۔''

(کشف، طہران،۶۴)

(ایک دفعہ میں اپنے شیخ کے ہمراہ آذر بائیجان میں سفر کر رہا تھا کہ میں نے دو تین مرقعہ پہنے ہوئے آدمی دیکھے جو ایک خرمن گندم پر کھڑے مرقعہ کے دامن پھیلائے ہوئے تھے تاکہ کسان ان میں گندم ڈال دے۔ شیخ نے انہیں دیکھا اور پڑھا: یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خرید لی۔ پس ان کی تجارت کچھ نفع مند نہ ہوئی اور دراصل وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔ میں نے پوچھا: اے شیخ! یہ کس بےحرمتی کی وجہ سے اس بلا میں مبتلا اور سر عالم ذلیل ہوئے؟ فرمایا: ان کے پیروں کو مرید جمع کرنے کی حرص تھی اور انہیں دنیا جمع کرنے کی اور کوئی بھی حرص دوسری حرص سے بہتر نہیں ہوتی۔)

بسطام، خراسان، کش:

''سہ ماہ برسر تربت وی (شیخ بایزیدؒ) مجاور بودم۔ ہر روز سہ غسل میکردم وسی طہارت۔ مرا امید کشف آن واقعہ را، البتہ حل نشد۔ برخاستم ومقصد خراسان کردم۔ اندر ولایت کش بدیہی رسیدم کہ آنجا خانقاہی بوذ و جماعتی از متصوفہ۔ ومن مرقعہ خشن داشتم بسنت، واز آلت اہل رسم بامن ہیچ نبود بجز عصا ورکوہ۔ بچشم آن جماعت سخت حقیر نمودم۔ وکس مرا ندانست۔ ایشان بحکم رسم میگفتند بایکدیگر کہ این از مانیست۔ وراست چنان بود کہ از ایشان نبودم، امالابد بود آن شب اندران جابودن۔ آن شب را بربامی بنشاندند وخود بربامی بلندتر رفتند۔ ومرا بر زمینی خشک بنشاندند ونانی سبز گشتہ پیش من نہادند۔ ~~وبمن بوی~~ ابا ہایکہ می خوردند، می رسید۔ وبامن بطنز سخنان می گفتند۔ از بام بالا چون از طعام فارغ شدند، خربزہ می خوردند وپوست برسر من می انداخت، بروجہ طیبت حال خود۔ واستخفاف ایشان بدل فرومی خوردم ومیگفتم: بار خدایا! اگر نہ آنستی کہ جامہ دوستان تو دارند والامن ازیشان نکشمی ۔ ہرچند کہ آن طعن ایشان برمن زیادت میشد، دل من اندران خوشتر ہمیگشت تا بکشیدن آن بار واقعہ، من حل شد واندر دقت بدانستم کہ مشایخ رحمہم اللہ

Marfat.com

جہال راز برای چہ اندر میان خود راہ دادہ اند، وبار ایشاں از برای چہ میکشند۔"
(کشف، طہران، ۸۔۷۷)

(میں تین مہینے ان (شیخ بایزیدؒ) کی تربت پر مجاور رہا۔ ہر روز اس امید پر تین مرتبہ غسل کرتا تھا اور تیس طہارتیں کہ یہ مسئلہ حل ہو جائے گا، مگر حل نہ ہوا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا اور خراسان جانے کی ٹھانی۔ ولایت کش میں ایک گاؤں میں پہنچا جہاں ایک خانقاہ تھی اور متصوفہ کی ایک جماعت۔ میں سنت کے مطابق کھردرا مرقعہ پہنے ہوئے تھا اور عصا اور پانی کے چمڑے کے برتن کے علاوہ میرے پاس اہل رسم (صوفیا) کی کوئی چیز نہ تھی۔ اس جماعت نے مجھے بے حد حقیر جانا۔ اس میں سے مجھے کوئی بھی نہیں پہچانتا تھا۔ انہوں نے رسمی طور پر ایک دوسرے سے کہا کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور واقعی میں ان میں سے نہیں تھا لیکن وہاں رات گزارنا ضروری تھا۔ انہوں نے مجھے ایک چھت پر ٹھہرا دیا اور خود اس سے اوپر کی چھت پر چلے گئے اور انہوں نے مجھے خشک زمین پر بٹھا کر ایک سوکھی روٹی میرے سامنے رکھ دی جو سبز ہو چکی تھی۔ میں ان کے خوشبودار کھانوں کی مہک سونگھ رہا تھا۔ وہ مجھ سے طنز سے بات کرتے تھے۔ جب وہ اوپر کی چھت پر کھانا کھا چکے تو خربوزے کھانے لگے تو اپنے حال پر خوش ہو کر چھلکے مجھ پر پھینکتے رہے۔ میں ان کی تذلیل برداشت کرتا رہا اور کہتا رہا: اے خدا! اگر انہوں نے تیرے دوستوں کا لباس نہ پہنا ہوتا تو میں انہیں برداشت نہ کرتا۔ جتنا وہ میرا تمسخر اڑاتے میں اتنا ہی دل میں خوش ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ میں واقعہ کا جو بوجھ اٹھائے پھرتا تھا، وہ حل ہو گیا اور میں اس وقت سمجھ گیا کہ مشائخ جاہلوں کو کس لیے اپنے یہاں جگہ دیتے ہیں اور ان کا بار کیوں برداشت کرتے ہیں)۔

کمند:

"ومن کہ علی بن عثمان الجلابی ام، مردی دیدم اندر نہایت دیار خراسان، بدہی کہ آنرا کمند میخوانند۔ ومعروف بود آن مرد۔ ویرا ادیب کمندی، خواندندی۔ فضلی تمام داشت۔ این مرد بیست سال برپای ایستادہ بود۔ جز بتشہد نماز ننشستی۔ از وی علت آن پرسیدزند۔ گفت: مرا ہنوز درجت آن نیست کہ اندر مشاہدت حق بہ نشینم۔ (کشف، طہران، ۲۳۴)

(میں، علی بن عثمان الجلابی، نے ایک دفعہ خراسان کی سرحد پر ایک گاؤں کمند میں ایک آدمی دیکھا جو بہت مشہور تھا۔ اسے ادیب کمندی کہتے تھے۔ وہ بڑا فاضل انسان تھا۔ یہ آدمی بیس

Marfat.com

سال سے پاؤں پر کھڑا تھا اور نماز میں تشہد کے سوا کبھی نہ بیٹھتا۔ اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی۔ اس نے کہا: مجھے ابھی یہ درجہ حاصل نہیں ہوا کہ مشاہدہ حق کے دوران بیٹھ جاؤں)۔

نیشا پور:

''روزی من نزدیک وی (شیخ ابو احمد المظفر بن احمد بن حمدانی) بودم۔ و یکی از مدعیان نیشا پور بنزدیک وی بود۔ میگفت اندر عبارتش کہ فانی میشود آنگاہ کہ باقی شود۔ خواجہ مظفر گفت: کہ برفنا چگونہ بقا صورت گیرد؟ کہ فنا عبارت از نیستی بود و بقا اشارت ہستی۔ و بر یکی ازین نفی کنندہ صاحب خود یعنی ضد خود بود۔ پس فنا معلومست، اما چون نیست بود، اگر ہست شود آن نہ عین بود کہ آن خود چیزی دیگر بود۔ و روا نباشد کہ ذوات فانی شود، اما فنای صفت روا بود و فنای سبب۔ پس چون صفت و سبب فانی شود موصوف و مسبب بماند۔ فنا بر ذات وی روا نباشد۔ و علی ابن عثمان الجلابی گوید کہ من عبارت آن خواجہ بعین یاد نداشم، اما من آن عبارت این بود کہ یاد کردم۔ (کشف، طہران، ۲۱۳)

(ایک دن میں ان (شیخ ابو احمد المظفر بن احمد حمدانی) کے پاس تھا اور نیشا پور کا ایک مدعی اپنی باتوں کے دوران کہہ رہا تھا کہ جب کوئی چیز فانی ہوجاتی ہے تو بقا پاجاتی ہے۔ خواجہ مظفر نے کہا: فنا پر بقا کیسے متشکل ہوسکتی ہے؟ فنا تو نیستی ہے اور بقا ہستی۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ فنا کو ہم جانتے ہیں لیکن اگر یہ نہ ہو اور ''ہست'' ہوجائے تو پھر اس کا وجود باقی نہیں رہتا اور وہ کوئی دوسری چیز بن جاتی ہے۔ ذوات فنا ہونے والی چیز نہیں ہیں۔ البتہ صفات فنا ہوسکتی ہیں اور اسباب بھی۔ لہٰذا جب صفت اور سبب فنا بھی ہوجائے تو موصوف اور سبب باقی رہتا ہے اور ذات فنا نہیں ہوتی)۔

سرخس:

''از خواجہ امام خزانی شنیدم بسرخس کہ گفت: کودک بودم بمحلہ ای رفتہ بودم، از محل ہای باغستان بطلب برگ تود، از برای مایہ ی قز۔ و بر درختی شدم گرم گاہ و شاخ آن درخت میزدم۔ ابو الفضل حسن[۲۶] بدان کوی برگزشت و من بر درخت بودم مراندید۔ ہیچ شک نکردم کہ اواز خود غایب است و بدل با حق حاضر۔ بر حکم انبساط سر برآورد و گفت: بار خدایا: یک سال پیشترت نامردانگی ندادہ ای کہ موی سر حلق کنم با دوستان چنین کنی؟ ہم اندر حال ہمہ اوراق و اصول درختان زرگشتہ

Marfat.com

بود۔ آنگاہ گفت: عجب کاری ہمہ تعرض ما اعتراضت۔ مر گشایش دل را با تو سخنی نتوان گفت۔"
(کشف، طہران، ۲۸۷)

(میں نے خواجہ امام خزائی سے سرخس میں سنا: میں بچپن میں باغستان کے مقامات میں سے ایک جگہ ریشم کے کیڑوں کے لیے توت کے پتے لینے گیا۔ دوپہر کو میں ایک درخت پر چڑھا اور اس کی شاخ ہلانے لگا۔ ابوالفضل حسن اس جگہ سے گزرے جب کہ میں درخت پر تھا۔ انہوں نے مجھے نہ دیکھا۔ مجھے شک بھی نہ گزرا کہ وہ اپنے آپ میں نہیں اور قلباً حضورِ حق میں حاضر ہیں۔ (دفعتہً) انہوں نے انبساط میں سر اٹھایا اور کہا: اے خدا! ایک سال سے زائد عرصہ گزرتا ہے کہ تو نے مجھے ایک دانگ (چاندی کا چھوٹا سا سکہ) بھی عنایت نہیں کیا کہ میں سر کے بال ترشوالوں۔ کیا دوستوں سے یہی سلوک کرتے ہو؟ ان کا کہنا تھا کہ اسی وقت درختوں کے تمام پتے اور جڑیں سونے کی ہوگئیں۔ اس وقت انہوں نے فرمایا: عجب! ہمارا کچھ عرض کرنا بھی اعتراض بن جاتا ہے۔ دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے تم سے کوئی بات بھی تو سختی سے نہیں کی جاسکتی)۔

طوس:

"وقتی مرا واقعہ ای افتاد و طریق حل آن بر من دشوار شد، قصد شیخ ابوالقاسم گرگانی کردم۔ وی بطوس بود۔ وی را اندر مسجد در سرای خود یافتم تنہا۔ و بعین آن واقعہ من بود کہ باستون می گفت۔ گفتمش: این با کہ میگوئی؟ گفت: ای پسر! این استون را خدای عزوجل اندرین ساعت با من بسخن آورد، تا از من سوال بکرد"۔ (کشف، طہران، ۳۰۱-۳۰۰)

(ایک دفعہ مجھے ایسا واقعہ (مشکل) پیش آیا جس کا حل کرنا میرے لیے دشوار تھا۔ میں نے شیخ ابوالقاسم گرگانی کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا اور وہ طوس میں تھے۔ جب میں ان سے ملا وہ اپنے گھر کی مسجد میں تنہا تھے اور بالکل میرے جیسا واقعہ تھا جو وہ ایک ستون کہہ رہے رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا: یہ کس سے کہہ رہے ہیں؟ فرمایا: بیٹے! اس گھڑی خدائے عزوجل نے اس ستون کو مجھ سے بات کرنے کو کہا ہے اور اس نے مجھ سے سوال کیا ہے۔)

ہندوستان:

"اندر ہندوستان دیدم کہ اندر زہر قاتل کرمی پدید آمدہ بود و زندگی وی بدان زہر بود، از انج

Marfat.com

کلیت وی ہمہ آن بود۔"
(کشف، طہران، ۵۳۱)

(میں نے ہندوستان میں زہر قاتل میں ایک کیڑا دیکھا جس کی زندگی اس زہر کی وجہ سے تھی کیونکہ اس کا سارا وجود ہی اس زہر کے باعث تھا۔)

شام:

"ومن کہ علی بن الجلابی ام، وفقنی اللہ، بشام بودم بر سر خاک بلال موذن رسول عم خفتہ۔ خود را بمکہ دیدم اندر خواب کہ پیغمبر ﷺ از باب بنی شیبہ اندر آمدی و پیری را اندر کنار گرفتہ، چنانک اطفال را گیرند بشفقت۔ من پیش دویدم و بر دست و پایش بوسہ دادم۔ و اندر تعجب آن بودم تا آن کیست و آن حالت چیست۔ وی بحکم اعجاز بر باطن و اندیشہ من مشرف شد۔ مرا گفت: این امام تو و اہل دیار تو یعنی ابو حنیفہ۔" (کشف، طہران، ۱۱۶)

(میں، علی بن عثمان الجلابی، شام میں موذن رسول عم بلال کے مزار پر سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں پیغمبر صلعم کو مکہ میں دیکھا کہ باب بنی شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں اور ایک بوڑھے آدمی کو بچوں کی طرح گود میں اٹھائے ہوئے ہیں۔ میں دوڑ کر آگے بڑھا اور اس (بزرگ) کے ہاتھ پاؤں کو بوسے دیے۔ میں حیران تھا کہ یہ کون ہیں اور یہ کیا صورت حالات ہے۔ (رسول کریم کے) اعجاز سے میرے باطن اور ذہن پر منکشف ہوا اور (آپ نے) فرمایا: یہ تمہارا اور تمہارے ہم وطنوں کا امام یعنی ابو حنیفہ ہے۔)

قصبہ بیت الجن (جو پہاڑ کی چوٹی پر بانیار (بانیان رود) اور دمشق کے درمیان واقع ہے) کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ (دیکھیے ص ۲۳)

رملہ:

"من از دمشق با درویشی قصد زیارت ابن المعلا کردم و وی بروستای رملہ می بود۔ اندر راہ با یک دیگر گفتیم کہ ہر یکی را با خویشتن واقعہ ای کہ داریم اندیشہ باید کرد، تا آن پیر از باطن ما را خبر دہد و واقعہ ی ما حل شود۔ با خود گفتم و مرا از وی اشعار و مناجات حسین من منصور باید۔ آن دیگری گفت مراد عامی باید تا طحالم بشود۔ و آن دیگر گفت: مرا حلوای صابونی باید۔ چون بنزدیک وی رسیدیم فرمودہ بود تا جزوی نبشتہ بودند از مناجات حسین منصور۔ پیش من نہاد۔ و دست بر شکم آن

Marfat.com

درویش مالیدطحال ازوی بشد۔ وآن دیگری راگفت: حلوای صابونی غذای عوانان بود وتولباس اولیای خدای داری۔لباس اولیا بامطالبت عواناں راست نیاید۔ ازدو یکی اختیار کن۔"
(کشف،طہران، ۴۴۷۔۴۴۸)

(میں دمشق سے ایک درویش کے ساتھ ابن المعلا کی زیارت کے لیے روانہ ہوا اور وہ (بزرگ) رملہ کے قصبہ میں تھے۔ راستے میں ہم نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہم سے ہر ایک ایک مسئلہ سوچ لے تاکہ پیر ہمارے باطن کی بات ہم سے کہے اور ہمارا مسئلہ حل ہوجائے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا: مجھے اشعار و مناجات حسین بن منصور چاہیے ۔دوسرے نے کہا: مجھے ایسی دعا کی ضرورت ہے جس سے میری تلی (طحال) دور ہوجائے ۔تیسرے نے حلوائے صابونی کی خواہش کی۔ جب ہم اس (بزرگ) کے پاس پہنچے تو انہوں نے تھوڑی سی مناجات حسین منصور لکھ رکھی تھی اور وہ میرے سامنے رکھ دی۔ دوسرے درویش کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور اس کی تلی درست ہوگئی۔ تیسرے سے کہا: صابونی حلوا عوانوں (پاسبانوں) کی غذا ہے اور تم اولیائے خدا کا لباس پہنے ہوئے ہو۔ اولیا کا لباس عوانوں کے مطالبہ کرنے والوں کو زیب نہیں دیتا۔ دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرلو)۔

بغداد، خوزستان، خراسان:

"من کہ علی بن عثمان الجلابی ام پنجاہ پارہ تصنیف وی (حسین منصور حلاج) بدیدم اندر بغداد و نواحی آن وبعضی بخوزستان وفارس وخراسان۔" (کشف،طہران،۲۹۳)

(میں یعنی علی بن عثمان الجلابی نے بغداد اور اس کے نواح میں اس (حسین منصور حلاج) کی پچاس عدد تصانیف دیکھیں اور چند خوزستان، فارس اور خراسان میں)۔

فرغانہ، شلاتک، اوزکند:

"بفرغانہ دہی است کہ آنرا شلاتک خوانند۔ پیری بود از اوتاد الارض آنجا کہ اورا باب عم گفتندی وہمہ درویشان آن دیار ومشائخ بزرگ ورا باب خوانند۔ ومرورا عجوزہ ای بود، فاطمہ نام۔ قصد زیارت وی کردم از اوزکند۔ چون بنزدیک وی درآمدم، گفت: بچہ آمدی؟ گفتم: تا شیخ را بہ بینم بصورت ووی بمن نظری کنند بشفقت۔ گفت: ای پسر! من خود از فلان روز باز ترا بینم وتا از

Marfat.com

منت غایب نگر داند میخواہست۔ چون روز وسال شمار کردم، آن روز ابتدای توبہ من بود۔"

(کشف، طہران، ۲۰۱)

(فرغانہ کے ایک گاؤں شلاتک میں ایک اوتادالارض بزرگ رہتے تھے جنہیں باب عم کہا جاتا تھا اور اس علاقے کے تمام درویش اور بڑے بڑے مشائخ انہیں باب پکارتے تھے۔ ان کی ایک بوڑھی بیوی بھی تھیں جن کا نام فاطمہ تھا۔ میں نے اوزکند میں ان کی زیارت کرنے کا ارادہ کیا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا: کیا کرنے آئے ہو؟ میں نے کہا: شیخ کی زیارت کرنے تاکہ وہ مجھ پر شفقت کی نظر کریں۔ فرمایا: بیٹا! ہم فلاں دن سے تمہیں دیکھ رہے ہیں، جب میں نے روز وسال کا شمار کیا تو وہ دن میری ابتدائے توبہ کا دن تھا)۔

میہنہ:

"وقتی بہ میہنہ برسر تربت شیخ ابوسعید نشستہ بودم تنہا بر حکم عادت، کبوتری دیدم سپید کہ بیامد و درزیر فوطہ شد، کہ بر تربت وی انداختہ بودند۔ گفتم مگر از کسی جستست وچون برخاستم نگاہ کردم درزیر فوطہ ہیچ چیز نمود۔ دیگر روز وسدیگر روز بدیدم واندر تعجب آن فروماندم۔ تاشبی در خواب دیدم آن واقعہ از وی پرسیدم۔ گفت: آن کبوتر صفای معاملت منست کہ ہر روز اندر گور بمنا دمت من آید۔"

(کشف، طہران، ۲۔۳۰۱)

(ایک دفعہ میہنہ میں جب میں اپنے معمول کے مطابق تنہا شیخ ابوسعید کی تربت پر بیٹھا ہوا تھا میں نے ایک سفید کبوتر دیکھا جو آ کر اس غلاف میں گھس گیا جو ان کی تربت پر پڑا ہوا تھا۔ میں نے سوچا شاید کسی کا اڑ کر آ گیا ہے۔ میں نے اٹھ کر دیکھا بھالا تو غلاف کے نیچے کچھ بھی نہ تھا۔ دوسرے روز اور پھر تیسرے روز بھی میں نے دیکھا اور حیران تھا۔ پھر ایک رات میں نے خواب میں دیکھا اور واقعہ کی وضاحت چاہی۔ فرمایا: یہ کبوتر میری صفائی معاملہ ہے جو ہر روز قبر میں میری مصاحت کے لیے آتی ہے)۔

مرو:

"وقتی من بمرو بودم، یکی از ایمہ اہل حدیث، آنکہ معروف ترین بود، مرا گفت: من اندر

Marfat.com

اباحت سماع کتابی کردم۔ گفتم: بزرگ مصیبتی کہ اندر دین پدیدار آمد، کہ خواجہ امام ِلہوی را، کہ اصل ہمہ فسقہاست، حلال کرد۔ مرا گفت: تو اگر حلال نمیداری، چرامیکنی؟ گفتم: حکم این بر وجوہست، بر یک چیز قطع نتوان کرد۔ اگر تاثیر اندر دل حلال بود۔ سماع حلال بود، واگر حرام حرام واگر مباح مباح۔ چیزی را کہ حکم ظاہرش فسقست واندر باطن حالش بروجوہست، اطلاق آن بیک چیز محال بود۔ واللہ اعلم بالصواب۔"

(کشف، طہران، ۵۲۴)

(میں مرو میں تھا کہ ایمہ اہل حدیث میں سے ایک معروف ترین بزرگ نے مجھ سے کہا: میں نے سماع کے مباح ہونے پر ایک کتاب لکھی ہے۔ میں نے کہا: دین پر ایک بڑی مصیبت اس وجہ سے آئی کہ خواجہ امام نے ایک ایسی تفریح کو حلال کر دیا جو تمام فسقوں کی جڑ ہے۔ اس نے مجھ سے کہا: تو اگر اسے حلال نہیں سمجھتا تو خود کیوں کرتا ہے؟ میں نے کہا: اس کے کئی وجوہ ہیں اور کسی ایک وجہ سے اس کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر دل میں سماع کی تاثیر حلال ہو تو حلال ہے اگر حرام ہو تو حرام اور اگر مباح ہو تو مباح۔ وہ چیز جس کا ظاہری اثر فسق ہو اور باطن میں مختلف اثر ہو، اس کے متعلق کسی ایک وجہ سے حکم لگانا محال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب)۔

عراق:

"وقتی من اندر دیار عراق اندر طلب دنیا وفنای آن تپا کی میکرد، ووام بسیار برآمدہ بود۔ وحشو ہر کسی ببایستی تحمل کرد، روی بمن آوردہ بودند۔ ومن اندر رنج حصول ہوای ایشان ماندہ، سیدی از سادات وقت بمن نامہ نبشت: بنگری ای پسر تا دل خویش از خدای عزوجل مشغول نکنی، بفراغت دلی کہ مشغول ہواست۔ پس اگر دلی یابی عزیز تر از دل خمود روا باشد کہ بفراغت آن دل خود را مشغول گردانی۔ والا دست ازان کار بدار کہ بندگان خدای را عزوجل پسندہ باشد۔ اندر وقت مرا بدین سخن فراغتی پدیدار آمد۔"

(کشف، طہران، ۴۴۹)

(ایک دفعہ جب میں دیار عراق میں بڑی گرمجوشی سے دولت جمع کرنے اور اسے اڑانے میں مصروف تھا۔ مجھ پر بہت قرض چڑھ گیا اور جس کسی کا بوجھ میں اٹھا سکتا وہ میری طرف رخ کرتا۔ میں ان کی خواہشات پورا کرنے میں لگا رہتا۔ سادات وقت میں سے ایک سید نے مجھے خط لکھا: بیٹے! دیکھ مشغول حرص دل کو مطمئن کرنے کے لیے اپنے دل کو خدائے عزوجل

Marfat.com

سے ہٹا نہ لے۔ اگر اپنے دل سے عزیز تر دل تمہیں نظر آئے تو اس کی فراغت کے لیے اپنے دل کو مشغول کرنا روا ہے وگرنہ اس کام کو نہیں کرنا چاہیے کیونکہ بندگان خدا کو خدائے عزوجل بس ہے۔ اس بات سے مجھے فوراً اطمینان حاصل ہوگیا)۔

بخارا:

''دیدم شیخ احمد سمرقندی بخارا کہ چہل سال بود تا شب نخفتہ بود و بروز اندک بخفتی۔''

(کشف، طہران، ۴۶۰)

(میں نے شیخ احمد سمرقندی کو بخارا میں دیکھا کہ چالیس سال سے رات کو نہ سوئے تھے اور دن کو بھی تھوڑا سا سو لیتے تھے)۔

ترکستان:

''اندر ترکستان دیدم بسر حد اسلام کہ آتش اندر کوہی[1]، افتادہ بود و می سوخت۔ واز سنگ ہائے آن نوشادر برون می جوشید۔ و اندران موشی بود، چون از آتش برون آمدی ہلاک شدی۔''

(کشف، طہران، ۲۔۳۱)

(میں نے سرحد اسلام پر ترکستان میں ایک جلتا ہوا آتش فشاں پہاڑ دیکھا جس کے پتھروں سے نوشادر ابل رہا تھا۔ اس کے اندر ایک چوہیا بھی تھی۔ جونہی وہ آگ سے باہر نکلی وہ مرگئی۔)

۶۔ لاہور میں آمد

لاہور میں آپ کی تشریف آوری اور اقامت کا زمانہ معین کرنے میں ابھی تک کئی دشواریاں حائل ہیں کیونکہ کسی معاصر شہادت سے ایسی مصدقہ معلومات فراہم نہیں ہوتیں جن سے حتمی طور پر ان امور کے متعلق قطعی حکم لگایا جاسکے۔ غزنی سے لاہور آ کر رہنے کا ذکر ''کشف'' میں اس انداز میں صرف ایک دفعہ ملتا ہے:

''و شیخ مرا، ازوی روایات بسیار بود، اما درین وقت بیش ازین ممکن نگشت، کہ کتب بحضرت غزنین، حرسہا اللہ، ماندہ بود و من اندر دیار ہند، در بلدہ لہانور، کہ از مضافات ملتان ست، اندر میان ناجنسان گرفتار ماندہ۔''

(کشف، طہران، ۱۱۰)

Marfat.com

(اور میرے شیخ کے متعلق بہت سی روایات ہیں، لیکن اس وقت اس سے زیادہ بیان کرنا ممکن نہیں کیونکہ میری کتابیں غزنین (اللہ اس کی حفاظت کرے) میں رہ گئی تھیں اور میں دیار ہند میں شہر لاہور میں کہ مضافات ملتان میں سے ہے، ناجنسوں کے درمیان محبوس ہوں)۔

فارسی کے متن میں لہانور کو متعدد علماء نے بہنور، لہارنپور، بھرنپور اور بہاولپور بھی پڑھا ہے اور ملتان سے قربت کی وجہ سے بہاولپور کی قرأت کو صحیح مانا ہے لیکن فقیر کی رائے یہ ہے کہ یہ قیاس دور کی کوڑی لانے کے مترادف ہے۔ لاہور کے لیے لہانور کا کلمہ پرانی کتابوں میں مل رہا ہے اور یہاں سید علیؒ کی مراد اس لفظ سے لاہور ہی ہے۔
سید علیؒ سے ہٹ کر ان کے لاہور آنے کی جو قدیم ترین روایت ہم تک پہنچی ہے، وہ امالی سلطان المشائخ نظام اولیاءؒ کا حصہ ہے۔ یہ روایت حضرت سلطان المشائخ کے ایک مرید عزیز میر حسن علاء سجزی نے آپ کے ملفوظات "فوائد الفواد" میں یوں نقل کی ہے:

"لختی سخن در مزار لہاور افتاد۔ برلفظ مبارک راند کہ بسیار بزرگان آنجا خفتہ اند۔ بعد ازان بندہ را پرسید: کہ تو لہاور دیدہ ای؟ بندہ گفت: آری! دیدہ ام و زیارت بعضی بزرگان کردہ ام، چون شیخ حسین زنجانی و اولیای دیگر۔

بعد ازان برلفظ مبارک راند، کہ شیخ حسین زنجانی و شیخ علی ہجویری ہر دو مرید یک پیر بودند و آن پیر قطب عہد بودہ است۔ حسین زنجانی دیر باز ساکن لہاور بود۔ بعد از چندگاہ پیر ایشان خواجہ علی ہجویری را گفت، کہ در لہاور ساکن شو۔ علی ہجویری عرضداشت کرد: کہ شیخ حسین زنجانی آنجا ہست۔ فرمود: کہ تو برو، چون علی ہجویری بحکم اشارت در لہاور آمد، شب بود۔ بامداد آن جنازہ شیخ حسین را بیرون آوردند۔"

(کچھ بات مزار لاہور کے متعلق چلی۔ آپ نے فرمایا، وہاں بہت سے بزرگ مدفون ہیں۔ بعد ازاں بندہ سے پوچھا، تم نے لاہور دیکھا ہے؟ بندہ نے جواب دیا۔ جی! میں نے دیکھا ہے اور بعض بزرگوں کی زیارت بھی کی ہے جیسے شیخ حسین زنجانی اور دیگر اولیاء۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا: شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک پیر کے مرید تھے۔ وہ پیر قطب عہد تھے۔ حسین زنجانی کچھ عرصے سے لاہور رہتے تھے۔ کچھ دیر کے بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری سے فرمایا، تم لاہور جا کر رہو۔ علی ہجویری نے عرض کیا، وہاں شیخ حسین زنجانی ہیں۔ فرمایا، تم جاؤ۔ جب علی ہجویری اس حکم کے مطابق لاہور پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ اگلی صبح شیخ حسین کا جنازہ باہر لے آئے۔)

یہ روایت یک شنبہ ۲۹ ذوالقعدہ ۷۰۸ھ مطابق ۱۰ مئی ۱۳۰۹ء کی ہے اور اس اعتبار سے تو بہت اہم ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ سے منسوب کرکے بیان کی گئی ہے لیکن اس اعتبار سے محل نظر ہے کہ واقعات اس کی تردید کرتے ہیں۔ قیاس کہتا ہے کہ یا تو سلطان المشائخ کے فرمودات صحیح طور پر معرض تحریر میں نہیں لائے گئے اور یا یہ کہ ''فوائد الفواد'' کے اصل نسخے کو نقل کرنے والوں نے ہم تک صحیح عبارت نہیں پہنچائی اور اب زماں کے باعث دونوں چیزوں کو پرکھنے کا کوئی وسیلہ نہیں رہا۔

قابل غور باتیں یہ ہیں کہ اول تو سید علی ہجویری ''کشف'' میں کسی ایسے پیر بھائی کا ذکر نہیں فرماتے جن کا اسم گرامی حسین زنجانی ہو۔ (اور نہ یہ کہتے ہیں کہ شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی نے انہیں لاہور جانے کے لیے فرمایا تھا)۔ دوسرے شاہ حسین زنجانی کی تاریخ وفات ۶۰۰ھ یا ۶۰۴ھ بتائی جاتی ہے جو سید علی کی تاریخ وفات سے کم از کم سو سال بعد کی ہے۔ ان حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہ تو حسین زنجانی اور داتا صاحبؒ معاصر تھے اور نہ شاہ حسین زنجانی کی وفات کے وقت داتا صاحبؒ لاہور میں موجود تھے۔ پھر دارا شکوہ نے یہ اطلاع بھی دی ہے کہ شیخ حسین زنجانی خواجہ معین الدین چشتی کے معاصر تھے اور دونوں کی لاہور میں ملاقات بھی ہوئی۔ اگر یہ واقعی ۶۰۰ھ/۱۰۲۳ء میں فوت ہوئے تو سید علیؒ سے بہت بعد کے بزرگ ہیں۔

الغرض دستیاب ہونے والی اسناد وشواہد سے یقینی طور پر پتہ نہیں چلتا کہ وہ غزنی سے پہلی دفعہ لاہور کب پہنچے۔ مفتی علی الدین لاہوری نے ''عبرت نامہ'' میں لکھا ہے۔

> ''حضرت مخدوم گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز کہ مرقد گاہ ایشان در گوشہ غربی جنوبی قلعہ لاہور واقع است، برای استعداد بادشاہ مذکور (سلطان محمود) از درگاہ یزدانی مامور بودند، درین وقت ہمراہی سلطان موصوف تسخیر ملک پنجاب و دیگر بلاد ہندوستان را از یمن برکات ایشان تصور می نمود''۔

اس بیان کے مطابق داتا صاحب محمود کے ہمراہ لاہور پہنچے اور ان کی دعا سے اسے فتوحات حاصل ہوئیں۔ سلطان محمود تو ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء میں فوت ہو گیا تھا۔ داتا صاحبؒ کی عمر اس وقت کیا ہوگی کہ وہ سلطان کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ لاہور میں ان کی اقامت کا زمانہ کیا تھا؟ اس سلسلے میں بھی صاحب ''کشف'' نے خود کوئی بیان نہیں دیا لیکن ''کشف'' کی داخلی شہادتوں سے ہم ان واقعات کا اندازہ کر سکتے ہیں جب سید علی لاہور میں تھے۔ مثلاً فصل ''فقر و غنا'' میں آپ نے شیخ ابوسعید ابوالخیر کو یوں مرحوم لکھا ہے:

> ''یحیٰی معاذ الرازی......و......ابوسعید فضل اللہ بن محمد المیہنی رحم اللہ جملہ برانند کہ غنا فاضل تراست از فقر''۔
> (کشف، سمرقند، ۲۰۶)

Marfat.com

اب شیخ ابوسعید کی وفات متفقہ طور پر ۴ شعبان ۴۴۰ھ کو ہوئی ہے اور ''کشف'' لاہور میں لکھی گئی ہے (بحث آگے آئے گی)۔ اس لیے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ ۴۴۰ھ کے ارد گرد لاہور میں موجود تھے۔

پھر ابوالقاسم گرگانی کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شیخ ابوالقاسم گرگانی کہ امروز قطب و مدار علیہ ویست البقاء اللہ تعالیٰ۔'' (کشف، ۲۵۴)

یہ بزرگ ۴۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ ظاہر ہے کہ داتا صاحبؒ کا بیان ان کی زندگی سے متعلق ہے، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ۴۵۰ھ سے پہلے پہلے یہ لاہور میں موجود تھے۔

لیکن پھر اپنے استاد اور مرشد ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کے ذکر میں یہ بیان کیا ہے کہ میں دمشق میں بیت الجن کے گاؤں میں ان کی وفات کے وقت موجود تھا جو ۴۲۰ھ میں ہوئی۔

''و آن روز کہ ویرا وفات آمد بہ بیت الجن بود...... سر بر کنار من داشت ...... و جان بداد۔''
(کشف، سمرقند، ۲۰۹)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ۴۶۰ھ تک آپ لاہور سے سفر کر کے بیت الجن میں یعنی دمشق کے قریب پہنچ چکے تھے جہاں آپ مرشد کی وفات کے وقت موجود تھے۔

ان چند واقعات سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ سید ہجویریؒ لاہور آتے جاتے تھے۔ چونکہ ان کا اپنا کوئی بیان یا معاصر شہادت اس امر کی موجود نہیں کہ وہ معین طور پر لاہور کب پہنچے اور پھر کن مدتوں کے لیے لاہور سے باہر رہے اس لیے صرف یہ قیاس ہی کیا جاسکتا ہے کہ ۴۴۰ھ کے ارد گرد اور وفات تک وہ لاہور کو مشرف فرماتے رہے۔ معین تاریخ بتانا ممکن نہیں۔

۷۔ تاہل

''کشف'' میں سید علی کے تاہل کے احوال و کوائف کے متعلق صرف ایک ہی مختصر سا اندراج ملتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی داخلی یا خارجی شہادت کہیں سے دستیاب نہیں ہوئی۔ ''کشف'' میں درج ہے:

''مرا کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود، تقدیر کرد، تابفتنہ در افتادم و ظاہر و باطنم اسیر (پری)[۳۶] صفتی شد کہ با من کردند، بی از انک رویت بودہ بود۔ و یک سال مستغرق آن بودم۔ چنانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شدی۔ تا حق تعالیٰ بکمال فضل و تمام لطف خود (عصمت را)[۳۷] باستقبال دل بیچارہ من فرستاد۔ و برحمت خلاصی ارزان داشت، والحمد للہ علی جزیل نعماۂ۔'' (کشف، طہران، ۴۷۶)

Marfat.com

(میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں، مجھے (حق تعالیٰ نے) گیارہ سال تک شادی کی آفت سے محفوظ رکھا لیکن اس فتنے میں مبتلا ہونا مقدر میں لکھا تھا اور میرا ظاہر و باطن ایک پری صفت کو دیکھے بغیر اس کی صفات سن کر اسیر ہوگیا اور میں ایک سال تک اس میں مستغرق رہا۔ نزدیک تھا کہ دین مجھ پر تباہ ہوجائے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کمال فضل اور تمام لطف سے میرے دل بیچارہ کو عصمت سے نوازا اور رحمت سے خلاصی عطا فرمائی۔)

یہ بیان نہایت قلیل جزوی تصرفات کے ساتھ تمام نسخوں میں ملتا ہے اور اس کی مختلف تعبیریں کی گئی ہیں کیونکہ یہ بیان اپنے طور پر بیحد مبہم ہے۔ مثلاً یہ پتہ نہیں چلتا کہ ''شادی کی آفت'' سے عمر کے کون سے گیارہ سال محفوظ رہے؟ سنین بلوغت سے یا کسی اور وقت۔ بعض سوانح نگاروں نے اس بیان سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ سید علیؒ نے شادی کی تھی لیکن بعد میں متاہل زندگی سے آزاد ہوگئے تھے۔ جب گیارہ سال بعد محولہ بالا واقعہ پیش آیا لیکن اس اندازے میں یہ جھول ہے کہ سید صاحبؒ یہ نہیں بتاتے کہ وہ کسی وقت پابند تزویج بھی ہوئے تھے۔ پھر ''ایک نادیدہ پری صفت'' کے ساتھ بھی اس بیان سے معاملات تزویج کی توضیح نہیں ہوتی، لہٰذا اس بیان سے کوئی حتمی اور واضح نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک مزید کوئی اطلاع دستیاب نہیں ہوتی اس وقت تک دونوں نتائج اخذ کرنا درست ہوگا۔ (الف) یہ کہ سید صاحب نے ایک دفعہ شادی کی۔ پھر اس سے آزاد ہوگئے اور پھر گیارہ سال کے بعد ایک دفعہ پھر شادی کی اور ایک سال کے بعد اس سے بھی آزاد ہوگئے۔ (ب) یہ کہ آپ بلوغت کو پہنچنے کے بعد گیارہ یا پندرہ سال تک ازدواجی پابندیوں سے آزاد رہے اور پھر ایک سال تک ایک نادیدہ پری صفت کے اسیر رہے۔ تزویج کے پابند ہوئے یا نہ ہوئے، اس کا سراغ نہیں ملتا اور پھر ان جذباتی یا ذہنی علائق سے بھی رہائی پاگئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۸۔ اولاد

آپ اپنے آپ کو ابوالحسن (حسن کا باپ) کی کنیت سے یاد کرتے ہیں لیکن اس امر کی توضیح کہیں سے نہیں ہوتی کہ آپ صاحب اولاد بھی تھے یا نہیں۔ تاریخ اور سوانح نگار اس کے متعلق خاموش ہیں۔ اولاد کے بغیر بھی کنیت اختیار کرنے کا رواج مسلمانوں میں رہا ہے اور موجود ہے۔

۹۔ رائے راجو؟

''تحقیقات چشتی'' (ص ۱۹۳) میں درج ہے:

''جب حضرت یہاں تشریف لائے تو اس وقت یہاں ایک شخص رائے راجو نایب حاکم پنجاب حضرت کا مرید ہوکر مسلمان ہوا اور نام اس کا شیخ ہندی رکھا گیا۔ اس کی اولاد تاحال خادم و مجاور ہے۔''

Marfat.com

فوق لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے جو شخص مسلمان ہوا وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ سلطان مودود والیٔ کابل و غزنی کی طرف سے ولائت پنجاب کا نائب حاکم تھا۔ ''تحقیقاتِ چشتی'' اور دیگر کتب میں اس کا نام رائے راجو لکھا ہے۔''[۳۷]

شہاب الدولہ سلطان مودود غزنوی کا عہد حکومت ۴۳۳-۴۴۱ھ پر ممتد ہے۔

کسی معاصر تاریخ میں رائے راجو کا حوالہ اس دور میں نہیں ملتا۔ نہ اس واقعہ کا۔

اپنے بیان کے مطابق رائے راجو کے مستقیم اخلاف میں سے ایک صاحبزادہ شیخ محمد سلیم حماد صاحب نے مرتب کی درخواست پر رائے راجو (شیخ ہندی) کے خاندان کا شجرہ نسب ارسال فرمایا ہے جو انہوں نے ۲ فروری ۱۹۷۹ء کو شائع کیا ہے۔ اس شجرے کے ساتھ انہوں نے مرقد سید علیؒ اور دیگر مزارات کا ایک نقشہ (خاکہ) بھی چھاپا ہے جس میں شیخ ہندی کی قبر احاطہ مرقد سے باہر مشرق کی جانب دکھائی ہے اور یہ لکھا ہے کہ ''حضرت شیخ ہندیؒ جد اعلیٰ سجادہ نشینان حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ اور ان کے بعد تقریباً نو صدیوں سے خاندان سجادہ نشینان کا قبرستان احاطہ درگاہ کے اندرون و بیرون تھا۔ اب ۱۹۶۰ء کے بعد قبرستان درگاہ کے نزدیک دربار روڈ پر مسجد و جامع گنج بخش کے ساتھ جنوبی طرف واقع ہے''۔ راقم نے درخواست کی تھی کہ اس شجرے اور قبروں میں مدفون شخصیتوں کے متعلق شواہد سے سرفراز فرمایا جائے۔ تاحال جواب کا انتظار رہے۔

۱۰۔ لاہوری مسجد کی تعمیر

داراشکوہ نے ''سفینۃ الاولیاء'' (ص ۱۶۲) میں ایک بیان دیا ہے:

''مسجدی کہ خود ساختہ بودند، محراب آن نسبت بمساجد دیگر مائل بہ سمت جنوبست۔ گویند علمای آن وقت بہ شیخ درین باب اعتراض کردند۔ روزی ہمہ را جمع نمودہ خود امام شدہ در آن مسجد نماز گزاردند۔ وبعد از بحاضران گفتند: کہ نگاہ کنید کہ کعبہ بکدام سمت است؟ حجابہا از میان برخاست و کعبہ مجازی نمودار گشت۔ وقبر ایشاں موافق مسجد ایشاں است''۔

(جب آپ نے ایک مسجد بنائی تو اور مساجد کی بہ نسبت اس کی محراب کا رخ ذرا سا جنوب کی طرف تھا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت کے علماء نے شیخ پر اس سلسلے میں اعتراض کیا۔ ایک دن آپ نے سب کو جمع کیا اور خود امام بن کر اس مسجد میں نماز ادا کی اور نماز کے بعد حضار سے کہا: دیکھیے کعبہ کس طرف ہے۔ حجاب درمیان میں سے اٹھ گئے اور کعبہ مجازی نظر آ گیا۔ ان کی قبر

Marfat.com

مسجد کے پاس ہی ہے)۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے آپ نے ایک مسجد اس جگہ پر لاہور میں بنائی تھی جس کے قریب آپ مدفون ہیں۔ دارا شکوہ کا یہ واحد قدیم بیان ہے جو اس مسجد کی تعمیر کی نشاندہی کرتا ہے۔ ''نفحات الانس'' یا کسی اور ماخذ میں اطلاع درج نہیں اور اس واقعہ کی تائید اور تصدیق بھی کسی معاصر ماخذ سے نہیں ہوتی۔

ہندو فلسفی سے مقابلہ

غزنی میں سید علی ہجویریؒ کی ایک ہندو فلسفی سے کشف و کرامت کے مقابلے کی جو تنہا روایت نویں صدی ہجری کے مشہور عارف مولانا یعقوب چرخی (وفات ۵ صفر ۸۵۱ھ) نے اپنی مشہور تالیف ''رسالہ ابدالیہ'' میں بیان کی ہے وہ درج ذیل ہے:

''وچنانکہ منقول است از ہمین شیخ بزرگ کہ دروقت سلطان محمود رحمتہ اللہ علیہا، سبب فتح ہند ایشان بودہ اند، از ہند حکیمی آمد بطریق رسالت؛ از سلاطین ہند بغزنی وگفت کہ دین اہل ہند برحق است۔ کسی می باید کہ بااومباحثہ کردہ شود وحرفی میان من و او برود، وحقیقت دین ما با دین اسلام ظاہر شود۔ یعنی (بی) دلیل عقلی ونقلی حق راقبول کنیم۔ سلطان وجمیع ارکان دولت از علماء و امراواشراف حاضر شدند وہیچ کس رامجال این نوع مباحثہ نبود۔ شیخ ابوالحسن غزنوی بالہام ربانی درآن مجلس حاضر شدند۔ وبآن حکیم ہندی درآن مجلس مدتی خاموش نشستند۔ بعدہ آن حکیم از شیخ پرسید کہ سیر من تاکجابود؟ شیخ فرمودند: تابہ سراندیپ بود۔ گفت: نشانی (می) باید۔ شیخ فرمودند درآن موضع جماعتی پلپل سبزی چیدند ودر نزدیک ایشان پیلان بودند۔ حکیم گفت: راست می گوئید۔ شی، فرمودنہ: کہ مرا وترا معلوم شد۔ می باید کہ سلطان و اکابر اعیان رانیز روشن شود۔ حکیم متحیر و عاجز شد۔ شیخ از خرقہ دست بیرون آوردند و پارہ پلپل سبز بدست گرفتہ بود وگفت: بخورید! کہ من ازآن مردم خواستہ ام۔ حکیم متحیر شد وگفت: مرا بحال این نوع تصرف نیست۔ باز شیخ فرمودند کہ تو در عالم سفلی سیر کردی (و) من (نیز) باتو موافقت کردم، بیا تا بعالم علوی سیر کنیم۔ حکیم گفت: مرامجال این نیست وآن باسلام میسر می شود۔ حکیم مسلمان شد وبہند رفت وازآن فتوح بسیار روی نمود مراہل اسلام۔''[۳۰]

۱۲۔ قطبِ دوراںؒ کی تاریخ وفات

قطب دوران حضرت سید علی ہجویریؒ کی تاریخ وفات کا مسئلہ اس لیے الجھا ہوا ہے کہ کسی معاصر تالیف میں

اس کا ذکر نہیں ملتا۔ بعد کے اور وہ بھی کئی سو سال بعد کے لوگوں کی بات پر اس لیے اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ یہ سب مختلف تاریخ ہائے وفات کسی سند کے بغیر درج کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلے قابل غور تاریخ وفات وہ ہے جو لوح مزار پر کندہ ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وضع سنگ و خط مزار چنداں قدیم نہیں۔ مفتی غلام سرور لاہوری اپنی تالیف ''خزینۃ الاصفیاء'' میں یہ اطلاع بہم پہنچاتے ہیں:

''سابق بالائے مزار پُرانوار شیخ گنبد نہ بود۔ حالا در سال یک ہزار و دوصد و ہفتاد و ہشت شخصی حاجی نور محمد بہ تعمیر گنبد معلیٰ پرداخت۔''

اس اطلاع سے صرف ایک منفی نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ ۱۲۷۸ھ (۲-۱۸۶۱ء) تک اس مزار پر کوئی گنبد نہ تھا۔ ضمناً یہ درج کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ''خزینۃ الاصفیاء'' (مؤلفہ ۸۱-۱۲۸۰ھ) میں مفتی غلام سرور گنبد کے تعمیر کرنے والے کا نام حاجی نور محمد فقیر درج کرتے ہیں اور اپنے معاصر مورخ مولوی نور احمد چشتی لاہوری سے اتفاق کرتے ہوئے اس کا نام نور محمد ہی بتاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''اس گنبد کی تاریخیں تعمیر کی شعرائے لاہور نے بہت لکھی ہیں۔ دو قطعہ تاریخ ان میں سے، ایک تو میاں فرید شاعر نے تحریر کی ہے، درج کی جاتی ہیں:

نور محمد چون بناء نو نہاد
مقبرہ مکرم مرحوم ما
گفت فرید از پئے تاریخ او
مقبرہ منعم مخدوم ما

''اور دوسری تاریخ مصنفہ مفتی غلام سرور صاحب جو انہوں نے در باب تعمیر اس روضہ کے لکھی تھی اور بوقت تصنیف کتاب ہذا کے بامید اندراج میرے پاس بھیجی، سو وہ یہ ہے:

کرد عجب نور محمد بنا
روضہ پُرنور از صدق دلی
مقبرہ سید دین گنج بخش
قرۃ الابصار نبی و علی
آن کہ دو کونش تہ فرمان شدند
سید و سردار شاہ غزنوی
قطب جہان سرور اقطاب دین
گنج سخا مظہر نور جلی

Marfat.com

سال بنائش بخرد گفت دل
روضہ عالی علی ولی"

اس سلسلے میں یہ درج کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید علی ہجویریؒ کے مدفن کے متعلق قدیم ترین اطلاع جو اب تک دستیاب ہوئی ہے، وہ دارا شکوہ کی ہے جس نے لکھا ہے:

"وقبر درمیان شہر لاہور مغرب قلعہ واقع شدہ" :

اگر موجودہ قبر کو دیکھا جائے تو یہ قلعہ کے مغرب کی طرف کم اور جنوب کی طرف زیادہ ہے۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ قبر درمیان شہر لاہور ہے جو درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۳۔ تاریخ وفات کے منابع

تاریخ وفات مندرجہ ذیل منابع سے درج کی ہوئی صورت میں ملتی ہے:

منابع	مصنف یا مولف، تاریخ تالیف	مندرج تاریخ وفات
۱۔ سنگ مزار	نصب شدہ ۲۔ ۱۸۶۱ء/ ۱۲۷۸ھ	۴۶۵ھ
۲۔ سفینۃ الاولیاء ۱۶۵، کانپور، ۱۸۸۴ء	دارا شکوہ ۲۷ رمضان ، ۱۰۴۹ھ/ ۲۱ جنوری ۱۶۴۰ء	۴۶۴ھ/۴۵۶ھ
۳۔ نفحات الانس	جامی	تاریخ وفات کا ذکر ہی موجود نہیں جیسے مفتی غلام سرور نے کہا ہے
۴۔ تذکرہ علمائے ہند، ۵۹	رحمان علی	۴۶۵ھ
۵۔ سبک شناسی ۲، ۱۸۷	مرحوم ملک الشعراء بہار	ایضاً
۶۔ تصوف اسلام ۵۳	عبدالماجد	۴۶۵ھ
۷۔ مآثر الکرام		ایضاً
۸۔ ایضاح المکنون (ستون ۱۴۹۴)	اسماعیل پاشای بغدادی	ایضاً
۹۔ اسماء المصنفین ۱، ۶۹۱	اسماعیل پاشا بغدادی	ایضاً
۱۰۔ بزم صوفیہ، ۸	سید صباح الدین	ایضاً
۱۱۔ شرح نفحات الانس	شیخ حامد کشمیری	ایضاً

Marfat.com

۱۲۔ترجمہ کشف المحجوب xi	نکلسن	بین ۴۶۹ھ۔۴۶۵ھ
۱۳۔خزینۃ الاصفیاء	مفتی غلام سرور	۴۶۴ھ یا ۴۶۶ھ
۱۴۔مقالہ مطبوعہ سروش ، دسمبر ۱۹۵۹ء	پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع	بعد از ۴۷۹ھ
۱۵۔مقالہ مطبوعہ سروش اکتوبر ۱۹۵۹ء	آقای عبدالحی حبیبی	بین ۴۸۱۔۵۰۰ھ
۱۶۔کشف الظنون	حاجی خلیفہ	۴۵۶ھ
۱۷۔قاموس الاعلام	سامی بیگ	۴۵۶ھ
۱۸۔آب کوثر، ۸۶	شیخ محمد اکرام	۴۶۵ھ
۱۹۔فہرست مخطوطات فارسی ا۔۳۴۳	چارلس ریو	۴۶۵ھ
۲۰۔دائرۃ المعارف اسلامی، ۲۔۹۲۷	ہدایت حسین	۴۶۵ھ
۲۱۔تصوفِ اسلام	ڈاکٹر غنی	۴۷۰ھ

تعلیمات

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے سید علی ہجویریؒ کی تعلیمات کا محور قرآن و حدیث اور اقاویل ہیں۔اس سے پرے یا اس کے مخالف وہ کسی نظام حیات انسانی کو قابلِ ستائش سمجھتے ہیں نہ قابلِ قبول۔

"توحید آں بود کہ دون حق را بر دلت خطر نبود، وخاطر مخلوقات را بر سرت گزر نباشد۔"[۴۴]

(توحید یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے سوا تیرے دل میں اور کوئی یاد نہ ہو اور مخلوقات کی یاد تیرے دل میں راہ نہ پائے)۔

استخارہ کے متعلق فرماتے ہیں: اس سے اللہ تعالیٰ کا پاس ادب مراد ہے کیونکہ اس نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی امت سے فرمایا:

فذا قرات القرآن فاسعذ بالله من الشيطان الرجيم (۱۶:۹۸)

(جب تم قرآن پڑھو تو مردود شیطان سے اللہ کی پناہ چاہو)۔

استعاذت (پناہ چاہنا)، استخارہ (طلب) اور استعانت (مدد مانگنا) سب کے معنے اپنے امور خدا تعالیٰ کے سپرد کر کے نیکی چاہنا اور مختلف قسم کی آفات سے نجات طلب کرنا ہے۔صحابہ پیغمبر روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیہ السلام ہم کو استخارہ کا حکم فرماتے تھے جیسا کہ قرآن مجید کا......پس ہر ایک کام کے شروع میں استخارہ لازم ہے تا کہ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ بندہ کے اس کام کو ہر خطا، خلل اور آفت سے محفوظ رکھے۔[45]

نیت کے متعلق سید علی ہجویریؒ کی رائے ہے کہ: کام کی ابتداء میں بندہ کا قصد نیت کے قریب ہوتا ہے۔ پھر اگر اس کام میں خلل ظاہر ہو تو بندہ معذور ہوتا ہے۔ اس لیے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے:

نیت المومن خیر من عمله

(مومن کی نیت اس کے کام سے بہتر ہے۔)

ابتدائے عمل میں نیت کرنا بے نیت عمل کی ابتداء سے کہیں بہتر ہے اور نیت کاموں پر بڑا تصرف اور اختیار رکھتی ہے۔[46]

الغرض اسی طرح ساری کتاب میں یہ توصیہ کی گئی ہے کہ عمل صالح کے لیے خدا اور رسول کی طرف رجوع کرنا نہ صرف مفید ہے بلکہ لازمی ہے۔ ان تعلیمات کو مختصر طور پر عام فہم زبان میں یہاں درج کر دیا گیا ہے۔ گو اجمالی طور پر بھی تمام مباحث کا احصاء ممکن نہیں ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ استعاذت (پناہ چاہنا)

استخارہ (طلب خیر) اور استعانت (مدد مانگنا): اللہ جل جلالہ، نے اپنے پیغمبرؐ اور ان کی امت کو فرمایا: جب تم قرآن پڑھو تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو (قرآن مجید ۱۶: ۹۸)۔[47]

۲۔ نیت

پیغمبرؐ نے فرمایا: مومن کی نیت اس کے کام سے بہتر ہے۔ یعنی نیت کاموں پر بڑا اختیار رکھتی ہے۔ (ص ۴)[48]

مقصد حیات

پیغمبرؐ نے فرمایا: ہر آدمی کو وہ کام آسان نظر آتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ (ص ۳)

۳۔ امداد ربانی

مشائخ کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ: جب بندہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوتا ہے تو اس کو قوت اور مدد جناب ربانی سے ملتی ہے اور پہلے کی بہ نسبت ترقی پاتا ہے۔ (ص ۷)

۴۔ ہمارا زمانہ

خداوند عزّ و جل نے ہمیں ایسے زمانے میں پیدا کیا ہے جب لوگوں نے نفسانی خواہشوں کا نام شریعت رکھ

Marfat.com

دیا اور طلب جاہ وریاست وتکبر کا نام عزت اور علم۔ ریا کاری کو خوف خدا اور دل میں کینہ پوشیدہ رکھنے کا نام حلم مقرر کیا۔ لڑائی بھڑائی کا نام مناظرہ اور لڑائی جہالت کا نام پند ونصیحت۔ نفاق کو زہد سمجھا اور لالچ کا نام ارادت۔ بکواس کو معرفت۔ دل کے خیالات کو محبت کی باتیں جان لیا۔ بیدینی کو فقر اور انکار شریعت کا نام صفائی اور زندیقی یعنی انکار آخرت کا نام فنافی اللہ اور پیغمبر کی شریعت کو ترک کرنے کا نام طریقت رکھا۔

یعنی ہم ایسے زمانے میں مبتلا ہوئے جس میں نہ تو آداب اسلام ہیں نہ آداب جاہلیہ اور نہ صاحبان مروت کے حکم ہیں۔ (ص ۹)

۵۔علم تصوف

صوفیا کی باتیں سرخ گندھک کی مانند نایاب ہیں۔ (ص ۹)

۶۔تصوف

علی ابن عثمان جلابی ہجویریؒ نے کہا: ہمارے اس زمانے میں تصوف کا علم حقیقت میں بودا ہو گیا۔ خاص کر اس ولایت میں کہ لوگ نفسانی خواہشوں سے مغلوب ہو گئے ہیں اور رضا کی راہ سے منہ موڑ بیٹھے ہیں اور اس وقت کے عالموں اور مدعیوں نے اس کی طریقت کی صورت اصل کے برخلاف بنا دی ہے۔ (ص ۸)

۷۔علم

اللہ تعالیٰ نے عالموں کی صفت میں فرمایا: خداوند کے بندوں میں سے صرف عالم لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں (قرآن مجید ۳۵: ۲۵)۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کا فریضہ ہے اور یہ بھی کہ: علم حاصل کرو، اگرچہ ملک چین میں ہو۔ (ص ۱۲)

۸۔بے فائدہ علم

رسولؐ نے بے فائدہ علم سے پناہ چاہی ہے اور فرمایا: جو علم فائدہ نہ دے میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ (ص ۱۳)

۹۔بے علم عابد

رسول کریمؐ نے فرمایا: بے علم عبادت کرنے والا خراس کے گدھے کی مانند ہے۔ (ص ۱۳)

۱۰۔علم اور عمل

میں نے ایک گروہ کو دیکھا کہ عمل سے علم کو اچھا جانتے ہیں اور ایک گروہ عمل کو علم سے بہتر جانتا ہے۔

Marfat.com

حقیقت میں یہ دونوں عقیدے درست نہیں کیونکہ بدون جاننے کے کام کرنا با ارادت نہیں ہوتا......اور جن لوگوں نے علم کو عمل پر فائق سمجھا یہ بھی محال ہے کیونکہ جو علم صرف بے عمل ہو وہ علم نہیں ہوتا چنانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے، ان میں سے ایک گروہ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔ گویا وہ جانتے ہی نہ ہوں۔ (۲:۱۰۱)۔ (ص ۱۴)

۱۱۔ اللہ کا علم

طالب حق کے لیے لازم ہے کہ اچھی طرح سمجھ لے کہ جو کام مجھ سے ظہور پاتا ہے جناب پاک ایزدی کا مشہود ہے یعنی اللہ دیکھ رہے ہیں۔

حکایت

کہتے ہیں کہ بصرہ میں ایک رئیس تھا۔ وہ اپنے باغ میں گیا۔ وہاں اس کے کاشتکار کی عورت حسین تھی۔ یہ رئیس اسے دیکھ کر مبتلا ہوا۔ حیلہ سازی سے اس نے کاشتکار کو کسی کام پر بھیجا اور عورت سے کہا کہ: دروازے بند کر دے۔ عورت نے کہا کہ: میں نے اور دروازے تو بند کر دیے ہیں مگر ایک دروازہ مجھ سے بند نہیں ہوسکتا۔ اس نے پوچھا: وہ کون سا دروازہ ہے؟ اس نے جواب دیا: جو مشاہدے کا دروازہ ہمارے اور اللہ کے درمیان ہے۔ تب وہ رئیس اپنے ارادے سے پریشان ہوا اور استغفار پڑھی۔ (ص۔۱۵)

۱۲۔ چار علم

حاتم اصمؒ نے کہا ہے کہ: میں نے چار علم اختیار کیے اور دنیا کے باقی علموں کی ضرورت نہ رہی۔ پوچھا گیا کہ وہ کون سے علم ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ پہلے میں نے جانا کہ میرا رزق مقسوم ہے جو میرے حصے میں ہو چکا ہے۔ اس سے بڑھتا گھٹتا نہیں اور زیادہ کی تلاش سے میں آرام میں ہوا۔

دوسرے میں نے جان لیا کہ مجھ پر خداوند تعالیٰ کا ایسا حق ہے جسے میرے سوا کوئی اور شخص ادا نہیں کر سکتا۔ پھر میں اس کے ادا کرنے میں مشغول ہوا۔

تیسرے یہ کہ میں نے جان لیا کہ میرا ایک ایسا تلاش کرنے والا ہے یعنی موت، جس سے مجھے بھاگنے کی طاقت نہیں تو میں نے اسے پہچان لیا۔

چوتھے یہ کہ میرا ایک مالک ہے جو میرے ظاہر باطن کا واقف ہے۔ مجھے اس سے شرم آتی ہے اور میں نے برے کام چھوڑ دیے۔ جب بندہ جانتا ہے کہ خداوند تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے تو اس سے ایسا کام نہیں ہوسکتا جو قیامت کے روز باعث شرم ہو۔ (ص ۱۵)

علم حقیقت کے تین رکن ہیں: (۱) ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کو جاننا کہ وہ موجود ہے اور ایک ہے اور اس

Marfat.com

جیسا کوئی نہیں۔(۲) دوسرا خدائے تعالیٰ کی صفات کو جاننا اور اس کے احکام ماننا اور بجالانا۔(۳) تیسرا اس کے فعلوں کو اور اس کی حکمت کو جاننا۔(ص ۱۶)

علم شریعت کے بھی تین رکن ہیں (۱) ایک کتاب مجید (۲) دوسرا سنت (۳) تیسرا اماموں کا اتفاق جسے اجماعِ امت کہتے ہیں۔(ص ۱۶)

۱۳۔ دلوں کا فساد

علی بن بندار صیرفی نے کیسا اچھا کہا ہے: دلوں کا فساد زمانے اور زمانے کے لوگوں کے فساد کے مطابق ہوتا ہے۔(ص ۲)

۱۴۔ تین علم

محمد بن فضیل بلخی کہتا ہے کہ علم تین ہیں: علم من اللہ، علم مع اللہ، علم باللہ۔

علم باللہ معرفت الٰہی ہے کہ سب انبیاء اور اولیاء نے اللہ تعالیٰ کو اس سے جانا ہے۔

علم من اللہ علم شریعت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے حکم اور فرض ہے۔

علم مع اللہ مقامات اولیاء اور طریق حق اور درجات اولیاء کا علم ہے۔(ص ۲۰)

۱۵۔ صحبت

تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے بچے رہو:

(۱) غافل عالم (۲) چرب زبان خوشامد کار فقیر اور (۳) جاہل صوفی۔

۱۶۔ غافل عالم

وہ ہیں جو دل کو دنیا کی طرف متوجہ رکھتے ہیں۔ شریعت سے آسان باتیں اختیار کرتے ہیں۔ بادشاہوں اور ظالموں کی پرستش اختیار کر کے ان کی درگاہ کو جائے طوائف مقرر کرتے ہیں اور لوگوں میں رتبہ پانے کے لیے اپنی جائے نماز بناتے ہیں۔

۱۷۔ جاہل صوفی

اسے کہتے ہیں جو پیر کی صحبت میں نہ رہا ہو اور نہ کسی بزرگ سے ادب پایا ہو۔(ص ۲۲)

۱۸۔ خیرات

(فی سبیل اللہ) ان حاجتمندوں کو دینا چاہیے جو راہ خدائے تعالیٰ میں گھرے ہوئے ہوں۔ (اور) روئے

Marfat.com

زمین پر چل نہ سکتے ہوں۔ (یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی یاد میں ایسے مصروف رہتے ہوں کہ کسی کے پاس جا کر سوال کرنے کی فرصت نہ پاتے ہوں اور ان کے فقر و فاقہ چھپانے سے) جاہل آدمی انہیں مال دار سمجھتا ہو۔(۲:۲۷۳)
(ص۲۳)

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ایک مثل خدا نے بیان فرمائی ہے کہ (بندہ) ایک غلام ہے جو دوسرے کی ملک ہے (اور) کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔(۱۶:۷۷)

۱۹۔ مسکین

اور رسولؐ نے فقر اختیار فرمایا ہے (اور فرمایا ہے) اے خداوند تعالیٰ! مجھے زندگی کی حالت میں مسکین رکھ اور موت کے وقت بھی مسکین اور روز قیامت مجھے مسکینوں کے گروہ میں اٹھانا۔(ص۲۴)

۲۰۔ فقیر

وہ ہوتا ہے جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور کسی چیز کے ملنے سے اس کے خیال پاک میں کوئی خلل راہ نہ پائے۔ نہ تو اسباب موجود ہونے سے غنی ہو اور نہ اسباب کے نابود ہونے سے محتاج ہو(ص ۲۵)

۲۱۔ حرص و آرزو

ایک درویش بادشاہ میں ملاقات کا اتفاق ہوا۔ بادشاہ نے کہا کہ مجھ سے کوئی درخواست کر۔
درویش نے جواب دیا کہ: میں اپنے غلاموں کے غلام سے کچھ نہیں چاہتا۔
بادشاہ نے پوچھا: یہ کیسے؟
درویش نے کہا کہ: میرے دو غلام ہیں جو تیرے صاحب ہیں۔ ایک حرص دوسری آرزو (ص ۲۵)

۲۲۔ غنی اور فقیر لوگ

اے لوگو! تم خداوند تعالیٰ کی جناب میں محتاج ہو اور خدا وہ ہے جو بے پروا اور تعریف کیا گیا ہے۔(۳۵:۶)
اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور تم حاجتمند ہو۔(۴:۳۸)

۲۳۔ فقیر

وہ نہیں ہوتا جس کا ہاتھ خرچ سے تنگ اور متاع سے خالی ہو، بلکہ فقیر وہ ہوتا ہے جس کی طبع مراد سے خالی ہو۔(ص ۳۱)

شبلی کہتے ہیں: فقیر وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی پروا نہ رکھے۔(ص ۳۱)

۲۴۔ فقر

ابوالحسن نوری کہتے ہیں: فقر کی تعریف یہ ہے کہ جب نہ پائے تو چپ رہے اور جب پائے تو دوسرے کو اپنی نسبت اچھا جانے اور خرچ کرے۔ اگر کسی کی مراد لقمہ ہو اور اس مراد کو حاصل نہ کر سکے تو چین سے رہے اور جب وہ لقمہ مل جائے تو اس شخص کو دے دے جسے اپنے آپ سے اچھا جانتا ہے۔ یہ بڑا کام ہوتا ہے۔ (ص ۳۲)

۲۵۔ بندگان خدا

اللہ تعالیٰ کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے (جہالت کی) بات کرتے ہیں تو یہ سلام کہتے ہیں۔ (۲۵: ۶۳)

۲۶۔ صوفی

لوگوں نے تصوف کے نام میں بہت کلام کیا ہے اور کتابیں تصنیف کی ہیں۔

ان میں سے ایک گروہ نے کہا ہے صوفی کو اس لیے صوفی کہتے ہیں کہ وہ صوف یعنی پشم کے کپڑے پہنتا ہے۔

اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ صوفی کو اس سبب سے صوفی کہتے ہیں کہ یہ گروہ صف اولین میں ہوگا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ وہ اس لیے صوفی کہلاتے ہیں کہ انہوں نے اہل صفہ کی محبت اور کام اختیار کیے ہیں۔

اور بعض کا قول ہے کہ یہ اسم صفا سے مشتق ہے۔

اور ہر ایک کے لیے ان معنوں میں اس طریقت کی تحقیق کرنے میں بہت لطیفے ہیں لیکن اقتضائے لغت ان معنوں سے دور ہے۔ (ص ۳۶)

۲۷۔ راہ حق

چونکہ ابوبکر صدیقؓ نے حضرت رسولؐ کو نگاہ حقیقت سے دیکھا ہوا تھا اور خلقت کی طرف آپ کی نگاہ نہ تھی بلکہ دنیائے غدار سے دل خالی رکھتے تھے، اس لیے جو مال واسباب اور غلام وغیرہ رکھتے تھے سب راہ حق میں دے دیا اور خود کمبل پہن لیا۔ جب رسولؐ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے۔ حضرتؐ نے پوچھا: کہ تو نے اپنے عیال کے واسطے کیا پیچھے چھوڑا ہے؟

ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا: اللہ اور رسولؐ۔

ایک تو خداوند تعالیٰ کی محبت دوسرے اس کے رسولؐ کی متابعت۔ (ص ۳۸)

Marfat.com

۲۸۔صوفی

وہ ہے جو نہ تو کسی چیز کا مالک ہو، یعنی کوئی چیز اس کی قید میں نہ ہو اور نہ وہ کسی چیز کی قید میں ہو۔(ص۴۳)

۲۹۔تصوف

ابوعلی قزوینی کہتے ہیں کہ تصوف اخلاق پسندیدہ ہیں اور پسندیدہ کام وہ ہوتا ہے کہ بندہ ہر حال میں خداوند تعالیٰ پر کفایت کرنے والا ہو یعنی راضی برضا ہو۔

ابوالحسن نوری کہتے کہ تصوف میں بندہ نفسانی خواہشوں کی قید سے آزاد ہو۔

ابوالحسن فوشنجہ فرماتے ہیں: تصوف آج صرف نام ہے بے حقیقت، اور اس سے پہلے حقیقت تھی بے نام یعنی اصحاب کرامؓ کے وقت میں تصوف کا نام نہیں تھا اور معنی اس کے سب میں موجود تھے۔ اب نام رہ گیا ہے اور معنی یعنی اصل نہیں۔(ص۴۹)

۳۰۔لباس

صوفی لوگوں کا ظاہری لباس گدڑی ہے اور گدڑی پہننا سنت ہے کیونکہ رسول کریمؐ نے فرمایا ہے: گدڑی پوشی تمہارے لیے لازم ہے تاکہ اپنے دلوں میں ایمان کی لذت پاؤ اور صحابہ کرام میں سے ایک نے کہا ہے کہ نبی کریمؐ پشم پہنتے اور گدھے کو مشرف بہ سواری فرماتے۔(ص۵۰)

حضرت رسولؐ نے عائشہؓ سے فرمایا: کپڑے کو ضائع نہ کرو جب تک اس کو پیوند نہ لگاؤ۔(ص۵۰)

عمر خطابؓ سے روایت ہے کہ وہ ایسی گدڑی پہنتے جس پر تیس چیتھڑے لگے ہوتے تھے اور فرماتے تھے: اچھا کپڑا وہ ہے جس کی قیمت کم ہو۔(ص۵۰)

کہتے ہیں کہ امیر المومنین علیؓ ایسا پیراہن رکھتے تھے جس کی آستینیں انگلیوں کے برابر تھیں۔ اگر کبھی دراز آستین پہنتے تو آستین کے سرے پھاڑ دیتے۔(ص۵۰)

اور رسول اللہؐ کو خدائے عزوجل نے حکم دیا کہ کپڑا چھوٹا کرو۔ جیسا کہ فرمایا: اپنے کپڑے کو پاک کر یعنی زواید سے کم کر۔(ص۵۰)

حسن بصری کہتے ہیں کہ میں نے صاحبان بدر سے ستر آدمی دیکھے۔ سب نے پشم کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

حسن بصری یہ بھی کہتے ہیں کہ میں نے سلمانؓ کو دیکھا کہ انہوں نے گدڑی پہنی ہوئی تھی جس پر پیوند لگے ہوئے تھے۔(ص۵۰)

ایک گروہ نے لباس کے ہونے یا نہ ہونے میں تکلف نہیں کیا۔ اگر خداوند تعالیٰ نے انہیں گدڑی دی تو پہن لی اور اگر قبادی تو بھی پہن لی اور ننگا رکھا تو ننگے بھی رہے۔(ص۵۷)

Marfat.com

۳۱۔توبہ

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ جناب اللہ تعالیٰ میں توبہ کرو خالص توبہ (۶۶: ۸) (ص ۳۳۰)

اے مومنو! سب اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو شاید تم نجات پاؤ۔ (ص ۲۳۰)

رسول اللہؐ نے فرمایا: تایب جوان سے اور کوئی چیز جناب ربانی میں زیادہ پسند نہیں۔ (ص ۲۳۰)

رسول اللہؐ نے یہ بھی فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ (ص ۳۳۰)

پیغمبرؐ نے فرمایا: گناہ پر نادم ہونا توبہ ہے۔ یہ ایسا قول ہے کہ اس میں توبہ کی سب شرطیں امانت ہیں۔ اس لیے کہ توبہ کی شرط مخالفت پر تاسف ہے۔ دوسرا ترک کی حالت میں ذلت ہونا تیسرا ارادہ کرنا کہ پھر ایسے نہیں کروں گا۔ یہ تینوں شرائط ندامت میں پائی جاتی ہیں۔ (ص ۳۳۱)

پیغمبرؐ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے ہر روز ستر مرتبہ معافی مانگتا ہوں۔ (ص ۳۳۴)

ابوالحسن توشنجہ نے کہا ہے: جب تو گناہ کو یاد کرے اور اس کے یاد کرنے سے دل میں لذت نہ پائے تو وہ توبہ ہوتی ہے۔ (ص ۳۳۶)

۳۲۔نماز

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ (۲۔۱۱۰) (ص ۳۳۷)

نماز کے معنی لغت کی رو سے ذکر اور طاعت ہے اور حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ پانچ نمازیں پانچ وقت ادا کرو۔ اور اس میں داخل ہونے سے پہلے اس کی شرائط ہیں:

پہلی: ان میں سے طہارت ظاہری نجات سے اور طہارت باطنی شہوت سے۔

دوسری: نجاست سے پاک کپڑا اور باطن میں حرمت سے۔

تیسری: جگہ کا ظاہر میں حادثات اور آفت سے پاک ہونا اور فساد اور گناہ سے باطن میں۔

چوتھی: روبقبلہ ہونا۔ قبلہ ظاہر کعبہ شریفہ اور قبلہ باطن عرش اور قبلہ سر مشاہدہ مقصود۔

پانچویں: قیام ظاہر میں بحالت توفیق اور قیام باطن قربت کے باغ میں۔

چھٹی: جناب حق میں خلوص نیت سے متوجہ ہونا۔

ساتویں: تکبیر ہیبت اور فنا کے مقام میں کہنا اور محل وصل میں قرابت، آہستگی اور عزت سے قائم ہونا اور رکوع باخشوع اور سجدہ فروتنی سے ادا کرنا اور تشہد جمعیت سے اور سلام فنا کی صفت سے بجالانا۔ (ص ۳۳۷)

سہل بن عبداللہ نے کہا ہے صادق وہ ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس پر فرشتہ مقرر کیا ہو کہ جب نماز کا

Marfat.com

وقت آئے بندہ کو نماز ادا کرنے پر اٹھائے اور اگر سویا ہو تو اسے بیدار کر دے اور یہ علامت سہل بن عبداللہ میں ظاہر تھی، اس لیے کہ وہ زمانہ کا پیر ہوا ہے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو تندرست ہو جاتا اور جب نماز ادا کر لیتا تب وہیں رہ جاتا۔ (ص ۳۴۰)

۳۳۔ اوراد

جنیدؒ جب بوڑھے ہوئے تو جوانی کے اوراد میں سے کوئی ورد نہ چھوڑا۔ لوگوں نے کہا: اے شیخ! اب آپ بوڑھے ہو گئے ہیں۔ بعض نفل چھوڑ دو۔ اس نے جواب دیا کہ: یہ وہ چیزیں ہیں جن کی برکت سے ابتدا میں مَیں نے سب کچھ حاصل کیا۔ یہ محال ہے کہ انتہا میں انہیں چھوڑ دوں۔ (ص ۳۴۱)

۳۴۔ قرأت

ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ جب رات کو نماز پڑھتے تو قرأت نرم آواز سے کرتے اور عمر خطابؓ بلند آواز سے پڑھتے۔ پیغمبرؐ نے پوچھا: اے ابوبکر! آہستہ کیوں پڑھتے ہیں؟ انہوںؓ نے جواب دیا جو میں کہتا ہوں وہ سنتا ہے۔ خواہ میں آہستہ کہوں یا بلند۔ اور عمرؓ سے پوچھا۔ آپ بلند کیوں پڑھتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: میں سوئے ہوؤں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو رد کرتا ہوں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: اے ابوبکر! آپ زیادہ بلند پڑھیں اور اے عمر! آپ ذرا نرم پڑھیں۔

۳۵۔ دین

خداوند عزوجل نے فرمایا: اے ایمان دار لوگو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم پیدا کرے جنہیں وہ دوست رکھتا ہے اور وہ اسے دوست رکھتے ہیں۔ (۵:۵۴) (ص ۳۴۲)

۳۶۔ ولی اللہ

پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میں نے جبرئیل سے سنا۔ اس نے کہا خداوند عزوجل نے فرمایا ہے: جس نے میرے ولی کی اہانت کی، پس اس نے مجھ سے لڑائی کرنے کی جسارت کی اور میں کسی چیز میں تردد نہیں کرتا جیسا کہ میں بندہ مومن کی جان قبض کرنے میں تردد کرتا ہوں۔ وہ موت کو مکروہ جانتا ہے اور میں اس سے بدی ہوئے کو مکروہ جانتا ہوں۔ حالانکہ وہ (موت) اس کے لیے لابدی ہے اور ادائے فرض سے کوئی چیز زیادہ پیاری نہیں جو میرے بندے کو میرے نزدیک کرے اور ہمیشہ بندہ ادائے نوافل سے مجھ سے قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو عزیز رکھتا ہوں اور جب میں اسے پیار کرتا ہوں تو میں اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور مددگار ہو جاتا ہوں۔ (ص ۳۴۳)

۳۷۔ زکوٰۃ

اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو (۲۰:۷۳)

Marfat.com

احکام ایمان سے ایک زکوٰۃ ہے جس شخص کو توفیق ادائے زکوٰۃ ہو یعنی صاحب نصاب ہو تو اس کو زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، لیکن زکوٰۃ پورا صاحب نصاب ہونے سے ہی واجب ہوتی ہے جیسا کہ دوسو درم چاندی کہ نعمت کامل ہے جس شخص کے تحت تصرف اور ملک میں پورا سال رہے تو اس پر ان میں سے پانچ درم فی سبیل اللہ دینا واجب ہوتا ہے اور پانچ اونٹ بھی نعمت کامل ہے۔ ان کی بابت ایک بکری واجب ہوتی ہے۔ اور علی ہذا القیاس۔

۳۸۔ رتبے کی زکوٰۃ

لیکن رتبے کے لیے بھی زکوٰۃ ہوتی ہے جیسے کہ مال پر زکوٰۃ ہوتی ہے اس لیے کہ وہ بھی ایک نعمت کامل ہے۔

۳۹۔ گھر کی زکوٰۃ

ہر شے کے واسطے زکوٰۃ ہے اور گھر کی مہمانداری ہے۔ اصل میں زکوٰۃ ادائے شکر نعمت ہے جو اسی نعمت کی جنس سے ہو۔

۴۰: اعضاء کی زکوٰۃ

تندرستی خداوند جل جلالہ کے انعام عام کی ایک بڑی نعمت ہے اور ہر ایک عضو پر زکوٰۃ ہے اور وہ اس طرح پر ہے کہ اپنے سب اعضاء کو عبادت الٰہی میں مشغول رکھیں اور کھیل تماشے میں ضائع نہ کریں تا کہ زکوٰۃ نعمت کا حق ادا ہو۔

۴۱: زکوٰۃ کی مقدار

ایک ظاہری عالم نے امتحاناً شیخ شبلیؒ سے پوچھا کہ: زکوٰۃ کیسے دینا چاہیے۔ اس نے جواب دیا: جب بندے میں بخل موجود ہو اور مال جمع ہو تو دوسو درم چاندی سے پانچ درم دینا چاہیے اور بیس دینار سونے سے آدھا دینار مگر یہ تیسرے مذہب کا مسئلہ ہے ورنہ میرے مذہب میں تو کوئی چیز ملک میں رکھنی نہ چاہیے تا کہ زکوٰۃ کے شغل سے بچ رہے۔

اس نے کہا کہ اس مسئلے میں تیسرا امام کون ہے؟

اس نے جواب دیا: ابوبکر صدیقؓ۔ جو کچھ آپ کے پاس موجود تھا سب دے دیا اور رسول اللہؐ نے ان سے فرمایا: آپ نے اپنے بال بچوں کے واسطے کیا پیچھے رہنے دیا؟

انہوں نے جواب دیا: اللہ اور رسولؐ (ص ۳۶۴)

۴۲۔ سخاوت

پیغمبرؐ نے فرمایا: سخی بہشت سے قریب ہے اور دوزخ سے دور اور بخیل دوزخ سے قریب ہے اور بہشت سے دور۔ (ص ۳۶۶)

Marfat.com

نیشا پور میں ایک سوداگر تھا۔ وہ ہر روز شیخ ابو سعید کی مجلس میں حاضر ہوتا۔ ایک روز شیخ سے کسی درویش نے سوال کیا۔ اس سوداگر کے پاس ایک دینار تھا اور ایک زر کا ریزہ۔ پہلے اس کے دل میں خیال آیا کہ دینار دینا چاہیے۔ دوسری دفعہ اس کے دل میں آئی کہ ریزۂ زر دینا کافی ہے۔ پھر اس نے ریزۂ زر دے دیا۔ جب شیخ سے بات چیت شروع ہوئی تو اس نے شیخ سے پوچھا کہ: حق تعالیٰ سے تنازع کرنا جائز ہوتا ہے؟ شیخ نے کہا: تو دینار دے دو اور تو نے ریزۂ زر دیا۔ (ص ۳۶۷)

عبداللہ بن جعفر ایک گروہ کی چراگاہ میں پہنچے۔ انہوں نے ایک حبشی غلام کو دیکھا کہ بکریوں کی رکھوالی کر رہا تھا۔ ایک کتا آ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ غلام نے ایک روٹی نکالی اور کتے کے آگے ڈال دی۔ پھر دوسری پھر تیسری روٹی بھی ڈالی۔ عبداللہ اس کے پاس گیا اور پوچھا: اے غلام! تیرا ہر روز کا کھانا کتنا ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا یہ جو آپ نے دیکھا ہے۔ انہوں نے پھر پوچھا: تو نے سب کا سب کتے کو کیوں دے دیا؟ اس نے کہا: یہاں کتے نہیں رہتے اور یہ کسی دور مکان سے یہاں آیا ہے۔ مجھے یہ پسند نہ آیا کہ اس کی محنت ضائع کروں۔

عبداللہ کو اس کی بات پسند آئی۔ انہوں نے وہ غلام، بکریاں اور چراگاہ خریدی۔ غلام کو آزاد کر دیا اور کہا: یہ بکریاں اور چراگاہ میں نے تجھے بخش دی۔ غلام نے ان کو دعا دی بکریاں صدقہ کر دیں اور چراگاہ وقف کر دی۔ پھر وہاں سے چل دیا۔

ابو سہل صعلوکی کبھی کسی درویش کے ہاتھ میں صدقہ نہ دیتے اور جو بخشش کرتے کسی کو ہاتھ میں نہ دیتے۔ زمین پر رکھ چھوڑتے تا کہ محتاج خود اٹھا لے۔ لوگوں نے سبب پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ دنیا کی وہ قیمت نہیں جو کسی مسلمان کی ہے۔ ہاتھ میں دیا جائے تو میرا ہاتھ اونچا اور محتاج کا ہاتھ نیچا ہوگا۔ (ص ۳۶۹)

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ جب تک ابراہیم علیہ السلام کے پاس کوئی مہمان نہ آتا کھانا نہ کھاتے۔ ایک مرتبہ تین روز تک کوئی مہمان نہ آیا۔ اتفاقاً ایک کافر آپ کے دروازے سے گزرا۔ اس سے پوچھا کہ: تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ: کافر ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ: چلا جا تو میری مہمانی اور دعوت کے لائق نہیں۔ اسی وقت حق تعالیٰ سے ان کو عتاب ہوا کہ جس کو میں نے ستر سال پالا تو نے ایک روٹی اسے نہ دی۔ (ص ۳۶۷)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی سید عالمؐ کی خدمت مبارک میں آیا۔ حضرتؐ نے ایک دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی جو بکریوں سے پُر تھی، اسے بخش دی۔ جب وہ اپنی قوم کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ: اے قوم! مسلمان ہو جاؤ کہ محمدؐ اس قدر بخشش کرتے ہیں کہ اپنے درویش ہونے سے نہیں ڈرتے۔

اور انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک وقت حضرت سید عالمؐ کی خدمت میں اسّی ہزار درم پیش کیے گئے۔ حضرت نے ان سب کو گدی پر گرا دیا اور وہاں سے تب اٹھے جب سب بانٹ دیے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ میں نے نگاہ کی اس وقت حضرتؐ نے بھوک کے سبب پیٹ پر پتھر باندھا ہوا تھا۔ (ص ۳۶۹)

Marfat.com

۴۴۔روزہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایماندار لوگو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔(۲:۱۷۹) پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا: روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کی اچھی جزا دوں گا۔(ص ۳۷۰)

رسول اللہؐ نے فرمایا ہے: جب تو روزہ رکھے تو چاہیے کہ اپنے کان اور آنکھ اور زبان اور ہر عضو کو منہیات سے بند رکھے۔(ص ۳۷۰)

۴۵۔بھوک

خداوند عز و جل نے فرمایا: البتہ کچھ خوف بھوک اور نقصان مال، جان اور میوہ جات سے ہم ضرور تمہاری آزمائش کرتے ہیں۔(۲:۱۵۵)

پیغمبرؐ نے فرمایا: بھوکا پیٹ جناب ربانی میں ستر عابد عقلمندوں سے زیادہ پیارا ہے۔(ص ۳۷۵)

صدیقوں کی خوراک ہے، مریدوں کا راستہ اور شیطان کی قید (ص ۳۷۵)

روح عقل کی مدد کرتی ہے اور نفس خواہش کی امداد کرتا ہے۔ جس قدر طبیعتوں کی غذاؤں سے زیادہ پرورش ہوتی ہے نفس زیادہ قوی ہوتا ہے اور خواہش زیادہ بڑھتی ہے اور اعضاء میں اس کا غلبہ زیادہ پھیل جاتا ہے۔ جب غذاؤں کا طلب گار نفس کو ترک کرے، خواہش زیادہ ضعیف ہوتی ہے اور عقل کی طاقت بڑھتی ہے اور نفس کی قوت رگوں سے ٹوٹ جاتی ہے (ص ۳۷۶)

۴۶۔حج

خداوند جل جلالہ نے فرمایا: بندوں پر خالصاً بوجہ اللہ خانہ کعبہ کا حج کرنا لازم ہے، اس شخص کے لیے جو راستہ طے کرنے کی طاقت رکھتا ہو (۳:۹۷)، (۳۷۷)

۴۷۔مشاہدہ

ذوالنون کہتے ہیں کہ ایک روز میں مصر میں جارہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک جوان کو پتھر مار رہے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ اس سے کیا فائدہ ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ دیوانہ ہے۔ میں نے پوچھا کہ: اس میں جنوں کی کیا علامت ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کہتا ہے میں خدا کو دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا: اے جوان مرد! یہ تو کہتا ہے یا تیری بجائے اور لوگ کہتے ہیں؟ اس نے کہا: ہاں میں کہتا ہوں، کیونکہ اگر میں ایک لحظہ حق کو نہ دیکھوں تو حجاب میں رہتا ہوں اور اطاعت چھوڑ دیتا ہوں۔ (ص ۳۸۶)

۴۸۔آداب صحبت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ایماندار لوگو! اپنی جانوں اور گھر کے لوگوں کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ (۶:۶۶)
اور رسولؐ نے فرمایا: آداب کی خوبی ایمان سے ہے۔ میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور خوب تادیب کی۔(ص ۳۸۸)

صحیح خبروں میں ہے کہ ایک روز پیغمبرؐ مربع یعنی چوکڑی مار کے بیٹھے تھے۔ جبرئیل آئے اور کہا: اے محمدؐ! آپ بندہ ہیں۔ خداوند تعالیٰ کے حضور میں بندوں کی نشست بیٹھیں۔

حارث محاسبی نے چالیس سال دیوار سے تکیہ نہ لگایا اور دوزانو بیٹھے رہے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ ایسی تکلیف کیوں برداشت کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے شرم آتی ہے کہ مشاہدہ حضور حق میں بندوں کی طرح نہ بیٹھوں۔

ابو یزید سے لوگوں نے پوچھا: آپ نے جو حاصل کیا وہ کس چیز سے حاصل کیا؟
انہوں نے جواب دیا: حق تعالیٰ سے نیک صحبت اور باادب رہنے سے میرا ظاہر باطن یکساں رہا۔(ص ۳۹۰)

رسول کریمؐ نے فرمایا: حفظ ادب سے بہت بھائی بناؤ اور ان سے معاملہ نیک کرو کہ خداوند تعالیٰ شرم کرنے والا، زندہ اور کریم ہے۔ اپنی شرم اور کرم کے باعث بندہ کو اس کے بھائیوں کے درمیان روز قیامت عذاب نہیں دے گا (ص ۳۹۱)

مالک بن دینار نے اپنے داماد مغیرہ بن شعبہ سے کہا: جس بھائی یا دوست کی صحبت سے تجھے دین کا فائدہ نہ ہو اس جہاں میں اس کے پاس مت بیٹھ۔ اس شخص کی صحبت تم پر حرام ہے۔(ص ۳۹۱)

۴۹: خواندگی کی تعلیم

پیغمبرؐ نے فرمایا ہے: کمال پرہیز گاری ناخواندہ کو پڑھانا ہے۔(ص ۳۹۲)

۵۰۔صحبت صالح

ایک مرد کعبہ کے گرد طواف کر رہا تھا اور کہتا تھا: بار خدایا: میرے بھائیوں کو نیک کر۔ اس سے لوگوں نے پوچھا: جب تو اس مقام شریف میں پہنچا ہے اپنے واسطے کس لیے کوئی دعا کیوں نہیں کرتا اور اپنے بھائیوں کے لیے کیوں دعا کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا: میرے کئی بھائی ہیں۔ جب ان کے پاس جاؤں گا اور ان کو صلاحیت میں دیکھوں گا تو ان کی اصلاح سے صالح ہو جاؤں گا۔ اگر انہیں فساد میں پاؤں گا تو ان کے فساد سے مفسد ہو جاؤں گا۔ جب صحبت صالحان میرا وطیرہ ہو جائے گا تو میں بھی صلاحیت اختیار کروں گا، اس لیے میں اپنے بھائیوں کے لیے دعا کرتا ہوں تاکہ ان سے میرا مقصد حاصل ہو جائے۔(ص ۳۹۳)

Marfat.com

۵۱۔ صحبت مفید ہے

مرید کے لیے صحبت بہت اچھی چیز ہے۔ البتہ حق صحبت کا پاس ضروری ہے، اس لیے کہ اکیلا رہنا مرید کو ہلاک کر دیتا ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے: جو اکیلا ہوتا ہے، شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور دو آدمیوں سے بہت دور ہوتا ہے اور خداوند تعالیٰ عزوجل نے فرمایا ہے: جو تین آدمی باہم ذاتی بات (خفیہ مشورہ) کرتے ہیں، ان کے ساتھ چوتھا خداوند تعالیٰ ہوتا ہے (۵۷:۷)۔ پس مرید کے حق میں کوئی آفت تنہا رہنے کے برابر نہیں۔ (ص ۳۹۴)

۵۲۔ آداب صحبت

ایک درویش کہتا ہے کہ ایک دفعہ میں کوفہ سے مکہ کے ارادہ سے گیا۔ ابراہیم خواص مجھے راستے میں ملے اور میں ان سے صحبت کا خواہاں ہوا۔ انہوں نے جواب دیا: صحبت کے واسطے امیری اور فرمانبرداری لازم ہے۔ تو کیا چاہتا ہے کہ میں امیر بنوں یا فرمانبردار؟ درویش نے کہا: آپ امیر بنیں۔ انہوں (ابراہیم خواص) نے کہا: اب تو میرا فرمانبردار ہوا۔ اب میرے حکم سے باہر نہ جانا۔ درویش نے مان لیا۔ جب منزل پر پہنچے تو انہوں نے درویش سے کہا: بیٹھ جاؤ درویش کہتا ہے: میں نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے کنوئیں سے پانی نکالا۔ وہ ٹھنڈا تھا۔ پھر انہوں نے لکڑیاں جمع کیں اور ان سے آگ جلائی۔ مجھے گرم کیا۔ جب میں کسی کام کا ارادہ کرتا تو وہ مجھے کہتے: بیٹھ جاؤ اور شرط حکم بجالاؤ۔

جب رات ہوئی بڑی بارش ہونے لگی۔ انہوں نے دامن اٹھا کر گودڑی مجھے اڑھا دی اور صبح تک میرے سر پر کھڑے رہے۔ مجھے شرم آتی تھی لیکن شرط کے سبب کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

جب صبح ہوئی میں نے کہا: اے شیخ! آج میں امیر بنتا ہوں۔ انہوں نے کہا: اچھا۔ جب ہم منزل پر پہنچے انہوں نے پھر وہی خدمت اختیار کی۔ میں نے کہا: اب میرا حکم مانیں۔ انہوں نے کہا: نافرمان وہ ہوتا ہے جو امیر کو اپنی خدمت کے لیے کہے۔ مکہ شریفہ تک اسی طرح میرے ساتھ صحبت کی۔

جب ہم مکہ شریفہ تک پہنچے تو میں شرم کے سبب ان سے بھاگ گیا۔ منیٰ میں انہوں نے مجھے دیکھ کر کہا: اے بیٹا! تیرے لیے لازم ہے کہ درویشوں سے اس طرح صحبت کر جیسے میں نے تیرے ساتھ کی ہے (ص ۳۹۶)

۵۳۔ اقسام آداب

شیخ ابونصر سراج صاحب ”لمع“ نے اپنی کتاب بیان ادب میں اچھا فرق بتایا ہے اور کہا ہے: آدمی تین قسم کے آداب میں ہیں۔ ایک اہل دنیا کہ ان کے نزدیک ادب، فصاحت، بلاغت، حفظ علوم، بادشاہوں کے اذکار اور عرب کے شعر ہیں۔ دوسرے اہل دین کہ ان کے نزدیک ادب نفس کی ریاضت، اعضا کا مؤدب رکھنا، حدود کی نگہبانی اور شہوتوں کا ترک ہے۔ تیسرے اہل خصوصیت کہ ان کے نزدیک ادب دل کا پاک کرنا، سر کی رعایت، عہد کا پورا کرنا، وقت کی حفاظت، پراگندہ خیالات کی طرف کم دیکھنا، طلب، حضور اور مقام قرب کے وقت نیکو کرداری کا ثبوت

دینا ہے (ص ۳۹۷)

۵۴۔ نیند

مشائخ کا سفر اور اقامت میں نیند کے متعلق بہت اختلاف ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک مرید کا سونا مسلم نہیں۔ مگر جب نیند غلبہ کرے تو مضایقہ نہیں۔ کیونکہ نیند کو ہٹا نہیں سکتے۔ اس لیے پیغمبرؐ نے فرمایا ہے: نیند موت کا بھائی ہے۔ پس زندگی نعمت خداوندی ہے اور موت بلا ہے اور نعمت یقیناً بلا سے اشرف ہوتی ہے۔ (ص ۴۰۸)

۵۵۔ مہمانداری

جب کوئی درویش اقامت اختیار کرے اور سفر میں نہ ہو تو شرط ادب یہ ہے کہ جب کوئی مسافر اس کے پاس آئے تعظیم کے لیے خوش ہو کر اس کا استقبال کرے اور بڑی عزت سے پیش آئے اور اس سے ایسا سلوک کرے جیسا کہ ابراہیمؑ نے کیا اور جو موجود ہو بلا تکلف ان کے آگے حاضر کرے، جیسا کہ خداوند عزوجل نے فرمایا ہے: پھر اپنے گھر جا کر جلدی سے ایک موٹا تازہ بچھڑا کباب کیا ہوا لے آئے (۵۱:۲۶) اور نہ پوچھے کہ تو کس طرف سے آیا ہے یا کہاں رہتا ہے یا تیرا نام کیا ہے؟ کیونکہ اس میں ادب نہیں رہتا۔ پس ان کا آنا حق کی طرف سے سمجھے اور ان کا جانا بھی حق کی جانب سے جانے اور ان کا نام بندہ حق خیال کرے۔ (ص ۳۹۸)

(مہمانداری کے لیے حضرت داتا گنج بخشؒ نے بہت سی تفصیلی ہدایات دی ہیں جو ''کشف المحجوب'' کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتی ہیں)

۵۶۔ شرائط مہمانداری

اگر کوئی درویش پاؤں پھیلائے اور چند روز صحبت رکھے اور دنیاوی ضرورت ظاہر کرے تو مقیم کو اس کی ضرورت رفع کرنا ضروری ہے اور اگر یہ مسافر مدعی بلا ہمت ہو تو مقیم کو نہ چاہیے کہ کمزوری دکھائے اور اس کی محال باتوں کو بھی مان لے۔ کیونکہ یہ طریق آزادوں کا نہیں۔ اسے تو اپنی ضروریات پورا کرنے کے لیے بازار میں جانا چاہیے یا بادشاہوں کے حضور میں سپاہگری کرنے کے لیے اسے آزادوں کی صحبت سے کیا کام!

کہتے ہیں کہ جنیدؒ اپنے اصحاب کے ساتھ ریاضت کے واسطے بیٹھے تھے کہ ایک مسافر آیا۔ اس کی مہمانداری میں انہوں نے تکلف کیا اور کھانا پیش کیا۔ اس نے کہا: مجھے علاوہ بریں فلاں چیز درکار ہے۔ جنید نے کہا: تمہیں بازار میں جانا چاہیے۔ کیونکہ تو بازاری آدمی ہے۔ صاحب مسجد اور حجرہ نہیں۔ (ص ۴۰۰)

ایک دفعہ میں نے دمشق میں دو درویشوں کے ساتھ ابن المعلا کی زیارت کا قصد کیا جو رملہ کے ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ ہم نے راستے میں ایک دوسرے سے کہا: ہم میں سے ہر ایک کو اپنے جی کی مراد سوچنا چاہیے تاکہ وہ پیر ہم کو ہمارے راز باطن کی خبر دے اور ہماری مراد پوری ہو۔

میں نے کہا: مجھے اس سے اشعار مناجات ابن حسین (منصور حلاج) سننا ہے۔
دوسرے نے کہا: مجھے دعا چاہیے تا میری طحال (تاپ تلی) اچھی ہوجائے۔
تیسرے نے کہا: مجھے حلوہ صابونی چاہیے۔
جب ہم اس کے پاس پہنچے تو اس نے ایک جزو جس میں اشعار مناجات حسین لکھے ہوئے تھے، میرے آگے رکھ دی۔
پھر اس درویش کی طحال پر ہاتھ پھیرا اور وہ جاتی رہی۔
تیسرے سے کہا: حلوہ صابونی سپاہیوں کی غذا ہے اور تو نے اولیاء کا لباس پہنا ہوا ہے۔ اولیاء کا لباس سپاہیوں کے مطالبے کے ساتھ ٹھیک نہیں ہوتا۔ دونوں باتوں میں سے ایک اختیار کر۔ (ص ۴۰۰)

۵۷۔ اللہ بس ہے

ایک دفعہ میں ملک عراق میں دنیا کی طلب اور خرچ میں جسارت کر رہا تھا۔ حتیٰ کہ قرض بہت ہوگیا۔ جس کسی کو کوئی ضرورت ہوتی وہ میری طرف متوجہ ہوتا اور میں ان کی خواہشات پورا کرنے کے رنج سے تھک گیا۔ سادات میں سے ایک سید نے مجھے لکھا: بیٹا! دیکھ اپنے دل کو خدا تعالیٰ سے نہ ہٹانا، اس دل کی فراغت کے لیے جو اپنی خواہشات میں مشغول ہو۔ پس اگر کوئی دل اپنے سے زیادہ عزیز پاؤ تو جائز ہے کہ اس دل کو فراغت بہم پہنچانے میں اپنے دل کو مصروف کرو۔ لہٰذا تمہیں یہ کام چھوڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کے بندوں کو خدا کافی ہوتا ہے۔ (ص ۴۰۱)

۵۸۔ آداب سفر

جب کوئی درویش سفر اختیار کرے اور اقامت چھوڑ دے تو اس کے واسطے (۱) پہلی شرط ادب یہ ہے کہ وہ خدا کے واسطے سفر کرے نہ کہ متابعت خواہش کے لیے، چنانچہ ظاہر میں سفر اختیار کرے لیکن باطن سے نفسانی خواہش دور کرے۔ (۲) ہمیشہ باطہارت رہے اور (۳) اپنے اوراد کو ضائع نہ کرے (۴) اور چاہیے کہ اس سفر سے اس کی مراد حج کرنا ہو یا غزو یا کسی گاؤں کو دیکھنا یا کوئی فائدہ حاصل کرنا یا طلب علم یا زیارت شیخ و بزرگ و تربت۔ ورنہ وہ خطا کار ہوگا۔ (۵) سفر میں مرقع (گودڑی) مصلیٰ، رکوہ (مشکیزہ) جوتے، رسی اور عصا لازمی چیزیں ہیں تاکہ وہ گودڑی سے ستر عورت کرے، مصلے پر نماز پڑھے، کوزہ سے طہارت کرے، طہارت کے وقت جوتا پہنے تاکہ مصلے تک پہنچ سکے، عصا سے اپنے آپ کو آفتوں سے محفوظ کرے اور دیگر کام لے۔ اگر کوئی اس سے زیادہ آلات رکھے تاکہ سنت کامل ادا ہو مثلاً کنگھی، ناخن گیر، سوئی، سرمہ دانی اور مسواک تو یہ بھی جائز ہے۔ پھر اگر کوئی اس سے زیادہ آلات بنائے اور اپنی آرائش کرے پھر ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ وہ کس مقام یا حالت میں ہے۔ (ص ۴۰۲)
میں نے شیخ ابوالفارس بن غالب فارسی سے سنا کہ ایک روز میں شیخ ابوسعید بن ابوالخیر فضل اللہ بن محمد کے

Marfat.com

پاس گیا تا کہ اس کی زیارت کروں۔ میں نے دیکھا کہ وہ تخت پر چار تکیے رکھ کر سویا ہوا ہے اور پاؤں ایک دوسرے پر رکھے ہوئے ہے۔ مصری چادر اوڑھی ہوئی ہے اور میرا لباس ایسا تھا جو غلاظت سے بیل کے چمڑے کی مثل تھا۔ تن رنج سے گداز اور ریاضت سے رنگ زرد تھا۔ اس کی دنیاوی وجاہت دیکھنے سے میرے دل نے اس سے ملنے سے انکار کیا۔ میں نے اپنے جی میں کہا: میں درویش ہوں اور یہ بھی درویش ہے۔ یہ اس قدر آرام میں ہے اور میں اس قدر ریاضت میں۔ وہ اسی وقت میرے باطن سے واقف ہوا اور میرا غرور دیکھ کر مجھے کہا: اے ابو مسلم! تو نے کون سے دیوان میں دیکھا ہے کہ خود بین آدمی بھی درویش ہوتا ہے۔ جب میں نے حق کو سارے کا سارا دیکھا تو حق تعالیٰ نے مجھے تخت پر بٹھا دیا اور تو نے جب سارے کا سارا اپنے آپ کو دیکھا تو تجھے خاک نشین بنا دیا۔ ہمارے نصیب مشاہدہ ہوا اور تمہارے نصیب مجاہدہ اور یہ دونوں مقامات راہ حق کے ہیں اور حق تعالیٰ ان سے پاک (بے نیاز) ہے۔ درویش مقامات سے فانی (الگ) اور حالات کو خاطر میں نہیں لاتا۔

شیخ ابو مسلم کہتا ہے کہ (یہ سن کر) میں بیہوش ہو گیا اور دنیا اندھیر ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو میں نے توبہ کی اور اس نے میری توبہ قبول کر لی۔ پھر میں نے کہا: اے شیخ! مجھے اجازت ہے کہ چلا جاؤں کہ میں آپ کی زیارت کی تاب نہیں رکھتا۔ اس نے کہا: اے ابو مسلم! تو سچ ہے اور پھر مثل کے طور پر یہ شعر پڑھا:

آنچہ گوشم نتوانست شنیدن بہ خبر
ہمہ چشم بعیان یکسرہ دید آن بہ بصر

(جو خبر میرے کان سن نہیں سکتے تھے، وہ میری آنکھوں نے عیاں دیکھ لی) (ص ۴۰۲)

۵۹۔ آداب مسافرت

مسافر کو چاہیے ہمیشہ حافظ سنت ہو۔ جب کسی مقیم کے پاس جائے تو ادب سے اس کے پاس آئے اور سلام کہے۔ پہلے بایاں پاؤں جوتے سے نکالے کیونکہ پیغمبرؐ نے ایسا کیا ہے۔ جب جوتا پہنے تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنے۔ پھر دوسرے پاؤں میں۔ جب پاؤں دھوئے تو پہلے دایاں پاؤں دھوئے اور پھر بایاں پاؤں اور دو رکعت تحیت الوضو پڑھے۔

اور مقیموں (میزبانوں) کے حال پر اعتراض نہ کرنا چاہیے اور نہ کسی سے زیادتی کرے۔ نہ اپنے سفر کی سختیاں بیان کرے۔ لوگوں کی حکایتیں، روایات اور علم کی بات کرے اور بنام خدا ان کا بوجھ اٹھائے کیونکہ اس میں بہت برکتیں ہوتی ہیں۔ اگر مقیم یعنی میزبان یا ان کے نوکر اس سے اصرار کریں اور اسے اہل کوچہ کے سلام یا کسی کی زیارت کے واسطے چلنے کے لیے کہیں تو امکانی حد تک انکار نہ کرے لیکن دل میں دنیا داروں کی رعایت کا منکر ہونا چاہیے اور ان بھائیوں کے رویہ کو نظر انداز کر دینا چاہیے کہ اپنی غرض حاصل کرنے کی چیز کے لیے میزبانوں کو تکلیف نہ دے اور اپنی راحت اور خواہش نفسانی کے لیے انہیں امیروں اور ملازم بادشاہ کے حضور میں نہ لے جائے۔ الغرض مقیم اور مسافر کو صحبت میں رضائے الٰہی کا طالب رہنا چاہیے اور ایک دوسرے سے نیک اعتقاد رکھنا چاہیے۔ (ص ۴۰۳)

Marfat.com

۶۰۔آداب طعام

انسان کے لیے غذا ضرورت کی چیز ہے، کیونکہ ترکیب طبیعت کا قیام کھانے پانی کے سوانہیں لیکن شرط مروت یہ ہے کہ وہ اس میں زیادتی نہ کرے اور دن رات کھانے کی فکر میں مشغول نہ رہے۔

امام شافعی نے کہا ہے: جو آدمی صرف یہی سوچتا رہتا ہے کہ جو بھی ملے اس سے پیٹ بھرلوں، اس کی قدر و قیمت وہی ہوتی جو پیٹ سے خارج ہونے والی چیز کی ہے۔

لوگوں نے ابو یزید سے پوچھا: تو بھوک کی زیادہ تعریف کیوں کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا: اگر فرعون بھوکا ہوتا تو ہرگز ''میں تمہارا بڑا بلند رب ہوں'' نہ کہتا اور اگر قارون بھوکا ہوتا تو نافرمانی نہ کرتا (ص ۴۰۴)

۶۱۔بسیار خور

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو لوگ کافر ہوئے فائدہ اٹھاتے ہیں اور چار پایوں کی طرح کھاتے ہیں، ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ (۴۷: ۱۲)

۶۲۔قبول دعوت

مذہب کی رو سے اہم ترین شخصیت وہ ہے جو درویش کی دعوت کو رد نہ کرے اور دنیادار کی دعوت قبول نہ کرے۔ ان کے گھر نہ جائے اور ان سے کچھ نہ مانگے کیونکہ اس طرح اہل طریقت کی توہین ہوتی ہے، اس لیے کہ دنیادار درویش کے محرم نہیں (ص ۴۰۶)

۶۳۔فقر وغنا

جو شخص فقر کو غنا پر فاضل ہونے کا اقرار کرے وہ دنیادار نہیں ہوتا اگرچہ بادشاہ ہو۔

اور جو شخص فقر کا منکر ہو وہ دنیادار ہوتا ہے گو بیقرار ہو۔ (ص ۴۰۶)

۶۴۔آداب دعوت

جب دعوت میں حاضر ہو تو کھانے یا نہ کھانے میں تکلف نہ کرے۔

جب صاحب دعوت (میزبان) محرم ہو تو جائز ہے کہ قبیلے کو (ساتھ) لے جائے۔ اگر نامحرم ہو تو اس کے گھر میں لے جانا جائز نہیں۔ (ص ۴۰۶)

۶۵۔آداب رفتار

خداوند عزوجل نے فرمایا ہے: بندگان خدا تو زمین پر باتمکین اور (فروتنی کے ساتھ) آہستہ چلتے ہیں

(۲۵:۶۴) (ص ۴۰۶)

داؤد طائی سے روایت ہے کہ ایک روز میں نے کچھ دوا کھائی تھی۔ لوگوں نے مجھے کہا کہ کچھ دیر اس گھر کے صحن میں ٹہلو تا کہ دوا کا فائدہ ظاہر ہو۔ میں نے جواب دیا: مجھے شرم آتی ہے کہ قیامت کو خدائے تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے کہ تو نے اپنے نفس کی خواہش پوری کرنے کے لیے چند قدم کیوں اٹھائے؟ (۶۵:۳۶)۔ چنانچہ جبار جلیل نے فرمایا: ان کے قدم ان کے کسب پر گواہی دیں گے (۶۵:۳۶)

۶۶۔ پاک جوتے

اور جہاں تک ہو سکے دن کو پولے اور جوتے پلیدی سے بچائے تا کہ ان کی برکت سے رات کو خداوند تعالیٰ اس کے کپڑے بچائے (ص ۴۰۷)

۶۷۔ حساب سے معاف

رسول اللہؐ نے فرمایا ہے: تین آدمی سے قلم اٹھالیا گیا ہے یعنی وہ حساب سے معاف ہیں: ایک سویا ہوا جب تک کہ بیدار نہ ہو۔ دوسرا بچہ جب تک کہ بالغ نہ ہو اور تیسرا دیوانہ جب تک کہ ہوش میں نہ آئے (ص ۴۰۸) کیونکہ خلقت ان کی بدی سے امن میں ہوتی ہے اور وہ بے اختیار ہوجاتے ہیں۔ پھر ان کا نفس مرادوں سے بے خبر ہوتا ہے۔ کراماً کاتبین بھی لکھنے سے آرام کرتے ہیں۔ (۴۰۸)

۶۸۔ گفتگو اور خاموشی کے آداب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: گفتگو میں اس سے کون زیادہ اچھا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا (۴۱:۳۳) اور یہ بھی فرمایا: نیک قول اور بخشش اس صدقے سے اچھی ہے جس کے پیچھے ایذا ہو (۲: ۲۶۳) (ص ۴۱۲)۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: میں اپنی امت کی جس چیز سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں، وہ اس کی زبان ہے (ص ۴۱۲) یہ بھی کہا: جو چپ رہا اس نے نجات پائی۔ (ص ۴۱۲)

جنید کا قول ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کو دل سے پہچانا اس کی زبان بیان سے رہ جاتی ہے۔ (ص ۴۱۳)

۶۹۔ توکل

وحید عصر یگانہ دہر ابو حمزہ خراسانیؒ خراسان کے قدیم مشائخ سے ہوا ہے۔ انہیں ابو تراب سے ان کی صحبت حاصل تھی اور خراز کو بھی دیکھا ہے۔ توکل میں ثابت قدم تھے اور مشہور حکایتوں میں ہے کہ وہ ایک روز جاتے ہوئے کنوئیں میں گر پڑے۔ جب کنوئیں میں انہیں تین دن گزرے تو خراز کے سیاحوں کا ایک گروہ وہاں آ پہنچا۔ انہوں نے اپنے جی میں کہا کہ ان کو آواز دوں۔ پھر کہا کہ یہ بات اچھی نہیں کہ اللہ کے سوا کسی سے مدد طلب کروں اور انہیں

Marfat.com

یہ کہنا شکایت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے کنوئیں میں ڈالا ہے۔ اب تم نکالو۔ اتفاقاً وہ خود ہی نزدیک آ نکلے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ راستے میں کنواں ہے جس پر کوئی روک نہیں۔ شاید کوئی بے خبر یا باخبر اس میں گر پڑے تو اچھا نہیں۔ آؤ ناثواب کے لیے اس کنوئیں کا سرڈھانپ دیں تاکہ کوئی اس میں نہ گرے۔

ابوحمزہؒ کہتے ہیں کہ میری جان گھبرائی اور میں زندگی سے نومید ہوگیا۔ جب انہوں نے کنوئیں کو اچھی طرح ڈھانپ دیا تو واپس چلے گئے۔ میں نے جناب حق تعالیٰ میں مناجات کی اور جانا کہ اب موت سر پر آ گئی اور سب خلقت سے نومید ہوا۔ جب رات ہوئی تو میں نے کنوئیں میں سے آواز سنی۔ اچھی طرح دیکھا تو معلوم ہوا کہ کسی شخص نے کنوئیں کا ڈھکنا ہٹایا ہے اور ایک بڑا جانور اژدہا کی صورت پر دیکھا کہ اس نے دم نیچے کی۔ میں نے جانا کہ میری نجات اس میں ہے اور یہ خدا نے بھیجا ہے۔ اس کی دم سے آویزاں ہوا۔ پھر اس نے مجھے باہر کھینچا۔ ہاتف نے آواز دی: کہ اے ابا حمزہ! یہ نجات جو تجھے حاصل ہوئی ہے خوب نجات ہے کہ ایک مارنے والی چیز نے تمہیں موت سے نجات دی۔ (ص ۱۶۶)

۷۰۔ غرور

جب شبلی جنید کے پاس آئے تو جنید نے کہا: اے ابا بکر! جب تیرے سر میں غرور ہے کہ میں خلیفہ حاجب الحجاب کا بیٹا ہوں اور سامرہ کا امیر ہوں تو تجھ سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ جب تک بازار میں نکل کر ہر ایک سے سوال نہ کرے گا تمہیں اپنی قدر معلوم نہ ہوگی۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ہر روز اس کی رونق (ساکھ) کم ہوتی گئی۔ چھ سال میں اس درجہ تک پہنچا کہ سارے بازار میں پھرا اور کسی نے اسے کچھ نہ دیا۔ اس نے پھر آ کر جنید سے کہا: اے ابا بکر! اب اپنی قدر جان لے کہ خلقت تیری قدر کچھ بھی نہیں جانتی۔ ان سے دل مت لگا اور ان کی کچھ قدر نہ سمجھ۔ (ص ۴۱۷)

۷۱۔ آداب سوال

یحییٰ بن معاذ کی ایک بیٹی تھی۔ اس نے ایک روز ماں سے کہا کہ: مجھے فلاں چیز درکار ہے۔ اس کی ماں نے کہا: خداوند تعالیٰ سے مانگ۔ اس نے جواب دیا: اے میری ماں! مجھے شرم آتی ہے کہ نفسانی ضرورت خداوند تعالیٰ سے طلب کروں۔ جو کچھ آپ دیں گی وہ بھی خدا تعالیٰ کی دی ہوئی ہوگی۔ (ص ۴۱۸)

اگر تجھے مقصود مل جائے تو نہ ملنے کی بہ نسبت زیادہ خوش نہ ہونا چاہیے۔ اور عورتوں اور بازاریوں سے سوال نہ کرنا چاہیے۔ اور اپنا راز صرف اس شخص پر ظاہر کرنا چاہیے جس کا مال حلال ہونے پر اعتبار ہو۔ (ص ۴۱۸)

اور جہاں تک ہو سکے اپنا حصہ سمجھ کر سوال نہ کرے۔ اور اس سے (صرف) شان خانہ داری مطلوب نہ ہو (یعنی اشد ضرورت ہو) اور اس چیز کو اپنی ملک مقرر نہ کرے اور وقت چلانے کا ارادہ رکھے۔ کل کا خیال دل میں نہ لائے تاکہ ہمیشہ کی ہلاکت میں گرفتار نہ ہو۔ اور اسم خداوند تعالیٰ کو اپنی گدائی کے پھندے میں نہ باندھے۔ یعنی خدا کے نام پر کچھ طلب نہ کرے اور اپنی پارسائی نہ جتلائے تاکہ پارسائی کے خیال سے کچھ زیادہ دیں۔ (ص ۴۱۹)

Marfat.com

رسول اللہؐ نے فرمایا: آپس میں نکاح کراؤ اور زیادہ ہو جاؤ۔
میں روز قیامت یقیناً تم پر دیگر امتوں کے مقابلے میں فخر کروں گا۔ خواہ خام بچہ ہی ہو۔ (ص ۴۱۱)
موزوں بیوی: بہت برکت والی (بیوی) وہی ہے جس کی تکلیف کم ہو، خوبصورت ہو اور مہر کم ہو۔ (ص ۴۱۹)

۷۲۔ نکاح مباح، فرض اور سنت

اور یہ صحیح خبروں میں سے ہے کہ نکاح ہر مومن مرد اور عورت پر مباح ہے مگر جو حرام سے پرہیز نہ کر سکے اس پر فرض ہے اور جو حق عیال داری بجالا سکے، اس کے لیے سنت (ص ۴۱۹)

۷۳۔ نکاح سے بے نیاز

احمد سرخسی سے، جو ماوراء النہر میں میرا رفیق تھا، صاحب شان لوگوں نے پوچھا: تجھے نکاح کرنے کی ضرورت ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ انہوں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: اس لیے کہ میں اپنے حال میں یا تو اپنے آپ سے غائب ہوتا ہوں یا حاضر۔ جب غائب ہوتا ہوں تو دونوں جہان سے بے خبر ہو جاتا ہوں۔ جب حاضر ہوتا ہوں تو میں اپنے نفس کو ایسا قابو میں رکھتا ہوں کہ جب اسے روٹی ملے تو ایسے جانتا ہے کہ مجھے ہزار حور ملی ہے۔ پس دل کا شغل بڑا کام ہے۔ جس چیز سے بھی ہو بہتر ہے۔ (ص ۴۲۴)

۷۴۔ قرآن مجید کا سننا

خداوند عزوجل نے فرمایا ہے: جب قرآن شریف پڑھا جائے تو اسے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۷: ۲۰۳) (ص ۴۵۵)

اور یہ بھی فرمایا: میرے بندوں کو خوشخبری دو جو قول جی لگا کر سنتے ہیں اور اس میں سے اچھی بات کی تابعداری کرتے ہیں۔ (۳۹: ۱۷۔۱۸)

یعنی قرآن مجید تعظیم سے سنتے ہیں اور اس کو امر مانتے ہیں۔
یہ بھی کہا: کلام حق سننے والوں کے دل میں خوف ہوتا ہے۔ (۸: ۲)

اور پھر فرمایا: ایسے بھی ہیں جو تمہاری طرف کان لگا کے رہتے ہیں اور ہم نے خود ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور ان کے کان بہرے کر دیئے ہیں۔ (۶: ۲۵)

اور یہ بھی ارشاد ہوا: ایسے مت ہو جیسا اس گروہ نے کہا: ہم نے سنا ہے اور انہوں نے دل سے نہیں سنا (۸: ۲۱) (ص ۴۵۵)

پیغمبرؐ نے فرمایا: مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اس واسطے تھا کہ سورت ہود کے آخر

میں یہ آیت تھی: اسی طرح ثابت قدم رہو جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے (۱۱:۱۱۲)۔ اور آدمی امور حقیقت میں حق پر قائم ہونے سے عاجز ہے اس لیے بدون توفیق حق کچھ نہیں کر سکتا۔ (ص ۴۵۶)۔

۷۵۔ اشعار کا سننا

شعر کا سننا مباح ہے اور پیغمبرؐ نے شعر سنے ہیں (ص ۴۵۸) صحابہ نے کہا ہے اور سنا ہے کہ رسول اللہؐ سے روایت ہے کہ شعر حکمت ہوتے ہیں اور انہوں نے یہ بھی فرمایا: حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ اسے جہاں بھی ملے اس پر اس کا حق ہے۔ آپؐ نے فرمایا: عربوں نے جو سب سے زیادہ سچا کلمہ کہا ہے وہ لبید کا شعر ہے:

آگاہ ہو کہ ماسوائے اللہ ہر شے باطن ہے

اور ہر نعمت بالضرور دور ہونے والی ہے

(ص ۴۵۸)

عمر بن شرید اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ مجھے رسول اللہؐ نے امیہ بن ابی الصلت کے شعر سنانے کے لیے کہا تو میں نے ایک سو قافیہ پڑھا۔ جب ایک بیت پڑھ جاتا تو فرماتے: پڑھتے جاؤ۔ پھر رسول اللہؐ نے فرمایا: قریب ہے کہ وہ (امیہ) اپنے شعر میں اسلام لائے گا۔ (ص ۴۵۸)

عمرؓ نے کہا ہے کہ لوگوں کو اس میں غلطیاں پڑی ہیں۔ ایک گروہ سب شعروں کا سننا حرام قرار دیتا ہے اور دن رات مسلمانوں کی غیبت کرتا ہے۔ دوسرا گروہ سب قسم کے اشعار کو حلال کہتا ہے اور دن رات غزل اور چہرہ وزلف وخال معشوق کی صفت سنتا ہے اور ہر سلسلے میں ہر ایک اپنے حق میں دلائل دیتا ہے لیکن مشائخ کا یہ طریق ہے کہ پیغمبرؐ سے شعر کے متعلق پوچھا گیا تو حضرتؐ نے فرمایا: یہ کلام ہے جس میں سے اچھا اچھا ہے اور برا برا۔

۷۶۔ لحن اور آواز

پیغمبرؐ نے فرمایا: اپنی آوازوں کو قرآن مجید پڑھنے کے لیے سوہنا کرو۔ (ص ۴۵۹)

ابراہیم خواصؒ نے کہا ہے کہ ایک وقت میں عرب کے قبائل سے ایک قبیلہ میں پہنچا اور ایک امیر کے مہمان خانے میں اترا۔ میں نے ایک حبشی دیکھا کہ زنجیروں سے بندھا ہوا ہے اور دھوپ میں اس پر ایک خیمہ ڈالا ہوا ہے۔ میرے دل میں اس پر رحم آیا اور میں نے اس کی سفارش کا ارادہ کیا۔ جب میرے پاس کھانا لائے تو امیر مہمانوں کی تعظیم کے لیے آیا تا کہ مجھ سے مل کر کھانا کھائے۔ جب اس نے کھانے کا ارادہ کیا تو میں نے انکار کر دیا۔

عرب کو کوئی چیز ایسی سخت معلوم نہیں ہوتی جیسا کہ مہمان کا انکار۔ یعنی اگر کوئی ان کا کھانا کھانے سے انکار کرے تو بہت برا جانتے ہیں۔

اس نے کہا: اے جوان! تو میرا کھانا کھانے سے کیوں انکار کرتا ہے؟

میں نے کہا: مجھے تیری میزبانی سے بڑی توقعات ہیں۔

Marfat.com

اس نے جواب دیا: سب املاک (مال ومنال) تیرے واسطے ہیں۔ تو میرا کھانا کھا۔

میں نے کہا: مجھے تیری املاک کی ضرورت نہیں۔ یہ غلام مجھے دے دے۔

اس نے کہا: پہلے تو اس کا گناہ پوچھ۔ پھر اسے قید سے آزاد کردے کیونکہ میری سب املاک پر تیرا اختیار ہے۔ جب تک میری ضیافت میں ہے۔

میں نے پوچھا: بتا اس کا کیا جرم ہے؟

اس نے کہا: یہ غلام میرا ہے اور اس کی آواز بڑی اچھی ہے۔ میں نے اسے چند اونٹ دیئے تا کہ کھیتوں میں جا کر دانہ لادے۔ اس نے اونٹ پر دو اونٹوں کا بوجھ لاد دیا۔ یہ راستہ میں حدی خوانی (ساربانوں کا گانا) کرتا رہا اور اونٹ جلدی جلدی دوڑتے رہے اور تھوڑی مدت میں یہاں پہنچ گئے اور جتنا بوجھ میں نے کہا تھا اس سے دگنا اٹھالائے۔ جب اونٹوں کا بوجھ اتارا تو وہ سب اونٹ ایک ایک دو دو کر کے مر گئے۔

ابراہیمؒ نے کہا کہ مجھے یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی ہے۔ میں نے کہا: اے امیر! اتنا بڑا آدمی ہو کر تجھے سچ کے سوا اور کچھ نہ کہنا چاہیے لیکن مجھے اس قول کی دلیل چاہیے۔

ہم یہ بات ہی کر رہے تھے کہ چند اونٹ گھاٹ پر آئے تا کہ پانی پئیں۔ امیر نے پوچھا: کتنے روز سے انہوں نے پانی نہیں پیا؟ انہوں نے کہا کہ تین روز سے۔ اس غلام سے کہا کہ آواز لگا۔ (یعنی گانا گا) اونٹ اس کی آواز میں اتنے مشغول ہوئے کہ کسی نے پانی کی طرف منہ نہ کیا۔ اچانک بھاگے اور جنگل میں پراگندہ ہو گئے۔ اس نے غلام کو کھولا اور مجھے بخش دیا۔

۷۷۔ جانور اور سرود

بعض مشاہدات میں نے بھی کیے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ بلوچ اور گدھے والے راہ میں سرود کرتے ہیں اور اونٹ اور گدھے خوش ہوتے ہیں۔

خراسان اور عراق میں عادت ہے کہ شکاری رات کو تھال بجاتے ہیں اور ہرن وہ آواز سن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تب وہ انہیں پکڑ لیتے ہیں اور مشہور ہے کہ ہندوستان میں ایک گروہ باہر (جنگل میں) جاتا ہے اور سرود کرتا ہے یہ آواز بدل لیتے ہیں۔ ہرن جب سنتے ہیں تو ان کی طرف آ کر ان کے گرد گھومنے لگتے ہیں۔ یہ اور سرود کرتے ہیں تو وہ (ہرن) آنکھیں بند کر کے سو جاتے ہیں۔ تب یہ انہیں پکڑ لیتے ہیں۔ (ص ۴۶۱)

۷۸۔ بچے اور سرود

چھوٹے بچوں کا دستور ہے کہ جب وہ جھولے میں روتے ہیں اور کوئی آدمی گانا گائے تو یہ چپ ہو جاتے ہیں اور گانا سنتے ہیں۔

Marfat.com

طبیب کہتے ہیں کہ (گانا سننے والے) جس بچے کی ٹھیک ہے وہ بڑا ہو کر وہ دانا انسان بنتا ہے۔
عجم کا ایک بادشاہ فوت ہوا تو اس نے دو برس کا بیٹا اپنے پیچھے چھوڑا۔ وزیروں نے کہا: اسے تخت نشین کرنا چاہیے۔
بوزرجمہر نے ایک تدبیر کی کہ بہتر ہے اس طرح آزمانا چاہیے کہ آیا اس کے حواس ایسے درست ہیں یا نہیں تا کہ اس سے انتظام ملک کی امید ہو سکے۔ لوگوں نے تدبیر پوچھی تو اس نے کہا: کوئی اس کے سر پر گیت پائے۔ لڑکا خوشی سے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ بوزرجمہر نے کہا: اس سے انتظام ملک کی امید ہے۔ (ص ۴۶۱)

حواشی

۱۔ بعض نسخوں میں دادا کا نام ابی علی درج ہے۔ دیکھیے نسخہ ژوکوفسکی، ص ا

۲۔ ص ۶ (نسخہ سلیانوف)

۳۔ تحقیقات چشتی، مولوی نور احمد چشتی، ص ۱۸۷۔۱۸۸

۴۔ سفینۃ الاولیاء، محمد داراشکوہ، ص ۱۶۴

۵۔ قاموس جغرافیائی افغانستان، محمد حکیم ناہض، ۳، ص ۷۸۔۸۳، حدود العالم، ۳۰، ۴۵، ۶۴

۶۔ مجمع الفرس سروری، ۳۰

۷۔ لغت فرس اسدی، ۳۰، ۶۰، ۶۱، ۳۵۰

۸۔ کشف المحجوب (سلیانوف) ۶

۹۔ تحقیقات نوین راجع بہ کشف المحجوب متن ژوکوفسکی، بیست و یک

۱۰۔ تذکرۂ شعرائے پنجاب (سرہنگ) خواجہ عبدالرشید، ص ۲۵۰

۱۱۔ انہیں شقانی (صوفیائے پنجاب ۴۳) اور اشقانی دونوں طرح سے لکھا جا رہا ہے۔ ژوکوفسکی نے متن ''کشف المحجوب'' میں شقانی (ص ۱۸۹، ۵۱۳) اور اشقانی (ص ۲۱۰، ۲۵۹) دونوں طرح درج کیا ہے۔ مولانا جامی نے ''نفحات الانس'' (ص ۳۵۵) میں شقانی لکھا ہے۔ شقان از روستاہای شہرستان نیشاپور است (کشف بہ تصحیح علی فویم، حاشیہ ص ۴)
شقان: شہری وسط است وبیست پارہ دیہ از توابع آنست۔ واز اقلیم چہارم است۔ ومحصول از برنوی دارد (نزہت القلوب۔ حمد اللہ مستوفی قزوینی، ص ۱۸۶)

Shaqqan. A medium sized town, with twenty villages of its dependencies. It is of the Fourth Clime, and has crops of all kinds. (Ge Le Strange, Nuzhat-al-Qulub, 149).

۱۲۔ کشف المحجوب (طہران ایڈیشن)، ۱۸۹

۱۳۔ کشف المحجوب، ص ۲۹۹

۱۴۔ کشف (طہران) ۵۱۳۔ اصل آیت یوں ہے: و ضرب اللہ مثلاً رجلین احدھما ابکم لا یقدر علی شیء...... (۱۶:۷۷)

۱۵۔ کشف (طہران) ۵،۷

۱۶۔ روزی شیخ ابوسعید ابوالخیر در نیشاپور در خانقاہ خود نشستہ بود کہ سید اجل کہ از اکابر سادات نیشاپور بود بسلام شیخ آمدہ بود و در پہلوی شیخ نشستہ بود شیخ ابوالعباس شقانی در آمد۔ شیخ اورا بالائے سید اجل نشانید۔ سید اجل از آن رنجہ شد وداوری در اندرون

Marfat.com

وی پدید آمد۔ شیخ روی بسید اجل کرد و گفت : شما را کہ دوست میدارند برای مصطفیٰ ﷺ دوست دارند و ایشان را کہ دوست دارند برای خدای عزوجل دوست دارند۔ (نفحات الانس جامی ۵۲۷)

۱۷۔ ابوجعفر صیدلانی' ابوالحسن صائغ دینوری کے استاد اور بغداد کے رہنے والے تھے۔ حضرت جنید ابوالعباس کے ہمعصر اور مکہ میں مجاور تھے۔ انہوں نے مصر میں وفات پائی۔ ان کی قبر زقاق مصری کے پہلو میں ہے۔ (نفحات الانس جامی ۱۸۶)

۱۸۔ کئی رسالوں اور تفسیر "لطائف الاشارات" کے مصنف ہیں۔ حضرت ابوعلی دقاق کے مرید تھے اور ابوعلی فارمدی کے استاد۔ ربیع الآخر سنہ ۴۶۵ ہجری میں وفات پائی۔ (نفحات الانس جامی ۳۵۵)

۱۹۔ بے عدیل عالم تھے۔ تین واسطوں سے آپ کا سلسلہ سید الطائفہ حضرت جنید سے جا ملتا ہے۔ بعض مشکل مسائل کے لیے سید ہجویریؒ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۲۰۔ نفحات الانس جامی' ۳۴۸

۲۱۔ مزید معلومات کے لیے دیکھیے نفحات الانس جامی' ۳۶۰۔۳۵۹

۲۲۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر مزید معلومات کے لیے دیکھیے : کشف المحجوب اور نفحات الانس جامی' ۳۳۹:۳۴۴

۲۳۔ نفحات الانس جامی' ۱۳۱

۲۴۔ قرآن حکیم' ۲:۱۵

۲۵۔ مزید معلومات کے لیے دیکھیے نفحات الانس جامی' ۳۶۰

۲۶۔ مزید معلومات کے لیے دیکھیے نفحات الانس جامی، ص ۳۵۹۔۳۶۰

۲۷۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر، مزید معلومات کے لیے دیکھیے، کشف المحجوب اور نفحات الانس جامی، ص ۳۳۹۔۳۴۴

۲۸۔ محمد بن علی الحکیم الترمذی، مزید معلومات کے لیے دیکھیے، نفحات الانس جامی، ۱۳۱

۲۹۔ قرآن حکیم ۲: ۱۵

۳۰۔ شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن السرخسیؒ ابونصر سراج کے مرید اور شیخ ابوسعید ابوالخیر کے مرشد تھے۔ سرخس میں ہی مدفون ہیں۔ (نفحات الانس جامی' ۳۲۰)

۳۱۔ یہ سمرقند کے مشرق میں واقع جبل البتم کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو : G. Le Strange, The Lands of the Eastern Caliphate, 467.

۳۲۔ Dugin, L. S., "Kashf-al-Mahjub" in: Siddiqui's Compilation, p. 103,

۳۳۔ دیکھیے : Baqir, M.: Lahore- Past and Present, p. 13.

۳۴۔ فوائد الفواد۔ امیر حسن علاء سجزی' ۳۵

۳۵۔ تحقیقات چشتی' نور احمد چشتی' ۲۱۵' تاریخ لاہور کنہیا لال' خزینۃ الاصفیاء (۶۰۰ ھ) مفتی غلام سرور لاہوری' ۲:۲۵۰

۳۶۔ سفینۃ الاولیاء۔ دارا شکوہ' ۹۲

۳۷۔ عبرت نامہ (جلد اول) مفتی علی الدین لاہوری' ص ۱۲۷

۳۸۔ نفحات الانس جامی' ۳۴۷

۳۹۔ پانزدہ' حاشیہ متن و نسخہ علی قویم' ۳۱۸

۴۰۔ کشف' نسخہ سلیانوف' ۴۲۷۔ "عصمت خودرا"، نسخہ علی قویم ۳۱۸

۴۱۔ محمد الدین فوق' داتا گنج بخش کی مفصل سوانح عمری' ۴۹

Marfat.com

۴۲۔ Baqir, Muhammad: Lahore, Past and Present, 434.

۴۳۔ شجرۂ نسب سجادہ نشینان صاحبزادہ شیخ محمد سلیم حماد

۴۴۔ رسالہء ابدالیہ' مولانا یعقوب چرخی' ص ۱۱۔۸

۴۵۔ خزینۃ الاصفیا' مفتی غلام سرور لاہوری' ۲: ۲۳۳

۴۶۔ تحقیقات چشتی' نور احمد چشتی لاہوری' ۲: ۱۰۸۱۔۱۰۸۲

۴۷۔ سفینۃ الاولیا۔ داراشکوہ' ص ۱۶۵

۴۸۔ کشف (طہران) ۱۹۸

۴۹۔ (ترجمہ کشف' سلیانوف' ص ۲)

۵۰۔ کشف (سلیانوف)' ۸

۵۱۔ پہلا عدد سورۂ قرآن مجید اور دوسرا عدد آیت کا ہے۔

۵۲۔ یہ کشف کے اردو ترجمہ ۱۳۲۲ھ کے حوالے ہیں۔

☆......☆......☆

Marfat.com

سید محمد متین ہاشمی

سوانح حیات حضرت سید علی ہجویریؒ

نام ونسب

اسم گرامی بہ الفاظ حضرت گنج بخشؒ

''الشیخ ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی ثم الہجویری'' (رحمتہ اللہ علیہ) تھا۔[1]

چونکہ جلاب اور ہجویر مضافات غزنی میں واقع دو محلے ہیں اس لیے ژوکوفسکی نے اپنے مقدمہ میں ''ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الہجویری الغزنوی'' (رحمتہ اللہ علیہ) لکھا ہے۔[2]

نکلسن (Nicholson) نے

علی بن عثمان الجلابی الغزنوی الہجویری۔[3] (رحمتہ اللہ علیہ) لکھا ہے۔

''خزینتہ الاصفیاء'' میں ہے:

شیخ علی مخدوم الجلابی الہجویری الغزنوی الاہوری قدس سرہ و نام پدر وے عثمان بن ابی علی الجلابی الغزنوی۔[4]

مولانا نورالدین جامی نے اسم گرامی

''علی بن عثمان ابن علی الجلابی الغزنوی: (رحمتہ اللہ علیہ)'' لکھا ہے۔[5]

داراشکوہ نے

''کنیت ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الغزنوی'' لکھا ہے۔[6]

مولوی فقیر محمد جہلمی نے ''حدائق الحنفیہ'' میں

''علی مخدوم جلابی غزنوی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری'' لکھا ہے۔''[7]

مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

''پورا اسم گرامی علی بن عثمان بن علی الغزنوی الجلابی اللاہوری ہے۔ ہندوستان میں شہرت عام عرف داتا گنج بخش سے ہے۔''[8]

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت داتا گنج بخش کا نام علی اور ان کے والد ماجد کا نام عثمان تھا۔ان کا پورا نسب اور ان کی نسبت یہ ہے: علی بن عثمان بن علی الجلابی ثم الہجویری الغزنوی ان کی کنیت ابوالحسن ہے۔''[9]

گذشتہ حوالوں سے یہ بات تقریباً ثابت ہوگئی ہے کہ تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کا اسم گرامی مع کنیت۔

ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویریؒ ہے۔البتہ حضرت کے جدامجد کے نام میں قدرے اختلاف ہے۔بعض نے ''علی'' اور بعض نے ''ابی علی'' لکھا ہے۔ تاہم یہ اختلاف لائق اعتبار نہیں ہے اس لیے کہ ممکن ہے کہ انہیں ''علی'' اور کبھی ''ابوعلی'' کے نام سے پکارا جاتا رہا ہو۔

سلسلہ نسب

سید ہجویریؒ حسنی سید ہیں۔

صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' نے آپ کا سلسلہ نسب یہ لکھا ہے۔

حضرت مخدوم حضرت علی بن عثمان بن سید علی بن عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسین اصغر بن سید زید شہید بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بن علی کرم اللہ وجہہ۔[10]

ماہر انساب پیر غلام دستگیر نامی مرحوم نے اسی شجرہ کو ''بزرگان لاہور'' نامی کتاب میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ پانچویں بزرگ کا نام عبداللہ ہے اور قوسین میں ''شجاع شاہ'' لکھا ہے اور درج ذیل نوٹ دیا ہے۔

''مفتی غلام سرور نے زید کے ساتھ جو لفظ شہید لکھا ہے وہ ٹھیک نہیں کیونکہ جو زید شہید مشہور ہیں، وہ امام زین العابدین بن امام حسین بن علی کے فرزند تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)[11]

اس اعتبار سے سلسلہ نسب یہ ہوگا۔

Marfat.com

حضرت مخدوم علی بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمن بن سید عبداللہ (شجاع شاہ) بن سید حسن علی بن حسن بن سید زید بن امام حسن رضی اللہ عنہم اجمعین۔ چونکہ نامیؔ صاحب ماہر انساب مانے جاتے ہیں اس لیے یہی شجرہ قابل ترجیح ہے۔

سال ولادت

قدیم تذکرے جو ہمارے سامنے موجود ہیں، ان میں سے کسی میں بھی حضرت ہجویری کا سال ولادت ٹھیک ٹھیک مرقوم نہیں ہے اس لیے اکثر محققین نے اندازے سے سال ولادت متعین کیا ہے جو ظاہر ہے کہ حتمی نہیں کہا جاسکتا۔

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع لکھتے ہیں۔

''مفصل حالات پرانے تذکرہ نویسوں میں سے کسی نے نہیں لکھے ہیں یہاں تک کہ ان کی تاریخ ولادت و وفات اور ان کے ورود لاہور کی تاریخ بھی قطعی طور پر معلوم نہیں۔ اندازے سے کہا جاتا ہے کہ ان کی ولادت پانچویں صدی ہجری کے شروع میں ہوئی ہوگی۔''[۱۲]

''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' میں ہے۔

''تاریخ ولادت کسی ماخذ میں نہیں ملتی۔ قرائن نواح ۴۰۰ھ/۱۰۱۰ء کے حق میں ہیں۔ یہ سلطان محمود غزنوی کا عہد (۳۸۸ھ تا ۴۲۱ھ) اور دارالسلطنت غزنہ کے عروج کا زمانہ ہے۔''[۱۳]

نکلسن نے لکھا ہے:

"His birth may be placed in the last decade of the Tenth or the first decade of the Eleventh Century of our era and he must have been in the prime of youth when Sultan Mahmood died in 421 A.H.(1030 A.D".)[۱۴]

ترجمہ: ان کی پیدائش دسویں صدی کے آخری عشرے یا گیارہویں صدی کے ابتدائی عشرے میں متعین کی جاسکتی ہے۔ جب محمود غزنوی کی وفات ۴۲۱ھ میں ہوئی تو حضرت ہجویری عنفوان شباب کے دور میں رہے ہوں گے۔

سید صباح الدین عبدالرحمن نے بھی اسی سے ملتی جلتی بات لکھی ہے:

''ابوالحسن کنیت اور علی نام ہے۔ ہجویر اور جلاب غزنی کے دو گاؤں ہیں۔ شروع میں ان کا قیام

Marfat.com

یہیں رہا، اسی لئے ہجویری اور جلابی کہلائے۔ آخر زندگی میں لاہور آ کر رہے، اسی لیے لاہوری بھی مشہور ہوئے۔ سال ولادت ۴۰۰ھ بتایا جاتا ہے۔"[۱۵]

مذکورہ بیانات کی روشنی میں اندازاً آپ کا زمانہ ولادت ۳۸۱ھ تا ۴۰۱ھ کے درمیان میں متعین کیا جاسکتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جائے ولادت ووطن

حضرت سید ہجویرؒ افغانستان کے شہر غزنہ (غزنی) کے رہنے والے تھے۔ یہ نسبت انہوں نے خود تحریر فرمائی ہے۔ "الجلابی الغزنوی الہجویری۔"

داراشکوہ نے "سفینۃ الاولیاء" میں لکھا ہے:

"مذہباً آپ حنفی تھے۔ غزنیں کے رہنے والے۔ جلاب اور ہجویر دو محلوں کے نام ہیں۔ ایک محلے سے آپ دوسرے محلے میں منتقل ہوگئے تھے۔ آپ کی والدہ کی قبر غزنی میں پیر علی ہجویری کے ماموں تاج الاولیاء کے مزار کے متصل واقع ہے۔ آپ کا تمام خاندان زہد وتقویٰ کے لیے مشہور تھا۔"[۱۶]

آگے چل کر لکھتا ہے:

"یہ عاجز بھی آپ کے روضہ اور آپ کے والدین اور ماموں تاج الاولیاء کے مزارات پر حاضری دے آیا ہے۔"[۱۷]

ڈاکٹر محمد شفیع لکھتے ہیں:

"زبیر صاحب کمشنر بہاول پور نے 26 اکتوبر ۱۹۵۹ء کو مجھے بتایا کہ یہ قبریں اب بھی موجود ہیں۔ وہ غزنیں گئے تھے اور انہوں نے ان قبروں کو موجود پایا۔"[۱۸]

توطن

حکیم سید امین الدین احمد نے اگرچہ یہ بات بغیر کسی سند کے لکھی ہے کہ "شاہان غزنیہ کے زمانے میں حضرت زید کے خاندان کے ایک بزرگ جن کا نام سید عثمان بن علی جلابی تھا، غزنی تشریف لائے اور وہاں سکونت اختیار کرلی۔"[۱۹]

تاہم اس دور کے حالات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ سادات بنی ہاشم پر جس طرح بنوامیہ نے

Marfat.com

مظالم کے پہاڑ توڑے تھے، بنو عباسیہ نے بھی انہیں نہیں بخشا۔ ان حالات سے تنگ آکر سادات نے ترک وطن کیا اور شاید اسی میں تکوینی مصلحت پوشیدہ تھی کیونکہ اگر اس مقدس خانوادے کے افراد کسی خاص علاقے تک محدود رہ گئے ہوتے تو توحید و سنت کا جو نور چار دانگ عالم میں پھیلا، کیسے پھیلتا؟ وطن کی محبت تو جزو ایمان ہے۔ اگر سادات بنی ہاشم کو وطن میں مطلوبہ سہولتیں میسر آجاتیں تو وہ مسافرت کی زندگی کیوں اختیار کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ دنیا کے دوسرے ممالک کے غیر مسلم صرف مسلمانوں کی تلوار کی چمک دمک دیکھتے اور اسلام محض ایک سیاسی پروگرام بن کر رہ جاتا، حالانکہ اسلام صرف ملک گیری و ملک رانی کا نام نہیں ہے۔ قرآن کریم میں قتال کا جو حکم دیا گیا ہے، اس میں نہایت واضح الفاظ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ''جہاد بالسیف'' کا مقصود فتنہ پیدا کرنا نہیں بلکہ فتنے کا استیصال ہے۔

وقاتلو هم حتیٰ لاتكون فتنة ويكون الدين الله [۲۰]

ترجمہ: اور ان سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ فتنہ نابود ہو جائے اور لوگ اللہ کے دین پر آجائیں۔

اسلامی تعلیمات کے صحیح امین و حامل وہ بادشاہ نہیں ہیں جن کا مقصود ملکوں کو زیر نگیں کرنا اور انسانوں کی گردنوں پر اپنی غلامی کا جوا رکھنا ہوتا ہے بلکہ وہ ہیں جن کا عالم یہ تھا۔

قباؤں میں پیوند پتھر شکم پر
قدم کے تلے تاج کسریٰ و قیصر

اس طرح کے لوگ اگر کبھی تخت اقتدار پر بھی متمکن ہوئے تو علیؓ المرتضیٰ، عمر فاروقؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ بن کر اسلامی تاریخ کے صفحات پر جگمگائے۔ سادات بنی ہاشم آغوش نبوت کے پروردہ تھے کہ جبرئیل امین ان کے دروازے پر اترا کرتے تھے۔ قرآن ان کے گھر میں نازل ہوتا تھا۔ قرآن کی تفسیر و تعبیر وہ براہ راست لسان نبوت سے سنا کرتے تھے۔ یہ خانوادہ مہر و وفا اور صبر و عزم والوں کا خانوادہ تھا۔ ان کا ہر فرد سنت کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ رحمت و شفقت، محبت و رواداری کا پیکر، نبوت کا مزاج آشنا، عالم روحانیت کا تاجور۔ یہی وہ لوگ تھے جو زبان سے اسلام کی تبلیغ کم اور اپنے عمل سے زیادہ کرتے تھے۔ ان کے دل میں دین کا جو درد تھا، وہ دوسروں کو کہاں سے حاصل ہو سکتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کا یہ غالباً تکوینی فیصلہ ہوا کہ انہیں شدائد میں مبتلا کیا جائے تاکہ یہ لوگ وطن اور خان و مان سے زیادہ وابستہ نہ رہ سکیں۔ ساتھ ہی ان کے دل میں اعلاء الحق اور تبلیغ دین کا داعیہ پیدا کیا گیا اور یہ لوگ ترک وطن کر کے دنیا کے دور دراز علاقوں میں پہنچے۔

اس تمہید کے بعد یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ مملکت میں افراتفری اور عباسی حکمرانوں کے جور و ظلم سے تنگ آکر حضرت ہجویریؒ کا خاندان اپنے وطن سے نکلا اور غزنی میں آکر آباد ہو گیا۔

ناصرالدین سبکتگین غزنی کا حکمران الپتگین کے غلاموں میں سے تھا۔ مولانا سید عبدالحی اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

Marfat.com

الملک المؤید المنصور ناصر الدین سبکتگین الغازی ملک غزنہ کان من غلمان الپتگین [۲۱]

ترجمہ۔غزنی کا بادشاہ سبکتگین الپتگین کے غلاموں میں سے تھا۔

آگے لکھتے ہیں کہ الپتگین کی وفات کے بعد سب نے سبکتگین کو بالاتفاق اپنا حکمران تسلیم کرلیا لیکن کیوں؟

لما عرفوہ من عقلہ ودینہ ،ومروتہ ،وکمال خلال الخیر فیہ [۲۲]

ترجمہ: کیونکہ وہ لوگ اس کی ذہانت، دیانتداری، شرافت اور فضائل اخلاقی سے واقف تھے۔

سبکتگین نے جنگ وجدال کے باوجود غزنی کو حتی الوسع امن کا گہوارہ رکھا۔
سبکتگین کی وفات ۹۹۷ء میں ہوئی۔ اس کے بعد اس کی جگہ اس کا بیٹا محمود تخت نشین ہوا جس کی شمشیر خاراشگاف نے بتکدہ ہند میں زلزلہ ڈال دیا۔تاریخ اسلام کا عظیم فاتح محمود غزنوی صرف تلوار ہی کا دھنی نہیں تھا بلکہ اسے معارف پناہ، علم دوست اور بارگاہ اولیاء کے مؤدب خادم کی حیثیت سے بھی جانا جاتا ہے۔خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ کے دربار میں اس کی حاضری اور اظہار عقیدت اس کی ان صفات پر شاہد عدل ہیں۔اس کے بارے میں شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں۔

"سلطان محمود نے نہ صرف فتح ممالک اور جمع اموال میں کمال حاصل کیا بلکہ علم وادب کی بھی سرپرستی کی اور اپنے دربار میں زمانہ بھر کے منتخب شعراء اور علماء وفضلاء جمع کردیئے۔" [۲۳]

Marfat.com

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت ہجویریؒ کے والد ماجد یا ان کے ماموں حضرت تاج الاولیاء اس کے دربار سے وابستہ تھے کیونکہ اس دور کے صوفیہ کرام شاہی درباروں سے عموماً دور ہی رہتے تھے البتہ یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ محمود غزنوی کے دور میں شہر غزنی کا ماحول علمی اور روحانی تھا اسی لیے جب مخدوم سید ہجویرؒ کے والد ماجد نے غزنی میں قیام کا فیصلہ کیا تو انہوں نے حالات کو سازگار ہی دیکھ کر فیصلہ فرمایا تھا۔اگر حضرت کی ولادت ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ میں مانی جائے تو اس کے مطابق آپ کی ولادت محمود غزنوی کے عہد حکومت میں ہوئی اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے محمود غزنوی کے زمانے میں غزنی بڑا ترقی یافتہ شہر اور علوم ومعارف کا مرکز تھا لہٰذا داراشکوہ کی بات درست ہے کہ "شہر غزنی میں جلاب اور ہجویر دو محلے تھے۔" حضرت کی والدہ ہجویر کی رہنے والی تھیں اور والد ماجد جلاب کے۔غالباً والد کی وفات کے بعد آپ مستقلاً ننھیال "ہجویر" میں مقیم ہوگئے اس لیے آپ "جلابی ثم الہجویری" لکھتے ہیں:

لقب

آپ گنج بخش کے لقب سے مشہور ہیں۔اس لقب کے بارے میں صاحب "خزینۃ الاصفیاء" لکھتے ہیں:

"نقل است کہ وقتے خواجہ بزرگ معین الدین بعد حصول مقاصد وعطائے خلعت قطبیت ہند

از مزار گوہر بارش حضرت شیخ رخصت یافت بوقت روانگی روبروئے مرقد مقدس ایستادہ ایں شعر بخواند۔ شعر

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
کاملاں راپیر کامل ناقصاں رارہنما

ازاں روز نام نامی وے علی مخدوم سخی گنج بخش ہجویریؒ مشہور شد۔''

ترجمہ: روایت ہے کہ خواجہ بزرگ خواجہ معین الدینؒ حصول مقاصد اور قطبیت ہند کا منصب پانے کے بعد جب حضرت شیخ ہجویریؒ کے مزار گوہر بار سے رخصت ہونے لگے تو مرقد مقدس کے سامنے کھڑے ہوکر یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
کاملاں راپیر کامل ناقصاں رارہنما

اسی وقت سے مخدوم سخی گنج بخشؒ کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

مولانا عبد الماجد دریا بادی نے بھی یہی لکھا ہے[۲۴] اور ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب نے بھی اسی خیال کا اظہار فرمایا ہے۔ تاہم یہ لکھا ہے کہ بعض تذکروں (غالباً ''کشف الاسرار'') سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو یہ لقب آپ کی زندگی ہی میں دے دیا گیا تھا،[۲۵] لیکن اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ اگر آپ اپنی حیات ہی میں ''گنج بخش'' کے لقب سے ملقب ہو چکے تھے تو آپ کے اولین تذکرہ نگار مثلاً مولانا جامی اور دارا شکوہ کو یہ لقب کیوں نہ معلوم ہوسکا؟ دوسری ایک اور بات قابل غور ہے کہ حضرت مخدوم کے حالات حیات پانچویں، چھٹی اور ساتویں صدی کے کسی معلوم تذکرے میں نہیں ملتے۔ بقول مقالہ نگار ''اردو دائرۃ المعارف'' (پنجاب یونیورسٹی):

''سب سے پہلے ان کا ذکر ہمیں شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات میں ملتا ہے جو امیر حسن سجزی دہلوی نے کتاب ''فوائد الفواد'' کی صورت میں قلم بند کئے تھے۔''

(فوائد الفواد۔ مجلس ۲۹ ذوالقعدہ ۷۰۸ھ و مجلس ۱۵ محرم ۷۱۰ھ)[۲۶]

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے خلیفہ ہیں اور معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے بھی مخدوم ہجویریؒ کے مزار مقدس پر چلہ کشی کی تھی۔ اگر ''گنج بخش'' کا لقب حضرت خواجہ بزرگ معین الدین چشتیؒ کے شعر کی وجہ سے مشہور ہوا ہوتا تو لازماً اس لقب سے حضرت بابا صاحبؒ اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ واقف رہے ہوں گے۔ اگر یہ حضرت واقف تھے تو پھر ''فوائد الفواد'' میں انہوں نے اس لقب کے ساتھ حضرت ہجویریؒ کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے ترجمہ ''کشف المحجوب'' (سید ابوالحسنات قادری) کے مقدمہ میں جو یہ لکھا ہے کہ:

''حضرت شیخ اس صحیح اور جائز لقب سے قریباً سو سال بعد ملقب ہوئے۔ مفتی غلام سرور نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہ نے انہیں گنج بخش کہا۔ قدیم تذکروں اور ملفوظات خواجگان چشت سے ہرگز ہرگز اس کی تائید نہیں ہوتی۔''[47]

حکیم صاحب موصوف کی یہ بات کسی قدر دل کو لگتی ہے۔ اگر کوئی حوالہ ہوتا تو بات اور مستحکم اور مدلل ہوجاتی۔

اگرچہ جناب ایم۔ اے مجید یزدانی نے اپنی کتاب ''گنج بخش بحیثیت عالم'' میں بہت مفید علمی مواد پیش کیا ہے تاہم ''لقب گنج بخش'' کے سلسلہ میں بحیثیت دلیل کے خواجہ بزرگ قدس سرہ کے قول کو پیش کرنے کے بعد یہ فرمانا کہ ''اگر گنج بخش کو لقب (سابقاً معروف) قرار نہ دیا جائے تو پورے شعر کا ترجمہ یوں ہوگا:

''خزانہ بخشنے والا، دنیا کو فیض پہنچانے والا، خدا کے نور کا مظہر، ناقصوں کا پیر کامل کاملوں کی رہنمائی کرنے والا۔''

یہ صفات کس موصوف سے متعلق ہیں۔ اس میں پہلی دو لفظی تراکیب (گنج بخش) لقب کے طور پر استعمال ہوئی ہیں۔ اس صورت میں شعر بامعنی ہوجاتا ہے۔

محترم یزدانی صاحب غالباً یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرتؒ کا حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ کی تشریف آوری سے پہلے ہی یہ لقب معروف ہوچکا تھا۔

یزدانی صاحب کی یہ دلیل اصول بلاغت کے منافی معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ بلاغت کہتے ہی ہیں ''کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونے کو۔'' ظاہر ہے کہ خواجہ اجمیریؒ نے اکتساب فیض کی خاطر حضرت ہجویریؒ کے مزار پر چلہ کشی فرمائی اور یقیناً مالا مال ہوئے ہوں گے۔ اب اگر وہ مزار کے سامنے کھڑے ہوکر یہ فرمارہے ہیں کہ ''گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا'' تو مقتضائے حال خود یہ ظاہر کررہا ہے کہ یہ لقب کس کو دیا جارہا ہے۔ ایسی حالت میں خواجہ بزرگ قدس سرہ کا ''گنج بخش'' لقب کو استعمال کرنا عین بلاغت ہے۔ یہاں موصوف کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

خیر یہ تو علمی وتحقیقی مباحث ہیں کہ حضرت ہجویریؒ کی حیات میں آپ کو گنج بخش کا لقب ملا یا خواجہ بزرگ نے بارش انوار سے نہال ہوکر یہ لقب دیا۔ اس موضوع پر بحثیں ہوتی رہیں گی اور ہونی بھی چاہئیں کہ تحقیق وتدقیق کا تقاضا ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ ''گنج بخش'' کا لقب آپ کو سجتا ہے۔ آپ نے پوری زندگی علم ومعرفت کا خزانہ ہی تو تقسیم فرمایا۔ آپ نے ''کشف المحجوب'' جیسا علمی خزانہ اپنے مابعد کے لئے چھوڑا ہے جسے بجا طور پر تصوف کا دستور العمل کہا جاسکتا ہے۔ اہل باطن جو کچھ پاتے اور جانتے ہیں، انہیں ظاہری آنکھیں دیکھ سکتی ہیں نہ پانے والوں کو

Marfat.com

بتلانے کی اجازت ہوتی ہے۔

مصلحت نیست کہ ازپردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست

اس راز کو راز ہی رہنے دیجئے
دیدہ کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ امین

تحصیلِ علم

آپ کے تحصیل علم کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے لکھا ہے:

''استعداد علمی کی تفصیل کسی تذکرہ میں نظر سے نہیں گزری لیکن ''کشف المحجوب'' خود اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ اس کا مصنف علم باطن کے علاوہ علوم ظاہری پر بھی وسیع نظر رکھتا ہے۔''[۲۸]

صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' لکھتے ہیں:

''جامع بود میان علوم ظاہر و باطن''[۲۹]

(آپ علوم ظاہر و باطن دونوں کے جامع تھے)۔ فقیر محمد جہلمی ''حدائق الحنفیہ'' میں لکھتے ہیں:

''آپ اولیائے متقدمین میں سے جامع علوم ظاہری و باطنی عابد وزاہد متقی مظہر خوارق و کرامت اور حنفی المذہب تھے۔''[۳۰]

مولانا سید عبدالحی حسنی نے ''نزہۃ الخواطر'' میں آپ کی تعلیم کے بارے میں لکھا ہے:

''الشیخ الامام العالم الفقیہ الزاھد ابو الحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی بضم الجیم و تشدید اللام و کسرا الموحدۃالھجویری الغزنوی ثم اللاھوری کان من الرجال المعروفین بالعلم والمعرفۃ اخذعن الشیخ ابی الفضل محمد بن الحسن الختلی وصحبہ مدۃ من الزمان ثم ساح معظم المعمورۃ وحج وزارولازم الشیخ ابا العباس احمد بن محمد الا شقانی واخذعنہ بعض العلوم واخذ عن الشیخ ابی القاسم عبد الکریم بن ھوازن القشیری والشیخ ابی سعید بن ابی الخیر المھنوی وابی علی الفضل بن محمد الفارمدی و خلق اخرین من العلماء والمحدثین ولازمھم مدۃ ثم قدم الھند وسکن بمدینۃ لاھور.''[۳۱]

Marfat.com

ترجمہ: شیخ امام، عالم، فقیہ، زاہد، ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی (جیم کے ضمہ لام کی تشدید اور با کے کسرہ کے ساتھ) ہجویری غزنوی ثم لاہوریؒ ان لوگوں میں سے ہیں جو علم و معرفت کے اعتبار سے مشہور ہیں۔ آپ نے طریقہ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن الختلی سے اخذ کیا اور کافی عرصے تک ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ پھر سیر و سیاحت میں مشغول ہوئے اور اچھے خاصے علاقے کی سیاحت کی۔ پھر حج و زیارت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ آپ ابو العباس احمد بن اشقانی کی صحبت میں رہے اور ان سے بعض علوم حاصل کیے اور شیخ ابوالقاسم بن عبدالکریم بن ہوازن قشیری، شیخ ابوسعید بن ابی الخیر مہنوی، ابوعلی فضل بن محمد فارمدی اور بہت سے علماء اور محدثین کی خدمت میں مدتوں حاضر رہ کر علوم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور شہر لاہور میں سکونت اختیار فرمائی۔

مخدوم ہجویریؒ نے خود ''کشف المحجوب'' میں اپنے چند اساتذہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت ابوالعباس بن محمد اشقانی کے بارے میں فرماتے ہیں:

اپنے عہد کے امام یکتا اور راہ طریقت میں یگانہ تھے۔ علم اصول و فروع میں امام اور بلند معانی کے حامل بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا اور بذات خود اجلہ اہل تصوف میں تھے۔ اپنی راہ کو فنا سے تعبیر کرتے تھے۔ ان کی عبارت مغلق ہوتی تھی۔ جاہلوں کے ایک گروہ نے ان کی عبارت کی تقلید کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ان کی تقلید میں جو عبارتیں لکھی گئیں وہ پراگندہ ہوتی تھیں۔ مجھے ان سے بڑا انس تھا اور وہ بھی میرے اوپر سچی شفقت فرماتے تھے۔ بعض علوم میں وہ میرے استاد تھے۔ جب تک میں ان کے پاس رہا کسی کو ان سے زیادہ شریعت کا احترام کرتے نہ دیکھا۔ وہ تمام موجودات سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ امام محقق کے سوا کسی کو ان سے فائدہ نہ پہنچتا تھا۔ علم اصول میں ان کی عبارت دقیق ہوتی تھی۔ ان کی طبیعت ہمیشہ دنیا اور عقبیٰ سے متنفر رہتی تھی۔ وہ ہمیشہ جوش میں آکر فرماتے۔

''اشتھی عدماً لا وجوله (میں اس عدم کو چاہتا ہوں جس کے لئے وجود نہ ہو) اور فارسی میں فرماتے:

''ہر آدمی را بایست محال باشد مرا نیز بایستی محال است کہ بہ یقیں دانم کہ آں باشد۔'' مطلب یہ کہ خدا مجھے اس عدم کی طرف لے جائے کہ جہاں عدم کا وجود نہ ہو۔''

مقامات و کرامات محض حجاب و آزمائش ہیں۔ آدمی اپنے حجاب کا عاشق ہو۔ دیدار کی آرزو حجابات کے آرام سے بہتر ہے۔ صرف حق جل وعلا کی ہستی ہے کہ اس کے لئے عدم نہیں ہے۔ اگر میں ایسا نیست ہو جاؤں کہ پھر

Marfat.com

ہست نہ ہوتو اس کی بادشاہت میں کیا نقصان ہوجائے گا اور یہی صحت فنا کا اصلی مقام ہے۔[۳۲]

حضرت ہجویریؒ نے شیخ ابو العباس اشقانیؒ کا ایک اور جگہ ذکر فرمایا ہے جس کا حوالہ ''نفحات الانس'' میں مولانا جامی نے بھی دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ایک دن میں شیخ اشقانی کے پاس آیا تو دیکھا کہ یہ کہہ رہے ہیں ضرب اللہ مثلاً عبداً مملوکاً لایقدر علی شئی [۳۳] (یعنی اللہ تعالیٰ نے مملوک غلام کی مثال دی جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا) اور روتے ہیں اور پھر نعرہ لگاتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ اے شیخ! یہ کیا حال ہے تو ارشاد فرمایا کہ گیارہ سال سے اس مقام پر ہوں لیکن آگے نہیں بڑھتا ہوں۔''[۳۴]

حضرت نے ''کشف المحجوب'' میں اپنے ایک استاد شیخ ابو جعفر محمد بن المصباح الصید لانی کا بھی تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

''از رؤساء متصوفہ بود زبانے نیکو داشت اندر تحقیق و میلے عظیم داشت بحسین بن منصور و بعضے از تصانیف وے برخواندم۔''[۳۵]

ترجمہ: وہ رؤسائے صوفیہ میں تھے۔ تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی۔ حسین بن منصور سے بہت محبت کرتے تھے۔ میں نے ان کی بعض تصانیف ان ہی سے پڑھیں۔

حضرت ہجویریؒ نے حضرت شیخ ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری سے بھی استفادہ فرمایا چنانچہ ''کشف المحجوب'' میں ان کا تذکرہ لفظ ''استاذ'' سے فرمایا ہے اور ان کے علم وتصانیف کی تعریف کی ہے:

''ومنہم استاد امام وزین اسلام عبد الکریم ابو القاسم بن ہوازن القشیری رضی اللہ عنہ اندر زمان خود بدیع بود وقدرش رفیع ومنزلت بزرگ ومعلوم است اہل زمانہ را از روزگار وانواع فضلش اندر ہر فن وے را لطائف بسیار است وتصانیف نفیس جملہ با تحقیق وخداوند تعالیٰ حال وزبان اورا از حشو محفوظ گردانیدہ بود۔''[۳۶]

ترجمہ: اور ان ہی میں سے استاد وامام زینت اسلام ابو القاسم حضرت عبد الکریم بن ہوازن القشیریؒ ہیں۔ اپنے دور کے بے مثال اور نادر روزگار لوگوں میں تھے۔ ان کی عزت بلند اور مرتبہ رفیع تھا۔ ان کی بزرگی اور جلالت شان کا زمانہ معترف ہے۔ وہ ہر فن میں خاص فضیلت کے مالک تھے۔ ان کے لطائف ونکات بہت ہیں اور بہت سی تحقیقی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو بے کار باتوں سے محفوظ فرمادیا ہے۔

Marfat.com

آگے چل کر آپ نے صوفی کے بارے میں ان کا ایک کلمہ پُراز حکمت نقل فرمایا ہے کہ:

مثل الصوفی کعلة البرسام اوله هذیان واخره سکوت فاذاتمکنت خرست [۳۷]

ترجمہ: صوفی کی مثال برسام کے مریض کی سی ہے کہ ابتدا میں اس کی ہذیانی کیفیت ہوتی ہے اور آخر میں جا کر خاموش۔ جب اس کو تمکن ورسوخ حاصل ہو جاتا ہے تو پھر گونگا ہو جاتا ہے۔

(کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد (از مؤلف)

حضرت ہجویریؒ نے حضرت شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانیؒ کو بھی اپنا معلم تسلیم کیا ہے چنانچہ ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان سے عزونیاز کی تعلیم پائی۔

"ومنہم قطب زمانہ واندر زمان خود یگانہ ابوالقاسم علی بن عبداللہ الگرگانی رضی اللہ عنہ وے را ابتدا نیکو وقوی بودست واسفارے سخت بشرط معاملت واندروقت خود بے نظیر واندر زمانہ بے بدیل۔" [۳۸]

ترجمہ: اور ان ہی میں قطب زمانہ حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانیؒ ہیں۔ اپنے وقت میں عارف بے نظیر اور اپنے زمانے میں بے مثال صوفی گزرے ہیں۔ آپ کا ابتدائی دور بھی بڑا پاکیزہ گزرا اور مجاہدے کے لیے آپ نے جو سفر اختیار فرمائے وہ بہت کامیاب ہوئے۔

پھر حضرتؒ نے خود اپنا واقعہ بیان فرمایا ہے:

"ایک دن میں حضرت گرگانیؒ کی خدمت میں حاضر تھا اور جو لطائف میرے اوپر منکشف ہوئے تھے میں ان سے عرض کر رہا تھا تا کہ ان کی ہدایات کے موجب اپنے احوال درست کروں اس لئے کہ آپ ناقد وقت تھے۔ حضرت میرا حال بہت ادب واحترام سے سن رہے تھے۔ میرا لڑکپن اور جوش جوانی اپنے حال کے بیان پر حریص بنا رہا تھا۔ عین اسی حالت میں میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ جو لطائف میرے اوپر گزرے ہیں شاید اس قدر لطائف اس مرد بزرگ پر نہیں گزرے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اتنے غور اور احترام سے میرے احوال سن رہے ہیں۔ شیخ بذریعہ کشف میرے اس خیال پر مطلع ہو گئے اور فرمایا: جان پدر! میری یہ فروتنی اور احترام صرف تیرے لئے نہیں ہے بلکہ میں تو ہر مبتدی سے جو اپنا حال بیان کرتا ہے اسی احترام سے اس کے احوال سنتا ہوں۔ جب میں نے آپ سے یہ بات سنی تو میں خاموش ہو گیا۔ انہیں میری باطنی کیفیت کا اندازہ ہو گیا۔ فرمایا جان پدر! انسان کو طریقت میں اس سے زیادہ نسبت

نہیں ہوتی کہ جب وہ اس طریق کو اختیار کر لیتا ہے تو پھر دوسری طرف رجوع نہیں کرتا اور جب وہ معزول ہو جاتا ہے تو اسی تصور کو یاد کرتا رہتا ہے۔"[99]

آگے چل کر حضرت ہجویریؒ نے فرمایا:

"مرا باوے اسرار بسیار بود اگر باظہار آیات وے مشغول گردم از مقصود باز مانم۔"

ترجمہ: میرے اور ان کے درمیان (طریقت) کے بہت سے راز و نیاز تھے، اگر میں انہیں بیان کرنے میں لگ جاؤں تو اصل مقصود سے رہ جاؤں۔

حضرت ہجویریؒ حضرت ابو احمد المظفر بن احمد بن حمدان رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات و تالیفات سے بھی مستفید ہوئے۔ بالخصوص ان کی تعلیمات فنا و بقا اور مجاہدہ و مشاہدہ سے متاثر تھے۔ حضرت ہجویریؒ نے فرمایا:

شیخ المشائخ ابوسعید رحمتہ اللہ گفت کہ "مارا بدرگاہ از راہ بندگی بردند و خواجہ مظفر را از راہ خواجگی یعنی ما بمجاہدت مشاہدت یافتیم و وے از مشاہدت بمجاہدت آمد۔"

ترجمہ: شیخ المشائخ ابوسعیدؒ نے فرمایا کہ ہمیں بندگی کے ذریعہ راہ طریقت ملی لیکن خواجہ مظفر کو یہ راہ خواجگی کے ذریعہ میسر ہوئی یعنی ہم نے مشاہدہ مجاہدہ کے ذریعہ حاصل کیا اور حضرت خواجہ مظفر مشاہدے سے مجاہدے کی طرف آئے۔

حضرت ہجویریؒ ان کی تعلیم اور صحبت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایک دن میں ان کے پاس سخت گرمی کے موسم میں پریشان بالوں اور پسینے میں شرابور کپڑوں کے ساتھ پہنچا۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر دریافت فرمایا ابو الحسن! کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا۔ "سماع" اسی وقت آپ کے حکم سے قوال حاضر ہو گئے اور ان کے ساتھ ایک جماعت اہل عشرت کی بھی آ گئی۔

جب سماع شروع ہوا تو مجھ پر بڑی بے قراری طاری رہی اور جب میرا جوش و خروش ختم ہوا تو آپ نے پوچھا۔ سماع کا مزا کیسا رہا؟ میں نے عرض کیا: شیخ میرے لئے تو بہت اچھا رہا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ سماع اور کوے کی آواز تیرے لیے یکساں ہو جائے گی۔ سماع میں قوت اس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ نہیں ہو جاتا۔ جب مشاہدہ ہو جائے گا یہ شوق سماع جاتا رہے گا۔ خیال رکھنا اس سماع کی عادت نہ ڈال لینا اور کہیں یہ طبیعت ثانیہ بن کر تجھے مشاہدے سے محجوب نہ کر دے۔"[100]

Marfat.com

صوفیائے متاخرین میں حضرت ہجویریؒ نے حضرت ابو العباس احمد بن قصابؒ سے بھی علمی استفادہ فرمایا حالانکہ حضرت احمد بن قصاب خود امّی تھے مگر اس علم وہبی کو کیا کیجئے کہ امام طبرستان حضرت ابوعبداللہ خیاط فرماتے ہیں:

''اگر مجھے اصول طریقت یا دقائق توحید میں کوئی مشکل پیش آ جاتی ہے تو میں ابو العباس احمد سے پوچھ کر حل کر لیتا ہوں۔''

حضرت ہجویریؒ نے ان کے بارے میں آگے چل کر لکھا ہے:

''امی بود اما کلام ونکتش سخت سامی بود اندر علم تصوف واصول، از ابتداء وانتہا عالی و نیکو سیرت بود و مرا از وے سماع بسیار است امام مذہب من اندریں کتاب اختصار است۔''[۴۱]

ترجمہ: آپ امّی تھے (یعنی مروجہ علوم آپ نے حاصل نہیں کئے تھے) مگر علم تصوف اور اصول تصوف میں آپ کا کلام اور آپ کے بیان کردہ نکات نہایت بلند پایہ ہوتے تھے۔ آپ از ابتدا تا انتہا بلند مرتبہ اور نیک سیرت تھے۔ میں نے ان سے بہت باتیں سنی اور سیکھی ہیں (میں انہیں بیان کرتا مگر) اس کتاب میں میرا طرز اختصار ہے۔

یہ تو وہ اساتذہ ہیں جن کا ذکر حضرت ہجویریؒ نے کسی قدر واضح الفاظ میں فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے اساتذہ ہوں گے جن سے حضرت نے استفادہ علمی کیا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

باطنی تعلیم

حضرت ہجویریؒ کا سلسلہ بیعت جنیدی ہے۔ صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' لکھتے ہیں:

''سلسلہ عالیہ وے بسہ واسطہ بشیخ شبلی بدیں طریق می رسد کہ پیر روشن ضمیر وے مرید شیخ حضری و وے مرید شیخ ابوبکر شبلی بود۔''[۴۲]

ترجمہ: آپ کا سلسلہ عالیہ تین واسطوں سے شیخ شبلی تک پہنچتا ہے بہ ایں طور کہ آپ کے پیر روشن ضمیر شیخ حصری کے مرید اور وہ شیخ ابوبکر شبلی کے مرید تھے۔

صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' نے لکھا ہے کہ شیخ ختلیؒ کے علاوہ بھی آپ نے دیگر مشائخ مثلاً حضرت شیخ ابو القاسم گورگانی، شیخ ابوسعید ابو الخیر اور ابو القاسم قشیری رحمہم اللہ جیسے مشائخ کی صحبت پائی اور بہت سے روحانی فوائد حاصل کئے۔[۴۳]

اس اعتبار سے آپ کا سلسلہ بیعت یہ ہوگا:

حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت حبیب عجمی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت ابوبکر شبلی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت ابوالحسن حصری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت ابوالفضل ختلی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سید علی بن عثمان ہجویری رحمتہ اللہ علیہ

زوکوفسکی نے اپنے مقدمہ میں جنیدیہ طریق کے بارے میں لکھا ہے:

''ایں طریقت نقطہ مقابل مکتب بایزید بسطامی وطیفوریان است کہ مبلغ سکر بوددرصورتیکہ ''صحو'' راافضل می نہاد برسکر۔''[۴۴]

ترجمہ: جنیدیہ طریقہ طیفوریوں اور بایزید بسطامیؒ کے مکتب فکر کے مقابلے میں ہے کہ وہ سکر کی تبلیغ کرتے تھے اور جنیدیہ ''صحو'' کو سکر پر فضیلت دیتے تھے۔

حضرت ختلی فرمایا کرتے کہ:

''سکر تو اطفال طریقت کی بازی گاہ ہے اور صحو فنا گاہ مرداں ہے۔''[۴۵]

حضرت ہجویریؒ اپنے پیر طریقت شیخ ابوالفضل ختلی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اور انہی اولیاء میں زینت اوتاد حضرت شیخ عباد ابوالفضل حسن بن محمد بن حسن ختلیؒ ہیں۔ طریقت میں میری پیروی اور اقتدا ان کے ساتھ ہے۔ وہ علم تفسیر وحدیث کے زبردست عالم تھے اور طریقت میں مسلک جنید رکھتے تھے۔ آپ حضرت حصری کے مرید اور ان کے رازدار تھے۔ حضرت ابوعمر وقزدینی اور ابوالحسن سالبہ کے ہم عصر تھے۔ ساٹھ سال عزلت میں گزار کر مخلوق سے گمنام ہوچکے تھے۔ آپ کا قیام زیادہ تر جبل لکام میں رہا۔ طویل عمر پائی۔ آپ کی آیات وبراہین ولایت بہت ہیں مگر آپ صوفیانہ لباس اور رسم ورواج نہیں رکھتے تھے اور رسمی چیزوں کے سخت خلاف تھے۔ میں نے اس اللہ والے سے بڑھ کر کسی کو بارعب نہیں دیکھا۔

آپ کو میں نے یہ ارشاد فرماتے سنا کہ: الدنیا یوم ولنافیه صوم

ترجمہ: دنیا کی زندگی ایک دن کے مثل ہے اور اس دن میں ہمارا روزہ ہے۔ یعنی اس دنیا سے ہم نے کوئی حصہ نہیں لیا اور ہم اس کے جال میں نہیں پھنسے اس لئے کہ اس دنیا کی آفتیں ہماری دیکھی ہوئی ہیں اور ہم اس کے حجابات سے واقف ہیں۔ ایک دن میں انہیں وضو کراتے ہوئے ان کے ہاتھ پر پانی ڈال رہا تھا کہ میرے دل میں خطرہ گزرا کہ جب تمام نظام عالم اور دینوی کاروبار قسمت پر مبنی ہے تو کس لئے اچھے خاصے لوگ کرامت اور فیض کی امید میں خود کو پیروں کا غلام بنا لیتے ہیں؟ (میرے دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ) حضرت ختلیؒ نے فرمایا کہ بیٹے! جو خیال تمہارے دل میں گزرا ہے مجھے معلوم ہے۔ یاد رکھو کہ قضا وقدر کے ہر حکم کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسباب مقرر کر رکھے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ سپاہی زادے کو تاج معرفت اور مملکت عشق کی حکمرانی بخشے تو اسے توبہ کی توفیق دے کر اپنے کسی مقرب بندے کی خدمت میں مشغول فرما دیتا ہے تا کہ وہ خدمت گزاری اس کی عزت وکرامت کے لئے سبب بنے۔ یہ اور اس قسم کے بہت سے لطائف ہر روز میرے اوپر ظاہر ہوتے رہتے تھے۔''[۲۶]

ان کی وفات کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے حضرت ہجویریؒ نے فرمایا:

''حضرت اپنی وفات کے دن بیت الجن میں تھے۔ یہ ایک گاؤں دمشق اور بانیار کے درمیان ایک گھاٹی پر واقع ہے۔ آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ اس زمانے میں میرا دل اپنے ایک پیر بھائی سے رنجیدہ تھا اور عام طور پر ایسا ہوا کرتا ہے۔ حضرت مجھ سے فرمانے لگے بیٹا! میں تمہیں ایک عقیدہ بتلاتا ہوں۔ اگر تم اس پر جم گئے تو دنیا کے ہر غم واندوہ سے آزاد ہو جاؤ گے۔

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ اور ہر وقت اچھوں اور بروں کو پیدا کرتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز سے نفرت نہ کریں اور کسی کی طرف سے اپنے دل کو رنج نہ رکھیں۔ اس وصیت کے بعد اور کچھ نہیں فرمایا اور آپ کا وصال ہو گیا۔[۲۷]

الحصری البصری

شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم الحصری البصری حضرت ہجویریؒ کے شیخ حضرت الختلی کے شیخ ہیں۔ ''کشف المحجوب'' میں آپ کے بارے میں حضرت ہجویریؒ لکھتے ہیں:

Marfat.com

''حضرت حصری اکابر ائمہ صوفیہ اور آزادگان درگاہ ربانی کے ذی حشم لوگوں میں تھے۔ اپنے عہد میں بے نظیر تھے۔ آپ کے کلام میں بلند معانی پائے جاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے:

''مجھے میری بلا میں چھوڑ دو۔ بتاؤ تم کیا ہو؟ کیا تم سب اولاد آدم نہیں ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ پھر اس میں نفخ روح کیا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ انہیں سجدہ کرو۔ پھر آدم علیہ السلام کو ایک حکم دیا گیا جس کی انہوں نے خلاف ورزی کی۔ پھر جب پہلے ہی خم میں تم تلچھٹ ثابت ہوئے تو بتاؤ کہ اختتام میں کیا ہوگا یعنی آدمی کو اگر اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ حکم الٰہی کی مخالفت ہی تو کرے گا البتہ جب وہ اپنی رحمت وعنایت اس پر نازل کرتا ہے تو آدمی محبت الٰہی میں اپنی عمر گزارنے کے سوا کچھ نہ پسند کرے گا۔''[۴۸]

حضرت ابو بکر شبلیؒ

حضرت الحصری جن کا ابھی تذکرہ ہوا ہے، وہ حضرت ابو بکر شبلیؒ کے خلیفہ ہیں اور حضرت ہجویریؒ کا سلسلہ طریقت ان ہی کے واسطے سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ تک پہنچا ہے اس لئے ''کشف المحجوب'' کے حوالہ سے حضرت ابو بکر شبلیؒ کا مختصر اُذکر درج کیا جا رہا ہے تا کہ قارئین کرام حضرت ہجویریؒ کے سلسلے سے کسی درجے میں متعارف ہو جائیں۔ ''کشف المحجوب'' میں حضرتؒ نے فرمایا:

''حضرت ابو بکر دلف بن حجدر شبلیؒ اکابر مشائخ میں گزرر ہے ہیں۔ بڑے خوش وقت تھے۔ کسی (ابوالفضل جعفر بن یحیٰ بن خالد برمکی) نے کہا ہے:''

ثلاثة من عجائبات الدنیا اشارات الشبلی ونکت المرتعش وحکایات جعفر.

ترجمہ: تین چیزیں عجائبات عالم میں سے ہیں۔ شبلی کے اشارات، مرتعش کے نکات اور جعفر کی حکایات۔

آپ قوم کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ شبلیؒ کا شمار سادات طریقت میں ہوتا ہے۔ ابتداء میں آپ دربار خلافت میں حاجب تھے۔ خیر النساجؒ کی مجلس میں آپ نے توبہ کی اور حضرت جنید بغدادیؒ سے طریقت کا تعلق قائم کیا۔ آپ نے بہت سے مشائخ کا دیدار کیا اور ان کی صحبت میں فیض یاب ہوئے۔ آیت کریمہ

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم.

ترجمہ: آپ مومنوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں۔

کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ابصار الرؤس عن المحارم وابصار القلوب عماسوی اللہ

ترجمہ: یعنی سر کی آنکھوں کو نامحرم پر نگاہ ڈالنے سے بچائیں اور دل کی آنکھوں کو ماسوی اللہ سے محفوظ

Marfat.com

رکھیں۔آپ کا ایک واقعہ مروی ہے کہ ایک دن آپ بازار میں جارہے تھے تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ ''ہذا مجنون'' (یہ پاگل ہیں) تو آپ نے فرمایا:

انا عند کم مجنون وانتم عندی اصحاء فزادنی الله فی جنونی وزادفی صحتکم.

(میں تمہارے نزدیک پاگل ہوں اور تم میرے نزدیک ہوشیار دنیوی مفادات کمانے کے اعتبار سے)

پس میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے جنون میں اور تمہاری ہوشیاری میں اضافہ کردے۔آپ نے یہ جملہ غیرت کی وجہ سے ارشاد فرمایا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو جنون اور عشق الٰہی میں فرق و امتیاز کرنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔[۴۹]

سیر و سیاحت

تہذیب نفس، مجاہدہ اور معرفت کے حصول کے واسطے میں دیگر اسباب و وسائل کے علاوہ عجائبات قدرت کے مشاہدے سیر و سیاحت بھی بہت مفید ہے اسی لیے قرآن کریم میں براہ راست سولہ مقامات پر زمین میں گھومنے پھرنے، آیات خداوندی کو ملاحظہ کرنے، ان پر غور وفکر کرنے اور قوموں کے عروج و زوال کو بچشم خود دیکھ کر عبرت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دیگر مقامات پر براہ راست تو حکم نہیں دیا گیا البتہ سیر و سیاحت کی افادیت کو بیان کرکے اس پر ابھارا گیا ہے۔

چنانچہ سورۃ الانعام میں ارشاد ہے:

قل سیرو افی الارض ثم انظرو اکیف کان عاقبة المکذبین[۵۰]

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ اللہ کی آیات کو جھٹلانے والوں کا کیا حشر ہوا۔

سورۃ النمل میں ارشاد ہوا:

قل سیر و افی الارض فانظر واکیف کان عاقبة المجرمین.[۵۱]

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ مجرموں کا کیا حشر ہوا؟

قرآن حکیم کے ان ہی احکام کے تحت صوفیائے سابقین کا یہ طریقہ تھا کہ جب وہ ضروری ریاضتیں کسی سالک سے کرالیتے اور یہ محسوس کرتے کہ اس کا نفس اب مزکیّ ہو چکا ہے تو مزید تربیت کے لیے سیر و سیاحت کا حکم دیتے تھے۔سفر میں انسان بہت سے مراحل سے گزرتا ہے۔مختلف اقوام و طبائع انسانی کے اختلافات اسے نظر آتے ہیں اور اسے انسان کے باطن میں جھانکنے کا موقع ملتا ہے۔اس طرح انسان اس قابل بن جاتا ہے کہ مسند مشیخت پر بیٹھے اور اللہ کے بندوں کو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے راستے دکھائے۔

چنانچہ حضرت ہجویریؒ نے بھی اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ سیاحت میں گزارا اور اپنے دور کے اکابر صوفیہ

Marfat.com

رحمہم اللہ کی زیارت کی۔ ان کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے۔ روحانی کسب کمال کے لیے آپ نے تقریباً تمام اسلامی ممالک مثلاً شام، عراق، بغداد، پارس، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، طوس، ماوراء النہر، ترکستان اور حجاز وغیرہ کا سفر کیا اور ان مقامات میں مقیم اولیائے عظام کی روح پرور صحبتوں سے مالا مال ہوئے۔ اکیلے خراسان میں آپ نے تین سو مشائخ سے ملاقات کی جن میں شیخ القاسم سرسی، شیخ الشیوخ ابوالحسن بن سالبہ، شیخ ابو اسحاق شہریار، شیخ محمد زکی بن العلاء، شیخ ابوالحسن علی بن بکران، شیخ ابوعبداللہ جنیدی، شیخ ابو طاہر مکشوف، شیخ احمد بن شیخ خرقانی، خواجہ علی بن الحسن السیر کانی، شیخ مجتہد ابو العباس دامغانی، خواجہ ابو جعفر محمد بن علی الجوینی، خواجہ رشید مظفر بن شیخ سعید، خواجہ شیخ احمد حمادی سرخسی اور شیخ احمد نجار رحمہم اللہ سے خاص طور پر آپ متاثر ہوئے۔

سلوک کی منزلیں طے کرنے کے لیے آپ نے جو عجیب و غریب مجاہدے کیے۔ ''کشف المحجوب'' میں بعض مقامات پر آپ نے انہیں بیان فرمایا ہے۔ فرمایا کہ:

''میں ایک مرتبہ شیخ ابو یزید کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا۔ ہر روز وضو اور غسل کر کے بیٹھتا مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا جو ایک مرتبہ اسی مقام پر حاصل ہو چکا تھا۔ آخر کار میں وہاں سے اٹھ کر خراسان کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں متصوفین کی جماعت نظر آئی۔ میں اس جماعت کی نظر میں بہت حقیر معلوم ہوا اور وہ آپس میں کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میں ان میں سے نہیں تھا۔ انہوں نے مجھ کو ٹھہرنے کے لیے ایک کوٹھا دیا اور خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے۔ کھانے کے وقت مجھے سوکھی (پھپھوندی لگی ہوئی) روٹی دی اور خود بہت اچھا کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد وہ لوگ خربوزہ کھانے لگے اور ازراہ تمسخر خربوزے کا چھلکا میرے سر پر پھینکتے تھے اور طنز و تعریض کی باتیں کرتے تھے مگر وہ جتنا میرے اوپر طنز کرتے میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ذلت اٹھاتے اٹھاتے مجھے وہ کشف حاصل ہو گیا جو تین مہینے کی کوششوں کے باوجود مجھے حاصل نہ ہو سکا تھا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے ہاں کیوں رکھتے تھے۔''[51]

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ میں شام میں حضرت بلال مؤذنؓ کے روضے کے سرہانے سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں اور ایک بوڑھے آدمی گود میں لئے ہوئے ہیں جیسے کوئی کسی بچہ کو لیتا ہے۔ میں نے آگے بڑھ کر قدم چومے اور حیران تھا کہ گود میں یہ بوڑھا شخص کون ہے۔ آپ کو میرے دل کا حال معلوم ہو گیا۔ اور فرمایا: ''یہ تیرا اور تیرے دیار والوں کا امام ہے یعنی ''ابو حنیفہ۔'' اس خواب سے مجھ پر

Marfat.com

یہ ظاہر ہوا کہ امام ابو حنیفہ گو جسمانی طور پر فانی ہو چکے ہیں مگر احکام شرعی کے لئے باقی اور قائم ہیں اور ان کے حامل پیغمبر علیہ السلام ہیں۔"[۵۳]

حضرت ہجویریؒ عراق میں تھے تو بقول خود ان کا حال یہ تھا کہ دنیا حاصل کر کے لٹا رہے تھے۔ جو آدمی بھی ضرورت مند ہوتا ان کی طرف رجوع کرتا۔ ایسے ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرنے میں نوبت بایں جا رسید کہ آپ مقروض ہو گئے۔ اس وقت ایک شخص نے انہیں لکھ بھیجا کہ:

"اے فرزند! کہیں اس قسم کی مشغولیت میں خدا سے دور نہ ہو جاؤ اور یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے۔ اگر کوئی شخص ہو جس کا دل تم سے بہتر ہو تو ایسے دل کی تم خاطر کر سکتے ہو۔ تمام لوگوں کے لیے اپنے دل کو پریشان نہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے بندوں کے لیے کافی ہے۔"

اس پند و موعظت سے حضرت ہجویریؒ کو قلبی سکون نصیب ہوا اور آپ نے "کشف المحجوب" میں اس بات کی تعلیم بھی دی چنانچہ فرماتے ہیں کہ مخلوق سے قطع تعلق کرنا گویا بلا سے چھوٹ جانا ہے۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی کی طرف نہ دیکھے تاکہ اس کی طرف بھی کوئی نہ دیکھے۔[۵۴]

حضرت ہجویریؒ اگرچہ چالیس سال مسلسل سفر میں رہے لیکن کبھی بھی جماعت کی نماز ناغہ نہیں کی اور نہ کبھی جمعہ چھوڑا۔ ہمیشہ جمعہ کسی نہ کسی قصبے میں ادا فرماتے تھے۔

"عبادت ہر جا کہ می خواہی می کن و مشائخ رحمہم اللہ علیہم حق ادب آں نگاہ داشتہ اند و مریداں را بداں فرمودہ اند یکے می گوید از ایشاں کہ چہل سال سفر کردم و ہیچ نمازم از جماعت خالی نبود و ہر آدینہ بقصبہ بودم۔"[۵۵]

ترجمہ: تو جہاں بھی چاہے عبادت کر مشائخ رحمہم اللہ آداب عبادت کا ہر حال میں لحاظ رکھتے تھے اور اپنے مریدوں کو اس کا حکم دیتے تھے۔ مشائخ رحمہم اللہ میں سے ایک نے مجھے بتایا کہ وہ چالیس برس تک سفر میں رہے لیکن کبھی ان کی نماز جماعت سے قضا نہ ہوئی اور کبھی جمعہ بھی قضا نہ ہوا۔

سید صباح الدین صاحب "بزم صوفیہ" کا خیال ہے کہ حضرت ہجویریؒ نے اس مقام پر جس شیخ کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد خود ان کی ذات ہے۔ صباح الدین صاحب کا یہ خیال قرین قیاس معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ حضرت ہجویریؒ ریا سے بچنے کے لیے اپنے احوال و عابدات کو چھپایا کرتے تھے۔

ژوکوفسکی نے حضرت ہجویریؒ کی سیاحت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جلابی را کمال عقیدت و تکامل طریقت پس از طی طرق بسیار و سیر در آفاق و انفس و انجام سفر ہائے دور و دراز در اکناف و اقطار جہاں دست داد و مدتہائے تہمادی اور خدمت اعاظم شیوخ

Marfat.com

صوفیہ وعصر و پیشوایان مختلف ومتعدد تصوف باکتساب معرفت پرداخت از ہر خرمنے خوشہ ای چید واز گلے بدست آورد تا بالآخر در آموزش تعالیم صوفیہ بکمال رسید۔‘‘ [۵۶]

ترجمہ: جلابی کو عقیدے اور طریقت میں کمال، بہت سے راستے طے کرنے، آفاق وانفس میں سفر کرنے اور اقطار جہاں میں دُور دراز علاقوں میں پھرنے کے بعد حاصل ہوا۔ وہ مدت مدید تک اپنے زمانے کے اکابر شیوخ صوفیہ اور مختلف وُمتعدد پیشوایان تصوف کی خدمت میں حاضر رہ کر اکتساب معرفت کرتے رہے۔ انہوں نے ہر خرمن سے خوشہ چنا اور ہر باغ سے پھول اٹھایا۔ یہاں تک کہ صوفیہ کی تعلیمات کے سلسلے میں درجہ کمال کو پہنچ گئے۔

ژوکوفسکی آگے چل کر لکھتا ہے:

’’ماوراء النہر اور آذربائیجان کے علاقے میں اپنے شیخ کی خدمت میں رہے۔ پھر بسطام میں حضرت بایزید بطامیؒ کے مزار پر ایک واقعہ کے کشف کے سلسلے میں تین ماہ تک مجاور بنے رہے۔ اسی طرح خراسان کے گاؤں کش میں پھٹے پرانے کپڑے میں تشریف لے گئے اور ایک خانقاہ کے وابستگان نے آپ سے تمسخر کیا۔ اسی طرح کمند کے علاقے میں آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا نام ادیب کمندی تھا۔ وہ بڑا صاحب فضیلت تھا۔ یہ شخص بیس سال سے کھڑا تھا۔ صرف نماز میں تشہد میں بیٹھتا تھا۔ حضرت ہجویری نے اس سے کھڑے رہنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا کہ مشاہدہ حق میں ابھی اس مقام تک نہیں پہنچا ہوں کہ اس کے سامنے بیٹھوں۔‘‘ [۵۷]

حضرت ہجویریؒ نے نیشاپور، سرخس، طوس اور دیار ہند کا بھی سفر فرمایا۔ [۵۸]

رملہ نامی گاؤں میں ایک درویش ابن المعلا نامی مقیم تھے۔ حضرت ان کی ملاقات کے لیے دمشق سے تشریف لے گئے۔ [۵۹]

اسی طرح آپ میہنہ حضرت شیخ ابوسعیدؒ کے مزار کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں کا واقعہ آپ نے لکھا ہے کہ:

’’میں ان کے مزار کے پاس تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے ایک سفید کبوتر کو دیکھا کہ وہ آیا اور اس چادر کے اندر داخل ہوگیا جو ان کے مزار پر پڑی ہوئی تھی۔ میں نے خیال کیا کہ یہ کبوتر کسے تلاش کر رہا ہے۔ میں جب اٹھنے لگا تو چادر اٹھا کر دیکھا تو اس کے نیچے کچھ نہ تھا۔ میں نے دوسرے دن بھی یہی دیکھا اور سخت تعجب میں پڑ گیا کہ (آخر وہ کبوتر غائب کہاں ہوجاتا ہے) بالآخر رات کو خواب میں حضرت شیخ ابوسعیدؒ کو دیکھا اور ان سے اس واقعہ کے

Marfat.com

بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ کبوتر دراصل میرے معاملات کی صفائی ہے جو ہر روز میری مصاحبت کے لیے آتی ہے۔"[60]

اسی طرح سفر عراق کے دوران فرماتے ہیں کہ:

"میں نے ابوجعفر صیدلانی کو دیکھا۔ ان کے عراق میں تقریباً چار ہزار مرید ہیں۔ یہ لوگ خودکو حلاجی کہتے ہیں۔ یہ سب لوگ فارس پر لعنت بھیجتے ہیں اور ابوحلمان دمشقی کی کتابوں میں جو ان کی تصنیف ہیں تحقیق کے سوا حشو وزائد نہیں ہے میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں کہتا ہوں کہ میں نہیں جانتا کہ فارس اور ابوسلمان کون تھے اور کیا کہتے تھے البتہ جو شخص ان باتوں کا قائل ہوگا جو توحید کے خلاف ہوں اسے دین سے کوئی واسطہ نہیں اس لیے کہ جب دین کی اصل ہی مضبوط نہ ہو تو تصوف جو اس کی فرع ہے، بدرجہ اولیٰ خلل پذیر ہوگا۔"[61]

اسی طرح دوران سفر حضرت ہجویریؒ نے بخارا میں ایک پیر کو دیکھا جو چالیس سال سے رات کونہیں سوئے تھے۔ البتہ دن میں تھوڑی دیر کے لیے سورہا کرتے تھے۔ ان کا نام شیخ احمد سمرقندی تھا۔
سفر طوس اور حضرت شیخ ابوالقاسم گورگانیؒ سے ملاقات کے دوران حضرت ہجویریؒ کو عجیب وغریب واقعات پیش آئے۔ ان ہی کے الفاظ میں سنئے:

"وقتے مراد واقعہ افتاد وطریق حل آں برمن دشوار شد قصد شیخ ابوالقاسم گورگانی کردم وو ے بطوس بود ویرا اندر مسجد بسرائے خود یافتم تنہا وبعین آں واقعہ بود کہ باستونے می گفت گفتمش ایں با کہ میگوئی؟ گفت اے پسر! ایں ستون را خدائے عزوجل اندریں ساعت با من بسخن آور دتا از من سوال بکرد۔"[62]

ترجمہ: ایک مرتبہ مجھے ایک حال پیش آ گیا اور اس کا حل میرے لیے دشوار ہوگیا۔ میں نے سوچا کہ حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے اس کا حل دریافت کرلوں۔ حضرت گورگانیؒ اس وقت طوس میں تھے چنانچہ میں طوس روانہ ہوگیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو اس وقت آپ اپنی قیام گاہ کی مسجد میں تنہا تشریف فرما تھے اور مسجد کے ایک ستون سے بعینہ وہی واقعہ (حال) بیان فرمارہے تھے جو میرا تھا۔ میں نے دریافت کیا۔ حضرت! آپ کس سے کلام فرمارہے ہیں۔ فرمایا بیٹا! اللہ تعالیٰ نے اس ستون کو اس وقت مجھ سے کلام کرنے کی طاقت بخش دی تھی اور اس نے مجھ سے سوال کیا۔ میں اسی کا جواب دے رہا تھا۔

طوس ہی کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:

Marfat.com

''شیخ ابو القاسم گرگانی ہمان شخصیت معروف ومشہور است کہ درطوس باشیخ ابوسعید میہنی باہم بریک تخت نشستہ بودندو جمعے درویشاں پیش ایشاں ایستادہ بدل درویشے بگذشت کہ آیا منزلت ایں دوبزرگ چیست؟ شیخ ابوسعید حالے روئے براں درویش کردوگفت، ہر کہ خواہد کہ دوبادشاہ بہم بیند بریک تخت وبریک دل گودرنگر۔''

ترجمہ: شخصیت معروف ومشہور شیخ ابو القاسم گورگانیؒ ایک دن ایک تخت پر حضرت ابوسعید میہنیؒ کے ساتھ تشریف فرماتھے اور درویشوں کی ایک جماعت ان کے سامنے کھڑی تھی کہ ایک درویش کے دل میں یہ خیال آیا کہ ان دونوں بزرگوں کا مرتبہ کیا ہے؟ فوراً ہی شیخ ابوسعیدؒ نے اس درویش کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ جو چاہتا ہے کہ دو بادشاہوں کوایک ساتھ ایک تخت پر ہم دل ہوکر بیٹھا ہوا دیکھے اس سے کہو کہ آ کر دیکھ لے۔

اپنے سفر مرو میں پیش آنے والے ایک واقعہ کے بارے میں حضرت ہجویریؒ تحریر فرماتے ہیں:

''وقتے من بمروبودم یکے از ائمہ اہل حدیث آنکہ معروف ترین بود مراگفت من اندر اباحت سماع کتابے کردہ ام گفتم بزرگ مصیبتے کہ اندر دین پدیدار آمد کہ خواجہ امام ہمہ لہوے راکہ اصل ہمہ فسقہا است حلال کرد۔ مراگفت: تو اگر حلال نمیداری چرامی کنی؟ گفتم: حکم ایں بروجوست بریک چیز قطع نتواں کرد اگر تاثیر اندردل حلال بود سماع حلال بود واگر حرام حرام واگر مباح مباح چیزے راکہ ظاہرش فسقست واندر باطن حالش بروجوہست واطلاق آں بیک چیز محال محال واللہ اعلم بالصواب۔''[65]

ترجمہ: جس وقت کہ میں مرو میں تھا علمائے حدیث میں سے ایک امام نے جو اس علاقے میں بہت زیادہ مشہور تھا مجھ سے کہا کہ میں نے سماع کی اباحت کے سلسلے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ میں نے کہا دین میں ایک بہت بڑی مصیبت ظاہر ہوئی ہے کہ حضرت نے ایک ایسی چیز کو جو لہو ولعب اور سرتا سر فسق ہے حلال کر دیا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر آپ اسے حلال نہیں سمجھتے تو کیوں سنتے ہیں؟ میں نے کہا کہ اس کا حکم کئی طرز پر ہے۔ محض ایک ہی انداز سے اس کے بارے میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر سماع کی تاثیر دل میں حلال ہو تو سماع حلال ہے۔ اگر حرام ہو تو سماع حرام ہے اور اگر مباح ہو تو سماع مباح ہے۔ ایسی چیز جس کا ظاہر فسق ہو اور بباطن اس کے کئی انداز ہوں، اس کے بارے میں ایک مطلق حکم دے دینا محال چیز ہے۔

ماوراء النہر کے سفر وسیاحت کی باتیں بتلاتے ہوئے حضرت ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ:

''احمد حمادی سرخسی ماوراء النہر میں میرے رفیق تھے۔ بڑے شاندار آدمی تھے۔ ایک مرتبہ کسی

Marfat.com

نے ان سے کہا کہ آپ کو شادی کی حاجت نہیں ہے؟ فرمایا نہیں۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ کیوں؟ جواب دیا کہ بعض وقت میں خود اپنے وجود سے غائب ہوتا ہوں یا پھر کبھی حاضر ہوتا ہوں سو جب میں غائب رہتا ہوں تو کونین کی کوئی چیز مجھے یاد نہیں رہتی اور جب میں حاضر ہوتا ہوں تو میرے نفس کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس وقت اگر اسے ایک روٹی مل جائے تو سمجھتا ہے کہ اسے ہزاروں حوریں مل گئیں۔ تو بھائی! دل کا شغل بڑا شغل ہے۔''[۲۶]

مختصر یہ کہ اپنے شیخ حضرت الختلی سے تربیت حاصل کرنے اور فنائے نفس کے منازل طے کرنے کے بعد ہمارے ممدوح حضرت شیخ ہجویریؒ بقول ژوکوفسکی ہر خرمن سے خوشہ چینی کرتے رہے اور طویل سفر میں ہر گلستان طریقت و معرفت کی سیر فرمائی۔ ہر جگہ سے پھول اٹھایا۔ اپنے دور کے اکابر صوفیہ رحمہم اللہ اجمعین سے ملاقات کی۔ ان سے فیض حاصل کیا اور پھر لطف یہ کہ چالیس سالہ دور مسافرت میں ایک وقت کی جماعت چھوٹی نہ کوئی جمعہ ناغہ ہوا۔ ایک ایسے زمانے کا سفر جس میں ریل گاڑی تھی نہ ہوائی جہاز نہ بس نہ موٹر کار۔ شیخ ہجویریؒ نے تو کسی جانور کی سواری کو بھی اختیار نہ فرمایا کہ یہ سفر تفریحی سفر نہ تھا بلکہ قلب کو جلا بخشنے، زمین میں پھیلی ہوئی آیات قدرت کے مشاہدے اور نفس کے مجاہدے کے لیے یہ سفر تھا۔ زادِ راہ میں سوائے ایک چمڑے کے لوٹے، ایک عصا اور مصلیٰ کے کچھ نہ تھا تا کہ توکل کی شان برقرار رہے۔ شدائد بھی آئے اور مصائب بھی لیکن جب ایک مرتبہ طلب صداقت کی راہ میں قدم رکھ دیا تو پھر رکھ دیا۔ پیچھے نہ ہٹے بڑھتے ہی چلے گئے۔ پیوند زدہ کپڑے جسم پر ہیں۔ بظاہر بے سروسامان لیکن پشت پر علیم و قدیر کا ہاتھ ہے اور وہ ہر جگہ اپنے اس مقبول بندے کی نگرانی کر رہا ہے۔ حضرت ہجویریؒ اس دور کے تقریباً تمام اسلامی مقبوضات میں پاپیادہ پھر رہے ہیں۔ نہ فکر و اندیشہ ہے اور نہ خوف و طمع۔

لحظہ بہ لحظہ اور لمحہ بہ لمحہ چشم مشاہدہ میں گہرائی اور گیرائی بڑھتی جا رہی ہے۔ کہیں دوران سفر آپ سے تمسخر کیا جا رہا ہے مگر بجائے ناراض ہونے کے آپ خوش ہو رہے ہیں اور نفس کی اس تذلیل کی بدولت وہ کشف حاصل ہو جاتا ہے جو سلطان العارفین سیدنا بایزید بسطامیؒ کے مزار مقدس پر تین ماہ تک مسلسل مجاوری اختیار کرنے کے بعد بھی حاصل نہ ہو سکا تھا۔ تعلیم، تربیت اور سفر و صحبت نے سید ہجویریؒ کو کبریت احمر بنا دیا اور اب وہ وقت قریب آن پہنچا کہ وہ پارس پتھر کی طرح لوہے کو ایک لمحے کے مساس سے سونا بنا دیں اور کفر و ضلالت اور نفاق و فسق کی وادیوں میں بھٹکنے والے انسانیت کے طبقات آپ سے اکتساب فیض کریں۔ یہی عادت الٰہیہ ہے کہ جسے مسند ارشاد پر بٹھلانا چاہتا ہے۔ اس کی آزمائشوں اور ابتلاء کے ذریعہ تربیت فرماتا ہے۔ پھر اسے ایک روشن چراغ کی طرح ظلمت کدہ کفر و عصیان میں قائم کر دیتا ہے تا کہ لوگ اپنے بجھے ہوئے دل کے چراغ لے کر آئیں اور اس روشن چراغ سے اپنا چراغ روشن کر لیں۔ یہ سلسلہ کوئی نیا سلسلہ نہیں ہے۔ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور تا قیام قیامت جاری رہے گا۔

اگر چہ کسی کتاب میں لکھا ہوا نہیں ہے (اور نہ ہر بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے) تاہم میرا خیال ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں چونکہ اب تکوینی مصلحت تھی کہ یہاں کے طول و عرض میں پرچم اسلام لہرائے۔ مسجدوں سے اللہ

کی عظمت کا کلمہ بلند کیا جائے۔ عدالتوں میں اسلامی قوانین کا اجراء ہو اس لیے حضرت ہجویریؒ کے قلب میں سفر ہند کا داعیہ پیدا ہوا ہوگا۔ (حضرت شیخ ختلی والی روایت درست نہیں ہے۔ بحث آگے آرہی ہے)[٦٧] ساتھ ہی غزنی کے حالات میں افراتفری پیدا ہوگئی اور ہمارے ممدوح گنج بخش ہر دو عالمؒ سفر ہند کے لیے رخت سفر باندھنے لگے۔

لاہور میں تشریف آوری

حضرت ہجویریؒ کے ورود لاہور کے بارے میں ''فوائد الفواد'' میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے حوالے سے حسن سجزی نے ایک روایت نقل کی ہے جسے بعد کے تذکرہ نگاروں نے بلا تکلف نقل کر دیا ہے۔ وہ روایت یہ ہے:

''شیخ حسین زنجانی و شیخ علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہما ہر دو مرید یک پیر بودہ اند و آں پیر قطب عہد بودہ است شیخ حسین زنجانی از دیر باز ساکن لہاور بود بعد از چند گاہ پیر ایشاں خواجہ ہجویری را فرمودند کہ لہا ور رود ساکن شو شیخ علی عرض داشت کہ حسین زنجانی آنجا است پیر فرمود ''تو برو'' وچوں علی ہجویری بحکم اشارت ایشاں در لہاور در آمد شب بود بامداداں جنازہ شیخ حسین زنجانی را بیروں آوردند''[٦٨]

ترجمہ: شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہما دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور وہ پیر اپنے وقت کے قطب تھے۔ شیخ حسین زنجانی مدت سے لاہور میں قیام پذیر تھے۔ کچھ مدت بعد ان کے پیر نے خواجہ ہجویری سے فرمایا کہ ''لاہور جاؤ اور وہیں رہو۔'' شیخ علی ہجویریؒ نے عرض کیا۔ ''حسین زنجانی جو وہاں ہیں'' پیر نے فرمایا ''تم جاؤ'' جب حضرت ہجویریؒ ان کے حکم کے مطابق لاہور پہنچے تو اس وقت رات ہو چکی تھی۔ اگلی صبح لوگ شیخ حسین زنجانیؒ کا جنازہ اٹھائے ہوئے شہر سے باہر نکلے۔

اکثر تذکروں میں یہ روایت پائی جاتی ہے چنانچہ ''خزینتہ الاصفیاء'' میں ہے:

''پیش از تشریف آوری مخدوم علی ہجویری خواجہ حسین زنجانی کہ وے ہم مرید و خلیفہ شیخ ابو الفضل بن حسن ختلی بود بہ قطبیت لاہور مامور بود من بعدہ بہ مخدوم علی ارشاد شد کہ بہ لاہور رود و در آنجا مقام پذیر و علی مخدوم بجواب پرداخت کہ برادرم حسین زنجانی پیش ازیں در لاہور مامور است حالا ماموری بندہ چہ حکمت است شیخ ابو الفضل فرمود کہ تو برو در آنجا ساکن شو پرسیدن حکمت چہ کار چوں مخدوم حسب ایمائے پیر روشن ضمیر در لاہور سید شب بود بیرون شہر مقام فرمود بامداداں کہ داخل شہر شدند دید کہ مردماں جنازہ فیض اندازہ حسین زنجانی بردوش می آیند کہ بہ ہماں شب حسین زنجانی برحمت ربانی پیوستہ بود پس ہمراہ جنازہ شدو بمقام مدفن حسین تشریف

Marfat.com

بردہ حسین را چوں گنج حوالہ خاک نمود۔''[69]

ترجمہ: حضرت علی ہجویریؒ کی تشریف آوری سے قبل خواجہ حسین زنجانی کہ وہ مرید و خلیفہ شیخ ابو الفضل بن حسن ختلی لاہور کی قطبیت پر مامور تھے۔ اس کے بعد مخدوم علی ہجویریؒ کو حکم دیا گیا کہ لاہور جاؤ اور وہاں قیام کرو۔ مخدوم حضرت علی ہجویریؒ نے جواب دیا کہ اس سے قبل شیخ حسین زنجانی تو وہاں مقرر ہیں۔ اس ناچیز کے تقرر میں کیا حکمت ہے۔ شیخ ابوالفضل نے فرمایا ''تم وہاں جاؤ اور سکونت اختیار کرو۔ حکمت دریافت کرنے سے تمہیں کیا کام۔ جب مخدوم ہجویریؒ پیر روشن ضمیر کی ہدایت کے بموجب لاہور پہنچے تو اس وقت رات تھی اس لیے شہر کے باہر ہی قیام فرمایا۔ صبح کے وقت جب شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ لوگ حضرت حسین زنجانیؒ کا جنازہ اٹھائے لیے چلے آرہے ہیں کیونکہ اسی شب حضرت زنجانی واصل بحق ہوئے تھے۔ حضرت مخدوم ہجویریؒ جنازے کے ساتھ شامل ہوگئے اور حضرت حسین زنجانیؒ کے مدفن پر تشریف لے جا کر ایک گنج گراں مایہ کی طرح انہیں سپرد خاک کر دیا۔

غرضیکہ اسی طرح کی روایت اکثر و بیشتر تذکروں میں آپ کو ملے گی، مگر اکثر محققین کی رائے ہے کہ یہ روایت الحاقی ہے۔

اس لیے کہ شیخ حسین زنجانی اور حضرت ہجویری رحمہا اللہ ہم عصر نہیں بلکہ شیخ حسین زنجانی حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ علیہم کے ہم عصر تھے۔ ''سیر العارفین'' میں شیخ جمالی کنبوہ لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ المشائخ حسین زنجانی کہ پیر حضرت شیخ سعد الدین حمویہ قدس روحہ است در صدر حیات بود بیان حضرت زبدۃ المشائخ والا ولیا معین الحق والدین قدس سرہ و حضرت شیخ المشائخ والا ولیاء حسین زنجانی قدس سرہ، محبتے واتحادے فوق الحد واقع شد۔''[70]

ترجمہ: حضرت شیخ المشائخ حسین زنجانی جو حضرت شیخ سعد الدین قدس سرہ کے پیر ہیں، ان دنوں حیات تھے۔ حضرت زبدۃ المشائخ والا ولیاء معین الحق والدین قدس سرہ اور حضرت شیخ المشائخ والاولیاء شیخ حسین زنجانی قدس سرہ کے درمیان بے حد محبت اور ربط وضبط تھا۔

۲۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حالات میں داراشکوہ لکھتا ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی نے دور دور ممالک کا سفر کیا اور بڑے بڑے مشائخ سے آپ نے فیض حاصل کیا چنانچہ حضرت غوث الثقلینؒ سے جیلان میں ملاقات کی اور تقریباً چھ ماہ ان کی خدمت میں رہے۔ ان کی صحبت سے آپ نے فیوض و برکات حاصل کیں۔ بخارا میں شیخ نجم الدین کبریٰ سے، ہمدان میں خواجہ ابو یوسف ہمدانی سے، تبریز میں شیخ ابو سعید تبریزی سے اور لاہور میں شیخ حسین

Marfat.com

زنجانی سے ملاقاتیں کیں اور بلخ سے لاہور تشریف لائے۔

اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ شیخ حسین زنجانی حضرت ہجویریؒ کے معاصر نہیں تھے بلکہ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے معاصر تھے۔

۳۔ محمد صالح کنبوہ حضرت خواجہ اجمیریؒ کے حالات میں لکھتا ہے:

''بالجملہ در لاہور بہ صحبت شیخ حسین زنجانی رسیدہ''[۱]

ترجمہ: مختصر یہ کہ انہیں لاہور میں شیخ حسین زنجانیؒ کی صحبت میسر آئی۔

۴۔ حضرت ہجویریؒ کے معاصرین میں شیخ حسین زنجانی نام کے کسی بزرگ کا نام نہیں ملتا۔

۵۔ نور احمد چشتی نے اپنی کتاب ''تحقیقات چشتی'' میں حضرت شیخ حسین زنجانیؒ کا سال وفات ۶۰۴ھ بتلایا ہے۔[۲]

جبکہ مختلف روایات کے مطابق ۴۶۵ھ سے ۴۸۱ھ کے درمیانی عرصہ میں (علیٰ اختلاف الروایات) حضرت علی ہجویریؒ کی وفات ہوئی۔ اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو جب حضرت حسین زنجانیؒ کی وفات ہوئی تو اس وقت حضرت ہجویریؒ کی وفات پر ۱۳۹ یا ۱۳۵ سال گزر چکے تھے۔

۶۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے حضرت ہجویریؒ کی تاریخ وفات ۴۶۵ھ لکھی ہے اور وہ خود لکھتے ہیں کہ

''شیخ حسن زنجانی بہ ہمراہی سید یعقوب صدر دیوان زنجانی از زنجان در لاہور آمد و خلق کثیر بحلقہ ارادت وے درآمد وفات وے باقوال صحیح در سال شش صد ہجری است۔''[۳]

ترجمہ: شیخ حسین زنجانی سید یعقوب صدر دیوان زنجانی کے ہمراہ زنجان سے لاہور تشریف لائے اور لوگوں کی بڑی تعداد ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئی۔ ان کی وفات صحیح اقوال کی رو سے ۶۰۰ ہجری ہے۔

پھر آگے چل کر حضرت سید یعقوب صدر دیوان زنجانی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''بہ ایمائے غیبی در سال پانصد وسی و پنج ہجری از ترکستان در ہند تشریف آوردہ در لاہور سکونت فرمود۔''[۴]

ترجمہ: اشارہ غیبی پر ۵۳۵ھ میں ترکستان سے ہندوستان میں تشریف لائے اور لاہور میں سکونت اختیار فرمائی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت شیخ حسین زنجانی بھی حضرت سید یعقوب صدر دیوان زنجانی کے ہمراہ ۵۵۳ء میں

Marfat.com

تشریف لائے۔اس حساب سے بھی اگر دیکھا جائے تو حضرت ہجویریؒ کی وفات کے ستر برس بعد حضرت شیخ حسین زنجانی وارد لاہور ہوئے۔

۷۔ مزید برآں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ شیخ طریقت حضرت الختلی قدس سرہ کے حکم سے لاہور کا سفر کرنا اور لاہور شہر میں رات کو پہنچنا، پھر صبح کے وقت حضرت شیخ حسین زنجانی کا جنازہ دیکھنا اور رسم تدفین میں شرکت کرنا۔یہ معمولی واقعات نہیں ہیں۔ان سے حضرت ہجویریؒ کے پیر طریقت کی قطبیت اور تکوینی امور میں گہری نظر ثابت ہوتی ہے۔اگر اس طرح کا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا تو حضرت ہجویریؒ اس سے صرف نظر نہیں کر سکتے تھے اور وہ ایسے محیر العقول واقعہ کو ''کشف المحجوب'' میں ضرور ذکر فرماتے۔آپ کا ذکر نہ فرمانا ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ کی لاہور تشریف آوری کے سلسلے میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا ہوگا اور کسی نے ''فوائد الفواد'' میں اسے شامل کر دیا ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

حضرتؒ کے زمانے میں غزنی کے سیاسی حالات

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت ہجویریؒ کی ولادت سلطان محمود غزنوی کے عہد میں ہوئی تھی۔ ۲۲ ربیع الآخر ۴۲۱ھ کو سلطان محمود فوت ہوگیا اور اس کی وفات کے بعد حسب دستور اس کے دو بیٹوں امیر مسعود اور امیر محمد کے مابین تخت حکومت کے لیے جھگڑے شروع ہوگئے جو پانچ ماہ تک جاری رہے۔آخر کار امیر مسعود کو غلبہ حاصل ہوگیا اور اس نے اپنے بھائی امیر محمد کو اندھا کر کے قید میں ڈال دیا۔۴۲۱ھ سے ۴۳۰ھ تک چونکہ حکومت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اس لیے دارالسلطنت غزنی نسبتاً پُرسکون رہا۔البتہ سلجوقوں اور ترکمانوں سے سلطان مسعود کی چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔۴۶۹ھ میں سلطان مسعود جرجان وطبرستان کو فتح کرنے کے بعد ہندوستان آیا اور ہانسی اور سونی پت کے قلعوں کو فتح کیا۔اسی دوران میں اس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر مملکت میں ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ناچار سلطان مسعود کو غزنی جانا پڑا۔

۴۳۱ھ میں غزنی پر سخت آفت آئی اس لیے کہ رمضان کے مہینے میں ترکمانوں نے غزنی کا محاصرہ کرلیا اور اس کے تمام راستے بند کردیئے۔اس وقت سخت لڑائی ہوئی اور سلطان کے بڑے بڑے سرداروں نے بے وفائی کا مظاہرہ کیا مگر سلطان مسعود ہمت نہ ہارا۔وہ اکیلا ہی دشمن سے مقابلہ کرتا رہا۔آخر وہاں سے سلطان مسعود مرو گیا۔اس نے اپنے اندھے بھائی امیر محمد کو غزنی روانہ کیا اور وہاں کے قلعہ میں قید کردیا۔تلافی مافات کے لیے اس نے امیر محمد کے بیٹوں کو خلعت اور انعام واکرام سے نوازا اور اس کے بڑے بیٹے کے ساتھ اپنی بیٹی حرہ گوہر کو منسوب کردیا۔ان انتظامات کے بعد اس نے زروجواہر لے کر ارادہ کیا کہ ہندوستان جائے اور وہاں سے ایک لشکر جرار تیار کر کے لائے اور اپنے ملک سے سلجوقوں کو نکال دے۔امراء اور وزیروں نے اسے منع کیا لیکن وہ نہ مانا۔آخر کار اپنی بیگمات اور تھوڑے سے لشکر کے ساتھ ہندوستان روانہ ہوگیا۔اس نے غلطی یہ کی کہ خزانوں کو پیچھے رکھا چنانچہ سلطان مسعود نے

Marfat.com

جب دریائے سندھ کو عبور کیا تو جس امیر کے پاس خزانہ تھا اس کی نیت خراب ہوگئی اور پیچھے سے خزانہ لے کر فرار ہوگیا اور افغانستان پہنچ کر اس نے نابینا امیر محمد کو قید سے آزاد کیا اور اس کے انکار کے باوجود اسے تخت پر بٹھا دیا۔ اب سلطان مسعود کا زوال آچکا تھا۔ آخر دریائے سندھ کے پار امیر محمد اور سلطان مسعود کے درمیان مقابلہ ہوا اور سلطان مسعود گرفتار ہوکر اپنے اندھے بھائی کے دربار میں حاضر ہوا۔ میر محمد نے اپنے بھائی کی جان بخشی کر کے اسے ایک قلعہ میں نظر بند کردیا جہاں وہ اپنے داماد اور سلطان محمد کے بیٹے کی سازش سے قتل کردیا گیا۔ غرضیکہ جب حضرت ہجویریؒ نے غزنی سے روانگی کا ارادہ فرمایا تو غزنی میں خون خرابے کا بازار گرم تھا۔ ۷۵

حضرتؒ کی تشریف آوری سے قبل لاہور کے حالات

سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر جتنے حملے کئے، سب کے سب لاہور ہی کے راستے سے کئے۔ تاہم اس نے کبھی بھی لاہور کو اپنی مملکت محروسہ میں شامل نہیں کیا۔ ۴۱۲ھ میں جبکہ لاہور کا راجہ انند پال تھا، سلطان محمود لاہور کے قریب آکر اترا۔ راجہ خوف کے مارے اجمیر کے راجہ کے پاس چلا گیا۔ ملک لاوارث ہوگیا تھا اس لیے سلطان نے اپنے ایک معتمد کو لاہور میں چھوڑا اور پنجاب کو غزنی کا ایک صوبہ قرار دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دریائے اٹک کے مشرق میں اسلامی لشکر نے سکونت اختیار کی اور مسلم بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ ۴۳۲ھ میں سلطان محمود کے بیٹے سلطان مسعود کی جانب سے لاہور میں قاضی شیرازی کو لاہور کا حاکم بنایا گیا۔ آخر میں سلطان مسعود نے شہزادہ امیر مجدالدین کو ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کر کے لاہور روانہ کیا۔

حضرتؒ کی تشریف آوری کے وقت لاہور کے حالات

سرکار حضرت سیدنا مجدد الف ثانیؒ نے اپنے ایک مکتوب میں لاہور کو "قطب البلاد" فرمایا ہے۔ یہ اس لیے کہ جو رسم اور طرز لاہور میں جاری ہوتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ پورے برصغیر میں پھیل جاتی ہے۔ قطب لغت میں چکی کی میخ کو کہتے ہیں جس کے گرد چکی کا پتھر پھرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے مسلمان کا قدم برصغیر میں آیا علماء، اولیاء اور حکمرانوں کی خصوصی توجہ لاہور (قطب البلاد) کی طرف رہی۔

> "حضرت ہجویریؒ جس وقت لاہور میں تشریف لائے (آمد کی تاریخ کی بحث آگے آرہی ہے) اس وقت غزنی اور لاہور میں سلطان مسعود کی حکومت اپنے آخری لمحے پورے کررہی تھی کیونکہ اسی سال کے آخر اور اس سے اگلے سال کی ابتداء میں سلطان مسعود اپنے اندھے بھائی سلطان محمد کے ہاتھوں گرفتار ہوکر قید خانہ میں ڈالا گیا۔ جب اصل حکومت یعنی غزنی میں یہ خانہ جنگی برپا تھی تو فرع یعنی لاہور اور ہندوستان کے دیگر راجاؤں پر اس کا اثر ہونا لازمی تھا۔

Marfat.com

لاہور تو ہندوستان کا ہیڈ کوارٹر اور دارالسلطنت تھا۔ یہاں سلطان مسعود کے چھوٹے بیٹے مودود نے قبضہ کرلیا اور ہانسی اور تھانیسر تک اپنا استقلال جمالیا۔''[۷]

فوق صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں:

''یہ حال دیکھ کر پنجاب اور گردونواح کے راجاؤں نے جو شیران اسلام کے خوف سے لومڑیوں کی طرح چھپے ہوئے تھے، سر باہر نکالا اور تین قوی دست راجاؤں نے دس ہزار کا لشکر لے کر لاہور کا محاصرہ کرلیا۔ مسلمانوں پر یہ بڑا نازک وقت تھا اور لاہور کی رعایا نہ دن کو چین سے کاروبار کرسکتی تھی نہ رات کو آرام کی نیند سوسکتی تھی۔ اپنی نااتفاقی پر سب پشیمان تھے۔ آخر سلطان مودود کی اطاعت کی اور اس سے مدد مانگی مگر پیشتر اس کے کہ غزنی سے مدد آئے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت نے ہند کے راجاؤں میں پھوٹ ڈال دی اور اس طرح مسلمانوں نے عظیم فتح حاصل کی۔''[۸]

یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب کسی قوم میں پھوٹ پڑ جاتی ہے تو قوم کی وہ قوت جو اپنے دشمنوں کے لیے استعمال ہوتی ہے، آپس ہی میں ایک دوسرے پر صرف ہونے لگتی ہے اور قوم ہر اعتبار سے زوال پذیر ہوجاتی ہے۔ انتشار اور بدامنی کے عالم میں قوم اقتصادی و معاشی ترقی نہیں کرسکتی ہے۔ فواحش ومنکرات کو رواج مل جاتا ہے۔ لوگوں کی ذہنیت مادہ پرست اور مفاد پرست ہوجاتی ہے اور خوف خدا دلوں سے رخصت ہوجاتا ہے۔ غرضیکہ ہر طرف تاریکی، انتشار اور فساد کی حکمرانی قائم ہوجاتی ہے۔ ایسے وقت میں یہ عادت الٰہیہ ہے کہ جس طرح سخت گرمی کے عالم میں جبکہ زمین کا ذرہ ذرہ پانی کے ایک ایک قطرے کو ترسنے لگتا ہے۔ چرند پرند، وحوش و بہائم زبان حال سے العطش العطش پکارنے لگتے ہیں۔ درخت اپنے حسن و زیبائش سے محروم ہوکر بارگاہ الٰہی میں فریاد کرنے لگتے ہیں۔ انسان امید وبیم کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھنے لگتے ہیں تو رحمت خداوندی کو جوش آتا ہے اور ہواؤں کے دوش پر سوار ہوکر کالے کالے بادل آتے اور اللہ کی مخلوق کو سیراب کرجاتے ہیں۔ روح واخلاق کی دنیا میں بھی یہی عادت الٰہیہ ہے کہ جب اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ کفر وطغیان کی آتشیں صرصر چلنے لگتی ہے اور دنیائے روح میں تاریکی چھاجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا کوئی نہ کوئی مقبول بندہ بھیج کر پیاسی روحوں کو سیراب کرتا اور انسانیت کے گم کردہ راہ کاروانوں کو اپنے اس مقبول بندے کے ذریعہ نشان منزل دکھاتا ہے۔ اللہ کے یہ کامل بندے کسی سے کچھ لینے کے لیے نہیں آتے بلکہ لوگوں کی جھولیاں حق ومعرفت کے جواہر ریزوں سے بھرنے کے لیے آتے ہیں۔ یہ گلیم پوش روحانی تاجور کسی کے آگے سر جھکاتے ہیں نہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ تریاق، کلام شفا اور اخلاق پُرکشش ہوتا ہے۔ ان کے مسلک میں نفرت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہ لوگ مجسم شفقت ورحمت اور از سرتاپا اسوہ نبویؐ کے مرقع ہوتے ہیں۔ ان کی تبلیغ کا انداز جداگانہ ہوتا ہے۔ بقول خواجہ نظام الدین اولیاءؒ۔ علماء اپنی زبان سے تبلیغ کرتے ہیں

Marfat.com

اور صوفیہ اپنے عمل سے۔ یہ لوگ لمبی لمبی تقریریں نہیں کرتے نہ مجالس وعظ گرم کرتے ہیں۔ یہ صرف اخلاق نبوی کا نمونہ بن کر عوام کے سامنے آتے ہیں اور لوگ ان کے عمل کو دیکھ کر گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے زبانِ معجز بیان سے نکلے ہوئے کلمات دکھی دلوں کے لیے مرہم ثابت ہوتے ہیں۔ وہ اپنے دشمنوں کو بھی گلے لگاتے ہیں اور اپنے معاندین کو بھی معاف کر دیتے ہیں۔ ان ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

یک زمانہ صحبتے باولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ہمارے ممدوح حضرت سید علی بن عثمان الجلابی الہجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ کا شمار بھی ان ہی حضرات قدسی نفوس میں ہوتا ہے۔ ابھی تک ہندوستان نے مجاہدین اسلام اور غازیان بت شکن کی تیغ آبدار دیکھی تھی۔ اب ضرورت تھی کہ اہل ہند کو تصویر کا دوسرا رخ یعنی "خلق محمدیؐ کی تیغ آبدار" بھی دکھادی جائے چنانچہ ہندوستانی عوام کو دین قیم کے اسرار کو سمجھانے اور توحید کی حقیقت سے آشنا بنانے کے لیے حضرت ہجویریؒ معروف قول کے مطابق ۴۳۱ھ میں وارد ہندوستان ہوئے۔ یہ قول "تاریخ لاہور" کے مصنف سید محمد لطیف اور "فرہنگ آصفیہ" کا ہے[۷۹] اور یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔ حضرتؒ کے دو ہمراہیوں میں ایک حضرت ابو سعید ہجویری (جن کے سوال کے جواب میں حضرتؒ نے "کشف المحجوب" تصنیف فرمائی) تھی اور دوسرے ہمراہی کا نام شیخ احمد حماد سرخسی تھا۔

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ سلطان مسعود کے لشکر کے ساتھ تشریف لائے اور ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے اپنی کتاب "پاکستان میں فارسی ادب"[۸۰] میں یہ لکھ کر تو حد ہی کر دی کہ:

> "اس اطلاع میں اس امر کی گنجائش رہے گی کہ وہ شاہ مسعود کے ملازم ہو کر یا کوئی منصب قبول کر کے نہیں آئے تھے بلکہ محض حفظ راہ اور ہمراہی کی خاطر فوج کے ساتھ آئے تھے کیونکہ ان کے بیانات سے ظاہر ہے کہ وہ دربار سے متعلق علماء کی دنیاداری سے خوش نہیں۔ انہوں نے جابجا علماء جاہ طلب سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔"[۸۱]

دراصل بات یہ ہے کہ المرء یقیس علی نفسہ (انسان دوسروں کو بھی اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔) حالانکہ ہر شخصیت کو جانچنے کے لیے اس کی حیثیت اور منصب کے لحاظ سے معیار متعین کیا جاتا ہے۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشند در نوشتن شیر و شیر
شیر آں باشد کہ مردم را درد
شیر آں باشد کہ مردم پرورد

ترجمہ: پاک لوگوں کو اپنے اوپر قیاس نہیں کرنا چاہیے اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر ایک ہی طرح

Marfat.com

لکھتے جاتے ہیں لیکن شیر وہ ہوتا ہے جو انسان کو پھاڑ کھاتا ہے اور شیر (بمعنی دودھ) وہ ہوتا ہے جو انسان کی پرورش کرتا ہے۔

حضرت ہجویریؒ جیسے جامع الصفات ولی کامل کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ وہ ''محض حفظ راہ اور ہمراہی کی خاطر'' فوج کے ساتھ تشریف لائے تھے، میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ہجویریؒ کے مقام و منصب سے بے خبری کی دلیل ہے کیونکہ طریقت کی اولین منزل ہی ''ترک اسباب اور توکل علی اللہ'' ہے۔ تعجب ہے اگر ہجویریؒ جیسی ذات پر گمان کیا جائے کہ وہ راستے کو غیر محفوظ سمجھ کر لشکر شاہی کا سہارا لینے پر مجبور تھے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر شام، عراق، حجاز، ایران، روس وغیرہ کے علاقوں میں حضرتؒ کس لشکر کے ہمراہ تشریف لے گئے تھے؟

تصوف کا پہلا سبق ہی یہ ہے کہ

افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد. [۸۲]

ترجمہ: میں اپنے تمام امور اللہ کو سپرد کرتا ہوں بیشک وہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

اور پھر اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے یہ وعدہ ہے کہ

ومن یتوکل علیٰ اللہ فھو حسبہ . [۸۳]

ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے۔

سورہ عنکبوت میں نیکوکاروں کے لیے اجر عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے مگر ان کی پہچان بتلائی گئی

الذین صبروا وعلیٰ ربھم یتوکلون. [۸۴]

تو کیا ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کے کہنے سے یہ مان لیں کہ ایسا شخص جس نے آغوش ولایت میں آنکھیں کھولی ہوں، جس نے الختلیؒ جیسے قطب وقت سے تربیت حاصل کی ہو، جس نے ابو القاسم القشیری اور ابو القاسم الگرگانی کی صحبت کا فیض پایا ہو اور سینکڑوں سے متجاوز اولیاء کاملین سے روحانی استفادہ کیا ہو، ایک سفر کے لیے شاہی لشکر کی ہمراہی اور حفظ راہ کا طالب رہا ہوگا اور توکل کے اس مقام پر بھی پہنچ نہ سکا ہوگا جس مقام پر سالکین ابتدائی مرحلے ہی میں پہنچ جاتے ہیں۔

اولیاء اللہ کا صبر ایک ہمراہی ہوتی ہے۔ اسے اصطلاح تصوف میں ''معیت'' کہتے ہیں۔ معیت کا مراقبہ تو مبتدیوں سے کرایا جاتا ہے۔

اللہ حاضری، اللہ ناظری، اللہ معی.

(اللہ میرے سامنے حاضر ہے۔ اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ اللہ میرے ساتھ ہے)

ہم پورے وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''معیت الٰہی'' کا تصور حضرت ہجویریؒ کو حاصل تھا۔ الحمد اللہ یہ

تصور تو آج جیسے گئے گزرے دور میں بھی ان کے ادنیٰ ترین غلاموں اور ان کے در کے جاروب کشوں کو حاصل ہے۔
البتہ یہ ماننے کی بات ہے کہ اس اصول کے تحت کہ:

اطلبو الجار قبل الدار والرفیق قبل الطریق

ترجمہ: گھر بنانے سے پہلے بہترین پڑوسی تلاش کرو اور سفر سے قبل رفیق سفر کی جستجو کرلو۔

حضرت ہجویریؒ نے کوئی رفیق سفر ساتھ لیا ہوگا۔ (حفظ راہ یا ہمراہی کی خاطر نہیں) بلکہ مذکورہ بالا اصول اور حکم کے تحت اور وہ رفیق سفر شیخ حماد سرخسی اور ابوسعید ہجویری رحمہا اللہ تھے جو ہم مشرب بھی تھے اور ہم جذبہ بھی۔
غرضیکہ اگرچہ حتماً اور قطعاً کچھ کہنا دشوار ہے تاہم تذکرہ نگاروں کا یہ قول قابل ترجیح ہے کہ حضرت ہجویریؒ اپنے دو رفقائے سفر کے ہمراہ غزنی سے سفر کرتے ہوئے راستے میں عام مسلمانوں سے ملتے جلتے، گم کردہ راہوں کی رہنمائی فرماتے، بیماروں کو باذن الٰہی شفا بخشتے اور تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ۴۳۱ھ میں وارد بلدہ لاہور قطب البلاد ہوئے اور اپنی بقیہ زندگی (باستثنائے چند ایام وشہور) یہیں گزار کر داعی اجل کو لبیک کہا۔

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت (اقبال)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ بقول علامہ ذہبی جب حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ کی وفات دمشق میں ۴۶۰ھ میں ہوئی اور حضرت ہجویریؒ "کشف المحجوب" میں فرماتے ہیں کہ:

"آں روز کہ وے را وفات آمد بہ بیت الجن بود وآں رہے است بر سر عقبہ میان بانیار مرو دمشق سر بر کنار من داشت۔"[۵۵]

ترجمہ: جس دن ان کا انتقال ہوا وہ بیت الجن میں تھے۔ یہ ایک گاؤں ہے جو بانیار مرو اور دمشق کے درمیان ایک گھاٹی میں واقع ہے۔ وفات کے وقت ان کا سر میرے زانو پر تھا۔

تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت ہجویریؒ ۴۳۱ھ میں لاہور آئے ہوں؟ لہٰذا لازماً شیخ کی وفات کے بعد (یعنی ۴۶۰ھ کے بعد) تشریف لائے ہوں گے۔

میرے خیال میں یہ رائے درست نہیں ہے کیونکہ بقول نکلسن اگر یہ مانا جائے کہ آپ کی وفات ۴۶۵ھ سے ۴۶۹ھ کے درمیان میں ہوئی تو "کشف المحجوب" جیسے شاہکار تصوف کا محض تین چار سالوں میں تیار ہو جانا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ البتہ یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ حضرت ۴۳۱ھ میں لاہور تشریف لائے ہوں اور یہاں قیام کے دوران میں انہیں کسی ذریعہ سے اطلاع ملی ہو کہ شیخ الختلی سخت بیمار ہیں یا ان کا وقت آخر قریب آن

Marfat.com

پہنچا ہے اور آپ آخری وقت میں ان کی خدمت کرنے کے لیے دوبارہ تشریف لے گئے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چونکہ حضرت ہجویریؒ کے سوانح پر تذکروں میں مواد بہت کم ملتا ہے اور تذکرہ نگار حضرات نے زیادہ تر ''کشف المحجوب'' کے داخلی مندرجات ہی پر تکیہ کیا ہے اس لیے حضرت ہجویریؒ کے سوانحی حالات کے بارے میں یقین سے کوئی بات کہنا دشوار ہے۔

لاہور میں قیام

حضرت ہجویریؒ کی لاہور میں تشریف آوری سے پہلے ہی جو بزرگ لاہور میں تشریف لا چکے تھے، ان کا اسم گرامی شیخ اسماعیل لاہوری ہیں۔ شیخ محمد اکرام ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''تاریخی کتابوں میں سب سے پہلے جس مبلغ اسلام کا نام آتا ہے وہ شیخ اسماعیل لاہوریؒ تھے جو یہاں اس زمانے میں آئے جب ابھی لاہور میں ایک ہندو راجا حکمران تھا وہ شاید سلطان محمود غزنوی کو خراج دیتا تھا لیکن سلطان نے ابھی لاہور میں اپنا نائب مقرر نہیں کیا تھا۔''

شیخ اسماعیل بخاری سید تھے اور علوم ظاہری و باطنی دونوں میں دسترس رکھتے تھے۔ ان کی نسبت لکھا ہے کہ واعظین اسلام میں وہ سب سے پہلے بزرگ تھے جنہوں نے لاہور شہر میں جہاں وہ ۱۰۰۵ء میں آئے تھے، وعظ کہا۔ ان کی مجلس وعظ میں سامعین کا ہجوم ہوتا تھا اور ہر روز صدہا لوگ خلعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے۔

''تذکرہ علمائے ہند'' میں لکھا ہے:

> ''از عظمائے محدثین و مفسرین بود۔ اول کسے است کہ علم تفسیر و حدیث بہ لاہور آوردہ۔ ہزارہا مردم در مجلس وعظ وے مشرف بہ اسلام شدند۔ در سال چہار صد و چہل و ہشت ۴۴۸ھ در لاہور درگذشت۔''[86]

> ترجمہ: (اکابر علمائے محدثین و مفسرین میں تھے۔ وہ سب سے پہلے شخص ہیں جو لاہور میں علم تفسیر و حدیث لائے۔ ہزاروں لوگ ان کی مجالس وعظ میں اسلام قبول کرتے تھے۔ ۴۴۸ھ میں لاہور ہی میں ان کی وفات ہوئی۔)

یہی شیخ محمد اکرام آگے چل کر ہمارے ممدوح مخدوم ہجویریؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''شیخ اسماعیل سے بھی زیادہ جس بزرگ نے نام پیدا کیا وہ غزنی کے شیخ علی بن عثمان ہجویری تھے جو داتا گنج بخش کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ وہ ۱۰۰۹ء کے قریب پیدا ہوئے اور مختلف اسلامی ممالک کے سفر کے بعد سلطان مسعود ابن محمود غزنوی کے اخیر عہد حکومت میں دو ساتھیوں کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔''[87]

Marfat.com

قیام گاہ کا انتخاب

اکثر صوفیائے کرام کی یہ عادت ہے کہ جس جگہ پر بیٹھ کر وہ اپنا سلسلہ تبلیغ وتزکیہ جاری فرماتے ہیں وہاں ایک مسجد، ایک مدرسہ، ایک خانقاہ وغیرہ ضرور بناتے ہیں اور پھر آخر وہی جگہ ان کا مدفن بنتی ہے لہٰذا اس سلسلے میں اگر مولوی محمد دین فوق کی یہ روایت تسلیم کر لی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کہ:

''قلمی پنجابی کتاب میں لکھا ہے کہ جہاں حوض ہے وہاں حضرت نے قیام کیا۔ اس جگہ ایک بلند ٹیلہ تھا اور اس پر کریر کا ایک درخت بھی تھا۔ اس درخت کی لکڑی اب تک دربار میں موجود ہے۔''[۸۸]

تعمیرِ مسجد

جس وقت حضرت ہجویریؒ لاہور تشریف لائے، لاہور میں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی اور لازماً انہوں نے مساجد بھی تعمیر کرائی ہوں گی لیکن وہ مساجد زیادہ تر سرکاری خرچ سے تعمیر ہوئیں یا ممکن ہے کہ ان کی تعمیر کے اخراجات میں عوام نے بھی حصہ لیا ہو لیکن حضرت ہجویریؒ کی تعمیر کردہ مسجد کی یہ خصوصیت ہے کہ اسے حضرت نے اپنے خرچ سے تعمیر فرمایا اور اکابر صوفیہ نیز سنت نبوی کی اتباع کے تحت اس کی تعمیر میں خود بھی حصہ لیا۔ مفتی غلام سرور قادری نے مختلف تذکرہ نگاروں کے حوالے سے تعمیر مسجد کے سلسلے میں حضرت کی ایک کرامت بھی نقل کی ہے:

''مذکور است کہ چوں علی ہجویری در شہر لاہور قیام نمود مسجدے بمقام خانقاہ خود تعمیر کرد و بنیاد و محراب آں مسجدے است۔ مساجد دیگر قدرے مائل بسمت جنوب داشت۔ علمائے لاہور کہ دراں وقت ثقہ وقت بودند بر شیخ اعتراض کردند۔ شیخ خاموش بود۔ چوں تعمیر شد روزے ہمہ علمائے شہر راجمع نمودہ وخود امام شدہ دراں مسجد نماز کرد۔ بعد از نماز بحاضرین وقت فرمود کہ بہ بیند کہ کعبۃ اللہ کدام سمت است۔ فی الحال حجابہا از میان برخاست و کعبہ محاذی مسجد نمودار گشت۔ ہمہ حاضرین بچشم ظاہر دیدند۔''[۸۹]

ترجمہ: نقل ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ نے لاہور میں قیام فرمالیا تو جہاں ان کی خانقاہ تھی وہاں ایک مسجد تعمیر کی اور اس مسجد کی بنیاد اور محراب اس وقت کی دیگر مساجد کے مقابلے میں کسی قدر جنوب کی طرف مائل رکھی۔ لاہور کے علماء نے جو اس وقت ثقہ مانے جاتے تھے، حضرت ہجویریؒ پر اعتراض کیا مگر شیخ خاموش رہے۔ جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی تو ایک دن تمام علمائے شہر کو جمع کیا اور خود امام بن کر اس مسجد میں نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد حاضرین سے فرمایا۔ دیکھ

Marfat.com

لیں کعبۃ اللہ کس جانب ہے۔فوراً ہی درمیان کے تمام حجابات اٹھ گئے اور مسجد کے ٹھیک سامنے کعبہ نظر آنے لگا۔تمام حاضرین نے اپنی ظاہری آنکھوں سے اس منظر کا مشاہدہ کیا۔

تبلیغِ دین

جب مسجد تیار ہوگئی اور خانقاہ بھی قائم ہوگئی تو حضرت ہجویریؒ نے باقاعدہ تبلیغ دین اور تدریس کا نظم قائم کیا۔آپ صوفیائے ماسلف کی طرح دن کا وقت زیادہ تر قرآن وحدیث کے درس میں صرف فرماتے۔ذاتی مسائل اور پریشانوں کے حل کے لیے غیر مسلم بھی آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ ان سے کمال شفقت اور دردمندی کا برتاؤ کرتے جس سے غیر مسلم بے حد متاثر ہوتے اور پھر آپ ان پر اسلام کی حقانیت واضح فرمادیتے اور وہ آپ کے اخلاق،شرافت،بےنفسی اور خلوص سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرتے چلے جاتے۔اس طرح لاہور شہر میں شیخ اسماعیل بخاریؒ نے تبلیغ اسلام کے کام کا جو آغاز کیا تھا وہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرنے لگا۔آپ کی تبلیغ وتعلیم کے ذریعہ قلیل ترین مدت میں ہزاروں جاہل عالم بن گئے۔وہ لوگ جو فسق وفجور اور اخلاقی فساد کی زنجیروں میں عرصہ دراز سے جکڑے ہوئے تھے،اس مسیحا نفس کی چارہ گری سے رذائل اخلاق سے آزاد ہونے لگے۔آپ کا اصول تعلیم وتبلیغ وہی تھا جو سلف صالحین کا تھا کہ پہلے تزکیہ کرتے پھر تحلیہ۔یعنی پہلے نفس کے عوارض اور ہوا وہوس کی گرفت سے لوگوں کو آزاد کراتے پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر اپنی کیمیا اثر نگاہ سے قلوب میں راسخ فرمادیتے۔اس طرح وہ جو کل عوام کالانعام تھے حضرت ہجویریؒ کے فیض صحبت سے ہادی ومقتدیٰ بن گئے۔رائے راجو جو مودود ابن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا گورنر تھا،آپ کا زہد وتقویٰ،اخلاق حسنہ اور خلوص دیکھ کر آپ کے قدموں پر گر پڑا اور آنجناب کے دست حق پرست پر مسلمان ہوکر ''شیخ ہندی'' کا لقب پایا اور بعد میں تو ساری زندگی آپ ہی کے آستانے پر بسر کردی۔بعض تذکرہ نگاروں کی رائے ہے کہ محکمہ اوقاف میں آنے سے پہلے حضرت کی درگاہ کے جو لوگ مجاور تھے وہ اسی شیخ ہندی کی اولاد میں ہیں۔(واللہ اعلم بالصواب) غرضیکہ آپ کی عظمت کا آوازہ لاہور سے نکل کر پنجاب کے طول وعرض میں پھیلنے لگا اور رفتہ رفتہ بھاٹی دروازے کا ''داتا دربار'' نہ صرف پنجاب بلکہ پورے ہندوستان کا روحانی مرکز قرار پایا۔

تدریس سے علیحدگی

ایک عرصہ تک سلسلہ تدریس کے جاری رہنے کے بعد آپ کے فیض یافتہ لوگوں میں ایسے لوگ پیدا ہوگئے جو قرآن وحدیث کا درس دے سکتے تھے تو حضرت ہجویریؒ نے رفتہ رفتہ تدریسی فرائض ان کے سپرد کرنا شروع کردیئے اور خود کو اس سے زیادہ مفید کام یعنی تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ کرلیا۔بعض تذکرہ نگاروں نے تدریس سے علیحدگی کے سلسلے میں سینہ بہ سینہ نقل ہونے والی جو روایت بیان کی ہے وہ غیر معتبر ہے۔''مآثر لاہور'' کے مؤلف چونکہ فن تاریخ کے ماہرین میں ہیں اس لیے انہوں نے اس بے سروپا روایت کی خود ہی تردید فرمادی ہے۔یہ واقعہ خود اتنا

Marfat.com

مضحکہ خیز ہے کہ اس کی تردید میں دلائل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔[۹۰]

صحیح بات یہی ہے حضرت ہجویریؒ اب چونکہ تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہونا چاہتے تھے اس لیے آپ نے اپنے تیار کردہ علماء کو یہ فریضہ سپرد فرمادیا ہوگا اور خود مستقلاً تصنیف و تالیف میں مستغرق ہو گئے ہوں گے۔

سلسلہ بیعت و ارشاد

اگرچہ بعض تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرات اسلام قبول کرتے یا آپ سے روحانی معارف کے سلسلے میں اکتساب فیض کرتے، وہ آپ کے سلسلہ طریقت میں داخل بھی ہوتے۔ تاہم اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے بعد کے صوفیہ کے انداز میں اپنے طریق کو وسعت دینے یا اپنے مابعد کے ادوار میں سلسلہ کو جاری رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی نہ اس کام کی طرف کوئی خاص توجہ فرمائی، شاید اسی لئے آپ کے بعد آپ کا سلسلہ جنیدیہ برصغیر میں جاری نہ رہ سکا۔ اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی کیونکہ آپ کی کتاب ''کشف المحجوب'' میں اس چیز کی طرف ہمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ تاہم بظاہر اس کے دو اسباب سمجھ میں آتے ہیں۔

پہلا سبب غالباً یہ ہے کہ آپ اپنے شیخ طریقت کی طرح گمنامی میں اپنی زندگی گزارنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ''کشف المحجوب'' میں آپ نے اپنی ذات کے بارے میں بہت کم لکھا ہے اور اگر لکھا بھی ہے تو اپنے فضائل یا محاسن کو بیان کیا ہے نہ ظاہر فرمایا ہے۔ صرف اپنے والد اور دادا کا نام سلسلہ نسب کو ظاہر کرنے کے لیے ذکر فرمایا حالانکہ آپ کا خانوادہ اولیاء اللہ کا خانوادہ ہے۔ جہاں کہیں اپنے حالات کا جستہ جستہ ذکر فرمایا ہے وہاں یا تو اپنی خامی بیان فرمائی ہے جیسے شیخ ابو القاسم گورگانیؒ کے سامنے اپنے احوال کا بیان کرنا اور ان کا نہایت احترام سے سننا۔ پھر حضرتؒ کے دل میں جوش جوانی کے باعث اپنے بارے میں بڑائی کا خیال آنا اور اس پر حضرت گورگانیؒ کا مطلع ہو جانا یا شیخ ختلیؒ کو وضو کراتے وقت یہ خیال آنا کہ طالبین مشائخ کے غلام بن جاتے ہیں اور پھر شیخ کا اس خیال پر مطلع ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام مقامات پر کہیں بھی حضرت ہجویریؒ نے اپنے فضل و کمال کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ اپنی کمی اور کوتاہی کے اعتراف ہی کے انداز میں یہ باتیں بیان فرمائیں۔ آپ پورے ''کشف المحجوب'' کا مطالعہ کر لیں آپ کو کہیں بھی ''دعاوی'' نہیں ملیں گے نہ اپنے منصب ولایت کا اظہار نظر آئے گا۔ صرف ان راستوں کا تذکرہ ملے گا جن سے نفس و شیطان انسان کو دھوکہ دیتے اور راہ مستقیم سے ہٹا دیتے ہیں۔

یہ انداز ظاہر کر رہا ہے کہ مصنف شہرت سے گریزاں ہے اور اپنی عظیم شخصیت پر خمود و خمول کا پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ وہ کسی عظیم مقصد کو لے کر بتکدہ ہند میں آیا ہے اور دن رات اس مقصد کی تکمیل میں لگا ہوا ہے۔ اسی لیے حضرتؒ کے تذکرہ نویسوں کو دشواری ہے اور وہ یقین سے کچھ کہہ نہیں پاتے۔ غالباً سلسلہ طریقت کو جاری نہ کرنے کا یہ بھی ایک سبب ہے۔

میرے خیال میں دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے حضرات صوفیہ شکر اللہ مساعیہم ورحمہم اللہ اجمعین۔ بقول

Marfat.com

خواجہ میر خوردؒ

كانو الدين الله حصنا مئويداً ولسنة من سنن خير مرسل.

ترجمہ: وہ خدا کے دین اور خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کے لیے مضبوط قلعہ تھے۔[۹۱]

ان حضرات کا ہاتھ ملت کی نبض پر اور دماغ تجدید واحیائے دین کی تدبیروں پر غور وفکر کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ ان کی پوری کوشش رہی کہ جس طرح بھی ہو، انتہائی دورِ زوال میں بھی اسلامی تعلیمات اپنی معنویت سے محروم نہ ہونے پائیں اور مادیت پرستی کی آلائشوں میں ملوث نہ ہوں۔ یہ حضرات اپنی ذمے داریوں سے واقف تھے یعنی:

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر.[۹۲]

ترجمہ: اور چاہیے کہ تمہارے درمیان ایک ایسی جماعت (ہمیشہ) رہے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلاتی رہے اور نیکی کا حکم دیتی رہے اور برائی سے روکتی رہے۔

یہ جماعت حضرات صوفیہ ہی کی تھی جو تعیشات دنیوی سے گریزاں، طلب جاہ سے عاری اور شہرت سے متنفر تھی اور دن رات بغیر کسی مادی طمع کے اپنے کام میں مصروف رہتی تھی۔ یہ لوگ وقت کے راکب ہوتے ہیں۔ مرکب نہیں ہوتے لہٰذا جس دور میں انفرادی اصلاح اور تزکیہ نفس کی ضرورت تھی۔ یہ حضرات اس کی طرف متوجہ رہے۔ پھر ایسا دور آیا کہ جماعت اور سلسلہ قائم کر کے اصلاح وتزکیہ کا فریضہ انجام دیا جائے تو یہ حضرات یہ کرنے لگے۔ دسویں اور گیارہویں صدی میں ضرورت پیش آئی کہ مدلل کتابیں تصنیف کی جائیں اور اس طرح ان غلط فہمیوں کو رفع کیا جائے جو زنادقہ اور ملاحدہ کے طرزِ عمل سے علمائے ظاہر کے درمیان پیدا ہو چکی تھیں تو ''کتاب اللمع''، ''قوت القلوب''، ''رسالہ قشیریہ''، ''التعرف'' اور ''کشف المحجوب'' جیسے شاہکار سامنے آ گئے۔ اس کے بعد حضرات مشائخ چشت کا دور آیا اور اس دور میں وسیع پیمانے پر تبلیغ اسلام اور سلاسل طریقت کے استحکام کی ضرورت پیش آئی تو تصانیف کی طرف سے صرف نظر کر لیا گیا اور اس سلسلے میں حضرت چراغ دہلیؒ کے ملفوظات میں موجود ہے کہ مشائخ چشت تصنیفات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ صرف چند ملفوظات آپ کو ملیں گے جو بعض معتقدین نے ''راحت القلوب''، ''فوائد الفواد'' اور ''خیر المجالس'' کی صورت میں جمع کر دیے ہیں۔ اصول وفروع تصوف کے موضوع پر اس دور میں ''کشف المحجوب'' کے انداز میں کوئی تصنیف چشتی مشائخ رحمہم اللہ کے ہاں آپ کو نہیں ملے گی۔

اس ساری بحث سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ حضرت ہجویریؒ نے سلسلہ طریقت کے اجراء اور استحکام پر اس لیے زور نہیں دیا کہ یہ آپ کے دور کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ کی حیثیت برصغیر پاک و ہند میں درحقیقت ''مقدمتہ الجیش'' (سفرمینا) کی تھی۔ جب فوج کسی علاقے کی طرف حرکت کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو پہلے مقدمتہ الجیش کو بھیجا جاتا ہے جو جا کر علاقے کی آب و ہوا، ذرائع حمل ونقل، فوج کے قیام کی جگہ، سامان رسد کی فراہمی وغیرہ جیسے امور کا جائزہ لیتا اور ضروری تدابیر اختیار کرتا ہے۔ اس کے بعد فوج پہنچتی ہے اور اپنے فرائض انجام دیتی ہے۔ راقم الحروف کا

Marfat.com

خیال ہے کہ حضرت ہجویریؒ غالباً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امر پر مامور کئے گئے تھے کہ برصغیر میں پہلے آ کر "تخم سجدہ" کاشت کر دیں۔ آپ نے یہ کام کمال حسن وخوبی سے انجام دیا اور اس کا بیّن ثبوت "قرطاس وقلم" کی صورت میں "کشف المحجوب" ہے۔ آپ نے تصوف کے اصول و فروع کو کھول کھول کر بیان فرمادیا۔ جن راستوں سے کفرو الحاد اور بدعت و زندقہ داخل ہوسکتا ہے، ان کی نشان دہی فرمادی۔ اپنے مساعی سے ایک ایسی جماعت کفرستان ہند میں کھڑی کردی جو آنے والے مشائخ کی تعلیمات کو قبول کرے اور یہاں کی فضا "تخم شریعت وطریقت" کی آبیاری کے لیے پوری طرح تیار کردی۔ رہا سوال سلسلہ بیعت وارشاد کے جاری کرنے کا وہ آپ نے اس آنے والے کے لیے چھوڑ دیا جس کا لقب معین الملت والدین خواجہ اجمیریؒ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اجمیر کے سرورؒ سرزمین ہند میں قدم رکھتے ہیں تو قطب البلاد "لاہور" میں تشریف لا کر سب سے پہلے اس کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں جس نے ان کی تشریف آوری کے لیے برصغیر کی زمین ہموار کی تھی اور

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا

کا خطاب دیتے ہیں۔ روحانی اور تکوینی امور پر خالص مادی اور تاریخی عوامل کی روشنی میں غور نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان امور پر کبھی کبھی روحانی اور تکوینی تناظر میں بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اس موقع پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہندوستان میں حضرت ہجویریؒ کی آمد سے قبل بھی اولیاء اللہ یہاں تشریف لا چکے تھے جن میں سب سے پہلے حضرت شیخ صفی الدین گازرونیؒ کا نام لیا جاتا ہے۔ آپ کی تاریخ وفات ۱۰۰۷ء ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "اخبار الاخیار" میں لکھا ہے کہ "قصبہ اچہ" کی بنیاد حضرت گازرونیؒ نے رکھی۔ [۹۳]

خود لاہور شہر میں حضرت ہجویریؒ سے قبل شیخ اسماعیل بخاریؒ تشریف لا چکے تھے اور ان کے فیض سے ہزاروں افراد نے یہاں اسلام قبول کیا۔ وہ جامع علوم ظاہری و باطنی اور صاحب کرامت ولی تھے۔ ان کا مزار بھی لاہور میں ہال روڈ نزد گرجا گھر واقع ہے اور محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جب سلطان الہند حضرت اجمیریؒ تشریف لائے تو حضرت ہجویریؒ ہی کے مزار پر انہوں نے چلہ کیا؟ عقل حیلہ ساز گرفتار اسباب اس کا جواب نہیں دے سکتی کیونکہ ان امور کا تعلق تکوین و روحانیات سے ہے۔ اس دنیا کے حقائق دوسرے ہوتے ہیں، جس طرح لوہا تولنے کی ترازو پر سونا نہیں تولا جاتا، اسی طرح روحانی امور کا تجزیہ مادی معیار سے نہیں کیا جاسکتا۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

Marfat.com

تزویج

جس طرح حضرت ہجویریؒ کے سوانح حیات کے اکثر گوشوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور کوئی بات یقین اور کامل وثوق سے نہیں کہی جا سکتی اسی طرح آپ کے نکاح کرنے کا مسئلہ بھی کافی حد تک مختلف فیہ ہے کیونکہ آپ کے سوانحی حالات کو معلوم کرنے کا ہمارے پاس سب سے زیادہ مستند ''ذریعہ کشف المحجوب'' ہے۔ اس میں اس مسئلہ کے بارے میں آپ نے جو گفتگو فرمائی ہے وہ کسی قدر مبہم ہے اور اس سے دونوں طرح کے نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

اس لیے تذکرہ نگار حضرات کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ قدیم تذکرہ نگار حضرات میں شہزادہ داراشکوہ (سفینۃ الاولیاء) مولانا جامی (نفحات الانس) اور مولانا سید عبدالحی (نزہتہ الخواطر) اس معاملے میں بالکل خاموش ہیں۔ صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' نے بھی اس مسئلہ پر کوئی گفتگو نہیں کی ہے البتہ مولانا عبدالماجد دریا بادی نے اپنی کتاب ''تصوف اسلام'' میں لکھا ہے:

> ''قید از دواج سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آزادی رہی البتہ ایک مقام پر آپ بیتی یوں بیان کرتے ہیں کہ جیسے غائبانہ کسی سے محبت قائم ہوگئی تھی اور یہ ایک سال تک اس زخم لطیف کے بسمل بنے رہے۔ پھر آخر اس سے نجات مل گئی۔ بیان اتنا مجمل ہے کہ تفصیلات کا پتہ نہیں چلتا۔''[94]

سید صباح الدین عبدالرحمٰن ''بزم صوفیہ'' میں لکھتے ہیں:

> ''تعلقات زناشوئی سے پاک رہے۔ ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں کہ ایک سال تک کسی سے غائبانہ عشق رہا مگر جب اس میں غلو پیدا ہونے لگا اور قریب تھا کہ ان کا دین تباہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف سے اس عشق مجازی کے فتنے سے ان کو بچالیا۔''[95]

ڈاکٹر ظہور الدین احمد لکھتے ہیں:

> ''جناب سید ہجویری نے شادی نہیں کی اور ساری زندگی تجرد میں گزاری۔''[96]

نکلسن مقدمہ ''کشف المحجوب'' میں لکھتا ہے۔

> ''کشف المحجوب کے ایک ٹکڑے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کو متاہل زندگی کا مختصر مگر ناخوشگوار تجربہ ہوا۔''

شیخ محمد اکرام ''آب کوثر'' میں لکھتے ہیں۔

Marfat.com

''آپ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں واضح واقفیت نہیں ملتی۔''[97]

مذکورہ بالا آراء کے بالکل ہی برخلاف رائے مولوی محمد دین فوق کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''حضرتؒ نے اپنی پہلی شادی کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ کب ہوئی؟ کہاں ہوئی؟ جہاں انہوں نے دوسری شادی کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ''گیارہ سال سے خدا تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا۔ مقدر نے آخر اس میں پھنسا دیا اور میں عیال کی محبت میں دل و جان سے بن دیکھے ہی گرفتار ہو گیا۔'' یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ بچپن ہی میں مناکحت کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے تھے اور پہلی بیوی کے انتقال کے بعد گیارہ سال تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی پہلی شادی بھی والدین کی موجودگی میں ہوئی تھی اور دوسری شادی بھی ان کی موجودگی میں بلکہ یقیناً ان ہی کے اصرار سے ہوئی ہوگی کیونکہ حضرتؒ نے ''کشف المحجوب'' اور ''کشف الاسرار'' میں عورتوں سے خدا کی پناہ طلب کی ہے اور ان کی ذات کو فتنہ و فساد کا مخزن قرار دیا ہے۔''[98]

حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے اپنے تحقیقی مقدمہ بر ترجمہ ''کشف المحجوب'' میں لکھا ہے:

''حاصل کلام یہ کہ حضرتؒ نے ایک شادی کی تھی۔ اہلیہ کی وفات کے گیارہ سال بعد ایک ایسی عورت کی خوبیوں پر فریفتہ ہو گئے جسے انہوں نے دیکھا تک نہ تھا اور ایک سال تک اس کے عشق میں مبتلا رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے اس عورت کا خیال محو فرما دیا لہٰذا دوسری شادی کا افسانہ محض اختراع طبع ہے۔''[99]

قبل اس کے کہ ان تمام آراء پر غور کیا جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ''کشف المحجوب'' کے متن پر اچھی طرح غور و فکر کیا جائے اور عبارت کو اس کے سیاق و سباق کی روشنی میں دیکھا جائے۔ حضرت ہجویریؒ نے پہلے ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے ''باب ادابهم فی التزویج والتجرید'' اور اس سلسلے میں اولاً قرآنی آیات اور متعدد احادیث سے استشہاد فرمایا ہے۔ پھر اس موضوع سے متعلق مشائخ صوفیہ کی رائے اور آراء کے اختلاف کا ذکر فرمایا۔ سب کے دلائل بیان کیے اور ہر مکتب فکر سے متعلق آداب ذکر کیے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

''ومرا کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود تقدیر کرد تا بفتنہ در افتادم و ظاہر و باطنم اسیر صفتے شد کہ با من کردند بے از انکہ رویت بودہ بود و یکسال مستغرق آں بودم چنانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شدے تا حق تعالیٰ بکمال فضل و تمام لطف خود عصمت خود باستقبال دل بیچارہ من فرستاد و برحمت خلاصی ارزانی داشت والحمد اللہ علی جزیل نعمائیہ۔''[100]

ترجمہ:اور مجھ کو کہ میں علی بن عثمان جلابی ہوں اس کے باوجود کہ گیارہ سال شادی کی آفت سے محفوظ رکھا تھا تقدیر الٰہی سے میں فتنے میں پڑ گیا اور میرا ظاہر و باطن ان اوصاف کا اسیر ہوگیا جو لوگوں نے (اس عورت کے) بیان کئے تھے بغیر اس کے کہ دید ہوئی ہوتی اور ایک سال میں (اس کے خیال میں) غرق رہا یہاں تک کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہوجاتا کہ حق تعالیٰ نے اپنے کمال فضل اور تمام مہربانی سے اپنی عصمت میرے بیچارہ دل کے استقبال کے لیے بھیجی اور اپنی رحمت سے مجھے رہائی عطا فرمائی۔ اللہ کے اس بے حد انعام پر اس کا شکر ہے۔

حکیم موسیٰ امرتسری صاحب نے ''از پس آنکہ'' کا ترجمہ ''اس کے بعد'' کیا ہے جس سے فوراً ذہن اس بات کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ آپ نے شادی کی تھی اور آپ کی اہلیہ وفات پا چکی تھیں یا بقول نکلسن ''شادی کا ناخوشگوار'' تجربہ ہوا تھا جو بہت مختصر تھا لیکن ضروری ہے کہ پورے باب یعنی ''باب آدابہم فی التزویج والتجرید'' کا بغور مطالعہ کیا جائے اور سیاق وسباق کے تناظر میں حضرت ہجویریؒ کی اس عبارت کا جائزہ لیا جائے۔ اس وقت ممکن ہے کہ ہم کسی صحیح فیصلے پر پہنچ سکیں۔ (واللہ ہوالمستعان)۔

حضرت ہجویریؒ نے ''آداب التزویج والتجرید'' کے آغاز میں ایک آیت کریمہ ھن لباس لکم وانتم لباس لھن اور دو احادیث (جو صحاح ستہ کی ہیں) کے ذریعہ نکاح کی فضیلت پر استشہاد کیا ہے اور ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ عام مردوں اور عورتوں کے لیے نکاح مباح ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو حرام سے نہیں بچ سکتے فرض ہے اور ان کے لیے سنت ہے جو اہل وعیال کے حقوق ادا کر سکتے ہوں۔ پھر آگے چل کر ایک حدیث سے (وہ بھی صحاح ستہ کی ہے) یہ واضح فرمایا ہے کہ اگر ایسی مومنہ اور موافق طبع عورت مل جائے جس کی صحبت میں دینی امور کے انجام دہی میں قوت حاصل ہو اور پریشانی کے عالم میں وہ مونس وغم خوار ہو اور تنہائی کا احساس نہ ہونے دے تو وہ لائق ترجیح ہے۔ یہ تو عمومی احکام شریعت آپ نے بیان فرمائے۔ آگے چل کر آپ نے سالکین کے لیے اصول بتلائے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ درویش (سالک) کو چاہیے کہ اپنے احوال پر نظر کرے اور تزویج وتجرید میں جو آفتیں ہیں ان کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرے کہ ان دونوں میں سے کون سی آفت اھون البلیتین ہے۔ تجرید میں دو آفتیں ہیں۔ ایک سنتوں میں سے ایک سنت کا ترک کرنا۔ دوسری دل اور جسم میں شہوت کی پرورش کرنا اور اس بات کا خطرہ کہ کہیں وہ حرام کاری میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اسی طرح تزویج میں بھی دو آفتیں ہیں۔ ایک تو غیر اللہ کے ساتھ دل کی مشغولی اور دوسری حظ نفس کی خاطر جسم کا مشغول ہونا۔

آگے چل کر فرمایا شادی عزلت گزینی میں مزاحم ہوتی ہے لہٰذا اصول یہ قرار پایا کہ جو لوگ مخلوق کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہیں ان کے لیے شادی کرنا شرط ہے اور جو لوگ عزلت گزین اور گوشہ نشین بن کر رہنا چاہیں ان کے حق میں تجرید ہی بہتر ہے۔ اگر کوئی سالک نکاح کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ اس کے آداب کو ملحوظ رکھے مثلاً اپنی اہلیہ کے لیے وجہ حلال سے نان ونفقہ کا بندوبست کرے۔ حلال رقم سے اس کا حق مہر ادا کرے اور جب تک اللہ تعالیٰ کے

Marfat.com

حقوق میں سے کوئی حق اس پر باقی رہے (مثلاً نماز فرض یا واجب یا معمولات اور ادو وظائف) نفسانی لذات میں مشغول نہ ہو۔ البتہ اپنے ورد ووظائف کی ادائیگی کے بعد وظیفہ زوجیت کو ادا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ تاہم اس کی ادائیگی سے قبل اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وجہ حلال سے میری خواہش پوری کردے تا کہ میں حرام سے بچوں اور اس وظیفہ کو اولاد صالح کے حصول کا ذریعہ بنادے۔ درویش کو چاہیے کہ اہل وعیال کی وجہ سے دنیا کو حرام ذریعہ سے حاصل نہ کرے ورنہ ناقابل تلافی نقصان اٹھائے گا۔ ان تمہیدات کے بعد حضرت ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ اس زمانے" میں ممکن نہیں کہ (اہل اللہ) کی طبیعت کے موافق عورت ملے اور شاید اسی وجہ سے صوفیائے کرام کی ایک جماعت نے تجرید کو تزویج پر ترجیح دے رکھی ہے اور اس سلسلے میں حضورﷺ کی ایک حدیث ہے۔ آخری زمانے میں خفیف الحال لوگ بہترین مخلوق میں ہونگے۔ صحابہ نے دریافت کیا حضورﷺ خفیف الحال لوگوں سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "وہ لوگ جن کے بیوی بچے نہ ہوں۔" اور اہل طریقت کا اس پر اجماع ہے کہ بہترین اور افضل ترین لوگ وہ ہیں جو مجرد رہتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے تمہاری دنیا کی تین چیزیں محبوب بنائی گئی ہیں۔ خوشبو، عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اس اعتبار سے اگر دیکھیں تو تزویج افضل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا ہے کہ دوفن مجھے پسند ہیں۔ ایک فقر دوسرے جہاد تو اول الذکر حدیث سے دلیل پکڑنے والے ان دوفنوں کو کیوں نہیں اختیار کرتے؟ بات اصل میں یہ ہے کہ آدم پر پہلا فتنہ عورت ہی کی وجہ سے آیا۔ ایسے ہی ہابیل وقابیل کے فتنے کا سبب بھی عورت ہی بنی۔ اللہ تعالیٰ نے جب دو فرشتوں کو گرفتار عذاب کرنا چاہا (ہاروت و ماروت) تو اس کا سبب بھی عورت ہی بنی۔ اس وقت سے لے کر ہمارے زمانے تک تمام دینی اور دنیوی فتنے عورت ہی سے پھوٹتے ہیں اور حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میرے مابعد کے دور میں مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ کوئی فتنہ نہیں" (یہ روایت بخاری ومسلم میں موجود ہے) پس جب عورتوں میں بظاہر اتنے فتنے ہیں تو باطن میں کتنے فتنے ہوں گے۔

"اور مجھ کو کہ علی بن عثمان الجلابی ہوں گیارہ سال سے آفت تزویج سے محفوظ رکھا تھا۔"[101]

اس عورت کے خیال سے رہائی پانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بعد حضرتؒ فرماتے ہیں:

"مختصر یہ کہ صوفیہ نے اس طریقت کے قواعد کو تجرید پر مبنی کیا ہے۔ جب تزویج آتی ہے تو کاروبار طریقت دگرگوں ہوجاتا ہے۔"[102]

الغرض حضرت ہجویریؒ کی مذکورہ بالا عبارت:

"ومرا کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود تقدیر کردتا بفتنہ افتادم۔" مندرجہ بالا سیاق وسباق کی روشنی میں غور کرنے کے بعد مذکورہ زیریں نکات مستفاد ہوتے ہیں:

Marfat.com

۱۔ عام مردوں اور عورتوں کے لیے نکاح مباح ہے۔ وہ لوگ جو اپنے نفس پر قابو نہیں رکھتے اور اندیشہ ہو کہ وہ حرام کاری میں مبتلا ہو جائیں گے، ان پر نکاح کرنا فرض ہے اور جو اہل وعیال کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ان کے لیے سنت ہے۔

۲۔ درویش اور سالکین کو چاہیے کہ تجرید و تزویج کے مابین اپنی استطاعت کے مطابق انتخاب کریں اور ان میں سے جو چیز زیادہ آسان نظر آئے، اسے اختیار کریں۔

۳۔ وہ سالکین جو فنائے نفس کی منزلوں کو طے کرنے کے بعد دوسروں کی اصلاح پر مامور ہوں اور انہیں مخلوق کے ساتھ رہنا پڑے، ان کے لیے تزویج ضروری ہے (تاکہ ان کا نفس مامون رہے) مگر حلال نان ونفقہ اور مہر کا انتظام انہیں کرنا ہوگا البتہ جو لوگ گمنامی اور گوشہ نشینی میں زندگی گزارنا چاہیں اور وہ اصلاح وارشاد پر مامور نہ ہوں (جنہیں اولیائے مستورین کہا جاتا ہے) ان کے حق میں تجرید ہی بہتر ہے (یہ حضرت کا مشورہ ہے)۔

۴۔ حضرتؒ کا خیال ہے کہ ان کے دور میں ایسی مومنہ عورت کا ملنا جو شریعت وطریقت کے تمام مقتضیات کو پورا کر سکے، محال ہے اور اسی لئے صوفیائے کبار نے تجرید کو تزویج پر ترجیح دی ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں جس میں خفیف الحال لوگوں کو افضل قرار دیا گیا ہے۔

۵۔ حضرتؒ کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بھی تھی جس میں عورتوں کو سب سے زیادہ نقصان دہ فتنہ کہا گیا ہے۔

۶۔ فرماتے ہیں کہ جب عورتوں میں بظاہر اتنے فتنے ہیں تو باطن میں کتنے فتنے ہوں گے۔

۷۔ تجرید میں ترک سنت کا جو الزام عائد کیا جاتا ہے اس : پ نے ایک الزامی جواب دے دیا ہے کہ سنت صرف نکاح ہی تو نہیں ہے جہاد اور فقر بھی تو سنت ہے تو الزام عائد کرنے والے جہاد سے کیوں دست کش ہیں۔

ان تمام بیانات کے بعد آپ اپنا واقعہ (نادیدہ عورت کے خیال میں مستغرق ہونے کا) بیان فرماتے ہیں اور جس جگہ اس واقعہ کا بیان ختم ہوتا ہے، اپنے اکابر طریق رحمہم اللہ اجمعین کا مسلک نقل فرماتے ہیں کہ:

''در جملہ قاعدہ ایں طریق بر تجرید نہادہ اند چوں تزویج آمد کار دگرگوں شد۔''[۱۰۲]

(الغرض اکابر نے اس طریقت کے اصول تجرید پر مبنی کئے ہیں جب تزویج آتی ہے تو کاروبار طریقت دگرگوں ہو جاتا ہے۔)

ان نکات کی روشنی میں یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپؒ نے تجرید اختیار فرمائی اس لیے کہ:

(الف) آپ عام لوگوں میں نہ تھے اور شدید ریاضتوں کے بعد آپ نے نفس کو مغلوب کر لیا تھا، اس لیے حرام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ تھا۔ آپ نے چالیس سال کا عرصہ سفر میں گزارا۔ بھلا آپ کے لیے یہ کیسے ممکن تھا

Marfat.com

کہ حقوق زوجیت ادا کرتے جبکہ حقوق نہ ادا کرنے پر آپ کی عنداللہ گرفت ہوسکتی تھی لہٰذا آپ نے تزویج پر تجرید کو ترجیح دی ہوگی۔

(ب) اپنے شیخ کی طرح آپ بھی پردہ خمول وگمنامی میں رہنا چاہتے تھے اور اسی لیے لاہور میں آپ نے سلسلہ بیعت وارشاد نہیں پھیلایا لہٰذا غالب گمان یہی ہے کہ آپ نے اپنے لیے تجرید ہی کی راہ پسند فرمائی ہوگی۔

(ج) شریک حیات کے لیے آپ نے ازروئے حدیث ایک معیار مقرر فرمالیا تھا اور آپ نے اس کا اظہار فرمایا کہ اس معیار کی مومنہ ملنا اس دور میں ناممکن ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ ساری زندگی مجرور ہے۔ اگر آپ کے معیار کی مومنہ ملی ہوتی تو آپ اس کا تذکرہ اور کچھ نہیں تو تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے۔

(د) بخاری ومسلم کی صحیح روایت کے حوالہ سے آپ نے عورتوں کو مابعد کے زمانے میں سب سے ضرر رساں فتنہ قرار دیا۔ اگر اس کے بعد آپ خود اس فتنے میں گرفتار ہوجاتے تو آپ کے اس قول کی کیا وقعت ہوتی۔ لہٰذا یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ آپ نے اپنی ذات کو اس سب سے ضرر رساں فتنے سے ضرور محفوظ رکھا ہوگا۔

تجرید پر بحوالہ ترک سنت اعتراض کرنے والوں کو جو شخص الزامی جواب دے رہا ہو اس سے یہ امید کرنا کہ اس نے خود تجرید کو ترک کر کے اپنی ذات کو آفت تزویج میں گرفتار کرلیا ہوگا خلاف عقل ہے، لہٰذا راقم الحروف کا خیال ہے کہ حضرت ہجویریؒ نے اپنے لیے راہ تجرید ہی منتخب فرمائی اور ساری عمر اسی پر کاربند رہے اسی لیے پوری کتاب میں کہیں نہ اہلیہ محترمہ کا کوئی تذکرہ ہے نہ اولاد امجاد کا۔

مزید برآں یہ کہ آپ نے اس ''باب المفردون'' (اکیلے رہنے والوں) اور خفیف الحال لوگوں کی تعریف سے متعلق احادیث نقل کی ہیں۔ غالباً ان احادیث کے ذریعہ آپ اپنی تجرید کے لیے جواز ظاہر کرنا چاہتے تھے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اسی باب میں آگے چل کر آپ نے اپنے رفیق (جو ہند میں بھی آپ کے ہمراہی تھے) حضرت احمد حماد سرخسیؒ کا واقعہ نقل فرمایا ہے کہ:

> ''ان سے لوگوں نے سوال کیا کہ آپ کو شادی کی حاجت نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ لوگوں نے پوچھا ''کیوں''؟ فرمایا ''میں اپنے احوال میں غائب رہتا ہوں۔ کبھی اپنی ذات سے بھی اور کبھی حاضر ہوتا ہوں۔ جب غائب ہوتا ہوں تو مجھ کو تین میں سے کوئی بھی چیز یاد نہیں رہتی اور اگر حاضر ہوتا ہوں تو میرے نفس کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر اسے ایک روٹی مل جائے تو ایسا سمجھتا ہے گویا کہ اسے ہزاروں حوریں مل گئی ہوں۔''[۱۰۳]

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ایک رفیق سفر جو آپ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے، ساری زندگی مجرور ہے۔ دوسرے رفیق حضرت شیخ ابوسعید ہجویری تھے۔ ان کے بارے میں بھی کوئی ایسی تاریخی روایت نہیں ملتی کہ انہوں نے شادی کی تھی۔ آدمی اپنی طبیعت اور رجحان کے مطابق رفیق اختیار کرتا ہے۔

Marfat.com

A man is known by the company he keeps.

(آدمی اپنے ساتھیوں سے پہچانا جاتا ہے)

ایک مشہور انگریزی ضرب المثل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان تین رفقاء (۱) حضرت علی ہجویری (۲) حضرت احمد حماد سرخسی (۳) حضرت ابوسعید ہجویری رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے درمیان راہ طریقت کے اشتراک کے ساتھ ساتھ قدر مشترک ''تجرید'' بھی تھی۔ اس گفتگو کی روشنی میں حضرتؒ کے قول:

''ومراکہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود''

کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ''پہلے ذکر کی ہوئی احادیث دربارہ فتنہ زنان کی وجہ سے میں گیارہ سال تک آفت تزویج سے محفوظ رہا۔'' اگر یہ معنی مراد لیے جائیں تو کوئی مخذور لازم نہ آئے گا ورنہ خواہ مخواہ یہ ماننا پڑے گا کہ حضرتؒ نے پہلے ایک مرتبہ شادی کی تھی اوران کی بیوی کی وفات ہوگئی۔

ان مباحث اور اس تجزیہ کا مقصود کسی تذکرہ نگاہ کی رائے کی تغلیط نہیں ہے کیونکہ ہر آدمی اپنے اپنے زاویہ نظر اور تحقیق کے مطابق رائے قائم کرتا ہے۔ میں ہر محقق اور تذکرہ نگار کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اپنا یہ تجزیہ اس امید میں پیش کر رہا ہوں کہ اصحاب علم و بصیرت دیگر آراء کے ساتھ اس پر بھی غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے اپنی کتاب ''پاکستان میں فارسی ادب'' میں ''کشف المحجوب'' کے بہت سے مندرجات پر نہایت تلخ انداز میں انتقاد کیا ہے۔ مثلاً حضرت ہجویریؒ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ ''داتا صاحب نے عمر بھر شادی نہیں کی کیونکہ ان کی نگاہ میں ازدواجی زندگی فقر و درویشی میں حارج ہو سکتی ہے'' حالانکہ گذشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہوگا کہ ''تزویج یا تجرید'' کے بارے میں حضرتؒ کی کیا رائے ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے حضرت ہجویریؒ کی پیش کردہ ایک حدیث کو وضعی قرار دیدیا ہے۔ حالانکہ اگر روایت مذکورہ وضعی تھی تو ڈاکٹر صاحب کو چاہیے تھا کہ اسناد و رجال کے حوالہ سے اس کا وضعی ہونا ثابت کرتے۔

موصوف آگے لکھتے ہیں:

''یعنی آخری زمانے میں سب سے اچھا وہ شخص ہوگا جو خفیف الحال ہو۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہؐ! خفیف الحال کون ہے۔ فرمایا وہ شخص جس کے اہل و اولاد نہ ہو۔ یہ حدیث بھی وضعی معلوم ہوتی ہے۔''

حالانکہ کتب احادیث میں متعدد مقامات پر یہ حدیث مذکور ہے۔ ایک مقام پر ہے:

فقد قال ﷺ خير الناس بعد الماتين خفيف الحال الذى لااهل له ولا ولد.

(حضورﷺ نے ارشاد فرمایا دو صدیوں بعد بہترین لوگ وہ ہونگے جو خفیف الحال ہوں یعنی ان کے بیوی بچے نہ ہوں)

Marfat.com

اس روایت کو ابو یعلی نے حضرت حذیفہؓ کے حوالہ سے خطابی نے عزلت کے بیان میں حضرت ابو امامہؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔[104] اور ڈاکٹر صاحب نے اس حدیث کو وضعی فرما دیا اور کوئی حوالہ بھی نہیں دیا۔ ماشاء اللہ۔

ایک صحاح ستہ کی روایت پر جسے امام ابو داؤد اور نسائی نے اپنے سنن میں نقل کیا ہے اور اسناد پر کوئی جرح بھی نہیں کی ہے، ڈاکٹر صاحب موصوف نے بے بنیاد اعتراض کر دیا ہے۔

جب کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے:

تنکحوا وتکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامة ولو بالقسط

ڈاکٹر موصوف فرماتے ہیں:

''دوسری حدیث اس حد تک تو درست ہے کہ مردوں پر فرض ہے کہ نکاح کریں تا کہ عورتیں حفاظت میں آجائیں لیکن دوسرا حصہ یعنی امت میں اندھا دھند اضافہ ہو کہ رسول خدا اپنی امت کی کثرت پر فخر کریں مشتبہ ہے۔ پیغمبر صرف تعداد پر فخر نہیں کر سکتے۔''[105]

گویا فخر کرنے کے لیے (نعوذ باللہ) پیغمبر علیہ السلام کو ڈاکٹر صاحب موصوف سے مشورہ کرنا چاہیے تھا کہ کس پر فخر کریں اور کس پر نہ کریں۔ چونکہ انہوں نے مشورہ نہیں کیا اس لیے صحاح کی اس روایت کو اس بندہ خدا نے مشتبہ قرار دے دیا۔ بعض ماڈرن لوگ دراصل قول رسول علیہ السلام پر اپنے خیال ونظریات کو نہیں تولتے بلکہ ''تعلیم افرنگی'' کے تحت خود ایک نظریہ یورپ سے مستعار لیتے ہیں (جیسے برتھ کنٹرول کا نظریہ) اور اس پر قول رسول علیہ السلام کو تولتے ہیں اور جب وہ قول استادان فرنگ کے نظریہ پر پورا نہیں اترتا تو جھٹ اسے ''مشتبہ'' قرار دیتے ہیں۔ یہاں تفصیل سے بحث کی گنجائش نہیں ہے، صرف یہ روایت ملاحظہ فرمائیں:

عن معقل بن یسار قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال انی اصبت امرأة ذات جمال وحسب وانها لاتلد افاتزوجها قال لاثم اتاه الثانیة فنهاه ثم اتاه الثالثة فقال تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم.[106]

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہ ایک دن ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک عورت مجھے مل رہی ہے جو حسن وحسب والی ہے لیکن وہ بانجھ ہے۔ کیا میں اس عورت سے شادی کرلوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں۔ پھر وہ دوسری مرتبہ آیا پھر آپ نے اسے منع فرمایا۔ پھر وہ تیسری مرتبہ آیا تو آپ نے فرمایا ''محبت کرنے والی اور اولاد کو جنم دینے والی عورتوں سے شادی کیا کرو کیونکہ میں تمہارے ذریعہ کثرت امت چاہتا ہوں۔''

صحاح ستہ کی یہ روایت ہمارے ڈاکٹر صاحب کے خیال پر پوری نہیں اترتی اس لیے حضرت نے اسے مشتبہ قرار دے دیا اور حضرت ہجویریؒ کو تنقید کا نشانہ بنایا۔

Marfat.com

ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب حضرت ہجویریؒ پر بزعم خود تنقید فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''اپنے اس آخری خیال کی تائید میں رسول خدا کی حدیث پیش کی ہے۔ مــا تـر کـت بعدی فتنة اضـر علـى الـرجـال من النساء صفحہ ۴۷۵ یعنی میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر زیادہ ضرر رساں فتنہ نہیں چھوڑا۔ یہ عورت کے ساتھ سخت ظلم اور ناانصافی ہے کہ اس کو اس قدر محقر اور ذلیل بنایا جائے۔''[۱۰۷]

ذرا اس تنقید کی زبان ملاحظہ کیجیے کہ ایک قول رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اور نہایت بے باکی اور بے ادبی سے فرمادیتے ہیں کہ:

''یہ تو عورت کے ساتھ سخت ظلم اور ناانصافی ہے۔''

یعنی (العیاذ باللہ) اس ظلم اور ناانصافی کا مرتکب اس ذات والا صفات کو قرار دیا جا رہا ہے جس کا وجود مبارک و مسعود قیامت تک کے لیے ''منارہ عدل و انصاف ہے''۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور مورد الزام حضرت علی ہجویریؒ کو ٹھہراتے ہیں۔ اس حدیث کی بھی حیثیت دیکھ لیجیے۔

عن اسامة بن زيد عن النبی ﷺ قال ما تركت بعدی فتنة اضر على الرجال من النساء [۱۰۸]

ترجمہ: حضرت اسامہؓ بن زید سے روایت ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں سے بڑھ کر مردوں کے لیے کوئی زیادہ نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا۔

صفحہ ۱۴۵ پر اسی کتاب میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''فتنہ، فساد کے معنوں میں نہیں بلکہ آزمائش کے معنوں میں ہے۔''

اگر ڈاکٹر صاحب ہی کی بات مان لی جائے تو کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ عورت انسان کے لیے ہر حال میں بڑی آزمائش کی چیز ہے؟ یا آج کے دور ہی میں دیکھ لیں کہ کس طرح ہمارے بازار، ہماری تقریبات اور ہماری مجالس میں میک اپ کر کے عورتیں خود کو نمایاں کر رہی ہیں۔ ایسے مواقع پر کیا وہ لوگ جو پاکبازی کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں آزمائش میں گرفتار نہیں ہوتے؟ کیا عورتوں کی اس روش نے آج دنیا کو انواع و اقسام کے فتنوں سے بھر نہیں دیا ہے؟ پھر اگر حضور ﷺ نے ایسا ارشاد فرمادیا اور حضرت ہجویریؒ نے آپ کے ایک مستند قول کو نقل فرمادیا تو عورتوں پر کون سا بڑا ظلم ہوگیا؟ ظاہر ہے کہ یہ جملہ مطلق نہیں ہے نہ یہ حکم ہر عورت پر لگایا جارہا ہے۔ استثناء تو اس طرح کی عبارتوں میں محذوف ہوتا ہی ہے۔

رہا سوال ہبوط آدم میں عورت کا حصہ یا ہابیل و قابیل اور ہاروت ماروت کے واقعات میں عورت کا کردار تو یہ باتیں حضرت ہجویریؒ نے اپنی طرف سے نہیں لکھی ہیں بلکہ ان میں سے اکثر روایتیں حضرت ابن عباسؓ سے

Marfat.com

مروی ہیں اور تفسیر و حدیث کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں (تفصیل کا موقع نہیں ہے اس لئے حوالے درج کر رہا ہوں۔ امام فخر الدین رازی کی تفسیر جلد ۳ صفحہ ۲۱۹ اور صفحہ ۲ سے صفحہ ۱۱ تک ملاحظہ فرمائیں۔ یہ تفسیر مصر میں چھپی ہے۔

حضرت ہجویریؒ کا مسلک

حضرت ہجویریؒ اہل سنت والجماعت کے مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ اس بات کا آپ نے ''کشف المحجوب'' میں متعدد مقامات پر تذکرہ فرمایا ہے:

فقہی مسالک میں آپ حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے اسی لیے امام ابو حنیفہؒ کا بڑی عقیدت و محبت سے تذکرہ فرمایا ہے۔

''ومنہم امام جہان و مقتدائے خلقاں اشرف فقہا و عز علماء ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الخزازؓ ویرا اندر عبادت و مجاہدت قدمے درست بود ست و اندر اصول ایں طریقت شانے عظیم داشت۔ [۱۰۹]

ترجمہ: اور انہیں میں امام جہان، مخلوق کے مقتدا، اشرف فقہاء اور عز علماء حضرت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الخزازؒ ہیں۔ عبادت و ریاضت میں صحیح راستے پر تھے اور طریقت کے میدان میں بھی ان کی عظیم شان تھی۔

ایک مقام پر لکھا ہے:

''وے استاد و بسیار کس بود از مشائخ چوں ابراہیم ادہم و فضیل بن عیاض و داؤد طائی و بشر حافی و بجز ایشاں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔'' [۱۱۰]

ترجمہ: وہ (امام ابو حنیفہ) مشائخ میں سے بہت سے حضرات کے استاد اور پیشوا تھے مثلاً ابراہیم ادہم، فضیل بن عیاض، داؤد طائی و بشر حافی رحمہم اللہ اجمعین

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''منکہ علی بن عثمان الجلابی ام وفقنی اللہ بشام بودم بر سر خاک بلالؓ موذن رسول علیہ السلام خفتہ خود را بمکہ اندر خواب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از باب بنی شیبہ اندر آمدے و پیرے را اندر کنار گرفتہ چنانچہ اطفال را گیرند بشفقت من پیش ودیدم و بر دست و پایش بوسہ دادم و اندر تعجب آں بودم تا آں کیست و اندر آں حالت چیست وے بحکم اعجاز بر باطن و اندیشہ من مشرف شد گفت ایں امام تو و اہل دیار تست و مرا بداں خواب امیدے بزرگشت با اہل شہر خود درست گشت

Marfat.com

ازیں خواب کہ وے یکے از آنہا بودست کہ از اوصاف طبع فانی بودند و باحکام شرح باقی وبداں قائم چنانچہ برندہ وے پیغمبر بود علیہ السلام اگر او خود رفتے باقی الصفتہ بودے و باقی الصفت یا مخطی بود یا مصیب وچوں برندہ وے پیغمبر بود علیہ السلام فانی الصفت باشد بقاء صفت پیغمبر علیہ السلام وچوں بر پیغمبر علیہ السلام خطا صورت نگیرد برآنکہ بدو قائم بود نیز صورت نگیرد وایں رمزے لطیف است۔''[111]

ترجمہ: میں کہ علی بن عثمان الجلابی ہوں اللہ مجھے نیک توفیق دے حضرت بلالؓ کے مزار پر شام میں مَیں رات کے وقت سو رہا تھا کہ میں نے خود کو خواب میں مکہ معظمہ میں دیکھا اور دیکھا کہ باب بنی شیبہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اور ایک بوڑھے کو شفقت سے اس طرح گود میں لیے ہوئے ہیں جیسے کہ بچوں کو لیا جاتا ہے۔ میں دوڑا ہوا آگے بڑھا اور آپ کے دست مبارک اور پائے مبارک کو بوسہ دیا لیکن میں سخت تعجب میں تھا کہ یہ کون آدمی ہے اور اس حالت میں آپ ﷺ اسے کیوں لیے ہوئے ہیں۔ بطور معجزہ حضور ﷺ میرے باطن اور میرے خیال پر مطلع ہوگئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔'' یہ تیرا اور تیرے علاقہ کے لوگوں کا امام ہے۔'' مجھے اس خواب سے اہل علاقے کے لوگوں کے بارے میں اچھی امیدیں ہوگئی ہیں (کہ وہ لوگ راہ راست پر ہیں) اور اس خواب سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ امام ابو حنیفہؒ ان لوگوں میں ہیں جو اپنے ذاتی اوصاف سے فانی ہوجاتے ہیں اور شرع کے احکام کے ساتھ باقی رہتے ہیں اس طرح کہ ان کے اٹھانے والے حضرت پیغمبر علیہ السلام تھے اگر امام صاحبؒ خود چلتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ اپنی صفات کے ساتھ باقی ہیں اور جو شخص اپنی صفات کے ساتھ باقی ہوتا ہے وہ یا غلطی کرتا ہے یا پھر صحیح فیصلہ کرتا ہے اور چونکہ ان کے لیجانے والے پیغمبر علیہ السلام تھے۔ اس لیے یہ بات ظاہر ہوئی کہ امام صاحبؒ فانی الصفت ہیں اور صفت پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ باقی ہیں اور چونکہ پیغمبر علیہ السلام سے خطا کا صدور نہیں ہوسکتا تو امام صاحب جو پیغمبر علیہ السلام کی صفت کے ساتھ باقی ہیں ان سے بھی (استنباط مسائل میں) خطا صادر نہیں ہوسکتی۔ یہ بڑا لطیف اشارہ ہے۔''

اس میں شک نہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مرتبہ عظیم ہے اور آپ نے دین اسلام کی اپنے اجتہاد کے ذریعہ جو گراں بہا خدمات انجام دی ہیں، تاریخ اسلام میں ان کی نظیر ملنا مشکل ہے اسی لیے حضرت امامؒ سیرت اور مناقب پر گراں قدر کتابیں تصنیف کی گئیں اور عرصہ سے مسلم امہ کا ایک بہت بڑا طبقہ ان کا مقلد ہے مگر حضرت ہجویریؒ نے اپنے خواب کی توجیہ بیان فرماتے ہوئے ایک عجیب ولطیف نکتے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وہ امام موصوفؒ کا فانی الصفت باقی بصفت پیغمبر علیہ السلام ہونا ہے یعنی نبی اکرم ﷺ کی محبت اور آپ کی اتباع میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اس

Marfat.com

قدر مستغرق ہوئے کہ انہوں نے اپنی صفات کو صفات رسالت میں فنا کر دیا۔ جو شے اپنے وجود کو کسی دوسرے وجود میں فنا کرتی ہے اسی وجود کے ساتھ باقی رہتی ہے۔ مثلاً ایک قطرہ جب تک دریا سے الگ ہے ایک حقیر قطرہ ہے لیکن جب وہی قطرہ سمندر میں ڈال دیا جاتا ہے اور اپنا وجود سمندر کے وجود میں فنا کر دیتا ہے تو وہ سمندر کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ غالبؔ نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

یا کہا:

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

اسی سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے فقہی اقوال و آراء کی ثقاہت بھی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ حضرت ہجویریؒ کے خواب کے بموجب وہ تو اپنے قدموں پر چل ہی نہیں رہے ہیں۔ نبوت ان کو اٹھائے ہوئے طی منازل کرا رہی ہے۔ طی منازل سے مراد اس مقام پر مادی سفر طے کرنا نہیں ہے بلکہ مراد علمی و فقہی سفر بصورت اجتہاد و استنباط مسائل ہے۔

حضرت ہجویریؒ کا خواب جہاں ان کے لیے باعث طمانیت تھا وہاں ان لوگوں کے لیے بھی باعث صد طمانیت ہے جو حضرت امام صاحبؒ کے مقلد ہیں۔

وفات

دیگر سوانحی حالات کی طرح حضرت ہجویریؒ کی تاریخ وفات کے بارے میں بھی تذکرہ نگار حضرات کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔

قدیم ترین ماخذ ''نفحات الانس'' اور ''سفینۃ الاولیاء'' میں واضح بات نہیں ہے۔ ''نفحات الانس'' میں تو جامیؔ نے تاریخ وفات ذکر ہی نہیں کی ہے۔

''سفینۃ الاولیاء'' کا جو ترجمہ کراچی سے شائع ہوا ہے، اس میں ہے کہ: [۱۱۲]

''آپ کی وفات ۴۵۶ھ یا ۴۵۴ھ کو ہوئی۔''

سید عبدالحی حسنی نے ''نزہتہ الخواطر'' میں لکھا ہے:

مات لعشر بقین من ربیع الثانی سنة خمس وستین واربع ماۃ بمدینة لاهور فدفن بها وقبرہ ظاهر مشهور یزار ویتبرک به

ترجمہ: ربیع الثانی کی ۲۰ تاریخ کو ۴۶۵ھ میں لاہور میں ان کی وفات ہوئی اور وہیں ان کو دفن

کیا گیا۔ ان کی قبر معروف ہے۔ اس کی زیارت کی جاتی ہے اور اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔

صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' لکھتے ہیں:

''وفات آں جامع الکمالات بقول صاحب سفینۃ الاولیاء در سال چار صد و چار یا شصت و شش است و صاحب نفحات الانس و اخبار الاصفیا باقوال معتبر سال وفات وے سن چار صد و شصت و پنج تحریر می فرمایند و اندرون چاردیواری مزار پر انوار ہم بر دروازہ اندرونی قطعہ تاریخ کہ حاصل آں چار صد و شصت و پنج است تحریر است۔''[۱۱۴]

ترجمہ: اور آنجناب جامع الکمالات کی وفات بقول صاحب ''سفینۃ الاولیاء'' سال ۴۶۴ھ یا ۴۶۶ھ اور صاحب ''نفحات الانس'' و ''اخبار الاصفیاء'' معتبر اقوال کے حوالہ سے آپ کی وفات کا سال ۴۶۵ھ یا ۴۶۶ھ تحریر کرتے ہیں اور حضرت کے مزار مبارک کی چہار دیواری کے دروازے پر جو قطعہ تاریخ وفات درج ہے اس سے بھی ۴۶۵ھ نکلتا ہے۔

صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' کے اس قول پر ملک کے مشہور محقق اور عالم ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم کی رائے کی روشنی میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

''افسوس ہے کہ جناب شیخ کے شخصی حالات بہت کم محفوظ رہے ہیں۔ آپ کی تاریخ ولادت معلوم نہیں اور تاریخ وفات جو مشہور ہے وہ بھی یقینی نہیں ہے۔ ان کے لاہور آنے کا زمانہ، ان کے قیام لاہور کی مدت ان میں سے کوئی بات وثوق سے نہیں کہہ جاسکتی۔ بعض باتیں جو انہوں نے اپنے متعلق ''کشف المحجوب'' میں لکھ دی ہیں صرف انہیں پر اعتماد ہوسکتا ہے یہاں تک کہ ان کی تاریخ وفات کے سلسلے میں بھی اسی کتاب سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ ''سفینۃ الاولیاء'' مطبوعہ میں داراشکوہ نے لکھا ہے کہ ان کی وفات کی تاریخ ۴۵۶ھ ہے اور ایک روایت کی رو سے ۴۶۴ھ ہے (مگر ''خزینۃ الاصفیاء'' میں ہے کہ ''سفینہ'' میں ۴۶۴ھ اور ۴۶۶ھ دیا ہے) اسی طرح ''خزینۃ الاصفیا'' ہی میں ہے کہ ''نفحات الانس'' میں آپ کی تاریخ وفات ۴۶۵ھ دی ہے مگر ''نفحات'' کے مطبوعہ اور قدیم قلمی نسخوں میں جو مَیں نے دیکھے ہیں کہیں آپ کی تاریخ وفات درج نہیں ہے۔ بہرحال آپ کے احاطہ مزار میں دو جگہ جامی لاہوری کے دو قطعات تاریخ میں ۴۶۵ھ ہی تاریخ دی ہے اور یہی تاریخ ''مآثر الکرام''، ''حدائق الحنفیہ''

Marfat.com

اور ''نزہتہ الخواطر'' میں اختیار کی گئی ہے مگر بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ اس سے کئی سال بعد تک زندہ رہے۔''[115]

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''سال وفات میں اختلاف ہے۔ مزار پر جو قطعہ تاریخ کندہ ہے اس میں 465ھ درج ہے اور دوسرے قرینے بھی اسی کی تائید میں ہیں۔''[116]

شیخ محمد اکرام نے تاریخ وفات کے بارے میں لکھا ہے:

''آپ کی ۴۶۵ھ میں یعنی ۱۰۷۲ء کے قریب ہوئی۔''[117]

غرضکہ مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ اکثر تذکرہ نگار حضرات نے تاریخ وفات ۴۶۵ھ ہی مانی ہے۔ مثلاً حکیم سید امین الدین،[118] استاد نفیسی' ہدایت حسین، ریو، رحمان علی، ملک الشعراء بہار، اسماعیل پاشا بغدادی، سید صباح الدین وغیرہم، پروفیسر نکلسن نے قیاساً ۴۶۵ھ ۴۶۹ھ دیا ہے۔

معروف تاریخ وفات سے عدول کرنے والوں میں سب سے پہلے ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم کا نام آتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''مفصل بحث کا یہ مقام نہیں صرف یہ کہنا کافی ہے کہ حضرت داتا صاحب نے کشف المحجوب میں متعدد معاصر شیوخ کا ذکر بصیغہ ماضی کیا ہے مثلاً کہا ہے کہ فلاں بزرگ زہد وتقویٰ اور صلاحیت میں ایسے ایسے تھے۔ اب ان بزرگوں کی وفات کی تاریخیں دیکھیں تو وہ ۴۷۹ھ تک پہنچتی ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ حضرت شیخ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جناب ہجویری کی وفات ۴۷۹ھ یا اس کے بعد ہوئی ہوگی۔''[119]

حضرت ہجویریؒ کے سن وفات کے مسئلہ پر سب سے زیادہ مضبوط اور تحقیقی رائے عبدالحی حبیبی کی ہے۔[120] حبیبی کا مؤقف یہ ہے:

''علی ہجویری غزنوی علیہ الرحمتہ نے لازمی طور پر ۴۸۱ھ اور ۵۰۰ھ کے درمیان وفات پائی ہوگی۔''[121]

اپنے اس مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے حبیبی نے بہت سے استدلال کئے ہیں۔ ان میں قوی ترین استدلال استاد قشیری کے حوالے سے ہے۔ لکھتے ہیں:

''کشف المحجوب میں آپ نے متعدد مقامات پر استاد موصوف کے ارشاد گرامی کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے ''از استاد ابوالقاسم قشیریؒ شنیدم'' (صفحہ ۲۰ و ۲۰۵ و ۳۶۸ طبع سمرقند) اب چونکہ استاد قشیری کا سال وفات عام مورخین کے صحیح قول کے مطابق ۴۶۵ھ ہے (وفیات الاعیان ابن خلکان جلد ۲۔۳۷۵ بعد) اس لیے ماننا پڑے گا کہ ہجویری اپنی کتاب کشف المحجوب کو ۴۶۵ھ کے بعد تک لکھتے رہے ہیں۔''

علامہ عبدالحی ابن العماد الحنبلی نے بھی ''شذرات الذہب'' میں حضرت قشیریؒ کا سال وفات وہی دیا ہے جو جیبی صاحب ابن خلکان کے حوالے سے بتلا رہے ہیں۔ ۴۶۵ھ میں وفات پانے والے معروف حضرات کے باب میں ابن العماد لکھتے ہیں۔

وفيها ابو القاسم القشيری عبد الكريم بن هوازن النيشا بوری الصوفی الزاهد شيخ خراسان و استاذالجماعة ومصنف الرسالة توفی فی ربيع الأخروله تسعون سنة روی عن ابی الحسين الخفاف وابی نعيم وطائفة قال ابو سعد السمعانی لم يرا ابو القاسم مثل نفسه ولدسنة ست وسبعين وثلثمائة فی ربيع الاول وتوفی فی صبيحة يوم الاحد قبل طلوع الشمس سادس عشر ربيع الأخر

ترجمہ: اور اسی ۴۶۵ھ میں ابو القاسم قشیری عبد الکریم بن ہوازن نیشاپوری صوفی زاہد شیخ خراسان علماء کی ایک جماعت کے استاد رسالہ (قشیریہ) کے مصنف کی ربیع الثانی میں وفات ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر نوے برس تھی۔ انہوں نے حدیث کی روایت ابوالحسین الخفاف ابو نعیم اور محدثین کی ایک جماعت سے کی ہے۔ ابوسعید سمعانی نے کہا ہے کہ ابوالقاسم نے اپنے جیسا آدمی اپنے دور میں نہیں دیکھا۔ ان کی ولادت ۳۷۵ھ ربیع الاول میں ہوئی اور وفات اتوار کی صبح سورج طلوع ہونے سے قبل ربیع الآخر کی ۱۶ تاریخ کو ہوئی۔

حضرت ہجویریؒ کے دور میں رسل ورسائل کی وہ آسانیاں موجود نہیں تھیں جو آج کل ہیں لہٰذا ظاہر ہے کہ حضرت استاد قشیریؒ کی وفات کی اطلاع پہنچتے پہنچتے کم از کم ایک سال تو لگا ہی ہوگا۔ اس لئے جیبی کا یہ استدلال درست معلوم ہوتا ہے کہ

''ہجویری نے کشف المحجوب کو قشیری کے سال وفات ۴۶۵ھ (جس کو اکثر مؤرخین نے ہجویری کا سال وفات لکھا ہے) کے بعد مکمل کیا ہے اور اس سال کے بعد لاہور میں بقید حیات تھے۔''[۲۱۱]

Marfat.com

حبیبی کی ایک دوسری دلیل بھی کافی وقیع ہے۔ وہ یہ کہ ہجویری نے (ابوالحسن سالبہ ابراہیم) کا ذکران الفاظ میں فرمایا ہے:

''شیخ الشیوخ ابوالفتح (الحسن) سالبہ افصح اللسان بودو شیخ ابوالفتح سالبہ مر پدر راخلفے نیکو وامید واراست۔''

ترجمہ: پدراور پسر کے اس ذکر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جب کشف المحجوب کا یہ حصہ زیر تحریر تھا شیخ ابوالفتح کے والد فوت ہو چکے تھے لیکن خود ابوالفتح بقید حیات تھے۔

''المنتظم'' میں ابن جوزی اور ''نفحات'' میں مولانا جامی کی توضیح کے مطابق ابوالحسن سالبہ نے سال ۴۷۳ھ میں وفات پائی۔ پس اس سے بات ثابت ہوتی ہے کہ ''کشف المحجوب'' ۴۷۳ھ کے بعد ختم ہوئی۔[۱۲۴]

حبیبی کی یہ دلیل بھی لائق اعتناء ہے کہ

''شیخ ہجویری اپنے زمانے کے بزرگان صوفیہ میں سے ایک بزرگ ابوعلی فضل بن محمد فارمدی کا ذکر ابقاء اللہ کے دعائیہ جملہ کے ساتھ فرماتے ہیں (ص ۲۱۱) اور فارمدی موصوف نے ۴۷۷ھ میں انتقال فرمایا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شیخ ۴۷۷ھ کے بعد بھی زندہ رہے اور آپ نے کشف المحجوب کی تکمیل ۴۷۷ھ کے بعد کی ہے۔''[۱۲۵]

مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ بھی عبدالحی حبیبی نے متعدد وزنی دلائل کے ذریعہ یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ہجویریؒ کی وفات ۴۶۵ھ میں نہیں ہوئی بلکہ بقول ان کے حضرت کا وصال ۴۸۱ھ سے ۵۰۰ھ کے عرصے میں ہوا۔

چونکہ قدیم زمانے میں سن اور تاریخ کو محفوظ رکھنے کا زیادہ اہتمام نہیں کیا جاتا تھا اور زیادہ تر سنی سنائی روایات ہی پر اعتماد کرلیا جاتا تھا اس لیے راقم الحروف کے خیال میں ۴۶۵ھ والی روایت کمزور ہے اور ''کشف المحجوب'' کی داخلی شہادت سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ

آپؒ ۴۶۵ھ کے بعد تک زندہ رہے۔ غالب گمان ہے کہ آپ کی وفات ۴۸۵ھ میں ہوئی۔

مدفن و مزار حضرت ہجویریؒ

تقریباً سبھی تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ہجویریؒ کی وفات لاہور میں ہوئی اور آپ اسی جگہ آسودۂ لحد ہیں۔

''آئین اکبری'' میں ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ''آپ نے لاہور میں انتقال فرمایا اور یہیں آسودہ خاک ہوئے جہاں آپ کے مرقد پر عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے۔''[۱۲۶]

Marfat.com

سید عبدالحئی لکھتے ہیں:

مات ......بمدینة لاهور فدفن بها وقبره ظاهر مشهور یزار ویتبرک به

ترجمہ: آپ نے شہر لاہور میں وفات پائی اور اسی جگہ دفن کیے گئے۔ اور آپ کی قبر ظاہر ومشہور ہے۔ لوگ اس کی زیارت کرتے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔[127]

داراشکوہ "سفینۃ الاولیاء" میں لکھتا ہے:

"آپ کی وفات ۴۵۶ھ یا ۴۶۴ھ کو ہوئی۔ قبر مبارک لاہور کے مغربی قلعہ میں واقعہ ہے۔"[128]

مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں:
وقبر مبارک شیخ ہم موافق مسجد وے است۔"[129]

ترجمہ: اور شیخ کی قبر مبارک ان کی مسجد کے متصل ہے۔

چشتی صاحب نے لکھا ہے:

"بیچ میں مزار پُر انوار حضرت کی ہے اور دو قبریں دوسری ایک تو شیخ احمد حماد سرخسی اور دوسری شیخ ابوسعید ہجویری کی کہ یہ دونوں حضرت کے پیر بھائی آپ کے ہمراہ تشریف لائے تھے۔ پہلے یہ مزار سلطان محمود غزنوی کے برادر زادہ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی نے بنوائی اور چبوترہ اور نواح مزار اسی کا تعمیر کردہ ہے۔"[130]

آگے چل کر لکھتے ہیں:

اور اب بارہ سو اٹھہتر میں مسمی نور محمد سادھو نے ایک گنبد بالائے پنجرہ چوبی تعمیر کرایا ہے اور پنجرہ سے لے کر تا عمارت گنبد ڈاکٹر محمد حسین متعینہ میڈیکل کالج نے آئینے چاروں طرف لگوائے ہیں۔"[131]

اسی سے ملتی جلتی باتیں غالباً اسی کی بنیاد پر "خزینۃ الاصفیاء" میں بھی ہیں۔

مزار مبارک کی ڈیوڑھی سے اندر داخل ہوتے ہی صحن مزار اور مسجد کا جو دروازہ ہے، اس پر جامی لاہوری کا یہ قطعہ تاریخ وفات درج ہے:

خانقاہ علی ہجویری است
خاک جاروب از درش بردار

Marfat.com

طوطیا کن بدیدہ حق بیں
تاشوی واقف دراسرار
چونکہ سردار ملک معنی بود
سال وصلش برآید از سردار
(۴۶۵ھ)

اس وقت تو روضہء مبارک میں بہت سی تبدیلیاں ہوچکی ہیں اور حضرت کی مسجد کی توسیع کے لیے ایک ماسٹر پلان تیار ہوکر محکمہ اوقاف حکومت پنجاب سے منظور بھی ہوچکا ہے۔ الحمدللہ مسجد کا کام نہایت تیزی سے جاری ہے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ العزیز بہت جلد یہ کام تکمیل پذیر ہوجائے گا۔

مدفن کے بارے میں ایک نظریہ

حضرت ہجویریؒ کی قبر کے بارے میں داراشکوہ کے اس جملے سے غلط فہمی ہوئی ہے کہ

''قبر مبارک لاہور کے مغربی قلعہ میں واقع ہے۔''[۱۳۳]

اس غلط فہمی اور ابہام کو ڈاکٹر محمد شفیع صاحب نے یوں رفع کرنے کی کوشش کی ہے:

''داراشکوہ نے کہا ہے کہ قبر شہر لاہور کے درمیان قلعہ کے مغرب میں واقع ہے۔ یہ کچھ عجب سا بیان ہے اس لیے کہ قبر شہر کی فصیل کے باہر ہے البتہ شہر کی بیرونی آبادی کے درمیان ہے اور قلعہ کے مغرب کی بجائے جنوب مغرب کہنا زیادہ صحیح تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ کے زمانے میں قلعہ سے مغرب کو آتے تھے تو شاہی مسجد جو اس وقت تھی ہی نہیں، پہلا قابل ذکر مقام دریائے راوی کا گھاٹ تھا۔ دریا اس وقت قلعہ کے نیچے سے بہتا تھا۔ اس گھاٹ کو کابل جانے والی سڑک عبور کرتی تھی اور گھاٹ کے بعد داتا صاحب کے مزار والا علاقہ ہی قابل ذکر تھا چنانچہ ایک انگریز سیاح فنچ نالی نے جو ۱۶۱۱ء یعنی جہاں گیر بادشاہ کے عہد میں ساڑھے چھ ماہ قریب لاہور میں ٹھہرا رہا، اسی ترتیب سے ان مواضع کا ذکر کیا ہے۔ گو وہ مسجد شکر گنج کہتا ہے بجائے مسجد گنج بخش کے۔''[۱۳۴]

الغرض صحیح بات یہی ہے کہ جہاں اس وقت حضرت کا مزار ہے یہی مرکز تجلیات و مصدر انوار و فیوض ہے۔ داراشکوہ کے بیان کی مذکورہ بالا وضاحت کے بعد اب کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قریبی عہد میں لاہور کے ایک صاحب کشف بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ہجویریؒ کا مزار قلعہ میں ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ صاحب کشف کا کشف (اگر وہ قرآن وسنت متواترہ سے متصادم نہ ہو تو) اس کے لیے حجت ہو

Marfat.com

سکتا ہے دوسروں کے لیے حجت نہیں۔ دوسرا یہ کہ جہاں حضرت خواجہ اجمیریؒ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت شاہ ابوالمعالی قادریؒ اور حضرت شاہ محمد غوثؒ جیسے اکابر کا کشف صریح ہو اور ان حضرات کے چلہ گاہ محسوس شکل میں موجود ہوں۔ جس مزار کی تعمیر سلطان ابراہیم بن مسعود کے ہاتھوں ہوئی ہو اور سلطان محمد غوری، سلطان شمس الدین، التمش، بلبن، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور شہزادہ داراشکوہ جیسے حکمرانوں نے جہاں حاضری دی ہو اور اس وقت سے لے کر آج تک روزانہ ہزاروں آدمی مسلسل و متواتر بغرض زیارت حاضری دیتے ہوں، اس مقام کے بارے میں یہ شک کرنا کہ لوگ حضرتؒ کے مدفن کو بھول گئے ہوں گے، نہ صرف یہ کہ درست نہیں بلکہ بہت بڑی زیادتی ہے۔

راقم الحروف خود ایسے اکابر کو جانتا ہے جو کشف القبور کا ملکہ رکھتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہی حضرت والاؒ کا مزار مبارک ہے۔

حضرت ہجویریؒ کی کرامات

کرامت کے موضوع پر حضرت ہجویریؒ نے نہایت تفصیلی بحث ''کشف المحجوب'' میں کی ہے۔ انشاء اللہ وقت آنے پر اس کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل تبصرہ ہوگا۔ یہاں مقصود صرف حضرتؒ کی کرامات کا مختصراً جائزہ لینا ہے تاہم ضروری ہے کہ بالاختصار اہل سنت والجماعت کا عقیدہ کرامت کے بارے میں بیان کر دیا جائے تاکہ کوئی غلط فہمی نہ رہے۔

جملہ علمائے اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ:

کرامات الاولیاء حق والولی هو العارف بالله تعالیٰ وصفاته حسب مایمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الا نهماک فی اللذات والسموات

ترجمہ: اولیاء کی کرامت برحق ہیں اور ولی اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی ممکن حد تک معرفت رکھنے والا، پابندی سے عبادات ادا کرنے والا، معاصی سے پرہیز کرنے والا اور لذتوں اور شہوات سے گریز کرنے والا ہو۔

''شرح عقائد'' میں ''ولی اللہ'' کی جو تعریف بیان کی گئی ہے، ہمارے ممدوح حضرت ہجویریؒ پر لفظ بہ لفظ اور حرف بحرف صادق آتی ہے اس لئے آپ سے بے شمار کرامات کا صدور ہوا۔

ایک تو آپ کی تیار کردہ مسجد اور خانہ کعبہ کے درمیان کے حجابات کا اٹھ جانا اور سینکڑوں حاضرین کا بچشم سر بحالت بیداری ''کعبہ مکرمہ'' کو دیکھ لینا ہے۔

''بعض تذکروں میں ایک جوگی کا بھی واقعہ درج ہے جو شہر کے گوالوں سے دودھ لیتا اور جو دودھ نہ دیتا

Marfat.com

اس کے جانور کے تھن سے دودھ کے بجائے خون آنے لگتا۔ حضرتؒ نے گوالوں کو منع فرمایا اور خود ان سے دودھ خریدتے۔ تھوڑا سا پی لیتے اور باقی دریا میں ڈال دیتے۔ اس سے بڑی برکت ہوتی اس جوگی نے حضرتؒ سے مقابلہ کرنا چاہا اور ہوا میں اڑنے لگا۔ پھر حضرت نے اپنا جوتا اچھالا اور وہ اس کے سر پر برسنے لگا۔ آخر وہ تائب ہوکر مسلمان ہوا۔ حضرت نے اس کی روحانی تربیت فرمائی۔'' ۱۲۷

کرامت عقلی

ولایت چونکہ نبوت سے مستفاد ہوتی ہے اس لیے ولی کی کرامت بھی نبی کے معجزے کا ظل ہوتی ہے اور جس طرح معجزے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک حسی اور دوسرے عقلی۔ حسی وہ جو انسان کو فوراً محسوس ہوجاتے ہیں مثلاً عصا کا سانپ بن جانا۔ لوہے کا ہاتھ میں لیتے ہی موم ہوجانا۔ مردے کا جی اٹھنا یا چاند کا دو ٹکڑے ہوجانا اور عقلی مثلاً قرآن کریم کہ یہ قیامت تک باقی رہنے والا زندہ جاوید معجزہ ہے۔ اسی طرح کرامت بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک حسی اور دوسری عقلی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بعض اولیاء کو دونوں قسم کی کرامتیں (حسی اور عقلی) عطا فرماتا ہے۔ ان کے ذریعہ لاکھوں گم کردہ راہ ہدایت پاتے، کافر مسلمان ہوتے اور فاسق و فاجر گناہوں میں لتھڑے ہوئے انسان تقویٰ اور پارسائی کی اعلیٰ منزلیں طے کرتے ہیں۔ عام لوگوں کو یہ کرامتیں نظر نہیں آتیں لیکن دلوں کو پھیر دینا اور ان کی تاریکی کو دور کرکے انہیں صداقت و معرفت کے انوار سے منور کر دینا ایسی کرامت ہے جس کا فیضان صدیوں جاری رہتا ہے۔

ہمارے ممدوح و مخدوم حضرت ہجویریؒ کا شمار چونکہ اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے اور مشیت ایزدی کو منظور تھا کہ آپ کے وجود مسعود کے ذریعہ کفرستان ہند میں پرچم اسلام بلند ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دونوں طرح کی کرامتوں سے نوازا تھا۔ آپ کی مجلس گہربار کچھ ایسی وجد آفریں اور کیف آگیں تھی کہ ناممکن تھا کہ کوئی جائے اور خالی ہاتھ واپس چلا آئے۔ اس طرح قیام لاہور کے زمانے میں ہزاروں ہی افراد آپ کے فیضان صحبت سے مستفیض اور انوار ہدایت سے مستنیر ہوئے۔ اسے آپ کی کرامت عقلی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ راقم الحروف کا خیال ہے کہ آپ کی تصنیف ''کشف المحجوب'' آپ کی زندہ جاوید کرامت ہے کیونکہ اس کتاب نے فارسی بولنے اور سمجھنے والے علاقہ کے بسنے والوں کو بے حد متاثر کیا ہے۔

(سید ہجویر المعروف بہ داتا گنج بخش (حیات و تعلیمات)

تالیف سید محمد متین ہاشمی لاہور ۱۹۸۵ء ۱۲۶-۲۳۱)

حواشی

۱۔ کشف المحجوب بہ تصحیح ژوکوفسکی

۲۔ مقدمہ مصحح

۳۔ Kashf-ul-Mahjoob

Marfat.com

۴۔ غلام سرور قادری' ۲' ۲۳۲' طبع اودھ' ۱۹۱۴ء
۵۔ نفحات الانس' مترجم' ۴۵۱
۶۔ سفینۃ الاولیاء' مترجم ۲۰۹ (طبع کراچی نفیس اکیڈمی)
۷۔ حدائق الحنفیہ: ۲۲۳ طبع مکتبہ سہیل حسن، لاہور
۸۔ دریاآبادی، عبدالماجد: تصوف اسلام ۴۲، طبع اعظم گڑھ
۹۔ مقالات دینی وعلمی' ۲۲۲' طبع لاہور
۱۰۔ خزینۃ الاصفیاء' ۲۳۳
۱۱۔ پیر غلام دستگیر نامی' بزرگان لاہور، ۱۸۴
۱۲۔ مقالات دینی وعلمی' ا' ۲۲۳
۱۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۹:۹۱' پنجاب یونیورسٹی
۱۴۔ Nicholson: Preface: xix:Lahore
۱۵۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن' بزم صوفیہ' اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء
۱۶۔ سفینۃ الاولیاء' مترجم' ۲۰۹۔۲۱۰
۱۷۔ ایضاً۔ ۲۱۰
۱۸۔ مقالات دینی وعلمی' ۱۰، ۲۲۲
۱۹۔ تذکرہ حضرت علی ہجویری، ۱۸، طبع لاہور شعاع ادب۔
۲۰۔ البقرہ: ۱۹۳
۲۱۔ نزہۃ الخواطر' ا: ۵۰' طبع حیدرآباد دکن' ۱۹۶۲ء'
۲۲۔ ایضاً
۲۳۔ آب کوثر' ۶۱' طبع لاہور
۲۴۔ ملاحظہ فرمائیں تصوف اسلام' ۴۹
۲۵۔ دینی وعلمی مقالات' ۲۲۲
۲۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ۹۔۹۲
۲۷۔ مقدمہ' ترجمہ کشف المحجوب' ۲۴' طبع لاہور
۲۸۔ تصوف اسلام' ۴۸
۲۹۔ خزینۃ الاصفیا' ۲۳۲
۳۰۔ حدائق الحنفیہ' ۲۲۳
۳۱۔ نزہۃ الخواطر' ا: ۶۶، ۶۷
۳۲۔ کشف المحجوب' ۱۵۱
۳۳۔ القرآن: النحل: ۷۵
۳۴۔ کشف المحجوب بمقدمہ ژوکوفسکی' ص ۱۳' ۵' طبع تہران ونفحات الانس' ص ۲۱۷
۳۵۔ کشف المحجوب' طبع لاہور' ص ۱۵۴ واسلامک بک فاؤنڈیشن ۱۹۷۸ء

Marfat.com

۳۶۔ کشف المحجوب طبع لاہور' ۱۵۰۔
۳۷۔ ایضاً۔ص ۱۵۰۔۱۵۱
۳۸۔ کشف' ۱۵۲' طبع لاہور
۳۹۔ کشف المحجوب' ۱۵۲
۴۰۔ کشف المحجوب' ۱۵۳
۴۱۔ کشف المحجوب' ۱۴۶
۴۲۔ خزینۃ الاصفیاء' ۲۳۲
۴۳۔ ایضاً
۴۴۔ مقدمہ کشف المحجوب طبع تہران' ۳۸
۴۵۔ ایضاً
۴۶۔ کشف المحجوب طبع تہران' ۲۰۸
۴۷۔ ایضاً
۴۸۔ کشف المحجوب' ۱۴۵ طبع لاہور ۱۹۷۸ء
۴۹۔ کشف المحجوب' ۱۴۱' طبع لاہور
۵۰۔ الانعام: ۱۱
۵۱۔ النمل: ۶۹
۵۲۔ کشف المحجوب' ۷۷' طبع تہران
۵۳۔ ایضاً۔ ۱۱۶
۵۴۔ کشف المحجوب' ۴۴۹' طبع تہران
۵۵۔ کشف المحجوب' ۲۶۶' طبع لاہور ۱۹۷۸ء
۵۶۔ مقدمہ مصحح کشف المحجوب' ۴۰' طبع تہران
۵۷۔ ژوکوفسکی' مقدمہ' ۴۰' طبع تہران
۵۸۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں کشف المحجوب' ۳۱۳۔۲۸۷۔۳۰۱ (طبع تہران)
۵۹۔ ایضاً۔ ۴۷۸
۶۰۔ کشف المحجوب' ۲۰۹' طبع تہران
۶۱۔ کشف المحجوب' ۳۳۴' طبع تہران
۶۲۔ کشف المحجوب' ۳۳۴' طبع تہران
۶۳۔ کشف المحجوب: ۵۵' طبع تہران
۶۴۔ مقدمہ کشف المحجوب' ژوکوفسکی' ۴۲
۶۵۔ کشف المحجوب' ۵۲۴' طبع ایران
۶۶۔ کشف المحجوب ۴۷۶' طبع ایران
۶۷۔ یعنی جیسا کہ روایات میں ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو لاہور جانے کا حکم فرمایا اور آپ نے حضرت زنجانیؒ کی وجہ سے

معذرت کی۔
۶۸۔ خواجہ حسن سجزی، فوائد الفواد، ۵۷، طبع لاہور ۱۹۶۶ء
۶۹۔ خزینۃ الاصفیاء، جلد ۲۔ صفحہ ۲۳۳
۷۰۔ سیر العارفین (مخطوطہ) بحوالہ تاریخی مقالات پروفیسر محمد اسلم ۲۸۲، طبع لاہور ۱۹۷۰ء
۷۱۔ محمد صالح، عمل صالح، ۱، ۵۰، طبع لاہور
۷۲۔ نور احمد چشتی، تحقیقات چشتی، ۱۲۵، طبع لاہور ۱۹۶۴ء
۷۳۔ خزینۃ الاصفیاء، ۲، ۲۵۲
۷۴۔ ایضاً۔
۷۵۔ اکثر تاریخی مواد محمد دین فوق کی کتاب سوانح حیات "حضرت علی ہجویری" سے اخذ کیا گیا ہے۔
۷۶۔ ماخوذ از محمد دین فوق، حیات و تعلیمات داتا گنج بخش ۴۵، ۴۶
۷۷۔ سوانح حیات حضرت علی ہجویری، ۴۸، طبع لاہور ۱۹۸۰ء
۷۸۔ سوانح حیات سید علی ہجویری، ص ۴۸، ۴۹
۷۹۔ بحوالہ سوانح حضرت علی ہجویری، فوق ۳۸
۸۰۔ ڈاکٹر ظہور الدین احمد، پاکستان میں فارسی ادب، ۱۲۲۳، یونیورسٹی بک ایجنسی، لاہور
۸۱۔ ایضاً۔
۸۲۔ سورۃ فاطر، ۴۴
۸۳۔ سورۃ الطلاق، ۳
۸۴۔ سورۃ العنکبوت، ۵۹
۸۵۔ کشف المحجوب، ۱۷۳
۸۶۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ۷۴، ۷۵، طبع لاہور ۱۹۶۵ء
۸۷۔ آب کوثر، ۷۶۔۷۷
۸۸۔ فوق: سوانح حیات حضرت علی ہجویری، ۴۷
۸۹۔ خزینۃ الاصفیاء، ۲۳۳
۹۰۔ ہاشمی فرید آبادی، مآثر لاہور، ۲، ۱۴، طبع لاہور
۹۱۔ سیر الاولیاء بحوالہ تاریخ مشائخ چشت، ۱۳
۹۲۔ آل عمران، ۱۰۴
۹۳۔ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ۲۰۵
۹۴۔ تصوف اسلام، ۷۴، طبع اعظم گڑھ
۹۵۔ بزم صوفیہ، ۷، طبع اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء
۹۶۔ پاکستان میں فارسی ادب، ۱، ۱۲۴، طبع لاہور
۹۷۔ آب کوثر، ۸۰، طبع لاہور
۹۸۔ سوانح حیات علی ہجویری، ۲۴۔۲۵

۹۹۔ حکیم موسیٰ امرتسری، مقدمہ ترجمہ کشف المحجوب، ۲۱ طبع لاہور ۱۳۹۶ھ
۱۰۰۔ کشف المحجوب، ۴۷۶ (طبع تہران موسسہ مطبوعات امیر کبیر)
۱۰۱۔ کشف المحجوب، ص ۴۷۶
۱۰۲۔ کشف المحجوب، ۴۷۶ (موسسہ مطبوعات امیر کبیر) تہران۔
۱۰۳۔ کشف المحجوب، ۴۷۷ (طبع تہران)
۱۰۴۔ الغزالی، احیاء علوم الدین، ۲، ۳۰، طبع مصر ۱۳۸۷ھ
۱۰۵۔ پاکستان میں فارسی ادب،
۱۰۶۔ ابوداؤد، ۱، ۲۸۰، طبع کانپور۔ سنن نسائی۔ ۲، ۵۸، طبع نور محمد کراچی
۱۰۷۔ پاکستان میں فارسی ادب، ۱۴۲، ۱۴۳
۱۰۸۔ صحیح بخاری شریف، ۲، ۷۶۳ (کتاب النکاح) طبع کرزن پریس، دہلی۔
۱۰۹۔ کشف، ۱۱۳، طبع تہران
۱۱۰۔ ایضا
۱۱۱۔ کشف المحجوب، ۱۱۷، طبع تہران
۱۱۲۔ سفینۃ الاولیاء مترجم، ۲۱ طبع کراچی
۱۱۳۔ نزہۃ الخواطر، ۱، ۶۷
۱۱۴۔ خزینۃ الاصفیاء، ۲۳۴
۱۱۵۔ مقالات دینی و علمی، ۱، ۲۳۰
۱۱۶۔ تصوف اسلام، ۴۹
۱۱۷۔ بحوالہ تذکرہ علی بن عثمان، نسیم چودھری، ۸۸
۱۱۸۔ آب کوثر، ۷۷
۱۱۹۔ مقالات دینی و علمی، ۲۳۰
۱۲۰۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۶۰ء
۱۲۱۔ اورینٹل کالج میگزین محولہ بالا، ۴۱
۱۲۲۔ عبدالحیٔ بن العماد الحنبلی: شذرات الذہب، ۳، ۳۱۹، وبعد طبع مصر ۱۳۵۰ھ
۱۲۳۔ حبیبی، ۳۴۔۳۵
۱۲۴۔ ایضا
۱۲۵۔ حبیبی: ۳۵ اورینٹل کالج میگزین، فروری ۱۹۶۰ء، ص ۴۱
۱۲۶۔ بحوالہ تذکرہ علی بن عثمان، ۱۰۴
۱۲۷۔ نزہۃ الخواطر، ۱، ۶۷
۱۲۸۔ سفینۃ الاولیاء، مترجم، ۲۱۰ (طبع کراچی)
۱۲۹۔ خزینۃ الصفیاء، ۲۳۳
۱۳۰۔ تحقیقات چشتی، ۱۰۸۰ء

Marfat.com

۱۳۰۔ ایضاً۔

۱۳۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۳۳

۱۳۲۔ سفینہ، ۲۱۰

۱۳۳۔ مقدمہ کشف المحجوب بحوالہ مقدمہ حکیم موسیٰ امرتسری، ۶۲

۱۳۵۔ النسفی عبیداللہ بن احمد بن محمود والتفتازانی الشارح، شرح العقائد، ص ۱۰۱، طبع کراچی

۱۳۶۔ ایضاً۔

۱۳۷۔ تذکرہ علی بن عثمان ہجویری، ۷۷،۷۷

☆......☆......☆

اعجاز الحق قدوسی

حضرت داتا گنج بخشؒ

بارگاہ حضرت داتا گنج بخشؒ میں علامہ اقبال کا خراج عقیدت

برصغیر پاک و ہند کے سب سے پہلے اور سب سے جلیل القدر عالم وصوفی و درویش حضرت داتا گنج بخشؒ ہیں، جو سلطان مسعود بن محمود غزنوی (۴۲۲ھ۔۴۳۲ھ) کے آخری عہد حکومت میں لاہور تشریف لائے اور اس شہر میں تشریف فرما ہو کر رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا۔ انہوں نے اپنے مواعظ، ملفوضات، تصانیف اور فیضان ظاہری و باطنی سے اس برصغیر پاک و ہند میں اسلام کا نور دور دور تک پھیلا دیا۔ اسلامی تصوف کے سرچشمے جو عجمی خیالات و اثرات کی آمیزش سے گدلے ہو چکے تھے، آپ نے اس کو نتھارا اور خالص اسلامی تصوف کی طرف اہل عرفان کا رخ موڑا۔ گیارہویں صدی عیسوی کی تصوف کی تاریخ میں حضرت داتا گنج بخشؒ کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے ایک طرف تصوف کے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دور کیا، دوسری طرف اسلامی تصوف کی راہیں کھول دیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے تصوف کو اسلامی شریعت سے قریب لانے کی انتھک کوشش کی اور حقیقی تصوف کو عوام تک پہنچانے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔

علامہ اقبال حضرت داتا گنج بخشؒ سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔ وہ ان کی بارگاہ میں اپنے جذبات عقیدت کو پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم
بند ہائے کوہسار آساں گیخت
در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق ز حرف او بلند آوازہ شد

پاسبان عزت ام الکتاب
از نگاہش خانہ باطل خراب
خاکِ پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عاشق و ہم قاصد طیارِ عشق
از جبینش آشکار اسرارِ عشق[1]

حالات

آپ کا اسم گرامی علی، ابوالحسن کنیت اور داتا گنج بخش لقب ہے۔ آپ کے والد محترم کا نام نامی سید عثمان ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسنؓ سے جا ملتا ہے۔[2]

آپ کو ہجویری اور جلابی اس لئے کہتے ہیں کہ مدتوں غزنی کے نواحی محلوں یا گاؤں میں آپ کا قیام رہا۔

آپ کی ولادت باسعادت ۴۰۰ھ (۱۰۰۹ء۔۱۰۱۰ء) میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت

آپ کی ابتدائی زندگی اور تعلیم کے متعلق تفصیل تذکروں اور تاریخوں میں بہت کم ملتی ہے، لیکن ''کشف المحجوب'' میں آپ نے اپنے جن اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے، ان میں حضرت ابوالعباس بن محمد اشقانی ہیں۔ حضرت ہجویریؒ ان کے فضائل ومناقب کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

''مرا باوے انسے عظیم بود وے را بر من شفقتے صادق و در بعضے علوم استاد من بود ...... شرع رابنز دیک وے تعظیم بیشتر بود۔''[3]

(ترجمہ) مجھے ان سے بے حد اُنسیت تھی اور وہ مجھ پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے اور بعض علوم میں میرے استاد تھے...... شریعت کی بے حد تعظیم فرماتے تھے۔

''کشف المحجوب'' میں ایک جگہ آپ نے اپنے دوسرے استاد ابوجعفر بن مصباح صیدلانی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''وہ روسائے متصوف میں تھے۔ تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی۔ حسن بن منصور سے بہت محبت رکھتے تھے۔ میں نے ان کی بعض تصانیف ان سے پڑھیں۔[4]

Marfat.com

ان کے علاوہ آپ کے جن اساتذہ کا تذکرہ ہمیں ''کشف المحجوب'' میں ملتا ہے، ان میں شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانیؒ ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے ان کے متعلق لکھا کہ:

''مرا باوے اسرار بسیار بود اگر باظہار آیات وے مشغول گردم از مقصود بمانم۔''[5]

(ترجمہ) مجھے ان کے ساتھ بڑا راز و نیاز تھا۔ اگر میں ان نشانیوں کے ظاہر کرنے میں مشغول ہو جاؤں تو اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔[6]

بیعت

حضرت داتا گنج بخشؒ نے جن بزرگ سے روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی، وہ حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ ہیں۔ یہ بزرگ سلسلہ جنیدیہ میں منسلک تھے حضرت داتا گنج بخشؒ نے ان کے حالات کو قلم بند کرتے ہوئے لکھا کہ:

''وہ (شیخ ابوالفضل) اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے۔ میں طریقت میں ان ہی کا پیرو ہوں۔ وہ علم تفسیر اور روایات کے عالم تھے اور تصوف میں حضرت جنیدؒ کا مسلک رکھتے تھے اور حضرت حصریؒ کے مرید اور راز دار تھے۔ ابوعمر قزوینی اور ابوالحسن سالبہ کے ہم عصر تھے۔ ساٹھ سال تک گمنامی کی حالت میں گوشہ گیر ہو کر خلقت سے دور رہے۔ ان کا قیام زیادہ تر کوہ لگام میں رہتا تھا۔ انہوں نے اچھی عمر پائی۔ ان کی ولایت کی بہت سی دلیلیں ہیں لیکن ظاہری لباس اور رسوم صوفیہ کی نہ رکھتے تھے۔ میں نے ان سے زیادہ پُر رعب کسی کو نہ دیکھا۔ فرمایا کرتے تھے الدنیا یوم ولنا فیھا صوم۔[7]

مرشد کی وفات

''کشف المحجوب'' میں آپ نے اپنے شیخ حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کی وفات کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

''جس روز آپ (حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی) کی وفات ہوئی آپ بیت الجن میں تھے یہ پہاڑی پر ایک گاؤں ہے جو دمشق اور بانیار کے درمیان ہے۔ اس وقت آپ کا سر میری گود میں تھا اور میرے دل میں ایک دوست کی طرف سے کچھ رنج تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا اے بیٹے! اپنے اعتقاد کا مسئلہ تم کو بتاتا ہوں اگر تم اس کے مطابق اپنی اصلاح کر لو گے تو

Marfat.com

سب رنجوں سے نجات پا جاؤ گے۔ وہ یہ ہے کہ خدا ہر جگہ اور ہر وقت اچھوں اور بروں کو پیدا کرتا ہے اس لئے تمہیں ان کے کسی فعل پر رنجیدہ نہ چاہئے، اور نہ دل میں کسی تکلیف کو جگہ دینی چاہیے اس کے سوا کوئی وصیت نہیں فرمائی اور جاں بحق ہوئے۔''[8]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لاہور تشریف لانے کے بعد دوبارہ آپ اپنے مرشد کی خدمت میں گئے تھے۔ اس وقت یہ واقعہ پیش آیا اور مرشد کے وصال کے بعد آپ پھر لاہور تشریف لے آئے۔

سیر و سیاحت

قدیم صوفیہ کے دستور کے مطابق تزکیہء باطن اور روحانی کمال کے لئے آپ نے اسلامی ممالک شام، بغداد، عراق، ایران، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، ماوراء النہر اور ترکستان وغیرہ کی خوب سیاحت کی اور ہر مقام کے اولیاء نے عظام اور صوفیائے کرام کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔[9]

ریاضتیں اور مجاہدے

راہ سلوک و معرفت میں جو ریاضتیں اور مجاہدے آپ نے کیے، ان کا تذکرہ جا بجا آپ نے ''کشف المحجوب'' میں فرمایا ہے۔ ''کشف المحجوب'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ راقم علی بن عثمان جلابی کسی مشکل میں گرفتار ہوا۔ اس سے نکلنے کے لئے میں نے مختلف ریاضتیں کیں۔ پھر میں حضرت بایزید بسطامی کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا۔ روز غسل کر کے بیٹھتا تھا مگر وہ مشکل حل نہ ہوتی تھی، لہٰذا میں نے خراسان جانے کی ٹھانی۔ ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں تصوف کے کچھ مدعیوں کی ایک جماعت نظر آئی۔ میں موٹا اور کھردرا لباس پہنے ہوئے تھا، ہاتھ میں عصا اور پانی کا برتن تھا۔ اس جماعت نے مجھے بنگاہ تحقیر دیکھا اور ان میں سے کسی نے مجھے نہیں پہچانا۔ میری ظاہری حالت دیکھ کر وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ شخص ہمارے گروہ کا نہیں اور واقعی میں ان میں سے نہ تھا لیکن وہاں رات گزارنا میرے لئے ضروری تھا۔ ان لوگوں نے مجھے خانقاہ کے نچلے حصے میں ٹھہرایا اور وہ خود اوپر کی منزل میں ٹھہرے۔ کھانے کے وقت ایک سوکھی روٹی مجھ کو دی۔ ان کے لذیذ کھانوں کی خوش بو برابر میری ناک میں آتی رہی۔ وہ چھت پر سے مسلسل طنز آمیز فقرے مجھ پر کستے رہے۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو خربوزے کھانے لگے اور ازراہ تمسخر چھلکے مجھ پر پھینکتے رہے اور طنز کی باتیں کرتے رہے، مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا۔ اس

Marfat.com

طرح ملامت سننے سے میری وہ مشکل حل ہوگئی۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں اور ان کی بے تمیزیاں کیوں گوارا کرتے ہیں۔''

مسلسل طویل عرصے تک سفر میں رہنے کے باوجود ہمیشہ نماز باجماعت پڑھتے اور نماز جمعہ کے لئے بالالتزام کسی شہر میں قیام فرماتے۔ اپنے مرشد کی طرح صوفیوں کی ظاہری نمود ونمائش سے متنفر تھے اور ان ظاہری رسوم کو معصیت اور ریا سے تعبیر فرماتے تھے۔

ازدواجی زندگی

آپ کی ازدواجی زندگی کے متعلق ہمیں کوئی روایت نہیں ملتی۔ ''کشف المحجوب'' کے بعض اندراجات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شادی نہیں کی، ''کشف المحجوب'' میں ہے کہ ''میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں۔ حق تعالیٰ نے گیارہ سال تک شادی کی آفت سے محفوظ رکھا۔ پھر تقدیر سے آزمائش میں ڈالا گیا۔ میرا ظاہر و باطن ایک پری صفت عورت کا اسیر ہوا بغیر اس کے کہ میں نے اس کو دیکھا ہو، ایک سال تک اس کے خیال میں غرق رہا۔ قریب تھا کہ میرا دین برباد ہو جائے کہ حق تعالیٰ نے کمال لطف وفضل سے میرے بدبخت دل کو بچالیا اور مجھے اس مصیبت سے نجات دی۔''

لاہور میں تشریف آوری

حضرت داتا گنج بخشؒ سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے آخیر دور حکومت میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ مختلف ممالک اسلامیہ کی سیاحت کرتے ہوئے لاہور تشریف لائے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ایک طرف سلاجقہ فرمانرواؤں نے اور دوسری طرف ہندو راجاؤں کی مزاحمت نے غزنوی سلطنت کو پارہ پارہ کر رکھا تھا۔

''فوائد الفواد'' میں ہمیں آپ کی لاہور تشریف لانے کی تفصیلات ملتی ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ:

> ''شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور ان کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے۔ حسین زنجانی عرصے سے لہاور (لاہور) میں مقیم تھے۔ کچھ دنوں کے بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری سے کہا کہ لہاور میں جا کر قیام کرو۔ شیخ علی ہجویری نے کہا کہ وہاں شیخ حسین زنجانی موجود ہیں، لیکن ان کے پیر نے پھر فرمایا کہ تم لہاور جاؤ۔ جب علی ہجویری اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل میں لہاور آئے تو رات تھی۔ صبح کو شیخ حسین زنجانی کا جنازہ باہر لایا گیا۔''

Marfat.com

لاہور آ کر حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس جگہ قیام کیا، جہاں آج آپ کا مزار پُر انوار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ یہاں آ کر انہوں نے ایک مسجد بنوائی، پھر کچھ دن تک درس دیتے رہے، پھر تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔

دارا شکوہ نے ''سفینۃ الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ لاہور میں دن کے وقت تعلیم دیتے اور رات کو طالبان حق کو ہدایت کیا کرتے۔ ان کی رہبری سے ہزاروں جاہل عالم بن گئے۔ کافروں نے اسلام قبول کیا۔ گمراہوں نے ہدایت کی راہ پائی۔ دیوانے ہوش مند ہو گئے۔ جن کا علم ناقص تھا، کامل ہوئے۔ فاسق و فاجر پارسا بن گئے۔ ان دنوں لاہور ان علماء کا مرکز تھا، جنہوں نے حضرت علی ہجویریؒ کی تعلیم سے فیض پایا تھا۔''

تبلیغ اسلام

بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، جن میں سے ایک رائے راجو جو سلطان مودود بن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب تھا۔ اسلام لانے کے بعد آپ نے اس کا نام ''شیخ ہندی'' رکھا۔ اسی کی اولاد سے آپ کے مزار کے خدام ومجاورین ہیں۔[10]

تصوف کی اصلاح

یہی وہ زمانہ تھا کہ تصوف کے سرچشمے قرآن وحدیث سے ہٹ کر صوفیائے خام کے ہاتھوں گدلے ہو رہے تھے۔ صوفیائے خام نے اسلامی تصوف کو مسخ کر کے اس کے اصلی خدوخال کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ آپ نے اس قسم کے صوفیہ کے خلاف آواز اٹھائی اور تصوف کو خالص اسلامی صورت میں نکھار کر پیش کیا۔ آپ تصوف میں دینی اصولوں پر بڑی شدت سے عامل تھے۔ آپ نے حسین فارسی اور ابوسلمان حلولی کے فرقوں کو جنہوں نے تصوف میں بڑی بے راہ روی اختیار کی تھی، ملحد اور لعنتی کہا ہے۔ ''کشف المحجوب'' میں ''گروہ حلولیہ'' کے ضمن میں ان دونوں فرقوں کے متعلق فرمایا کہ:

> ''میں نہیں جانتا فارسی کون اور ابوسلمان کون ہے اور انہوں نے کیا باتیں کہی ہیں۔ جو شخص توحید کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو، اس کا دین اسلام میں کوئی مقام نہیں، چونکہ اصل دین ہے، وہ تصوف جو اس کا نتیجہ اور اس سے مشتق نہ ہو، مستحکم نہیں ہو سکتا۔''[11]

لاہور کی زندگی

لاہور میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے زندگی کیسے گزاری، افسوس ہے کہ اس کی تفصیلات ہمیں تذکروں اور تاریخوں میں نہیں ملتیں۔ پروفیسر شیخ عبدالرشید نے اپنے رسالے ''حیات وتعلیمات حضرت داتا گنج بخشؒ'' میں آپ

Marfat.com

کی لاہور کی زندگی کے ضمن میں آپ کے حالات زندگی آپ کی کتاب ''کشف الاسرار'' سے نقل کئے ہیں کہ حضرت داتا گنج بخشؒ لکھتے ہیں کہ: ''میں ایک بزرگ حسام الدین سے ملا اور ان کی پارسائی سے بے حد متاثر ہوا۔ میں نے التجا کی کہ میری روحانی ترقی کے لئے کچھ ارشاد فرمایئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہر دم لوگوں کی دل جوئی اور تسکین میں مصروف رہو، تاکہ وہ اپنا غم بھول جائیں...... کسی کے جذبات کو ٹھیس نہ لگاؤ...... حاصل کیا ہوا علم ضائع نہ کرو...... ہر وقت اپنے مرشد سے لو لگائے رکھو۔''[12]

''کشف الاسرار'' میں ایک اور شخص کریم اللہ کا بھی ذکر ہے، جو بہت مالدار آدمی تھا اور جس کا سب کچھ یعنی زن و فرزند اور دولت تباہ ہو گئی تھی، آپ نے اس کا یہ واقعہ اپنے مریدوں کو سمجھانے کے لئے بیان کیا کہ وہ دنیاوی ساز و سامان کو ناپائیدار سمجھیں۔

علامہ اقبال کی ایک روایت

علامہ اقبال نے ''مثنوی اسرار و رموز'' میں حضرتؒ داتا گنج بخشؒ کا ایک واقعہ نظم کیا ہے کہ جب وہ لاہور میں مقیم تھے۔ ہم اپنے الفاظ میں اس واقعے کو اختصار کے ساتھ یہاں درج کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

''ایک نوجوان کرد سے حضرت داتا گنج بخشؒ کی خدمت میں لاہور حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں دشمنوں کی یلغار میں گھرا ہوا ہوں، مجھے دشمنوں میں زندگی بسر کرنے کا کوئی طریقہ بتایئے؟ آپ نے فرمایا اے زندگی کے راز اور آغاز و انجام سے ناواقف! زندگی کا راز یہ ہے کہ دشمنوں کے اندیشہائے دور دراز سے بے نیاز ہو کر اپنی خوابیدہ قوتوں کو محسوس کرو۔ اس کو مثالاً یوں سمجھو کہ اگر پتھر اپنے آپ کو شیشہ سمجھنے لگے، تو وہ رفتہ رفتہ شیشہ ہو جائے گا اور یقیناً گر کر ٹوٹے گا۔ اگر کوئی مسافر اپنے میں خود کمزوری محسوس کرنے لگے، تو وہ یقیناً راہزنوں کے ہاتھوں لٹے گا۔ تم کب تک اپنے آپ کو پانی اور مٹی سمجھتے رہو گے، اپنی مٹی سے شعلہ، طور پیدا کرو۔ یاد رکھو جس نے مقام خودی کو پہچان لیا، فضل حق اس کے شامل حال ہو گا، خواہ اس کا دشمن کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو۔ اگر تم اپنے آپ کو خودی سے مزین کر لو گے تو ایک جہان کو شکست دے سکتے ہو۔ یاد رکھو فنا اس کا مقدر ہے، جو اپنی خودی کو فراموش کر دیتا۔ اور بقا اس کی تقدیر ہے، جو اپنے اندر خودی کو بیدار کرتا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ خود سے غفلت اور بیگانگی موت ہے۔ جس میں خودی کا جذبہ مردہ ہو گیا تو وہ مر چکا۔ تمہیں کیا معلوم کہ موت و حیات میں کیا فرق ہے۔ خودی کے عرفان میں تمہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح ہونا چاہیے تاکہ ابتری سے شہنشاہی کے مرتبے کو پہنچو۔ اپنی خودی کو پہچانو، اور عاقبت اندیش انسان بنو، تاکہ تم بھی مردانِ حق اور حامل اسرار لوگوں میں جگہ پا سکو۔''[13]

Marfat.com

ممکن ہے کہ یہ روایت تمثیلی ہو، لیکن چوں کہ یہ روایت بہت سی بصیرتیں اپنے اندر رکھتی ہے، اس لئے ہم نے اس کو نقل کر دیا۔

تصانیف

حضرت داتا گنج بخشؒ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان میں سے ''کشف المحجوب'' آپ کی سب سے زیادہ مقبول اور مشہور تصنیف ہے۔ ''کشف المحجوب'' میں آپ نے اپنی جن دوسری تصانیف کا تذکرہ کیا ہے، ان میں (۱) منہاج الدین (۲) کتاب الفنا والبقا (۳) اسرار الخرق و المؤنات (۴) کتاب البیان لاہل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الرعایۃ الحقوق اللہ (۷) رسالہ در شرح کلام حلاج اور رسالۃ الایمان ہیں۔ ''کشف المحجوب'' میں آپ نے اپنے ایک دیوان کا بھی تذکرہ کیا ہے، جواب نایاب ہے۔[۱۴]

''کشف المحجوب'' کی پہلی فصل میں آپ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ آپ نے اس کتاب کے شروع میں اپنا نام کیوں لکھا، واضح کیا ہے کہ کس طرح آپ کا مجموعہ اشعار رائیگاں ہوا۔ فرماتے ہیں کہ:

> ''کتاب کے اولین حصے میں جو میں نے اپنا نام لکھا ہے، اس سے دو چیزیں مراد ہیں، ایک نصیب خاص اور دوسری نصیب عام۔ جو کچھ نصیب عام سے تعلق ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کم علم لوگ اس موضوع کی کوئی کتاب دیکھتے ہیں تو اس میں اصل مصنف کا کئی ایک جگہ نام نہیں پاتے، تو اسے اپنی طرف منسوب کر کے کتاب کی مقصدیت کو فوت کر دیتے ہیں۔ کیونکہ مصنف کا اپنے نام کی اشاعت سے بقائے دوام مقصود ہوتا ہے، اور خواہش رکھتا ہے کہ اس کی کتاب سے مستفید ہونے والے اسے نیک دعاؤں سے یاد کریں۔ میرے ساتھ یہ واقعہ ہو چکا ہے۔ ایک دفعہ کسی نے میرے اشعار کا مجموعہ طلب کیا، میرے پاس اس کی نقل نہیں تھی۔ اس نے اسے واپس نہیں کیا اور آغاز کتاب سے میرا نام محو کر کے میری تمام کاوشوں کو رائیگاں کر دیا۔ خدا اس پر رحم کرے۔ میں نے ''منہاج الدین'' کے نام سے ایک اور کتاب تالیف کی تھی، جو تصوف کے موضوع سے متعلق تھی۔ ایک پست احساس مدعی علم نے اس پر سے میرا نام مٹا کر خود سے منسوب کیا، اور لوگوں میں مشہور کیا کہ وہ اس کی تالیف ہے۔ عوام و خواص اس کی اس حرکت پر ہنستے رہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ خدا نے اسے مردود قرار دیا اور اس کا نام محو کر دیا گیا۔''

کشف المحجوب

''کشف المحجوب'' فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہے، جو پاکستان کے مشہور اور قدیم شہر لاہور میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے لکھی۔ یہ کتاب ہر دور میں اپنی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے بے نظیر سمجھی گئی۔ ''کشف المحجوب''

پر سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''کشف المحجوب از تصنیف شیخ علی ہجویری است قدس اللہ روحہ العزیز، اگر کسے را پیرے نباشد، چوں ایں کتاب را مطالعہ کند پیدا شود، ومن این کتاب را تمام مطالعہ کردہ ام۔''[15]

ترجمہ: (''کشف المحجوب'' حضرت شیخ علی ہجویری قدس اللہ روح العزیز کی تصنیف ہے۔ اگر کسی کا پیر نہ ہو تو جب اس کتاب کا مطالعہ کرے گا (تو یہ کتاب) اس کے پیر کا کام دے گی۔ میں نے اس تمام کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔)

مولانا جامی نے ''نفحات الانس'' میں ''کشف المحجوب'' کی غیر معمولی افادیت اور اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا:

''علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الغزنوی قدس سرہٗ کنیت وے ابوالحسن است، عالم و عارف بودہ، مرید شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی است، وبصحبت بسیارے از مشائخ دیگر رسیدہ است۔ صاحب کتاب ''کشف المحجوب'' است کہ از کتب معتبرہ مشہورہ دریں فن است، و لطائف و حقائق بسیار در آں کتاب جمع کردہ است۔''[16]

ترجمہ: (علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی غزنوی قدس سرہ کی کنیت ابوالحسن ہے، جو عالم و عارف تھے اور شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی کے مرید ہیں اور بہت سے دوسرے مشائخ کی صحبت میں بھی رہے ہیں۔ کتاب ''کشف المحجوب'' کے مصنف ہیں، جو اس فن کی معتبر کتابوں میں مشہور ہے اور اس میں آپ نے بہت سے لطائف و حقائق جمع کئے ہیں۔)

داراشکوہ نے ''کشف المحجوب'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

''حضرت علی ہجویری را تصنیف بسیار است، اما ''کشف المحجوب'' مشہور و معروف است، و ہیچ کس را بر آں سخن نیست، و مرشدے است کامل، در کتبِ تصوف بخوبی آں در زبان فارسی کتابے تصنیف نشدہ۔''[17]

ترجمہ: (حضرت علی ہجویری کی بہت سی تصانیف ہیں، لیکن ''کشف المحجوب'' مشہور و معروف ہے۔ کسی کو اس پر لب کشائی کا موقع نہیں۔ یہ کتاب رہروان طریقت کے لئے مرشد کامل ہے۔ تصوف کی کتابوں میں فارسی زبان میں اس خوبی کی کوئی دوسری کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔)

پروفیسر نکلسن نے ''کشف المحجوب'' کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ انہوں نے ''کشف المحجوب'' کی اہمیت پر

Marfat.com

روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ:

''یہ وہ کتاب ہے کہ جس سے پہلی مرتبہ یہ برصغیر پاک وہند اسلامی تصوف سے متعارف ہوا۔''

یہ کتاب حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنے ساتھی ابوسعید ہجویری کے ایک استفسار پر جو آپ کے ساتھ غزنی سے لاہور آئے تھے، تصنیف کی۔ آقائی عبدالحی حبیبی کا قیاس ہے کہ ''کشف المحجوب'' کی تالیف ۴۸۱ھ اور ۵۰۰ھ کے درمیان ہوئی۔ ''کشف المحجوب'' پچیس ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب چند فصلوں میں منقسم ہے۔ دیباچے میں حقیقی تصوف اور اس کی اہمیت کا بیان ہے۔

وفات

آپ کے اکثر تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے ۴۶۵ھ میں وصال فرمایا اور یہی تاریخ وفات لاہور میں آپ کے مقبرے پر بھی درج ہے۔ مشہور محقق آقائے عبدالحی حبیبی نے اپنے مدلل ومبسوط مقالے میں جو اورینٹل کالج میگزین جلد ۳۶ میں شائع ہوا ہے، ''کشف المحجوب'' کی داخلی شہادت کی بنا پر حضرت داتا گنج بخشؒ کی تاریخ وفات کا تعین ۴۸۱ھ (۱۰۸۸ء-۱۰۸۹ء) اور ۵۰۰ھ (۱۱۰۶ء-۱۱۰۷ء) کے درمیان کیا ہے۔

فضائل ومناقب

حضرت داتا گنج بخشؒ کی جلالت شان اور علوئے مرتبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے آپ کے مزار مبارک پر چلہ کھینچا تھا۔ چلہ پورا کرنے کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا:

گنج بخش ہر دو عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

عام روایت ہے کہ اسی وقت سے آپ کا لقب داتا گنج بخش مشہور ہوگیا۔ پروفیسر شیخ عبدالرشید نے اپنے رسالے ''داتا گنج بخش'' میں بحوالہ ''کشف الاسرار'' لکھا کہ آپ اپنی زندگی میں ''گنج بخش'' کہلاتے تھے۔ خود ''کشف الاسرار'' میں آپ یہ گلہ کرتے ہیں کہ لوگ مجھے ''گنج بخش'' کہتے ہیں، حالاں کہ میں نادار آدمی ہوں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کا مزار لاہور میں بھاٹی گیٹ کے باہر واقع ہے۔ آپ کا مزار سفید سنگ مرمر کے چبوترے پر ہے۔ وسط میں حضرت داتا گنج بخشؒ کی قبر ہے، اور پہلوؤں میں شیخ احمد سرخسی کی اور ابوسعید ہجویری کی قبریں ہیں۔ یہ وہی ابوسعید ہجویری ہیں، جن کی فرمائش پر آپ نے ''کشف المحجوب'' لکھی تھی۔[۱۸]

(در: اقبال کے محبوب کے صوفیہ از اعجاز الحق قدوسی لاہور، ۱۹۷۶ء ص ۵۱-۶۷۔)

Marfat.com

حواشی

۱۔ اسرار و رموز، ص ۵۷۔۵۸
۲۔ بزم صوفیہ، ص ۱
۳۔ ایضاً۔ ص ۳۱
۴۔ کشف المحجوب
۵۔ کشف المحجوب
۶ ایضاً
۷ کشف المحجوب، ذکر ائمہ متاخرین، نفحات الانس (اُردو ترجمہ) ص ۳۴۶
۸۔ ایضاً۔
۹۔ حضرت داتا گنج بخشؒ (پروفیسر شیخ عبدالرشید) ص ۲۲
۱۰۔ آب کوثر، ص ۸۶
۱۱۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب، تالیف اعجاز الحق قدوسی ص ۵۱، بحوالہ کشف المحجواب
۱۲۔ حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخشؒ۔ مطبوعہ لاہور
۱۳۔ کلیات اقبال فارسی (اسرار و رموز) ص ۵۱ تا ۵۳
۱۴۔ تذکرہ صوفیائے پنجاب، ص ۵۱
۱۵۔ بزم صوفیہ، بحوالہ درر نظامی
۱۶۔ نفحات الانس بضمن تذکرہ حضرت ہجویری۔
۱۷۔ سفینۃ الاولیاء، ص ۲۸۲
۱۸۔ یہ تمام تفصیل ''حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخش'' (پروفیسر شیخ عبدالرشید) ص ۲۶ تا ۲۸ سے ماخوذ ہے۔

☆......☆......☆

محمد دین کلیم قادری

داتا گنج بخشؒ

والدین

اسم گرامی علی، والد ماجد عثمان اور دادا علیؒ تھے۔ ''سفینتہ الاولیاء'' میں شہزادہ داراشکوہ قادری نے لکھا ہے کہ جلاب اور ہجویر غزنی شہر کے دو محلے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ ہجویر محلہ میں رہائش پذیر تھیں اور آپ کے والد گرامی جلاب کے رہنے والے تھے۔ پیدائش آپ کی نانا کے مکان واقع ہجویر میں ہوئی۔ والد کی وفات کے بعد غالباً آپ نے اپنی والدہ کے پاس ہجویری محلہ میں رہائش اختیار کر لی تھی، اس لئے ہجویری کہلائے۔ کنیت آپ کی ابوالحسن تھی اور نام نامی علی بن عثمان بن علی الجلابی الہجویری الغزنوی ثم لاہوری ہے۔

آپ صحیح النسب حسنی سادات میں سے ہیں۔ حضرت امیر حسنؒ علاء چشتی سجزی نے ملفوظات حضرت سلطان المشائخؒ میں آپ کا اسم گرامی علی ہجویریؒ لکھا ہے۔ والدہ کا نسبی تعلق حسینی سادات سے تھا۔

آپ کے والد ماجد عثمان غزنوی کا مزار غزنی میں ہے اور والدہ ماجدہ کا یعنی جو حضرت شیخ تاج الاولیاء کے مزار کے متصل محوخواب ہیں۔ حضرت شیخ تاج الاولیاء رشتہ میں آپ کے ماموں ہیں۔ صاحب ''سفینتہ الاولیاء'' لکھتے ہیں کہ ''آپ کا خانوادہ زہد وتقوی کے لئے مشہور تھا۔'' آپ کی والدہ نہایت نیک اور صاحب علم خاتون تھیں جن کا خاندان علمی فضیلت میں غزنی بھر میں ممتاز تھا۔ داراشکوہ جب اپنے باپ شاہجہان کے ساتھ افغانستان کے دورے پر گیا تو فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے غزنی میں حضرت تاج الاولیاءؒ کے مزار پر حاضر ہوا تھا۔ آپ کے والد حضرت عثمانؒ جلابی بڑے منکسر المزاج اور درویش منش انسان تھے۔ ان کی مالی حالت تو مستحکم نہ تھی، مگر زہد و پارسائی میں شہرت عام رکھتے تھے اور بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کے خاندان میں بہت سے علماء اور صاحب بصیرت لوگ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت سید عثمان بن علیؒ پہلے شخص ہیں جو آل سبکتگین کے دور میں غزنی تشریف فرما ہوئے تھے۔

مذہب

آپ حنفی المذہب تھے اور سراج السالکین حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک پر گامزن تھے۔ امام اعظم

Marfat.com

سے خاص عقیدت تھی اور انہیں امامِ جہاں تصور کرتے تھے۔ ''کشف المحجوب'' میں آپ کو اماموں کا امام، اہل سنت و جماعت کے مقتدیٰ، فقہا کے شرف اور علماء کی عزت کے القاب سے یاد کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ ''حضور اقدس ﷺ نے خواب میں فرمایا کہ ابو حنیفہؒ کو خداوند قدوس نے میری سنت کے زندہ کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

تاریخ ولادت

کسی قدیم تاریخ سے آپ کی تاریخ ولادت نہیں معلوم ہوسکی اور نہ ہی حتماً اس کی تصدیق ہوسکی ہے۔ ''نفحات الانس'' مؤلفہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ اور ''سفینتہ الاولیاء'' مصنفہ شہزادہ داراشکوہ میں بھی آپ کی تاریخ ولادت درج نہیں ہے۔

''خزینتہ الاصفیاء''، ''حدیقتہ الاولیاء''، ''تحقیقاتِ چشتی''، ''تاریخ مخزن پنجاب''، ''ہسٹری آف لاہور'' اور ''تاریخ لاہور'' وغیرہ کتب جو کہ لاہور کے اولیائے عظام سے تقریباً متعلق ہیں، آپ کی تاریخ ولادت پر کوئی روشنی نہیں ڈالتیں۔ ''حضرت داتا گنج بخشؒ'' میں منشی محمد الدین فوق نے قیاساً آپ کی تاریخ ولادت ۴۰۰/ ۴۰۱ ہجری بمطابق ۱۰۰۹ء/ ۱۰۱۰ء درج کی ہے۔

غزنی کی حالت ۴۰۰ھ میں

حضرت علی ہجویریؒ کی پیدائش ۴۰۰ھ مطابق ۱۰۰۹ء میں یا اس کے مابعد بمقام غزنوی میں ہوئی تھی۔ یہ سلطان محمود غزنوی کا عہد حکومت تھا۔ سلطان کی تاریخ وفات ۴۲۱ھ مطابق ۱۰۳۰ء ہے۔ اس اکیس سال کے دوران حضرت علی ہجویریؒ نے تعلیم وتحصیل سے فراغت حاصل کر لی اور دوسرے شہروں میں تحصیل علوم کے لئے نکلے۔ غزنی حکومت نے ان ایام میں بے انتہا ترقی کی۔ ۱۰۱۸ء میں سلطان نے غزنی میں ایک نہایت حسین وجمیل مسجد تعمیر کرائی، جس سے ملحق ایک کتب خانہ تھا۔ اس میں نادر و نایاب کتب اور قیمتی قلمی نسخے تھے۔ اس کا دربار علماء فضلاء اور ارباب فضل وکمال کا مرکز تھا۔ علماء میں ابو القاسم خواجہ احمد بن حسن میمندی، ابو ریحان البیرونی، ابو العباس فضل بن احمد اسفرائینی، ابونصر عینی، ابوالفتح بستی، ابومحمد عبداللہ بن حسین الناصحی، ابومنصور ثعالبی۔ شعراء میں فرخی، عسجدی، عنصری، فردوسی، اسدی منثوری بہت ممتاز تھے۔ اولیائے عظام میں شیخ ابو الحسن خرقانی نقشبندی کی خدمت اقدس میں خود سلطان نے خرقان حاضری دی تھی۔ ظاہر ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ کی ولادت ایسے ماحول میں ہوئی جب کہ شہر غزنی دنیائے اسلام کے ممتاز اور معروف علماء وفضلاء کا گہوارہ تھا۔ سینکڑوں مدرسے تھے، جن میں تعلیم وتربیت کا خاصہ انتظام تھا۔ دور اور نزدیک سے طالب علم غزنی آکر علمی تشنگی بجھاتے تھے۔ علوم وفنون اور علم و ادب کی ان بزم آرائیوں کے علاوہ بیشتر روحانی مراکز بھی قائم تھے، جن میں بڑے بڑے امیر وزیر اور بادشاہ بھی حاضر ہوتے تھے، بلکہ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ محمود غزنوی اور اس کی اولاد کا مشرق پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی سرپرستی نے

Marfat.com

فارسی علم وادب کو وہ فروغ دیا جس کی مثال زمانہ پیش نہیں کرسکتا اور تمام دنیا کے بہترین عالم اور فاضل اس شہر میں اکٹھے کر لئے۔ اس زمانہ میں یہ شہر علم وادب کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ موجودہ زمانے میں غزنی کابل سے ۹۰ میل کے فاصلے پر ہے اور اس میں سلطان سبکتگین، سلطان محمود غزنوی، سلطان مسعود غزنوی، حکیم سنائی، علی لالہ، بہلول دانا، سید حسن کے مزارات موجود ہیں۔ نیز مزار تاج الاولیاء اور والدہ اور والد حضرت علی ہجویریؒ بھی خستہ حالت میں موجود ہیں۔ غزنی سے چند میل کے فاصلے پر سلطان محمد غوری کا مزار بھی دریافت ہوا ہے۔

سلطان محمود غزنوی ۴۰۵ھ مطابق ۱۰۱۴ء میں تخت نشین ہوا۔ اس وقت سے لے کر ۵۰۰ھ مطابق ۱۱۰۶ء تک گیارہ سلاطین یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ ان سب کا دور حضرت علی ہجویریؒ نے دیکھا۔ آپ کی وفات نئی تحقیق کے مطابق مسعود سوئم عطاء الدولہ کے عہد میں بمقام لاہور پائی۔ اس بادشاہ کا عہد ۴۹۲ھ مطابق ۱۱۹۹ء سے شروع ہوتا ہے۔ اس طرح آپ نے یمین الدولہ محمود غزنوی سلطان محمد جلال الدولہ، سلطان مسعود اول ناصر الدین، سلطان مودود شہاب الدولہ، سلطان مسعود دوم سلطان علی ابوالحسن بہاء الدولہ، سلطان عبدالرشید عزالدولہ، سلطان طغرل، سلطان فرخ زاد جمال الدولہ، سلطان ابراہیم ظہیر الدولہ اور سلطان مسعود سوئم علاء الدولہ کے عہد حکومت دیکھے ہیں۔

سفر قنوج کے بعد جب محمود غزنوی واپس غزنی پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت کی فہرست بنائی جائے۔ جب حکم شاہی کی تعمیل ہوئی تو بقول محمد قاسم فرشتہ بیس ہزار اشرفیاں، کئی لاکھ روپے، پچاس ہزار لونڈی غلام، تین سو پچاس ہاتھی اور دوسری بیش قیمت اشیاء سلطان کے ہاتھ آئی تھیں۔ چنانچہ سلطان نے اس فتح کی خوشی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ایک فلک بوس مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔

Marfat.com

عروس فلک مسجد

اصل مسجد سنگِ مرمر اور دوسرے بیش قیمت پتھروں کی بنائی گئی۔ اس میں مربع، مسدس، مثمن اور مدور سنگِ مرمر اور سنگ موس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر نصب کئے گئے تھے تاکہ دیکھنے والے عمارت کی خوبصورتی اور متانت سے متاثر ہوں۔ تکمیل کے بعد اس کو بڑے سلیقہ سے آراستہ کیا گیا۔ قندیلیں نصب کی گئیں۔ کثرت روشنی اور تزئین و آرائش کی وجہ سے اس مسجد کو ''عروس فلک'' کہا جانے لگا۔ مسجد کے ساتھ سلطان نے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور ملحق کتب خانے میں تمام دنیا سے نایاب و نادر اور قلمی کتب منگوا کر اس کی رونق کو دوبالا کر دیا۔ مسجد اور مدرسے کے اخراجات کے لئے بہت سے دیہات وقف کر دیے۔ سلطان کے اس شوق کو دیکھ کر امراء اور اعیانِ سلطنت نے غزنی میں بے شمار مساجد، سرائیں، خانقاہیں اور مدرسے تعمیر کرائے۔ عروس فلک مسجد کی تعمیر کے لئے ہندوستان سے سنگ مرمر اور سنگ رفام یہاں کانوں سے کھدوا کر منگوایا گیا اور درخت بھی مسجد کے باغ و خیاباں میں لگوائے گئے۔

بند غزنی

سلطان محمود نے دریائے غزنی پر شہر سے اٹھارہ میل دور شمال کی جانب ایک بند تعمیر کرایا تھا، جس کی تعمیر پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے۔ یہ بند خشک موسم میں غزنی کے نواحی علاقوں کی آبپاشی کے لئے ممد ومعاون ثابت ہوا۔

مینار غزنی

غزنی سے تھوڑے ہی فاصلے پر دو مینار ہیں جو ایک دوسرے سے چار سو گز دور ہیں۔ ہر ایک، ایک سو چوالیس فٹ بلند ہے۔ اندر سیڑھیاں ہیں جن پر سے انسان اوپر تک جا سکتا ہے۔ میناروں کے مختلف حصوں میں نہایت خوبصورت خط کوفی میں آیات اور اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک مینار سلطان محمود نے تعمیر کرایا تھا اور دوسرا اس کے بیٹے مسعود سلطان نے تعمیر کرایا۔

محل سلطان مسعود

سلطان مسعود نے اپنے زمانہ حکومت میں غزنی میں ایک نیا محل باغ وکوشک تیار کرایا۔ اس کی تعمیر پر تین سال صرف ہوئے۔ ۱۰۳۸ء میں موسم گرما کے آغاز میں اس کی تکمیل کا جشن منایا گیا۔ بیہقی اس جشن میں شریک تھا۔ اس نے اس کی بہت تعریف کی ہے۔ اس وسیع وعریض ایوان میں زربفت کے قالین بچھے ہوئے اور طلائی چوکیاں رکھی تھیں جن پر کافوری شمعیں روشن اور عود وعنبر کے مشک نافے مہک رہے تھے۔ سلطان کی قبا میں کپڑا کم اور سونا زیادہ ڈھلکتا تھا۔

سفیر بغداد کا استقبال

سلطان مسعود کے زمانہ میں جب عباسی خلیفہ قائم بامر اللہ کا سفیر غزنی آیا تو ۴۳۳ھ مطابق ۱۰۴۰ء میں اس کے اعزاز میں دربار استقبالیہ لگایا گیا۔ پورا شہر دلہن کی طرح سجایا گیا۔ میلوں تک مسلح پیادہ وسوار افواج لشکر جرار کی صفیں جنگی ہاتھیوں کے علاوہ اسپ وشتر کی قطاریں، قیمتی ساز وسامان سے آراستہ کھڑی کی گئیں۔ محل کے باہر دونوں جانب دو ہزار شاہی غلام اس شان سے ایستادہ تھے کہ دو ہزار کے سروں پر کلاہ دو گوشہ، کمر میں زریں پٹکے، دس دس لڑی کے ہار گلے میں ہر ایک کے ہاتھ میں چاندی کا عصا تھا۔ ان کی قبائیں دیبائے شوستری کی بنی ہوئی تھیں۔ خاص چبوترہ پر شہنشاہ کی مسند بچھائی گئی۔ اس کے گرد تین سو غلامانِ خاصہ قطار در قطار بیش قیمت لباس پہنے سونے کے عصا ہاتھ میں لئے حاضر تھے اور اس شان سے سفیر کو مسند شاہی تک لائے۔

Marfat.com

دعوت ایلک خاں

سلطان محمود نے ایلک خاں اور اس کے بھائی کے نزاع کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک مجلس منعقد کی۔ صاحب "روضۃ الصفا" نے اس کی تصویر اس طرح کھینچی ہے، لکھتا ہے:

"مجلس کے راستے پر دو ہزار غلام، بیش قیمت لباس پہنے صفت بستہ کھڑے تھے۔ ان کے آگے پانچ سو غلامان خاصہ کی قطار تھی جن کی پیٹیاں زر و جواہر سے مرصع تھیں۔ تخت شاہی کے گرد حاجبوں کا گروہ تھا جن سب کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ میدان میں سات سو کوہ پیکر ہاتھی کھڑے جھوم رہے تھے۔ ان کے بیش قیمت جھولوں پر نفیس اسلحہ اور مختلف اقسام کا قیمتی سامان آراستہ تھا۔ میدان میں پیادہ و سوار ہزار ہا نوجوان کھڑے تھے۔ جس مکان میں خان کی دعوت کی گئی تھی وہ جواہرات کی چمک سے جگمگا رہا تھا۔ اس نظارہ کو دیکھ کر سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ایسی شان و شوکت راجگانِ ہند، قیاصرہ روم اور اکاسرۂ عجم کے درباروں میں بھی نہ دیکھی گئی تھی۔"

مدرسہ سلطان محمود غزنوی

سلطان مذکور نے غزنی میں ۴۱۰ھ مطابق ۱۰۱۹ء میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا جو کہ اس شہر میں اپنی قسم کی پہلی درس گاہ تھی۔

جیسا قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ دنیا کے ارباب علم وفن غزنوی دربار سے وابستہ ہو کر اس شہر میں آ چکے تھے اور یہ شہر ارباب فضل وکمال کا گہوارہ اور مرکز بن چکا تھا۔ ان میں سے چند ایک کے مختصر حالات ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں تا کہ اس وقت کے غزنی کے ایک ہلکی سی جھلک دیکھی جا سکے۔

۱۔ ابوریحان البیرونی

غزنوی دربار کا درۃ التاج تھا۔ غزنی میں ۴۴۰ھ مطابق ۱۰۴۸ء میں فوت ہوا۔ یہ ایک سو سے زائد کتب کا مصنف تھا جن میں سے اکثر نایاب ہیں۔ "قانون مسعودی"، "آثار الباقیہ" اور "کتاب الہند" اس کی مشہور و معروف تالیفات ہیں۔ اسے مسلمانوں کا ارسطو کہا جاتا ہے۔

۲۔ ابو العباس فضل بن احمد اسفرائینی

محمود نے اس کو وزارت کے عہدے پر فائز کیا۔ اس نے عربی کی بجائے فارسی کو دربار کی زبان بنایا۔ اس

Marfat.com

نے فردوسی مصنف ''شاہ نامہ'' کو دربار محمود میں پیش کیا تھا۔

۳۔ ابوطیب سہیل بن سلیمان صعلو کی

تفسیر، فقہ، حدیث، ادب اور کلام میں امام وقت خیال کئے جاتے تھے۔ ائمہ حدیث نے ان کو شمس الاسلام اور شیخ خراسان کے القاب سے نوازا تھا۔

۴۔ ابونصر یمینی

''تاریخ یمینی'' ان کی تالیف ہے۔ اس کی عبارت بہ لحاظ انشاء اس قدر فصیح و بلیغ ہے کہ علمائے ادب اسے مقامات ہمدانی اور حریری کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔

۵۔ ابوالخیر حمار

اس کو بقراط ثانی کہا جاتا ہے۔ اس نے منطق، طب اور فلسفہ پر پندرہ سے زائد کتابیں لکھی ہیں۔ غزنی میں گھوڑے سے گر کر انتقال ہوا۔

۶۔ ابومنصور ثعالبی

ادب اور تاریخ کے امام وقت تھے۔ دربار غزنی کی طرف سے یہ خلیفہ بغداد کی خدمت میں بطور سفیر گئے تھے تاکہ سلطان کے لئے خلیفہ کی طرف سے خطابات حاصل کریں۔

۷۔ ابونصر مشکان

''المقامات'' لکھ کر ناموری حاصل کی۔ یہ غزنوی دربار کے مورخ ابوالفضل بیہقی کا استاد تھا۔

۸۔ ابوالفتح بستی

علم منقول کا زبردست عالم تھا۔ عربی و فارسی میں اس کے دو دیوان ہیں۔ ۱۰۳۹ء میں وفات پائی۔

۹۔ ابوالقاسم خواجہ احمد بن حسن میمندی

سلطان محمود کا دودھ شریک بھائی اور ہم سبق تھا۔ خوشخطی میں ماہر، صاحب فہم و فراست اور اعلیٰ پایہ کا شاعر تھا۔ اٹھارہ برس وزارت پر فائز رہے۔

۱۰۔ ابومحمد عبداللہ بن حسین الناصحی

غزنی کے قاضی القضاۃ، تفسیر، فقہ اور حدیث کے زبردست عالم تھے۔ مذہب حنفیہ کے امام وقت تسلیم کئے جاتے تھے۔

Marfat.com

۱۱۔فردوسی

غزنوی دور کا نہایت مشہور شاعر اور ''شاہ نامہ'' کا مصنف تھا۔

۱۲۔عسجدی

عنصری کا شاگرد تھا۔فتح سومنات پر اس نے ایک زبردست قصیدہ لکھا تھا۔

۱۳۔اسدی

فردوسی کا استاد اور طوس کا باشندہ تھا۔فردوسی کی اس سے منسوب تھی۔''مناظرہ روز وشب'' اس کی مشہور تصنیف ہے۔

۱۴۔فرخی

اس نے صنائع بدائع فارسی میں ایک کتاب ''ترجمان البلاغت'' لکھی ہے۔مشہور شاعر تھا اور صاحب دیوان تھا۔۴۲۹ھ مطابق ۱۰۳۷ء میں وفات پائی۔لاہور بھی تشریف لائے۔

۱۵۔غضائیری

غزنوی سلاطین کے دربار کا قصیدہ گو شاعر تھا۔وفات ۴۲۶ھ بمطابق ۱۰۳۴ء میں ہوئی۔

۱۶۔عنصری

غزنی کے چار سو شعراء اس کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔اس کو ملک الشعراء کا خطاب حاصل تھا۔۱۰۴۹ء میں وفات پائی۔اس کا اس قدر عروج تھا کہ سلطان کی خدمت میں کوئی نظم بغیر عنصری کے دیکھے پیش نہیں کی جاسکتی تھی۔

ان واقعات سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت علی ہجویریؒ کی پیدائش غزنی میں ہوئی اور انہوں نے اپنی عمر کا قریباً تیسرا حصہ اس علم و ادب کے گہوارے میں گزارا۔انہیں کس قدر ذوق علم و ادب ہوگا؟ یہی ذوق بالآخر ایک ایسی کتاب کی تصنیف پر منتج ہوا، جس کے مقابلے میں تصوف کی کسی کتاب کو بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔اس مایہ ناز تصنیف کے تراجم تقریباً دنیا کی تمام اہم زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

مختصر تاریخ غزنی

غزنی، کابل قندھار سڑک پر کابل سے قریباً ۹۰ میل دور ہے۔اس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں، مگر شہر ایک

Marfat.com

وسیع وادی میں واقع ہے، جس میں سے دریائے غزنی گزرتا ہے۔ دور غزنویہ میں دریا کے دونوں کناروں پر شہر آباد تھا۔ غزنی ایک ترکی سردار غازان خاں نے آباد کیا تھا۔ کابل قندھار سڑک امریکی بنا رہے ہیں جو شہر میں سے گزرتی ہے۔ اس شہر میں ایک زیارت ہے جہاں تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک رکھا ہے۔ سلاطین غزنین نے اس کو بے انتہا رونق دی۔

حضرت سید علی ہجویریؒ ''کشف المحجوب'' میں جہاں کہیں غزنی کا ذکر فرماتے ہیں، اس طرح کرتے ہیں:

''خدا اس شہر کو محفوظ رکھے۔''

تعلیم و تربیت

جب ذرا ہوش سنبھالا تو علمائے غزنی سے علوم ظاہری کی تکمیل کرنے کے بعد مختلف شہروں میں تشریف لے گئے اور وہاں سے علوم ظاہری و باطنی حاصل کرنے میں مکمل سعی کی۔ جن لوگوں سے آپ نے علم دین حاصل کیا، ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی

المتوفی ۴۶۰ھ مطابق ۱۰۶۷ء۔ آپ اس زمانہ کے مشہور بزرگ، سنت کے عاشق اور شریعت کے شیدا تھے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ ایک مدت تک ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے اور ان کی توجہ سے روحانیت کے بیشتر مدارج طے کیے۔

۲۔ شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری

المتوفی ۴۶۵ھ مطابق ۱۰۷۲ء۔ اپنے وقت کے امام اور بوعلی دقاق کے مرید اور داماد بھی تھے۔ روحانیت میں ان کا پایہ بہت بلند ہے۔ آپ کے عہد کے علماء اور فضلاء مشکل مقام پر آپ سے ہی رجوع کیا کرتے تھے۔ علم و فضل میں یگانہ روزگار تھے۔ اپنے مریدوں کو روحانی مقامات سے گزارنے میں ایک منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ آپ کی ایک تصنیف کا نام ''رسالہ قشیریہ'' ہے۔ مولانا جامیؒ نے آپ کے حالات صاحب ''کشف المحجوب'' کے حوالے سے لکھے ہیں۔ مقام مہند علاقہ خراسان میں مزار اقدس موجود ہے۔

۳۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر

المتوفی ۴۴۰ھ بمطابق ۱۰۴۸ء۔ نام نامی فضل الدین ابوالخیر ہے۔ فارسی رباعی گو حضرات میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ ان کے مرشد طریقت شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسی ہیں جن کا نیشاپور میں قیام تھا۔ ''نفحات الانس''

Marfat.com

میں آپ کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ وفات ۴۴۰ھ درج کی ہے اور ولادت ۳۵۷ھ بمطابق ۹۶۷ء ہے۔

۴۔ امام ابوالعباس احمد اشقانی

المتوفی ۴۷۹ھ بمطابق ۱۰۸۶ء۔ آپ علم اصول وفروع کے امام تھے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ بعض علوم میں آپ میرے استاد تھے۔ وہ بڑے صاحب دل اور اپنے زمانہ کے فاضل جلیل تھے۔ دن کا بہت سا حصہ درس وتدریس میں گزارتے اور بقیہ عبادات میں۔ اکابر اہل تصوف میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا جامی نے آپ کا تذکرہ صاحب ''کشف المحجوب'' کے حوالے سے کیا ہے۔

۵۔ ابوالعباس احمد بن محمد قصاب

آپ ماوراء النہر کے قدیم بزرگوں کے صحبت یافتہ تھے جس سے آپ نے کسب فیض کیا۔ کشف وکرامت اور زہد وتقویٰ میں بہت مشہور تھے۔ باوجود اُمی ہونے کے تصوف اور اصولِ دین میں آپ کی گفتگو بڑی پُر حکمت ہوئی تھی۔

۶۔ خواجہ ابواحمد مظفر بن احمد بن حمدان

آپ بڑے پائے کے شیخ طریقت اور صاحب کشف کرامت بزرگ تھے۔ عموماً فنا وبقا کے مسئلے پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ نے ان سے بھی کسبِ فیض کیا۔ نفحات الانس میں تحریر ہے کہ شیخ ابوسعید ابو الخیر آپ کی بہت تعریف کرتے تھے۔

۷۔ ابوجعفر محمد بن مصباح صیدلانی

فرماتے ہیں ''وہ رؤسائے تصوف میں سے تھے۔ تحقیق میں ان کی زبان اچھی ہے۔ حسین بن منصور سے محبت کرتے تھے۔ میں نے ان سے ان کی بعض تالیفات پڑھیں۔'' مکہ میں مجاور تھے۔ مصر میں وفات پائی اور قبر حضرت زقاق مصری کے پہلو میں بنی۔ (نفحات الانس، ص ۱۶۳)

۸۔ شیخ ابوالقاسم بن عبداللہ بن علی گورگانیؒ

نام گرامی علی ہے۔ یگانہ روزگار اور وحید العصر ہستی تھے۔ تین واسطوں سے ان کا سلسلہ سید الطائفہ حضرت جنیدؒ بغدادی سے جاملتا ہے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ بعض مشکل مسائل دریافت کرنے کے لئے آپ کی خدمت اقدس میں پہنچے تو دیکھا کہ آپ ایک ستون سے ہم کلام تھے۔ وفات شیخ ۴۶۴ھ بمطابق ۱۰۷۱ء ہے۔ مولانا جامیؒ نے آپ کے حالات ''کشف المحجوب'' سے نقل کئے ہیں۔

Marfat.com

۹۔ باب فرغانی

آپ کا نام نامی عمر تھا۔ فرغانہ میں امامت گزیں تھے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ نے فرغانہ جا کر آپ سے استفادہ کیا۔ آپ صاحب کرامت بزرگ تھے، بلکہ حضرت سید علی ہجویریؒ نے آپ کو اوتاد الارض (زمین کی میخیں) کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔

ازدواجی زندگی

حضرت سید علی ہجویریؒ اپنی تالیف ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں:

''من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ مراحق تعالیٰ یازدہ سال از آفتِ تزویج نگاہ داشتہ بود۔ ہم بہ تقدیر وی بہ فتنہ اندر افتادم و ظاہر و باطنم اسیر صفتی شد کہ بامن کردند بی آنکہ رویت بودہ و یک سال مستغرق بودم چنانچہ نزدیک بود کہ دین برحق تباہ شد۔ تا حق تعالیٰ مرا بکمال لطف و تمام فضل خود عصمت را باستقبال دل بے چارۂ من فرستادہ و برحمت خلاصی ارزانی داشت۔ الحمد للہ علیٰ جزیل نعماۂ۔''

اس عبارت سے دو نتیجے برآمد ہوتے ہیں۔ پہلے یہ کہ آپ نے جس عورت سے شادی کی تھی، وہ وفات پا گئی۔ دوسرے یہ کہ گیارہ سال بعد آپ ایک دوسری عورت کے اسیر محبت ہوئے جس کی لوگوں نے خوبیاں بیان کی تھیں، مگر یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن اپنی تالیف ''بزمِ صوفیہ'' میں لکھتے ہیں: ''تعلقات زناشوئی سے پاک رہے۔''

مولانا عبدالماجد دریا آبادی ''تصوف اسلام'' میں لکھتے ہیں:

''قید ازدواج سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آزاد ہی رہے۔ البتہ ایک مقام پر آپ بیتی یوں بیان کرتے ہیں کہ جیسے غائبانہ کسی سے تعلقات محبت قائم ہو گئے تھے اور یہ ایک سال تک اس زخم لطیف کے بسمل بنے رہے۔ پھر آخر اس سے نجات مل گئی۔''

پروفیسر نکلسن انگریزی ترجمہ ''کشف المحجوب'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''ازدواجی زندگی کے متعلق ان کا تجربہ بہت مختصر اور ناخوشگوار تھا۔''

محمد دین فوق اپنی تصنیف ''داتا گنج بخش'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت نے اپنی پہلی شادی کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ کب ہوئی۔ کہاں ہوئی جہاں انہوں نے

دوسری شادی کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ''گیارہ سال سے خدا تعالیٰ نے نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا۔ مقدر نے آخر پھنسا دیا اور میں عیال کی محبت میں دل و جان سے بن دیکھے ہی گرفتار ہو گیا۔ یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ بچپن ہی میں مناکحت کی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے تھے اور پہلی بیوی کے انتقال کے بعد گیارہ سال تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی پہلی شادی بھی والدین کی موجودگی ہی میں ہوئی تھی اور دوسری شادی بھی ان کی موجودگی بلکہ یقیناً ان کے اسرار سے ہوئی ہو گی۔ فوق صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں'' چنانچہ (داتا صاحب) لکھتے ہیں۔ ایک سال تک اس آفت میں غرق رہا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے گا خدا تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور بخشش اور رحمت سے مجھے خلاصی عطا کی۔'' یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ایک سال کے بعد آپ کی دوسری بیوی کا بھی انتقال ہو گیا اور پھر آپ نے تادم وصال نکاح کا نام نہیں لیا۔''

مندرجہ ذیل اقتباسات سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ آپ نے صرف ایک ہی شادی کی تھی اور اس کی وفات کے بعد آپ نے تادمِ وصال دوسری شادی نہیں فرمائی۔

سیر و سیاحت

غزنی اور اس کے مضافات سے ابتدائی علوم کی تکمیل کے بعد آپ فرغانہ، خراسان، ماوراء النہر وغیرہ کے مکتبوں میں تحصیل علوم کے لئے گئے۔ اس کے بعد آپ نے سیر و سیاحت کی ٹھانی۔ تمام اسلامی ممالک میں پہنچے۔ بالخصوص خراسان، ماوراء النہر، آذر بائیجان، مرو وغیرہ کی سیاحت کی۔ یہاں کے شیوخ سے استفادہ کیا۔ احمد حماد سرخسی آپ کے رفیق سفر تھے۔ حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مستفید ہوئے۔ دمشق، عراق، آذر بائیجان، شام، قہستان، خراسان، ماوراء النہر اور شمالی ہند وغیرہ کے سفر کا تذکرہ آپ کی تصنیف ''کشف المحجوب'' میں پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ بغداد، فارس، کرمان، خوزستان، مدائن، طبرستان، بسطام، مہنہ، نیشاپور، سرخس، جبل السلام، طوس، رملہ بھی گئے۔ وہاں کے علماء فضلاء اور صوفیاء سے ملے اور کسب فیض کیا۔ لکھتے ہیں کہ فقط خراسان میں تین سو مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوا۔

زمانہ قدیم میں صوفیائے کرام اور اولیائے عظام ابتدائی تعلیم کے بعد اپنے وطن سے نکل کر قرب و جوار کے علمائے کرام و اولیائے عظام سے دینی علوم حاصل کرنے کے لئے چلے جاتے تھے اور وہ اس حدیث پر مکمل طور پر عمل کرتے تھے کہ علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے اور جب تک وہ اس میں کمال حاصل نہ کر لیتے تھے، واپس نہ آتے تھے۔ تکمیل علم کے بعد وہ ایک جگہ اپنا مستقر بنا کر خلق اللہ کو صراط مستقیم کی طرف بلاتے تھے اور اشاعت اسلام میں کوشاں رہتے تھے جیسا کہ برصغیر پاک و ہند میں حضرت سید علی ہجویریؒ، حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت

Marfat.com

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ، سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ، سلطان سخی سرورؒ، شیخ فرید الدین گنج شکرؒ، مخدوم سید محمد غوث گیلانیؒ، سید یعقوب صدر دیوان لاہوریؒ حضرات نے حرمین شریفین، عراق، شام، ایران اور دوسرے ممالک سے علوم و فنون حاصل کئے اور اس ملک میں اشاعت اسلام کا فریضہ ادا کرنے کے لئے مستقل طور پر اقامت گزیں ہو گئے۔ بعینہٖ اس طرح حضرت داتا گنج بخشؒ بھی تمام ممالک اسلامیہ گئے۔ تفسیر و حدیث کی کتب پڑھیں۔ سینکڑوں شیوخ سے استفادہ کیا۔ چالیس سال تک متواتر سیر و سیاحت میں گزارے۔ سردی گرمی کے مصائب و آلام برداشت کئے۔ نماز پنجگانہ باجماعت ادا کی۔ جمعتہ المبارک کے دن کسی قصبہ میں قیام کرتے اور وہاں نماز جمعہ ادا فرماتے۔ مستزاد یہ کہ اکثر اکیلے ہوتے یا کبھی مرشد کے ہمراہ پھرتے۔ ہندوستان تشریف لانے سے قبل آپ نے تمام ممالک اسلامیہ کے بڑے بڑے تصوف کے مراکز سے فیوض و برکات حاصل کئے۔ ''کشف المحجوب'' میں سفیر خراسان کا ایک واقعہ لکھتے ہیں:

''میں علی بن عثمان جلابی نے خراسان کے ایک گاؤں کمندور میں ایک آدمی کو دیکھا، جس کو ایک ادیب کمندی کہتے تھے۔ یہ بزرگ بیس سال تک پاؤں کے بل کھڑا رہا اور سوائے نماز کے کبھی نہ بیٹھتا تھا۔ لوگوں نے اس سے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ ابھی مجھے وہ درجہ نہیں ہوا کہ خدا کے مشاہدہ میں بیٹھنے کی عزت حاصل کر سکوں۔''

آذربائیجان کے سفر کا حال اس طرح لکھا ہے:

''میں ایک دفعہ آذربائیجان کے پہاڑوں میں پھر رہا تھا کہ وہاں ایک درویش کو دیکھا جو نہایت دردمندی سے اشعار پڑھ رہا تھا۔ اشعار پڑھنے کے بعد اس کا رنگ متغیر ہو گیا اور وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور میرے دیکھتے دیکھتے بے ہوش ہو کر گر پڑا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔''

ماوراء النہر کے سفر کا حال یوں تحریر کیا ہے:

''احمد حماد سرخسی نے اپنے رفیق سفر سے دریافت کیا کہ تم نکاح کیوں نہیں کرتے۔ اس نے کہا کہ ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ فرمایا۔ کیوں۔ کیا کہ میں اپنے آپ سے غائب رہتا ہوں اور جب حاضر ہوتا ہوں تو اپنے نفس کو ایسے رکھتا ہوں کہ ایک روٹی کو ہزار حور سے بہتر سمجھتا ہوں۔ پس میں دل کے شغل سے بہتر اور کوئی شغل نہیں سمجھتا۔''

سرزمین دمشق کے سفر کا حال یوں لکھتے ہیں:

''میں اپنے مرشد کے ہمراہ بیت الجن سے دمشق کو جا رہا تھا۔ بارش کی وجہ سے زمین پر کیچڑ ہو گیا تھا جس سے چلنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ مگر اس کے باوجود جب بھی میری نگاہ شیخ کے

Marfat.com

پاجامہ یا جوتی پر جاتی تھی، وہ بالکل خشک نظر آتے تھے۔ میں نے اس کے متعلق آپ سے دریافت کیا۔ فرمایا جب سے میں نے ہمت کو توکل کے راستے سے اٹھا لیا ہے۔ تب سے اللہ تعالیٰ نے میرے قدموں کو ان الائشوں سے پاک کر دیا ہے۔"

سفر ملک شام کا ایک واقعہ اس طرح لکھتے ہیں:

"میں ملک شام میں تھا کہ ایک مرتبہ حضرت بلالؓ کے مزار کے سرہانے سو گیا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں مکہ معظّمہ میں حاضر ہوں اور نبی اکرم ﷺ باب بنی شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں اور ایک سن رسیدہ بوڑھے شخص کو گود میں لئے ہوئے ہیں۔ میں دوڑتا ہوا خدمت اقدس میں پہنچا، پائے اقدس کو بوسہ دیا اور دل میں قیاس کرنے لگا کہ یہ سن رسیدہ کون ہے۔ آنحضرت ﷺ کو میرے دل کی کھٹک معلوم ہوگئی۔ ارشاد ہوا۔ یہ شخص تیرا اور تیری قوم کا امام ہے یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ۔"

ایک اور سفر کا حال اس طرح رقم فرماتے ہیں:

"میں نے ترکستان میں دیکھا کہ سرحدِ اسلام کے نزدیک ایک شہر میں ایک پہاڑی تھی جس کے اندر آگ لگ گئی تھی۔ اس کے دہکتے ہوئے پتھروں میں سے نوشادر اُبل اُبل کر باہر آ رہا تھا۔ اس آگ میں ایک چوہا تھا جو اس آگ میں زندہ رہ سکتا تھا۔ اگر اس کو باہر نکال لیا جاتا تو ہلاک ہو جاتا۔ ہندوستان کے متعلق لکھتے ہیں کہ میں نے زہر قاتل کے اندر ایک کیڑا دیکھا، جو اسی میں ہی زندہ رہ سکتا تھا۔ اگر اس کو زہر سے نکال لیا جائے تو مر جاتا ہے۔"

سفر طوس کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:

ایک معاملہ حل کرنے کے لئے میں شیخ ابوالقاسم گورگانیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے طوس پہنچا۔ دیکھا کہ وہ اپنے مکان کی مسجد میں بالکل تنہا ہیں اور ایک ستون سے ہم کلام ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ اے شیخ! آپ یہ بات کس کو سنا رہے ہیں۔ فرمایا۔ اے بیٹا! ابھی ابھی اللہ پاک نے اس ستون کو مجھ سے ہم کلامی کی قوت عطا فرما دی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے مجھ سے سوال کیا اور میں اس کا جواب دے رہا تھا۔"

رملہ (فلسطین) کے سفر کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:

"میں دو درویشوں کے ہمراہ ابن العلاء سے ملنے کے لئے جانبِ فلسطین روانہ ہوا۔ راستے میں ہم نے آپس میں مشورہ کر لیا کہ ہر شخص اپنے دل میں کوئی خواہش رکھے اور دیکھیں کہ کیا شیخ

ہمارے باطن کی خبر دیتے ہیں۔ میری خواہش یہ تھی کہ مجھے حسن بن منصور کی مناجات کے اشعار چاہئیں۔ میرے پہلے ساتھی کی خواہش تھی کہ اس کا مرض طحال جاتا رہے اور دوسرا ساتھی حلوائے صابونی کھانا چاہتا تھا۔ جب ہم رملہ میں شیخ کی خدمت میں پہنچے، تو انہوں نے فرمایا کہ کاغذ لاؤ۔ ایک کاغذ لایا گیا جس پر حسن بن منصور کے اشعار لکھے تھے۔ وہ مجھے دے دیا۔ دوسرے درویش کے پیٹ پر ہاتھ ملا۔ اس کا مرض طحال جاتا رہا۔ تیسرے سے کہا کہ حلوائے صابونی سپاہیوں کی غذا ہوتی ہے درویشوں کی نہیں اور درویشوں کو ایسی خواہش زیب نہیں دیتی یا تو سپاہی ہو جاؤ یا درویش اور پھر اس زندگی کے مطابق کام کرو۔"

سیر و سیاحت کے دوران ہی حضرت سید علی ہجویریؒ نے اپنے دل میں مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ چونکہ دنیائے اسلام میں غزنی کے بعد مدینۃ الاولیاء ہی ایسا شہر ہے جہاں عالم اسلام کے علماء فضلاء اکٹھے ہوں گے، اس لئے ان کو "کشف المحجوب" کی تکمیل لاہور ہی میں کرنی چاہیے جو کہ ان کی زندگی کے تجربات کا نچوڑ اور علم و فضل کا ماحصل ہوگا۔

مرشد طریقت

روحانی فیوض و برکات آپ نے حضرت شیخ ابو الفضل محمد بن حسن ختلیؒ سے حاصل کئے تھے اور کافی مدت ان کی خدمت میں رہے۔ شرف بیعت حاصل کیا۔ یہ شیخ سلسلہ جنیدیہ سے منسلک تھے۔ "کشف المحجوب" میں اپنے پیرو مرشد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"وہ اوتاد کی زینت، عابدوں کے شیخ تھے۔ طریقت میں انہیں سے بیعت ہوں۔ وہ علم تفسیر اور روایات کے عالم تھے۔ تصوف میں سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کا مذہب رکھتے تھے اور حضرت حصریؒ کے مرید اور راز دار تھے۔ نیز ابو الحسن سالبہ اور ابو عمر قزوینی کے ہم عصر تھے۔ ساٹھ سال تک پہاڑوں میں عزلت نشین رہے تا کہ خلقت سے دور رہیں۔ ان کا زیادہ تر قیام کوہ لگام میں رہتا تھا۔ لمبی عمر پائی تھی۔"

پھر فرماتے ہیں:

"جس روز حضرت ابو الفضل محمد بن حسن ختلیؒ کی وفات ہوئی۔ آپ بیت الجن میں تھے۔ یہ ایک گاؤں ہے جو دمشق اور بانیان کے درمیان ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ آپ کا سر میری گود میں تھا۔ اس وقت میرے دل میں ایک دوست کی طرف سے کچھ رنج تھا۔ آپ نے فرمایا بیٹے! اعتقاد کا مسئلہ تمہیں بتاتا ہوں۔ اگر تم اس پر عمل کرو گے تو تمام دکھوں سے نجات پا لو گے کہ خدا ہر جگہ اور ہر وقت نیکوں اور بروں کو پیدا کرتا ہے، اس لئے تمہیں اس کے اس فعل سے

Marfat.com

رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی دل میں کسی غم کو جگہ دینی چاہیے۔ پھر آپ نے وفات پائی اور اس کے سوا کوئی وصیت نہیں فرمائی۔''

مولانا نور الدین محمد عبدالرحمٰن جامی نقشبندی نے ان کا ذکر صاحب ''کشف المحجوب'' کے حوالے سے کیا ہے جیسا کہ خود حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ نے ۵۶ سال تک ایک ہی جامہ رکھا ہوا تھا۔ بے تکلف اسی کو پیوند لگاتے رہے تھے۔ اکثر لگام پہاڑ میں رہتے کافی عمر ہوگئی تھی۔

صاحب ''کشف المحجوب'' لکھتے ہیں:

''وقتے شیخ ابو الفضل از بیت الجن قصد دمشق داشت و یاران مے یارید و ماخدام در گل بشکل تمام مے رختم چوں در آنجا رسیدیم نگاہ کردیم کہ نعلین شیخ خشک بود باعث آں پرسیدم فرمود کہ تامسق قدم درراہ توکل نہادم خدائے تعالیٰ پائے مراازدل نگہداشتہ۔''

حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ، حضرت حصریؒ مرید و راز دان تھے اور ابوعمر قزوینیؒ کے ہم عصر تھے۔ حضرت شیخ علی حصریؒ حضرت شیخ الشیوخ ابوبکر شبلیؒ کے مرید تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ اپنی تصنیف لطیف ''نفحات الانس'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنے پیرومرشد کے ہمراہ کافی عرصہ بلاد اسلامیہ کی سیر و سیاحت میں گزارا تھا۔ وفات شیخ ابوالفضل ۴۶۰ھ بمطابق ۱۰۶۰ء ہے۔

آپ کو اپنے پیرومرشد سے والہانہ عشق ومحبت تھی۔ جو ان سے سنتے، اس کو تحریری صورت میں قلمبند کر لیتے۔ ''کشف المحجوب'' میں فرماتے ہیں:

''میرے پیرومرشد نے حضرت حبیب بن سلیم الراعیؒ کے متعلق بہت سی روایات مجھ سے بیان کی تھیں، لیکن اس وقت اس سے زیادہ نقل کرنا ممکن نہیں کیونکہ میری کتابیں غزنی میں رہ گئی ہیں اور میں دیار ہند میں ناجنسوں کی صحبت میں گرفتار ہوں۔''

ایک دوسری جگہ اس طرح فرماتے ہیں:

''میرے پیرومرشد (خدا ان سے راضی ہو) ہمیشہ مریدوں کو یہ تلقین کیا کرتے تھے کہ دیکھو جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو جائے، سویا مت کرو اور جب سو کر اٹھو تو دوبارہ جلدی سونے کی کوشش نہ کرو کہ خواب ثانی حق پرست مرید پر حرام ہے۔''

پھر فرماتے ہیں:

''میرے شیخ پر اللہ تعالیٰ رحمت کے پھول برسائے'' اور ''اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے۔''

معاصرین

صفحاتِ گذشتہ میں آپ حضرت سید علی ہجویریؒ کے اساتذہ کا ذکر خیر پڑھ چکے ہیں۔ اب ذیل میں ان بزرگانِ دین کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو آپ کے زمانہ میں ہوئے اور آپ نے جن کی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ خود فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں ان بزرگوں اور مشائخ کا تذکرہ ہے جو میرے وقت میں ہوگزرے ہیں یا ہنوز زندہ ہیں اور وہ واقعی اربابِ معانی کہلانے کے مستحق ہیں اور محض نمائشی صوفی نہیں ہیں۔

ا۔ صوفیائے شام وعراق

شیخ ذکی ابن علا۔ ابوجعفر محمد بن مصباح صیدلانی۔ ابوالقاسم سریؒ

۲۔ فارس کے صوفیاء

ابوالحسن سالبہ، ابواسحاق بن شہریار، ابوالحسن علی بن بکران، ابومسلم مروی، شیخ ابوطالب، شیخ ابواسحاقؒ۔

۳۔ صوفیائے طبرستان، آذربائیجان، قہستان

شیخ شفیق فرج معروف بہ اخی زنجانی، شیخ وندری، بادشاہ نائب، شیخ ابوعبداللہ جنید، شیخ ابوطاہر مکشوف، خواجہ حسن سمنان، شیخ سہلکی، احمد پسر شیخ فرقان۔ ادیب کمندیؒ۔

۴۔ کرمان کے صوفیاء

خواجہ علی بن حسین سیر کانی، حکیم بن خواجہ علی، شیخ محمد بن سلمیؒ۔

۵۔ صوفیائے خراسان

شیخ مجتہد ابوالعباس سرمقانی۔ خواجہ ابوجعفر محمد بن علی جوینی۔ خواجہ ابوجعفر ترشیزی، خواجہ محمود نیشاپوری، شیخ محمد معشوق، خواجہ سید مظفر، خواجہ احمد حمادی سرخسی، شیخ احمد نجار سمرقندی، شیخ ابوالحسن علی بن ابی علی احمد مسودؒ۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ صرف خراسان میں ہی تین سو بزرگ میری نظر سے گزرے ہیں۔

۶۔ صوفیائے ماوراء النہر

خواجہ امام، ابوجعفر محمد بن حسین حرمی، خواجہ فقیہہ، ابومحمد باثغری، محمد ایلاقی، خواجہ عارف، علی بن اسحاقؒ۔

شیخ ابوالحسن فرقانیؒ کی وفات بقول جامی ۴۲۵ھ ہے۔

۷۔صوفیائے غزنی

شیخ عارف ابو الفضل بن اسد، اسماعیل الشاشی، شیخ سالار طبری، ابوعبداللہ محمد بن حکیم، سعید بن ابی سعید العیار، ابوعلا عبدالرزحیم، ابن احمد سفری، شیخ قسورہ بن محمد الجردیزیؒ۔

فرماتے ہیں کہ غزنی کے عوام اور علماء کا عقیدہ ہے اور میں بھی پُر امید ہوں کہ متذکرہ بالا بزرگوں کے بعد ایسے بزرگ اس شہر میں پیدا ہوتے رہیں گے جن پر ہم کو اعتماد ہوگا اور یہ خود ساختہ علماء اور جاہل صوفیا جو اس شہر غزنی میں آئے ہیں، چلے جائیں گے اور پھر سے یہ شہر اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام کا مسکن بن جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ان کے علاوہ حکیم سنائی غزنوی بھی ایک صوفی شاعر تھے۔ ''نفحات الانس'' میں ان کی تاریخ وفات ۵۲۵ھ مطابق ۱۱۳۰ء درج ہے۔ آپ حضرت سید علی ہجویریؒ سے کئی سال پہلے پیدا ہوئے اور آپ کے وصال کے کئی سال بعد فوت ہوئے۔

ان کے علاوہ درج ذیل اصحاب بھی اس زمانہ میں ہوئے ہیں:

۱۔ شیخ ابوعبداللہ باکو قدس سرہ، المتوفی ۴۴۲ھ مطابق ۱۰۵۰ء۔ نیشا پور میں امام قشیری اور شیخ ابوسعید ابوالخیر سے بھی ان کی ملاقات ہوئی تھی۔

۲۔ استاد مرون قصبہ سنجان مروان کے رہنے والے تھے۔ وفات ۴۱۱ھ مطابق ۱۰۲۰ء میں ہوئی۔

۳۔ خواجہ یوسف بن حدین سمعان المتوفی ۴۵۹ھ مطابق ۱۰۶۶ء۔ آپ خواجہ محمد بن ابی احمد چشتی کے ہمشیرزاد تھے۔ شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ انصاری ہروی جب چشت گئے تو ان سے ملاقات کی تھی۔

۴۔ خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ المتوفی ۵۲۷ھ مطابق ۱۱۳۲ء۔ آپ حضرت شیخ الاسلام جام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ مزار اقدس چشت میں ہے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

۵۔ شیخ عبداللہ طائی المتوفی ۴۱۶ھ مطابق ۱۰۲۵ء۔ نام مبارک محمد بن فضل بن محمد طائی بجستانی ہروی ہے۔ حنبلی المذہب تھے۔ شیخ الاسلام عبداللہ القاری فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے پیر ہیں۔

۶۔ شیخ الاسلامت احمد النامقی الجامیؒ ولادت ۴۴۱ھ مطابق ۱۰۴۹ء وصال ۵۳۶ھ مطابق ۱۱۴۱ء ''نفحات الانس'' میں آپ کا تفصیلی تذکرہ ملتا ہے۔

۷۔ حجتہ الاسلام محمد بن محمد الغزالی الطوسی ۴۸۴ھ مطابق ۱۰۹۱ء میں آپ مدرسہ نظامیہ بغداد کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے تھے۔ ۴۸۸ھ مطابق ۱۰۹۵ء میں آپ زیارت حرمین شریفین کے لئے گئے تھے اور حج ادا کیا۔

۸۔ شیخ احمد غزالی المتوفی ۵۱۷ھ مطابق ۱۱۲۳ء۔ آپ شیخ ابونصر سراج کے مرید تھے۔

ریاضات ومجاہدات

جیسا کہ زمانہ سلف سے دستور تھا کہ مرید اپنے پیر ومرشد کے ہمراہ سیر وسیاحت کے لئے علم دین کی تکمیل میں نکلا کرتے تھے۔ آپ نے بھی اسی دستور کو اپنایا اور اپنے پیر ومرشد کے ہمراہ اور خود اکیلے بھی سفر وسیاحت میں

مصروف رہے۔ تکالیف و مصائب برداشت کئے۔ ریاضات و مجاہدات میں حصہ لیا۔ سلوک و معرفت کی منازل طے کرنے میں جو تکالیف اور مصائب آپ نے برداشت کئے، جا بجا ''کشف المحجوب'' میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ شیخ ابو یزید کے مزار اقدس پر تین ماہ حاضر رہا۔ ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا۔ مگر عقدہ حل نہ ہوتا تھا۔ آخر میں نے خراسان جانے کا ارادہ کر لیا۔ ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں صوفیوں کی جماعت نظر آئی۔ میرے ہاتھ میں ایک ڈنڈا اور پانی کا برتن تھا اور موٹا اور کھردرا لباس زیب تن تھا۔ انہوں نے مجھے حقیر جان کر میرے ساتھ بدسلوکی کی۔ چونکہ مجھے رات وہاں قیام کرنا تھا، اس لئے ان لوگوں نے مجھے نچلے حصے میں جگہ دے دی اور خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے۔ کھانے کے وقت ایک سوکھی روٹی مجھے دی، لیکن خود بہترین کھانا کھایا، جس کی خوشبو مجھ تک آ رہی تھی۔ نیز بالائی منزل پر میں ہی موضوع سخن تھا۔ جب وہ کھانا تناول کر چکے، تو خربوزے کھانے لگے اور از راہ تمسخر چھلکے مجھ پر پھینکتے رہے اور طنز آمیز باتیں کرتے رہے۔ جتنا وہ زیادہ طنز مجھ پر کرتے تھے، اتنا ہی میرا دل زیادہ خوش ہوتا تھا۔ اس طرح ذلت آمیز سلوک ہونے سے میری وہ مشکل حل ہو گئی جس کے لئے میں تگ و دو کر رہا تھا کہ مشائخ اپنے ہاں جاہلوں کو کیوں جگہ دیتے ہیں۔''

مسلسل سفر میں رہنے کے باوجود کبھی بھی نماز باجماعت ترک نہیں ہوتی اور ہر جمعہ کو کسی قصبہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے قیام کرتے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجاہد وہ ہے جس نے پروردگار عالم کی خاطر اپنے نفس سے جہاد کیا۔ اس طرح آنحضرت ﷺ نے یوں فرمایا کہ ہم جہاد اصغر (غزوہ) سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا۔ مجاہدہ نفس۔ چونکہ حضورؐ نے مجاہدہ نفس کو جہاد پر فضیلت دی ہے، اس لئے نفس کی مخالفت کرنے میں بہت تکالیف اور مصائب برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اولیاء اللہ ریاضت و مجاہدات اس لئے کرتے ہیں کہ اصلاح نفس ہو سکے اور سرکش و باغی نفس کو قابو میں لایا جائے تا کہ وہ گناہوں کی طرف راغب نہ کر سکے۔

حضرت سید علی ہجویریؒ ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں:

''اور شیخ ابو العباس اشقانیؒ جو امام وقت تھے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں باہر سے گھر آیا تو دیکھا کہ ایک زرد رنگ کا کتا میرے بستر پر سویا ہوا ہے۔ میں سمجھا کہ شاید گلی کا کوئی کتا اندر گھس آیا ہے لیکن جوں ہی اسے باہر نکالنے کا ارادہ کیا وہ میرے دامن میں آ گیا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا اور شیخ ابو قاسم گورگانیؒ جو آج کل قطب کے مرتبے پر فائز ہیں اور وقت کے مدار علیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے۔ اپنے ابتدائے حال کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کرتے کہ میں نے نفس کو سانپ کی صورت میں دیکھا۔''

Marfat.com

سیر وسیاحت کے دوران آپ کو جن صبر آزما حالات اور احوال ومقامات سے گزرنا پڑا اور جن جن حوادث سے دوچار ہونا پڑا، ان کی تفصیل سے کتاب بھری پڑی ہے جس سے آپ کی شخصیت پر روشنی پڑتی ہے اور جیسے جیسے واقعات آپ کو پیش آتے، ان سے بہترین نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ اپنی اس ریاضت، مجاہدات اور صفائے قلب کی بدولت آنجناب کو قرب رسولؐ نصیب ہوا اور آپ نے دو مرتبہ رسول خداؐ کو خواب میں دیکھا اور حضور سے ہدایت پائی۔ یہی مجاہدات وریاضات کا کرشمہ ہے۔

ورودِ لاہور

حضرت سید علی ہجویریؒ نے اوائل عمر غزنی میں بسر کی۔ پھر تمام اسلامی ممالک کی سیر کی۔ ہر ایک معروف شہر میں پہنچے۔ وہاں کے شیوخ اور علماء سے استفادہ کیا اور آخر میں لاہور کا ارادہ کیا اور اسی کو مستقل طور پر اپنا مستقر بنا لیا۔ غور فرمائیں کہ اس زمانہ میں جبکہ کفر وباطل کے معرکے سرزمین ہند میں ہو رہے تھے، یہ دشوار گزار اور کٹھن سفر اختیار کرنا جراٴت اور ہمت کا کام ہے اور پھر وہ سرزمین جہاں آپ پہلے کبھی نہیں گئے۔ زبان الگ، تہذیب وتمدن الگ، مگر آپ پاپیادہ بغیر کسی ساز وسامان کے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینۃ الاولیاء لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔
افسوس کا مقام ہے کہ کسی قدیم تذکرہ اولیاء میں آپ کے سفر لاہور کی تفصیل موجود نہیں ہے اور نہ آج تک اس کا صحیح تعین ہو سکا ہے۔ سب سے پہلی کتاب جس میں حضرت سید علی ہجویریؒ کا تفصیلی تذکرہ ہے، ''وہ تحقیقات چشتی'' ہے جو ۱۸۶۴ء میں لاہور ہی میں مدوّن ہوئی۔ درج ذیل کتب میں آپ کے ورود لاہور کا تعین نہیں کیا گیا۔

نفحات الانس مولانا جامی، سفینۃ الاولیاء داراشکوہ قادری، ثمرات القدس لعل بیگ بدخشی، شہزادہ مراد بن شہنشاہ اکبر، آئین اکبری علامہ ابوالفضل، خزینۃ الاصفیاء مفتی غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیا مفتی غلام سرور لاہوری۔ تحقیقات چشتی نور احمد چشتی، فوائد الفواد حسن سجزی، عبرت نامہ مفتی علی الدین، خلاصۃ التواریخ منشی سجان رائے۔

ان کتب میں آپ کا لاہور میں تشریف لانا ۴۳۱ھ مطابق ۱۰۳۹ء درج ہے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ مرتبہ محمد دین فوق، رائے بہادر کنہیا لال نے ''تاریخ لاہور'' میں بھی ۴۳۱ھ ہی میں ورود لاہور تحریر کیا ہے۔ نیز ''فرہنگ آصفیہ'' مولانا سید احمد دہلوی نے بھی اس طرح اپنے خیال کا اظہار کرتا ہے۔ ''مآثر لاہور'' مؤلفہ محمد دین فوق میں لکھا ہے کہ آپ پینتیس سال یا چالیس سال کی عمر میں لاہور تشریف لائے، مگر یہ ممکن نہیں ہے۔ چونکہ آپ اپنے پیرو مرشد ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ کی وفات ۴۶۰ھ، مطابق ۱۰۶۷ء کے وقت دمشق میں تھے، اس لئے آپ ۱۰۶۸ء، ۱۰۶۹ء میں تشریف فرمائے لاہور ہوئے ہوں گے اور پھر چالیس سال رشد وہدایت اور وعظ ونصیحت کر کے ۵۰۰ھ مطابق ۱۱۰۶ء یا اس کے بعد فوت ہوئے۔

(در حضرت داتا گنج بخشؒ کے حالات وواقعات کا تفصیلی جائزہ
از محمد دین کلیم قادری، لاہور ۱۹۷۹ء، ص ۱۴۔۳۹)

☆......☆......☆

Marfat.com

میاں طفیل محمد

علی الہجویریؒ

نام و نسب

آپ کا پورا نام شیخ سید ابو الحسن علی ہجویریؒ ہے لیکن عوام و خواص سب میں ''گنج بخش'' یا ''داتا گنج بخش'' کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ ۴۰۰ھ ہجری میں غزنی شہر سے متصل ایک بستی ہجویر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید عثمان جلابیؒ ہے۔ جلاب بھی غزنی سے متصل ایک دوسری بستی کا نام ہے جہاں سید عثمانؒ رہتے تھے۔ حضرت علی ہجویریؒ حضرت زیدؒ کے واسطے سے حضرت امام حسنؓ کی اولاد سے ہیں۔[1]

آپؒ کے اساتذہ

آپؒ کے اساتذہ میں حضرت شیخ ابو العباس اشقانیؒ، شیخ ابو جعفر محمد بن المصباح الصید لانیؒ، شیخ ابو القاسم عبدالکریم ہوازن القشیری، شیخ ابو القاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی، ابو عبداللہ محمد بن علی المعروف داستانی بسطامیؒ، ابو سعید فضل اللہ بن محمد میہنیؒ اور ابو احمد مظفر بن احمد بن حمدانؒ کے نام ملتے ہیں۔

شیخ ابو العباس اشقانیؒ کے بارے میں حضرت علی ہجویریؒ بیان کرتے ہیں کہ ''آپ علم اصول اور فروع میں امام اور اہل تصوف میں اعلیٰ پایہ کے بزرگ تھے۔ مجھے آپ سے بڑی محبت تھی اور آپ بھی مجھ پر سچی شفقت فرماتے تھے۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے آپ کے مانند کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ نہ آپ سے بڑھ کر شریعت کی تعظیم کرنے والا کوئی دیکھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے اشتھی عدما لا وجود لہ یعنی میں ایسی نیستی چاہتا ہوں جس کا کوئی وجود نہ ہو۔ یہ وہی بات ہے جو حضرت عمرؓ نے فرمائی۔ آپ نے ایک مرتبہ ایک تنکا اٹھایا اور فرمایا اے کاش میری ماں نے مجھے نہ جنا ہوتا۔ اے کاش میں یہ تنکا ہوتا۔ ایک دفعہ شیخ اشقانیؒ کے پاس آیا تو آپ پڑھ رہے تھے۔ ضرب اللہ مثلا عبدا مملوکا لا یقدر علی شیئ (۱۶: ۷۵) یعنی ''اللہ ایک مثال دیتا ہے کہ ایک غلام ہے جو دوسرے کا مملوک ہے اور کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔'' بار بار اسے پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے' حتیٰ کہ آپ بے ہوش ہو گئے اور میں

Marfat.com

نے سمجھا کہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ میں نے عرض کیا اے شیخ! یہ کیا حالت ہے؟ فرمایا کہ گیارہ سال ہو گئے ہیں میرا ورد یہی ہے اس سے آگے نہیں گزر سکا۔"

شیخ ابو جعفر محمد بن المصباح الصید لانیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آپ صوفیائے متاخرین میں منجملہ روسائے متصوفین میں سے تھے۔ علم حقیقت میں بہت فصیح البیان تھے۔ حسین بن منصور کے طریقہ کی طرف مائل تھے۔ آپ کی بعض تصانیف میں نے ان سے پڑھی ہیں۔

شیخ ابوالقاسم بن علی عبداللہ الگرکانیؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اپنے وقت میں بے نظیر تھے۔ وقت کے تمام طالبان حق کا آپ پر اعتماد تھا۔ علوم وفنون میں بہت ماہر تھے۔ آپ کا ہر مرید زیور علم سے آراستہ تھا۔ مجھ سے بہت احترام سے پیش آتے تھے اور بہت توجہ سے بات سنتے تھے حالانکہ میں آپ کے مقابلہ میں نوعمر بچہ تھا۔ ایک روز میں آپ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آپ مجھ سے اس قدر عاجزی اور انکساری سے پیش آتے ہیں بغیر اس کے کہ میں کوئی بات کہوں۔ آپ نے فرمایا: اے میرے باپ کے دوست! خوب جان لے کہ میری یہ عاجزی اور انکساری تیرے لئے نہیں۔ میری یہ عاجزی احوال کے بدلنے والے کے لیے ہے اور یہ تمام طالبان حق کے لئے عام ہے۔ یاد رکھ کہ آدمی خیالات کی قید سے کبھی بھی رہائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے یہ بندگی کرنا لازمی ہے۔ خدا کے ساتھ بندگی کی نسبت سے کام رکھ۔ اس ایک نسبت کے سوا دوسری تمام نسبتوں کو اپنے سے دور کر دے۔ آپ کی کتابیں مشکل ہیں۔

شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ کے حالات میں تحریک فرماتے ہیں کہ اپنے زمانہ میں نادرالوجود اور بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ ہر فن میں آپ کی تصانیف محققانہ اور عمدہ ہیں۔ بے کار بحث وگفتگو اور لغو باتوں سے آپ بالکل الگ رہتے تھے۔ حسین بن منصور کے بارے میں صوفیاء میں بحثیں ہوتیں۔ ایک گروہ کے نزدیک وہ مردود او دوسرے کے نزدیک مقبول بارگاہ تھے۔ آپ فرماتے کہ اگر منصور ارباب معانی وحقیقت میں سے تھا تو کوئی چیز اسے خداوند کریم سے علیحدہ نہیں کر سکتی اور اگر خدا کی درگاہ سے مردود تھا تو مخلوق میں سے کوئی اسے بارگاہ خداوندی میں مقبول نہیں بنا سکتا۔ ہم اسے حوالہ خدا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: مثل الصوفی کعلة البرسام اوله هذیان واخره سکوت فاذا تمکن خرسی یعنی صوفی کی مثال برسام کے مرض کی ہے۔ اس کا شروع ہذیان (یعنی جو خیال آئے اسے پاگلوں کی طرح بیان کرتے چلے جانا) ہے اس کا آخر سکوت ہے اور جب آدمی درجہ تمکین کو پہنچ جاتا ہے تو گونگا ہو جاتا ہے۔

اپنے استاد ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف داستانی بسطامیؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ تمام علوم کے عالم اور درگاہ حق کے اہل حشمت میں سے تھے۔ بہت نیک خلق تھے۔ آپ کا کلام مہذب اور اشارات لطیف ہیں۔ میں نے ان کی کتاب "معانی انفاس" کی چند جزیں ان سے سنی ہیں۔ شیخ سہلکی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بسطام میں ٹڈی دل آیا۔ تمام درخت اس کے بیٹھنے کی وجہ سے سیاہ ہو گئے۔ لوگوں نے بہت شور مچایا۔ شیخ نے پوچھا یہ لوگ کیا کر

Marfat.com

رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ٹڈی آئی ہے اور لوگ سخت غمزدہ ہیں۔ شیخ اٹھے اور کوٹھے پر تشریف لے گئے اور منہ آسمان کی طرف کیا۔ اس وقت ٹڈی اڑ گئی اور عصر کی نماز تک ایک ٹڈی بھی کہیں نظر نہ آتی تھی اور کسی کھیتی کا ایک پتا تک ضائع نہ ہوا۔

ابو سعید فضل اللہ محمد میہنیؒ کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ آپ طریقت کے جمال اور وقت کے صاحبِ دبدبہ بادشاہ تھے اور تمام اہل زمانہ آپ کے گرویدہ تھے۔ تعلیم ابتداءً میں ابو علی زاہدؒ سے سرخس میں حاصل کی۔ ایک دن میں تین دن کا سبق لیتے اور تین دن اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ آپ نے مسلسل ریاضت اور مجاہدہ کیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اعلیٰ مرتبہ پر پہنچایا۔ بہت شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ شیخ ابو مسلم فارسی نے مجھے بتایا کہ میری ان سے ہمیشہ خصومت رہتی تھی۔ ایک دفعہ ان کی زیارت کے لئے گیا۔ میری گودڑی بہت میلی کچیلی تھی۔ آپ کے پاس پہنچا تو آپ بہت شاہانہ لباس میں تخت پر دراز تھے اور اوپر مصری دیبا کی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ میں نے یہ دیکھ کر دل میں خیال کیا کہ اس ٹھاٹ کے ساتھ فقر کا دعویٰ بھی عجیب بات ہے۔ مجھے دیکھو کہ میں اس گودڑی میں فقر کا دعویٰ کرتا ہوں لیکن میرے کوئی زبان پر لائے بغیر آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ باتیں کس دیوان میں لکھی پائی ہیں؟ میں نے اس پر اپنے دل میں بہت شرمندہ ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: التصوف قیام القلب مع اللہ یعنی تصوف تو اللہ سے دل لگانے کا نام ہے۔

ایک دفعہ آپ نیشا پور سے طوس کو جا رہے تھے۔ راستے میں سرد گھاٹی پڑتی ہے۔ آپ اپنے پاؤں میں سردی محسوس کر رہے تھے۔ ساتھ جو درویش تھا وہ بیان کرتا ہے کہ میرے دل میں خیال آیا کہ اپنے رومال کے دو ٹکڑے کر کے آپ کے پاؤں پر لپیٹ دوں، لیکن پھر خیال آیا کہ میرا رومال بہت اچھا ہے اسے ضائع کیوں کروں، لیکن میں نے کچھ کہا نہیں۔ طوس پہنچ کر ہم مجلس میں بیٹھے تھے کہ میں نے آپ سے سوال کیا۔ اے شیخ حقانی! الہام اور وسوسہ شیطانی میں کیا فرق ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کہ الہام تو وہ تھا جس نے تیرے دل میں خیال پیدا کیا اپنے رومال کو پھاڑ کر سعید کے پاؤں کے گرد لپیٹ دوں تاکہ اس کے پاؤں کو سردی نہ لگے اور شیطانی وسوسہ وہ تھا جس نے تجھے ایسا کرنے سے روکا۔

ابو احمد مظفر بن احمد بن حمدانؒ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ آپ اولیا کے رئیس اور صوفیوں کے ناصح تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ریاست ہی کی مسند پر آپ پر بھید کھولا اور کرامت کا تاج آپ کے سر پر رکھا۔ میں نے خود آپ سے سنا کہ دوسرے لوگوں نے جو کچھ بیابانوں اور جنگلوں کی منزلیں قطع کر کے پایا مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ چیز مسند اور بالانشینی میں عطا فرمائی۔ فنا اور بقا میں آپ کا کلام بہت اچھا۔ میں ایک روز کرمان سے آپ کے پاس آیا۔ میرے کپڑے راستے کی گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ آپ نے مجھ سے کہا۔ کہو ابو الحسن! کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ میرا دل سماع کو چاہتا ہے۔ آپ نے اسی وقت انتظام کر دیا اور قوالوں کو بلایا۔ لڑکپن کا زمانہ تھا۔ پہلے ہی کلمات سے سماع سے بے قرار ہو گیا۔ کچھ وقفہ کے بعد جب میرا غلبہ اور جوش کچھ کم ہوا تو پوچھا کہو اس سماع سے کیا گزری؟ میں نے عرض کیا

اے شیخ! میں بہت خوش ہوا ہوں۔ فرمایا کہ ایک وقت تجھ پر ایسا آئے گا یہ سماع اور کوے کی آواز تیرے لئے یکساں ہو جائے گی۔ سماع میں قوت اسی وقت تک ہے جب تک مشاہدہ نہیں حاصل ہوتا۔ دیکھو کہیں اس کی عادت نہ کر لینا کہ تیری طبیعت کا جز بن جائے۔ اگر ایسا ہوا تو یہیں رہ جائے گا۔

تعلیم طریقت

طریقت میں آپ کے شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ ہیں۔ ان کے حالات قلمبند کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ طریقت میں میری اقتداء آپ ہی کے ساتھ ہے۔ تفسیر، حدیث اور تصوف تینوں کے آپ عالم تھے۔ تصوف میں آپ حضرت جنیدؒ کے مذہب پر تھے۔ حضرت شیخ حصریؒ کے مرید اور حضرت سروائیؒ کے مصاحب تھے۔ ساٹھ سال تک مخلوق سے گم اور پہاڑوں میں گوشہ نشین رہے۔ زیادہ تر قیام جبل لگام پر رہتا تھا۔ میں نے آپ سے زیادہ بارعب اور صاحب ہیبت کوئی شخص نہیں دیکھا۔ صوفیوں کے لباس سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔ ایک مرتبہ آپ کو وضو کرانے کے لیے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ میں ایک آزاد آدمی ہوں۔ آخر میں ان کی پیروی کیوں کروں۔ جو قسمت میں لکھا ہے وہ پورا ہوگا۔ آپ نے فرمایا، بیٹا! جو خیال تیرے دل میں پیدا ہوا میں اسے جانتا ہوں۔ ہر کام کا ایک سبب اور ایک ذریعہ سے ہوتا ہے۔ یہ خدمت اور ملازمت آدمی کی بزرگی کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ حق تعالیٰ چاہتا ہے تو ایک سپاہی زادے کو تاج شاہی پہنا دیتا ہے۔

جس روز آپ کی وفات ہوئی تو آپ بانیار اور دمشق کے درمیان پہاڑ پر واقع ایک گاؤں بیت الجن میں تھے اور آپ کا سر میری گود میں تھا۔ میرا دل سخت مضطرب اور تکلیف میں تھا جیسے کہ ایسے محسن اور دوست کی علیحدگی کے خیال سے ہونا چاہیے۔ آپ نے فرمایا بیٹا! میں اعتقاد کا مسئلہ بیان کرتا ہوں۔ اگر تو اپنے آپ کو اس کے مطابق درست کر لے گا تو تیرے دل کی یہ تمام تکلیف دور ہو جائے گی۔ یہ بات یاد رکھ کہ اللہ عزوجل کوئی کام الل ٹپ نہیں کرتا۔ وہ تمام حالات کو ان کے نیک و بد کا لحاظ رکھ کر پیدا فرماتا ہے۔ تیرے لئے لازم ہے کہ خدا کے فعل میں اس سے جھگڑا نہ کر اور جو کچھ وہ کرتا ہے اس پر رنجیدہ نہ ہو۔ آپ نے ابھی اتنی بات فرمائی تھی کہ اپنی جان خداوند کریم کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کسب روحانی کے لئے آپ (حضرت ہجویریؒ) نے شام، عراق، فارس، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، ماوراء النہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا۔ ان ممالک میں بے شمار لوگوں سے ملے اور ان کی صحبتوں سے فیض حاصل کیا۔ صرف خراسان میں جن مشائخ سے آپ ملے ان کی تعداد تین سو ہے۔ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے خراسان میں تین سو اشخاص ایسے دیکھے ہیں کہ ان سے صرف ایک سارے جہاں کے لیے کافی ہے۔

دوسرے ہم عصر جن سے آپ متاثر ہوئے

اپنے زمانے کے جن بزرگوں سے آپ خاص طور پر متاثر ہوئے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ ان کے

Marfat.com

بارے میں آپ کے تاثرات بھی قوسین میں درج ہیں:

شیخ محمد زکی بن العلاؒ (زمانے کے سردار اور محبت کا شعلہ) شیخ القاسم سدیؒ (پیر مجاہد)، شیخ الشیوخ ابوالحسن بن سالبہؒ (توحید میں روشن بیان)، شیخ ابو اسحاق بن شہریارؒ (صاحب دبدبہ)، شیخ ابوالحسن علی بن بکرانؒ (بزرگ صوفی)، شیخ ابوعبداللہ جنیدیؒ (بہت احترام والے)، شیخ ابوطاہر مکشوفؒ (جلیل القدر بزرگ)، شیخ احمد بن شیخ خرقانیؒ خواجہ علی بن الحسین السیر کانیؒ (وقت کے سیاح)، شیخ مجتہد ابوالعباس دامغانیؒ (خدا کے اقبال کا سایہ) خواجہ ابوجعفر بن علی الجوینی (محقق بزرگ)، خواجہ رشید مظفر بن شیخ ابوسعید (دلوں کا قبلہ)، خواجہ شیخ احمد حمادی سرخسی (وقت کے پہلوان) اور شیخ احمد نجار سمرقندی (زمانے کے بادشاہ) رحمہم اللہ۔

دو اہم واقعات

اپنی تلاش و جستجو کے زمانے کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے ایک مشکل پیش آئی۔ اس کے حل کے لیے میں نے بہت مجاہدے کیے مگر یہ مشکل حل نہ ہوئی۔ اس سے پہلے بھی مجھے ایک مشکل پیش آئی تھی اور اس کے حل کے لیے میں نے حضرت شیخ ابویزیدؒ کی قبر کی مجاوری اختیار کر کے اس پر غور وفکر کیا تھا اور میری وہ مشکل وہاں حل ہوگئی تھی۔ اب کے میں نے پھر ایسا کیا۔ برابر تین ماہ تک ان کی قبر کا مجاور بنا رہا۔ ہر روز تین مرتبہ غسل کرتا رہا اور تیس دفعہ وضو کرتا رہا لیکن میری یہ مشکل حل نہ ہوئی۔ بالآخر میں نے خراسان جانے کا ارادہ کیا اور راستے میں رات کے وقت ایک خانقاہ میں رات بسر کرنے کے لیے ٹھہرا۔ وہاں صوفیوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ میرے پاس اس وقت موٹے کھردرے ٹاٹ کی ایک گودڑی تھی اور وہی میں نے پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں ایک عصا اور کوزا (لوٹا) تھا۔ اس کے سوا اور کوئی سامان میرے پاس نہیں تھا۔ ان صوفیوں نے مجھے بہت حقارت کی نظر سے دیکھا اور اپنے خاص انداز میں ایک دوسرے سے کہا کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور وہ اپنی اس بات میں سچے تھے کیونکہ میں فی الواقع ان میں سے نہ تھا۔ میں تو محض ایک مسافر کی حیثیت سے رات بسر کرنے کے لیے ان کے پاس پہنچ گیا تھا ورنہ ان کے طور طریقوں سے میرا کوئی سروکار نہ تھا۔ انہوں نے خانقاہ کے نیچے ایک کمرے میں مجھے بٹھا دیا اور ایک سوکھی روٹی اور وہ بھی روکھی میرے آگے رکھ کر خود کھانے کے لیے اوپر چوبارہ میں جا بیٹھے۔ جو کھانے وہ خود کھا رہے تھے ان کی خوشبو مجھے آرہی تھی اور اس کے ساتھ چوبارہ پر سے وہ طنزیہ انداز سے مجھ سے باتیں کرتے تھے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو خربوزے لے کر بیٹھ گئے اور چھلکے مجھ پر پھینکتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی طبیعت کی خوشی اس وقت میری توہین پر موقوف تھی۔ میں اپنے دل میں خدا سے کہہ رہا تھا کہ بار خدایا، اگر میں نے تیرے دوستوں کا لباس نہ پہنا ہوا ہوتا تو میں ضرور ان کی ان حرکات کا مزا ان کو چکھا دیتا' لیکن چونکہ میں اسے خداوند تعالیٰ کی طرف سے ابتلا سمجھ کر برداشت کر رہا تھا اس لئے جس قدر وہ طعن و ملامت مجھ پر زیادہ کرتے تھے میں خوش ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اس طعن کا بوجھ اٹھانے سے میری وہ مشکل جس کے لیے میں مجاہدوں اور اس سفر کی مشقت اٹھا رہا تھا' وہیں حل ہوگئی۔

Marfat.com

اسی وقت مجھ کو معلوم ہوگیا کہ مشائخ رحمہم اللہ جاہلوں کو اپنے درمیان کیوں رہنے دیتے ہیں اور ان کا بوجھ کس لئے اٹھاتے ہیں۔ نیز یہ کہ بعض بزرگوں نے ملامت کا طریقہ کیوں اختیار کیا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ اس سے بعض اوقات وہ عقدے حل ہو جاتے ہیں جو دوسرے طریقوں سے حل نہیں ہوتے۔

عراق کا ایک واقعہ اپنے متعلق بیان کرتے ہیں کہ عراق میں اپنے قیام کے زمانے میں ایک دفعہ میں دنیا کمانے اور اسے خرچ کرنے میں بہت دلیر ہوگیا۔ جس کسی کو کوئی ضرورت پیش آتی وہ میری طرف رجوع کرتا اور میں نہ چاہتا کہ میرے دروازے سے کوئی خالی جائے، اس لئے اس کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتا یہاں تک کہ میں بہت زیادہ مقروض ہوگیا اور اس صورتحال سے سخت پریشان ہوگیا۔ آخر وقت کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے مجھے لکھا: ''بیٹا! دیکھو اس قسم کی مشغولیت میں کہیں خدا سے دور نہ ہو جاؤ۔ یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے اگر کسی کے دل کو اپنے سے بہتر پاؤ تو اس کی خاطر پریشانی اٹھاؤ۔ تمام مخلوق کے کفیل بننے کی کوشش نہ کرو کیونکہ اپنے بندوں کے لیے خدا خود کافی ہے۔'' فرماتے ہیں کہ اس نصیحت کے بعد مجھے سکون قلب حاصل ہوا اور میں نے یہ جانا کہ مخلوقات سے دور رہنا صحت وسلامتی کی راہ ہے۔

انسان کو چاہیے کہ وہ خود اپنی طرف نہ دیکھے تاکہ کوئی اور بھی اس طرف نہ دیکھے اور یہ حقیقت ہے کہ آدمی خود ہی اپنے آپ کو اہم اور بڑی چیز خیال کرتا ہے ورنہ دنیا اسے کچھ بھی نہیں سمجھتی۔ وہ تو صرف اپنا کام اس سے نکالتی ہے۔

آپ کا طریق

آپ کے نزدیک صوفی صفا سے مشتق ہے اور صفا کی اصل دل کو غیر اللہ سے منقطع اور دنیائے غدار سے خالی کر کے اسے اللہ سے جوڑنا ہے۔ گویا اس کا مطلب اخلاص اور سچی محبت کے ساتھ خدا کی بندگی کی راہ اختیار کرنا ہے نہ کہ کوئی خاص وضع قطع اختیار کرنا۔ آپ فرماتے ہیں کہ طالب کو تمام احوال میں شرع اور علم کا پیرو ہونا چاہیے کیونکہ سلطان علم سلطان حال پر غالب اور اس سے افضل ہے۔ چنانچہ آپ چالیس برس مسلسل سفر میں رہے لیکن کبھی نماز باجماعت ناغہ نہیں کی اور ہر جمعہ کی نماز کے لئے کسی قصبہ میں قیام فرمایا۔ عام رہن سہن عام لوگوں کی طرح رکھتے۔ صوفیوں کے ظاہری رسم اور وضع قطع سے آپ شیخ طریقت شیخ ابوالفضل محمد بن ختلیؒ کی طرح ہمیشہ مجتنب رہے بلکہ اس سے آپ کو ایک گونہ نفرت تھی اور ان چیزوں کو ریاکاری ونمائش اور معصیت کا نام دیتے تھے۔

نکاح کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ: جو شخص مخلوق میں رہنا چاہے اس کے لئے نکاح کرنا شرط ہے اور اگر بغیر نکاح کے اس کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے نکاح فرض ہے' لیکن جو مخلوق سے الگ تھلگ رہتا ہو اس کے لئے مجرد رہنا اچھا ہے تاکہ اس کی وجہ سے کوئی نیک بخت پریشان نہ ہو اور وہ بھی یکسوئی کے ساتھ خدا کی ملازمت کر سکے۔ آپ چونکہ اپنی عمر کا بیشتر حصہ سفر اور مسافرت ہی میں رہے اس لئے آپ نے شادی نہیں کی بلکہ

Marfat.com

تجرد کی زندگی گزاردی، لیکن تجرد کے ہلاکت خیز خطرات کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے گیارہ برس تزویج (نکاح) کی آفت سے بچایا لیکن تقدیر کا لکھا سامنے آیا اور میں بن دیکھے ایک پری صفت کا دل و جان سے گرویدہ ہو گیا اور ایک سال اس طرح اس میں مستغرق رہا کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ و برباد ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف و مہربانی سے میرے دل پر عصمت و پاکیزگی کا فیضان فرمایا اور اپنی رحمت سے مجھے اس آفت[2] سے نجات بخشی۔

لاہور میں آمد اور قیام

آپ اپنے مرشد کے حکم سے خدا کے دین کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے سلطان محمود غزنوی کے بیٹے ناصر الدین مسعود کے زمانے ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء تا ۴۳۶ھ/۱۰۴۰ء میں لاہور تشریف لائے۔ آپ سے بہت پہلے آپ کے پیر بھائی حسین زنجانیؒ اس خدمت پر مامور تھے۔ اس لئے جب آپ لاہور آنے کا حکم ہوا تو آپ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ سے عرض کیا کہ وہاں حسین زنجانی موجود ہیں، میری کیا ضرورت ہے؟ لیکن شیخ نے فرمایا نہیں تم جاؤ۔ فرماتے ہیں کہ میں رات کے وقت لاہور پہنچا اور صبح کو حسین زنجانی کا جنازہ شہر سے باہر لایا گیا۔

تبلیغ و اشاعت دین کے سلسلے میں آپ نے برصغیر ہند کے دوسرے حصوں کا بھی سفر کیا چنانچہ آپ ''کشف المحجوب'' میں حضرت ابوحلیم حبیب بن اسلم رائیؒ کے حالات میں لکھتے ہیں: شیخؒ کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں۔ وقت کی تنگی کی وجہ سے ان کو چھوڑتا ہوں اور مجھے یہ سخت دقت پیش آرہی ہے کہ میری کتابیں غزنی میں ہیں اور میں ملک ہندوستان کے ایک گاؤں لہاور (لاہور) میں ہوں جو کہ ملتان کے گرد و نواح میں واقع ہے اور بالکل غیر جنسوں میں گرفتار ہوں۔ والحمد اللہ علی لسرا و الضرا۔ لیکن آپ کا مقام اور مرکز لاہور ہی رہا اور آخر لاہور ہی میں ۴۶۵ھ میں انتقال فرمایا یہیں دفن ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کا روضہ ناصر الدین مسعود کے بیٹے ظہیر الدولہ نے تعمیر کرایا اور خانقاہ کا فرش اور ڈیوڑھی جلال الدین اکبر بادشاہ ۹۳۶ھ/۱۵۵۵ء تا ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء کی تعمیر ہیں۔ خواجہ معین الدین اجمیریؒ ۱۲۳۹ء اور خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ نے کسب فیض کے لئے آپؒ کے مزار پر چلہ کشی کی اور خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے چلہ کے بعد رخصت ہوتے وقت یہ شعر کہا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اسی سے آپ ''گنج بخش'' کے نام سے شہرت ہوئی۔

آپ کی تصانیف

آپ نے حسب ذیل کتب تصنیف فرمائیں، لیکن اب ''کشف المحجوب'' کے سوا کوئی اور کتاب نہیں ملتی:

۱) کشف المحجوب
۲) منہاج الدین (یہ کتاب اصحاب صفہؓ کے مناقب پر تھی)
۳) الرعایۃ لحقوق اللہ
۴) کتاب الفنا والبقا
۵) اسرار الخرق والمؤنات
۶) بحر القلوب
۷) کتابُ البیان لاہل العیان

شعر و شاعری سے بھی آپ کو دلچسپی تھی اور آپ کا ''دیوان'' بھی تھا۔ ''کشف المحجوب'' میں اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے لکھا ہے کہ بعض لوگ دوسروں کی تصانیف کو اپنے نام سے منسوب کر کے شائع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے مجھ سے میرے شعروں کا دیوان دیکھنے کے لیے مانگا اور پھر واپس نہ کیا اور اس کے شروع سے میرا نام محو کر کے اسے اپنے نام سے پیش کر دیا۔ چونکہ دیوان کا یہی ایک نسخہ تھا جو وہ لے گیا اس لئے میں کچھ نہ کر سکا اور اس نے میری محنت کو برباد کر دیا۔ اسی طرح ایک اور شخص نے میری دوسری کتاب ''منہاج الدین'' جو میں نے تصوف پر تصنیف کی تھی، مجھ سے مانگی اور اس پر میرا نام مٹا کر عوام الناس میں اسے اپنے نام سے شائع کر دیا۔

آپؒ کا مشہور قول

آپؒ فرمایا کرتے: ''نفس کو اس کی خواہش سے دور رکھنا حقیقت کے دروازے کی چابی ہے۔''

کشف المحجوب

حضرت شیخ سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ کی آٹھ دس تصانیف میں سے صرف ''کشف المحجوب'' ہم تک پہنچی ہے۔ فارسی زبان میں اس فن پر یہ پہلی کتاب ہے اور علم تصوف میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔

سبب تالیف

کتاب کی ساتویں فصل میں ''کشف المحجوب'' کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے مصنفؒ نے بتایا ہے کہ غزنی کے ایک شخص ابو سعید نے آپ سے حسب ذیل باتوں پر روشنی ڈالنے کی درخواست کی:

۱۔ تصوف کے راستے کی تحقیق
۲۔ تصوف کے مقامات کی کیفیت
۳۔ تصوف کے مختلف مذاہب اور ہر ایک کے مقالات کا بیان

۴۔ تصوف کے اشارات اور رموز کا بیان

۵۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی کیفیات دلوں میں کس طرح جاگزیں ہوتی ہیں؟

۶۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ انسانی عقل اللہ تعالیٰ کی ماہیت کی تہہ تک نہیں پہنچ پاتی؟

۷۔ انسانی نفوس کو خداوند تعالیٰ کی حقیقت سے نفرت اور روح کو اس کی صفات کے ساتھ سکون و آرام کیوں ہے؟ اس سلسلے کی ساری باتیں بیان فرما دیجئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سوالات میں اخلاص اور سچی طلب حق کی خوشبو محسوس کی اور ان سوالات کو پیش نظر رکھ کر یہ کتاب تالیف کی۔ اس تالیف کی ضرورت کے متعلق فرماتے ہیں:

''پیشہ ور اہل طریقت اور غلط رو صوفیوں کے غلبہ کی وجہ سے سچے متلاشیان حق کو صحیح راہ معلوم کرنے میں دقت پیش آ رہی ہے۔ علم حقیقت ہمارے زمانہ میں اور خصوصاً ہمارے ملک میں پرانا ہو گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات اپنی نفسانی خواہشات میں مبتلا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہ سے منہ موڑ چکی ہے۔ زمانے کے علماء اور مدعیان طریقت تک اللہ کی رضا جوئی کی صحیح راہ کے خلاف چل رہے ہیں۔ جو اپنے آپ کو خدا کے عارف کہتے ہیں، وہ بھی اس کی معرفت سے نابلد ہیں۔ اب یہ اللہ ہی کے ارادے پر منحصر ہے کہ اس چیز کو اپنی صورت میں نمایاں کرنے کے اسباب پیدا فرمائے جسے اہل زمانہ کھو چکے ہیں کیونکہ جب اہل علم تحقیق کا راستہ چھوڑ کر تقلید میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو تحقیق ان سے اپنا منہ چھپا لیتی ہے۔''

آپ فرماتے ہیں کہ یہ معلوم کرنے اور اس کے بارے میں یکسوئی حاصل کرنے کے لیے کہ میں اس کارِعظیم میں ہاتھ ڈالوں یا نہ ڈالوں، میں نے استخارہ کیا اور استخارہ سے پہلے اپنے دل سے تمام نفسانی اغراض کو مٹا دیا کہ اس تالیف میں کوئی نفسانی غرض شامل نہ ہونے پائے۔ جب میں یکسو ہو گیا تو سائل کے سوالات کا مفصل جواب تحریک کرنے کے لیے کمربستہ ہو گیا اور اس کی استعدا کا حکم بجالانے کا عزم صمیم کر لیا۔ اس سے پہلے بھی میں نے اسی مضمون میں بہت سی کتابیں تیار کی تھیں مگر سب کی سب ضائع ہو گئیں اور پیشہ ور لوگوں نے ان کتابوں سے بعض باتوں کو چرا کر بہت سی مخلوق خدا کو شکار کیا۔

وجہ تسمیہ

کتاب کے نام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کا نام ''کشف المحجوب'' اس وجہ سے رکھا تاکہ کتاب کا نام اس کے مضامین پر دلالت کرے اور اصحاب علم کتاب کا نام سن کر یہ سمجھ لیں کہ یہ کتاب کس فن سے متعلق ہے۔ نیز چونکہ یہ کتاب خدا کے راستے کے بیان اور بشریت کے حجاب دور کرنے کی غرض سے ہی لکھی گئی ہے

Marfat.com

اس لئے ''کشف المحجوب'' سے موزوں تر اس کے لیے کوئی اور نام نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کتاب کا علمی مرتبہ

''کشف المحجوب'' کو ہر زمانے میں علم طریقت پر بے مثل کتاب تصور کیا گیا ہے چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا کوئی مرشد نہ ہو اسے ''کشف المحجوب'' کے مطالعہ سے مل جائے گا۔ ملا جامیؒ فرماتے ہیں کہ ''کشف المحجوب'' اس فن کی مشہور اور معتبر کتاب ہے۔ اس میں لطائف و حقائق جمع کر دیے گئے ہیں۔ داراشکوہ نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ مرشد کامل ہیں اور ''کشف المحجوب'' ان کی مشہور و معروف تصنیف ہے۔ کسی شخص کو اس کی کسی بات پر کوئی کلام نہیں اور فارسی زبان میں تصوف پر اس پایہ کی کوئی کتاب نہیں۔

حضرت شرف الدین یحیٰی منیریؒ اپنے مکتوبات میں جگہ جگہ ''کشف المحجوب'' کا ذکر کرتے ہیں اور ''لطائف اشرفی'' میں جو حضرت جہانگیر اشرف سمنانیؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے، ''کشف المحجوب'' کے جگہ جگہ حوالے دیے گئے ہیں۔

نیز ''مشک آنست کہ خود بگوید'' کے مصداق کتاب قاری کو خود بتا دے گی کہ وہ کس مرتبے کی ہے اور آیا مصنف فی الواقع ''ناقصاں راہ پیر کامل'' اور ''کاملاں را راہنما'' ہے یا نہیں۔

(در: کشف المحجوب، ترجمہ، ترتیب و تلخیص بزبان اردو از میاں طفیل احمد، لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۳۳۔۵۱)

☆......☆......☆

اعجاز الحق قدوسی

حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ

داتا گنج بخشؒ

سید ہجویر مخدوم امم — مرقد او پیر سنجر را حرم
بند ہائے کوہسار آسان گسیخت — در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد — حق زحرف او بلند آوازہ شد
پاسبان عزت ام الکتاب — از نگاہش خانہ باطل خراب
خاک پنجاب ازدم او زندہ گشت — صبح ما از مہر و تابندہ گشت
عاشق وہم قاصد تیار عشق — ازجبینش آشکار اسرار عشق

(علامہ اقبال)

نام ونسب

آپ کا اسم گرامی علی، ابوالحسن کنیت اور داتا گنج بخش لقب ہے۔ آپ کے والد کا نام سید عثمان ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

علی بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمان بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید شہید بن امام حسن بن علی مرتضیٰؓ۔[1]

آپ کو ہجویری اور جلابی اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کا شروع میں قیام ہجویر اور جلاب میں رہا۔ یہ غزنین کے دو مشہور گاؤں ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۴۰۰ھ میں ہوئی۔

Marfat.com

اساتذہ

''کشف المحجوب'' میں حضرت شیخ ابوالحسن ہجویریؒ نے اپنے جن اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے۔ان میں حضرت ابولعباس بن محمد اشقانی[۲] ہیں۔آپ نے ان کے فضائل ومناقب کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

''مرا باوے انسے عظیم بودہ، وے را برمن شفقتے صادق، و در بعضے علوم استاد من بود، ہرگز از ہیچ صنف کسے ندیدم کہ شررع را بہ نزدیک وے تعظیم بیشتر بود۔''[۳]

اسی کتاب میں ایک اور جگہ آپ اپنے دوسرے استاتذہ شیخ ابوجعفر محمد بن مصباح صیدلانی[۴] کا تذکرہ کیا ہے۔ان کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

''وہ رؤسائے متصوف میں تھے۔تحقیق میں اُن کی زبان اچھی تھی۔حسین بن منصور سے بہت محبت رکھتے تھے۔میں نے اُن کی بعض تصانیف اُنہیں سے پڑھیں۔''

ان کے علاوہ انہوں نے شیخ ابوالقاسم[۵] عبدالکریم بن ہوازن قشیری سے بھی استفادہ کیا اور شیخ ابوالقاسم[۶] بن علی بن عبداللہ گرگانی بھی ان کے اساتذہ میں سے تھے۔شیخ ابوالقاسم کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت ہجویریؒ نے لکھا ہے کہ:

''مرا باوے اسرار بسیار بود، اگر باظہار آیات وے مشغول کردم از مقصود بمانم۔''

متاخرین آئمہ میں حضرت ہجویریؒ نے ابوالعباس احمد محمد قصاب[۷]،ابوعبداللہ[۸]، محمد بن علی المعروف الداغستانی، ابوسعید فضل اللہ بن محمد اور ابواحمد المظفر بن حمدان کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے اور ان کی تعلیمات اور تصانیف سے بھی استفادہ فرمایا ہے۔

روحانی تعلیم وتربیت

حضرت داتا گنج بخشؒ نے جس بزرگ سے روحانی تعلیم وتربیت حاصل کی، ان کا اسم گرامی ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ ہے۔شیخ ابوالفضل محمد بن ختلیؒ سلسلہ جنیدیہ میں منسلک تھے۔اپنی مشہور تصنیف ''کشف المحجوب'' میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے ان کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا:

''وہ اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے۔میں طریقت میں انہی کا پیرو ہوں۔وہ علم تفسیر کا مذہب رکھتے تھے اور حضرت حصریؒ کے مرید اور رازدار تھے۔ابوعمر قزوینی اور ابوالحسن سالبہ کے ہمصر تھے۔ساٹھ سال تک گمنامی کی حالت میں گوشہ گیر ہو کر خلقت سے دور رہے۔ان کا

Marfat.com

قیام زیادہ تر کوہ لگام میں رہتا تھا۔ انہوں نے اچھی عمر پائی۔ ان کی ولایت کی بہت سی دلیلیں ہیں لیکن ظاہری لباس اور رسوم صوفیہ کے نہ رکھتے تھے۔ میں نے ان سے زیادہ بارعب کسی کو نہیں دیکھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ الدنیا یوم ولنا فیھا صوم۔"[9]

مرشد کا وصال

"کشف المحجوب" میں ہے کہ آپ کے شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ نے آپ ہی کے زانو پر وصال فرمایا۔ اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں:

"جس روز آپ (حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی) کی وفات ہوئی، آپ بیت الجن میں تھے۔ یہ ایک گاؤں ہے پہاڑی پر جو دمشق اور نیازر کے درمیان ہے۔ اس وقت آپ کا سر میری گود میں تھا اور میرے دل میں ایک دوست کی طرف سے کچھ رنج تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا اے بیٹا! اعتقاد کا مسئلہ تم کو بتاتا ہوں۔ اگر تم اس کے مطابق اپنے آپ کو درست کر لو گے تو سب رنجوں سے نجات پا جاؤ گے کہ خدا ہر جگہ ہر وقت اچھوں اور بروں کو پیدا کرتا ہے اس لئے تمہیں اس کے کسی فعل پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے اور نہ دل میں کسی تکلیف کو جگہ دینی چاہیے۔ اس کے سوا کوئی وصیت نہیں فرمائی اور جاں بحق ہوئے۔"[10]

سیر و سیاحت

تزکیہ باطن اور روحانی کمال کے لئے آپ نے اسلامی ممالک شام، بغداد، عراق، فارس، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا اور ہر مقام کے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ خراسان میں آپ نے تین سو مشائخ سے ملاقات فرمائی۔

ریاضتیں اور مجاہدے

سلوک و معرفت کی منازل طے کرنے میں جو ریاضتیں اور مجاہدے آپ نے کئے، ان کو "کشف المحجوب" میں آپ نے جا بجا فرمایا ہے۔ "کشف المحجوب" باب ششم ذکر ملامت میں فرماتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ شیخ ابو یزید کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا، چنانچہ ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا مگر وہ مشکل حل نہ ہوئی۔ آخر میں نے خراسان جانے کی ٹھانی۔ ایک گاؤں میں پہنچا تو

Marfat.com

ایک خانقاہ میں متصوفین کی ایک جماعت نظر آئی۔ میں موٹا اور کھردرا لباس پہنے ہوئے تھا۔ ہاتھ میں ڈنڈا اور پانی کا برتن تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اور سازوسامان میرے پاس موجود نہ تھا۔ اس جماعت نے مجھے بے پناہ تحقیر سے دیکھا اور ان میں سے کسی نے مجھے نہیں پہچانا۔ ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے۔ یہ ہم میں سے نہیں اور واقعی میں ان میں سے نہ تھا، لیکن وہاں رات گزارنا بھی ضروری تھا۔ ان لوگوں نے مجھے خانقاہ کے نچلے حصے میں ٹھہرایا اور خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے۔ کھانے کے وقت ایک سوکھی روٹی مجھ کو دی۔ میں ان کے خوشبودار کھانے کو سونگھ رہا تھا، جو وہ تناول کر رہے تھے اور بالائی منزل پر میرے متعلق گفتگو کرتے جاتے تھے۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو خربوزے کھانے لگے اور ازراہِ تمسخر چھلکے مجھ پر پھینکتے رہے اور طنز کی باتیں کرتے رہے۔ مگر جتنا وہ زیادہ طنز کرتے تھے اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا۔ اس طرح ملامت سہنے سے میری وہ مشکل حل ہوگئی۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں۔"[۱۱]

مسلسل چار سال تک سفر میں رہنے کے باوجود کبھی نماز باجماعت ترک نہیں ہوئی اور ہر جمعہ کو کسی قصبہ میں نماز کے لئے قیام فرمایا۔

صوفیہ کی ظاہری رسوم سے نفرت

حضرت داتا گنج بخشؒ بھی اپنے شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ کی طرح صوفیوں کی ظاہری رسوم سے نفرت کرتے تھے اور ان ظاہری رسوم کو معصیت اور ریا سے تعبیر فرماتے تھے اور ظاہر پرست صوفیوں کی صحبت کو تہمت کا مقام کا قرار دیتے تھے۔[۱۲]

ازدواجی زندگی

آپ کی ازدواجی زندگی کے متعلق کوئی واضح صراحت نہیں ملتی لیکن "کشف المحجوب" کے بعض اندراجات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شادی نہیں کی۔ "کشف المحجوب" میں ہے کہ:

"من کہ علی بن عثمان الجلابی از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بودم، ہم تقدیر کرد تا بفتنہ اندر افتادم ظاہر باطنم اسیر صفتے باشد کہ با من کردند، بے آنکہ رویت بودہ بود ویک سال مستغرق آں بودم، چنانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود، تا حق تعالیٰ بکمال لطف و تمام فضل خود عصمت را بہ استقبال دل بے چارہ من فرستادند برحمت خلاصی ارزانی داشت۔"[۱۳]

Marfat.com

ترجمہ: میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں۔ حق تعالیٰ نے مجھے گیارہ سال تک شادی کی آفت سے بچائے رکھا۔ پھر تقدیر سے آزمائش میں ڈالا گیا۔ میرا ظاہر و باطن ایک پری صفت کا اسیر ہوا۔ بغیر اس کے کہ میں نے اس کو دیکھا ہو، ایک سال تک میں اس کے خیال میں غرق رہا۔ نزدیک تھا کہ یہ چیز میرے دینی معاملات میں خلل انداز ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کمال لطف وفضل سے عصمت کو دل بے چارہ کے استقبال کے لیے بھیجا۔ اپنی رحمت سے مجھے اس مصیبت سے نجات دی۔

لاہور میں تشریف آوری

حضرت داتا گنج بخشؒ سلطان مسعود[14] بن محمود غزنوی کے اخیر دور حکومت میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ مختلف ممالک اسلامیہ کی سیاحت کرتے ہوئے لاہور تشریف لائے۔[15] ''فوائد الفواد'' میں ہمیں آپ کے لاہور تشریف لانے کی کچھ تفصیلات ملتی ہیں۔ حضرت شیخ نظام الدینؒ اولیاؒ فرماتے ہیں کہ:

> ''شیخ حسین زنجانیؒ اور شیخ علی ہجویریؒ دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور ان کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے۔ حسین زنجانیؒ عرصہ سے لہاور (لاہور) میں مقیم تھے۔ کچھ دنوں کے بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویریؒ سے کہا کہ لہاور جا کر قیام کرو۔ شیخ علی ہجویریؒ نے کہا کہ وہاں شیخ حسین زنجانیؒ موجود ہیں لیکن ان کے پیر نے پھر فرمایا کہ تم جاؤ۔ جب علی ہجویریؒ اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل میں لہاور آئے تو رات تھی۔ صبح کو شیخ حسین زنجانیؒ کا جنازہ باہر لایا گیا۔''[16]

''آبِ کوثر'' میں ہے کہ لاہور تشریف لانے کے بعد یہاں آپ نے ایک مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ کچھ دن تک درس دیتے رہے، پھر تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔[17]

لاہور سے مرشد کی خدمت میں حاضری

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لاہور آنے کے بعد آپ پھر اپنے مرشد کی خدمت میں واپس گئے تھے کیونکہ اوپر گزر چکا ہے کہ آپ کے مرشد نے آپ کے زانو ہی پر وفات پائی ہے اور مرشد کے وصال کے بعد آپ دوبارہ لاہور واپس آ گئے۔

تبلیغ اسلام

مشہور ہے کہ بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا جن میں سے ایک رائے راجو بھی تھا جو سلطان مودود[18] ابن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب تھا۔ اسلام لانے کے بعد آپ نے اس کا عرف شیخ

Marfat.com

ہندی رکھا۔ اُسی کی اولاد سے آپ کے مزار کے خادم ومجاور ہیں۔[19] یہ وہی زمانہ تھا کہ تصوف میں بعض نئی اور غیر اسلامی چیزیں داخل ہو رہی تھیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ شروع ہی سے دینی اصولوں پر بڑی شدت سے عامل تھے۔ آپ نے حسین فارسی اور ابو سلمان کے حلولی فرقوں کو جنھوں نے تصوف میں بے راہ روی اختیار کی تھی، ملحد اور لعنتی کہا ہے۔ ''کشف المحجوب'' میں گروہ حلولیہ کے ضمن میں ان دونوں فرقوں سے متعلق فرمایا:

''میں نہیں جانتا فارسی کون اور ابو سلمان کون ہے اور انہوں نے کیا باتیں کہی ہیں۔ جو شخص توحید کے خلاف عقیدہ رکھتا ہوں، اس کا دین اسلام میں کوئی مقام نہیں۔ چونکہ دین اصل ہے۔ تصوف جو اس کا نتیجہ اور اس کے سے مشتق نہ ہو، مستحکم نہیں ہوسکتا۔''[20]

تصانیف

حضرت داتا گنج بخشؒ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ''کشف المحجوب'' آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ ''کشف المحجوب'' میں آپ نے اپنی جن دوسری تصانیف کا تذکرہ کیا ہے، ان میں منہاج الدین، کتاب الفنا والبقا، اسرار الخرق والمؤنات، کتاب البیان لاہل العیان، سحر القلوب، الرعایہ لحقوق اللہ، رسالہ در شرح کلام حلاج اور رسالہ ایمان ہیں۔ ''کشف المحجوب'' میں آپ نے اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے جواب نہیں ملتا۔

''کشف المحجوب'' کی پہلی فصل آپ نے اس پر بحث کرتے ہوئے کہ آپ نے کتاب کے شروع میں اپنا نام کیوں لکھا ہے؟ اس ضمن میں واضح کیا ہے کہ کس طرح آپ کا مجموعہ اشعار رائیگاں ہوا:

''کتاب اوّلین حصہ میں جو میں نے اپنا لکھا ہے، اس سے دو چیزیں مراد ہیں۔ ایک نصیب خاص اور دوسری نصیب عام۔ جو کچھ نصیب عام سے متعلق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کم علم لوگ اس موضوع کی کوئی کتاب دیکھتے ہیں تو اس میں اصل مصنف کا کئی ایک جگہ نام نہیں پاتے تو اسے اپنی طرف سے منسوب کر کے کتاب کی مقصدیت کو فوت کر دیتے ہیں کیونکہ مصنف کا اپنے نام کی اشاعت بقائے دوام مقصود ہوتا ہے اور خواہش رکھتا ہے کہ اس کی کتاب سے مستفید ہونے والے اسے نیک دعاؤں سے یاد کریں۔ میرے ساتھ یہ واقعہ ہو چکا ہے۔ ایک دفعہ کسی نے میرے اشعار کا مجموعہ طلب کیا۔ میرے پاس اس کی نقل نہیں تھی۔ اس نے اسے واپس نہیں کیا اور آغاز کتاب سے میرا نام محو کر کے میری تمام کاوشوں کو رائیگاں کر دیا۔ خدا اس پر رحم کرے۔ میں نے ''منہاج الدین'' کے نام سے ایک اور کتاب تالیف کی تھی جو تصوف کے موضوع سے متعلق تھی۔ ایک پست احسان مدعی علم نے اس پر میرا نام ہٹا کر خود سے منسوب کیا اور لوگوں میں مشہور کیا کہ وہ اس کی تالیف ہے۔ عوام وخواص اس کی حرکت پر

ہنستے رہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ خدا نے اسے مردود بارگاہ قرار دیا اور اس کا نام محو کر دیا گیا۔"

"کشف المحجوب" کے اب تک متعدد ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا سب سے پہلا ترجمہ جو ہماری نظر سے گزرا ہے وہ مولوی فیروز الدین کا ہے جو کتب خانہ اسلامی لاہور سے ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں شائع ہوا تھا۔ پھر اس کا ایک ترجمہ ۱۳۲۲ھ کا بھی ہماری نظر سے گزرا ہے لیکن اس میں مترجم کا نام نہیں۔ اس کا تیسرا ترجمہ مولوی محمد حسین مناظر گوندیاوالہ کا ہے۔ اس کا چوتھا ترجمہ صوفی شیخ محمد اقبال صاحب کا، پانچواں ترجمہ "مفتاح القلوب" کے نام سے خیال امرہووی نے کیا ہے جو اس وقت مارکیٹ میں ملتا ہے۔

مشہور مستشرق پروفیسر نکلسن نے "کشف المحجوب" کو انگریزی میں منتقل کیا۔ اس کے انگریزی ترجمہ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۱ء میں دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۲ء میں اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔

"کشف المحجوب" اکابر صوفیا کی نظر میں

اب آپ کی تمام کتابوں میں صرف "کشف المحجوب" ہی ملتی ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہے جو ہر دور میں اپنی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے بے نظیر سمجھی گئی ہے۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> "کشف المحجوب از تصنیف شیخ علی ہجویری است قدس اللہ روحہ العزیز اگر کسے را پیرے نباشد چوں ایں کتاب را مطالعہ کند پیدا شود و من ایں کتاب را بتمام مطالعہ کردہ ام۔"[۲۱]

حضرت جہانگیر اشرف سمنانیؒ کے ملفوظات "لطائف اشرفی" میں بکثرت اس کے حوالے موجود ہیں۔ مولانا جامیؒ "نفحات الانس" میں "کشف المحجوب" کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> "علی بن عثمان بن ابی علی اجلابی الغزنوی قدس سرہ کنیت وے ابوالحسن ست عالم و عارف بودہ، مرید شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی ست و بصحبت بسیارے از مشائخ دیگر رسیدہ است صاحب کتاب کشف المحجوب است کہ از کتب معتبرہ مشہور دریں فن ست و لطائف و حقائق بسیار در آں کتاب جمع کردہ ست۔"[۲۲]

داراشکوہ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کی کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے "کشف المحجوب" کی اہمیت اور افادیت کو اس طرح واضح کیا ہے۔

> "حضرت علی ہجویری را تصنیف بسیار است، اما کشف المحجوب مشہور و معروف است، و ہیچ کس برابر آں سخت نیست و مرشدے است کامل، در کتب تصوف بخوبی آں در زبان فارسی کتابے تصنیف نشدہ۔"[۲۳]

Marfat.com

''کشف المحجوب'' حضرت داتا گنج بخش نے اپنے ساتھی ابوسعید ہجویری کے ایک استفسار پر جو آپ کے ساتھ غزنی سے لاہور آئے تھے،لکھی۔ ابوسعید ہجویری آپ سے تصوف کے رموز واشارات کو سمجھنا چاہتے تھے۔ آپ نے اس کتاب میں تصوف کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس طرح یہ وہ کتاب ہے جس سے پہلی مرتبہ ہندو پاکستان اسلامی تصوف سے متعارف ہوا۔

تعلیمات

حضرت داتا گنج بخشؒ کی تعلیمات تک پہنچنے کا ذریعہ ہمارے پاس صرف ان کی کتاب ''کشف المحجوب'' ہے۔ ہم اسی کتاب سے آپ کی تعلیمات کے مختلف پہلو پیش کرتے ہیں۔

علم

''کشف المحجوب'' کے پہلے باب میں آپ نے قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ کے روشنی علم کی اہمیت کو ظاہر کر کے یہ بتایا ہے کہ علم ہی کے ذریعے ایک سالک معرفت کے اعلیٰ مراتب و مدارج پر فائز ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب وہ اپنے علم پر عامل بھی ہو۔ پھر آپ نے علم کی دو قسمیں بتائی ہیں، ایک علم خداوندی دوسرا علم انسانی علم خداوندی کے متعلق آپ نے لکھا ہے اللہ کے علم کے نزدیک اس کے بندوں کا علم بالکل ہیچ ہے۔ وہ تمام موجودات اور معدومات کو جانتا ہے۔ انسان کا علم ایسا ہونا چاہیے کہ وہ ظاہر و باطن میں نفع بخشنے والا ہو۔ انسانی علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اصولی اور دوسرا فروعی۔ اصولی یعنی ظاہر ہے کلمہ شہادت پڑھنا اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا۔ فروعی یعنی ظاہر ہے معاملہ کرنا اور باطن میں اس کے صحیح نیت رکھنا۔

پیر ہجویریؒ کی رائے میں ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ علم باطن، حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے۔ علم حقیقت کے تین ارکان ہیں۔ ایک خدائے تعالیٰ کی ذات کا علم یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں، اس کا کوئی مثل نہیں۔ دوسرے خداوند تعالیٰ کی صفات کا علم یعنی وہ عالم ہے، ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے۔ تیسرے اس کی حکمت اور افعال کا علم یعنی وہ تمام خلائق کو پیدا کرنے والا ہے۔

علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں: کتاب، سنت اور اجماع امت۔ پھر پیر ہجویریؒ نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے جس کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں' اس کا دل جہالت کی وجہ سے مردہ ہے اور جس کو اس کا عنایت کیا ہوا علم شریعت نہیں' اس کا دل عدم واقفیت کی بنا پر بیمار ہے۔ پیر ہجویریؒ نے علم حقیقت اور علم شریعت کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ پھر حضرت ابوبکر وراق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے جس نے صرف علم توحید پر اکتفا کیا وہ زندیق ہے۔[۲۴]

درویشی

''کشف المحجوب'' کے دوسرے باب میں قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ نے فقر و درویشی کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فقیر خدا کے نزدیک ایک بڑا مرتبہ حاصل ہے۔ پھر فقیر کی تعریف کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ فقیر وہ ہے اگر اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اس کی چیز میں خلل نہ آئے اور نہ دنیاوی ساز وسامان ہونے سے وہ مالدار ہو اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو یعنی ساز وسامان کا ہونا یا نہ ہونا اس کے لیے برابر ہو کیونکہ فقیر جس قدر تنگ دست ہوگا اسی قدر اس پر حال زیادہ کھلے گا اور اسرار الٰہی منکشف ہوں گے۔ جس قدر بھی دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہوتا جائے گا اسی قدر اس کی زندگی الطاف خفی اور اسرار روشن سے وابستہ ہوتی جائے گی۔ فقیر رضائے الٰہی کے لئے دنیا کی تمام چیزوں سے بے نیاز ہوتا ہے۔ فقیر کا کمال فقر یہ ہے کہ اس کے فقر کی ترازو کے پلڑے میں اگر دونوں جہاں رکھ دیئے جائیں تو وہ مچھر کے برابر بھی نہ ہوں اور اس کے ایک سانس میں دونوں عالم نہ سمائیں۔

پھر آپ نے صوفیانہ نقطۂ نظر سے اس پر بحث فرمائی ہے کہ فقر اصل ہے یا غنا۔ پیر ہجویریؒ کے نزدیک غنا میں دل کے غیر سے مشغول ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے اور فقر میں دل خدائے تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے جدا رہتا ہے۔ اس لئے فقر غنا سے بہتر ہے اور جب ایک طالب خدا کے سوا تمام دنیا کی چیزوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو فقر و غنا کے دونوں نام اس کے لیے بے معنی ہو جاتے ہیں۔

اب باب کی تیسری فصل میں آپ نے فقر و فقیر کے متعلق مختلف صوفیائے کرام کے اقوال نقل کیے ہیں۔ [۲۵]

تصوف

''کشف المحجوب'' کے تیسرے باب میں پیر ہجویریؒ نے تصوف پر بڑی محققانہ اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس باب کی پہلی فصل میں لفظ صوفی سے متعلق جو صوفیائے کرام کے اقوال ہیں، ان کو نقل کیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف رہی ہے۔ ایک جماعت ہے کہ صوفی چونکہ صوف کا کپڑا پہنتا ہے اس لئے وہ صوفی کہلاتا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صف اول میں رہتا ہے اس لئے صوفی کہلاتا ہے۔ تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ چونکہ یہ اہل صفہ سے منسوب ہیں اس لئے ان کو صوفی کہا جاتا ہے۔ چوتھے گروہ کی رائے ہے کہ یہ صفا سے مشتق ہے۔ لیکن پیر علی ہجویریؒ نے ان تمام اقوال کو غلط ٹھہراتے ہوئے لکھا ہے کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے اور طبیعت کی آفتوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اور صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک صاف ہو کیونکہ تصوف باب تفعّل سے ہے یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے اور یہی تصوف کے اصلی معنی ہیں۔ پھر آپ نے اہل تصوف کی تین قسمیں بتائی ہیں:

۱۔ صوفی وہ ہے جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات میں بقا حاصل کرتا ہے اور اپنی طبیعت کے تصرف سے

آزاد ہو کر حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

۲۔ متصوف وہ ہے جو ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ سے صوفی کے مقام کو حاصل کرتا ہے اور اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے۔

۳۔ مستصوف وہ ہے جو محض مال و دولت اور عزت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو مثل صوفی کے بنالیتا ہے۔ لہٰذا صوفی صاحبِ وصول یعنی وصل حاصل کرنے والا، متصوف صاحب اصول یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا اور مستصوف صاحب فضول ہوتا ہے۔ یعنی جو حصہ فضول کا مالک ہے وہ تمام چیزوں سے محروم ہے۔ پھر پیر ہجویریؒ نے حضرت جنیدؒ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے یعنی تصوف میں سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی ہو، رضا حضرت اسماعیلؑ کی ہو، صبر حضرت ایوبؑ کا ہو، اشارات حضرت زکریاؑ کے ہوں، غربت حضرت یحیٰؑ کی ہو، سیاحت حضرت عیسیٰؑ کی ہو، لباس حضرت موسیٰؑ کا ہو اور فقر حضرت محمد ﷺ کا۔

لباس صوفیہ

''کشف المحجوب'' کے چوتھے باب میں آپ نے اہل تصوف کے لباس سے بحث کی ہے، جس میں آپ نے بتایا ہے کہ صوفی سنت رسولؐ کی پیروی میں کمبل یا گدڑی پہنتا ہے جو اس کے فقر و ریاضت کی علامت ہے۔ پھر آپ نے گدڑی پہننے کی بہت سی شرطیں مقرر فرمائی ہیں۔

درویشی اور تزکیۂ نفس

''کشف المحجوب'' کے پانچویں باب میں آپ نے درویشی اور تزکیۂ نفس کے اختلاف کے بارے میں بحث کی ہے اور علمائے تصوف میں جو درویشی اور تزکیۂ نفس کی افضلیت میں اختلاف ہے، اس کو واضح کیا ہے۔

ملامت

اس کتاب کے چھٹے باب میں پیر ہجویریؒ نے ملامت پر بحث کی ہے۔ آپ نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستوں کی غذا کہا ہے۔ پھر آپ نے بتایا ہے کہ ملامت تین وجوہ کی بنا پر ہوتی ہے:

(۱) ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات اور عبادات میں بالکل درست ہو پھر لوگ اس کو ملامت کرتے ہوں لیکن وہ ان کی مطلق پرواہ نہ کرتا ہو۔

(۲) دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ و حشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو اور خلق خدا کی ملامت روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہونے پائے۔

Marfat.com

(۳) تیسری یہ ہے کہ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو اور اس سے خلق کی ملامت سے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو۔ پیر ہجویریؒ نے اس قسم کو واضح ضلالت قرار دیا ہے۔

پیر ہجویریؒ نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کے لئے ایک تر و تازہ باغ، دوستوں کے لیے مایہ تفریح اور مشتاقوں کے لئے راحت اور مریدوں کا سرور ہے۔

اس کے بعد ''کشف المحجوب'' کے سات ابواب میں صحابہ کرامؓ، آئمہ تصوف، اہل بیت اطہارؓ، اہل صفہ، تابعین، تبع تابعین میں آئمہ صوفیاء کا تذکرہ کیا ہے۔

چودہویں باب میں صوفیوں کے فرقوں کے مختلف عقائد پر آپ نے نہایت محققانہ بحث کی ہے۔ اس کے بعد آپ نے راہ سلوک میں بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہیں اور ان سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تشریح و توضیح فرمائی ہے۔

اس کے بعد پیر ہجویریؒ نے اس کے مختلف ابواب میں سالک کے طریق و آداب پر بحث کی ہے۔

کتاب کے ختم پر سماع پر بحث فرمائی ہے۔ پیر ہجویریؒ کے نزدیک سماع مباح ہے مگر چند شرطوں کے ساتھ پھر ان شرطوں کی تفصیل بیان کی ہے۔

وفات

تاریخ اور تذکروں میں عموماً حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری غزنویؒ کا سنہ وفات ۴۶۵ھ مذکور ہے اور یہی تاریخ وفات لاہور میں آپ کے مقبرے پر بھی درج ہے۔ داراشکوہ نے ''سفینۃ الاولیاء'' میں آپ کا سنہ وفات ۴۵۲ھ اور ایک دوسرے قول کے مطابق ۴۶۴ھ لکھا ہے۔ حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں سامی بیگ نے ''قاموس الاعلام'' میں آپ کا سنہ وفات ۴۵۶ھ تحریر کیا ہے۔ مفتی غلام سرور لاہوری اپنی کتاب ''خزینۃ الاصفیاء'' میں بحوالہ ''نفحات الانس'' اور ''اخبار الاصفیاء'' آپ کا سنہ وفات ۴۶۵ھ معتبر بتاتے ہیں اور اسی سنہ کو انہوں نے منظوم کیا ہے۔ درآنحالیکہ ''نفحات'' کے مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں آپ کی تاریخ وفات کا کوئی ذکر نہیں۔ ''نفحات'' کا ایک بہت قدیم قلمی نسخہ جو حضرت جامی کے بالکل قریب عہد میں لکھا گیا ہے اور ڈاکٹر محمد شفیع صاحب کی لائبریری میں لاہور میں موجود ہے، اس میں بھی آپ کے سنہ وفات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ ''ثمرات القدس'' جو میرزا لعل بیگ لعلی ولد شاہ قلی سلطان بدخشی کی تصنیف ہے، جس کا نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس میں آپ کا سنہ وفات ۴۵۶ھ منقول ہے۔ لعلی عہد اکبر کا مؤرخ ہے۔

اس کے بعد لکھنے والوں میں ہدایت حسین نے آرٹیکل داتا گنج بخش میں ''دائرۃ المعارف اسلامیہ'' کی جلد ۲ صفحہ ۲۹۷ پر اور ریو نے مخطوطات فارسی کی فہرست کے صفحہ ۳۴۳ (جلد اوّل) پر، رحمان علی نے ''تذکرہ علمائے ہند'' کے صفحہ ۵۹ پر اور ملک الشعراء بہار مرحوم نے ''سبک شناسی'' کے صفحہ ۱۸۷ پر اور مولانا عبدالماجد دریا بادی نے ''تصوف اسلام'' کے صفحہ ۵۳ پر اور اسماعیل پاشا بغدادی نے ''اسماء المصنفین'' جلد ۱ صفحہ ۹۱۶ پر اور سید صباح الدین

Marfat.com

نے ''بزم صوفیہ'' کے صفحہ 8 پر اور شیخ محمد اکرام نے ''آب کوثر'' کے صفحہ ۸۶ پر آپ کا سنہ وفات ۴۶۵ھ لکھا ہے۔ ان کے علاوہ صاحب ''مآثر الکرام'' و ''حدائق الحنیفہ'' و ''نزہتہ الخواطر'' نے بھی حضرت شیخ ہجویری کی تاریخ وفات ۴۶۵ھ لکھی ہے۔

صرف ڈاکٹر غنی نے ''تصوف اسلام'' کے صفحہ ۵ پر آپ کا سنہ وفات ۴۷۰ھ کے قریب لکھا ہے اور نکلسن نے ''کشف المحجوب'' کے انگریزی ترجمے کے دیباچے میں قیاساً ۴۶۵ھ و ۴۶۹ھ لکھا ہے۔

یہ وہ سنہ وفات ہے جو حضرت ہجویریؒ کے مختلف کتابوں میں ملتے ہیں لیکن ان حالات و اختلافات میں بہتر یہ ہوگا کہ ہم ''کشف المحجوب'' کے ذریعہ ہی آپ کے سنہ وفات کو متعین کرنے کی کوشش کریں۔ ''کشف المحجوب'' حضرت شیخ ہجویریؒ نے کس زمانے میں لکھنی شروع کی؟ اس کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ حضرت شیخ ہجویریؒ نے وضاحت سے شیخ ابوسعید ابوالخیر کو مرحوم سمجھ کر ''کشف المحجوب'' کے لکھتے وقت دعائے خیر کی ہے اور مورخین کے قول کے مطابق شیخ ابوسعید ابوالخیر نے چار شعبان ۴۴۰ھ میں وفات پائی۔[۲۶] اس سے ہم اس نتیجہ پہ پہنچتے ہیں کہ ''کشف المحجوب'' کے لکھنے کا زمانہ یقیناً ۴۴۰ھ کے بعد ہے اور چونکہ ''کشف المحجوب'' لاہور میں لکھی گئی ہے، اس بنا پر ہم کہہ سکتے کہ شیخ ہجویریؒ ۴۴۰ھ کے بعد لاہور میں تھے۔

''کشف المحجوب'' میں جن دوسرے بزرگوں کا آپ نے تذکرہ کیا ہے اور جو اس زمانے میں حیات تھے، ان میں ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی ہیں۔ ان کے متعلق ''کشف المحجوب'' میں ہے:

''شیخ ابوالقاسم گرگانی کہ امروز قطب و مدار علیہ ویست ابقاء اللہ تعالیٰ''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''کشف المحجوب'' کے اس بات کے لکھتے وقت شیخ ابوالقاسم گرگانی حیات تھے۔ گرگانی نے ۴۵۰ھ میں وفات پائی۔[۲۷]

اس کی بنا پر ہم یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ حضرت شیخ ہجویریؒ ۴۵۰ھ میں لاہور میں تھے اور ''کشف المحجوب'' کی تصنیف کا سلسلہ جاری تھا۔

ابوالفضل بن محمد حسن ختلیؒ جو آپ کے مرشد اور استاد بھی تھے اور جن کا تذکرہ ہم گزشتہ اوراق میں کر آئے ہیں، انہوں نے موضع بیت الجن میں آپ ہی کے زانو پر وفات پائی۔ علامہ ذہبی نے ختلی کا سنہ وفات ۴۶۰ھ لکھا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۴۶۰ھ میں حضرت شیخ ہجویریؒ بیت الجن دمشق میں تھے اور اس کے بعد لاہور واپس تشریف لائے۔

''کشف المحجوب'' میں آپ نے اپنے استاد و امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ قشیری نیشاپوری شافعی (۳۷۶ھ۔۴۶۵ھ) کے فیض صحبت سے مستفید ہونے کا تذکرہ کیا ہے اور آپ نے ان کے ارشادات گرامی کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔ ''از استاد ابوالقاسم قشیریؒ شنیدم'' (ص ۳۰ و ۲۰۵ طبع سمرقند) اور قشیری کا سن وفات ''وفیات الاعیان'' ابن خلکان ج ۲ ص ۳۷۵ کے مطابق ۴۶۵ھ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ

Marfat.com

ہجویریؒ ۴۶۵ھ میں لاہور میں تھے اور "کشف المحجوب" اس وقت تک مکمل نہ ہوئی تھی۔

ابوالحسن سالبہ بن ابراہیم جو شیراز کے جلیل القدر مشائخ تھے، "کشف المحجوب" میں حضرت ہجویریؒ نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے۔ "شیخ الشیوخ ابوالفتح سالبہ مر پدر را خلفے نیکو و امیدوار است۔" اس عبارت میں باپ بیٹے کے تذکرے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جب کہ "کشف المحجوب" کا یہ حصہ لکھا جا رہا تھا، شیخ ابوالفتح کے والد وفات پا چکے تھے لیکن خود ابوالفتح حیات تھے اور "نفحات الانس" (ص ۲۵۹) اور "المنتظم" میں ابن جوزی کی تحریر کے مطابق ابوالحسن سالبہ نے ۴۷۳ھ میں وفات پائی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "کشف المحجوب" ۴۷۳ھ کے بعد ختم ہوئی اور شیخ ہجویریؒ اس کے بعد بھی حیات تھے۔

"کشف المحجوب" میں شیخ ہجویریؒ نے ایک اور بزرگ ابوعلی فضل بن محمد فارمدی کا ذکر ابقاہ اللہ کے دعائیہ جملے کے ساتھ فرمایا ہے (ص ۲۱۱ مطبوعہ سمرقند) اور فارمدی کی وفات ۴۷۷ھ میں ہوئی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ہجویری ۴۷۷ھ کے بعد بھی حیات تھے۔

"کشف المحجوب" میں ہرات کے مشہور بزرگ خواجہ عبداللہ انصاری کا بھی ذکر آیا ہے۔ تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ پیر انصاری کی وفات ۴۸۱ھ میں ہوئی۔ ڈاکٹر محمد شفیع لاہوری کی لائبریری میں "کشف المحجوب" کا ایک قلمی نسخہ محررہ ۶۶۵ھ موجود ہے۔ اس نسخے سے قدیم تر کوئی نسخہ ابھی تک نہیں ملا۔ اس نسخہ کے صفحہ ۷۱ پر یہ عبارت درج ہے "پیر گفت یعنی خواجہ عبداللہ انصاریؒ" لاہور کے مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۱۹۳ اور سمرقند کے مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۳۱ پر متن میں پیر گفت (رض) درج ہے چونکہ لفظ رحمتہ اللہ اور رضی اللہ عنہ کے کلمات خصوصیت سے متوفی لوگوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں اس لئے قیاس جاتا ہے کہ اس زمانے میں جبکہ "کشف المحجوب" کی تصنیف ابتدائی مرحلے میں تھی، پیر انصاری وفات پا چکے تھے اور اسی زمانے میں حضرت ہجویریؒ لاہور میں بقید حیات موجود تھے اور "کشف المحجوب" کا ابتدائی حصہ لکھ رہے تھے۔ اس سے یہ رائے بھی قائم کی جاسکتی ہے کہ "کشف المحجوب" کی تالیف کے مکمل ہونے کا زمانہ (۴۸۱ھ سے ۵۰۰ھ) تک ہے اور اس زمانے میں حضرت ہجویریؒ بھی لاہور میں ہوں گے۔

ایک اور شخصیت جن کا تذکرہ ہمیں "کشف المحجوب" میں ملتا ہے، وہ شیخ قسورہ بن محمد گردیزی ہیں۔ "کشف المحجوب" میں ہے کہ:

> "شیخ او حد قسورہ بن محمد الجردیزی با اہل طریقت شفقتے تمام دارد، و ہر یکے را بنز دیک وے حرمتے ہست و مشائخ را دیدہ است۔"

شیخ قسورہ کا اصل نام ان کے خاندان کے افراد کے بیان کے مطابق جو ملتان میں رہتے ہیں، شاہ علی قسور تھا اور وہ شاہ یوسف گردیزی کے دادا تھے۔ شیخ قسورہ کا مزار کابل کے جنوب صوبہ پکتیا میں بمقام گردیز مشہور و معروف ہے۔ شیخ قسورہ کے متعلق بعض قومی قراین کی وجہ سے خیال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ۵۰۰ھ کے آغاز میں وفات پائی۔ اس سے یہ رائے قائم ہوتی ہے کہ "کشف المحجوب" کے مکمل ہونے کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا آخر

Marfat.com

ہوگا۔ ان تمام تفصیلات و مباحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ شیخ علی ہجویری نے ۴۸۱ھ اور ۵۰۰ھ کے درمیان کسی سال میں وفات پائی ہوگی۔

رہا یہ امر کہ ۴۶۵ھ آپ کی تاریخ وفات آپ کے مقبرے پر درج ہے تو اس سے متعلق یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ اس تحریر کو دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس میں وہ پرانا پن اور قدامت نہیں ہے جو تاریخ وفات کی قدامت کے اعتبار سے ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ مفتی غلام سرور صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' نے لکھا ہے کہ ۱۲۷۸ھ میں حاجی نور محمد فقیر نے حضرت شیخ ہجویریؒ کی قبر پر گنبد بنا کر تعمیر کرایا تھا اور ساتھ ہی پرانی مسجد کی بھی تعمیر کی تھی۔ اس بنا پر قیاس جاسکتا ہے کہ موجودہ کتبہ اسی زمانے میں یا اس سے پہلے لگایا گیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔ [۲۸]

فضائل و مناقب

حضرت ہجویریؒ کی جلالت شان وعظمت و بلندی مرتبہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیریؒ [۲۹] نے آپ کے مزار مبارک پر چلہ کھینچا اور جب چلہ پورا کرنے کے بعد رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا ۔

گنج بخش ہر دو عالم مظہرِ نورِ خدا

کاملاں را پیر کامل، ناقصاں را رہنما [۳۰]

گنج بخشؒ کے نام سے آپ کی شہرت کا سبب یہی شعر ہے۔ عوام آپ کو داتا بخش بھی کہتے ہیں۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے بھی آپ کے مزار پر چلہ کھینچا تھا۔ داراشکوہ جو آپ کے مزار پر حاضر ہوا تھا، اپنی مشہور کتاب ''سفینۃ الاولیاء'' میں لکھتا ہے:

> ''خلقے انبوہ بر شب جمعہ بزیارت آں روضہ منور مشرف می گردند، و مشہور است کہ ہر کہ چہل شب جمعہ یا چہل روز پیہم طواف روضہ شریف ایشاں بکند ہر حاجتے کہ داشتہ باشد حصول می انجامد۔ فقیر نیز بزیارت روضہ منور ایشاں و والدین و خال ایشاں مشرف گشتہ۔'' [۳۱]

(در: تذکرہ صوفیائے پنجاب از اعجاز الحق قدوسی' کراچی ۱۹۶۲ء، ص ۴۲-۶۵)

حواشی

۱۔ بزم صوفیہ ص ۱

۲۔ شیخ ابو العباس اشقانی کا نام احمد بن محمد تھا۔ علم اصول و فروع میں امام تھے۔ انہوں نے بہت سے مشائخین سے استفادہ کیا تھا۔ اکابر اہل تصوف میں تھے۔ صاحب ''کشف المحجوب'' کا بیان ہے کہ ایک روز شیخ ابو العباس کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ضرب اللہ مثلاً عبداً امملوکاً لایقدر علی شئی پڑھتے جاتے ہیں اور روتے جاتے ہیں۔ پھر انہوں نے ایک نعرہ لگایا۔ ایسا نعرہ کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ وفات پا جائیں گے۔ پھر میں نے پوچھا اے شیخ! یہ کیا حالت ہے؟ فرمایا

Marfat.com

آج گیارہ سال ہو چکے ہیں اور اس مقام پر پہنچا ہوں اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔
ایک روز شیخ ابوسعید ابوالخیر نیشاپور میں اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بہت بڑے سید جو اکابر سادات نیشاپور میں تھے، شیخ کے سلام کے لئے آئے اور شیخ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اتفاق سے اسی وقت ابوالعباس بھی آ گئے۔ شیخ ابوسعید نے ان کو ان کے سید سے زیادہ معزز جگہ پر بٹھایا۔ سید کو اس سے رنج ہوا۔ شیخ ابوسعید نے ان سید سے فرمایا کہ ہم جو تم کو دوست رکھتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے دوست رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی وجہ سے دوست رکھتے ہیں۔ (نفحات الانس، ص ۲۸۹۔۲۹۰)

۳۔ نفحات الانس، ص ۲۸۹

۴۔ ابوجعفر صیدلانی، ابوالحسن صائغ دینوری کے استاد ہیں۔ بغداد کے رہنے والے تھے۔ حضرت جنید ابوالعباس کے ہمصر تھے۔ مکّہ میں مجاور رہتے تھے۔ انہوں نے مصر میں وفات پائی۔ ان کی قبر زقاق مصری کے پہلو میں ہے (نفحات الانس، ص ۱۲۳)

۵۔ شیخ ابوالقاسم کا اسم گرامی عبدالکریم بن ہوازن قشیری ہے کئی رسالوں اور تفسیر ''لطائف الاشارات'' کے مصنف ہیں۔ ہر فن میں ان کے بہت سے لطائف ہیں۔ حضرت ابوعلی دقاق کے مرید تھے اور ابوعلی فارمدی کے استاد تھے۔ شیخ ابوالقاسم قشیری نے ربیع الآخر ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔ (نفحات الانس، ص ۲۸۸)

۶۔ شیخ ابوالقاسم گرگانی کا نام علی ہے۔ اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ تین واسطوں سے آپ کا سلسلہ سید الطائفہ حضرت جنید سے جا ملتا ہے۔ بعض مشکل مسائل کے پوچھنے کے لیے حضرت ہجویریؒ کی خدمات میں حاضر ہوئے۔

۷۔ شیخ ابوالعباس کا نام احمد بن محمد الکریم ہے۔ آملی اور طبرستان کے مشہور شیخ تھے اور محمد بن عبداللہ طبیر کے مرید تھے۔ اگرچہ امی تھے مگر ان کی گفتگو معارف اور نکات سے مزین ہوتی تھی۔ طبرستان کے ایک امام کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے افضال میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کو بغیر تعلیم و تعلم کے بھی ایسا کر دیتا ہے کہ جب ہم کو اصول دین اور دقائق توحید میں کوئی چیز مشکل پیش آتی ہے تو ہم ابوالعباس قصاب سے پوچھتے ہیں (نفحات الانس، ص ۲۶۶)

۸۔ شیخ ابوعبداللہ الداغستانی کا اصل نام محمد بن علی داغستانی ہے۔ ان کا لقب شیخ المشائخ عالم تھا۔ مختلف علوم میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔ شیخ ابوالحسن خرقانی کے ہمصر تھے۔ ۵۹ سال کی عمر میں ماہ رجب ۴۱۷ھ میں وفات پائی (نفحات الانس، ص ۲۷۶)

۹۔ کشف المحجوب۔ ذکر آئمہ متاخرین ونفحات الانس، ص ۲۹۰

۱۰۔ کشف المحجوب۔ ذکر آئمہ متاخرین ونفحات الانس، ص ۲۹۰

۱۱۔ کشف المحجوب

۱۲۔ بزم صوفیہ ص ۷

۱۳۔ کشف المحجوب

۱۴۔ سلطان مسعود سلطان محمود غزنوی کا تیسرا لڑکا تھا جو ۴۲۲ھ میں اپنے باپ کی جگہ تخت پر بیٹھا اور جمادی الاول ۴۳۲ھ قلعہ کسری میں قتل ہو گیا (ماخوذ تاریخ دیالمہ و ایران فصل پانزدہم ص ۳۱۹، ۳۴۰)

۱۵۔ آب کوثر ص ۸۶

۱۶۔ فوائد الفواد ص ۳۵

۱۷۔ آب کوثر ص ۸۶

۱۸۔ امیر مودود، سلطان مسعود کا لڑکا تھا۔ جب سلطان مسعود ہندوستان گیا تو اس نے وہاں کی حکومت اپنے لڑکے امیر مودود کے سپرد کی۔ ۴۳۲ھ میں جب سلطان مسعود کے مارے جانے کی خبر ہندوستان پہنچی تو وہ اپنے باپ کے انتقام کے لیے ایک

جمعیت کے ساتھ غزنی آیا اور غزنی کے قریب اپنے چچا امیر محمد سے اس کی لڑائی ہوئی۔ امیر محمد اس جنگ میں مارا گیا۔ جس جگہ یہ جنگ ہوئی تھی، اس کا نام امیر مودود نے فتح آباد رکھا۔ اس فتح کے بعد وہ غزنی میں داخل ہوا۔

امیر مودود نے ۴۴۱ھ میں سلاجقہ کو مغلوب کرنے کے لئے ہندوستان کے راجاؤں اور ترکوں اور قرب و جوار کے ممالک سے اتحاد کیا۔ پھر ایک بڑی جمعیت لے کر غزنی سے عازم خراسان ہوا۔ ابھی غزنی سے ایک منزل بھی آگے نہ بڑھا تھا کہ مرض قولنج میں گرفتار ہوا اور غزنی لوٹ آیا۔ اسی زمانے میں سلاجقہ سیستان پر غالب آ گئے۔ امیر مودود جو خود جنگ میں نہیں جاسکتا تھا، اس نے اپنے وزیر عبدالوراق بن احمد میمندی کو جنگ کے لیے مقرر کیا۔ امیر مودود کا مرض روز بروز شدت اختیار کرتا گیا یہاں تک کہ انتالیس سال کی عمر میں دس رجب ۴۴۱ھ کو اس نے وفات پائی۔ (ماخوذ از تاریخ دیالمہ وغزنویاں مصنفہ عباس پرویز۔ فصل شانزدہم بازماندگان غزنویان۔ از صفحہ ۳۵۲ تا ۳۵۵)

۱۹۔ آب کوثر ص ۸۶

۲۰۔ کشف المحجوب

۲۱۔ درر نظامی مرتبہ شیخ محمود علی جاندار خادم نظام المشائخ دہلی (مملوکہ سید علیم الدین خدام درسگاہ سلطان المشائخ دہلی) بحوالہ تصوف اسلام، ص ۵۲

۲۲۔ نفحات الانس ص ۲۹۱ بضمن تذکرہ حضرت ہجویری مطبوعہ نول کشور

۲۳۔ سفینۃ اولیاء ص ۲۸۲

۲۴۔ ماخوذ از کشف المحجوب۔ باب اوّل

۲۵۔ ایضاً۔

۲۶۔ اسرار التوحید ص ۶۵۶

۲۷۔ تاریخ تصوف اسلام ص ۴۷۸

۲۸۔ تاریخ وفات کے متعلق یہ تمام مواد عبدالحی حبیبی صاحب کے مضمون تاریخ وفات داتا گنج بخش علی ہجویری غزنوی شائع شدہ اورینٹل کالج میگزین لاہور سے ماخوذ ہے۔

۲۹۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سجستان میں پیدا ہوئے۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد قصبہ ہرون میں حضرت شیخ ہرونی کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا اور اپنے پیرومرشد کے ساتھ دس سال کی سیاحت کی۔ مرشد ہی کے ساتھ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ حاضر ہوئے۔ مدینہ منورہ ہی میں بارگاہ رسالت سے آپ کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی۔ آپ لاہور اور ملتان ہوتے ہوئے دس محرم ۵۶۱ھ کو اجمیر پہنچے۔ اس وقت اجمیر اور دہلی کا حکمران رائے پتھورا تھا۔ اس نے آپ کے قیام میں بڑی بڑی مزاحمتیں کیں لیکن آپ اجمیر میں مقیم ہو کر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ آخر آپ کی تعلیم سے رائے پتھورا کے ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے یہاں تک کہ ہندو پاکستان آپ کے فیوض و برکات سے منور ہو گیا۔ ۶ رجب ۶۳۲ھ میں آپ نے رحلت فرمائی۔ اجمیر شریف میں آپ کا مزار مبارک زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

۳۰۔ بزم صوفیہ ص ۸ (ماخوذ از بزم صوفیہ تذکرہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ)

۳۱۔ سفینۃ الاولیاء ص ۲۸۳

☆......☆......☆

Marfat.com

محمد دین کلیم قادری

حضرت سید علی بن عثمان ہجویریؒ
المعروف داتا گنج بخشؒ لاہوری

اسم گرامی علی بن عثمانؒ ہے۔ حسنی سادات سے تھے۔ شجرہ نسب اس طرح ہے: علی بن عثمانؒ بن سید علی بن سید عبدالرحمان سید عبداللہ (شجاع شاہ) بن سید الحسن بن سید بن سید زید بن حضرت امام حسن بن امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ چہارم۔ شہزادہ داراشکوہ قادری آپ کے خاندان کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''خانوادۂ ایشاں خانوادہ زہد وتقویٰ بوذ'' اور اس خاندان کو ایک علمی خاندان سمجھا جاتا تھا۔ ولادت تقریباً ۴۰۰ھ مطابق ۱۰۰۹ء غزنی میں ہوئی۔ یہ خاندان غزنی کے دو محلوں میں آباد تھا۔ ایک کا نام ہجویر اور دوسرے کا جلاب تھا، اس لئے آپ ''علی بن عثمان بن علی الجلابی غزنوی لاہوری'' کہلاتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابوالحسن ہے جیسا کہ ''نفحات الانس'' میں مولانا عبدالرحمان جامیؒ نے لکھا ہے کہ ''کنیت وے ابوالحسن است۔'' لقب گنج بخش ہے جو کہ حضرت معین الملت والدین، سید معین الدین اجمیری کے اس شعر کی وجہ سے مشہور ہوا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا   کاملاں را پیر کامل ناقصاں را راہنما

ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے خاندانی بزرگوں سے حاصل کی اور سلسلہ جنیدیہ میں بیعت حضرت امام حسن ختلیؒ سے کی۔ خود ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں۔ ''صوفیہ متاخرین میں اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی ہیں۔ طریقت میں میری بیعت ان سے ہی ہوئی۔'' پھر غزنی سے سیر وسیاحت اور علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور ماوراء النہر، آذربائیجان، فرغانہ، خراسان اور مرو وغیرہ بلادِ اسلامیہ میں تشریف لے گئے۔ وقت کے چوٹی کے مشائخ سے استفادہ کیا۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری، ابوالعباس بن محمد اشقانی، ابوجعفر محمد بن المصباح صیدلانی، ابوالقاسم بن عبداللہ گورگانی، ابوالعباس احمد بن محمد القصاب (آمل وطبرستان) شیخ ابوسعید ابوالخیر وغیرہ نہایت نامور ہستیاں ہوئی ہیں۔ صرف ملک خراسان میں آپ نے تقریباً تین سو استادوں سے علم حاصل کیا اور پھر وارد لاہور ہوئے۔ ''فوائد الفواد'' میں حضرت خواجہ حسن سجزی

Marfat.com

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی چشتی دہلویؒ کے حوالے سے آنجناب کے لاہور تشریف لانے کے متعلق روایت بیان کرتے ہیں کہ ''شیخ حسینؒ زنجانی و شیخ علی ہجویریؒ ہر دو مرید یک پیر بودہ اند وآں پیر قطب عہد بودہ است شیخ حسینؒ زنجانی از دیر باز ساکن لہاور بود بعد از چندگاہ پیر ایشاں خواجہ ہجویری راہ فرمودند کہ درلہاور روز ساکن شد۔ شیخ علی عرض واشت کہ حسین زنجانی آنجا است پیر فرمود تو بروو چوں علی ہجویریؒ بحکم اشارات ایشاں درلہاور درآمد شب بود بامداواں جنازہ شیخ حسینؒ زنجانی را بیروں آوروند۔'' اس عبارت کو بعد کے مصنفین متواتر نقل کیا ہے اور کئی لوگوں کا ذہن اس طرف گیا ہے کہ حسین زنجانیؒ سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے لاہور میں ملاقات کی تھی جیسا کہ ''گلزار ابرار'' محمد غوثی مانڈوی سے ظاہر ہے اس لئے یہ روایت وضعی جعلی ہے مگر کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت خواجہ خواجگان غلط روایت بیان نہیں کرسکتے۔ ممکن ہے یہ حسینؒ زنجانی کوئی دوسرے بزرگ ہوں۔ لاہور آنے سے قبل آپ نے ممالک اسلامیہ کرمان، خوزستان، عراق، شام، خراسان، ماوراء النہر، قہستان، فارس، بغداد، آذربائیجان، طبرستان، ترکستان وغیرہ تمام ممالک و بلاد کی سیر کی تھی اور اس دوران آپ ریاضات ومجاہدات میں بھی مشغول رہے۔ آپ مشرباً حنفی تھے۔ حضرت امام اعظمؒ سے بے پناہ عقیدت وارادت رکھتے تھے اور آپ کو امام اماماں، مقتدائے سنیاں، شرف فقہاء واعزا علماء کے معزز ومحترم خطابات سے نوازتے تھے۔ تقریباً ۴۳۱ھ مطابق ۱۰۳۹ء میں لاہور تشریف لائے اور نشرو اشاعت اسلام اور احیائے ملت کے لئے کام شروع کردیا۔ لوگ جوق درجوق آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے لگے اور بے شمار لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ بعد ازاں آپ نے ایک مسجد دریائے راوی کے کنارے تعمیر کرائی جس میں آپ نماز بھی پڑھاتے تھے۔ نیز درس و تدریس کا بھی سلسلہ شروع کردیا۔ شیخ ہندی جو آپ کی وجہ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوا تھا، آپ کے بعد اس خانقاہ کا گدی نشین بنا اور پھر اس کی اولاد میں سے سجادہ نشین ہوتے رہے، یہاں تک کہ چند سال سے حکومت پنجاب کے محکمہ اوقاف نے اس پر قبضہ کرلیا اور اب حکومت نے اس خانقاہ معلی کی تعمیر نو وجدید پر لاکھوں روپے خرچ کرکے اس کے حسن و زینت کو بہت رونق دی ہے۔ بہت سے مؤرخین نے آپ کا سال وصال ۴۶۵ھ مطابق ۱۰۷۳ء دیا ہے۔ کئی ایک نے اختلاف کیا ہے مگر اختلاف کرنے والے بھی تذبذب میں ہیں، اس لئے ۴۶۵ھ کو ہی آپ کے وصال کا سال سمجھنا درست رہے گا۔ مزید حالات کی تفصیل کے لئے میری تصنیف ''سوانح حیات حضرت داتا گنج بخشؒ لاہوری'' ''کشف المحجوب'' کے قدیم وجدید نسخہ جات''، ''غزنوی عہد کے لاہوری صوفیا وعلماء''، ''لاہور کے قدیم دینی مدارس'' اور صاحب تصنیف ''اولیائے لاہور'' قابل مطالعہ ہیں۔

مرقد منور

پاکستان کا وہ مزار پُرانوار جہاں چوبیس گھنٹے زائرین عبادت، ریاضت اور تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہتے ہیں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں ہر وقت انوار کی بارش برستی رہتی ہے۔ ہندوستان اور پاکستان بلکہ نزدیکی بلاد

Marfat.com

اسلامیہ میں شاید ہی کوئی ایسا مقبرہ ہو جہاں رات دن درود وصلوات اور تلاوت کلام پاک کیا جاتا ہے۔ ہر لمحہ یہاں لوگ نماز، نوافل، تلاوت اور عبادت میں مصروف نظر آئیں گے۔ کوئی شخص کسی بھی وقت چلا جائے وہاں کثرت سے لوگ مصروف عبادت ہوں گے اور اس برصغیر میں یہ امتیاز واعزاز کسی اور ولی کو حاصل نہیں ہے۔

کشف المحجوب

آپ کی بہت سی تصانیف تھیں۔ اس کتاب کے علاوہ کشف الاسرار، کتاب فنا و بقا، اسرار الخرق والمؤنات، الرعایہ الحقوق اللہ تعالیٰ، کتاب البیان الاھل العیان، کتاب در شرح کلام حسین بن منصور حلاج، منہاج الدین، بحر القلوب، دیوان اشعار وغیرہ تھیں جن میں سے اب سوائے ''کشف الاسرار'' کے اور کوئی بھی تصنیف موجود نہیں۔ اس کو بھی وضعی بتایا جاتا ہے۔ صرف اب ''کشف المحجوب'' ہی دنیا میں آپ کی واحد تصنیف ہے جس کی وجہ سے آپ کو عظیم عالموں میں شمار کیا جاتا ہے۔

تصوف اور طریقت کی یہ قدیم ترین تصنیف ہے جو مدینۃ الاولیاء لاہور میں آپ نے تصنیف کی اور اب تک اپنی اصل حالت میں محفوظ ہے۔ دربار بقائے دوام میں جو مقبولیت اس تصوف کی کتاب کو حاصل ہوئی، وہ کسی اور کو نہ مل سکی۔ انداز بیان سادہ اور دقیق ہے۔ نہایت جامع اور مستند کتاب ہے۔ اسلامی تصوف میں اس سے پہلے یا بعد شاید ہی کوئی کتاب ایسی لکھی گئی ہو، آپ نے یہ کتاب ابوسعیدؒ غزنوی کے سوالوں کے جواب میں تحریر کی ہے۔ مصنف مضمون لکھنے سے قبل قرآن مجید سے آیات کا استنباط کرتے ہیں۔ پھر احادیث کا حوالہ دیتے ہیں اور اس کے بعد اقوال بزرگان درج کرتے ہیں۔ جگہ جگہ عربی اشعار بھی رنگینی اور دلچسپی پیدا کرنے کے لیے لاتے ہیں۔ صوفیا کے مختلف گروہوں کی مکمل تاریخ دی گئی ہے۔ چونکہ آپ کی بہت سی کتابیں سرقہ ہو گئیں تھیں اس لئے اس کتاب کو بچانے کے لیے آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وقفے وقفے بعد عبارات میں اپنا نام تحریر کرتے گئے۔ ''ومن کہ علی بن عثمان جلابی ام می گویم'' اور ایسا تقریباً اٹھائیس مقامات پر ہے۔ ساری کتاب میں صرف ایک فارسی شعر ہے

آنچہ گوشم نتوانست شنیدن بخبر

ہمہ چشم بعیاں یکسرہ دیدآں بحصیر

اس میں قرآن مجید کی انہتر سورتوں کی دوسوتینتیس آیات کے علاوہ ایک سو اکتیس احادیث اور تین سو اکیاون اقوال وروایات ہیں۔ اس کی کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ بڑے بڑے مورخین اور تذکرہ نگاروں نے اس کے حوالے جا بجا اپنی کتابوں میں دئے ہیں جن میں مولانا نور الدین عبدالرحمان جامیؒ صاحب ''نفحات الانس''، شہزادہ داراشکوہ قادریؒ صاحب ''سفینۃ الاولیاء'' خواجہ بہاء الدین نقشبندی محمد پارسا صاحب ''فضل الخطاب''، شیخ فرید الدین عطار صاحب ''تذکرۃ الاولیاء'' حضرت شرف الدین یحییٰ منیری صاحب ''مکاتیب شریفہ''، حضرت سید محمد الحسینیؒ گیسودراز صاحب ''مکتوبات''، لعل بیگ بخشی شہزادہ مراد ابن اکبر بادشاہ صاحب ''ثمرات القدس'' جیسے عظیم المرتبت بزرگان شامل ہیں۔ اس کی مقبولیت کا ایک راز یہ بھی ہے کہ دنیا کی بے شمار زبانوں میں اس کے تراجم شائع ہو چکے

Marfat.com

ہیں جن میں سمرقندی، روسی اور انگریزی نسخوں کو خاص اہمیت حاصل ہے جو مشہور و معروف روسی مستشرق پروفیسر ژوکوفسکی اور انگریز سکالر پروفیسر نکلسن نے ترتیب دیتے تھے۔ علاوہ مارٹن لنگز، اے جی آر بری، ای جی براؤن اور ڈی ایم میتھیسن وغیرہ نے ''کشف المحجوب'' کو دنیا کے سامنے بطور سند پیش کیا ہے۔ اس قدیم تصوف کی کتاب کے بے شمار مخطوطات اور قلمی نسخے دنیا کے بہت سے ممالک میں محفوظ ہیں۔

دیگر تصنیفات

''کشف المحجوب'' کے علاوہ آپ کی مندرجہ ذیل کتب اس کتاب کے حوالہ سے پتہ چلتا ہے:

(۱) دیوان: لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے دیوان پڑھنے کے لیے حاصل کیا مگر اس ستمگر نے دیوان میں جہاں میرا نام آتا، وہاں اپنا نام لکھ دیا اور اس طرح میری ساری محنت ضائع کر دی۔

(۲) منہاج الدین: یہ کتاب علوم تصوف و معرفت پر تھی اور غزنی میں لکھی گئی تھی۔ اس کو بھی ایک شخص مطالعہ کے بہانے لے گیا اور اس کو اپنی تصنیف ظاہر کرنے لگا۔ جن لوگوں نے یہ کتاب آپ کے پاس دیکھی تھی، وہ اس کے قول پر ہنستے تھے۔

(۳) البیان الاہل العیان: اس کا ذکر بھی آپ نے ''کشف المحجوب'' میں کیا ہے۔ اب اس کتاب کا کوئی نسخہ دنیا میں دریافت نہیں ہو سکا۔

(۴) اسرار الخرق والمؤنات: یہ کتاب شیخ اور مرید کی بابت تحریر کی گئی ہے۔ خود لکھتے ہیں کہ اس کا ایک ہی نسخہ ہے اور وہ بھی مرو میں ہے مگر اب وہ بھی نایاب ہے۔

(۵) الرعایت الحقوق اللہ: اس میں توحید کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب بھی ناپید ہے۔

(۶) نحو القلوب:

(۷) کتاب الفنا و البقا: اس رسالہ کا ذکر بھی حضرت داتا صاحبؒ نے اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں کیا ہے جس میں فنا اور بقا کے متعلق بحث کی گئی ہے۔

(۸) کشف الاسرار: یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں تصوف اور معرفت کے اسرار و رموز بیان کئے گئے ہیں۔ موجودہ تحقیق کے مطابق اس کتاب کو وضعی قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس کا ذکر ''کشف المحجوب'' میں نہیں ہے۔

چند اشعار

آپؒ سے منسوب کتاب ''کشف الاسرار'' میں آنجناب کے چند اشعار درج ہیں۔ ملاحظہ کریں۔

Marfat.com

اشتیاقت روز و شب دارم دلا　　عشق تو دارم نہاں دیر ملا

(ترجمہ اردو۔ دن میں مجھے تمہارا اشتیاق رہتا ہے اور رات کو بھی میں ظاہر اور باطن میں تیرے ہی عشق کا اظہار کرتا ہوں)

جان بخواہم داد اندر کوئے تو　　گر مرا آزار آئید یا بلا

(ترجمہ اردو: میں تمہاری گلی میں جان دے دوں گا خواہ اس کے بدل میں مجھے مصیبت کا سامنا کرنا پڑے)

سوز تو دارم میان جان و دل　　سیہ ہم از عشق تو ہر سو صدا

(ترجمہ اردو: تیرا عشق میرے دل و جان میں رچا ہوا ہے اور میں تیرے عشق کے چرچے ہر طرف کر رہا ہوں)

یاد خداوندا! رقیباں رالجش　　مست درسیادت بگرواں یا مرا

(ترجمہ اردو: اے پروردگار! رقیبوں کو ختم کر دے یا مجھے یاد میں اس قدر محو کر دے کہ مجھے ان کی پرواہ نہ رہے۔)

یارمن! داری شراب جام نوش　　مہربانی کن بریں غم مبتلا

(ترجمہ اردو: خوشی کا شراب کا پیالہ تیرے پاس ہے۔ میں غمزدہ ہوں۔ مہربانی کر کے مجھے اس کی چاشنی سے بہرہ مند کر)

دلبرا از تو ہے خوا ہم لقاء　　کن تو آرے مکن ہرگز تولا

(ترجمہ اردو: میری آنکھ تیرے دیدار کے لیے ترس رہی ہے۔ اگر تیری عادت ہاں کرنے کی ہے تو ہاں کر دے تا کہ انکار کی گنجائش نہ رہے)

اے علی! تو فرخی در شہرو کُو　　و زعشق خویشتن ہر سُوصلا

(ترجمہ اردو: اے علی! خداوند قدوس کی ہر جگہ تعریف وثنا کرنی چاہئے۔)

آخری کتاب میں بھی دو شعر تحریر ہیں:

مکن اے علی! بیش ازیں گفتگو
اگر مرد حقی و پاکیزہ خو

(ترجمہ اردو: اے علی! اس سے زیادہ گفتگو نہ کر کیونکہ تو حق پرست اور پاکیزہ خصلت کا مالک ہے۔)

Marfat.com

ہر آنچہ تو داری ثواب و عذاب
آمرزش بخوارہ ازخدا بالصواب

(ترجمہ اردو: میں برا ہوں یا بھلا، اپنی کرم فرمائی سے میرے قصور معاف فرما۔)

جیسا کہ حضرت داتا صاحبؒ خود کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص میرا دیوان پڑھنے کے لیے لے گیا تھا۔ اس کا ایک ہی نسخہ تھا۔ وہ اس کو عاریتاً دے دیا۔ اس ستمگر نے دیوان میں جہاں جہاں میرا نام موجود تھا اس کی جگہ اپنا نام لکھ لیا اور میری ساری محنت ضائع کر دی۔

اولیائے عظام و صوفیائے کرام جو اس درگاہ پر حاضری دیتے رہے، برصغیر پاک و ہند میں جو بزرگان دین برائے احیائے ملت و دین کے اس ملک میں وارد ہوتے رہے، وہ لاہور حاضر ہو کر آپ کے مرقد منور پر حاضری کے بعد کسی دوسری جگہ اپنا مستقل مستقر قرار دیتے تھے۔ لاہوری صوفیاء کے علاوہ جو صوفیاء اور اولیاء باہر سے آپ کے مزار پاک پر حاضر ہوتے، ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں: سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت شیخ بہلولؒ دریائی خلیفہ حضرت امام شاہ بری لطیفؒ، حضرت بو علیؒ قلندر پانی پتی، حضرت گیسو دراز بندہ نواز غریب نواز گلبر گویؒ، حضرت خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندیؒ دہلوی، حضرت نوشہ گنج بخش قادریؒ، حضرت سید محمد فخر الدینؒ محب النبی دہلوی، حضرت خواجہ میر حسنؒ علائی سجزی، حضرت شیخ المشائخ شمس الدین ہراتی قادریؒ، قطب الاقطاب شیخ کمالؒ قادری، شیخ الاولیاء ملا محمد قادریؒ اور متاخرین صوفیاء میں یہ نام بہت مشہور ہیں: مولانا غلام محی الدینؒ قصوری، خلیفہ شاہ غلام علیؒ دہلوی، خواجہ اللہ بخش تونسویؒ، میاں محمد شاہ چشتی ہوشیار پوریؒ، سائیں توکل شاہ نقشبندیؒ انبالوی، شاہ ابو الخیر نقشبندی دہلویؒ، شاہ قاری سلیمان پھلواری شریف، شاہ علی حسینؒ کچھوچھویؒ، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی، سید علی احمد شاہ گیلانی ڈیرہ غازی خاں، ابو المحامد سید محمد محدث کچھوچھویؒ، مولانا حامد رضا خاںؒ بریلویؒ، صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ، مولانا مفتی محمد مظہر اللہ نقشبندیؒ، سید یوسف الگیلانیؒ نقیب الاشرف بغدادیؒ، مفتی اعظم فلسطین سید امینؒ الحسینی، مخدوم محمد عمر بخش قادریؒ، حضرت رحمت اللہ قادریؒ، حضرت میاں شہاب الدین قادریؒ لاہوری۔

سربراہان مملکت اور بادشاہ جو اس مرقد منور پر جبین رسا ہوئے

جہاں دنیائے اسلام کے بے شمار مشائخ کرام اس مزار مقدس پر حاضری دینا فخر خیال کرتے تھے، اسی طرح سربراہان مملکت اسلامیہ وغیرہ بادشاہ اور اکابرین یہاں حاضری باعث نیاز مندی تصور کرتے تھے۔ چند ایک ان لوگوں کے نام دیئے جاتے ہیں: سلطان ظہیر الدولہ ابراہیم غزنی، سلطان الدولہ ارسلان شاہ غزنوی، سلطان محمد غوری معز الدولہ غزنوی بن بہرام شاہ، سلطان خسرو شاہ غزنوی، سلطان خسرو ملک غزنوی، سلطان محمد غوری، سلطان قطب

Marfat.com

الدین ایبک، سلطان شمس الدین التمش، سلطان غیاث الدین بلبن، شہنشاہ جلال الدین اکبر، نورالدین محمد جہانگیر، صاحبقران شہاب الدین شاہ جہان، محی الدین اورنگزیب عالمگیر، شہزادہ داراشکوہ اس مرقد پاک پر حاضر ہوتے رہے۔ پاکستان کے معروض وجود میں آنے کے بعد جو بھی بادشاہ صدر یا وزیراعظم اس ملک میں آتا، وہ لاہور آ کر اس مرقد منور پر جبین سا ہوتا۔ اس کے علاوہ پاکستان کے جتنے بھی صدر اور وزیراعظم ہوئے وہ اپنی پہلی فرصت میں یہاں ضرور حاضری دیتے رہے۔ غیر ملکی رہنمائے کرام میں ملائیشیا کے وزیراعظم تنکو عبدالرحمان، انڈونیشیا کے وزیر خارجہ ڈاکٹر آدم ملک، بیشتر عرب ریاستوں کے حکمران اور سفیر یہاں حاضری باعث فخر سمجھتے تھے۔ وہ جب بھی مدینۃ الاولیاء (لاہور) آتے، ضرور حاضری دیتے رہے۔

قرآن مجید

مولوی نور احمد چشتی اپنی تالیف ''تحقیقات چشتی'' میں لکھتا ہے کہ شمالی دالان جو کے بھائی ہیرا کنور نونہال سنگھ اور رانی چند کور نے تعمیر کرایا تھا، اس میں قرآن شریف رکھے ہیں، اس کی تفصیل اس طرح دی ہے:

۱۔ ایک قرآن پاک موراں طوائف محبوبہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۲۵۱ھ بمطابق ۱۸۳۵ء میں نذر کیا۔

۲۔ محمد خان چٹھہ ضلع گوجرانوالہ نے احمد نگر سے چڑھاوا کے طور پر پیش کیا۔

۳۔ نواب دکن نے اپنے دستخطوں سے پیش کیا اور اس کے ہر سہ پارہ کے اخیر پر یہ تحریر ہے: ''الحمد اللہ جزو فلاں قرآن مجید باتمام رسید بخط محمد ہادی المشتہر بہ مومن الملک علاء الدولہ جعفر خاں نصیری بہادر ناصر جنگ وقف نمود...... الخ۔'' یہ قرآن مجید ۱۱۳۷ھ بمطابق ۱۷۲۴ء میں پیش کیا گیا تھا۔

۴۔ امیر بخش نے بھی ایک قرآن پاک نذر کیا تھا۔

۵۔ ایک قرآن مجید مہاراجہ رنجیت سنگھ نے فتح پشاور کے بعد وہاں سے درگاہ حضرت داتا صاحبؒ کے لیے بھیجا تھا۔

۶۔ ایک کلام پاک شیخ غلام محی الدین صوبیدار کشمیر پدر نواب شیخ امام الدین خاں نے نذر کیا تھا۔

۷۔ میاں صمد و تاجر کشمیری ساکن امرتسر سوداگر پشمینہ نے چڑھایا۔

۸۔ میاں غلام یاسین خوشنویس لاہور نے پیش کیا۔

۹۔ ایک قرآن مجید کسی نامعلوم الاسم نے بہ خط بہاری مشک سے تحریر شدہ نذر کیا اور قدیم ہے۔

۱۰۔ نواب ملتان نے بھی ایک کلام پاک کا نسخہ بخط ملتانی نذر کیا۔

۱۱۔ ایک کلام پاک قدیم بہ خط ثلث بھی کسی نے پیش کیا تھا۔

رائے بہادر کنہیا لال مؤلف ''تاریخ لاہور'' لکھتا ہے کہ اس دربار عالی وقار میں سلطان محمد ابراہیم غزنوی اور سلطان شمس الدین التمش وغیرہ بادشاہوں کے ہاتھ کے تحریر کردہ قرآن مجید بھی موجود ہیں۔ اب یہ قرآن مجید اس جگہ موجود نہیں ہیں۔

Marfat.com

زیارت رسول اکرم ﷺ

اس بات کا قوی امکان ہے کہ آپ کو کئی دفعہ رسول اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ہو مگر ''کشف المحجوب'' میں آپ نے اپنی ایک زیارت کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ عرض کیا یا رسول اللہ! کچھ وصیت فرمائیے آنجناب ﷺ نے فرمایا، اپنے حواس کو خداوند تعالیٰ کی محبت میں مشغول رکھو کیونکہ حواس کو بند کرنا پورا مجاہدہ ہوتا ہے اور تمام قسم کے علوم واحساسات انہی پانچ دروازوں سے حاصل ہوتے ہیں۔

۱۸۷۶ء میں عرس پر اخراجات کا اندازہ پچھتر ہزار روپے تھا۔ سالانہ آمدنی ساٹھ لاکھ روپے ہے جو محکمہ اوقاف کی مکمل آمدنی کا بتیس فیصد ہے۔

قدیم عمارات

آپ کا مقبرہ اور چبوترہ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم غزنوی بن سلطان مسعود غزنوی نے بنوایا تھا۔ مزار پہلے گنبد سے خالی تھا مگر ۱۲۴۸ھ بمطابق ۱۸۶۱ء میں حاجی نور محمد سادھو کشمیری نے مرقد منور پر ایک مدور گنبد بنوایا جو کہ اب موجود ہے۔ شہنشاہ جلال الدین اکبر نے حجرہ اعتکاف حضرت سلطان الہند معین الدین چشتی اجمیریؒ اور قبر سلیمان مجاور تعمیر کرائی۔ روضہ عالیہ کی چار دیواری بھی اس بادشاہ کے حکم سے تکمیل کو پہنچی۔ خانقاہ کا فرش اور ڈیوڑھی بھی اس کی یادگار تھی۔ حجرہ کے اندر سفید اور سیاہ پتھر کا خوبصورت فرش خان بہادر میاں محمد بخش مرحوم ٹھیکیدار نے عہد انگریز میں بنوایا تھا۔ میر مومن خان نائب ناظم لاہور کی قبر کے بالمقابل ایک دالان سنگ سیاہ کا نواب خان خانان نے تعمیر کرایا تھا۔ ایک دالان رانی چند کور والدہ کنور نونہال سنگھ ومہارانی مہاراجہ کھڑک سنگھ نے تعمیر کرایا تھا۔

خان بہادر میاں محمد بخش نے صرفِ کثیر سے احاطہ مزار میں دو عالیشان دو منزلہ کمرے تعمیر کرائے تھے جن میں مسافر اور درویش رہتے تھے۔ یہ کمرے ۱۲۳۶ھ بمطابق ۱۹۰۸ء تعمیر کرائے گئے تھے۔ ایک بیرونی ڈیوڑھی میاں غلام حسین ولد حاجی غلام حسن نے ۱۹۰۵ء میں تعمیر کرائی تھی۔ عہد مہاراجہ رنجیت سنگھ میں عوض خاں فیلبان نے احاطہ مزار کا چبوترہ کھنچوایا تھا۔ یہ ۱۲۴۵ھ بمطابق ۱۸۶۹ء کا واقعہ ہے۔

قدیم مسجد جو کہ خستہ ہو چکی تھی، کی تعمیر نو گلزار شاہ سادھو کشمیری نے سابقہ جگہ پر ہی کرائی تھی۔ اس کی چھت چوبی تھی اور اس پر گنبد نہیں ہے۔ گلزار شاہ نے اس پر گنبد بھی بنوا دیئے۔ اس کے علاوہ محمد دین نے بھی تعمیر وتجدید میں حصہ لیا۔ موجودہ مسجد حاجی غلام رسول کٹھ والا نے بصرف کثیر ۱۳۴۰ھ بمطابق ۱۹۲۱ء میں تعمیر کرائی۔ مولانا فیروز دین نے مرقد منور پر چوبی کی بجائے سنگ مرمر کی جالیاں اور ستون ۱۳۵۹ھ بمطابق ۱۹۴۰ء میں قائم کرائے۔ احاطہ صحن مسجد میں نواب میر مومن نائب ناظم لاہور کی قبر کا نشان اب بھی محفوظ ہے۔ خانقاہ معلی یعنی گنبد شریف کے اردگرد ان اصحاب کی قبور ہیں:

Marfat.com

(۱) شیخ عنایت اللہ (۲) شیخ عباد اللہ (۳) شیخ نصیر اللہ (۴) شیخ عجیب اللہ (۵) شیخ ظہور اللہ (۶) شیخ قدرت اللہ (۷) شیخ مراد اللہ (۸) شیخ سلیمان (۹) شیخ علم الدین (۱۰) شیخ لطیف اللہ (۱۱) شیخ عثمان۔ یہ سب قبور سنگ مرمر کی موجودہ غلام گردش کے نیچے ہیں۔ سنگ مرمر کی غلام گردش کی جانب جنوب صحن میں یہ قبور ہیں: (۱) پیر حضوری شاہ (۲) چودھری غلام رسولؒ المتوفی گیارہ رجب ۱۳۴۵ھ بمطابق چھ فروری ۱۹۲۵ء بانی مسجد ہذا (۳) مہر جھنڈو المتوفی ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۹۱۶ء۔ شیخ حضوری حضرت مخدوم کے پھوپھی زاد تھے۔ خانقاہ معلیٰ سے جانب شمالی نشیب میں یہ قبریں ہیں: (۱) نواب شیخ امام الدین خاں گورنر کشمیر (۲) شیخ فیروز دین سابق وزیر بہاول پور (۳) فرزند نواز غلام محبوب سبحانی (۴) نواب غلام محبوب سبحانی رئیس اعظم لاہور۔ اس کے علاوہ سردار سکندر حیات وزیراعظم کے خاندان کے کچھ افراد کی قبور ہیں۔ ان قبور کی جگہ نئی تعمیرات نے لے لی ہے۔ تعمیر جدید: ۱۹۷۶ء میں درگاہ حضرت داتا صاحبؒ کا بجٹ تقریباً تیرہ لاکھ روپے ہے جس میں سے دس لاکھ روپے ترقیاتی کاموں کے لئے اور باقی رقم عرس اور دیگر انتظامی اخراجات کے لیے مختص ہے۔ یہ درگاہ دس جنوری ۱۹۶۰ء کو محکمہ اوقات نے اپنی تحویل میں لی تھی۔ درگاہ کی بہبود اور توسیع کے لیے جو منصوبہ جات تیار کئے گئے تھے، ان کی تکمیل کے لئے ایک تعمیراتی کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جس نے ۱۹۷۲ء۔۱۹۷۳ء میں کام شروع کر دیا تھا۔

مکمل تعمیر نو

باب الصدر پر یہ کتبہ تحریر ہے۔ المسجد اسس علی التقویٰ ۔کتبہ تعمیر و توسیع دربار حضرت سید علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ جسے جناب اختر حسین صاحب گورنر مغربی پنجاب پاکستان نے اٹھارہ اپریل ۱۹۶۰ء بمطابق گیارہ شوال المکرم ۱۳۷۹ھ بروز جمعتہ المبارک کیا۔

(۱) دربار عالیہ کے مشرقی حصہ کی تعمیر

جس میں زیریں کمرے اور بالائی منزل میں مستورات کے لیے وضوگاہ شامل تھے، مکمل ہو چکا ہے۔ اس میں لائبریری، دفتر پولیس گارڈ، نیشنل بینک آف پاکستان وغیرہ شامل ہیں۔ اس حصہ کی مکمل تعمیر ہو چکی ہے۔ اس حصہ میں تبرک خانہ، باب الرجال اور باب النسا اور سامنے وسیع و عریض کھلا میدان ہے۔

(۲) مستورات کا حصہ

سنگ مرمر کا فرش لگا دیا گیا ہے۔ نیز بیت الخلا کی تعمیر بھی مکمل ہو چکی ہے۔ اس میں حضرت شیخ ہندی اور مولانا ابوالحسنات قادری کے مزارات بھی ہیں۔ مستورات کے لیے نہایت اعلیٰ پردہ کا انتظام ہے۔

(۳) مردانہ حصہ

سنگ مرمر کا فرش اور چبوترہ کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ اس حصہ میں پیر حضوری شاہ، چودھری غلام رسول کٹھ والا اور مہر جھنڈو وغیرہ دفن ہیں۔ اس حصہ کو سنگ مرمر کی ٹائیلوں سے نہایت اعلیٰ طریق پر مرصع کیا گیا ہے۔ صحن کا شمالی حصہ اونچا ہے اور جنوبی حصہ نیچا ہے۔

(۴) چشمہ فیض کی تعمیر

یہ چشمہ سنگ مرمر کی تراش فراش کا ایک نادر و نایاب نمونہ ہے جس کے پانی کو زائرین تبرک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

(۵) باب الصدر

مردانہ صدر دروازہ پر یہ تحریر ہے، بسم اللہ الرحمان الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسول الکریم وعلیٰ والطیبین الظاھرین۔ نذر عقیدت سید مراتب علی ۱۳۸۰ھ بمطابق ۱۹۶۰ء۔

(۶) باب الرجال

اس پر کتبہ ہے بسم اللہ الرحمان الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔ نذر عقیدت بیگم چودھری عید محمد ۱۹۲۲ء بمطابق ۱۳۸۶ھ۔

(۷) باب النساء

اس دروازے پر یہ کتبہ نصب ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ، ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلی آلہ والطیبین الطاھرین۔ نذر عقیدت سیدہ مبارک بیگم ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ء۔

(۸) غلام گردش کی توسیع

روضہ منورہ کے اردگرد دوہری غلام گردش تعمیر کی گئی ہیں جو سنگ مرمر سے آراستہ کی گئی ہیں اور ان پر کتبات بھی تحریر کرائے گئے ہیں۔ اس پر آٹھ لاکھ روپیہ صرف ہوا ہے۔ ہر طرف پانچ پانچ دروازے ہیں۔ غلام گردشوں کے نیچے زائرین کے بیٹھنے کے لئے قالینوں اور بہترین دریوں کا اہتمام ہے۔ اس جگہ چشمہ فیض جانب شمال جنوب ہے اور یہاں ہی سجادہ نشینان داتا دربار کی قبروں کے نشان مع نام محفوظ کیے گئے ہیں۔

(۹) تبرک خانہ

جانب مشرق تبرک خانہ ہے جہاں سے روزانہ لنگر کی تقسیم کا اہتمام ہوتا ہے۔

(۱۰) درسگاہ سے باہر بیت الخلا کی تعمیر

زائرین کی سہولت کے لئے ایک بہت بڑا دو منزلہ بیت الخلا استعمال میں لایا جا رہا ہے۔اس کام پر محکمہ اوقاف نے پانچ لاکھ روپیہ خرچ کیا ہے۔

(۱۱) میناروں کی تعمیر

میناروں کی تعمیر کے لئے بھی بجٹ میں گنجائش رکھی گئی ہے۔

(۱۲) برقی تنصیبات

داتا دربار میں بجلی کی تنصیبات کا نہایت اعلیٰ انتظام ہے اور اس کی دیکھ بھال میں عملہ مصروف عمل رہتا ہے۔

(۱۳) شمالی عمارت کی تکمیل

ذیلدار روڈ پر شمالی عمارت مکمل ہو چکی ہے۔نیچے مارکیٹ اور بالائی منزل پر مسافر خانہ ہے۔

(۱۴) قوالی گھر

سکول کی طرف تعمیر ہوگا۔ابھی تک عرس کے موقع پر یا جمعرات کو کھلے میدان میں ہی ہوتی ہے۔

(۱۵) لنگر خانہ

لنگر کے پکانے اور تقسیم کرنے کے لئے ایک علیحدہ نہایت کشادہ لنگر خانہ تعمیر کیا گیا ہے جس میں لنگر کے سٹور کرنے کا خاطر خواہ انتظام ہے۔اس کام پر محکمانہ طور پر تقریباً ایک لاکھ روپے کے اخراجات اٹھے تھے۔

(۱۶) ٹاور

بنک کے ساتھ بہت بڑا ٹاور بلاک تعمیر کیا گیا ہے۔اس پر دو لاکھ روپے خرچ ہوئے ہیں۔

داتا دربار ہسپتال

خانقاہ عالیہ حضرت داتا صاحبؒ کے عقب میں یہ ہسپتال کئی سال سے تعمیر ہے۔یہاں دو شفٹوں میں کام ہوتا ہے اس لئے مریض صبح کے علاوہ شام کو بھی علاج کی سہولتیں حاصل کر سکتے ہیں۔شعبہ امراض چشم کی وجہ سے یہ

Marfat.com

ہسپتال صوبہ بھر میں مشہور ہے۔ اس پر مردوں اور عورتوں کے دونوں آئی وارڈ مکمل طور پر ائرکنڈیشنڈ ہیں، اس لئے آنکھوں کے آپریشن ہر موسم میں کئے جاتے ہیں۔ یہ ہسپتال داتا دربار کے عقب میں چوراہے میں ایک نہایت وسیع وعریض جگہ پر واقع ہے۔ دربار ہسپتال کے زیر انتظام لاہور میں مختلف مقامات پر دس شفاخانے اور ایک سفری شفاخانہ کام کر رہا ہے۔ شفاخانوں سے تقریباً چالیس ہزار اور سفری شفاخانے سے تقریباً تین ہزار مریض علاج کی سہولت حاصل کرتے ہیں۔ داتا دربار ہسپتال کا ۱۹۷۶ء کا بجٹ تقریباً ۲۸ لاکھ روپے ہے۔

زیر تکمیل تعمیر نو

موجودہ مسجد زائرین کی کثرت سے حاضری کے باعث بہت چھوٹی ہے اور اس کمی کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے محکمہ اوقاف نے ایک نہایت وسیع منصوبہ تیار کیا ہے تاکہ موجودہ مسجد کو شہید کر کے ایک نئی عالیشان مسجد تعمیر کی جائے جس میں کم وبیش پچاس ہزار نمازیوں کے لئے نماز ادا کرنے کی گنجائش ہو۔ نئی مسجد کی تعمیر کے لئے محکمہ اوقاف نے تقریباً ۲۱ کنال زمین پہلے ہی حاصل کر لی تھی اور مزید تقریباً ۵ کنال زمین حاصل کرنے کے لئے کارروائی کی جا رہی ہے۔ جونہی یہ زمین محکمہ کو میسر آ گئی ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر شروع کر دی جائے گی۔ اس کے لئے مطلوبہ نقشہ جات تیار کئے جا رہے ہیں۔ یہ مسجد تعمیر کے بعد بادشاہی مسجد کے بعد لاہور کی دوسری بڑی مسجد ہوگی۔

۲۔ مسافر خانہ

زائرین کے قیام کے لئے ایک مسافر خانہ کی ضرورت تھی۔ محکمہ اوقاف نے اس کے لئے اراضی حاصل کر کے گراؤنڈ فلور (نچلی منزل) پر ایک مارکیٹ تعمیر کی ہے اور اس کی بالائی منزل پر مسافر خانہ تعمیر کیا ہے جس میں عورتوں اور مردوں کی رہائش کا علیحدہ علیحدہ اہتمام ہے۔ اس عمارت پر محکمہ نے آٹھ لاکھ روپے خرچ کئے ہیں۔ دربار شریف کے ساتھ ملحقہ صحن کو بڑھایا جا رہا ہے۔ نیز مردوں اور عورتوں کے صحن کو مردوں اور عورتوں کے مسافر خانہ کے ساتھ ملایا جا رہا ہے۔

۳۔ لائبریری

لائبریری میں کافی کتب ہیں جن میں تصوف اور تاریخ اسلام سے متعلقہ کتب کی بہتات ہے۔

۴۔ تہہ خانے

تہہ خانے بھی زیر تعمیر ہیں۔

۵۔ امام صاحب کی رہائش گاہ

مسجد داتا دربار کے امام وخطیب کی رہائش کے لئے بھی مکانات تعمیر ہوں گے۔

Marfat.com

۶۔ دکانات

یہ شمالی بلاک میں واقع ہیں۔

طلائی نقرئی میناکاری دروازہ

محکمہ اوقاف حکومت پنجاب نے درگاہ شریف کے لئے ایران سے ایک سنہری دروازہ تیار کروا کر روضہ عالیہ کے جانب جنوب باب الصدر کے پاس لگا دیا ہے۔ یہ طلائی نقرئی میناکاری دروازہ ۱۲×۹ ہے۔ دروازہ اصفہان کے کاریگروں نے تیار کیا تھا۔ اس کی افتتاحی تقریب مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۷۲ء کو وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے ادا کی۔ اس کام پر تقریباً آٹھ لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ اس پر سونے اور چاندی سے انتہائی خوب صورت میناکاری کا کام کیا گیا ہے۔ اس دروازہ پر خط معکوس میں حافظ محمد یوسف سدیدی کی کتابت کا شاہکار ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' تحریر ہے۔

جہیز سکیم

یہ محکمہ اوقاف کی طرف سے ایک رفاعی اسکیم ہے جس کے تحت درگاہ حضرت داتا صاحبؒ کی جانب سے ہر ماہ پچیس غریب بچیوں کو جہیز دیا جاتا ہے۔ اس کے لئے ایک کمیٹی بھی تشکیل دی گئی ہے۔

صنعتی سکول

مستورات کے لئے ایک جدید صنعتی سکول بھی زیرتعمیر ہے جس کی بالائی منزل عورتوں اور مردوں کے لئے علیحدہ علیحدہ مسافر خانے ہوں گے جس پر خرچ کا تخمینہ پانچ لاکھ روپے ہے۔ اس منصوبہ کی تکمیل سے دربار شریف کا صحن کشادہ ہو جائے گا۔

روضہ منورہ کے چند کتبات

۱۔ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔

۲۔ چہ حسنت کہ دریکدم را رخت صد نظر بینم
ہنوزم آرزو باشد کہ یک بار دِگر بینم

۳۔ ابوبکرؓ ہمچو کعبہ عمرؓ در طوافِ اُو
عثمانؓ آب زمزم علیؓ حج اکبر است

Marfat.com

۴۔ برآستان تو ہر کس رسید مطلب یافت
روا مدار کہ من تا امید بر کردم

۵۔ گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں راپیر کامل کاملاں را رہنما

۶۔ ہر کس کہ بدرگاہ تو آمد بہ نیاز
خروم ز درگاہ تو کے گردد باز

۷۔ جائیکہ زاہدان ہزار اربعین رسند
مست شراب عشق بہ یک آہ میر سد

ایسے کتبات روضہ منورہ کے اندرون چھت پر، باہر دیواروں پر، دونوں غلام گردشوں کے اندرونی اور بیرونی حصوں میں، دالان کی جنوبی طرف اور مسجد کے اندرون چھت پر عجیب وغریب خط میں تحریر کیے گئے ہیں۔

اندرونی غلام گردش کے چند کتبات

ازچنیں درگاہ عالی ہیچ کس محروم نیست — بہتر از نقد وگر ہاست دام گنج بخش
از دل وجانم غلام شاہ میراں محی الدین — نیز از فضل خدا ہستم غلام گنج بخش

سرداد نہ داد دردست یزید — حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؓ
پیر کامل مرشد وہادی مکمل رہنما — بوئے عرفان الٰہی درمشام گنج بخش

اولیاء اللہ خدا کے ملک کے منتظم اور والی ہیں

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا — نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہے تقدیریں

انسان کی نجات دین کی تابعداری میں ہے — اور اس کی ہلاکت دین کی مخالفت میں ہے

Marfat.com

دو جہاں زیر نگیں برنام گنج بخش — جن وانسان وملک منقاد رام گنج بخش
ہر کہ آمد بارادت صد سعادت یافت او — ہر کسے شد بہرہ یاب از فیض عام گنج بخش
روز وشب ورد زمانم ہست نام پاک تو — اسم اعظم یافتم من پاک نام گنج بخش
بادشاہ اولیاء والا قدر عالی محل — اسلم یافت آسمان کمتر زبام گنج بخش
بر مزار پاک اوصد شعلہ ہائے نوا حق — روشن از صبح درخشاں ہست نام گنج بخش

اولیاء اہست قدرت از الہ — تیر جستہ باز گردد نذر راہ

سکون قلب کی دولت جہاں دن رات بٹتی ہے — نگاہ لطف ہوتے ہی غموں کی رات کٹتی ہے

گر ہمی خواہی کہ بینی بر زمین باغ ارم — روضہ انور مقدس ہیں مقام گنج بخش

گفتہ او گفتہ اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

بہت سے کتبات لاہور کے مشہور ومعروف خطاط وخوشنویس عبدالمجید پروین رقم کے ہاتھ کے تحریر کردہ ہیں۔

بیرونی غلام گردش کے چند اشعار

عشق تو دام میان جان و دل — می دہم از عشق تو ہر سو صلا
یا خداوندا رقیباں رابکش — با مرا دریا دکن مست ہلا
جام من دارد شراب بارخور — بہر جان کن برمن وہم مبتلا

ایں روضہ کی شد بانشیں فیض الست — مخدوم علی است کہ باحق پیوست
در ہستی اش نیست شد ہستی یافت — زاں سال وصالش افضل آمد زہست
۴۶۵ھ

خانقاہ علی ہجویری است — خاک جارب از درش برادر
طوطیا کن بدیدہ حق بیں — تا شوی واقف در اسرار
چوں کہ سردار ملک معنی — سال وصلش برآمد از سردار
۴۶۵ھ

Marfat.com

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کوئے تو کعبہ ہست با خلد بریں یا بوستان
یا گلستان ارم یا جنت الماوی است ایں

خاک پنجاب از دم تو زندہ گشت
صبح ما از مہر تو تابندہ گشت

نوازش دل ماکن کہ دل نواز توئی
بساز گار غریباں کہ کارساز توئی

تاجدار ملک معنی پیر پیراں گنج بخشؒ
کوکب ز شد وہدایت نجم ایقان گنج بخشؒ
ماہ اقلیم سخا خورشید گردون عطا
نیر برج طریقت شمع عرفان گنج بخشؒ
ہستی او مزرع اسلام را ابر کرم
خطہ پنجاب را احسان یزدان گنج بخشؒ

اے محسن اعظم غریباں
تعلقے بخانہ کم نصیباں

درگاہ تو خلق را پناہے
برجان فگار ماتگا ہے

سیّد ہجویر خورشید یقین
ذات او حصن حصین شرع ودیں

اناں کہ خاک رابہ نظر کیمیا کنند
آیا بود وکہ گوشہ چشمے بماکنند

(در: مدینۃ الاولیاء تحقیق وتالیف محمد دین کلیم قادری لاہور ۱۹۷۶ء ص ۴۶۸-۴۸۵)

☆......☆......☆

قاضی جاوید

سید علی ہجویریؒ کے بارے میں چند باتیں

سید علی ہجویریؒ سے ہماری عقیدت زیادہ تر دو حوالوں سے ہے۔ اول یہ کہ وہ صاحب کرامت بزرگ تھے اور دوم یہ کہ انہوں نے پنجاب میں اسلام کی ابتدائی اشاعت میں نمایاں حصہ لیا تھا۔

یہ دونوں باتیں درست ہوں گی، اسی لئے صدیوں کے فاصلے کے باوجود لوگ سید علی ہجویریؒ کے عقیدت مند ہیں۔ آپ کسی روز لاہور میں ان کے مزار پر جائیں تو سینکڑوں عقیدت مندوں کو وہاں پائیں گے جمعرات یا کسی مذہبی تہوار کے موقع پر ان کی تعداد کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ یہ عوام میں ان کے لئے پائی جانے والی عقیدت کا مظہر ہے، لیکن سید علی ہجویریؒ کی عظمت کا بنیادی پہلو عام طور پر نظروں سے اوجھل رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ ہجویریؒ تھے جنہوں نے جنوبی ایشیاء میں تخلیقی مسلم فکر کا آغاز کیا تھا۔ انہوں نے یوں ایک ایسی روایت کی بناء ڈالی جو کسی نہ کسی طور اب بھی جاری ہے۔

دانشور کے طور پر سید علی ہجویریؒ کی شخصیت کیوں دبی رہی ہے؟ اس اہم سوال کا مفصل جواب تو کوئی ماہر سماجیات ہی دے سکتا ہے۔ بظاہر جو صورت حال ہے، وہ یہ ہے کہ سماج نے ان کو صاحب کرامت کے طور پر قبول کر لیا اور اشاعت اسلام کے ضمن میں ان کی خدمات کا اعتراف بھی ہوا، لیکن ان کے ذہنی حاصلات کو نظرانداز کئے رکھا۔ حالانکہ ان کے افکار تک رسائی پانے کے لئے ان کی اپنی اور خاصی ضخیم کتاب ''کشف المحجوب'' زمانے کے بے رحم ہاتھوں سے محفوظ رہی اور اس کا مطالعہ بھی ہوتا رہا۔ ممکن ہے کہ اگر ہجویریؒ کا دیوان محفوظ رہتا، اور جیسا کہ انہوں نے خود اطلاع دی ہے، وہ کسی نوسرباز کے ہاتھ نہ لگ جاتا تو ایک تخلیقی شخصیت کی حیثیت سے سید علی ہجویریؒ کو زیادہ پذیرائی ملتی اور ان کی زیادہ قدر کی جاتی۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ ہمارے سماج میں شاعروں کو بلاشبہ دانشوروں پر ترجیح دی جاتی رہی ہے۔ ان کو زیادہ مقبولیت اور قدر و منزلت حاصل رہی ہے۔ یہ رویہ آج تک موجود ہے۔ علامہ اقبال کی مقبولیت ان کے افکار کے بجائے شاعری کی مرہون منت ہے۔ اگر انہوں نے شعری مجموعوں کے بجائے محض ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' اور اس جیسی دو چار اور تصانیف یادگار چھوڑی ہوتیں تو آج ان کو زیادہ سے زیادہ وہی مقام حاصل ہوتا جو ان کے جونیئر معاصرین، پروفیسر ایم ایم شریف، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اور ڈاکٹر سی اے قادر کو حاصل ہے۔

Marfat.com

خیر اب جب کہ سید علی ہجویریؒ کا ہزار سالہ یوم ولادت بہت قریب آ گیا ہے تو آیئے ہم ان کے فکری حاصلات کو سمجھنے پر توجہ دیں۔ یہ مضمون اسی حوالے سے لکھا جا رہا ہے۔ مگر خدارا یہ خیال جی میں نہ لایئے گا کہ میں سید علی ہجویریؒ کو سمجھنے کا دعویدار ہوں اور فکری اور تہذیبی تاریخ میں ان کے مقام کا تعین کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ نہیں۔ بالکل نہیں۔ معاملہ مختلف ہے۔ یہ تحریر تو محض طالب علمانہ قسم کی کاوش ہے۔ آپ خود ہی محسوس کر لیں گے کہ اس میں بالکل ابتدائی قسم کے مباحث پیش کئے جا سکے ہیں اور استدلال میں بھی کوئی گہرائی یا چونکا دینے والی کوئی بصیرت نہیں۔

میں نے یہ جاننا چاہا ہے کہ جب مجھے اپنی کوتاہیوں کا شعور ہے تو پھر میں نے یہ مضمون لکھنے کی کوشش ہی کیوں کی۔ جس نتیجے تک میں پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ لاشعور میں طویل عرصوں سے دبی ہوئی سید علی ہجویریؒ کی عقیدت اور ذاتی تعلق نے یہ چند الفاظ لکھنے پر اکسایا ہے۔ بات یہ ہے کہ لاہور کے دوسرے شہریوں کی طرح میں بھی ان کا عقیدت مند ہوں۔ ایک اور محرک جس کو میں نے قدرے شیخی بگھارنے کے انداز میں ذاتی تعلق سے تعبیر کیا ہے، اس کی حقیقت محض یہ ہے کہ میں جس مکان میں پیدا ہوا تھا وہ سید علی ہجویریؒ کے مزار سے بس اتنا دور واقع تھا کہ وہاں مزار کی مسجد سے لاؤڈ اسپیکر کے بغیر بھی، اذان کی آواز پہنچتی تھی اور میری والدہ مرحومہ، اللہ تعالیٰ ان سے رحیمانہ سلوک فرمائے، کہا کرتی تھیں کہ مجھے پہلی جگہ جہاں وہ لے کر گئی تھیں، وہ داتا دربار، یعنی سید علی ہجویریؒ کی درگاہ تھی۔ بہت سے معزز قارئین کے لئے ذاتی تعلق کی یہ حقیقت مضحکہ خیز ہوگی، لیکن میں زندگی بھر اس ربط کو محسوس کرتا رہا ہوں۔

چلئے ہم اصل موضوع کو پلٹتے ہیں۔ سید علی ہجویریؒ سے پہلے بھی سندھ اور ملتان میں، بعض مسلم دانشور گزرے ہیں اور ان میں سے بعض نے اس خطے کی ذہنی اور تہذیبی تاریخ میں کردار ادا کیا ہے۔ ان میں سے ایک ابو علی سندھی ہیں۔ وہ ہندی الاصل بزرگ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے شیخ ابو یزید بسطامیؒ کو ویدانتی خیالات اور وحدت الوجود کے فلسفے سے متعارف کروایا تھا۔ مرکزی مسلم علاقوں کے دانشوروں کا وحدت الوجودی فکر سے یہ پہلا تعارف تھا۔ فکری تاریخ کا یہ بہت اہم واقعہ تھا۔ کیونکہ اس کے بعد سے مسلم تہذیبی زندگی میں اس کی روایت چلی آ رہی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ فلسفہ وہ مابعد الطبیعاتی بنیاد بن گیا جس پر مسلم تصوف کی بنیاد رکھی گئی۔ یوں مسلم ذہنی سرگرمیوں میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔

ظاہر ہے کہ اس حوالے سے فکری تاریخ میں بھی ابو علی سندھیؒ کا کردار بہت اہم ہو جاتا ہے۔ تاہم جہاں تک ہمارے خطے میں، یعنی متحدہ ہندوستان یا جیسا کہ آج کل امریکیوں کی تقلید میں کہنے کا رواج ہے، جنوبی ایشیا میں مسلم فکر کی ابتدا سید علی ہجویریؒ سے ہوئی جو ابو علی سندھیؒ کے بعد کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

سید علی ہجویریؒ کے خیالات ہم تک ان کی کتاب ''کشف المحجوب'' کے وسیلے سے پہنچے ہیں۔ یہ تصوف کی پہلی کتاب نہیں ہے۔ یہ اعزاز ابو القاسم قشیریؒ کی تصنیف ''رسالہ القشیر یہ فی علم التصوف'' کو دیا جاتا رہا ہے۔ قشیریؒ کے ساتھ سید علی ہجویریؒ کے ذاتی مراسم تھے اور ''کشف المحجوب'' میں ان کے بارے میں تعریفی جملے ملتے ہیں، اس

Marfat.com

لئے بعض صاحبان نے، جن میں ''رسالہ قشیریہ'' کے اردو مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن بھی شامل ہیں، یہ رائے دی ہے کہ ہجویریؒ قشیریؒ کے شاگرد تھے۔ روسی سکالر ژوکوفسکی کو اس رائے سے اتفاق نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ''کشف المحجوب'' کے محتاط مطالعے سے اس کی رائے کی تصدیق ہوتی ہے۔ بہر طور تحقیق کاروں نے اس معاملے میں اولیت کا تاج اب ''کتاب اللمع'' پر رکھا ہے۔ گویا یہ طے ہے کہ ''کشف المحجوب'' اگرچہ تصوف کی ابتدائی کتابوں میں شامل ہے، لیکن وہ زمانے کے اعتبار سے پہلی نہیں۔ البتہ وہ مسلم تصوف کی پہلی فکری کتاب ضرور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ''کتاب اللمع'' اور اس کے زمانے کی دوسری صوفیانہ تحریروں میں محض صوفیوں کی حکایتوں اور اقوال کو جمع کیا گیا ہے اور ویسی نظریاتی بحثیں نہیں ہیں جیسی سید علی ہجویریؒ کی کتاب میں ملتی ہیں۔

سید علی ہجویریؒ کے زمانے میں مسلم صوفیانہ حلقوں میں نظریاتی بحثیں البتہ شروع ہو چکی تھیں اور فلسفیانہ موشگافیوں کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دور تک پھیل جانے والی مسلم سلطنت کے مختلف حصوں سے نئے نئے خیالات مرکزی علاقوں تک پہنچ رہے تھے۔ جب نئے خیالات کی یلغار ہوتی ہے تو پھر روایتی سانچے ڈگمگانے لگتے ہیں۔ خانقاہوں میں بھی یہی کچھ ہوا۔ بہت سے لوگوں نے نئے خیالات قبول کئے اور وہ پرانی ڈگر سے ہٹنے لگے۔ آزاد خیالی اور ترمیم پسندی کو فروغ ملنے لگا۔ بعض دانشوروں نے داخلی سچائی کی آڑ میں مذہبی رسوم اور خاتون کی اہمیت کم کرنا چاہی۔ پرانی ڈگر سے انحراف کے رویے کو شیخ ابو یزید بسطامیؒ کے ہاں صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ تصوف کے معاملات پر گہری نظر رکھنے والے مستشرق آر۔ سی۔ زہنیر (Zaehner) نے ان کو ہندو روحانیت سے متاثر قرار دیا ہے، تو اس میں کچھ زیادہ مبالغہ نہیں ہے۔ تاہم یہ اثرات شیخ ابو یزید بسطامیؒ تک محدود نہ تھے۔ کئی دوسرے لوگ بھی ان کی زد میں آ رہے تھے۔

ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ پرانے خیال کے دانشور اور مذہبی قانون کے شیدائی اس صورت حال سے خوش نہ ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے صوفیانہ انحراف پسندی کی مزاحمت شروع کر دی۔ اس منظر نامے میں حسین بن منصور حلاج نمایاں ہوئے۔ وہ انحراف پسندی میں ان حدود سے آگے نکل گئے جو روایت پسندوں کے لئے قابل قبول ہو سکتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو قبول نہ کیا گیا اور آخر کار وہ قتل کروا دیئے گئے۔

یہ ۹۳۱ء کا واقعہ ہے۔ صوفیانہ اختلافات اب جان لیوا تشدد تک جا پہنچے تھے۔ چنانچہ صوفیانہ حلقوں میں اس واقعہ نے کئی اثرات پیدا کئے۔ بعض آزاد خیال اور انحراف پسند صوفی اپنے خیالات کو پوشیدہ رکھنے پر زور دینے لگے۔ مگر ایک ایسا گروہ بھی تھا جس نے انحرافی خیالات سے وابستگی کا پُر جوش اظہار شروع کر دیا۔ یہ لوگ تعداد میں زیادہ نہ تھے۔ حلاجی المیہ کے بعد ''عام طور'' پر دنیائے تصوف میں درمیانی راہ اور اعتدالی رویہ اختیار کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا گیا۔ اس رویے کی تاویل یوں کی گئی کہ داخلی صداقت اور مذہبی سچائی ایک دوسرے سے مختلف نہیں۔ ایک دوسرے کو پیچھے دھکیلنے کے بجائے وہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔ اس رویے کی پُر جوش وکالت امام غزالیؒ نے کی۔ غزالیؒ سید علی ہجویریؒ کے ہم عصر تھے۔ دونوں کے طرز ہائے فکر بھی ایک دوسرے سے زیادہ مختلف نہ تھے۔

Marfat.com

چنانچہ سید علی ہجویریؒ نے بھی انحراف اور روایت کے بیچ کی راہ اختیار کی ہے۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ اس زمانے میں اعتدال پسندی کا رجحان مقبول تھا اور محفوظ بھی سمجھا جاتا تھا۔ تاہم ایک اور وجہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ سید علی ہجویریؒ کے زمانے کی پنجاب کی صورت حال بھی انحراف پسندی سے دامن بچانے کا تقاضا کرتی تھی۔ بات یہ ہے کہ صوفیانہ انحراف پسندی ہندو روحانیت اور فلسفے سے متاثر تھی اور اس پر اسماعیلی اثرات بھی تھے۔ سید علی ہجویریؒ کی زندگی میں محمود غزنوی نے ہند اور اسماعیلی اثرات کے علاقوں پر مسلسل حملے شروع کر رکھے تھے۔ ان حالات میں صوفیانہ انحراف پسندی ریاستی حکمت عملی سے متصادم تھی۔ اس کو کھلے بندوں قبول کرنے کا نتیجہ حلاجی المیے سے مختلف نہ ہو سکتا تھا۔

یہ ہے وہ فکری اور سیاسی پس منظر جس نے سید علی ہجویریؒ کی شخصیت اور فکر کی تشکیل کی۔

پنجاب میں نمایاں ہونے والے سید علی ہجویریؒ پیدا غزنی میں ہوئے تھے، مگر افغانستان کا یہ شہر بھی ان کا آبائی وطن نہ تھا۔ تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ ان کے والد، سید عثمان ہجویریؒ یہاں آباد ہوئے تھے۔ تاہم ان تذکرہ نگاروں نے ہمارے ہجویریؒ کے سن ولادت کے بارے میں صاف طور پر کچھ نہیں بتایا۔ یہ بات عجیب سی لگتی ہے، لیکن حقیقت ہے کہ پرانے تذکرہ نگاروں نے سید علی ہجویریؒ کی طرف زیادہ تو کجا، کافی توجہ بھی نہ دی تھی۔ صرف دو چار قدیم کتابیں ہیں جن میں ان کا ذکر ہے۔ کہیں کم ہے اور کہیں قدرے تفصیل سے ہے۔ ان میں شیخ فرید الدین عطار کی تصنیف ''تذکرۃ الاولیاء''، مولانا جامی کی ''نفحات الانس''، مولانا محمد غوثی کی ''گلزار ابرار'' اور دارا شکوہ کی ''سفینۃ الاولیاء'' شامل ہیں۔ محمد یعقوب بن عثمان غزنوی کے ''رسالہ ابدالیہ'' اور ابوالفضل کے ''آئین اکبری'' کو بھی شامل کر لیجئے۔ تاہم یہ اور بعض دوسرے تذکرے سید علی ہجویریؒ کے بارے میں کوئی واضح معلومات مہیا نہیں کرتے۔

دستیاب معلومات کی روشنی میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ سید علی ہجویریؒ کی ولادت پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوئی ہوگی۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم نے اس معاملے پر خاصی تحقیق کی ہے۔ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نے ''کشف المحجوب'' کا جو اُردو میں ترجمہ کیا تھا، اس کا پیش لفظ لکھتے ہوئے حکیم صاحب نے سال ولادت کا تعین ۱۰۰۹ یا ۱۰۱۰ عیسوی کیا ہے۔ اس کا جواز انہوں نے ''رسالہ ابدالیہ'' سے لیا ہے۔ جس کے مؤلف نے لکھا ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ وقتاً فوقتاً محمود غزنوی کے دربار میں جاتے تھے اور انہوں نے عنفوان شباب میں ایک ہندی فلسفی سے مناظرہ بھی کیا تھا۔ عنفوان شباب سے بیس یا اکیس سال ہم فرض کر سکتے ہیں۔ محمود ۱۰۳۰ء میں فوت ہوا۔ لہٰذا ''رسالہ ابدالیہ'' کی اس روایت کی بنا پر حضرت کا سال ولادت ۱۰۰۹ء کے لگ بھگ قرار دیا جا سکتا ہے۔

یہ دعویٰ درست ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حقیقی سال ولادت چند سال آگے یا پیچھے ہو۔ تاہم یہ طے ہے کہ سید علی ہجویریؒ کا محمود غزنوی کے دربار سے تعلق رہا تھا اور وہ محمود غزنوی کی وفات کے بعد لاہور آئے تھے۔

سید صاحبؒ کو اب جو شہرت حاصل ہے، وہ پہلے نہ تھی۔ مغلوں کے زمانے میں ان کا چرچا بہت کم تھا۔ یہاں تک کہ جب شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بزرگوں کا تذکرہ لکھا تو وہ ہمارے سید علی ہجویریؒ کو نظر انداز ہی کر گئے۔ غالباً اس کی ایک اہم وجہ یہ رہی کہ سید علی ہجویریؒ کی حیثیت صاحب کرامت بزرگ سے زیادہ صوفی دانشور کی

Marfat.com

ہے، اس لئے تذکرہ نگاروں کے لئے ان میں زیادہ کشش نہ تھی۔ تاہم اس صورتحال کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ سید علی ہجویریؒ کی زندگی کے بارے میں مصدقہ قسم کی معلومات بہت کم ملتی ہیں۔ جو معلومات دستیاب ہیں وہ بھی ان کی اپنی کتاب، یعنی ''کشف المحجوب'' سے اخذ کی گئی ہیں۔

''کشف المحجوب'' کے اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ سید علی ہجویریؒ کی پال پوس اور ابتدائی تعلیم پر خاصی توجہ دی گئی تھی۔ ان کی طبیعت سفر کی طرف مائل رہتی تھی۔ چنانچہ ابتدائی تعلیم کے بعد سیاحت پر نکلے۔ اصل میں ان زمانوں میں سفر تعلیم کا حصہ تھا اور طالب علم تعلیم کے مقامی سرچشموں سے فیض یاب ہونے کے بعد سچائی کی جستجو میں نکل پڑتے تھے تاکہ مشاہیر علما اور صوفیا تک پہنچیں اور فیض پائیں۔ سید علی ہجویریؒ نے بھی اس روایت کی پیروی کی۔ ان کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب کا رخ کرنے سے پہلے انہوں نے افغانستان، ایران، شام، عرب، ترکی اور وسطی ایشیائی ریاستوں کی سیاحت کی تھی اور درجنوں بزرگوں سے اکتساب علم کیا تھا۔ ''کشف المحجوب'' میں اس سفر کی یادداشتیں ملتی ہیں۔ اس حوالے سے یہ کتاب گیارہویں صدی کی مسلم دنیا کے مذہبی اور ثقافتی حالات کے بارے میں کئی معلومات مہیا کرتی ہے۔

علم، سچائی اور روحانی ترقی کے لئے اختیار کئے جانے والے اسفار کے آداب مقرر تھے۔ سید علی ہجویریؒ نے ان میں سے بعض کا ذکر کیا ہے:

> ''جب کوئی درویش سفر اختیار کرے اور اقامت ترک کرے تو اس کے لئے شرط ادب یہ ہے کہ اول وہ سفر خدا کے لئے کرے نہ اتباع خواہش کے لئے۔ جیسے ظاہر میں سفر کرے اور باطن کو بھی خواہش نفسانی سے پاک کرے اور ہمیشہ باطہارت رہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس سفر میں حج یا جہاد یا طلب علم یا زیارت شیخ یا قبر ولی مدنظر ہو۔ ورنہ اس سفر میں خطاوار ہوگا۔
>
> سفر کرتے وقت اپنے ساتھ کملی، کوزہ اور جوتا، رسی، عصا ضرور ساتھ رکھے۔ تاکہ کملی سے ستر عورت کر سکے۔ مصلیٰ پر نماز پڑھ سکے، کوزہ سے طہارت کے قابل پانی لے سکے۔ عصا کے ذریعے آفات سے محفوظ رہے۔ مسافر کے اس میں اور بھی مقصد ہوتے ہیں۔ جوتا اور پاتابہ تو اس لئے کہ وضو کر کے مصلیٰ تک آسکے اور اگر اس سے زیادہ چیزیں اس نیت سے رکھے کہ سنت کامل ادا کر سکے یعنی کنگھی، ناخن تراش، سوئی دھاگہ، سرمہ دانی، مسواک تو بھی بہتر ہے۔''

''کشف المحجوب'' سے یہ اقتباس میں نے ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صاحب کے اردو ترجمے سے لیا ہے اور اس مضمون میں مذکورہ کتاب کے حوالہ جات بھی اسی ترجمے سے لئے گئے ہیں۔

سید علی ہجویریؒ نے اس کتاب میں بہت سے درویشوں، صوفیوں اور عالموں کے حالات اور حکایات درج کی ہیں۔ ان کو سیاحت کے دوران ان بزرگوں سے ملنے کا موقع ملا تھا۔ کتاب میں ان کا ذکر عزت واحترام کے

ساتھ کیا گیا ہے اور ان سے حاصل ہونے والے روحانی فیوض بیان کئے گئے ہیں۔ ان راست بازوں میں شیخ ابو القاسم بن علی بن عبداللہ گرگانیؒ، شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ، شیخ ابوالعباس بن محمد اشقانیؒ اور شیخ ابوالقاسم قشیریؒ زیادہ اہم ہیں۔ اصل میں یہی وہ بزرگ ہستیاں ہیں جن سے سید صاحب نے دین و دنیا کا علم حاصل کیا۔ آیئے ہم یہاں ان بزرگوں میں سے اول الذکر کے ساتھ ان کی ملاقات کی جھلک دیکھتے چلیں:

''ایک روز میں شیخ گرگان کی خدمت میں حاضر تھا اور اپنے لطائف جو مجھ پر منکشف ہوئے تھے، عرض کر رہا تھا۔ تاکہ اپنا حال ان کی ہدایت کے مطابق درست کروں، کیونکہ آپ ناقد وقت تھے۔ حضرت علی گرگانیؒ میرا تمام حال احترام کے ساتھ سنتے رہے۔

میرا لڑکپن اور بچپن کا نخوت اور جوش جوانی مجھے اپنے حال کی ترجمانی پر حرص بڑھا رہا تھا اور دل میں یہ خیال سکہ زن ہوا کہ جو لطائف مجھ پر منکشف ہیں، شاید اس قدر لطائف ان پر منکشف نہیں ہوئے، یہی وجہ ہے کہ آپ اتنے غور و خوض سے سن رہے ہیں۔ شیخ علیؒ نے فراست ولایت سے میرے ضمیر کی آواز و خیال کو سمجھ لیا اور فرمایا کہ اے جان پدر۔ میری یہ فروتنی اور نیاز مندی محض تیرے لئے نہیں ہے۔ بلکہ ہر مبتدی سے جو اپنے حالات و لطائف مجھے سناتا ہے، ایسے ہی سنتا ہوں۔ یہ تمہارے لئے خاص نہیں ہے۔ جب میں نے آپ سے یہ الفاظ سنے تو میں خاموش ہو گیا۔''

اوپر کی چند سطریں شیخ گرگانؒ کی شخصیت کے بارے میں بہت کچھ بتاتی ہیں، لیکن ساتھ ہی سید علی ہجویریؒ کے متعلق بھی بہت کچھ کہہ دیتی ہیں۔ خیر سید صاحب نے جن بزرگوں سے فیض پایا، ان میں شیخ ابوالفضل محمد بن ختلیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ سید علی ہجویریؒ کے مرشد تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب وہ مرشد کی تلاش میں تھے تو شام کے ایک دور افتادہ علاقے کوہ لکام میں شیخ ختلی سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ شیخ دنیاوی پابندیوں اور رسوم و رواج سے بے نیاز تارک الدنیا تھے۔ ان کا محبوب قول تھا کہ ''دنیا مثل ایک دن کے ہے، اور اس دن میں ہمارا روزہ ہے۔''

شیخ ختلیؒ مفسر تھے اور روایات کے جید عالم بھی تھے۔ ذہنی رویوں کے اعتبار سے ان کو حضرت جنید بغدادیؒ کے قبیلے میں شمار کرنا چاہیے جو تصوف میں انحراف پسندی اور غیر اسلامی عناصر کے فروغ کے خلاف ردعمل کا مظہر ہے، چنانچہ انہوں نے طریقت کو شریعت کے دائرے میں رکھنے پر زور دیا تھا۔ اس نقطہ نظر کا ایک لازمی پہلو یہ تھا کہ صحو کو سکر پر ترجیح دی جائے اور شیخ ختلیؒ اسی بات کی تعلیم دیتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ سکر بازی گاہ کودکان ہے اور صحو فنا گاہ مردان۔ سید علی ہجویریؒ نے اس نکتے کو پلے باندھ لیا تھا۔ ''کشف المحجوب'' میں اس امر کے کئی اشارے ملتے ہیں۔

جب تک شیخ ختلیؒ زندہ رہے، سید علی ہجویریؒ ان کی خدمت کرتے رہے۔ مرشد کے وصال کے بعد انہوں نے وطن کا رخ کیا، لیکن زیادہ عرصہ غزنی میں نہ رہے۔ جلد ہی وہ ایک بار پھر غزنی سے نکلے۔ اس بار انہوں نے لاہور

Marfat.com

کارخ کیا۔ اس زمانے میں یہ شہر غزنوی سلطنت کا حصہ تھا مگر ابھی یہاں اسلام کی روشنی زیادہ نہ پھیلی تھی۔

وہ لاہور کیوں آئے؟ اس سوال کا جواب بہت سے تحقیق کاروں اور تذکرہ نگاروں نے دیا تھا۔ ان میں سے بعض کا کہنا ہے کہ مرشد نے ان کو لاہور جانے کی ہدایت کی تھی۔ اس اطلاع کا منبع حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے اقوال کو جمع کرنے والے امیر حسن سجزی ہیں۔ انہوں نے ''فوائد الفواد'' میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ ختلی نے اپنے ایک مرید شیخ حسین زنجانی کے کام کو جاری رکھنے کی خاطر سید علی ہجویریؒ کو لاہور جانے کو کہا تھا۔

یہ روایت درست ہوسکتی ہے۔ تاہم ''کشف المحجوب'' میں ایک اشارہ ملتا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ لاہور کا سفر انہوں نے رضا مندی اور باقاعدہ تیاری سے اختیار نہ کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا یہ ہے کہ وہ اس میں اس عالم میں پہنچے تھے کہ ان کی کتابیں بھی غزنی میں رہ گئی تھیں۔ اس بیان سے پروفیسر مسعود الحسن نے اپنی انگریزی کتاب ''داتا گنج بخش: ایک روحانی سوانح عمری'' میں یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ غزنی میں سید علی ہجویریؒ عشق مجازی میں مبتلا ہوئے تھے۔ یہ تجربہ خوش گوار نہ رہا تھا۔ اس کے تلخ اور منفی اثرات کو زائل کرنے کے لئے مرشد نے انہیں لاہور جانے کو کہا۔ چنانچہ وہ سلطان مسعود کے عہد میں ۱۰۳۴ء یا ۱۰۳۵ء میں لاہور آئے تھے، جہاں انہوں نے زندگی کے باقی دن گزارنے تھے۔

خیر، عشق مجازی کے اس واقعہ کا ذکر سید علی ہجویریؒ نے خود بھی کیا ہے۔ اپنی کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ ایک بار وہ دیکھے بغیر ہی، ایک پری صفت پر شیفتہ ہو گئے تھے۔ اصل میں انہوں نے اس خاتون کا ذکر دوسروں سے سنا تھا اور پھر وہ مسلسل ایک سال تک اس کی طلب میں رہے۔ یہاں تک کہ جذبے کی شدت سے ان کے قدم ڈگمگانے لگے تھے، لیکن ''اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال فضل سے پاکدامنی کو مجھ بے چارے کی پیشوائی کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت سے خلاصی عطا فرمائی۔''

یہ ذکر بس اتنا ہی ہے۔ اس سے تو یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ یہ حادثہ غزنی میں پیش آیا تھا یا لاہور میں کسی ''پری صفت'' کے ذکر نے ان کو متوجہ کیا تھا۔ بہر حال ایک بات طے ہے اور وہ یہ کہ صنف نازک کے بارے میں ان کی رائے اچھی نہ تھے۔ ''کشف المحجوب'' سے مندرجہ ذیل اقتباس دیکھئے:

> ''غرض یہ کہ فساد کا فتنہ سر آدمؑ پر جو آیا، اس کا سبب عورت تھی اور پہلا فساد جو دنیا میں ہوا، اس کا سبب بھی عورت تھی۔ یعنی فتنہ ہابیل وقابیل۔ یہ بھی عورت کی وجہ سے ہوا اور جب اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو عذاب دینا چاہا، اس کی بنا بھی عورت ہوئی اور ہماری اس دنیا میں آج تک دین ودنیا کے سب فسادوں کی باعث عورتیں ہی ہیں۔''

یہ رویہ سید علی ہجویریؒ کے صوفیانہ فکر کا حصہ بن گیا، لیکن جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے وہ زندگی کی خوبصورت چیزوں سے بے زار نہیں تھے۔ ہاں، مجھے یاد آیا کہ ''کشف المحجوب'' میں کم از کم ایک اور مقام پر بھی زندگی

Marfat.com

کی آسائشوں میں مگن ہونے کا ذکر ہے۔ صاف گو سید علی ہجویریؒ نے لکھا ہے کہ ایام شباب میں جب وہ عراق میں تھے تو وہ آسائشوں کو حاصل کرنے کے درپے ہو گئے تھے۔ بہر حال یہ پڑاؤ عارضی تھا اور جلد ہی انہوں نے اپنے آپ کو روحانی مقاصد کے لئے وقف کر دیا تھا۔

یہی مقاصد ان کو لاہور لے آئے تھے۔ اس زمانے میں، یعنی دوسرے ہزارے کے آغاز میں، اس علاقے پر اسلامی اثرات ابھی گہرے نہ ہوئے تھے۔ شہر کے باشندے اجنبی مسلم حکمرانوں سے فطری طور پر مغائرت رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی صورت حال میں ہمارے اس صوفی دانشور کو اپنے مقصد کے حصول میں کئی مشکلوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ تاہم ان کی کامیابی کے بارے میں شبہ محال ہے۔ کامیابیوں کی بنا پر ہی وہ ''داتا گنج بخش'' کہلاتے ہیں۔ یہ لقب ان کی روحانی اور مادی عظمت، مقبولیت اور عوام کی ان سے عقیدت کی نشاندہی کرتا ہے۔ روایت یہ ہے کہ اول اول خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ان کو یہ نام دیا تھا۔ مولوی نور احمد چشتی نے ''تحقیقات چشتی'' میں اس حوالے سے تفصیل درج کی ہے۔ بہر طور جہاں تک سید علی ہجویریؒ کی زندگی کے آخری برسوں اور وفات کا تعلق ہے، پرانے تذکروں میں بھی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ البتہ عموماً یہ مانا جاتا ہے کہ ان کی وفات پانچویں صدی ہجری کے نصف آخر میں ہوئی تھی۔

سید صاحبؒ کی زندگی میں مسلمانوں کی حکومت دور دراز تک پھیلی ہوئی تھی۔ مگر یہ عظیم الشان سلطنت سیاسی اور فکری وحدت کھو چکی تھی۔ ان کے بہت سے فرقے وجود میں آ چکے تھے اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ کسی اچھے سلوک پر مائل نہ تھے۔ فرقہ پرستی کے دوررس سیاسی، سماجی اور تہذیبی اثرات پیدا ہوئے تھے۔ یورپ کے مسلم مقبوضہ علاقے مرکز سے انحراف کر چکے تھے۔ مصر اور شام فاطمی سلطنت کے ماتحت تھے۔ غزنویوں کی سلطنت بھی پھیل رہی تھی۔ اس میں افغانستان، خراسان اور پنجاب کے علاقے شامل تھے۔ کچھ عرصے بعد سلجوق بھی تاریخ کے سٹیج پر نمایاں ہونے والے تھے۔ انہوں نے غزنویوں کو پیچھے دھکیلنا تھا۔ اس تمام زمانے میں خلافت کا مرکزی ادارہ مجہول اور بے بس دکھائی دیتا تھا۔

سید علی ہجویریؒ نے تبلیغی معاملات پر توجہ دی ہوگی اور لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف راغب کیا ہوگا۔ مگر ان کا ایک اور کارنامہ بھی ہے۔ اس کا تعلق ان کی فکری سرگرمیوں سے ہے۔ انہوں نے بہت کچھ لکھا تھا۔ ''کشف المحجوب'' کے اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تصانیف میں ایک شعری دیوان کے علاوہ کتاب فنا و بقا، بحر القلوب شرح کلام منصور، الرعایت بحقوق اللہ تعالیٰ، اسرار الخرق والمؤنات، کتاب البیان لاہل العیان اور منہاج الدین شامل تھیں۔ ان کے علاوہ ایمان اور اثبات اعتقاد و مشائخ کے موضوع پر انہوں نے ایک رسالہ بھی لکھا تھا مگر یہ تمام تحریریں ضائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے بعض کو مصنف کی زندگی میں ہی دوسرے لوگ لے اُڑے تھے اور انہوں نے اپنے نام سے ان کو پھیلا دیا تھا۔

بس ایک کتاب یعنی ''کشف المحجوب'' ہی ہم تک پہنچی ہے۔ علاوہ ازیں ''کشف الاسرار'' نامی ایک رسالہ

Marfat.com

بھی سید علی ہجویریؒ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں پیش کیے گئے خیالات کو ''کشف المحجوب'' کا خلاصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ تاہم دونوں تحریروں میں اختلافات بھی موجود ہیں اور انداز بیان بھی ایک جیسا نہیں۔ اس لئے سید علی ہجویریؒ کے تین ممتاز جدید نقادوں اور تذکرہ نگاروں، یعنی پروفیسر عبدالرشید، ڈاکٹر ظہور الدین احمد اور حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے رسالے کو غیر مستند ٹھہرایا ہے۔ دوسری طرف شریف کنجاہی اور نسیم جوہدری نے اس کو مستند مانا ہے۔ تاہم میں ان لوگوں کے ساتھ اتفاق کرنے کا میلان رکھتا ہوں جو ''کشف الاسرار'' کو مستند نہیں مانتے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس رسالے کا اسلوب سبک ہندی میں ہے جو سید علی ہجویریؒ کے بعد کے زمانے میں فروغ پذیر ہوا تھا۔ اس کے برخلاف ''کشف المحجوب'' کی نثر، دور اول، یعنی دور سامانیاں کی ہے۔

خیر، موجودہ صورت میں ''کشف المحجوب'' ہی سید علی ہجویریؒ کی واحد دستیاب تصنیف ہے۔ ہماری فکری و تہذیبی اور صوفیانہ تاریخ میں اس کتاب کو اہم مقام حاصل ہے۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ کتاب جنوبی ایشیا میں مسلم تصوف پر لکھی جانے والی پہلی کتاب ہے۔ مصنف نے اس میں اپنا صوفیانہ فکر پیش کیا ہے۔ تصوف کی تعریف طے کرنے کی کوشش کی ہے اور تصوف کے منابع، اس کی تاریخ اور صوفیوں کے مختلف گروہوں کے حالات وافکار بیان کئے گئے ہیں۔ بعض ممتاز صوفیوں کے حالات بھی اس نے درج کئے ہیں اور اپنے بارے میں کئی باتیں بتائی ہیں۔

دنیا کے مختلف کتب خانوں میں اس کتاب کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ مگر کتاب کے زمانہ تصنیف کو ذہن میں رکھا جائے، تو یہ نسخے زیادہ پرانے نہیں ہیں۔ چنانچہ وی آنا اور پیرس کے کتب خانوں میں پندرہویں صدی کے نسخے موجود ہیں۔ ۱۶۰۲ء کا ایک نسخہ سینٹ پیٹرس برگ میں ہے اور لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں اس کا قدیم ترین نسخہ ۱۶۱۰ء سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک اور معروف نسخہ بوڈلین نسخہ کہلاتا ہے۔ اس کو ۱۵۰۰ء سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ''کشف المحجوب'' کے ایک نسخے کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس کو ۱۲۶۶ء میں شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ نے لکھا تھا۔ یہ نسخہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم کے کتب خانے میں رہا ہے۔ ابھی چند سال پہلے یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ خود سید علی ہجویریؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ دستیاب ہوا ہے جو ان کے سابق مجاورین کے پاس محفوظ ہے۔ ڈاکٹر محمد باقر نے معائنے کے بعد اس نسخے کو غیر مستند قرار دیا۔

''کشف المحجوب'' کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ فارسی زبان میں لکھی جانے والی اس کتاب کے اردو اور انگریزی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ سید علی ہجویریؒ کے مزار کی طرح اس کتاب کی اولین طباعت کا اعزاز بھی لاہور کو حاصل ہے۔ یہاں، اول اول، یہ کتاب مطبع پنجابی سے ۱۸۷۴ء میں طبع ہوئی تھی۔ اس کے بعد پاکستان، بھارت، ایران، برطانیہ اور روس سے اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔

متحدہ ہندوستان کے صوفی دانشوروں نے ہمیشہ اس کتاب سے فیض حاصل کیا ہے۔ ان میں خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ اور شیخ شرف الدینؒ یحیٰ منیریؒ نمایاں ہیں۔ بہت سے معروف تذکرہ نگاروں نے اس کو ماخذ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس کتاب کے روسی مرتب پروفیسر ژوکوفسکی نے

Marfat.com

روسی ایڈیشن کے آغاز میں ایک طویل محققانہ دیباچہ شامل کیا ہے۔ روسی پروفیسر نے اپنے ایڈیشن کے دیباچے میں دیگر نقاط کے علاوہ ان کتب کی فہرست بھی درج کی ہے جن سے صاحب ''کشف المحجوب'' نے استفادہ کیا تھا۔ اس فہرست کی نمایاں کتب میں رسالہ القشیریہ، طبقات الصوفیا، تاریخ المشائخ، تاریخ اہل صفہ، کتاب مقدسی اور کتاب محبت وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ منصور حلاج کی تصانیف بھی ان کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔

مصنف نے خوداعتمادی کے ساتھ ''کشف المحجوب'' کا آغاز کیا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ کتاب کا یہ عنوان اس لئے چنا گیا کہ کتاب کے مندرجات کی ترجمانی اس کے عنوان سے ہو جائے۔ وہ لکھتا ہے کہ ''جس کی چشم باطن کھلی ہو، وہ جب کتاب کا نام سنتا ہے تو جان لیتا ہے کہ اس میں کیا کیا مضامین درج ہیں...... چونکہ یہ کتاب بیان راہ حق میں ہے اور کلمات تحقیق کی شرح اور کشف حجاب شریعت کے موجب ہیں، اس لئے ایسی کتاب کا نام اس کے سوا اور کوئی موزوں نہ تھا اور درحقیقت ''کشف المحجوب'' کے لئے ہلاکت ہے۔ جیسی کشف میں حجاب، یعنی جس طرح قرب متحمل بُعد میں ہوتا ہے، اس طرح بُعد متحمل قرب نہیں یا یوں سمجھنا چاہیے کہ جو کیڑا سرکہ میں پیدا ہوتا ہے، وہ جس چیز میں پڑے گا، مرجائے گا اور جو کیڑا دوسری چیزوں میں پیدا ہوا، وہ اگر سرکہ میں ڈالا جائے تو مرجائے گا۔''

اس تمہید کے بعد سید علی ہجویریؒ ہم کو بتاتے ہیں کہ انہوں نے یہ کتاب اپنے ایک رفیق ابوسعید ہجویریؒ کے بعض استفسارات کے جواب میں لکھی تھی۔ وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ ان کے زمانے میں لوگ مذہب سے بےزار ہو چکے تھے اور صوفیوں کی درگاہوں میں ایسے لوگ بیٹھ گئے تھے کہ جن کا تصوف اور علم سے کوئی حقیقی تعلق نہ تھا۔ اس کے بجائے انہوں نے مال و زر کی ہوس اور دوسروں پر برتری حاصل کرنے کی خاطر صوفیا کا لباس پہن لیا تھا۔ ''رب العزت نے ہمیں ایسے زمانہ میں پیدا فرمایا کہ اہالیان زمانہ حظوظ حرص و ہوا کو شریعت بنا بیٹھے اور طلب و جاہ اور ریاست وتکبر کو عزت وعلم سمجھا اور ریاکاری ونمائش کو خوف الٰہی قرار دیا اور بغض، حسد وکینہ کو حلم و بردباری بنا لیا۔ لڑائی جھگڑا، کمینہ پن کا نام عزت رکھ لیا...... ہذیان اور بکواس کا نام معرفت رکھ لیا۔''

اپنے عہد پر سید علی ہجویریؒ کے اس تبصرے سے دو باتوں کا علم ہوتا ہے۔ اول یہ کہ ان کے زمانے میں عام لوگوں کی اخلاقی اور سماجی حالت اچھی نہ تھی اور دوسری بات جو ہم جان پاتے ہیں، وہ یہ ہے کہ سید علی ہجویریؒ بہت حساس تھے۔ ایک جگہ تو وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں لوگوں کی ملامت کا نشانہ بننے کے لئے یہی کافی ہے کہ کوئی شخص ان کو مذہبی شعار ادا کرنے کی تلقین شروع کر دے۔

ایک اور بات بھی یہاں ذہن میں رکھنی چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے زمانے کے حالات اور گرد و پیش کی صورت حال پر مطمئن نہ ہونا مذہبی ذہن کا ایک اہم وصف ہوتا ہے۔ مذہبی افراد عموماً یہ سوچنے کا میلان رکھتے ہیں کہ گزرے ہوئے زمانے اچھے تھے اور ماضی کے لوگ ایماندار، نیک اور صالح ہوا کرتے تھے۔ جب کہ زمانہ حال میں لوگوں کے انداز بدل گئے ہیں۔ وہ مادی عیش وعشرت میں ڈوب گئے ہیں اور انہوں نے اعلیٰ اخلاقی اور مذہبی اقدار کو نظرانداز کر دیا ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا مذہبی شخص گزرا ہے جو اپنے زمانے سے خوش ہو۔

Marfat.com

خیر، سید علی ہجویریؒ کے پاس اپنے زمانے سے غیر مطمئن ہونے کا جواز موجود تھا۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے زمانے میں صوفیانہ انحراف پسندی اور آزاد خیالی کے رجحانات فروغ پا رہے تھے اور معاشرے میں اسلام کے نام پر بعض ایسے خیالات بھی جڑ پکڑ رہے تھے جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس لئے راسخ العقیدہ حلقوں میں تصوف سے بے زاری پیدا ہونے لگی تھی۔ بہت سے صوفیوں کو شک وشبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ پرانے خیال کے حلقوں میں منصور حلاج نئے اور باغیانہ خیالات کی تجسیم تھے۔

''کشف المحجوب'' کے بعض اندراجات ہم کو جتلاتے ہیں کہ اس زمانے کے کئی مہم باز نوجوانوں کی طرح سید علی ہجویریؒ بھی شباب کے دنوں میں منصور حلاج کے مداح رہے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے منصور حلاج کی شاعری کی شرح لکھی تھی اور اپنی ایک تصنیف ''منہاج الدین'' (جو گردش لیل ونہار کی نذر ہو چکی ہے) میں اس کے احوال قلم بند کئے تھے۔ گمان ہے کہ سید علی ہجویریؒ نے اپنی جس تصنیف ''کتاب فنا وبقا'' کا ''کشف المحجوب'' میں ذکر کیا ہے، وہ بھی منصور ہی کے خیالات کے بارے میں ہوگی۔ منصور کی روحانی شخصیت کے اثرات ''کشف المحجوب'' میں بھی محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ اس کتاب میں عزت واحترام کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے اور یہاں تک کہ اس پر کئے جانے والے بعض اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

بزرگ سید علی ہجویریؒ نے منصور کا دفاع کرتے ہوئے اس کو ''سرمستان بادہ وحدت اور مشتاق جمال احدیت'' ٹھہرایا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے اساتذہ کے زمانے کے لوگ منصور کو ولی اور عارف کامل مانتے تھے۔ منصور کے دفاع میں شبلی کا یہ قول بھی ہم کو اس کتاب میں ملتا ہے کہ:

> ''میں اور منصور حلاج ایک ہی طریق پر ہیں۔ مگر مجھے میرے دیوانہ پن نے آزاد کر دیا اور حسین منصور حلاج کو اس کی عقل مندی نے ہلاک کروا دیا۔''

اس کے بعد ہم کو بتایا جاتا ہے کہ بعض لوگ منصور حلاج پر اس لئے نکتہ چینی کرتے ہیں کہ ان کے بعض جملوں سے امتزاج اور اتحاد مذاہب کا مفہوم نکلتا ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مذاہب سچائی کی راہ پر لے جانے والے ہیں۔ سید علی ہجویریؒ کے نزدیک یہ اعتراض حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ محض عبارت پر ہے۔ نکتہ چینوں نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا ہے کہ غلبہ حال میں صوفی اس قدر مغلوب ہوتا ہے کہ اس کو ادائے عبارت پر اختیار نہیں رہتا۔ چنانچہ اہل نظر نے ہمیشہ منصور حلاج کی بڑائی کا اعتراف کیا ہے اور ان کے کمال فضل، صفائی حال اور کثرت اجتہاد و ریاضت کو تسلیم کیا ہے۔ اس باب میں سید علی ہجویریؒ نے اپنے خیالات یوں بیان کئے ہیں:

> ''حضرت حسین بن منصور حلاجؒ اپنی مدت العمر میں لباس صلاحیت کے ساتھ مزین رہے۔ نماز کے پابند، ذکر ومناجات میں لیل ونہار گزارنے والے، روزہ کے پابند اور آپ کی حمد نہایت مہذب تھی اور توحید میں نہایت لطیف نکتہ بیان فرماتے تھے۔ اگر وہ جادو کا کام کرنے والے

ہوتے تو صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور ذکر اذکار میں سرگرمی ان سے محال تھی۔ تو صحیح طور پر یہ ثابت ہوا کہ ان سے جو امور خارق عادات ظہور میں آئے، وہ کرامت تھی اور کرامت بن سوائے ولی کے نہیں ہوسکتی۔"

لیجئے، یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ سید علی ہجویریؒ نے ایک باغی کو آخر کار ولی کا درجہ دے دیا ہے اور راسخ الاعتقادی کے حلقوں میں ان کے لئے قابل احترام گنجائش پیدا کردی ہے، لیکن ابھی ہم دیکھیں گے کہ منصور حلاج کو ولی مانتے ہوئے سید علی ہجویریؒ کو بعض شرائط رکھنی پڑی تھیں۔ بات یہ ہے کہ خود سید علی ہجویریؒ کا تعلق حضرت جنید بغدادیؒ کے مکتبہ فکر سے تھا اور یہ وہ مکتبہ فکر تھا جو اسلامی تقاضوں سے صوفیوں کے واضح انحراف کی راہ روکنے کے لئے وجود میں آیا تھا، لیکن حلاج کی شخصیت اس قدر پُرکشش، پُراسرار اور متاثر کن تھی کہ اس کے اثرات سے دامن کو بچائے رکھنا دشوار ہوگیا تھا۔ خاص طور پر نوجوان اس کی طرف کھنچے چلے جاتے تھے۔ سید علی ہجویریؒ پر بھی اس کی شخصیت کا جادو چل گیا تھا، لیکن جہاں تک حلاجی فکر کا تعلق ہے سید علی ہجویریؒ اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ چنانچہ حلاج کا دفاع کرنے اور اس کو ولی ٹھہرانے کے باوجود سید علی ہجویریؒ کو مندرجہ ذیل وضاحت کرنی پڑتی تھی:

"اس امر کا خیال رہے کہ اس قسم کے مغلوب الحال صوفیوں کے کلام کا ہرگز اتباع نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ وہ اپنے حال میں اس قدر مغلوب ہوتے ہیں کہ ان میں استقامت قطعی نہیں ہوتی اور صوفیائے کرام میں ان کی پیروی کرنی چاہیے جو صاحب استقامت ہیں۔ میں حضرت حسین بن منصور حلاجؒ کو بحمد اللہ تعالیٰ اپنے دل میں عزیز رکھتا ہوں اور ان کی عظمت میرے دل میں ہے لیکن یہ یقینی بات ہے کہ ان کی حالت مستقیم نہ تھی۔ بلکہ وہ طریقت میں مغلوک الحال تھے اور ہر مغلوک الحال کا کلام فتنہ سے خالی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حسین بن منصور حلاجؒ کے کلام سے بہت زیادہ خوف فتنہ ہے۔ بلکہ میرے ساتھ بھی ابتدائے زمانہ میں ایسی کیفیت گزر چکی ہے۔"

یہ باتیں صاف بتادیتی ہیں کہ وہ حلاجؒ جیسے روحانی باغی کے بارے میں تذبذب کا شکار ہیں۔ وہ اس میں کشش محسوس کرتے ہیں۔ اس کی عظمت کو مانتے ہیں اور ساتھ ہی ان کو یہ خیال بھی آتا ہے کہ حلاج کے بہت سے معاملات اور کلمات قابل گرفت ہیں۔ ان سے فاصلہ ضروری ہے۔

اچھا، یہ معاملہ صرف حلاج کا نہیں۔ دوسرے بعض باغیوں کے بارے میں بھی سید علی ہجویریؒ کے دل و ذہن میں کشمکش رہی ہے اور اس کی سیدھی سی وجہ یہ ہے کہ وہ خود بعض ایسے خیالات کی طرف رجحان رکھتے تھے جن کو ابھی پرانے خیال کے حلقوں میں پذیرائی نہ ملی تھی۔ سید علی ہجویریؒ ان کی کشش محسوس کرتے تھے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی

Marfat.com

جانتے تھے کہ ان کے زمانے کے پنجاب میں ان خیالات کو کھلے طور پر قبول کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ لہٰذا وہ تاویلات میں پناہ ڈھونڈتے تھے۔

اس نکتے کی وضاحت کے لئے ایک اور باغی فرقے کی مثال لیں۔ ہماری مراد ملامتیہ فرقے سے ہے جس کا سید علی ہجویریؒ کے زمانے میں خاصا چرچا تھا۔

''کشف المحجوب'' میں اس فرقے کے بارے میں ایک دلچسپ باب موجود ہے۔ اس باب میں مصنف نے اہل ملامت کے مؤقف کا دفاع کیا ہے۔ وہ ملامت کی اس مقبول عام توجیہ کو قبول کرتے ہیں کہ اہل ملامت عوام الناس سے اپنی حقیقت کو پوشیدہ رکھنے کی خاطر ایسے سوانگ رچاتے ہیں کہ جن کی وجہ سے لوگ ان کو اچھا نہ جانیں اور ان سے دور رہیں۔ اس نکتے پر بحث سے وہ نتیجہ یہ اخذ کرتے ہیں کہ ''جسے اللہ پسند فرماتا ہے، اس کو عوام پسند نہیں کرتے اور جسے اپنا وجود پسند آیا، اللہ اسے پسند نہیں کرتا۔''

''کشف المحجوب'' میں ملامت کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ یعنی راست روی، قصد کرنا اور ترک کرنا۔

راست روی میں ملامت کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص دوسروں کی پرواہ کئے بغیر دینی احکامات کی پیروی کرتا رہے۔ لوگ اس کی روش کو طعن وطنز کا نشانہ بنائیں اور اس کی ملامت کریں، لیکن وہ بے نیاز رہے اور اپنے رب کی پسندیدگی پانے کے لئے اپنی راہ پر چلتا رہے۔

قصد میں ملامت کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو بظاہر معاشرے میں عزت واحترام کا مقام حاصل ہو۔ دوسرے لوگ اس کی خوبیوں کے قائل ہوں۔ اس کے گن گاتے ہوں، لیکن وہ خود دل ہی دل میں رجوع خلق سے متنفر ہو اور دوسروں سے ملنے والے عزت واحترام پر خوش نہ ہو۔ یوں خود کو دوسروں سے الگ کر کے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری کی طرف متوجہ ہو جائے۔ تب لوگ اس پر ملامت کرنے لگیں۔

ملامت کی تیسری، یعنی ترک کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کا گریبان کفر وضلالت طبعی سے یہاں تک بگڑے کہ وہ ترک شریعت اور انکار متابعت قانون اسلام کی تبلیغ کرنے لگے اور دعویٰ یہ کرے کہ اصل میں یہ طریقہ ملامت ہے جو میں نے اختیار کیا ہے۔

سید علی ہجویریؒ نے پہلی دو صورتوں کو پسندیدہ بتایا ہے، لیکن تیسری صورت کو انہوں نے ''صراحتاً گمراہی اور وضاحتاً آفت اور ہوس کاذب'' قرار دیا ہے۔ خود ان کی اپنی زندگی میں بھی کم از کم ایک ایسا واقعہ پیش آیا تھا جو ملامت کے وسیلہ سعادت ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ چاہتا میں یہ تھا کہ اس واقعہ کو بیان کئے بغیر آگے بڑھ جاؤں، لیکن یہ موضوع زیر بحث ہے اور واقعہ دلچسپ بھی ہے۔ اس لئے سن لیجئے۔ تمہید اس کی یہ ہے کہ سید علی ہجویریؒ ایک بار کسی ذہنی مسئلے سے دوچار تھے اور وہ کوشش کے باوجود حل ہی نہ ہو رہا تھا۔ پھر کیا ہوا؟ وہ خود ہم کو بتاتے ہیں کہ:

Marfat.com

''اس دفعہ بھی وہاں کا قصد کیا اور تین بار مزار پاک کی مجاورت کی تا کہ حل ہو، مگر نہ ہوا۔ ہر روز غسل کیئے۔ تیس بار وضو کیئے اور امید کشف میں رہا، مگر بالکل انکشاف نہ ہوا۔ آخر اٹھا اور خراسان کا سفر اختیار کیا۔ اس شہر میں ایک شب اس علاقہ کے ایک گاؤں کمس نامی میں اترا۔ یہاں ایک خانقاہ تھی اور اس خانقاہ پر جماعت متصوفین موجود تھی۔ میں نے ٹاٹ کا گرتہ پہنا ہوا تھا اور نہایت تھکا ہوا تھا۔ میرے پاس سامان اہل رسم میں سوائے ایک عصا اور رکوہ کے یعنی ایک ہاتھ کی لکڑی اور چمڑے کے لوٹے کے سوا سامان نہ تھا۔

وہاں کے صوفیوں کی نظر میں بہت حقیر نظر آیا اور میرا جاننے والا اس جماعت میں کوئی نہ تھا۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر عام رسم کے مطابق آپس میں گفتگو کی کہ یہ شخص ہم میں سے نہیں ہے اور بات بھی یہی تھی جو انہوں نے کہی تھی۔ میں فی الواقعہ ان میں سے نہیں تھا۔ لیکن میرے لئے لابدی تھا کہ اس شب اسی جگہ رہوں۔ مجھے انہوں نے ایک بالا خانہ پر بٹھا دیا اور خود اس سے اونچے بالا خانے پر بیٹھ گئے۔

مجھ کو انہوں نے ایک روٹی پھینک دی جو باسی ہو کر سبز رنگ کی ہو چکی تھی۔ (میں) اس کھانے کی بو سونگھ رہا تھا جو وہ کھا رہے تھے اور میرے ساتھ طنزاً باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ بالا خانے پر جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو خربوزہ کھانے لگے اور اس کے چھلکے میرے اوپر پھینکتے رہے۔ اس لئے کہ میں ان کی نظروں میں بہت حقیر تھا۔ آخر میں نے اپنے دل میں کہا: الٰہی! اگر یہ وہ لوگ ہیں جو تیرے دوست ہیں تو جامہ دوست انہیں کیوں مل گیا یا مجھے ان سے علیحدہ نہ کیا ہوتا۔ غرض کہ جس قدر ان کی طعن مجھ پر زیادہ ہو جاتی تھی۔ میرا دل اندر سے بہت خوش ہو رہا تھا۔ حتیٰ کہ ان کی طعن و طنز کے بوجھ سے میرا مسئلہ حل ہو گیا۔''

یہ اقتباس اور اس سے پہلے کی بحث غالباً ہم کو یہ باور کرواسکتی ہے کہ اگر چہ سید علی ہجویریؒ بنیادی طور پر اس اعتدال پسند مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے جو حلاجی المیے کے بعد ہونے والی صورت حال سے عہدہ برا ہونے کے لئے ظہور پذیر ہوا تھا۔ تاہم سید علی ہجویریؒ کے ذہنی رویوں میں صوفیانہ انحراف پسندی اور آزاد خیالی کے عناصر موجود تھے۔ خیر، ان کے فکری نظام کی بنیادی خصوصیت شریعت اور طریقت میں ہم آہنگی پیدا کرنا ہے کیونکہ یہ ہم آہنگی ہی صوفیانہ اعتدال پسندی کا تقاضا تھی۔ مسلم تصوف کی دنیا میں دوسری تہذیبوں سے باغیانہ خیالات آ رہے تھے۔ انہوں نے اس ہم آہنگی کو ضعف پہنچایا تھا۔ سید علی ہجویریؒ نے ہم آہنگی کے لئے یہ سیدھا سادا اور واضح اصول طے کیا کہ شریعت اور طریقت دونوں یکساں اہمیت کی حامل ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے متصادم نہیں، بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل کا وسیلہ

Marfat.com

ہیں۔ اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ ''شریعت بغیر مغز حقیقت ریا کاری ہے اور حقیقت بھی بغیر امتزاج شریعت کے منافقت ہے۔ لہٰذا معرفت بغیر علم شریعت کے قبول کئے درست نہیں ہوسکتی اور شریعت پر عمل بغیر مقامات رسی کے پورا نہ ہو پائے گا۔ جو علم معرفت سے محروم ہے اس کے قلب پر جہل کی موت طاری ہے اور جسے علم شریعت نہیں، اس کا قلب مرض نادانی میں گرفتار ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ فرد کی روحانی ذات کی تکمیل کے لئے ظاہر و باطن کے درمیان جدلیاتی اضافت ضروری ہے۔ انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنے سے فرد کی روحانی ذات اپنے امکانات کی تکمیل میں ناکام رہے گی۔ سید علی ہجویریؒ کہتے ہیں کہ '' ظاہر بغیر امتزاج باطن کے منافقت ہے اور باطن بغیر شمول ظاہر کے زندقہ ہے۔''

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ سید علی ہجویریؒ شریعت اور طریقت کو نیز ظاہر اور باطن کو ایک جیسی اہمیت دے رہے ہیں۔ گویا وہ ان دونوں کو الگ الگ رکھ رہے ہیں اور راسخ الاعتقاد دانش وروں کی طرح ان کی تقسیم کو بے معنی نہیں سمجھتے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ شریعت اور طریقت کے الگ الگ وجود کو مانتے ہوئے ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے۔ اس نظریاتی مؤقف سے ایسے نتائج اخذ ہوتے ہیں جو ہمارے ممدوح کو بنیاد پرستوں سے الگ کر دیتے ہیں۔

سید علی ہجویریؒ کے فکری نظام میں فنا کے تصور کو خاص مقام حاصل ہے۔ گیارہویں صدی عیسوی کے دیگر صوفی دانشوروں کی طرح انہوں نے بھی اس کو صوفیانہ مابعد الطبیعات کا اہم مسئلہ جانا ہے۔ تصوف کی دنیا میں یہ تصور زیادہ تر ہندو اور بدھ اثرات کے تحت پیدا ہوا تھا۔ خود سید علی ہجویریؒ کا تصور فنا ان کو ویدانتی وحدت الوجود کے قریب لے آتا ہے، مگر ان کو وحدت الوجودی خیال نہیں کرنا چاہئے۔ وہ شخصی اور ماورائی خدا میں یقین رکھتے ہیں اور فنا کو مقصود بالذات تسلیم نہیں کرتے۔ وہ واضح طور پر مانتے ہیں کہ خالق اور مخلوق کے درمیان حد فاصل قائم رہتی ہے اور وہ ناقابل عبور ہے۔ لہٰذا خالق اور مخلوق، بندے اور خدا کی وحدت محال ہے۔

یہ نقطہ نظر ہمارے صوفی دانشور کو راسخ العقیدہ صوفیانہ تعلیمات کے قریب لے آتا ہے، مگر یہ قرب عارضی ہے۔ جونہی وہ مذہب کے خارجی اظہار کی صورتوں کا ذکر کرتے ہیں، پرانے خیال سے ان کے فاصلے نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سید علی ہجویریؒ مذہبی رسوم کی ادائیگی کے روایتی طریقہ کار کے پرانے تصور کو پوری طرح قبول نہیں کرتے۔ انہوں نے حج بیت اللہ کے بارے میں جو رائے درج کی ہے، وہ تصوف کے غلبے کی یاد دلاتی ہے۔ وہ محمد بن فضل اللہ کے اس قول کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ خارجی دنیا میں خدا کا گھر تلاش کرنے کے بجائے فرد کو اپنے باطن میں اس کا مقام ڈھونڈنا چاہئے۔ سید علی ہجویریؒ کی توجیہ یہ ہے کہ ''جب بندہ مکاشف ہوگا تو ساری دنیا اس کے لئے حرم بن جائے گی اور جب بندہ محجوب ہو تو خود حرم میں بھی اس کے لئے سارے جہاں سے زیادہ تاریک اور موہوم ہو جائے گا۔ نور دوست کی رفاقت اور تاریکی دوست کی جدائی سے عبارت ہے۔''

بنیاد پرستی سے سید علی ہجویریؒ کا تضاد فنون لطیفہ کے بارے میں ان کے نقطہ نظر سے اجاگر ہو جاتا ہے۔ اس موضوع پر ان کے خیالات نفیس اور تہذیب افزا ہیں۔ وہ نسل انسانی کے جمالیاتی اور ثقافتی ورثے کے دفاع میں کہتے ہیں کہ فنون لطیفہ پر اسلام نے جو پابندیاں عائد کیں، اصل میں ان کا اطلاق صرف عہد جاہلیت کے فنون تک مقصود تھا۔ شاعری کے دفاع میں لکھتے ہیں کہ شعر سننا مباح ہے۔ نثر میں جس کلام کا سننا جائز ہے، نظم میں اس کی تشکیل ناجائز نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح انہوں نے موسیقی کا دفاع بھی کیا ہے۔ وہ ہم کو یاد دلاتے ہیں کہ موسیقی ایسی شے ہے جس سے نہ صرف انسان، بلکہ حیوان بھی لطف اٹھاتے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے حضرت ابراہیمؒ خواص کی ایک دلچسپ حکایت بیان کی ہے:

''حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں عرب کے ایک قبیلہ میں گیا اور ایک امیر کے مہمان خانہ میں اترا۔ میں نے وہاں ایک حبشی دیکھا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا دھوپ میں تھا۔ اس پر خیمہ لگا ہوا تھا۔ مجھے اس پر رحم آیا۔ میں نے اس کی سفارش کے لئے خیال کیا۔ پھر جب کھانا آیا تو امیر بھی خود مہمانوں کی تعظیم کے لئے آیا تاکہ اپنے سامنے سب کو کھانا کھلائے۔ جب میرے سامنے کھانا آیا، میں نے کھانے سے انکار کر دیا اور عرب میں اس سے زیادہ کوئی چیز معیوب نہیں سمجھی جاتی کہ مہمان کھانا نہ کھائے۔ چنانچہ امیر خود میرے پاس آیا اور کھانا نہ کھانے کی وجہ دریافت کی۔ میں نے اسے کہا، مجھے تیری مہربانی سے بہت امید ہے۔ امیر نے کہا آپ کو میری تمام ملک میں تصرف کا حق ہے، لیکن کھانا کھالو۔ میں نے جواب یا کہ مجھے تیری ملک کی ضرورت نہیں۔ میری صرف یہ خواہش ہے کہ یہ غلام جو پابہ جولان ہے، مجھے دے دیا جائے اور بس۔ اس نے کہا کہ مجھے اس میں کوئی عذر نہیں، لیکن اول اس کا قصور معلوم کر لیجئے۔ پھر جیسے آپ چاہیں، وہ کریں۔

میں نے پوچھا تو امیر نے کہا۔ یہ میرا غلام ہے اور نہایت خوش الحان ہے۔ میں نے اسے چند اونٹ دیئے تاکہ یہ کھیتوں میں جا کر دانہ وغیرہ لے آئے۔ اس نے ایک ایک پر دو دو اونٹوں کا بار لادا اور راستہ میں گاتا ہوا آیا۔ جس سے اونٹ مست ہو گئے اور دوڑتے ہوئے واپس آئے اور جتنا بوجھ لادنا تھا، اس سے دو چند بوجھ لے آئے۔ جب ان سے بوجھ اتارا گیا تو وہ ایک ایک دو دو کر کے مر گئے۔

ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر تعجب ہوا۔ میں نے کہا کہ مجھے اس بات پر دلیل کی ضرورت ہے کہ اتنے میں چند اونٹ گھاٹ پر آئے کہ پانی پئیں۔ امیر نے ان اونٹوں کے آدمیوں سے پوچھا کہ یہ کتنے روز سے پیاسے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تین چار روز سے

Marfat.com

پیاسے ہیں۔ امیر نے اس غلام کو کہا کہ اب تو گا کر ان اونٹوں کو مست کر۔ اس نے گانا شروع کیا اور اونٹ اس کی آواز سن کر پانی پینا بھول گئے۔ کسی نے پانی کی طرف رخ نہ کیا اور دیوانہ وار جنگل کی طرف بھاگے اور پراگندہ ہو گئے۔ اس کے بعد امیر نے غلام کو آزاد کر کے مجھے بخش دیا۔''

سید علی ہجویریؒ کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ انہوں نے جنوبی ایشیا کے اس حصے میں تخلیقی صوفیانہ فکر کی بنیاد رکھی۔ ان کے بعد اس خطے کے مسلم اثرات کے علاقوں میں چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ مکاتب فکر کو فروغ حاصل ہوا۔ ان میں سے اول الذکر، یعنی چشتیہ مکتبہ فکر، اپنے فکری رجحانات کے اعتبار سے سید علی ہجویریؒ کی تعلیمات سے بہت قریب تھا۔ یہاں تک کہ فکری اور ثقافتی اعتبار سے، ہم اس کو سید علی ہجویریؒ کی روایت کا تسلسل قرار دے سکتے ہیں۔

(در: معاصر انٹرنیشنل (لاہور)' جولائی ۲۰۰۵ء' ص ۵۷۔۷۳)

☆......☆......☆

Marfat.com

محمد نصیب

کشف وکرامات

حضرت داتا گنج بخشؒ

فارسی نظم میں داتا صاحبؒ کا شجرہ طریقت

علی ہجویریؒ آں پیر ولایت — زدستِ شیخ ابو الفضلؒ ہدایت
ابو الفضلؒ از علی حصریؒ گرفتہ — بدست خدمت اسرار نہفتہ
علی حصریؒ بوئے اسرارِ کلی — رسید از خدمت بوبکر شبلیؒ
بہ شبلیؒ از جنیدؒ آمد عطائے — کہ در عالم شدہ او رہنمائے
جنیدؒ از سری سقطیؒ بپوشید — لباس پارسائی راچہ خوش دید
سری سقطیؒ از معروفؒ خرقہ — بہ بر پوشید و شُد والی خرقہ
شد معروفؒ از داوٗد طائیؒ — چراغ خانقاہ پارسائی
بہ داوٗد از حبیبؒ آں فتحیاب است — حبیبؒ آں کہ از حسنؒ کامیاب است
حسن بصریؒ مرید مرتضیٰؒ بُود
علیؓ را پیر کامل مصطفیٰؐ بود

حیات طیبہ

حمد وثنا از حضرت داتا گنج بخشؒ

میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے اور شروع کرتا ہوں اس کام کو اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔ اے پروردگار! اپنی بارگاہ سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں ہمیں سیدھے راستے پر گامزن فرما۔

سب صفات اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے اولیا کرام پر اپنے نظام سلطنت کے امور منکشف

Marfat.com

فرمائے اور اپنے برگزیدہ بندوں پر اپنی قوت و جبروت کے راز واضح کئے۔ اپنی شمشیر جلالی و بے نیازی سے اپنے محبوبوں کے سینے چاک کئے اور ان عارفانِ کامل کو اپنے وصلی تقرب کا ذائقہ چکھایا۔ وہی اپنی حیات ابدی سے اور نورِ کبریائی سے مردہ دلوں کو زندہ کرنے والا اور اپنے اسماءِ مبارک کی حقیقی معرفت کی خوشبو سے انہیں مالا مال کرنے والا ہے۔ اس کی رحمت اور سلامتی کا نزول ہو اس کے رسول محمد ﷺ پر، ان کی آل پر، ان کے اصحاب پر، ان کی ازواجِ مطہرات پر۔ آمین!

مندرجہ بالا حمد وثنا کے بعد مخدوم اولیاء سلطان الاصفیا ومظہرِ نور خدا، سید مخدوم علی ہجویری حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''کشف المحجوب'' کا آغاز کیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مصنف کتاب ''کشف وکرامات حضرت داتا گنج بخشؒ'' کو یہ توفیق بخشی ہے کہ وہ اس کتاب کا آغاز داتا صاحبؒ کی اسی حمد وثنا سے کرے تا کہ گنج بخش فیض عالمؒ کی فیوض و برکات، تجلیات وانوار ورشد وہدایات شامل حال رہیں اور رب العزت جو رحمٰن ورحیم ہے' اپنے سایہ عاطف میں رکھے۔ آمین!

پیدائش مبارک حضرت داتا گنج بخشؒ سلطان محمود غزنوی کے دورحکومت میں ہوئی

سلطان العارفین سالکِ طریقت وحقیقت سید مخدوم علی ہجویری حضرت داتا گنج بخشؒ کی پیدائش مبارک غزنی کے محلّہ ہجویر میں ۴۰۰ھ میں ہوئی۔ یہ سلطان محمود غزنوی کا عہد حکومت تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا تعلق محلّہ ہجویر سے تھا اور آپ کے والد گرامی غزنی کے محلّہ جلاب کے رہنے والے تھے۔ والدین نے آپؒ کا اسم مبارک مخدوم علی رکھا۔ آپ کے والد گرامی عثمان کے نام سے یاد کئے جاتے تھے اور دادا بزرگوار علی کہلاتے تھے۔ آپؒ کی والدہ ماجدہ نہایت نیک سیرت اور صاحب علم خاتون تھیں۔ آپ کے والد بزرگوار عثمان جلابیؒ ایک درویش تھے جو پارسائی میں شہرتِ خاص رکھتے تھے اور بڑی عزت وتکریم کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کا خاندان زہد وتقویٰ اور علمی فضیلت میں ممتاز تھا۔ حضرت شیخ تاج الاولیاء رشتہ میں آپ کے ماموں تھے۔ جس محلے میں ان کا مزار تھا وہ بھی اسی نام سے مشہور ومعروف ہوا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے والدین کی آخری آرام گاہیں اسی قبرستان میں ہیں جن کی زیارت گیارہویں صدی ہجری میں شہزادہ داراشکوہ[1] (۱۰۶۹ھ) نے کی تھی۔ ایک اہم شہادت[2] سے معلوم ہوا ہے کہ ان کی اب بھی نشاندہی ہوتی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر گامزن تھے۔ آپ نے ''کشف المحجوب'' میں تحریر فرمایا ہے کہ حضور نبی کریمؐ نے آپ کو خواب میں فرمایا تھا کہ ابوحنیفہؒ کو خداوند قدوس نے میری سنت کو زندہ وتابندہ رکھنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ صوفیا کرام کا پہلا اور معتبر تذکرہ جس میں حضرت داتا گنج بخشؒ کا باقاعدہ ذکر آیا ہے، ملا نورالدین جامی کا ''نفحات الانس'' ہے جو ۸۸۳ھ/ ۱۴۷۸ء کی تالیف ہے۔ اس میں نام، کنیت اور وطن تو لکھا ہے مگر ولادت اور وفات کا ذکر نہیں آیا۔ ابوالفضل ختلیؒ کا جو آپ کے پیرومرشد تھے و دیگر متعدد مشائخ سے استفادہ کرنے کا

Marfat.com

حال بیان ہے۔ نیز یہ کہ وہ ''کشف المحجوب'' کے مصنف ہیں جو تصوف کی مشہور اور معتبر کتابوں میں سے ہے۔ دوسرا حوالہ ''آئین اکبری'' جلد نمبر ۳ میں آتا ہے کہ جس میں پاکستان و ہند کے اڑتالیس منتخب اولیاء کرام کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کا نام و نسب بتا کر آپؒ کے علم و عرفان اور تصنیف ''کشف المحجوب'' کی ستائش کی گئی ہے۔ ''آئینِ اکبری'' کے چار سال بعد لعل بیگ بخشی نے ''ثمرات القدس'' تالیف کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ لعل بیگ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے حالاتِ زندگی زیادہ ''کشف المحجوب'' سے ہی لئے ہیں۔ شہزادہ داراشکوہ نے مشہور و معروف تذکرہ ''سفینۃ الاولیاء'' جو ۱۰۴۹ھ/ ۱۶۳۹ء میں مرتب کیا تھا۔ اس تذکرہ میں وہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے علم و تقویٰ، طولانی سیر و سیاحت اور آپؒ کی کتاب ''کشف المحجوب'' کا بہت مداح ہے۔ لکھتا ہے کہ یہ کامل ہدایت کی کتاب ہے اور اعتراف کیا ہے کہ تصوف کی کتابوں میں ایسی گراں قدر کتاب فارسی میں کبھی نہیں لکھی گئی۔ شہزادہ داراشکوہ کی یہ روایت[۳] کہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے غزنی میں مسجد بنوائی اور اس کی سمت قبلہ پر اعتراض سن کر لوگوں کو ازراہِ کرامت کعبۃ اللہ کا مشاہدہ کروایا۔ مقامی روایات میں لاہور[۴] سے منسوب کی جاتی ہے۔ سال وفات ۴۵۶ھ اور بہ روایات دیگر ۴۶۴ھ بیان کیا ہے۔ نہایت عقیدت و احترام سے تحریر کیا ہے کہ ان کے خوارق و کرامات کی کوئی انتہا نہیں اور لاہور میں وفات کے بعد یہیں دفن ہوئے تو شہر کے سبھی باشندے ان کے فیوض و برکات کے معتقد ہوتے گئے۔ ہر جمعرات و جمعہ کو مزار پُرانوار کی زیارت عوام و خواص کا ایک مقدس فریضہ ہوتا گیا اور ہر کس و ناکس کی دلی مرادیں پوری ہوتیں۔ داراشکوہ لکھتا ہے کہ فقیر بھی لاہور میں ان کے روضہ منورہ اور غزنی میں ان کے ماموں اور والدین کے مقابر کی زیارت سے مشرف ہوا ہے۔ تذکروں کے خاص مآخذ ''نفحات الانس'' اور ''سفینۃ الاولیاء'' ہی ہیں۔ ان دونوں میں سوانح حیات بہت مختصر لکھے گئے ہیں۔ لامحالہ ہمیں اصل سرچشمہ یعنی ''کشف المحجوب'' کی جانب رجوع کرنے سے تسکین قلب حاصل کرنا چاہیے۔

شجرۂ نسب

آپؒ کا شجرہ نسب نو واسطوں سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے جو حسب ذیل ہے:

حضرت سید علی ہجویری بن حضرت عثمان بن حضرت سید علی بن حضرت سید عبدالرحمٰن بن حضرت سید شاہ شجاع بن سید ابوالحسن علی بن حضرت سید حسین اصغر بن حضرت سید زید بن حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شجرہ طریقت

حضرت داتا گنج بخشؒ سلسلہ طریقت جنیدیہ میں بیعت تھے اور آپ کا شجرہ طریقت گیارہ واسطوں سے

Marfat.com

رحمتہ للعالمین، سید المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ تک پہنچتا ہے جو اس طرح مرقوم ہے:

حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنے مرشد شیخ ابو الفضل سے، انہوں نے محمد بن الحسن ختلی سے، انہوں نے حضرت شیخ حصریؒ سے، انہوں نے حضرت شیخ ابو بکر شبلیؒ سے، انہوں نے حضرت شیخ جنید بغدادیؒ سے، انہوں نے حضرت شیخ سری سقطی سے، انہوں نے حضرت شیخ معروف کرخی سے، انہوں نے حضرت شیخ داؤد طائیؒ سے، انہوں نے حضرت شیخ حبیب عجمیؒ سے، انہوں نے حضرت شیخ حسن بصریؒ سے، انہوں نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے آنحضور سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

آپؒ کے پیر و مرشد سلسلہ جنیدیہ سے منسلک تھے۔ ''کشف المحجوب'' میں اپنے پیر و مرشد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ میرے پیر و مرشد بہت بڑے عالم تھے۔ تفسیر و روایات میں لاثانی تھے۔ وہ اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے۔ صوفیانہ رسم ولباس کے پابند نہ تھے اور بڑی جلیل القدر شخصیت کے مالک تھے۔ وہ اپنے مریدوں کو کم گوئی اور کم خوابی کی بہت تلقین کرتے تھے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ اپنے پیر کی نسبت فرماتے ہیں کہ ایک دن میں ان کے ہاتھ دھلا رہا تھا۔ دفعتاً یہ خیال آیا کہ جب سب کام تقدیر اور قسمت پر منحصر ہیں تو کیوں ہم لوگ اپنے آپ کو غلام بنا کر پیروں کی خدمت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے بیٹا! جو کچھ تمہارے دل میں گزرا ہے مجھے سب کچھ معلوم ہے مگر ہر حکم کے لئے ایک سبب ہوا کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی کو تاج وتخت سپرد کر دے تو اس میں پہلے اس کے سنبھالنے کی توفیق بھی پیدا کر دیتا ہے اور وہی خلافت اس کی بزرگی کا سبب بن جاتی ہے۔ اس واقعہ سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے پیر و مرشد اپنے وقت کے ایک بلند پایہ ولی اللہ تھے جن سے بسا اوقات کرامات ظہور میں آتی تھیں اور ان کی پیشگوئی تاج وتخت کے حوالہ سے بالآخر پوری ہوئی اور سید مخدوم علی ہجویری حضرت داتا گنج بخشؒ روحانی عالم میں سب سے بلند مرتبہ پر فائز ہوئے اور خلقتِ خدا کو علوم شریعت، طریقت وحقیقت سے مالا مال کیا اور علم وفضل کے موتی بکھیرے۔

یہ وہ مقام تھا جہاں سارے عالم کے اولیائے کرام آپ کے پاس رہنمائی کے لئے آتے اور رشد وہدایات سے فیض یاب ہو کر واپس اپنی اپنی ولایت کو لوٹ جاتے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کے اساتذہ کرام

آپؒ نے ''کشف المحجوب'' میں اپنے اساتذہ کرام کے نام بتائے ہیں اور ان کی شخصیت اور علمیت سے متعلق بڑی عقیدت مندی کے ساتھ مؤدبانہ ذکر فرمایا ہے۔ ان میں سے شیخ ابو العباس احمد بن محمد اشقانیؒ، شیخ ابو القاسم بن علی گرگانیؒ، ابو العباس احمد بن محمد قصابؒ ابو عبداللہ بن علی المعروف بالداغستانیؒ، ابو جعفر بن المصباح الصید لانیؒ، ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ، ابو سعید فضل اللہ بن محمدؒ اور ابو المظفر بن احمدؒ کے نام خاص طور پر نمایاں ہیں۔

Marfat.com

ان میں ہر ایک بزرگ کا ذکر ''کشف المحجوب'' کے مختلف صفحات پر مختلف موضوعات کے تحت جا بجا نظر آتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کا ایمان افروز خواب

حضرت داتا گنج بخشؒ حنفی المذہب تھے۔ سیدنا حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ''کشف المحجوب'' میں انہوں نے امام موصوف کا نام و اسم گرامی نہایت تعظیم و تکریم سے لیا ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کی کرامات کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اپنا ایک ایمان افروز خواب بیان کیا ہے اور اس سے نہایت لطیف نکتہ اخذ کیا ہے۔ فرماتے ہیں: میں ملک شام میں تھا۔ ایک دفعہ حضرت بلالؓ مؤذن رسول کریم ﷺ کے روضہ اطہر کے سرہانے سو گیا اور خواب میں دیکھا کہ میں مکہ معظمہ میں ہوں اور جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ باب بنی شیبہ سے اندر تشریف لائے ہیں اور ایک بوڑھے شخص کو گود میں لئے ہوئے ہیں جس طرح کہ شفقت سے بچے کو گود میں لیتے ہیں۔ میں دوڑ کر حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سرکار ﷺ کے پائے اقدس کو بوسہ دیا۔ میں حیران تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں جنہیں حضور ﷺ نے اٹھایا ہوا ہے۔ جناب محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بہ قوت معجزہ میرے اس باطنی حال سے آگاہ ہو گئے اور ارشاد فرمایا ''یہ شخص تیرا اور تیرے ملک والوں کا امام یعنی ابو حنیفہ ہے۔'' مجھے اس خواب سے اپنے اور اپنے وطن سے بڑی امیدیں قائم ہو گئیں اور مجھے اس خواب سے یہ راز بھی منکشف ہوا کہ حضرت امام اعظمؒ ان برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں جو اپنے ذاتی اور طبعی اوصاف سے فانی ہو چکے ہیں اور صرف احکام شرع کے لئے باقی و قائم ہیں اس لئے کہ ان کے حامل و رہبر خود جناب پیغمبر ﷺ ہیں اور انہیں خود چلتے دیکھتا تو یہ سمجھتا کہ باقی الصفت ہیں اور جو باقی الصفت ہوتا ہے وہ اجتہادی امور میں مخفی ہوتا ہے یا مصیب۔ چونکہ انہیں اٹھا کر لے جانے والے خود حضور پُرنور ﷺ ہیں اس لئے وہ اپنی صفات سے فانی اور رسول اللہ ﷺ کی صفات سے باقی ہیں۔ جب پیغمبر سے خطا کا صدور ممکن نہیں تو جو آنحضرت ﷺ میں اپنے آپ کو فنا کر چکا ہے اس سے بھی خطا کا صدور ممکن نہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ مزید فرماتے ہیں یہ ایک لطیف رمز ہے۔[5]

داتا صاحبؒ کا نکاح

مختلف تاریخی و دینی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کو قید از دواج سے آزادی رہی۔ البتہ ایک مقام پر آپ بیتی یوں فرماتے ہیں کہ جیسے غائبانہ طور پر کسی سے تعلقات محبت قائم ہو گئے تھے اور یہ ایک سال تک اس زخم لطیف کے بسمل بنے رہے۔ پھر آخر بفضلِ خدا اس سے نجات مل گئی۔ داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے گیارہ سال تک نکاح کی آفت سے محفوظ رکھا ہوا تھا مگر بہ تقدیر الٰہی پھر میں اس فتنہ میں گرفتار ہو گیا اور میرا ظاہر و باطن کسی عورت کی صفات کا جو مجھ سے دوسروں نے بیان کی تھیں، اسیر ہو گیا اور اسے دیکھے بغیر ہی ایک سال تک اس کے خیال میں مستغرق رہا۔ چنانچہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف اور

Marfat.com

فضل سے عصمت کو میرے دل کے استقبال کے لئے بھیجا اور اپنی رحمت سے مجھے اس فتنہ سے نجات دلائی۔ حضرت حکیم محمد[6] موسیٰ جو موجودہ دور میں تصوف میں عظیم مقام رکھتے ہیں، حسب ذیل نتائج اخذ کرتے ہیں:

الف: داتا صاحبؒ نے نکاح ضرور کیا تھا مگر اہلیہ جو ان کی مزاج شناس نہ تھیں، وفات پا گئیں۔ پھر گیارہ سال تک تزویج کے تصور و خیال سے بھی ناآشنا رہے۔

ب: گیارہ سال بعد ایک عورت جسے انہوں نے دیکھا بھی نہ تھا، محض دوسروں سے اس کی خوبیاں معلوم ہونے پر اس کی محبت میں اسیر ہو گئے اور ایک سال تک اس عشق مجازی میں مبتلا رہے۔

ج: صوفیا کے نزدیک عشق مجازی میں گرفتار رہنا ابتلا میں مبتلا رہنا ہے۔ یہ حضرات مجاز میں گرفتاری کو مصیبت و آفت سمجھتے ہیں اس لئے کہ یہ منزل نہیں ہے۔ قدرت الٰہی نے انہیں مجاز سے نکال کر حقیقت کی راہ پر ڈال دیا اور جو لوگ صورت ظاہری اور مظاہر محسوسہ کے اثرات قبول کر لیتے ہیں، وہ برباد ہو جاتے ہیں۔

حاصل کلام یہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے ایک شادی کی تھی۔ اہلیہ کی وفات کے گیارہ سال بعد ایک ایسی عورت کی خوبیوں پر فریفتہ ہو گئے جسے انہوں نے دیکھا تک نہ تھا اور ایک سال تک اس کے عشق میں مبتلا رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے اس عورت کا خیال نکال دیا۔ لہٰذا دوسری شادی کا افسانہ محض اختراع[7] طبع ہے۔

تصانیف

حضرت داتا گنج بخشؒ کی آخری تصنیف ''کشف المحجوب'' کے مطالعہ سے ان کی نو اور تصانیف کے نام معلوم ہوتے ہیں، مگر ان میں سے ایک بھی دستیاب نہیں۔ ان نو تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ دیوان: اس دیوان کو کسی نے اپنی طرف منسوب کر لیا مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ مجموعہ اشعار عربی میں تھا یا فارسی میں اور اپنا تخلص بھی ظاہر نہیں فرمایا۔

۲۔ کتاب فنا و بقا: مسئلہ فنا و بقا، تصوف کی ایک بارآور شاخ ہے۔

۳۔ اسرار الخرق والمؤنات: ظاہری اور باطنی مرقع کے آداب میں اس کتاب کا نام فارسی کے تمام ایڈیشنوں میں یہی لکھا ہے مگر ژوکوفسکی ایڈیشن میں ''اسرار الخرق والملونات'' درج ہے۔

۴۔ الرعایت بحقوق اللہ تعالیٰ: مسائل توحید پر اس نام کی ایک تصنیف شیخ احمد بن خضرویہ متوفی ۲۴۰ھ کی بھی ہے، جو ''کشف المحجوب'' کے مآخذ میں شامل ہے اور اسی نام کی ایک کتاب ابو عبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی (م ۲۴۳ھ) کی تصنیف بھی ہے جو لندن سے چھپ چکی ہے۔

۵۔ کتاب البیان لاہل العیان: در معنی جمع و تفرقہ ہے۔

Marfat.com

۶۔ بحرالقلوب: مسئلہ جمع پر مفصل کتاب ہے۔

۷۔ منہاج الدین: طریقتِ تصوف اور مناقب اصحاب صفہ میں ہے۔

۸۔ ایماں: ایمان اور اثبات اعتقادِ مشائخ میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام نہیں بتایا۔

۹۔ شرح کلام منصور: حسین بن منصور حلاج کے کلام کی شرح ہے۔ روس کے پروفیسر ژوکوفسکی نے حضرت شیخؒ کی تصانیف میں ایک نام "فِرق فِرق" دیا ہے۔[۸] حالانکہ یہ ان کی کسی مستقل تصنیف کا نام نہیں ہے بلکہ یہ "کشف المحجوب" کے ایک باب کا نام ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ نے بغداد شریف کے نواح میں ملاحدہ کا ایک ایسا گروہ دیکھا جو حضرت حسین بن منصور حلاجؒ سے محبت کا مدعی تھا اور ان کے کلام سے اپنی زندیقیت کو سہارا دیتا تھا اور حلاج کے معاملہ میں مبالغہ کرتا تھا۔ "کشف المحجوب" مطبوعہ سمرقند کا یہ چودھواں باب ہے۔

کشف الاسرار: آٹھ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ حضرت داتا صاحبؒ کی طرف منسوب ہے جو غالباً پہلی بار مطبع محمدی لاہور میں طبع ہوا۔[۹] پھر اس کے متعدد اردو ترجے شائع ہوئے۔ اکثر محققین نے اسے حضرت داتا صاحبؒ کی تصنیف سمجھ لیا اور اس سے استفادہ کرتے رہے۔ جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری[۱۰] فرماتے ہیں:

(الف) "کشف الاسرار" کے جعلی ہونے کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ یہ سبک ہندی میں ہے اور "کشف المحجوب" کی نثر دورِ اول یعنی دور ساسانیاں کی ہے اور ان دونوں کی زبان میں فرق کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

(ب) اس کا مؤلف اپنے پراگندہ خیالات کو ایک مشہور و معروف بزرگ کے نام سے مشتہر دیکھنے کا خواہاں تھا یا اپنے کسی بڑے (جیسا کہ حسام الدین کا نام لیا ہے) کو حضرت داتا صاحبؒ سے پہلے کا بزرگ ثابت کر کے اپنی دکان چمکانا چاہتا تھا، علمی اعتبار سے بے مایہ ہے۔

(ج) یہ تاریخی حقیقت ہے کہ پنج ہزاری اور ہفت ہزاری خطابات مغلیہ دور میں ایجاد ہوئے یعنی حضرت داتا صاحبؒ کے کئی سو سال بعد.......... مگر "کشف الاسرار" کا واضع لکھتا ہے:

"فہم اگر ہفت ہزاری گردی چہ شد مشت گرد ہستی۔"

ہفت ہزاری کی بات تو کچھ ایسی ہی ہے کہ آج کوئی صاحب اپنے ابا جان کا تذکرہ لکھنے بیٹھیں تو یہ بیان فرمائیں کہ وائسرائے ہند نے انہیں اعلیٰ خدمات کے صلے میں ستارۂ خدمت کا خطاب عطا کیا تھا۔"

Marfat.com

داتا صاحبؒ کی تصنیف ''کشف المحجوب''

جہاں جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب نے ''کشف الاسرار'' کی اصلیت کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑا ہے، وہاں آپ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کی تصنیف ''کشف المحجوب'' کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ''حضرت داتا گنج بخشؒ کی تصنیف ''کشف المحجوب'' جو انہوں نے آغوشِ رحمتِ خداوندی میں بیٹھ کر لکھی ہے، مسائل شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے اور اولیائے متقدمین کے حالاتِ بابرکات اور ان کی مقدس تعلیمات کا بہترین خزینہ ہے۔ نیز فارسی زبان میں تصوف و احسان پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور اسے ہر دور کے اولیا اللہ اور صوفیا کرام نے تصوف کی بے مثل کتاب قرار دیا ہے۔ ''کشف المحجوب'' کاملین کے لئے رہنما ہے تو عوام کے لئے پیر کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ عوام میں سے اس کا مطالعہ کرنے والوں کو دولت عرفان وایقان حاصل ہوتی ہے اور شک وشبہات کی وادی میں بھٹکنے والے یقین کی دنیا میں آباد ہو جاتے ہیں اور اس کے بار بار کے مطالعہ سے حجابات اٹھ کر نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں۔ اس نادر و بے مثل کتاب کو جو مقبولیت و پذیرائی نصیب ہوئی، وہ اس موضوع کی کسی اور فارسی میں لکھی جانے والی کتاب کے حصہ میں نہیں آئی۔ اکابر اولیاء نے خود اس سے استفادہ کیا اور طالبانِ حق کو اس سے مستفید ہونے کی تلقین فرمائی، اس لئے کہ اس میں ناقصوں اور کاملوں کے لئے سامان ہدایت موجود ہے اور اس کے برعکس بعض کتب تصوف ''فصوص الحکم'' وغیرہ میں صرف خواص بلکہ اخص الخواص کے لئے رہنمائی ہے اور ناقصین کے لئے حیرانی وسرگردانی کے سوا کچھ نہیں۔''

''کشف المحجوب'' میں کشفِ حجابات کے زیرعنوان جو حضرت داتا صاحبؒ کی اصل رشد و ہدایات پر مشتمل ہے۔ معرفت الٰہی، توحید، ایمان، ارکانِ اسلام یعنی صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ، فلسفہ ازدواج، مسئلہ سماع اور ان کی فروع پر بڑی عالمانہ بحثیں کی ہیں۔ ایک باب میں صوفیہ کرام کی اصطلاحات اور ان کی اقسام و رموز کی شرح بیان کی گئی ہے۔ کتاب میں منقول عربی اشعار اور مشائخ کے اقوال تین سو سے زائد ہیں۔ ۱۳۴ احادیث نبویؐ اور قریب قریب تین چوتھائی قرآن حکیم کی سورتوں ۃ سے ۲۳۴ آیات کریمہ سند کے طور پر لائی گئی ہیں جو مصنف کتاب حضرت داتا گنج بخشؒ کی حیرت انگیز وسعتِ علم کی شاہد ہیں۔ کتاب میں تصوف کا بہت بلند معیار پیش کیا گیا ہے۔ صوفی کا اشتقاق صفا سے اور اس کی اصل غیر اللہ سے دل کا انقطاع بتاتے ہیں۔ درحقیقت صوفی کامل ولی ہی کا نام ہے۔

سلطان محمود غزنوی نے کمسن طالب علم حضرت داتا گنج بخشؒ کے سامنے اپنا سر جھکا دیا

حضرت خواجہ مستان شاہ کابلیؒ اپنی کتاب ''سلطان العاشقین'' میں فرماتے ہیں کہ جن کا دل خداوند کریم طرف متوجہ ہو، وہ دنیا کی نعمتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ یوں بیان کرتے کہ حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ محمود غزنوی کے اس قائم کردہ دینی مدرسہ میں اکثر دیکھے گئے۔ اس وقت آپ کی

Marfat.com

بمشکل بارہ تیرہ سال کی ہوگی۔ حصولِ علم کے جذبہ سے سرشار یہ طالب علم تعلیم میں اتنا محو ہوتا کہ صبح سے شام ہو جاتی مگر کبھی پانی تک پیتے بھی نہ دیکھا گیا۔ رضوان نامی سفید ریش بزرگ اس مدرسہ کے مدرس تھے اور اپنے اس خاموش طبع طالب علم کو تکریم کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ایک دفعہ محمود غزنوی کا گزر اس مدرسہ کی جانب ہوا اور اس عظیم درسگاہ میں آ گیا۔ دیگر شاگردوں کے برعکس حضرت مخدوم علی ہجویریؒ اپنے کام میں اتنے منہمک تھے کہ ان کو کوئی خبر نہ تھی۔ بزرگ رضوان نے پکارا۔ ''دیکھو مخدوم علی کون آیا ہے؟'' اب کیا تھا۔ ایک طرف محمود غزنوی اور دوسری جانب ایک کم سن راہِ حق کا متلاشی عجیب منظر تھا۔ محمود غزنوی نے اس نوعمر طالب علم کی تجلیات کی تاب نہ لاتے ہوئے نظریں فوراً جھکا دیں اور مدرس سے کہا۔ ''واللہ! یہ بچہ خدا کی طرف راغب ہے۔ ایسے طالب علم اس مدرسہ کی زینت ہیں۔'' فاتح سومنات سلطان محمود غزنوی جس کے نام سے ہندوستان کے بڑے بڑے راجے اور مہاراجے تھراتے تھے اور جس کی تلوار سے سارا ہندوستان لرز اٹھا، وہ ایک کمسن طالب علم کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔

محمود کے دور میں غزنی کی ترقی کا راز

ارباب شریعت وطریقت کے پیشوا، پاسبان رموز شریعت ومظہر نورِ خدا سید مخدوم علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ کی ولادت مبارک پر دراصل غزنی شہر جگمگا اٹھا اور حکمِ خداوندی سے فیوض و برکات اور تجلیات و انوار سے روشن ہو گیا۔ غزنی نے خوب ترقی کی۔ سلطان محمود غزنوی نے ۴۰۹ھ میں ایک عظیم الشان مسجد غزنی میں تعمیر کرائی جس سے ملحق ایک کتب خانہ تھا۔ جہاں نادر و نایاب کتابیں اور مفید قلمی نسخے تھے۔ محمود غزنوی کا دربار علماء، فضلا اور ارباب فضل وکمال کا مرکز بن گیا۔ علماء میں ابوالقاسم، خواجہ احمد بن حسن میمندی اور ابوریحان البیرونی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ شعراء میں فرخی، عنصری اور فردوسی شامل تھے جو کسی تعارف یا تعریف کے محتاج نہیں۔ غرضیکہ حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ کے فیوض وبرکات کے باعث غزنی شہر دنیائے اسلام کے ممتاز اور معروف علماء وفضلا کا گہوارہ بن گیا۔

ایک مسافر رخصت ہوا اور نیا وارد

غزنی میں ایک پیر کامل نے اپنے مرید کو حکم دیا ''لاہور چلے جاؤ۔'' مرید نے کچھ تعطل برتا اور کہا کہ وہاں پہلے ہی میرے پیر بھائی موجود ہیں۔ اپنے مرشد کے اصرار پر سر تسلیم خم کر کے غزنی کے مسافر نے لاہور شہر کی طرف کوچ کیا۔ راستہ دور اور دشوار تھا۔ کہیں پہاڑ کہیں دریا۔ کہیں دشت وصحرا۔ پیر و مرشد کا حکم اٹل تھا اور مرید کا ارادہ مصمم۔ یقین محکم تھا اور ایمان پختہ۔ ہزاروں میل کی مسافت طے ہوئی۔ منزل مقصود نے آگے بڑھ کر مردِ مومن کے قدم چومے۔ لاہور شہر میں داخل ہوتے ہی مسافر نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ ایک جم غفیر تھا اور ایک جنازہ۔ کس نے کوچ کیا اس جہان فانی سے؟ مسافر نے پوچھا۔ غیب سے آواز آئی۔

''ایک چراغ گل ہوا اور دوسرا روشن''

ایک مسافر رخصت ہوا اور نیا وارد''

Marfat.com

اس دنیا سے رخصت ہونے والے حضرت شاہ حسین زنجانیؒ تھے اور نو وارد حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ۔ دونوں رہنما ایک ہی پیر و مرشد حضرت شیخ ابو الفضل ختلیؒ کے مرید تھے جنہوں نے حضرت داتا گنج بخشؒ کو غزنی میں لاہور کے لئے روانگی کا حکم دیا تھا۔ اب آپ پر انکشاف ہوا کہ لاہور میں آپ کی تقرری آپ کے پیر و مرشد کی ایک کرامت تھی۔

اس روایت کا علم ہمیں شیخ نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظات میں ملتا ہے جو امیر حسن دہلوی نے کتاب ''فوائد الفواد'' کی صورت میں قلمبند کئے تھے۔ پہلی بار ۲۹ ذوالعقد ۷۰۸ھ/ ۱۳۰۹ء کی ایک مجلس میں مزارات لاہور کا تذکرہ ہوا۔ اس میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے روایت کی گئی ہے کہ ہجویریؒ شیخ حسین زنجانیؒ کے پیر بھائی تھے اور اپنے پیر ابو الحسن محمد بن الحسن ختلی کے حکم[12] سے جس دن لاہور آنے والے تھے، اسی دن زنجانی موصوف نے وفات پائی۔ اسی طرح یہی روایت روس کے پروفیسر ژوکوفسکی[13] نے دہرائی ہے اور ہو بہو اس کا تذکرہ ''ثمرات القدس'' (تالیف ۱۰۰۷ھ/ ۱۵۹۸ء) میں ملتا ہے، مگر حکیم محمد موسیٰ[14] کو اختلاف ہے۔

آج سے تقریباً ایک ہزار سال قبل سلطان محمود غزنوی نے برصغیر پاک و ہند پر یکے بعد دیگرے سترہ حملے کر کے کفار کے بت پاش پاش کر دیئے۔ یہ وہ وقت تھا جب بت پرستی اور مادہ پرستی کا دور دورہ تھا۔ جب محمود غزنوی نے سومنات پر حملہ کیا تو پجاریوں اور دیویوں نے زیورات، سونا چاندی، ہیرے اور جواہرات محمود کے قدموں پر ڈال دیئے اور التجا کی کہ ان کے بت نہ توڑے جائیں۔ محمود غزنوی نے کہا میں بت شکن ہوں بت فروش نہیں۔ میں سرفروش ہوں ایمان فروش نہیں۔ یہ کہہ کر آناً فاناً محمود نے سومنات کے بت توڑ ڈالے اور اس طرح ہندوؤں کے لئے ایک خدا کا تصور پیش کیا۔

چند ہی سال بعد سید مخدوم علی ہجویری حضرت داتا گنج بخشؒ نے غزنی سے چل کر دریائے راوی کے کنارے اسلام کا جھنڈا گاڑا۔ لوگوں کو ان کے مقصد حیات سے روشناس کرایا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کا لاہور میں ورود آپ کے پیر و مرشد شیخ ابو الفضل ختلیؒ کی ایک اہم کرامت تھی۔ دراصل حضرت داتا صاحبؒ کے پیر و مرشد ایک بلند پایہ ولی اللہ تھے۔ آپ کو کشف ہوا کہ لاہور میں مقیم آپ کے مرید حضرت شاہ حسین زنجانیؒ[15] کچھ عرصہ بعد اس جہانِ فانی سے کوچ کرنے والے ہیں اور آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کی جگہ لاہور میں حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ کی تقرری[16] کر دی جائے۔ اسلام کی تبلیغ اور فروغ کے لئے حضرت شیخ ابو الفضل ختلی نے لاہور کو منتخب کیا اور یہ فضیلت صرف لاہور شہر کو ہی حاصل ہے کہ ایک پیر و مرشد کے دو مریدوں نے اس شہر کے مشرق و مغرب میں اسلام کے پرچم لہرائے اور شمع توحید روشن کی۔ یہ دونوں مرید اپنے فرائض میں اس قدر کھو گئے کہ اپنے وطن عزیز کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا اور ملتِ اسلامیہ کی سربلندی کے لئے اپنی جانِ عزیز اسی شہر میں خالق حقیقی کے سپرد کر دیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کا مزار لاہور کے مغرب میں بیرون بھاٹی دروازہ اور حضرت شاہ حسین زنجانیؒ کا مزار لاہور کے مشرق میں چاہ میراں کے قریب ہے۔

Marfat.com

یہ فضیلت بھی لاہور شہر کو ہی حاصل ہے کہ ایک ہی پیر و مرشد کے مرید حضرت داتا گنج بخشؒ اور حضرت شاہ حسین زنجانیؒ کے مزاروں پر پیران پیر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے چلہ کشی کی اور ان دونوں مزاروں کے احاطہ میں آپ کے حجرہ اعتکاف کا موجود ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ اولیائے کرام کی وفات کے بعد بھی عالی مرتبت بزرگانِ دین اور عوام ان کے روحانی فیض سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

سب سے پہلا ہندو جو حضرت داتا گنج بخشؒ کے ہاتھوں مسلمان ہوا، وہ لاہور کا گورنر تھا

قدرت کی کرشمہ سازی سمجھ لیجئے کہ دریائے راوی کی یہی گزرگاہ آج سے تقریباً چالیس برس پہلے حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ بانی پاکستان کی آماجگاہ بنا جہاں انہوں نے پاکستان کا پرچم لہرایا اور قیام پاکستان کے لئے ایک قرارداد پیش کی اور یہی دریائے راوی کا کنارہ ہی تو تھا جہاں سب سے پہلے ہندو نے جو لاہور کا گورنر تھا، حضرت داتا گنج بخشؒ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ قائداعظمؒ نے سچ ہی تو کہا تھا کہ دراصل پاکستان اس دن ہی قائم ہو گیا تھا جس دن برصغیر کے پہلے ہندو نے کلمہ حق پڑھا۔ لاہور[17] شہر جو اسلامی مملکت پاکستان کا دل ہے، اسی دن جگمگا اٹھا جب حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ نے اپنے مبارک قدم اس سرزمین پر رکھے۔ تہذیب و تمدن، علم و فضل اور فتح و نصرت کا یہ گہوارہ بڑے بڑے دانشوروں، سیاستدانوں، ادیبوں، فلسفیوں اور شاعروں ہی کا مسکن نہ تھا بلکہ اولیائے کرام نے بھی لاہور کو چاہا اور اسی کو تبلیغ توحید کے لئے پسند کیا۔

محمود غزنوی ۴۲۱ھ میں وفات پا گیا۔ اس کی وفات کے بعد ہندو راجاؤں نے متعدد بار بغاوتیں کیں اور مسلمانوں کو ایک دفعہ پھر بے دردی سے تہ تیغ کیا۔ مساجد کو ویران کر دیا گیا۔ لاہور کے صرف ایک محلہ میں دو ہزار مسلمان شہید کر دیئے گئے۔[18]

ان ناگوار حالات میں حضرت داتا گنج بخشؒ کی لاہور میں آمد اور پھر تبلیغ اسلام کوئی آسان کام نہ تھا۔ تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لاہور ان دنوں بدھ رسوم کا مرکز تھا۔ برہمنی سامراج نے اپنی مخصوص چالوں سے مہاتما بدھ کو اپنے لاتعداد خداؤں کی فہرست میں ایک بت کی حیثیت سے شامل کر لیا اور اس طرح بدھ مت ہندو دھرم کے ایک فرقے کی حیثیت اختیار کر گیا۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخشؒ جب لاہور تشریف لائے تو لاہور میں جا بجا مہاتما بدھ مورتی پوجا کے مراکز تھے۔ آپؒ نے شرک کے ان مراکز میں شمع توحید روشن کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ آپ نے کسی ناموافق اور نامساعد سیاسی و سماجی حالت کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی۔ آپ کی شرافت نفس، اخلاق عالیہ، زہد و تقویٰ اور علم و فضل کی کشش نے لوگوں کو اپنی طرف راغب کر لیا اور ہزاروں کفار حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ہزاروں جاہل آپ کے ذریعہ سے عالم، ہزاروں گمراہ رو براہ۔ ہزاروں دیوانے صاحب عقل، ہزاروں ناقص کامل اور ہزاروں ریاکار نیکوکار ہو گئے۔

Marfat.com

داتا صاحبؒ کے ہاتھوں رائے راجو کا مسلمان ہونا

حضرت داتا گنج بخشؒ کے ہاتھوں حلقہ بگوش اسلام ہونے والا پہلا ہندو جس کا نام رائے راجو تھا، ایک راجپوت تھا۔ یہ کوئی معمولی غیر مسلم نہ تھا بلکہ لاہور کی راجدھانی کی ایک نہایت اہم سیاسی وکلیدی شخصیت تھی اور اس وقت لاہور کا ناظم الامور تھا۔ یہ وہی عہدہ تھا جس کو انگریز کے دور میں گورنر کا نام دیا گیا۔ رائے راجو کا اسلام قبول کرنا حضرت داتا گنج بخشؒ کی سب سے پہلی کرامت تھی کیونکہ تمام لاہور اور اس کے گردونواح میں اس کی شخصیت چھائی ہوئی تھی۔ رائے راجو سنیاسی یا جوگی ہونے کے علاوہ علم نجوم، ریاضی اور جادوگری میں اپنی مثال آپ تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک خوبصورت اور بارعب شخصیت کا مالک تھا۔

داتا صاحبؒ کی ایک اور کرامت

اب حضرت داتا گنج بخشؒ کی روحانی قابلیت، اسلامی علوم، دین وفقہ، علم وفکر، فصاحت اور بلاغت کا دور دور تک چرچا ہو گیا تھا۔ رائے راجو کو اپنے آپ پر گھمنڈ تھا اس لئے وہ اپنا ڈیرا جہاں جادوگری کے کرتب دکھایا کرتا تھا، اٹھا کر حضرت داتا گنج بخشؒ کے قریب لے آیا۔ ایک روز ایک بڑھیا دودھ کی مٹکی اٹھائے داتا صاحبؒ کے قریب سے گزری تو آپ کے مریدوں میں سے ایک نے اس بڑھیا کو روک کر دودھ قیمتاً لینا چاہا لیکن بڑھیا نے دودھ دینے سے انکار کر دیا اور کہا یہ دودھ میں رائے جوگی کے لئے لے جا رہی ہوں۔ اگر میں نے اس کو یہ دودھ نہ دیا تو میرے جانوروں کے تھنوں سے دودھ کی بجائے خون آنا شروع ہو جائے گا۔ پاس ہی بیٹھے حضرت داتا گنج بخشؒ مسکرائے اور فرمایا یہ دودھ مجھے دے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے جانوروں کے دودھ میں اضافہ کر دے گا۔ ضعیف عورت آپ کی بات نہ ٹال سکی مگر اگلے وقت کا دودھ دوہنا شروع کیا تو برکات الٰہی سے دودھ میں پہلے سے زیادہ روانی تھی اور اس قدر دودھ ہو گیا کہ گھر کے تمام برتن بھر گئے۔ اس واقعہ کی خبر آس پاس پھیل گئی اور سب گوالے اب اس کوشش میں تھے کہ وہ دودھ حضرت داتا گنج بخشؒ کے مسکن پر فروخت کر دیا کریں۔ اس سے رائے راجو کی شہرت ماند پڑ گئی۔ اب یہ شخص آپ کے پاس آیا اور اپنے جادوگری کے فن سے آپ کو متاثر کرنا چاہا اور یکا یک ہوا میں اُڑ کر چکر کاٹنے لگا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنا جوتا ہوا میں پھینک دیا۔ اب آپ کا جوتا تھا اور رائے راجو کا سر۔ جوتوں کی وہ بارش ہوئی کہ جوگی نے گڑگڑا کر صدق دل سے فریاد کی کہ اسے معاف کر دیا جائے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے دعا کی اور رائے راجو نے آپ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور فوری طور پر آپ کے ہاتھوں مسلمان ہو گیا۔ داتا صاحبؒ کی اس کرامت کے بعد ہزاروں ہندوؤں[19] نے اسلام قبول کیا اور آپ کے علم وفضل کی دھوم برصغیر میں دور دور تک مچ گئی اور لوگوں نے سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے آپ کی زیارت کے لئے آنا شروع کر دیا۔ رائے راجو کی ظاہری و باطنی زندگی میں انقلاب آ گیا اور اسلامی علوم کے حصول کے لئے یہ شخص سرگرداں ہو گیا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ جیسے مرشد معظم اور استاد

Marifat.com

مکرم سے دینی علوم میں فیض یاب ہوا اور بہت جلد رموزِ شریعت سے بہرہ ور ہو کر ایک باعمل زاہد و عابد بزرگ کی شہرت حاصل کر لی۔ حضرت داتا گنج بخشؒ آپ سے بہت خوش ہوئے، اور شیخ ہندی کے لقب سے نوازا۔[۲۰]

داتا صاحبؒ نے لاہور میں مسجد کا سنگ بنیاد خود رکھا

حضرت داتا گنج بخشؒ نے لاہور میں چند روز قیام کے بعد مسجد کی ضرورت کو محسوس کیا۔ مسجد کے لئے زمین لی گئی اور اس کا سنگ بنیاد خود اپنے ہاتھوں سے رکھا۔ مسجد کی تعمیر کا سارا کام آپ کی جیب خاص سے مکمل ہوا اور داتا صاحبؒ نے بذات خود بھی مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ لاہور شہر میں یہ پہلی مسجد تھی جو ایک ولی اللہ کے ہاتھوں تعمیر ہوئی۔ اس مسجد کی تعمیر داراشکوہ کی کتاب ''سفینۃ الاولیاء'' کے مطابق ۴۳۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی یہ تعمیر کردہ مسجد صدیوں قائم رہی۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں جب دریائے راوی میں زبردست سیلاب آیا تو شہر میں نشیبی علاقہ کی دیگر عمارتوں کی طرح مسجد کو بھی سخت نقصان پہنچا۔ بعد ازاں چودھری غلام رسول نے مسجد قدیم کی جائے محراب کو سنگ مرمر کی ایک سل کے ذریعے سے قائم رکھتے ہوئے اس مسجد کو از سر نو تعمیر کروایا۔ مورخین اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ اس مسجد کی تعمیر نو میں گلزار شاہ نامی ایک مخیّر شخص نے بھی حصہ لیا۔ اس مسجد کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلی یہی وسیع مسجد تھی جس کی بنیاد رکھنے کا شرف حضرت داتا گنج بخشؒ کو نصیب ہوا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اولیائے مشائخ کے تذکروں میں اس مسجد کو کعبہ پنجاب و ہند کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ وہ مسجد جس کی تعمیر حضرت داتا گنج بخشؒ کے ہاتھوں ہوئی اور جہاں آپ امامت کرایا کرتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد امامت کے فرائض حضرت شیخ ہندی کو اس وقت حاصل ہوا جب کہ وہ اس اہم فریضہ کی بطریق احسن ادائیگی کے لئے اہالیان لاہور کی نظروں میں مستحق قرار دیئے گئے۔ آپؒ نے اپنی بقایا زندگی قرآن اور احادیث نبویؐ کی درس و تدریس میں گزار دی۔ حضرت شیخ ہندی نے اپنی زندگی میں یہ سعادت بھی حاصل کی کہ آپ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کی وفات کے بعد سب سے پہلے بذات خود حضرت کے مزار کی تعمیر میں حصہ لیا اور ارد گرد چبوترہ بھی اس وقت کے مطابق پختہ بنایا۔ سب محققین اس امر پہ متفق ہیں کہ حضرت شیخ ہندی پہلے شخص تھے جنہوں نے مزار مبارک کو اپنے ہاتھوں تعمیر کیا۔ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ مزار کی تعمیر کے دوران اکثر اشکبار دیکھے گئے اور اپنے آنسوؤں سے حضرت کے مزار کی مٹی کو دھو کر سکونِ قلب حاصل کیا۔ یہ عقیدت ہی تو تھی جس کی وجہ سے پشت در پشت آپ کے خاندان کو حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار کی سجادہ نشینی نصیب ہوئی۔

داتا صاحبؒ نے لاہور کے لوگوں کو کعبہ کی زیارت کرا دی

حضرت داتا گنج بخشؒ دن کے وقت درس قرآن اور دینی علوم سے لوگوں کو مستفید فرماتے اور رات کے وقت طالبانِ حق کو ہدایات سے نوازا کرتے تھے۔ داراشکوہ نے اپنی کتاب ''سفینۃ الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ آپؒ نے

جب یہ مسجد تعمیر فرمائی تو دیگر مساجد کی نسبت لوگوں کو اس مسجد کا رخ جنوب کی جانب نظر آیا۔ اہالیان لاہور اور خصوصاً علماء نے اس پر اعتراضات کیے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کچھ عرصہ خاموش رہے۔ مسجد کی تعمیر کے اختتام پر تمام علماء اور فضلاء کو مدعو کیا جس میں مشائخ بھی شامل تھے۔ اسی مسجد میں اپنی امامت میں نماز پڑھائی۔ اس کے بعد سب حاضرین سے فرمایا کہ تم لوگ اس مسجد کے قبلہ پر اعتراض کرتے تھے اب دیکھ لو کہ قبلہ کی صحیح سمت کون سی ہے۔ لوگوں نے جب قبلہ کی جانب دیکھا تو یک بارگی قبلہ بالمشافہ بچشم ظاہر نظر آیا۔ علماء کی نگاہوں سے سب پردے ہٹ گئے اور وہ کعبہ کو عین اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہوئے اپنے اعتراض پر بے حد نادم ہوئے۔ آپ کی اس کرامت سے آپ کی روحانیت کی دھوم دیگر ممالک تک بھی پھیل گئی اور عوام و خواص دور دراز کا سفر طے کر کے آپ کے پاس حاضری دینے لگے۔

بھاٹی دروازہ لاہور...... ایک بصیرت افروز کرامت

کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک سابقہ جج جسٹس امیر علی نے ایک کتاب زیر عنوان ''ہائی سپائس آف پنجاب'' لکھی ہے جس میں ایک واقعہ سے حضرت داتا گنج بخشؒ کی بے نیازی، عجز و انکساری اور ظاہری نمود و نمائش اور زیب و زینت سے حد درجہ نفرت کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس دور میں اندرون بھاٹی دروازہ میں بیشتر آبادی ہندوؤں کی تھی جو بھٹی کہلاتے تھے اور بھاٹی دروازہ کی وجہ تسمیہ بھی یہی تھی۔ مسلمان عقیدت مند جو داتا صاحبؒ کی زیارت اور رشد و ہدایات کے لئے آتے تھے، ان کا اکثر گزر بھاٹی دروازہ سے ہی ہوتا تھا۔ چونکہ داتا صاحبؒ کا مسکن بھاٹی دروازہ کے باہر تھا اس لئے ازراہِ عقیدت لوگوں نے بھاٹی دروازہ کا نام بدل کر آپ کے نام پر ہجویری دروازہ رکھ دیا۔ بھٹی کہلانے والے ہندوؤں کو یہ بات ناگوار محسوس ہوئی۔ انہوں نے جے سنگھ کی قیادت میں ایک وفد حضرت داتا گنج بخشؒ کے پاس بھیجا جس نے انہیں اپنے جذبات سے آگاہ کیا۔ آپ نے ہندوؤں کی شکایت کو ٹھنڈے دل سے سنا اور فیصلہ صادر فرمایا کہ اس دروازے کا نام بھاٹی دروازہ ہی رہے گا۔ ظاہری نمود و نمائش اور خود ستائش کو جب آپ نے ٹھوکر ماردی اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ظاہری زیب و زینت گوارا نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اس دنیاوی زیب و زینت کو پسند کرتے ہیں بلکہ ہمیشہ اپنے صفائے باطن کی طرف دھیان دیتے ہیں۔ آپ کے اس فیصلہ سے ہندو بھٹی اور ان کے وفد کا لیڈر اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے داتا صاحبؒ کے ہاتھوں اسلام قبول کر لیا۔ اس دن سے سب بھٹی مسلمان کہلانے لگے اور یہ وہی بھٹی مسلمان ہیں جو جذبہ اسلام سے آج تک سرشار ہیں۔ اس واقعہ کی تصدیق دیگر مؤرخین نے بھی کی ہے جن میں مسعود الحسن بھی شامل ہیں۔ ان کی کتاب ''حضرت داتا گنج بخشؒ: اے سپر چوئیل بایوگرافی'' میں یہ واقعہ بھی درج ہے۔

سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۴ھ میں جب لاہور پر حملہ کیا تو راجہ جے پال کا بیٹا راجہ انند پال صرف تھوڑے ہی مقابلہ کے بعد دم دبا کر بھاگ نکلا۔ اب لاہور شہر پر محمود غزنوی کا قبضہ ہو گیا۔ محمد لطیف مرحوم نے ''تاریخ لاہور''

Marfat.com

میں لکھا ہے کہ جب محمود غزنوی نے ۴۱۴ ہجری میں لاہور پر قبضہ کر لیا تو اپنے محبوب ملازم ملک ایاز کو اس کے اصرار پر ایک محافظ دستہ فوج کے ہمراہ لاہور میں چھوڑ دیا۔ یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ ملک ایاز کو بزرگانِ دین نے سلطان محمود غزنوی کی ذاتی حفاظت کے لئے مامور کیا ہوا تھا۔ روحانی عالم میں یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ ایک جری انسان غزنی سے اٹھے گا اور ہندوستان میں کفار کے بت پاش پاش کر کے مسلمانوں کی عظمت اور شجاعت کا سکہ ایسا جمائے گا کہ یہاں تھوڑے ہی عرصہ میں توحید اور وحدانیت کا بول بالا ہو جائے گا۔ اس پس منظر میں اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ جری اور بہادر لشکر میں کچھ ایسے بھی انسان ہوتے تھے جو صرف خدا اور اس کے رسول ﷺ کی طرف راغب ہوتے تھے۔ ملک ایاز کا نام بھی ایسے بزرگان دین میں شمار ہوتا ہے۔ محمود غزنوی کو اس پیکر وفا کے ساتھ دلی لگاؤ تھا جب محمود غزنوی نے اپنا کام مکمل کر لیا تو ملک ایاز نے کہا ''میں غزنی نہیں جاؤں گا''۔ کہتے ہیں کہ زندگی میں پہلی بار محمود غزنوی نے یہ انکار ایاز کی زبان سے سنا۔ غلام کے سامنے آقا نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور محمود غزنوی نے اسے لاہور چھوڑ دیا۔

کافی سے زیادہ سونا، چاندی، ہیرے اور جواہرات اس کے سپرد کر کے غزنی کا مسافر رخصت ہو گیا۔ اسے کیا علم تھا کہ ایاز کا یہ انکار ایک نئے قدم کا اقرار تھا اور یہ نیا قدم اب راہِ حق کی جانب تھا۔ ایاز نے اب صحبتِ فقرا اختیار کر لی۔

سلطان محمود غزنوی کے بعد اس کا بیٹا سلطان مسعود حکمران بنا مگر صرف چند ہی سال بعد راجہ جے پال کے بیٹے انند پال نے ایک زبردست حملہ کر کے مسعود سے حکمرانی چھین لی اور جوشِ انتقام میں اس راجہ نے لاہور میں مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا اور تاریخ شاہد ہے کہ صرف ایک ہی محلہ سے دو ہزار لاشیں اٹھائی گئیں اور لاہور خالی ہو گیا۔ اس دور میں غزنی کا نیا مسافر لاہور میں وارد ہوا۔ فرق صرف یہ تھا کہ غزنی کا پہلا مسافر محمود غزنوی جذبہ شجاعت سے لبریز تھا اور نیا مسافر روحانیت اور خدا کی وحدانیت کا علم بردار غزنی کا یہ نیا مسافر حضرت مخدوم علی ہجویریؒ تھا۔

داتا صاحبؒ نے ملک ایاز کو فقر وغنا کا جامہ پہنایا

ملک ایاز کو خواب میں حکم ملا کہ وہ فوری طور پر اب غزنی کے نئے مسافر کا غلام ہو جائے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے پاس حاضری دی اور بیعت کے بعد آپ کے ہاتھوں فقر وغنا کا جامہ پہن کر یہ فیصلہ کیا کہ اب وہ لاہور کو دوبارہ آباد کرے گا۔ وہ مسلمان جو لاہور چھوڑ گئے تھے، ملک ایاز کی قیادت میں جوق در جوق واپس آنا شروع ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے لاہور دوبارہ آباد ہو گیا اور اللہ اکبر کی تکبیریں گلی گلی کوچے کوچے بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ محمود کے غلام نے اپنی دولت اور مال ومتاع تمام حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا اور خود گوشہ نشین ہو گیا۔ ایاز پر یہ عیاں ہو گیا کہ اس کا غزنی جانے سے انکار اور لاہور رہنے پر اصرار ایک حکم خداوندی تھا۔ آخر ۴۵۰ھ میں ملک ایاز نے

Marfat.com

وفات پائی۔ لاکھوں فرزندانِ توحید نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور اسلام کے اس عظیم فرزند کو لاہور میں چوک رنگ محل کے قریب سپرد خاک کر دیا۔ لاہور شہر کے عین دل میں واقعہ یہ مزار اس غلام کی عظمت اور بلند کردار کی ایک ناقابلِ فراموش یادگار ہے۔

داتا صاحبؒ کو لوگوں نے گنج بخشؒ کیوں کہا؟

حضرت داتا گنج بخشؒ کی جلالت شان اور مرتبہ کی عظمت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ خواجہ خواجگان سلطان الہند حضرت سید معین الدین چشتیؒ اور حضرت بابا فرید الدینؒ گنج شکر جیسے جلیل القدر بزرگوں کے علاوہ حضرت میاں میر قادری اور محدث کبیر حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوریؒ نے آپ کے مزار مبارک پر معتکف رہ کر فیض پایا اور منازلِ سلوک و معرفت طے کیے۔ شہزادہ داراشکوہ نے اپنی مشہور تصنیف ''سفینۃ الاولیا'' میں یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص چالیس جمعرات بلا ناغہ مزار داتاؒ پر حاضری دے اللہ تعالیٰ اس کی ہر حاجت پوری فرما دیتا ہے۔

وصال کے بعد اولیاء کرام کے فیوض و برکات کا جاری رہنا کتاب وسنت سے ثابت و واضح ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی اسی فیض رسانی خلق سے متاثر ہو کر علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم بارگاہ داتا گنج بخشؒ میں عرض کرتے ہیں:

سید ہجویر مخدوم امم
مرقدِ او پیر سنجر را حرم

حضرت داتا گنج بخشؒ کی اس فیض رسانی نے عوام وخواص کے دل موہ لئے۔ لوگوں نے جو چاہا سو پایا۔ اس فیض عام سے گرویدہ ہو کر آپؒ کو لوگوں نے حضرت داتا گنج بخشؒ کہنا شروع کر دیا۔ مزید برآں یہ بھی وجہ ہے کہ آپ کی ذات سے ظاہری و باطنی فیض حاصل ہوا۔ آپ سے علم و دانش کے چشمے پھوٹے۔ آپ نے لوگوں کو ان کے مقصد حیات سے روشناس کرایا۔ آپ نے زندگی کے راز کھول کر لوگوں کے سامنے رکھ دیئے۔ لوگوں کو روحانی زندگی سے متعارف کرایا۔ لاکھوں انسانوں نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ آپ کے ۳۱ سالہ قیام لاہور[۱۹] کے دوران تبلیغ اور فروغِ اسلام کا فریضہ آپ کے ہاتھوں بام عروج پر پہنچ گیا۔ یہی وجہ تھی کہ خاص و عام نے آپ کو گنج بخشؒ کہنا شروع کر دیا۔

گنج بخش کا لفظ جو آپ کے نام سے قبل لکھا پڑھا اور بولا جاتا ہے، اس کی یہ بھی ایک وجہ ہے کہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آپ کے مزار پر چلہ کشی کے بعد روانگی کے لئے آپ سے اجازت طلب کی تو یک دم آپ کی زبان پر شعر آ گیا اور اسی وقت سے گنج بخش کا لفظ مقبول عام ہو گیا۔

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آپ کے مزار پر چلّہ کشی کی

حضرت معین الدین چشتیؒ کا تعلق بھی افغانستان کے علاقہ سیستان سے ہے۔ آپ ۵۳۶ھ میں سیستان کے قصبہ سنجر میں پیدا ہوئے اس لئے آپ کو سنجری کہا جاتا ہے۔

آپؒ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر چلہ کشی کی اور آپ کے حجرہ اعتکاف کا موجود ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اگرچہ بزرگانِ دین جسمانی طور پر ہم سے جدا ہو جاتے ہیں مگر روحانی طور پر ہماری رہنمائی کرتے ہیں اور ان کی دعاؤں کے طفیل عوام اور خواص مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہر وقت باوضو رہا کرتے تھے۔ یہ بات ایک مصدقہ حقیقت ہے کہ آپ ستّر سال تک متواتر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے رہے اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ راتوں کو سوتے نہیں تھے بلکہ بیداری اور عبادت میں گزارتے تھے۔ وہ دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں دو مرتبہ قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔ ہر ختم کے بعد غیب سے آواز آتی۔ اے معین الدین! ہم نے تیرا ختم قبول کیا۔

حضرت بابا فرید شکر گنجؒ بر مزار داتا صاحبؒ

حضرت بابا فرید الدین شکر گنج کے آباؤ اجداد بھی افغانستان سے ہندوستان آئے اور لاہور میں مقیم ہوئے۔ آپ کے دادا قاضی شعیب اور والد قاضی جمال الدین سلیمان لاہور میں قاضی تھے۔ آپ کا اصل نام فرید الدین اور گنج شکر کے لقب سے مشور ہیں جس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بچپن میں آپ کی والدہ انہیں نماز کی ترغیب دینے کے لئے مصلیٰ کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیتی تھیں اور کہتی تھیں کہ جو بچے نماز پڑھتے ہیں ان کے مصلیٰ کے نیچے سے شکر کی پڑیا مل جاتی ہے۔ حضرت بابا فریدؒ نماز پڑھنے کے بعد مصلیٰ کے نیچے سے شکر کی پڑیا لے لیا کرتے تھے۔ ایک روز آپ کی والدہ ماجدہ پڑیا رکھنا بھول گئیں۔ جب بیٹے سے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھی۔ بیٹے نے جواب دیا۔ ہاں نماز پڑھ لی اور شکر کی پڑیا بھی مل گئی۔ والدہ بہت متعجب ہوئیں۔ سمجھ گئیں کہ بچے کو غیب سے مدد ملتی ہے۔ چنانچہ اس دن سے شکر گنج کہہ کر پکارنے لگیں اور آپ اس لقب سے مشہور ہو گئے۔

آپ کا سلسلہِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ جب ۱۸ سال کے تھے تو آپ کی ملاقات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ایک مسجد میں ہوئی۔ ایک ہی نظر میں دونوں نے ایک دوسرے کی شخصیت کا اندازہ کر لیا۔ چنانچہ بابا صاحبؒ نے ان سے بیعت کی۔ جب حضرت بختیار کاکیؒ دہلی واپس جانے لگے تو بابا صاحبؒ کو نصیحت کی کہ علوم ظاہر و باطن کا سلسلہ جاری رکھنا۔ آپ نے ایسے ایسے مجاہدے کئے جن کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ غیر آباد کنوئیں میں الٹے لٹک کر عبادت کیا کرتے تھے۔ دن بھر مراقبہ میں رہتے تھے۔ آپؒ کے ارشاد کے مطابق رات کے وقت مؤذن آپ کو رسی سے باندھ کر کنوئیں میں الٹا لٹکا دیا کرتا اور رسی کا دوسرا

Marfat.com

سرا درخت سے باندھ دیتا۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار اقدس پر حاضر ہو کر یہاں اعتکاف فرمایا اور چلہ کشی کی اور اکتسابِ فیوض و برکات حاصل کرتے رہے چنانچہ حضرت مخدوم علی ہجویریؒ کے آستانہ عالیہ سے ذرا فاصلہ پر آپ کی جائے اعتکاف بھی موجود ہے۔ آپ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ازراہ آداب جب بھی مرقد مبارک پر حاضر ہوئے تو گھٹنوں اور کہنیوں کے بل رینگتے ہوئے حاضر ہوئے۔ بابا صاحبؒ کے تقدس اور ان کی مقبولیت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ جیسے باکمال ولی اللہ آپؒ کے دستِ حق پر بیعت ہوئے۔

حضرت شاہ حسین زنجانیؒ آپ کے پیر بھائی کا مزار بھی لاہور میں ہے

حضرت شاہ حسین زنجانیؒ المعروف میراں شاہ اور حضرت داتا گنج بخشؒ ایک ہی پیر و مرشد شیخ ابوالحسن ختلیؒ کے مرید تھے۔ حضرت شاہ حسین زنجانیؒ ۳۹۵ھ میں لاہور میں رونق افروز ہوئے۔ آپ کا وطن خراسان کے قریب زنجان ہے۔ اندجان اور سنجان خراسان کے گردونواح میں مشہور تاریخی قصبے ہیں۔ آپ ٹھیک اسی دن رحلت فرما گئے، جب حضرت داتا گنج بخشؒ نے لاہور میں قدم رکھا۔ آپ کا مزار لاہور کے مشرق میں چاہ میراں کے قریب ہے۔ مزار کے صدر دروازہ پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

''بارگاہِ فیض پناہ عارف سبحانی، قطب ربانی جناب حضرت سید میراں حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ''

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آپ کے مزار پر بھی چلہ کشی کی۔ آپ کے مزار کے جنوب کی طرف حجرہ بنا ہوا ہے جس پر حجرہ اعتکاف خواجہ معین الدین اجمیری تحریر ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ افغانستان کے اولیاء کرام نے پاکستان کی سرزمین کو دل سے چاہا اور یہاں سکونت اختیار کر کے شمع توحید روشن کی۔ یہی وجہ ہے کہ افغانستان اور پاکستان کا روحانی رشتہ ایک ہزار سال سے زائد قدیم ہے اور باہمی الفت و اُنسیت سے دونوں اسلامی ممالک سرشار ہیں۔

لاہور کے قطب المشائخ حضرت مادھولال حسینؒ ایک عظیم جلوس میں دربار داتا گنج بخشؒ حاضر ہوتے

حضرت مادھو لال حسینؒ شہنشاہِ اکبر کے دور میں ایک عارف حق صوفی شاعر تھے۔ آپ کا مزار باغبانپورہ کے قریب ہے جہاں ہر سال مارچ میں ان کے عرس مبارک کے موقع پر بے مثال چراغاں ہوتا ہے۔ پنجاب بھر کے عقیدت مند لاکھوں کی تعداد میں لاہور کے اس قطب المشائخ کے عرس میں شرکت کرتے ہیں۔ آپ کا عارفانہ کلام درویشوں شاعروں اور عوام کے لئے یکساں طور پر مقبول ہے۔

حضرت مادھو لال حسینؒ کو حضرت داتا گنج بخشؒ کے ساتھ والہانہ عقیدت تھی۔ بسا اوقات آپ ان کے

فیوض و برکات و کشف و کرامات کا تذکرہ اپنے عقیدت مندوں میں کیا کرتے۔ ایک اور صوفی باصفا جو شیخ حسو تیلی کے نام سے عوام میں مشہور تھے، چوک جھنڈا اندرون لاہور دروازہ ایک دکان میں مقیم تھے۔ حضرت لال حسینؒ اسی راستے اپنے مریدوں کے ہمراہ ایک عظیم جلوس میں دربارِ حضرت داتا گنج بخشؒ جایا کرتے تھے اور جب حسو تیلی کی دکان کے پاس پہنچتے تو وجد میں آ کر خوب اچھلا کرتے اور اپنے عارفانہ کلام سے لوگوں کو مسحور کرتے۔ آپ کو اس عالم میں دیکھنے کے لئے لوگوں کا ہجوم بسا اوقات بے قابو ہو جاتا اور آپ آخرکار جلوس کی صورت میں مزار حضرت داتا گنج بخشؒ حاضری کے لئے جاتے۔ یہ وجد آور اور پُرکیف منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا۔ شیخ حسو تیلیؒ جو ایک عمر رسیدہ بزرگ تھے، بخوشی اپنی دکان چھوڑ کر جلوس میں شامل ہو جاتے۔ چوک جھنڈا سے لے کر مزار حضرت داتا گنج بخشؒ تک سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا عقیدت مندوں کا یہ ہجوم اہل احوال و حقیقت کو منزل مراد سے ہمکنار کر دیتا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کی وفات

آخر وہ دن بھی آ گیا کہ اس شہنشاہِ طریقت کو حقیقت و علائق دنیاوی کے ظاہری دام سے بھی رہا ہونا پڑا۔ کسی بھی تاریخی حوالہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپؒ کتنے روز بیمار رہے اور آپؒ نے کب انتقال فرمایا۔ آپؒ کا عرس مبارک چونکہ ہر سال صفر کی ۲۰ تاریخ کو منایا جاتا ہے اس لئے خیال ہے کہ آپ کا انتقال کم از کم اسی ماہ میں ہوا ہوگا۔ محققین و مورخین میں سالِ وفات میں کچھ اختلاف ہے۔ مولانا جامیؒ ''نفحات الانس'' میں ۴۶۵ھ لکھتے ہیں۔ مصنف ''تذکرۃ الاولیاء'' حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ ۴۶۴ھ، حضرت داراشکوہ ''سفینۃ الاولیاء'' میں ۴۶۶ھ اور رائے بہادر کنہیالال مصنف ''تاریخ لاہور'' (اردو) اور سید محمد لطیف مصنف ''تاریخ لاہور'' (انگریزی) اور مولوی سید احمد دہلوی صاحب ''فرہنگ آصفیہ'' ۴۶۵ھ لکھتے ہیں۔ اندرونی دروازہ پر بھی جو قطعہ تاریخ درج ہے اس میں ''سال وصلش برآید از سردار'' ۴۶۵ھ لکھا ہے۔ ''تحقیقاتِ چشتی'' میں بھی مولوی نور احمد چشتی نے اپنے والد بزرگوار مولوی احمد بخش یکدل اور مولوی غلام فرید صاحب قریشی کے کئی قطعات لکھے ہیں جو حضرت داتا گنج بخشؒ کی وفات سے متعلق ہیں۔ ایک قطعہ ملاحظہ نظر کیا جاتا ہے۔

شیخ عالی علی ہجویری بود مخدوم ہر صغار و کبار
ہست سردار زیور لاہور طرفہ تاریخ وصل آں سردار

۴۶۵ھ ۴۶۵ھ ۴۶۵ھ

اگر حروف ''ہست''۔ ''سردار'' اور ''زیور لاہور'' سے سن وفات نکالا جائے تو ۴۶۵ھ ہی نکلتا ہے۔

بایں ہمہ محمد شفیع لاہوریؒ کے طبع شدہ ''کشف المحجوب'' کے نسخہ پر حضرت داتا صاحبؒ کا سنِ وفات ۴۷۱ھ تا ۵۰۰ھ درج کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ ۴۵۱ھ تا ۴۹۲ھ سلطان ابراہیم ابن مسعود غزنوی کا عہد حکومت تھا۔ اس کے دو بیٹے سیف الدین محمود اور علاؤ الدولہ مسعود ۴۵۹ھ سے ۴۹۹ھ تک لاہور کے حاکم اعلیٰ تھے۔ تاہم یہ تسلیم

Marfat.com

کرنا قرین قیاس ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ کے مزار کی زیارت سے اولاً علاؤ الدولہ مسعود مشرف ہوا اور مقبرہ سلطان ابراہیم[22] نے تیار کرایا۔

مزارِ پُرانوار پر اولیائے عظام کی حاضری

لاہور میں جہاں آپؒ محو استراحت ہیں، وہاں عوام وخواص کے علاوہ ہر وقت اولیائے ظاہرین ومستورین کا ہجوم رہتا ہے۔ پاکستان بھر میں یہ وہ مقدس مقام ہے جہاں جملہ مقاماتِ مقدسہ سے زیادہ قرآن خوانی ہوتی ہے۔ جہاں سب سے زیادہ ذکر خدا اور ذکر محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہوتا ہے اور تبلیغ اسلام اور روحانیت کا سب سے بڑا مرکز ہے جہاں ہر وقت حاجت مند زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قدر اولیائے عظام اور صوفیائے کرام لاہور تشریف لائے، خانقاہِ معلیٰ پر حاضری دیتے رہے اور اس مرکز تجلیات وانوار سے فیض یاب ہونا عین سعادت تصور کرتے تھے۔ سب اولیائے کرام کے اسمائے مبارک کا احاطہ ممکن نہیں، تاہم ذیل میں ان پاک ہستیوں کے نام درج کئے جاتے ہیں:

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ: جب آپؒ لاہور تشریف لائے تو آپ نے داتا صاحبؒ کے مزار پر چلہ کشی کی جہاں اب تک حجرہ اعتکاف موجود ہے۔ جب آپ واپس روانہ ہونے لگے تو برجستہ طور پر آپ کی زبان پر یہ شعر آ گیا ۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

اسی دن سے عوام وخواص نے آپؒ کو داتا گنج بخش کہنا شروع کر دیا۔

حضرت فرید الدین گنج شکرؒ چشتی: آپؒ بھی داتا صاحبؒ کے دربار پر حاضر ہوئے، بلکہ جس مقام پر آپؒ لاہور میں اقامت گزیں ہوئے تھے، اس کو اب تک آستانہ فرید کہا جاتا ہے جو کہ ضلع کچہری لاہور کے نزدیک واقع ہے۔

حضرت شیخ بہلول دریائی قادریؒ: آپ حضرت شاہ لطیفؒ (بری نور پور شاہاں، راولپنڈی) کے خلیفہ مجاز تھے۔ جب آپ لاہور سے روانہ ہوئے تو اپنے مرید حضرت لال حسین قادریؒ کو حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ کے سپرد کر گئے تھے۔

حضرت بوعلی قلندر پانی پتیؒ بھی حاضر دربار ہوتے تھے۔

حضرت شیخ حسن علائی سہروردی المشہور بہ حضرت حسو تیلی۔

میر خواجہ حسن علائی چشتی سنجری مصنف ''فوائد الفواد'' بھی حاضر دربار ہوئے۔

حضرت میاں میر بالا پیر قادریؒ۔

شہزادہ دارا شکوہ قادری بھی مزار پُرانوار پر حاضر ہوئے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی دہلویؒ۔

حضرت نوشہ گنج بخش قادریؒ مدفون ساہن پال شریف بھی حاضر دربار ہوئے۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہ کئی بار لاہور تشریف لائے۔ آپ نے لاہور کو قطب ارشاد[۲۳] کا درجہ دیا ہے۔ یہ خراج تحسین حضرت داتا گنج بخشؒ کے فیوض و برکات کا مرہون منت ہے۔

حضرت شاہ محمد غوث قادریؒ حاضر ہوتے تھے۔ آپؒ اپنی تالیف ''اسرار الطریقت'' میں تحریر فرماتے ہیں ''اس کے بعد لاہور جو ایک پرانا شہر اور بزرگوں کا مسکن ہے، آیا۔ اولیاؤں کے بعض مقبروں پر راتیں کاٹیں۔''

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ ابو المعالی قادریؒ لاہوری کی خدمت اقدس میں کئی بار لاہور تشریف لائے۔ آپ نے بھی ضرور اس مرقد عالیہ پر حاضری دی ہوگی۔

حضرت شاہ عنایت قادریؒ پیر و مرشد حضرت بلھے شاہؒ۔

حضرت سید بلھے شاہ قادری قصوریؒ باقاعدہ اپنے عقیدت مندوں کے ہمراہ حاضری دیتے۔ دورانِ حاضری وجد میں آ کر صوفیانہ کلام پڑھتے۔

ماضی قریب کے بزرگانِ دین نے بھی اس درگاہِ معلیٰ کی حاضری کو اپنا سب سے اہم اور مقدس فریضہ قرار دیا۔ حاضر ہونے والی چند ہستیوں کے اسمائے گرامی کی فہرست ملاحظہ فرمائیں:

حضرت میاں محمد شاہ چشتی ہوشیار پوریؒ، سائیں توکل شاہ نقشبندی مجددی انبالویؒ، حضرت شاہ ابو الخیر عبداللہ دہلوی نقشبندی مجددیؒ، حضرت قاضی سلطان محمود قادریؒ، حضرت قاری شاہ سلیمانؒ، حضرت مولانا غلام قادر چشتی بھیروی لاہوریؒ مدفون بیگم شاہی محلّہ، مولانا سید دیدار علی شاہ قادری نقشبندی الوری ثم لاہوریؒ، شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد نقشبندیؒ شرق پوریؒ، حضرت پیر مہر علی شاہ چشتیؒ گولڑہ شریف، حضرت پیر جماعت علی شاہ لاثانی نقشبندیؒ علی پور شریف، حضرت حافظ سید جلال شاہ قادری، چک سادہ ضلع گجرات، خواجہ حسن نظامی چشتی دہلویؒ، حضرت سید علی احمد شاہ گیلانی قادریؒ، حضرت ابو الحامد شاہ محمد محدث اشرفی چشتیؒ کچھو چھہ شریف (بھارت)، سید برکت علی شاہ قادری چشتیؒ، خواجہ قادر بخش نقشبندی مجددیؒ، حضرت خواجہ محمد عبدالخالق نقشبندی مجددیؒ، حضرت پیر سید محمد معصوم شاہؒ سجادہ نشین سادہ چک شریف، آپ قریباً چالیس سال آستانہ عالیہ پر حاضری دیتے رہے۔ حضرت پیر عبدالرحمٰن قادریؒ بھر چونڈی شریف سندھ، حضرت نور المشائخ فضل عمر معروف بہ ملا شور بازار نقشبندی مجددیؒ (کابل افغانستان)، حضرت پیر محمد اسماعیل شاہ نقشبندی مجددیؒ کرمانوالہ شریف۔ میاں رحمت علی نقشبندیؒ گھنگ شریف ضلع لاہور، سید نور الحسن شاہ نقشبندیؒ کیلیانوالے ضلع گوجرانوالہ، حضرت علامہ مولانا محمد عالم آسی نقشبندیؒ، حضرت مولانا حامد رضا خاں قادری بریلویؒ خلف اکبر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ، حضرت مولانا محمد یار فریدی بہاول پوریؒ۔ دورانِ حاضری اپنے وعظ سے حاضرین کو مستفید فرمایا کرتے تھے۔ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ بھی لاہور تشریف لاتے تو دربار داتاؒ میں حاضر ہوئے۔ حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ نقشبندی دہلویؒ، حضرت صاحبزادہ پیر سید غلام محی الدینؒ سجادہ نشین گولڑہ شریف، حضرت مولانا مولوی علامہ سردار احمد چشتی قادری محدث لائل پوریؒ۔

Marfat.com

۱۹۶۹ء میں مزار حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی بغدادیؒ کے سجادہ نشین حضرت سید یوسف گیلانی نقیب الاشرف نے مزار پُر انوار حضرت داتا گنج بخشؒ لاہوری پر حاضری دی۔ مسٹر جسٹس (ریٹائرڈ) شمیم حسین قادری اس وقت ان کے ہمراہ تھے۔

خانقاہِ عالیہ پر بادشاہوں کی حاضری

سب سے پہلا بادشاہ جس نے اس مزار اقدس پر حاضری دی وہ ظہیر الدولہ ابراہیم غزنوی افغانستان اور پنجاب کا حکمران تھا جس کا عہد حکومت (۱۰۵۹ء تا ۱۰۹۹ء) تھا۔ اسی بادشاہ نے اپنے عہد حکومت میں اس مقبرہ کی تعمیر کروائی۔ اس کے بعد سلطنت غزنوی کا ہر مقتدر رکن یہاں حاضر ہوتا رہا۔ بالخصوص سلطان الدولہ بن ارسلان شاہ غزنوی، سلطان معز الدولہ غزنوی بن بہرام شاہ، سلطان خسرو شاہ غزنوی اور سلطان خسرو ملک غزنوی حاضر دربار اقدس ہوتے رہے۔ مزید برآں امیر عضد اللہ اور طفاتگین سپہ سالارانِ غزنوی افواج بھی حاضر ہوتے رہے۔ غزنوی سلاطین کے بعد سلطان محمد غوری، سلطان قطب الدین ایبک، سلطان شمس الدین التمش اور سلطان غیاث الدین بلبن بھی مرقد منور پر حاضر ہوئے۔ ان کے علاوہ سلاطین خاندان سادات بھی حاضر دربار عالی وقار ہوئے۔ خاندان مغلیہ میں شہنشاہ جلال الدین اکبر، نور الدین جہانگیر، شہاب الدین شاہجہان، اورنگ زیب عالمگیر اور شہزادہ داراشکوہ قادری بھی مرقد منور کی حاضری سے مستفید ہوئے۔

ناظم الامور نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ، عز الدولہ خان بہادر نواب زکریا خاں، نواب یحییٰ خاں اور نواب معین الملک میر منو بھی داتا دربار میں اکثر حاضری دیتے۔ نواب میر مومن خاں نائب صوبہ لاہور کا مزار بھی اس خانقاہ عالیہ میں بنا جس کا نشان اب تک مسجد کے صحن میں محفوظ ہے۔

سکھوں کی حکومت میں بھی اس مرقد منور کی تقدیس برقرار رہی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ آپ کا بہت احترام کرتا تھا۔ وہ خود بھی حاضر ہوا بلکہ خزانے سے ایک ہزار روپیہ سالانہ مجاورین کا وظیفہ مقرر کیا ہوا تھا۔ اپنے عہد اقتدار میں اس نے ۱۸۳۳ء میں مزار اقدس کی مرمت بھی کرائی تھی۔ اس کے علاوہ رانی چند کور نے ایک دالان بھی اپنے خرچ سے بنوایا تھا۔ محمد خاں ٹکسال والا نے اس زمانہ میں اپنا ایک چاہ واقع میڈیکل کالج لاہور بھی خانقاہ کی نذر کر دیا تھا۔

انگریزوں کے عہد میں نواب شیخ امام الدین خاں گورنر کشمیر اور ان کے صاحبزادے نواب شیخ غلام محبوب سبحانی رئیس اعظم لاہور اس خانقاہ میں حاضر ہوتے رہے اور یہیں دفن ہوئے۔ نواب موصوف مزار کی خدمت کرنا اپنا فرض خیال کرتے رہے۔ آپ ایک سو اسّی روپے سالانہ اس مزار اقدس پر بطور نذرانہ پیش کیا کرتے تھے۔

خانقاہ معلیٰ پر مشاہیر کی حاضری

قیام پاکستان سے پہلے اور اس کے بعد دنیا کے بڑے بڑے مشاہیر اور بالخصوص سر زمین ہندو پاک کی

Marfat.com

مقتدر اور چیدہ چیدہ ہستیاں درِ اقدس پر حاضر ہونے کو باعث افتخار سمجھتے تھے۔ چند ایک کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

☆...... علامہ ڈاکٹر محمد اقبال (قادری)

☆...... مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی

☆...... خواجہ ناظم الدین (سابق) گورنر جنرل پاکستان

☆...... ملک غلام محمد گورنر جنرل پاکستان (سابق)

☆...... ابراہیم اسماعیل چندریگر گورنر پنجاب (سابق)

☆...... سردار عبدالرب نشتر گورنر پنجاب (سابق)

☆...... فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں (سابق) صدر پاکستان

☆...... ملک امیر محمد خاں (سابق) گورنر مغربی پاکستان

☆...... تنکو عبدالرحمٰن وزیر اعظم ملائشیا

☆...... ذوالفقار علی بھٹو (سابق) وزیر اعظم پاکستان

☆...... جنرل محمد ضیاء الحق (سابق) صدر پاکستان

مزرِ پُر انوار کی چھت پر آیاتِ قرآنی کی خطاطی

آپ کے مرقد پُر انوار کی اندرونی چھت پر قرآن مجید کی آیات اور پروردگارِ عالم کے پاک اسماء سے مزین، خوبصورت اور نادر کتبوں کو دیکھ کر روح کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔ کلام پاک کی ان آیات کی نقاشی کی سعادت ہندوستان اور پاکستان کے مایہ ناز کاتب حاجی دین محمد لاہوری نے حاصل کی۔ گنبد کی بنیاد کے بڑے دائرے میں سورہ یٰسین کی نقاشی کی گئی ہے۔ محرابوں پر حضور سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کی شان میں شیخ سعدیؒ کے چند اشعار اور قرآن پاک کی بعض دوسری آیات کندہ ہیں۔ گنبد کے درمیانی حصہ میں ایک بڑا تارہ بنا ہوا ہے جس کے گرد سورہ اخلاص کندہ کی گئی ہے۔

زیرِ تعمیر جدید مسجد حضرت داتا گنج بخشؒ

محکمہ اوقاف کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جامع مسجد زیر تعمیر ہے جس پر تقریباً چھ کروڑ روپے کی لاگت کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ مسجد کی تعمیر کا کام ۲۱ مارچ ۱۹۸۲ء کو شروع ہوا جبکہ اس کا سنگ بنیاد ۲۸ جنوری ۱۹۷۸ء کو رکھا گیا تھا۔ اس مسجد کے مینار جدید ترکی طرز کے استنبول کی مسجد بایزید سے مطابقت رکھتے ہیں۔ مسجد کی محرابیں مغل فن تعمیر اور ترکی طرز تعمیر سے مشابہت رکھتی ہیں جبکہ اس کے در و دیوار قرآنی آیات سے مزین ہوں گے۔ مسجد کے زیریں حصہ میں دارالعلوم اور لائبریری کا قیام عمل میں آئے گا۔ جدید ڈیزائن کے وضو خانے ٹھنڈے اور گرم پانی سے بھرے ہوں

Marfat.com

گے۔ مسجد کا صحن کشادہ رکھا گیا ہے جس کی لمبائی ۲۱۶ فٹ اور چوڑائی ۱۳۶ فٹ ہے جبکہ صحن کے دونوں جانب ۱۲ فٹ چوڑائی کے برآمدے ہوں گے۔ مسجد کے چیمبرز کی لمبائی ۱۵۸ فٹ اور چوڑائی ۸۰ فٹ ہو گی۔ چیمبرز کے دونوں جانب خواتین کے لئے باپردہ گیلریاں ہوں گی۔ مسجد کے چیمبرز میں دو ہزار اور صحن میں پانچ ہزار نمازیوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس جدید مسجد کے قبلہ کی سمت موجودہ مسجد اور بادشاہی مسجد لاہور کے قبلہ کے مطابق رکھی گئی ہے۔ ملک کے نامور علماء، مشائخ، خطاب اور آئمہ نے قبلہ کی سمت کے تعین میں اعانت کی ہے۔ اس مسجد کے تین دروازے ہوں گے۔ ایک راستہ مزار مبارک کی طرف سے، دوسرا ذیلدار روڈ اور تیسرا دربار روڈ کی جانب سے ہو گا۔ اسلامیہ ہائی سکول کی جگہ ایک پارک اور وسیع تر سڑک زیر تعمیر ہے۔

مختلف ممالک کے اولیاء کرام داتا صاحبؒ کی نظر میں

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ میں بطریق اختصار ان صوفیائے کرام کے حالات بیان کرتا ہوں جو مختلف شہروں میں جلوہ افروز ہیں اور اگر میں اس وقت تمام صوفیا کرام کے حالات مفصل اس کتاب میں بیان کروں تو طوالت کتاب یقینی ہے اور اگر بعض کے حالات چھوڑ دوں تو جو مقصود کتاب ہے وہ پورا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اب ہم ان کے اسمائے گرامی لکھتے ہیں جو ہمارے زمانہ میں ہیں۔ حقیقتاً اہل معانی اور اربابِ حق ہیں نہ کہ اصحاب رسوم میں سے تاکہ حصولِ مقصد سے قرب حاصل ہو جائے۔

عراق و شام کے مشائخ میں سے شیخ زکی بن العلاءؒ ہیں، جو بزرگان مشائخ اور سادات زمانہ میں سے تھے۔ میں نے ان کو محبت کے شعلوں میں سے ایک شعلہ پایا۔ ان کی نشانیاں اور براہین ظاہر ہیں اور شیخ بزرگوار ابو جعفر محمد بن المصباح صیدلانیؒ ہیں جو روسائے متصوفین میں سے تھے اور تحقیق میں عمدہ زبان رکھتے تھے۔ حسین بن منصور سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ ان کی بعض تصانیف میں نے پڑھی ہیں اور حضرت ابو القاسم سدی ہیں جو شیخ مجاہدہ اور عمدہ حال تھے۔ حسن عقیدت کے ساتھ درویشوں کے نیاز مند اور پاسبان تھے۔

ملک فارس کے مشائخ میں شیخ الشیوخ ابو الحسن ابن سالبہ ہیں جو تصوف میں افصح اللسان اور توحید میں واضح البیان تھے۔ ان کے کلمات مشہور ہیں اور شیخ مرشد ابو اسحٰق ابن شہریار ہیں جو برگزیدہ قومت میں سے ہیں اور سیاست شرعیہ کے بہترین عالم ہیں اور شیخ طریقت ابو الحسن بن مکران ہیں جو اکابر صوفیاء میں سے تھے اور شیخ ابو مسلم ہروی ہیں جو عزیز وقت اور عمدہ حال تھے اور شیخ ابو الفتح سالبہ اپنی سلطنت کے بہترین خلف اور امید افزا حال کے مالک ہیں اور شیخ ابو طالبؒ ہیں جو ایک بزرگ، پابند کلماتِ حق تھے اور ان سب میں شیخ الشیوخ شیخ ابو اسحٰقؒ ہیں جن کی زیارت میں نہیں کر سکا۔

شہر قہستان اور آذربائیجان اور فک کے مشائخ میں سے شیخ شفیق فرح معروف بہ اخی زنجانی ہیں، جو نیک سیرت ستودہ طریقت ہیں اور اس زمانہ کے شیخ، صوفیوں کے بزرگوں میں سے ہیں۔ ان کی بھلائیاں بہت ہیں

Marfat.com

بادشاہ وقت بنام تائب راہ حق میں برگزیدہ تھا اور شیخ ابو عبداللہ جنیدی ہیں جو ایک پیر کامل اور محترم ہیں اور اس وقت کے اجلہ مشائخ میں سے۔ شیخ ابو طاہر مکشوف اور خواجہ حسن سمنانی جو ایک راہِ حق کے متلاشی ہیں اور شیخ سہلکی ہیں جو جماعت صوفیا میں دانشور ہیں اور احمد بن شیخ خرانی ہیں جو اپنے والد کے فرزند رشید ہیں اور ادیب کمندی ہیں جو سادات زمانہ میں سے ہیں۔

کرمان کے مشائخ میں سے خواجہ علی بن حسین کیر کانی ہیں، جو سیاح وقت اور صاحب طریقت ہیں۔ ان کے فرزند حکیم ایک مرد عزیز ہے اور شیخ محمد بن سلمہ وقت کے بزرگوں میں سے ہوئے ہیں۔ ان کے سامنے بہت سے ایسے پوشیدہ اولیاء اللہ جو پاسبان درگاہِ حق ہو گزرے ہیں۔

خراسان کے مشائخ میں سے جہاں آج سایہ اقبالِ حق ہے شیخ مجتہد ابو العباس دامغانی ہیں جن کا حال اور وقت اچھا رہا اور خواجہ ابو جعفر محمد بن علی ہجویری ہیں جو طریقت کے محققین مشائخ میں سے ایک بزرگ ہیں اور خواجہ ابو جعفر ترشیزی ہیں جو عزیزان وقت میں سے تھے اور خواجہ محمود نیشا پوری ہیں جو مقتدائے وقت اور نیک زبان تھے، اور شیخ محمد معشوق ہیں جن کا حال عمدہ اور نیک تھا اور اپنے وقت کے خوش خلق تھے اور جمرۃ الحب تھے جو نیک باطن اور خرم بزرگ تھے اور خواجہ رشید مظفر فرزند شیخ ابو سعید امیدوار ہیں جو مقتدائے قوم اور دلوں کے قبلہ تھے اور خواجہ شیخ احمد حمادی سرخسی ہیں جو وقت کے سپاہی اور میرے ساتھی تھے۔ ان کے کاموں میں بڑی قدرت دیکھی ہے۔ یہ جواں مردانِ متصوفہ میں سے تھے اور شیخ احمد نجار سمرقندی مقیم مرو اپنے زمانہ کے سلطان تھے اور شیخ ابو الحسن بن علی الاسود ہیں جو اپنے والد کے فرزند رشید اور اپنے زمانہ میں علو ہمت اور صدق فراست میں بے مثل تھے۔

خراسان کے تمام مشائخ کا شمار کرانا دشوار ہے۔ نہ صرف میں نے ہی خراسان میں تین سو ایسے بزرگوں کو دیکھا ہے جن میں سے ہر ایک کا مشرب یہی تھا۔ ان میں سے کوئی ایک ہی سارے جہان کے لئے کافی ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ خراسان کے افق پر آفتاب محبت اقبال طریقت ہمیشہ تاباں رہا ہے۔

ماوراء النہر کے مشائخ میں سے خواجہ امام، مقبول خاص و عام ابو جعفر محمد بن حسین حرمی ہیں جو صاحب سماع اور پابند طریقت ہیں۔ ان کی ہمت بلند اور حال مصفٰی ہے۔ سالکان راہ حق کے ساتھ شفقت فرماتے ہیں اور اپنے ساتھیوں میں آقا اور فقیہ ہیں اور ابو محمد پانعری ہیں جو اچھا حال اور معاملات محکم رکھتے ہیں اور شیخ وقت احمد ایلاقی ہیں جو بزرگ زمانہ اور تارکِ رسوم و عادات ہیں اور مزید وقت یگانہ زمانہ خواجہ عارف ہیں اور خواجہ زمن علی ابن اسحٰق جو مرد محتشم اور نیک زبان ہیں۔ یہ وہ اسمائے گرامی ہیں جن کو میں نے دیکھا اور ہر ایک کا مقام معلوم کیا۔ یہ تمام محقق ہیں۔

غزنی کے مشائخ میں سے شیخ عارف ممدوح زمانہ ابو الفضل بن اسدی، شیخ طریقت ہیں جن کی کرامتیں اور براہین ظاہر و روشن ہیں۔ جب سوز محبت کا غلبہ ہوا تو لوگوں نے ان کی ظاہری حالت سے دھوکہ کھایا اور شیخ مجرد علائق دنیوی کے تارک اسماعیل شاشی شیخ محتشم ہیں جو ملامتی روش میں ہیں اور علمائے طریقت میں شیخ سالار ہیں جن کا حال عمدہ ہے اور شیخ دانا معدن اسرار ابو عبداللہ محمد بن حکیم معروف بہ "مرید از مستانِ حق" ہیں جو اپنے زمانہ میں اپنے فن

میں ثانی نہ رکھتے تھے۔ ان کا حال لوگوں پر پوشیدہ ہے۔ ان کے براہین ونشانات ظاہر وروشن ہیں۔ صحت میں ان کا حال بہتر ہے، اس لئے کہ وہ مشاہدے والے ہیں اور شیخ محترم، سب میں مقدم سعید بن ابی سعید عیاں ہیں جو حدیث مصطفیٰ ﷺ کے حافظ ہیں۔ زندگی عمدہ پائی اور بکثرت مشائخ کو دیکھا۔ حال میں قوی اور بے خبر تھے مگر پوشیدہ رہتے تھے۔ کسی پر ظاہر نہ ہوتے تھے اور خواجہ بزرگوار جانشین حرمت و وقار ابوالعلیٰ عبدالرحیم بن احمد سعدی ہیں جو عزیز قوم سردارِ وقت تھے۔ مجھے ان سے بہت ارادت ہے۔

محمود غزنوی کے دربار میں نوجوان ہجویریؒ کی کشف وکرامت

حضرت یعقوب چرخیؒ "رسالہ ابدالیہ" [۲۴] میں سلطان محمود غزنوی کے دربار کا ایک واقعہ جب حضرت سید مخدوم علی ہجویری عالم شباب میں تھے، یوں بیان کرتے ہیں: "انہی شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ سے منقول ہے کہ سلطان محمود غزنویؒ کے وقت میں ہندوستان کی فتح کا سبب وہی تھے۔ ہندوستان سے ایک دانشمند سلاطین ہند کا پیغام لے کر غزنی آیا اور کہنے لگا کہ اہل ہند کا مذہب برحق ہے۔ ہے کوئی ایسا آدمی جس سے اس کے متعلق میرا مباحثہ و مکالمہ ہو اور اسلام پر ہمارے دین کی حقیقت واضح ہو جائے۔ سلطان محمود غزنوی اور اس کے تمام درباری علماء امراء اور شرفاء حاضر ہوئے لیکن ان میں سے کسی ایک کو بھی اس مسئلہ پر ہندوستانی دانشمند سے بحث کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ شیخ ابوالحسن غزنویؒ الہام ربانی (کشف) سے اس مجلس میں حاضر ہوئے۔ اس ہندو فلسفی نے شیخ سے پوچھا "میری سیر کہاں تک تھی؟" شیخ نے فرمایا: "سراندیپ تک۔" اس نے کہا: "کوئی نشانی لاؤ؟" شیخ نے فرمایا: "سراندیپ کے ایک گاؤں میں کچھ لوگ سبز مرچیں چن رہے تھے۔ ان کے نزدیک ہاتھی تھے۔" پھر شیخ نے اپنے خرقہ سے ہاتھ باہر نکالا تو کچھ سبز مرچیں فلسفی کو دے دیں۔ ہندو فلسفی حیران رہ گیا اور فوری طور پر مسلمان ہو گیا۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں داتا صاحبؒ کی کرامات

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک و ہند جنگ میں پاکستانی افواج کی تعداد بہت کم اور اسلحہ بھی تھوڑی مقدار میں تھا۔ سترہ دن کی جنگ میں پاکستان کے فرزندان توحید کی ایک چھوٹی سی جماعت نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود کفار کے جم غفیر کو عبرتناک شکست دی۔ فتح کی سب سے بڑی وجہ حضور اکرم ﷺ و حضرت داتا گنج بخشؒ کی روحانی امداد تھی۔ لاہور پر تین جانب سے ہندوستان کی افواج کے حملہ کا پسپا ہونا داتا گنج بخشؒ کے فیوض و برکات کا مرہون منت ہے جس کا ثبوت مندرجہ ذیل واقعات سے بخوبی ملتا ہے۔ ہفت روزہ "چٹان" [۲۵] لاہور نے ان دنوں یہ لکھا تھا:

ایک صاحب قصور کے رہنے والے ہیں۔ وہ ہر ہفتہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پُرانوار پر حاضری دیا کرتے تھے۔ ایک دن حسب معمول مزار پر حاضر ہوئے۔ کوشش بسیار کے باوجود صاحب مزار سے کوئی توجہ نہ مل سکی۔ اسی پس و پیش کے عالم میں انہوں نے تین دن تک وہیں قیام کیا۔ آخری رات چند لمحات کے لئے زیارت ہوئی تو

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ محاذ پر مصروف تھا۔ سرکارِ دو جہاں ﷺ کے فرمان کے مطابق بزرگانِ دین پاکستان کی سرحدوں پر متعین کیے گئے ہیں اور پاکستان کی حفاظت کے لئے جہاد کا حکم دے دیا گیا ہے۔

جنگ کے ایام میں روزنامہ ''حریت'' کراچی اور روزنامہ ''مشرق'' لاہور میں مدینہ منورہ سے ایک صاحب کا خط شائع ہوا جس میں لکھا تھا کہ مکتوب نگار کو آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی۔ دیکھا کہ سرور کونین حرم نبویؐ کے باب السلام میں بڑی عجلت میں پابہ رکاب ہیں اور آپ کے جلو میں صحابہ کرامؓ کا قافلہ بھی ہے۔ رسالت مآب ﷺ فرما رہے تھے کہ پاکستان پر کفار نے حملہ کر دیا ہے، اس لئے جہاد فرض ہو گیا ہے اور سواری بڑی تیزی سے روانہ ہو گئی۔

جنگ کے دوران ایک ہندوستانی طیارہ دریائے راوی کے قریب گرا لیا گیا۔ اس کا پائلٹ جو ایک سکھ نوجوان تھا، پیراشوٹ کے ذریعے زمین پر محفوظ اتر گیا۔ اس نے اس امر کا اعتراف کیا کہ متعدد بار اس نے راوی کے پل کو بم سے اڑانے کی کوشش کی مگر ہر بار ایک[۲۶] ہاتھ جس پر سبز رنگ کی پٹی تھی، مجھے گرفت میں لے کر عاجز کر دیتا۔ کئی بار میں بچ بچا کر نکل گیا۔ آخر کار میرا جہاز اس سبز رنگ کی مضبوط گرفت کے باعث لاہور میں گرا لیا گیا۔ یہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی روح مطہرہ تھی جو جنگ کے دوران مصروف پاکستان کی اعانت کر رہی تھی۔

حواشی

۱۔ سفینۃ الاولیاء ص ۱۶۵
۲۔ مقالات دینی و علمی، ص ۱۸۳، مطبوع ۱۹۶۰ء لاہور
۳۔ سفینۃ الاولیاء ص ۱۶۵ سے خزینۃ الاصفیاء ص ۲۳۶
۴۔ کشف المحجوب، مطبوعہ سمرقند ص ۱۲۱
۵۔ دیکھئے صفحات ۲۰۔۲۱ دیباچہ حکیم محمد موسیٰ ترجمہ کشف المحجوب نسخہ سمرقند، المعارف۔ لاہور
۶۔ ایضاً۔
۷۔ مقدمہ کشف المحجوب از ژوکوفسکی۔ طبع طہران ص ۵۰۰
۸۔ اس رسالہ پر سن اشاعت تحریر نہیں مگر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کا بیان ہے کہ چھ ورق کا ایک رسالہ ''فقرنامہ'' مشہور بہ ''کشف الاسرار'' کے نام سے ۱۸۷۰ء میں لاہور ہی سے شائع ہوا۔ مقالاتِ دینی و علمی حصہ اوّل (ص ۲۲۸)
۹۔ دیکھئے صفحات ۲۲۔۲۳ ترجمہ کشف المحجوب نسخہ۔ سمرقند، المعارف۔
۱۰۔ دیکھئے دانش گاہ۔ پنجاب دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۹۔ ص ۹۴
۱۱۔ دائرہ معارف اسلامیہ۔ دانش گاہ پنجاب لاہور جلد ۹ ص ۹۲۔
۱۲۔ ژوکوفسکی: کشف المحجوب مطبوعہ لینن گراڈ۔ ص: ۲۰۹ ص ۳۹۔ پیش لفظ حکیم محمد موسیٰ ص ۵۱۔ ۵۲ اردو ترجمہ نسخہ سمرقند، مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور
۱۳۔ محمد دین فوق ''سوانح حیات حضرت داتا گنج بخشؒ'' (ص ۵۲ تا ۵۶) نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے پیر

Marfat.com

بھائی لاہور میں آپؒ سے پہلے مقیم تھے۔ دائرہ معارف اسلامیہ لاہور جلد ۹ ص ۹۴ میں بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ جب حضرت داتا گنج بخشؒ لاہور تشریف لائے تو اس وقت آپ کے پیر بھائی حضرت شاہ حسین زنجانی کا جنازہ جارہا تھا۔

۱۴۔ اس کتاب کے باب روحانی نظام میں اولیاء کرام کے مدارج بحوالہ ''کشف المحجوب'' بیان کئے گئے ہیں کہ کس طرح دنیاوی نظام کے ساتھ روحانی نظام بھی عالم غیب میں قائم ہوتا ہے۔

۱۵۔ دیکھئے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اردو ترجمہ مولانا محمد سعید احمد۔ طبع کراچی۔ دفتر اول حصہ اول، ص ۲۳۸۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں: فقیر کے نزدیک یہ شہر لاہور تمام ہندوستان کے شہروں میں قطب ارشاد کی طرح ہے۔ اس شہر کی خیر و برکت تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے۔

۱۶۔ دیکھئے مزید نوٹ

۱۷۔ تاریخ لاہور از کنہیا لال ص ۹۱

۱۸۔ شہزادہ داراشکوہ لاہور شہر کی تعریف میں ''سفینۃ الاولیاء'' میں لکھتا ہے: لاہور ایک بہت بڑا متبرک شہر ہے۔ چار دانگ عالم کا تحفہ یہاں مل سکتا ہے۔ اولیاء، صلحاء، علما و فضلا کا یہ مرکز ہے۔ مزارات مبارکہ یہاں بہت ہیں اور آدمی یہاں کے صحیح القول ہیں۔ حفاظ کے محلے یہاں بہت ہیں۔

۱۹۔ مشرق و مغرب کے شعراء و مورخین متفقہ طور پر لاہور کی عظمت کے معترف ہیں۔ ابو الفداء نے چودہویں صدی عیسوی میں ابن الاثیر کی تصنیفات میں اسے ہندوستان کا عظیم شہر پایا۔ ابوالفضل نے سولہویں صدی عیسوی میں لاہور کو جری جیالوں کا شہر کہہ کر پکارا۔ مشہور و معروف سیاح تھیوناٹ نے لکھا شیراز اور اصفہان دونوں مل کر بھی لاہور کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یورپ کا شاعر ملٹن لاہور کو عظیم تر سلطنتوں کا دارالحکومت، قدیم اور جدید روایات کا علمبردار کہہ کر پکارتا ہے اور لکھتا ہے کہ حضرت آدم بھی تو لاہور شہر کے حسن کی ایک جھلک جنت فردوس سے دیکھ کر فریفتہ ہو گیا تھا۔

(محمد نصیب ''لاہور سٹی تھرو دی ایجز'' پاکستان ٹائمز لاہور۔ راولپنڈی میگزین ۱۶ اپریل ۱۹۸۲ء)

۲۰۔ آپ کا اسم مبارک شیخ حسن علائیؒ سہروردی تھا

۲۱۔ دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۹ ص ۹۴۔ شائع کردہ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

۲۲۔ دیکھئے ''تاریخ لاہور'' از محمد لطیف ص ۱۷۷

۲۳۔ ملاحظہ ہو مکتوباتِ مجدد الف ثانی اردو ترجمہ مولانا محمد سعید، دفتر اول حصہ اول ص ۲۳۸

۲۴۔ ابدالیہ تصنیف حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ۔ ناشر اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور۔ ص ۲۰۔ ۲۱

۲۵۔ دعوت ارواح مصنفہ محمد ارشد قادری، اسلامک بک فاؤنڈیشن۔ ص ۱۸۰۔ ۱۸۱

۲۶۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور۔ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۶۵ء

☆......☆......☆

Marfat.com

صوفی سکندر شیخ

حضرت مخدوم سید ابوالحسن علی ہجویریؒ

رشد و ہدایت اور علم و حلم کے پیر

ولادت غزنی ۴۰۰ھ، وصال لاہور ۴۸۵ھ

رہنمائے کاملاں حضرت ابوالحسن علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ اپنے عہد کے یکتا اور اپنے طریق میں یگانہ تھے۔ آپ تصوف میں حضرت جنید بغدادیؒ کا مسلک رکھتے تھے۔ میدان شریعت میں حنفی تھے اور امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بے حد متاثر تھے۔ مشائخ عظام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت داتا علی ہجویریؒ اسلام کے ان بزرگان دین، اولیاء اللہ، علماء اور فضلا میں سرفہرست ہیں جنہوں نے برصغیر پاک و ہند کے بت پرستی کے طلسم کو پاش پاش کیا اور پرچم توحید و رسالت کو بلند کرنے کی کوشش کی۔ آپ علم اصول اور اہل تصوف میں بڑا بلند اور رافع مقام رکھتے تھے۔ دین کی تشہیر و تبلیغ میں آپ نے فعال کردار ادا کیا اور اسی وجہ سے عوام الناس میں امام العارفین زبدۃ السالکین، حجتہ الکاملین، سند لواصلین کے شہرہ آفاق القابات سے مشہور ہوئے۔

نام ونسب

آپ کی کنیت ابوالحسن اسم گرامی علی بن عثمان تھا۔ آپ عوام الناس میں داتا گنج بخشؒ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ ہاشمی سید تھے اور آپ کا سلسلہ آٹھویں پشت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔ آپ ۴۰۰ھ میں غزنی کے شہر کی ایک بستی ہجویر میں پیدا ہوئے اس لئے آپ ہجویری کہلوائے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید عثمان جلابی تھا۔ جلاب بھی غزنی سے ملحق ایک دوسری بستی کا نام ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم ہجویر میں حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے دور دراز مملکت کے سفر کئے۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ ابوالعباس اشقانیؒ، شیخ ابوجعفر محمد بن المصباح الصید لانیؒ، شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ، شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانیؒ، ابو

Marfat.com

عبداللہ محمد بن علی المعروف داغستانی بنسطامیؒ، ابوسعید فضل اللہ بن محمد میہنیؒ اور ابو احمد مظفر بن احمد حمدانؒ کے نام گرامی تواریخ سے ملتے ہیں۔ شیخ ابو العباسؒ اشقانی کے بارے میں حضرت مخدوم علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ آپ علم اصول و فروع میں اور اہل تصوف میں اعلیٰ پایہ کے بزرگ ولی اللہ تھے لیکن حضرت علی ہجویریؒ کے پیر طریقت اور پیرو مرشد حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی تھے۔ آپ خود لکھتے ہیں کہ آپ کا سلسلہ طریقت جنیدیہ ہے اور آپ کو جنیدیہ ہونے پر فخر ہے۔ طریقت میں میری پیروی واقتدا ان سے ہے۔ وہ علم تفسیر اور حدیث کے جید عالم تھے اور وہ طریقت میں شیخ جنید بغدادی کا مسلک رکھتے تھے۔ نیز آپ اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں، میں نے اپنے پیرو مرشد حضرت ابوالفضل الختلی مرد خدا سے بڑھ کر کسی کو بارعب نہیں دیکھا۔ آپ سے زیادہ باہیبت بزرگ کو نہیں دیکھا۔ آپ کا ارشاد ہے الدنیا یوم ولنافیه صوم (دنیا دن ہے اور اور ہم روزہ دار ہیں۔) بحوالہ کشف المحجوب ۲۰۸۔

جس روز آپ کے کامل مرشد حضرت ابوالفضل الختلیؒ کا وصال ہوا آپؒ ان کے پاس بیت الجن میں تھے۔ مرشد پاک نے میری گود میں سر مبارک رکھا ہوا تھا۔ اس وقت میرے دل میں لوگوں کی عدالت کے مطابق ایک سچے دوست کی جدائی کا بہت رنج تھا۔ آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ اے بیٹا! میں اعتقاد کا ایک مسئلہ تجھے بتاتا ہوں اگر تو اپنے آپ کو اس کے مطابق کرے گا تو سب رنجوں سے چھوٹ جائے گا۔ جان لے کہ سب واقعات وحالات (زندگی وموت) منجانب اللہ تعالیٰ ہے تجھے اللہ تبارک تعالیٰ کے فعل پر نہ کوئی جھگڑا کرنا چاہیے اور نہ دل میں رنج کرنا چاہیے اس کے سوا کوئی لمبی وصیت نہ فرمائی اور جان جان آفریش کے سپرد کر دی۔ بحوالہ ''کشف المحجوب'' ۱۶۰۔

لاہور آمد

حضرت داتا علیؒ ہجویری کی لاہور آمد کے متعلق مورخین کی آراء یہ ہیں کہ آپؒ پہلی مرتبہ سلطان مسعود غزنوی کے حملہ ہانسی کے وقت اور دوسری مرتبہ ترکمانوں سے مسعود غزنوی کے بعد ۴۳۱ ہجری میں لاہور تشریف لائے۔ بحوالہ مقالہ ڈاکٹریٹ کشف المحجوب۔ اس بدامنی کے دور میں غزنی کے باشندوں خصوصاً علماء اور بزرگان دین نے ہجرت کی اور حضرت داتا علی ہجویریؒ اپنے دو ساتھیوں ابوسعیدؒ ہجویری اور حماد سرخسیؒ کے ہمراہ لاہور پہنچے۔ بحوالہ جات محمد دین فوق ''سوانح حیات حضرت علی بن عثمان ہجویری'' اور مولانا سید محمد متین ہاشمی مصنف ''سید ہجویر''۔

لاہور آمد کے بعد حضرت داتا صاحبؒ نے ایک بلند ٹیلہ پر قیام فرمایا جہاں آپؒ کا مزار اقدس ہے اور آپؒ نے مسجد تعمیر کرائی۔ یہیں آپؒ نے تبلیغ دین اور رشد و ہدایت کے کارنامے انجام دیئے مگر علماء کرام نے رخ قبلہ پر اعتراض کیا۔ آپؒ نے ان سب علماء کو دعوت نماز دی اور خود امامت فرمائی۔ دوران نماز جب سب نمازیوں نے قبلہ کا رخ خانہ کعبہ کی طرف اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تو بعد نماز ان سب علماء نے حضرت داتا علیؒ ہجویری سے اپنی غلطی کا اعتراف کیا بلکہ معذرت کی۔ بعد ازاں آپؒ نے مسجد ہی سے شمع اسلام فروزاں کی اور پورے برصغیر میں اسلام کی روشنیاں منور کیں۔ آپؒ نے بے شمار غیر مسلموں کو متاثر کیا اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے بلکہ رائے راجو (گورنر

Marfat.com

لاہور) آپؒ کے دست مبارک پر مسلمان ہوا۔ آپ نے اسے شیخ ہندی کا لقب عطا فرمایا۔ یہ حقیقت ہے کہ آپؒ کا آستانہ پاک و ہند کا سب سے بڑا ظاہر و باطنی اور روحانی علوم کا منبع و مخزن ہے کہ برصغیر کے عظیم المرتبت صوفیاء کرام نے دینی و روحانی فیوض حاصل کیے۔ سلسلہ چشتیہ کے پیشوا حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ نے حضرت علی ہجویریؒ کے مزار اقدس پر چلہ کشی کی اور اجمیر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ دوران چلہ کشی جو مشاہدے اور کشف آپؒ پر ظاہر ہوئے، ان کا عکس ذیل کے شعر سے مکمل طور پر ملتا ہے ۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ اور کئی اولیاء کرام نے حضرت داتا صاحبؒ کے مزار مبارک پر چلہ کشی اور مجاہدے کیے اور منصبِ ولایت سے نوازے گئے۔

داتا گنج بخشؒ اور کشف المحجوب

احیائے دین کے سلسلے میں علماء اور صلحاء نے جو گرانقدر خدمات سرانجام دیں، ان سے تاریخ انسانی عبارت ہے خصوصاً تاریخ اسلام علماء و صلحاء کے کارناموں سے مزین و ممیز ہے۔ آپ کا اوّلین مقصد غلط و قبیح رجحانات و رسومات کی اصلاح کے ساتھ ساتھ لادینی افکار کی بیخ کنی کر کے اسلام کی فکری و عملی راہوں میں جو ناہمواریاں اور رکاوٹیں پیدا ہوگئی تھیں، ان کو پاک و صاف کرنا تھا چنانچہ آپ نے علم و عرفان معرفت و رموز کے ذریعے مردہ دلوں میں روح بیدار کرتا تھا۔ غیر مسلموں کو اسلام کی لذتوں نعمتوں سے روشناس کرانا تھا۔ توحید و رسالت کی شمع فروزاں کرنا تھا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مشن میں کامیاب کیا۔ آپؒ کی یہ تصنیف ''کشف المحجوب'' بہت جامع اور آسان ہونے کے ساتھ عام فہم بھی ہے۔

یہ کتاب انسانی رویوں کو سماجی و معاشرتی سطح پر متوازن بنانے میں رہنمائی کرتی ہے۔ داتا صاحبؒ کی نگاہ دوررس معاشرتی زندگی کو کس قدر اہمیت دیتی تھی، اس کی وضاحت کے لیے موضوعات پیش خدمت ہیں۔

معاشرتی زندگی کے آداب واحکام

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ آداب سیکھنے کے معنی اپنے اندر نیک خصلتوں کو جمع و پرورش کرنا ہے۔ فرمان خداوندی ہے کہ یاایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھیکم نارا (۶۶:۶) اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اپنے آپ اور گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔ اس کے معنی ہیں ادبو ھم یعنی انہیں ایسا ادب سکھاؤ جو ان کو آگ سے بچائے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ ترجمہ: آدمی کے آداب کا عمدہ ہونا اس کے ایمان کا جزو ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کس قدر امت مسلمہ کو تنبیہ کر رہے ہیں گویا ایسے آداب کو ایمان کا حصہ بنا دیا۔ اس واضح تادیب کے بعد کوئی فاتر العقل ہی معاشرتی زندگی کی دیوار میں دراڑ ڈالے گا۔ آپؒ نے مزید فرمایا معاشرت کے آداب شرائط یہ ہیں

کہ ایک کے ساتھ اس کے درجے اور مرتبے کے مطابق پیش آیا جائے۔ غیبت سے پرہیز کیا جائے کیونکہ غیبت فساد کی جڑ ہے۔ چغلی، غیبت، حسد، عداوت، کینہ و خیانت سے پرہیز کیا جائے۔ دراصل یہ وہ چیزیں ہیں جو لوگوں کے دلوں کو پھاڑ دینے والی ہیں۔ باہمی دوستی اور پاکیزہ معاشرہ پیدا کرنے کے لیے حدیث مبارکہ ہے کہ ترجمہ: تین چیزیں جن سے دوستوں اور بھائیوں کے تعلقات بہتر اور پاکیزہ ہوتے ہیں، وہ یہ ہے کہ جب تم ایک دوسرے کو ملو تو سلام کرو، جب کوئی مجلس میں آئے تو اس کے لئے جگہ بناؤ اور اس کے نام سے پکارا جائے جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو۔

آداب

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں، جب مومن ایک جگہ مقیم ہوں انہیں حسب ذیل آداب کی پابندی کرنی چاہئے:

''اس کے پاس جب کوئی مسافر آئے تو بڑی خوشی اور تعظیم کے ساتھ اس کا استقبال کرے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے مہمانوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں حکم خداوندی ہے کہ جب حضرت ابراہیم کے پاس مہمان آئے تو آپ فوراً اندر گئے اور مہمانوں کے لیے موٹا تازہ بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ مزید فرمایا کہ میزبان کو مہمان سے نہیں پوچھنا چاہیے کہ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ یہ باتیں پوچھنا آداب کے خلاف ہے کیونکہ ان کا آنا جانا بحکم الٰہی ہے۔''

آداب سفر

آپ فرماتے ہیں کہ مومن کا سفر خدا کے لیے ہونا چاہیے۔ یہ سفر حج عمرہ یا کسی بزرگ کی زیارت کے لئے ہوتے ہیں۔ دوران سفر دوسرے ساتھیوں کے آرام و آسائش کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے کیونکہ دین اسلام دوسروں کو تکلیف دینا ہرگز پسند نہیں کرتا یہاں تک کہ غیر مسلموں کے آرام و آسائش کا بھی خیال رکھنا اسلام کی اساسی شرائط میں سے ایک ہے۔ سبحان اللہ! اللہ کا ایک بزرگ آپس میں امن و آشتی سے رہنے کے لیے کن کن جزئیات کا خیال رکھتا ہے اور اس کی تشہیر کرتا ہے۔ آج کے پُر آشوب دور میں اگر ہم ان باتوں کا خیال رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم تسبیح کے دانوں کی مثل ہو جائیں گے۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے اس صورت حال کو ایک خوبصورت شعر میں اس طرح واضح کیا ہے ۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

آداب معاشرت کے سلسلہ میں داتا صاحبؒ کی تعلیمات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیغام جو حضرت علامہ اقبال نے حضرت داتا علی ہجویریؒ کے نو سو سال بعد مسلم قوم کو دیا، اس پیغام سے وہ عوام کو کئی سو سال

پہلے آگاہ کر چکے تھے۔ اصل میں اللہ کی توحید پر ایمان رکھنے والا مستقبل کے حالات سے بحکم الٰہی آگاہ ہو جاتا ہے۔ امت مسلمہ کو جسدِ واحدہ میں تبدیل اور محکم کرنے کے لیے اسلاف کی زندگیوں کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہر بزرگ نے معاشرہ کو صالح بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے اسلام کے عین مطابق نہ صرف خود عمل کیا بلکہ اپنے متوسلین کو بھی اس جادہ کشا پر چلنے کا حکم فرمایا۔

حضرت داتا علی ہجویریؒ کی زندگی کی اصلاح کے لئے حد درجہ کوشاں رہتے۔ آپ نے اپنی تعلیمات کو عوام الناس تک پہنچانے میں ''کشف المحجوب'' جیسی نابغہ روزگار کتاب تصنیف فرمائی اور عوام الناس تک اس کو پہنچانے کا بندوبست کیا۔ اس تناظر میں ''کشف المحجوب'' کی اہمیت پر نظر ڈالی تو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا فرمان گرامی حقیقت پر مبنی نظر آتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی کامل مرشد نہ ملا ہو تو داتا گنج بخشؒ کی ''کشف المحجوب'' کا مطالعہ کرے۔ اس کا قلب خود بخود منور ہو جائے گا تو پھر کسی مرشد کی ضرورت نہ رہے گی۔ اس لاثانی کتاب کے چند مختلف موضوعات پر مختصر تعارف کروانے کی جسارت کی جاتی ہے۔

''کشف المحجوب'' کے پہلے باب میں علم کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ثابت کیا ہے کہ صوفی درویش کے لئے صاحب علم ہونا کتنا ضروری ہے اور علم عمل سے مشروط ہے۔ داتا علی ہجویریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص علم کو دنیا کی عزت و خوشحالی کے لیے حاصل کرے وہ عالم نہیں ہے۔ دنیاوی عزت و جاہ کی آرزو کرنا جہالت ہی کا حصہ ہے۔ داتا صاحبؒ نے کلام مجید اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں علم کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں (۱) علم اللہ تعالیٰ (۲) علم خلق۔ مزید وضاحت فرمائی کہ علم خداوند تعالیٰ کے ساتھ بندہ کا علم ہیچ ہے۔ وہ تمام موجودات و معدومات کو جانتا ہے۔ بندوں کا علم ایسا ہونا چاہیے کہ ظاہر و باطن میں نفع بخش ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) اصولی یعنی کلمہ شہادت پڑھنا (۲) فروعی یعنی ظاہر میں معاملہ نہ کرنا اور باطن میں اس کی صحیح نیت کرنا۔ حضرت داتا صاحبؒ کے نزدیک ظاہر بغیر باطن منافقت ہے اور باطن بغیر ظاہر زندقہ، علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے۔

کتاب کے دوسرے باب میں فقر پر بحث کی گئی ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں فقر کا مرتبہ اور مقام اللہ کے نزدیک بلند اعلیٰ اور ارفع ہے۔ فقر و غنا میں داتا صاحبؒ نے سچے فقیر ''صوفی'' کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ فقیر کی عزت اس میں ہے کہ وہ جسم کو ذلیل حرکتوں سے بچائے اور اپنے حال کو انتشار سے محفوظ رکھے۔ عوام سے اس کا واسطہ ہو، نہ ان سے رابطہ ہو یعنی لوگوں سے اور دنیا سے بے نیاز اس قدر ہو کہ دونوں جہاں فقیر کے ترازو کے پلڑے میں مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہ رکھتے ہوں، فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو۔ اگر زر مال آ بھی جائے تو اس کے زہد و غنا میں کوئی فرق نہ پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ فقیر جس قدر تنگدست اور مفلوک الحال ہوگا اسی قدر اس پر کشف و اسرار کا انکشاف ہوگا۔

حضرت سید ابوالحسن علی ہجویریؒ نے صوفی کی اصلیت پر محققانہ بحث کی ہے کیونکہ لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی صوف کا کپڑا پہنتا ہے اس لئے اس نام سے منسوب ہے۔

Marfat.com

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ صوفی صف اول میں رہتا ہے اس لئے یہ اس کا نام پکارا جاتا ہے۔ تیسرے کا خیال ہے کہ یہ اصحاب صفہ کے تعلق کی وجہ صوفی کہلاتے ہیں اور چوتھے کی رائے ہے کہ اسم صفا سے مشتق ہے مگر حضرت داتا گنج بخشؒ نے ان سب توجیہات کو غلط قرار دیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ صوفی کو اس لئے صوفی کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب بنا لیتا ہے اوار طبیعت کی آفتوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ حقیقت میں صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک وصاف ہو کیونکہ تصوف باب التفعل سے ہے جس کا خاصہ تکلف ہے یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے اور یہی تصوف کے اصل معنی ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے تصوف کی بحث میں حضرت جنید بغدادیؒ کا قول بیان فرمایا ہے یعنی تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے جس سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے مثلاً تصوف میں سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی ہو، رضا حضرت اسماعیلؑ کی ہو، صبر ایوبؑ کا ہو، اشارات حضرت زکریاؑ کے، غربت حضرت یحییٰؑ کی، سیاست حضرت عیسیٰؑ کی، لباس حضرت موسیٰؑ کا اور فقر حضرت محمدﷺ کا ہو۔ چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر بحث کی گئی ہے۔ اس لباس میں حضرت داتا گنج بخشؒ کمبل یا گدڑی پر بطور خاص بحث کرتے ہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں گدڑی کا پہننا گویا کفن کا پہننا ہے جس کے بعد زندگی کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو کر صرف خدا کا ہو کر رہنا پڑتا ہے۔

چھٹا باب ملامت پر ہے۔ داتا علی ہجویریؒ نے فرمایا ہے کہ خلق خدا کی ملامت کو خدا کے دوستوں کی غذا کہا جائے مثلاً شیخ ابو طاہر حرمی ایک بار بازار سے گزر رہے تھے کہ کسی نے کہا کہ اے پیر زندیق! آپ کے مرید نے جھگڑا کرنا چاہا مگر آپ نے اسے ایسا کرنا سے منع کیا اور گھر آ کر ایسے خطوط دکھائے جن میں انہیں شیخ ذکی، شیخ زاہد، شیخ الاسلام، شیخ الحرمین کہہ کر مخاطب کیا گیا اور فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتماد کے مطابق جو چاہتا ہے مجھ کو کہتا ہے مگر سب اسم نہیں بلکہ القاب ہیں اور اگر کوئی مجھے زندیق کہے تو اس کے لیے جھگڑا کیوں کیا جائے۔ اس ملامت کے علاوہ ایک ذاتی ملامت ہے مثلاً ایک دفعہ حضرت ابو یزید رمضان کے مہینے میں سفر حجاز سے واپس آئے تو شہر والوں نے آپ کا بڑا والہانہ استقبال کیا۔ آپ اس استقبال کی وجہ سے یاد خدا سے غافل ہو گئے۔ فوراً آپ نے اپنی آستین سے ایک ٹکیہ نکالی اور کھانا شروع کر دی۔ جونہی لوگوں نے یہ معاملہ دیکھا تو فوراً آپ سے بیزار ہو کر دور چلے گئے۔ آپ نے ایسا قصداً کیا تھا کہ اللہ کی عبادت میں خلل نہ آئے۔ حضرت ابوالحسن علی ہجویریؒ نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کے لیے ایک تروتازہ باغ ہے، دوستوں کے لیے ایک مایہ ناز تفریح، مشتاقوں کے لیے راحت اور مریدوں کے لیے سرور ہے۔ آخر میں داتا صاحبؒ اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابو یزید کے مزار پر تین مہینے حاضر رہا۔ ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا مگر وہ کشف حاصل نہ ہوتا جو ایک بار پہلے وہیں حاصل ہو چکا تھا۔ آخر اُٹھ کر وہاں سے خراسان چلا گیا۔ ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں صوفیا کی ایک جماعت نظر آئی۔ میں اس جماعت کی نگاہ میں بہت حقیر معلوم ہوا۔ ان میں سے چند کہنے لگے ہم میں سے نہیں ہے اور واقعی میں ان میں سے نہیں تھا۔ انہوں نے مجھے ٹھہرانے کے لیے ایک کوٹھا نما مکان دیا اور وہ خود اچھے مکان میں ٹھہرے۔ کھانے کے وقت

مجھ کو سوکھی روٹی دی اور خود اچھا کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد تمسخر سے خربوزے کے چھلکے میرے سر پر پھینکنے لگے اور طنزیہ باتیں کرتے تھے۔ جس قدر وہ زیادہ طنز کرتے تھے میرا دل اسی قدر خوش ہوتا یہاں تک کہ ذلت اٹھاتے اٹھاتے مجھے وہ کشف حاصل ہو گیا جو اس سے پہلے نہ تھا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں۔ ساتویں باب میں صوفیا کے نقطہ نظر سے صحابہ کرام، اہل بیت، اہل صفہ، تبع تابعین، آئمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر کیا ہے۔

''کشف المحجوب'' میں حضرت داتا علی ہجویریؒ نے مندرجہ بالا موضوعات اور ملفوظات کے علاوہ کئی اور مسائل پر بھی وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔ آپ کی تصنیف کا اصل جوہر اور اس کے مفہم کو ظاہر اور واضح کرنے کا مرکزی خیال توحید و رسالت اور قرآن و سنت ہے۔ مزید موضوعات یہ ہیں جن پر آپ نے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی۔ آئمہ صحابہ کرام، آئمہ اہل سنت، اہل صفہ، آئمہ طریقت، تبع تابعین، آئمہ متاخرین اہل طریقت کے مختلف مکاتب کے صوفیانہ عقائد، افکار اور نظریات کے علاوہ حقیقت نفس، ولایت کے اسرار و رموز، صبر و رضا، مدہوشی اور ہوش، فنا و بقا، معرفت الٰہی، آداب محبت، جود و سخا، نماز روزہ، زکوٰۃ، حج، ازدواجی زندگی، حقیقت سماع، بھوک، صوفیانہ اصطلاحیں الغرض ''کشف المحجوب'' حقیقت کی تلاش کا ذوق رکھنے والے باہمت لوگوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ طریقت و شریعت میں توازن اور ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لیے اور صوفیانہ عمل کی راہیں متعین کرنے کے لیے لاثانی اور بے بہا روحانی خزینہ ہے۔

''کشف المحجوب'' سے ماخوذ چند حکایات و ملفوظات

''کشف المحجوب'' ایک ایسی کتاب ہے جو زندگی کے ہر مرحلہ کی رہنمائی کرتی ہے۔ اس کا ایک ایک حرف عبرت اور درس عبرت ہے۔ گویا یہ انسان کا تعلق اللہ سے جوڑنے میں مدد معاون ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو، وہ اس کتاب کو پڑھے یعنی یہ کتاب مرشد کامل کی طرح رہنمائی کے فرائض انجام دے گی۔ اس تعریف سے اس کتاب کی اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ ذیل میں چند حکایات اور ملفوظات پیش خدمت ہیں تاکہ قارئین کے لئے عبرت اور آخرت کی رہنمائی کا سبب بن سکے۔

۱۔ ایک دن امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کھجوروں کے باغ سے اس حال میں تشریف لا رہے تھے کہ لکڑیوں کا گٹھا آپؓ کے سر مبارک پر رکھا ہوا تھا حالانکہ آپ چار سو غلام رکھتے۔ کسی نے عرض کی اے امیر المومنین! یہ کیا ماجرا ہے؟ آپؓ نے فرمایا ''اریدان اجرب نفسی'' میں نے چاہا کہ اپنے نفس کا تجزیہ کروں تاکہ لوگوں میں جو رتبہ ہے، اس کی وجہ سے یہ نفس کسی کام سے مجھے باز نہ رکھے۔

۲۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نوفل بن حبانؓ کا انتقال ہوا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے اور تمام لوگ حساب گاہ میں کھڑے ہیں۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا کہ

Marfat.com

آپ ﷺ حوض کوثر کے کنارے کھڑے ہیں اور آپ ﷺ کے دائیں بائیں بہت سے بزرگ موجود ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ جن کا چہرہ نورانی اور بال سفید ہیں، حضور پاک ﷺ کے رخسار مبارک پر اپنا رخسار رکھے ہوئے ہیں اور ان کے پاس حضرت نوفل موجود ہیں۔ جب حضرت نوفل نے مجھے دیکھا تو وہ میری طرف تشریف لائے اور سلام کیا۔ میں نے ان سے کہا مجھے پانی عنایت فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا میں حضور اکرم ﷺ سے اجازت لے لوں۔ پھر حضور ﷺ نے انگشت مبارک سے اجازت مرحمت فرمائی اور انہوں نے مجھے پانی دیا۔ اس میں کچھ پانی تو میں نے پیا اور کچھ اپنے رفقا کو پلایا لیکن پھر بھی پیالہ کا پانی ویسا کا ویسا ہی رہا، کم نہیں ہوا۔ پھر میں حضرت نوفلؒ سے پوچھا۔ حضوت پاک ﷺ کی داہنی جانب کون بزرگ ہیں۔ انہوں نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ اور حضور ﷺ کے بائیں جانب حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔ اسی طرح معلوم کرتا رہا یہاں تک کہ سترہ بزرگوں کی بابت دریافت کیا۔ جب میری آنکھ کھلی تو ہاتھ کی انگلیاں سترہ عدد تک پہنچ چکی تھیں۔

۳۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے ایک واقعہ اپنے رشد و ہدایت کے بارے میں خود بیان فرمایا ہے کہ میں بیت المقدس سے مصر کی طرف آ رہا تھا۔ مجھے ایک شخص آتا دکھائی دیا۔ میں نے دل میں یہ خیال کیا کہ اس سے کوئی نصیحت پوچھنا چاہئے۔ جب قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ بڑی بوڑھی عورت ہے۔ پشم کا جبہ پہنے اور ہاتھ میں عصا و لوٹا لیے ہوئے تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ "من این" کہاں سے آ رہی ہو "قالت من اللہ" اس نے کہا کہ خدا کی طرف سے۔ "قالت الی این" میں کہا کہ اب کدھر کا ارادہ ہے۔ "قالت الی اللہ" اس نے کہا خدا کی طرف! میرے پاس ایک دینار تھا۔ اسے دینا چاہا تو اس نے ایک طمانچہ میرے رخسار پر مار کر کہا اے ذوالنون! تو نے جو مجھے سمجھا ہے وہ تیری نافہمی ہے۔ خدا کے لیے ہی کام کرتی ہوں اور اس کی عبادت کرتی ہوں اور اسی سے مانگتی اور طلب کرتی ہوں۔ کسی دوسرے سے کچھ نہیں لیتی۔ یہ کہہ کر آگے چلی گئی۔ اس سے ذوالنون کا اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل پختہ ہوا۔

۴۔ ایک مرتبہ حضرت ابوالحسن نوریؒ نے تین شبانہ روز اپنے گھر میں کھڑے ہو کر شور مچایا۔ لوگوں نے حضرت جنید بغدادیؒ سے جا کر بیان کیا۔ آپ اٹھ کر فوراً تشریف لائے اور فرمایا اے ابوالحسن! اگر تم جانتے ہو کہ اس شور و غل میں بھلائی ہے تو بتاؤ میں بھی شور و غل کروں اور اگر تم جانتے ہو کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں تو دل کو رضائے الٰہی کے حوالے کر دو تاکہ تمہارا دل خوش و خرم رہے۔ چنانچہ حضرت نوریؒ اس سے باز آ گئے اور کہنے لگے ابوالقاسم! آپ کیسے اچھے استاد و رہنما ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے حضور دل میں عرض و استدعا کرنی چاہیے کیونکہ آہ و بکا کو وہ پسند نہیں کرتے۔

۵۔ حضرت جنید بغدادیؒ جب بوڑھے ہو گئے تو اس بڑھاپے میں جوانی کے کسی ورد کو نہ چھوڑا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے شیخ! اب آپ بوڑھے اور کمزور ہو گئے ہیں۔ ان میں کچھ نوافل چھوڑ دیجیے۔ انہوں نے

فرمایا یہی تو وہ چیز ہے جن کو ابتداء میں ادا کر کے میں اس مرتبہ کو پایا ہے۔ اب یہ ناممکن ہے کہ انتہا کو پہنچ کر میں ان سے دستبردار ہو جاؤں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی راہ میں استقامت رکھنے والے کس طرح مستقل مزاج ہوتے ہیں بلکہ وہ لاغر اور ضعیف ہونے کے باوجود اپنے اندر جذبہ ایمانی اور قوت روحانی جوانی کے عالم سے زیادہ پاتے ہیں۔

حرص و ہوس اور غلاموں کے غلام

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک درویش کی ایک بادشاہ سے ملاقات ہوگئی۔ بادشاہ نے درویش سے کہا کہ کوئی چیز مجھ سے مانگیے۔ درویش نے کہا کہ میں اپنے غلاموں کے غلاموں سے کوئی چیز نہیں مانگتا۔ بادشاہ نے کہا کہ اس بات کی ذرا وضاحت کر دیں تو درویش نے نے جواب دیا کہ میرے دو غلام ہیں ایک حرص دنیا اور دوسرا آرزو لیکن آپ میرے ان دونوں غلاموں کے غلام ہیں، اس لئے ہم غلاموں سے کوئی چیز نہیں مانگتے۔

ملامتِ نفس

حضرت داتا علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بایزید سفر حجاز کے دوران ایک شہر پہنچے تو اہل شہر نے بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ آپ کا استقبال کیا جس کی وجہ سے آپ لوگوں کی رعایت میں مشغول ہو گئے اور اللہ شانہ کی طرف سے توجہ ہٹ گئی۔ اس پر آپ پریشان ہو کر بازار کی طرف نکل گئے اور آستین سے ایک روٹی کا ٹکڑا نکال کر کھانے لگے۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ ظاہر بین ہجوم آپؒ کی یہ حرکت دیکھ کر آپؒ کے پاس سے ہٹ گیا اور آپؒ کو تنہا چھوڑ گیا۔ مرید سے کہنے لگے ان کے نزدیک میں نے شریعت پر عمل نہیں کیا تو سب لوگ مجھے آزاد چھوڑ گئے حالانکہ حالت سفر میں ہوں یعنی روزہ مجھ پر فرض نہیں۔

نفس کی ذلت اور حصولِ مراد

ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے پوچھا کہ کبھی آپؒ کو اپنی مراد بھی حاصل ہوئی۔ آپؒ نے فرمایا دو مرتبہ۔ ایک مرتبہ میں خستہ حال لباس اور پھٹی ہوئی گدڑی میں ایک کشتی پر سوار تھا۔ میرے ہمسفر میرے ساتھ میری حالت کے باعث تمسخر کرتے۔ ایک مسخرا شخص بار بار میرے بال کھینچتا اور مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کرتا حتیٰ کہ اس نے مجھ پر حقارت سے تھوکنا شروع کر دیا۔ میں اپنے نفس کی ذلت پر خوش اور اپنے آپ کو بامراد محسوس کیا۔ دوسری مرتبہ سخت بارش میں سردی سے ٹھٹھرتا ہوا ایک گاؤں میں پہنچا اور ایک مسجد میں پناہ لینے کی کوشش کی مگر لوگوں نے میری بدحالی کے پیش نظر وہاں سے نکال دیا۔ میرے ساتھ یہی سلوک دوسری اور تیسری مسجد میں بھی ہوا۔ سردی کے ہاتھوں لاچار ایک حمام کی بھٹی میں گھس گیا جس سے میرا لباس اور جسم دھوئیں اور کالک سے سیاہ ہو گیا لیکن

میرا دل و دماغ نور سے منور ہو گیا اور اپنے آپ کو بامراد محسوس کرنے لگا۔

صبر و حلم کی آزمائش

مروی ہے کہ ایک روز حضرت امام حسینؓ کوفہ میں اپنے مکان کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بدو آیا۔ اس نے حضرت امام حسینؓ اور ان کے والدین کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے۔ آپؓ نے فرمایا اے اعرابی! شاید تو بھوکا ہے یا کسی مصیبت میں مبتلا ہے۔ مجھے بتا کہ میں تیری کیا مدد کروں۔ مگر اس گنوار نے اپنی بدکلامی جاری رکھی تو حضرت امام حسینؓ نے اپنے غلام سے فرمایا ''اس کو درہموں کی ایک تھیلی لا کر دے دو'' اور پھر فرمایا ''اے اعرابی! معاف کرنا گھر میں اس کے سوا کچھ نہیں ورنہ میں تمہیں اور کچھ بھی دیتا۔ یہ سن کر اعرابی بے ساختہ بول اٹھا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؓ واقعی خاندان رسول ﷺ کے چشم و چراغ ہیں۔ میں نے تو آپ کے صبر و حلم کو آزمایا تھا اور یہ صفت صرف حقیقت شناس امام عالی مقام و مشائخ کی ہے کہ ان پر لوگوں کی تعریف اور ندامت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔''

حسب ونسب اور اعمالِ صالح

آپؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام جعفر صادقؒ سے مشہور بزرگ صوفی حضرت داؤد طائیؒ نے کسی نصیحت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا ''اے ابو سلیمان! تو خود اپنے زمانے کا زاہد ہے۔ تجھے میری نصیحت کی کیا ضرورت ہے؟'' حضرت داؤد طائیؒ نے عرض کی ''اے فرزند رسول!! آپ کو سب پر فضیلت ہے اور سب کو نصیحت کرنا آپ پر واجب ہے۔'' آپ نے فرمایا کہ ''میں ڈرتا ہوں کہ قیامت کے روز میرے محترم نانا پاک ﷺ میرا دامن پکڑ لیں گے کہ تو نے میری متابعت کا حق ادا نہیں کیا اور یہ فرض عالی نسبی اور نسلی شرافت پر انحصار نہیں بلکہ یہ اللہ کے حضور اچھے عمل پر موقوف ہے۔'' یہ سن کر حضرت داؤد طائیؒ پریشان ہو کر رونے لگے اور کہا ''اے خدایا! جس شخص کی طینت نبوت کے پانی سے گوندھی گئی ہے، اس کے نانا حضرت محمد ﷺ اور ماں حضرت فاطمۃ الزہراؓ خاتون جنت ہوں، وہ اتنا حیران و پریشان ہے تو بھلا داؤد کون ہے جو اپنے عمل پر مغرور ہو۔''

پیروی رسول ﷺ کا ثمر

ایک بزرگ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ حضرت حبیب بن سلیم الراعیؒ جنگل میں نماز پڑھ رہے ہیں اور ایک بھیڑیا آپ کی بکریوں کی رکھوالی کر رہا ہے۔ آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے سلام کے بعد پوچھا اے شیخ! ایک بھیڑیئے کی بکریوں کے ساتھ موافقت کا کیا مطلب؟ آپ نے جواب دیا ''مطلب یہ ہے کہ بکریوں کا چرواہا حق تعالیٰ سے موافقت رکھتا ہے۔'' یہ کہہ کر آپ نے لکڑی کا ایک پیالہ پتھر کے نیچے رکھ دیا اور میں نے دیکھا کہ پتھر میں سے دودھ اور شہد کے دو چشمے پھوٹ نکلے ہیں۔ فرمایا ''لو پی لو''۔ میں نے عرض کیا اے شیخ! یہ

Marfat.com

مرتبہ آپ نے کیسے حاصل کیا؟ آپ نے فرمایا ''حضرت محمد ﷺ کی متابعت سے۔'' پھر آپ نے فرمایا ''اے لڑکے! حضرت موسیٰ کی قوم جو آپ کی مخالف تھی، ان کے لئے پتھر سے پانی کا چشمہ جاری ہوسکتا تھا تو کیا جو عاجز بندہ حضرت محمد ﷺ کی پیروی کرتا ہے، اس کے لیے پتھر سے دودھ اور شہد نہیں نکل سکتا۔ یہ حضور پاک ﷺ کی متابعت کا ادنیٰ ثمر ہے۔

ماں کے حقوق

ایک شیخ فرماتے ہیں کہ روانگی حج سے قبل حضرت ابو حازم المدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ استراحت فرما رہے تھے۔ چنانچہ تھوڑی دیر ٹھہرا رہا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو مجھے دیکھ کر فرمایا کہ میں نے آنحضور ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے اور آپ نے ہدایت فرمائی ہے کہ ماں کے حق کی حفاظت حج کرنے سے بہتر ہے۔ واپس جا اور اس کی دلجوئی کر، چنانچہ شیخ کے حکم سے واپس لوٹا اور ماں کی خدمت میں محو ہو گیا کیونکہ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔

اہلِ علم اور شاہی دربار

ایک مرتبہ عباسی خلیفہ منصور نے حضرت ابو حنیفہؒ، حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت مسعر بن کدامؒ اور قاضی شریحؒ بن عبداللہ کو قضاۃ کے عہدہ کے لیے دربار میں طلب کیا۔ جب چاروں حضرات دربار میں حاضری دینے کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں امام اعظم نے فرمایا کہ ''میں اپنی فراست کی بنا پر دیکھ رہا ہوں کہ خلیفہ منصور کی پیش کش ایک حیلہ بنا کر منظور کردوں گا، سفیان ثوری بھاگ کر اور مسعر اپنے آپ کو دیوانہ ظاہر کر کے جان چھڑا لے گا جب کہ شریح قاضی بن جائے گا۔ چنانچہ حضرت ثوری واقعی شاہی اہلکاروں سے آنکھ بچا کر راستے سے ہی بھاگ نکلے۔ باقی تینوں کو خلیفہ کے روبرو پیش کیا گیا تو خلیفہ نے ان سے پہلے سوال حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے کیا کہ آپ قاضی کیوں نہیں بننا چاہتے؟ آپ نے جواب دیا کہ اے امیر! میں عربی نہیں بلکہ عجمی ہوں اور عرب کے سردار میرے حکم پر راضی نہ ہوں گے۔ خلیفہ نے کہا کہ قضا سے نسب کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کے لئے علم کی ضرورت ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں اس عہدے کے اہل نہیں۔ خلیفہ منصور کہا کہ آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ نے فوراً جواب دیا کہ جھوٹا آدمی قضا کے لائق نہیں ہوتا۔ یہ کہہ کر آپ نے قضا کی ذمہ داریوں سے رہائی پائی۔ اس کے بعد مسعر پیش ہوئے۔ آپ نے خلیفہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ آپ کیسے ہیں۔ آپ کے لڑکوں اور جانوروں کا کیا حال ہے۔ اس پر خلیفہ نے کہا کہ اسے باہر نکالو یہ تو دیوانہ ہے۔ آخر خلیفہ نے شریح (شریک بن عبداللہ) کو قاضی کے عہدے پر مامور کر دیا۔ اس طرح امام حنیفہؒ اس عہدہ سے بچے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے قاضی شریح کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا اور پھر کبھی ان سے بات تک نہ کی۔

Marfat.com

نفس کی خواہش سے توبہ

داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ کی توبہ کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ آپ ایک کنیز پر فریفتہ تھے۔ ایک رات اس کنیز کے مکان کی منڈیر کے نیچے ساری رات دیدار کے لیے کھڑے رہے۔ فجر کی اذان کے وقت ہوش آیا کہ میں نے ساری رات ایک کنیز کے دیدار کے لیے کھڑے کھڑے گزار دی۔ اس خیال سے سخت ندامت ہوئی اور دل میں کہنے لگے "اے مبارک کے بیٹے! تجھے شرم آنی چاہیے کہ آج رات تو خواہش نفس کے لئے کھڑا رہا جبکہ اس کے برعکس اگر امام نماز میں لمبی سورت پڑھ لے تو دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اس ہوائے نفس کے مقابلے میں تمہارے ایمان کا دعویٰ کس قدر کھوکھلا ہے۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت توبہ کی اور علم کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے اور آخر وہ مقام پایا جو مقتدائے زمانہ کو حاصل ہوتا ہے۔ توبہ صدق دل سے کر لی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔

ڈاکو کی ڈاکہ زنی سے توبہ

حضرت فضیل بن عیاضؒ اپنی ابتدائی زندگی میں مرو کے علاقوں میں ڈاکہ زنی کیا کرتے تھے۔ اپنی دلیری اور جرأت مندی کے باعث اتنی شہرت رکھتے تھے کہ اس علاقہ سے کوئی قافلہ حفاظتی دستہ کی مدد کے بغیر نہ گزر سکتا تھا۔ اس مذموم کام میں بھی انہوں نے اچھی عادات قائم رکھیں۔ وہ عورتوں اور کم سرمایہ والے حضرات کو نہ چھیڑتے۔ ایک مرتبہ ایک سوداگر مرو سے روانہ ہوا تو لوگوں نے کہا کہ راستہ میں فضیل ہوگا لہٰذا اپنے ساتھ حفاظتی دستہ لے لو مگر اس سوداگر نے دستہ کی بجائے ایک قاری کو ساتھ لیا اور اللہ پر بھروسہ کر کے سفر شروع کر دیا۔ قاری راستہ میں اونٹ پر بیٹھا ہوا تلاوت کرتا رہا۔ جب یہ حضرات اس جگہ پہنچے جہاں فضیل گھات لگائے ہوئے بیٹھا تھا تو قاری نے اتفاق سے یہ آیت پڑھی۔ ترجمہ: کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت قریب نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الٰہی سے پسیج جائیں۔ یہ سن کر فضیل بن عیاض کے دل پر اس قدر اثر ہوا کہ ڈاکہ زنی سے سچی توبہ کر لی اور جن لوگوں کا سامان لوٹ چکے تھے، انہیں تلاش کر کے سامان واپس کر دیا اور خود مکہ معظمہ حج و زیارت رسول ﷺ مدینہ منورہ چلے گئے۔

حکمرانِ وقت اور درویش

عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے وزیر فضل بن ربیع کی روایت ہے کہ میں خلیفہ ہارون الرشید کے ہمراہ عازم مکہ مکرمہ ہوا۔ جب ہم حج کر چکے تو خلیفہ نے مکہ مکرمہ میں موجود اہل اللہ کی زیارت کی خواہش ظاہر کی چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے عبدالرزاق صنعانیؒ اور پھر حضرت سفیان بن عیینہؒ کے ہاں لے گیا۔ ہارون الرشید نے کچھ وقت ان بزرگوں کے ساتھ گزارا اور جاتے وقت ان بزرگوں کا کچھ واجب الادا قرض بھی ادا کیا۔ واپسی پر فضل سے

کہا کہ اے فضل! ابھی تک میرا مقصد حاصل نہیں ہوا۔ فضل بن ربیع نے کہا کہ اے خلیفہ! مجھے یاد آیا کہ حضرت فضیل بن عیاضؒ بھی یہاں موجود ہیں چنانچہ خلیفہ کو میں ان کی خدمت میں لے گیا۔ وہاں پہنچے تو شیخ جھروکے میں بیٹھے قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ہماری دستک اور تعارف کے بعد نیچے آ کر دروازہ کھولا اور چراغ گل کر کے ایک کونے میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ خلیفہ ہارون الرشید ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھے تو ان کا ہاتھ شیخ سے ٹکرا گیا۔ اس پر شیخ درویش نے فرمایا کاش یہ ہاتھ جس سے زیادہ نرم ہاتھ میں نے کبھی نہیں دیکھا اگر عذاب الٰہی سے چھوٹ جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ یہ سن کر خلیفہ ہارون الرشید ہچکیوں سے رونے لگے۔ جب طبیعت سنبھلی تو شیخ درویش نے عرض کیا اے فضیل! مجھے نصیحت کیجئے۔ حضرت شیخ نے فرمایا اے امیر المومنین! آپ کے دادا رسول ﷺ کے چچا تھے۔ انہوں نے آنحضور ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے کسی قوم پر سردار بنا دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے آپ کے نفس کو آپ کے جسم پر اسیر کر دیا یعنی آپ کا ایک سانس عبادت الٰہی میں اس سے بہتر ہے کہ خلقت آپ کی فرمانبرداری کرے، کیونکہ امارت قیادت کے دن شرمندگی کا باعث ہوگی۔ خلیفہ نے مزید نصیحت کرنے کی درخواست کی تو حضرت فضیل بن عیاضؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ بیان کیا۔ جب خلافت کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈالی گئی تو انہوں نے تین بزرگوں سالم بن عبداللہ، رجا بن حیات اور محمد بن کعب القرظی کو بلا کر اس مصیبت سے نجات پانے کی تدبیر دریافت کی چنانچہ ان سے ایک نے کہا۔

''اگر آپؒ قیامت کے روز عذاب الٰہی سے نجات چاہتے ہیں تو بوڑھے مسلمانوں کو اپنے باپ کی طرح اور ان کے لڑکوں کو اپنے بیٹے کی طرح جانیے۔ یہ سارا اسلامی ملک آپؓ کا گھر ہے اور اس کے رہنے والے آپ کے اہل و عیال ہیں۔''

''کشف المحجوب'' اور آراء مغربی مفکرین

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی بدولت پاک وہند میں تصوف اور روحانیت نے بڑا فروغ پایا اور حقیقی تصوف سے عوام کو روشناس کرانے میں اس کتاب نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اسی وجہ سے ''کشف المحجوب'' علوم تصوف پر حضرت ابوالحسین علی ہجویریؒ کی ایک شہرہ آفاق تصنیف مانی گئی ہے، جو موضوع ومتن کے اعتبار سے بلند پایہ اور انمول خزینہ ہے۔ یہ کسی تعریف اور توصیف کی محتاج نہیں۔ اس کتاب کو تصوف کے آئین کا درجہ حاصل ہے۔ اس نابغہ روزگار کتاب میں آپؒ فرماتے ہیں کہ میں کتاب علم حقیقت وعرفان کے بارے میں اپنے ایک رفیق سفر حضرت ابوسعید ہجویریؒ کے سوالات کے جوابات میں تحریر کی اور اس کتاب کے نام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب ''کشف المحجوب'' (یعنی پردوں کا اٹھانا، حجابات کا اٹھانا) اس لئے رکھا کہ کتاب کے نام سے ہی اہل علم وفکر جان لیں کہ اس سے کیا مراد ہے۔ ''کشف المحجوب'' شریعت اور طریقت کے قواعد وضوابط، اسرار ورموز اور صوفیانہ فکر ونظر کے متعلق ہر دور میں عظیم تخلیق قرار دی گئی ہے۔ جب چھپائی (پرنٹنگ) کا کوئی بندوبست نہ تھا، حقیقت کے متلاشی اہل دل نے اس کے قلمی نسخے لکھے اور لوگوں تک پہنچانے کا بندوست کیا۔ ''کشف المحجوب'' فارسی زبان میں

Marfat.com

پر پہلی کتاب ہے جس کے کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ ''کشف المحجوب'' کا قدیم ترین مطبوعہ ایڈیشن وہ ہے جس کا ذکر اے جے آربری نے انڈیا آفس کی لائبریری کی کتابوں کی فہرست میں کیا۔ اس کتاب کے قلمی اور مطبوعہ ایڈیشنوں کی ایک فہرست ایل ایس ڈگن نے دی ہے۔ ''کشف المحجوب'' کے قلمی نسخے وی آنا، پیرس، برٹش میوزیم، لینن گراڈ یونیورسٹی، انڈیا آفس لائبریری لندن، تاشقند پبلک لائبریری، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، برلن اور لاہور کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ان میں نو سو سال پرانا نسخہ بھی شامل ہے۔ ''کشف المحجوب'' کے قدیم ترین قلمی نسخوں کے سلسلہ میں لاہور میں بھی بعض نادر نسخے موجود ہیں۔ دو منقش قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہیں جن میں سے ہر ایک پر 1265ھ درج ہے۔ اورنگزیب عالمگیر کے عہد کا ایک قلمی نسخہ پبلک لائبریری لاہور میں ہے۔ ''کشف المحجوب'' کا ایک قدیمی قلمی نسخہ میاں محمد صدیق سابق سجادہ نشین درگاہ علی ہجویری کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ فارسی کا وہ قدیم ترین نسخہ ہے جس کی نقل سب سے پہلے نول کشور لکھنوی نے دربار علی ہجویریؒ میں رکھوائی تھی۔ ''کشف المحجوب'' کا انگریزی ترجمہ برطانوی مفکر آر اے نکلسن نے کیا تھا جسے 1911ء میں سٹیفن آنسن اینڈ سنز لندن نے شائع کیا تھا۔ بعد ازاں سمرقند میں اسے ملا سید عبدالمجید مفتی نے 1330ھ میں شائع کیا تھا۔ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود ''کشف المحجوب'' کا جو سمرقندی نسخہ ہے، وہ مغربی دانشور ایل ایس ڈگن کو افغانستان سے ملا تھا۔ ''کشف المحجوب'' کا مستند ترین نسخہ روس میں شائع ہوا ہے جسے روس کے اسلامی علوم کے ماہر پروفیسر ژوکوفسکی نے ترتیب دیا۔ یہ نسخہ لینن گراڈ سے شائع ہوا اور اس میں پروفیسر ژوکوفسکی کا ایک مفصل دیباچہ بھی شامل ہے۔ لینن گراڈ سے شائع ہونے والے اس نسخے کی بنیاد ویانا کی قومی لائبریری میں موجود ایک نسخے پر ہے۔ پروفیسر ژوکوفسکی کے مطابق انہوں نے ایک ایسے نسخے کا مطالعہ بھی کیا ہے جو 11ویں صدی عیسوی کے شروع میں لکھا گیا۔ اس کے علاوہ اس پروفیسر نے تاشقند کی لائبریری میں 11ویں صدی میں شائع ہونے والے ایک اور نسخے سے بھی استفادہ کیا اور اس نسخے کی بنیاد پر ایران کے محمد عباسی نے تہران سے ''کشف المحجوب'' کا ایک انتہائی خوبصورت ایڈیشن شائع کیا۔ ایرانی ایڈیشن میں حواشی پر مختلف حوالے دیئے گئے ہیں اور ''کشف المحجوب'' کے متن کے موضوعات کی الگ الگ فہرستیں بھی شامل ہیں۔ اردو میں ''کشف المحجوب'' کے ان گنت ترجمے شائع ہو چکے ہیں جن میں بعض ترجمے نایاب ہیں اور ترجمہ کرنے والے فاضل اساتذہ نے حضرت مخدوم علی ہجویریؒ کی تحریر کے اصل جواہر اس کے مفہوم کو واضح کرنے میں بڑی محنت سے کام لیا ہے۔ حضرت داتا علی ہجویریؒ کی اس تصنیف کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ہر شعبہ زندگی میں قرآن وسنت پر عمل پیرا ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری میں اپنی پوری زندگی گزار دیں تاکہ دین ودنیا میں ان کی سرخروئی ہو۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کے چند زریں اقوال

☆...... علم اس قدر سیکھنا فرض ہے جس سے عمل درست ہو، بے فائدہ علم سیکھنے کی حق تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے۔

☆...... ایثار یہ ہے کہ تو اپنے ساتھی کا حق نگاہ میں رکھے اور اپنا حصہ اس کو دے دے اور ساتھی کے آرام کے لئے

Marfat.com

خود تکلیف اٹھائے۔

☆...... جب وضو کے لئے ہاتھ دھوتو دل کو دنیا کی دوستی سے دھو ڈالو۔

☆...... خدا کی شناخت پر کسی کی تقلید نہیں کرنی چاہیے بلکہ اسے اس کے کمال کی صنعتوں سے پہچاننا چاہیے۔

☆...... علم معرفت کا طلب کرنا سب طالب علموں پر فرض ہے۔

☆...... نفس کی مثال شیطان کی سی ہے اور روح کی مثال فرشتہ کی سی۔

☆...... رضا دو طرح کی ہے حق تعالیٰ کی رضا بندہ سے اور بندہ کی رضا حق تعالیٰ سے ہے۔

☆...... صوفی اسے کہتے ہیں جو اپنے معاملے اور اخلاق کو مہذب بنائے اور طبیعت کی آفتوں سے کنارہ کرلے۔

☆...... فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے نہ دنیاوی مال و اسباب کے ملنے سے نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج بنے بلکہ نہ ہونے سے اور بھی خوش ہو کیونکہ فقیر جتنا تنگدست ہوگا اتنا ہی اس پر کشادہ ہوگا اور اسرار منکشف ہوں گے جتنا وہ دنیا کے مال و متاع سے دور ہوگا اسی قدر اس کی زندگی الطاف مخفی اور اسرار روشن سے وابستہ ہوگی۔

☆...... جو کچھ فقر پر گزرے اسے کسی پر ظاہر نہ کرے اور جس بات کا اس پر ظہور ہو جائے اسے پوشیدہ نہ رکھے۔

☆...... فقیر کا کمال فقر یہ ہے کہ اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں دونوں جہاں رکھ دیئے جائیں تو فرق ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ پڑے اور اس کی سانس دونوں عالم میں نہ سمائے۔

☆...... خدا کے راستوں کے سالکوں کا پہلا مقام توبہ ہے۔

☆...... اگر بندہ غنا سے سرفراز ہو گیا تو اس کے لیے ایک نعمت ہے مگر اس نعمت سے غفلت اسی طرح ہے جس طرح فقر میں حرص۔

☆...... فقر غنا سے بہتر ہے جب طالب خدا سوا دنیا کے کی ہر شے سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو پھر فقر اور غنا دونوں کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

☆...... سچا فقیر بن، خواہ کافروں کی سی کلا پہن۔

☆...... نفس ایک باغی کتا ہے۔ کتے کے چمڑے کو جب تک دباغت اور رنگ نہ کیا جائے پاک نہیں ہوتا۔

☆...... انسان کے لیے سب چیزوں سے مشکل خدا کی پہچان ہے۔

☆...... بندہ کی رضا یہ ہے کہ خدا کے فرمان پر قائم رہے اور اس کے احکام سے سرتابی نہ کرے۔

☆...... عارف عالم ضرور ہوتا ہے مگر یہ ضروری نہیں عالم بھی عارف ہو۔

☆...... دنیا کے ساتھ (آنکھ، ہاتھ، پاؤں)۔ بظاہر ہر دوست نظر آتے ہیں دراصل تمہارے دشمن ہیں۔

☆...... صوفی وہ ہے جس کی گفتار اور کردار ایک جیسے ہوں اور وہ استاد کا حق ہرگز ضائع نہ کرے۔

☆...... بوڑھوں کو چاہیے کہ وہ جوانوں کا لحاظ رکھیں اس لئے کہ ان کے گناہ کم ہیں اور جوانوں کو چاہیے کہ وہ بوڑھوں کا ادب کریں اس لئے کہ جوانوں سے زیادہ عابد اور تجربہ کار ہیں۔

Marfat.com

وصال

حضرت داتا علی ہجویری ۴۸۵ھ بمطابق ۱۰۹۲ء میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے اور اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ آپؒ نے اپنے پیچھے رشد وہدایت کا ایک بے بہا اور انمول خزانہ چھوڑا ہے۔ آپ نے ۸۵ سال کی عمر پائی۔ اتنے مختصر عرصہ میں بے حد دینی وملّی خدمات سرانجام دیں۔ آپ نے تصوف وطریقت کی وہ عظیم راہیں متعین کیں کہ اگر ان پر خلوص اور صدق دل سے چلا جائے تو انسان اپنی زندگی کو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے بتائے ہوئے ابدی اصولوں پر ڈھال کر اپنی عاقبت کو سنوار سکتا ہے۔ آپ کا مزار مبارک و دربار عالیہ لاہور میں بیرونی بھاٹی دروازہ واقع ہے۔ اسی نسبت سے لاہور داتا کی نگری کہلاتا ہے۔ لاہور کی سرزمین بلاشبہ پاک و ہند میں لوگوں کے لئے سرمایہ افتخار ہے۔ اس سرزمین پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ ہر وقت آپ کے مزار اقدس پر انوار الٰہی کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ آپ کے فیوض وبرکات کا سلسلہ مزار پُرانوار پر مسلسل جاری وساری ہے اور انشاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔ حضرت داتا علی ہجویریؒ کا مزار مبارک آپ کے وصال کے تقریباً آٹھ سال بعد محمود غزنوی کے برادر زاد ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی نے تعمیر کرایا تھا۔ سلطان کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔ وہ اکثر دربار پر حاضری دیتا۔ مغل سلاطین کو بھی آپ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ شہاب الدین شاہ جہاں کے بیٹے داراشکوہ نے آپ کے مزار شریف کا تابوت جو سنگ مرمر کی ایک ہی سِل ہے، تعمیر کروایا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کئی مرتبہ آپ کے دربار عالیہ اور مسجد کی مرمت اور توسیع کا کام ہوتا رہا۔ اب یہ دربار داتا صاحب اور مسجد داتا صاحب محکمہ اوقاف پنجاب کی تحویل میں ہے۔ مشاورتی کمیٹی دربار داتا صاحب نے گذشتہ چند سالوں سے دربار عالیہ کی توسیع کے علاوہ مسجد داتا صاحب کو از سر نو جدید اور عالی شان ڈیزائن پر تعمیر کروایا ہے جو قابل تحسین ہے۔ زائرین کی عبادت وریاضت کے لئے برآمدے، کشادہ صحن، قرآن خوانی، نعت خوانی، محفل سماع اور لنگر خانہ کے لئے علیحدہ علیحدہ جگہوں پر انتظامات کئے ہیں۔ جہیز کمیٹی، فری ہسپتال، لائبریری داتا گنج بخش اور عملہ اوقاف کے لئے بہتر انتظامات اور اعلیٰ کارکردگی کے لئے خصوصی توجہ کی اشد ضرورت ہے امید واثق ہے کہ اس پر جلد عمل درآمد کیا جائے گا۔ آپ کا سالانہ عرس مبارک ۱۸ صفر المظفر کو زیر اہتمام محکمہ اوقاف پنجاب نہایت عقیدت و احترام اور اسلامی اصولوں کے مطابق شاندار طریقے سے منایا جاتا ہے۔

☆......☆......☆

گنج عرفان الٰہی نیز گنج عافیت	کن عطار یار رب بایں مسکیں بنام گنج بخش
از دل وجانم غلام شاہ میراں محی الدین	نیز از فضل خدا ستم غلام گنج بخش

(داتا گنج بخش از صوفی سکندر شیخ، لاہور، بلا تاریخ، ص ۱۔۲۴)

☆......☆......☆

Marfat.com

خواجہ رضی حیدر

داتا گنج بخشؒ

آج عالم اسلام اپنی روز افزوں ترقی و خوشحالی اور جدید ترین دنیا کا حصہ بن جانے کے باوجود بین الاقوامی تناظر میں کوئی ایسی مرکزی قوت کے طور پر موجود نہیں جو عالمی نظام میں کوئی انقلاب برپا کر دے یا ان مظالم کا خاتمہ کر دے جو مسلمانوں پر غیر مسلم طاقتوں نے مسلط کر دیئے ہیں۔ فلسطین و کشمیر کے مسائل قدیم ہیں اور یقیناً حل طلب ہیں لیکن عالمی طاقتیں مختلف ممالک میں مسلمانوں کو من حیثیت الجماعت کمزور کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً جو ظالمانہ حربے اختیار کرتی رہتی ہیں ان کے سبب ایک عام مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ کیا اسلام (نعوذ باللہ) ایک کمزور دین ہے کہ جس کے ماننے والوں کو بآسانی ظلم و جبر کا نشانہ بنا کر ان کے ملی وجود اور وحدت کو کمزور و معذور بنایا جا سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب بہر حال امت مسلمہ کے اہل فکر و دانش کو اس وقت تک دینا ہے جب تک کہ ملت اسلامیہ ایک کامل وحدت کے طور پر عالمی منظر پر اپنا غلبہ ثابت نہ کر دے۔

اگر آپ عالم اسلام کی روحانی اور علمی تاریخ کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں تو دیکھیں گے کہ صوفیاء اور مشائخ اس سوال کے جواب سے نہ کبھی لاعلم رہے ہیں اور نہ کبھی انہوں نے اس سوال کے جواب میں خاموشی اور بے حسی ہی اختیار کی ہے۔ انہوں نے ہمیشہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنے عہد کے لئے ایک جامع دستور العمل فراہم کیا ہے اور مسلمانوں کو دعوت دی ہے کہ وہ اس دستور العمل کو جزو زندگی بنائیں تاکہ ان کی دنیاوی اور اُخروی فلاح ممکن ہو سکے۔ اسلام کی روحانی اور علمی تاریخ بڑی بے بہا ہے۔ محدثین، فقہا اور علماء کے علاوہ صوفیہ نے ایسے روحانی اور علمی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں جو رہتی دنیا تک نہ صرف اسلام کی حقانیت کو عام کرتے رہیں گے بلکہ مسلمانوں کے لئے ہر دور میں فلاح و ترقی کے رہنما اصول فراہم کرتے رہیں گے لیکن یہ ہماری اپنی بدقسمتی اور غفلت ہے کہ ہم بیمار ہیں، ہمارے مرض کی تشخیص بھی ہو چکی ہے، ادویہ بھی تجویز کی جا چکی ہیں اور یہ ادویہ ہمارے پاس موجود بھی ہیں لیکن ہم اس کے باوجود ادویہ کے استعمال پر توجہ نہیں دیتے جس کی بناء پر نہ صرف مرض اپنی جگہ برقرار رہتا ہے بلکہ ہماری جسمانی صحت بھی بحال نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے ہم پر ملی حیثیت میں یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی تعلیمات سے آگاہی حاصل کریں۔ ان تعلیمات کی روشنی میں اپنے موجودہ مسائل و مصائب کا تجزیہ کریں، اپنے لئے

Marfat.com

فلاح وترقی کا راستہ تلاش کریں۔ اس راستہ پر اللہ کے سچے سپاہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ادنیٰ غلام کی حیثیت سے اس یقین اور ارادہ کے ساتھ گامزن ہو جائیں کہ اسلام ایک ناقابل شکست دین ہے۔ اس کائنات پر بہر حال اس دین کی حکمرانی قائم ہونا ہے اور ہم کو اس دین کی بالادستی کے قیام کے لئے اپنے مال واسباب، اپنی ذاتی خواہشات اور تعصبات کو ترک کر کے ایک عالمگیر اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے اپنے روز وشب اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو وقف کر دینا ہے۔ ایک ایسے عالمگیر اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے جو نہ صرف روحانی اور علمی طور پر نمایاں اور ممتاز ہو بلکہ معاشی اور معاشرتی طور پر بھی عالم انسانیت کی رہنمائی کی مکمل استعداد رکھتا ہو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے عالمگیر اسلامی معاشرے کی تشکیل کون کرے گا۔ کیا ہم جیسے راہ گم کردہ مسلمان کریں گے جنہوں نے نہ صرف غیر راست انداز میں دین اسلام کے اساسی اصولوں کو ترک کر دیا ہے بلکہ کفار کی مادی ترقی اور برتری سے اس قدر مرعوب ومتاثر ہو گئے ہیں کہ غور وفکر، تجدد وتعقل، اسلام کی علمی وتمدنی تاریخ، اسلامی عقائد کی حقانیت اور اسلاف کے طریقہ سے اپنے عمل میں روگردانی اور اجتناب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یقیناً یہ کام ہم اپنی ظاہرہ صورتحال میں بحسن وخوبی انجام دینے کے نہ اہل ہیں اور نہ مستحق، لیکن اپنے باطنی احوال میں ہم ہی اس کے اہل بھی ہیں اور مستحق بھی۔ کیونکہ ہم من حیثیت الجماعت ملت اسلامیہ ہیں اور ملت اسلامیہ ہی کو ازروئے قرآن وحدیث عالم انسانیت کی رہنمائی کا حتمی فریضہ انجام دینا ہے، لیکن اس فریضہ کو انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس دستور العمل پر غور کریں جو ایک مسلمان کو اپنی قوت وتاثیر میں اس قدر ارفع کر دیتا ہے کہ وہ جب بندگانِ خدا کی طرف نگاہ کرتا ہے تو ان کے احوال تبدیل ہو جاتے ہیں۔ وہ جب کلام کرتا ہے تو سخت دلوں کو موم کر دیتا ہے۔ وہ جب دعوت دیتا ہے تو اذہان میں تفہیم کے دروازے کھول دیتا ہے اور عمل صالح کو زندگی میں اس قدر راسخ کر دیتا ہے کہ انسان اپنے ظاہر وباطن میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور دوسروں کے لئے رہنما ہو جاتا ہے۔ یہ دستور العمل بلاشبہ قرآن وسنت سے مشروط ہے کیونکہ اللہ کا راستہ سب سے اچھا راستہ ہے اور بہترین عمل اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو اپنے مقاصد میں دعوت الی اللہ ہے۔ دعوت الی اللہ کا سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا اس لئے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم بھی قیامت تک کے لئے ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے لاکھوں بندگان عالی موجود ہیں جنہوں نے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زندگی گزار کر دعوت الی اللہ کے سلسلہ کو جاری رکھا اور یہ انہی بندگان عالی کے فیوض باطنی کا صدقہ ہے کہ ہم آج کسی حد تک اپنی منہاج حقیقی پر قائم نہ رہتے ہوئے بھی مسلمان ہیں اور بحیثیت مسلمان ملت اسلامیہ کے عروج اور غلبہ کے حوالے سے دردمندانہ غور وفکر پر مائل ہیں۔ ماضی قریب میں شاعر مشرق علامہ اقبال اپنے مطالعہ اور امت مسلمہ کے حوالے سے مسلسل غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر بآسانی پہنچ گئے تھے کہ اسلام کی تبلیغ ہی وہ کلید اعظم ہے جس سے غلبہ اسلام کے قلعہ پر پڑا ہوا قفل کھولا جا سکتا ہے۔ انہوں نے نہ صرف اپنی شاعری بلکہ اپنے خطبات وفرمودات میں بھی بار بار اس امر پر زور دیا ہے کہ اگر اسلامی ممالک کو اپنے جغرافیائی وجود کو برقرار رکھنا ہے اور دنیا کے نقشہ پر

Marfat.com

ایک عظیم اسلامی وحدت کے طور پر ابھرنا ہے تو ان کو اسلام کی تبلیغ کو بطور مشن اختیار کرنا پڑے گا۔ علماء کبار نے دعوت وتبلیغ کے لئے جہاں علم کو ضروری قرار دیا ہے وہاں عبادت وریاضت کو بھی لازمی کہا ہے کیونکہ بغیر ریاضت ومجاہدہ کے تاثیر وتسخیر کو فروغ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ اقبال مسلم صوفیہ کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ وہ ان صوفیائے کرام کے بے حد مداح اور معترف تھے جنہوں نے ملت اسلامیہ کے جسد میں نئی روح پھونکی اور زوال وانحطاط کے دور میں احیائے دین کے راستے تلاش کئے اور مسلمانوں کی دینی اور سماجی زندگی کو آراستہ کرنے میں عظیم الشان کارنامے انجام دیئے۔ اپنی بصیرت اور حکمت کو نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے بھرپور انداز میں استعمال کیا اور اسلامی معاشرے کا صحیح مزاج قائم رکھنے کے لئے انتھک کوششیں کیں۔ شریعت وطریقت کو ہم آہنگ کر کے اپنی تبلیغی جدوجہد اور روحانی تصرف سے انسانی قلوب پر اثر انداز ہوئے اور مسلمانوں کی اس انداز سے تربیت کی کہ مسلمانوں نے دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ غالب رہنے والا مذہب صرف اور صرف اسلام ہے۔

علامہ اقبال کے ممدوح صوفیاء میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کا نام نامی اسم گرامی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ علامہ اقبال حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کے اس بناء پر بھی زیادہ معترف ومداح نظر آتے ہیں کہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ نے دعوت وتبلیغ کے لئے جو دستور العمل عوام کے سامنے پیش کیا اس سے جہاں عبد ومعبود کے باہمی تعلق کو استحکام حاصل ہوتا ہے، وہاں دعوت وتبلیغ کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کی افادیت آج بھی مسلم ہے۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کا شمار گیارہویں عیسوی کے ان آئمہ تصوف میں ہوتا ہے، جنہوں نے تزکیہ نفس کی اس طرح تعلیم دی کہ برصغیر میں مسلم تخلیقی فکر کی داغ بیل پڑی۔ وہ ایک ایسے صوفی ہیں جو انسان کی زندگی میں اجتماعی انقلاب کے نقیب ہیں۔ ان کی تعلیمات جو یقیناً ان کی روحانی قوت وتاثیر پر دلالت کرتی ہیں، انسانی زندگی کی ہر سطح پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ ایک ہزار سال گزرنے کے باوجود نہ صرف اپنی تعلیمات میں زندہ ہیں بلکہ عوام کے قلوب کو بھی مسلسل مسخر کئے ہوئے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی سوانحی تفصیلات بہت مختصر ہیں مگر اس کے باوجود اکثر تذکروں میں ایسے سوانحی اشارے ملتے ہیں جن کی بنیاد پر معاصر واقعات کو الحاقی سوانح کہا جا سکتا ہے۔ معروف دانشور اور تذکرہ نویس حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے عہد حاضر میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی سوانح میں تلاش وتحقیق کے بعد کسی قدر اضافہ کیا ہے۔ وہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ ''داتا صاحبؒ برصغیر پاک وہند کے اوّلین مبلغین اسلام میں سے ہیں اور ان کا مزار اقدس ان کے فیضان کی وجہ سے تقریباً ایک ہزار سال سے مرجع خواص وعام چلا آ رہا ہے اور ان کی تصنیف ''کشف المحجوب'' اطراف واکناف عالم میں شہرت ومقبولیت رکھتی ہے۔ بایں ہمہ ان کے حالات بابرکات پر کوئی قدیم کتاب نہیں ملتی۔ میرے خیال میں اس کی کئی وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ جس زمانہ میں حضرت داتا صاحبؒ نے لاہور میں شمع ہدایت روشن کی۔ اس وقت اس خطہ میں مسلمانوں کے قدم نئے نئے جمے تھے اور ان کو پورے طور پر سیاسی استحکام حاصل نہیں ہوا تھا۔ ان حالات میں جن مورخین نے تاریخ نویسی کا آغاز کیا انہوں نے تاریخ کو اپنے

Marfat.com

آقایانِ نعمت یعنی فاتحین کے گرد گھمانا شروع کر دیا اور بعد کے مورخین نے صرف ان بزرگوں کے حالات لکھے جن کے آستانوں پر ان کے ممدوحین کو حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جن تذکرہ نویسوں نے صرف ان نفوسِ قدسیہ کے حالات زندگی اور ان کی روحانی خدمات کا احاطہ کیا جن کی عوام کے دلوں پر حکمرانی تھی۔ ان کو حکمرانوں کی جانب سے نہ پذیرائی میسر آئی اور نہ ہی ان کی کتب کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام کیا جاسکا جس کی بنا پر اکثر ایسے قدیم تذکرے تلف ہو گئے جو ہمیں نہ صرف داتا صاحبؒ بلکہ دیگر سلف صالحین کی حیات وخدمات سے آگاہ کرتے تھے۔''

بہرحال معلوم تذکروں میں سے ''تذکرہ الاولیاء'' میں شیخ فریدالدین عطار قدس سرہ نے دو مقامات پر حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کا تذکرہ کیا ہے جبکہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوضات ''فوائد الفواد'' میں بھی آپ کا ذکر خیر موجود ہے۔ محمد یعقوب بن عثمان غزنوی نے ''رسالہ ابدالیہ'' میں، مولانا جامی نے ''نفحات الانس'' میں، شیخ احمد زنجانی نے ''تحفتہ الواصلین'' میں، ابوالفصل نے ''آئین اکبری'' میں، عبدالصمد بن افضل محمد نے ''اخبار الاصفیاء'' میں، مولانا محمد غوثی نے ''گلزارِ ابرار'' میں، داراشکوہ نے ''سفینتہ الاولیاء'' میں، اور مولانا محمد بقا اور بختاور خان نے ''ریاض الاولیاء'' میں داتا صاحبؒ کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کتب کو حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی سوانح میں قدیم مآخذ تصور کیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ان کتب میں ایسی تفصیلات مفقود ہیں جن کی بنیاد پر داتا صاحبؒ کا ایک جامع تذکرہ مرتب ہو سکے۔ ماضی قریب کے مصنفین میں لالہ سجان رائے، غلام علی آزاد بلگرامی، مفتی غلام سرور لاہوری اور نور احمد چشتی نے اپنی تصانیف میں کچھ حالات درج کئے ہیں اور حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی سوانح کے سلسلہ میں بعد میں جو تحقیقات سامنے آئیں ان کی بنیاد انہی مصنفین کی کتب اور ''کشف المحجوب'' میں شامل بعض روایات رہی ہیں۔ اس کے باوجود داتا صاحبؒ کے سال پیدائش، تاریخ وصال اور لاہور میں آپ کی آمد کے بارے میں کوئی ایک رائے موجود نہیں ہے۔ محققین نے قیاساً تاریخیں متعین کی ہیں۔ انہی محققین کی متعین کردہ تفصیلات کے مطابق داتا صاحبؒ کی کنیت ''ابوالحسن'' نام ''علی'' اور شجرہ نسب اس طرح ہے۔ ''حضرت مخدوم علی بن عثمان بن سید علی بن عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن بن حسین اصغر بن سید زید شہید بن امام حسن بن حضرت علی بن ابو طالب''......

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی افغانستان کے شہر غزنی میں ۴۰۰ھ میں ولادت ہوئی۔ آپ نے ''کشف المحجوب'' میں اپنا نام یوں لکھا ہے ''علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویری۔'' جلاب اور ہجویر غزنی کے دو محلے تھے جن میں داتا صاحبؒ کے افرادِ خاندان مقیم رہے۔ داراشکوہ نے ''سفینتہ الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ داتا صاحبؒ کے والد کی قبر غزنی میں اور والدہ کی قبر داتا صاحبؒ کے ماموں تاج الاولیاء کے مزار سے متصل ہے۔ آپ کے خاندان کے تمام افراد صاحبان زہد وتقویٰ تھے اور میں (داراشکوہ) نے ان کے والدین اور ماموں کے مزارات کی زیارت کی ہے۔

داتا صاحبؒ کے اساتذہ میں حضرت ابوالعباس بن محمد اشقانی کا تذکرہ ملتا ہے کیونکہ داتا صاحبؒ نے ''کشف المحجوب'' میں ان کا ذکر نہایت ادب واحترام سے کیا ہے۔

Marfat.com

داتا صاحبؒ علوم ظاہری و باطنی کے بحر زخار تھے اور نوجوانی میں ہی آپ کے علم وفضل کا چرچا عام ہو گیا تھا۔ ''رسالہ ابدالیہ'' میں سلطان محمود غزنوی کے عہد میں غزنی کے مقام پر آپ کے ایک ہندوستانی فلسفی سے مناظرہ کا ذکر ملتا ہے اور اس وقت آپ کی عمر بیس سال کے قریب تھی۔

حضرت داتا صاحبؒ کو حضرت جنید بغدادیؒ کے سلسلہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی سے شرف بیعت حاصل تھا جو حضرت شیخ حصری کے مرید تھے جن کو شیخ ابوبکر شبلی قدس سرہ سے ارادت وخلافت تھی۔ آپ کا سلسلہ ارادت دس وسائط سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک اس طرح پہنچتا ہے۔ شیخ علی ہجویریؒ، شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ، شیخ محمد حصریؒ، شیخ ابوبکر شبلیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، شیخ سری سقطیؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت داؤد طائیؒ، حضرت حبیب عجمیؒ، حضرت حسن بصریؒ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ جنیدی سلسلہ سے تھے اور ایک روایت کے مطابق یہ حضرت جنید بغدادیؒ کے روحانی تصرف کا نتیجہ تھا۔ داتا صاحبؒ کے مرشد حضرت حسن ختلیؒ کا جب وصال ہوا تو داتا صاحبؒ ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپؒ لکھتے ہیں۔ ''حضرت شیخ ختلی بروز وصال بیت الجن میں تھے۔ یہ ایک گاؤں ہے جو بانیار اور دمشق کی ایک گھاٹی پر واقع ہے۔ دم رحلت آپ کا سر میری (داتا صاحب) گود میں تھا اور میرا دل انسانی فطرت کے مطابق ایک سچے دوست کی جدائی پر رنجیدہ تھا۔ اس حالت میں حضرت شیخ نے مجھ سے فرمایا: ''اے بیٹا! میں تمہیں اعتقاد کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں۔ اگر اس پر مضبوطی سے عامل رہو گے تو تمام تکلیفوں سے محفوظ رہو گے۔ یہ سمجھ لو کہ تمام مواقع اور حالات میں نیک و بد کو پیدا کرنے والا خدائے عزوجل ہے لہٰذا اس کے کسی فیصلہ پر کبیدہ نہ ہونا اور رنج کو اپنے دل میں جگہ نہ دینا۔''

حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی قدس سرہ کے علاوہ حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ، حضرت شیخ ابوالقاسم القشیریؒ مصنف ''رسالہ قشیریہ''، شیخ احمد حمادی سرخسیؒ، شیخ ابوجعفر محمد بن مصباح صیدلانیؒ، شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ اور شیخ ابو احمد المظفر جیسے ہم عصر علماء ومشائخ سے علمی و روحانی استفادہ کا حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ نے اپنی کتاب میں تذکرہ کیا ہے۔ حضرت سیدنا امامِ اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی آپ کو نہ صرف خاص عقیدت تھی بلکہ آپ حنفی المذہب تھے۔ ''کشف المحجوب'' میں آپ نے امام اعظم کا تذکرہ نہایت ادب واحترام سے کرتے ہوئے آپ کو اماموں کے امام، سنیوں کے مقتدیٰ، فقہا کا شرف اور علماء کا اعزاز کے القاب سے یاد کیا ہے۔ ''کشف المحجوب'' میں آپ نے ملک شام میں حضرت بلالؓ کے روضہ اطہر پر اپنے ایک خواب کا تذکرہ بھی کیا ہے جس میں آپ کو رسول اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی۔ بوقت زیارت آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ایک بوڑھے شخص کو گود میں لئے ہوئے ہیں اور اس پر شفقت فرما رہے ہیں۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے پائے مبارک پر بوسہ دیا اور اس بوڑھے شخص کے بارے میں کچھ دریافت کرنا چاہتے تھے کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا...... ''یہ شخص تیرا اور تیرے ملک والوں کا امام یعنی ابو حنیفہ ہے۔'' داتا صاحبؒ لکھتے ہیں کہ مجھے اس خواب سے خود اپنے آپ سے اور اپنے وطن والوں سے بڑی امیدیں قائم ہو گئیں اور مجھ پر اس خواب سے یہ راز بھی منکشف ہوا کہ حضرت امام اعظمؒ ان برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں جو

Marfat.com

اپنے ذاتی اور طبعی اوصاف سے فانی ہو چکے ہیں اور صرف احکام شرع کے لئے باقی و قائم ہیں۔

داتا صاحبؒ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں بھی بڑی محدود معلومات موجود ہیں۔ ''کشف المحجوب'' کی روایات کے حوالے سے محققین نے نتائج اخذ کئے ہیں لیکن حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے لکھا ہے کہ حضرت نے نکاح کیا تھا مگر اہلیہ جو آپ کی مزاج شناس نہ تھیں، وفات پا گئیں۔ پھر گیارہ سال تک حضرت نے دوسری شادی نہیں کی البتہ ایک ایسی عورت جسے آپ نے دیکھا بھی نہیں تھا اس کے عشق میں مبتلا ہوئے اور ایک سال تک مبتلا رہے۔ اس عشق کو آپ نے خود ابتلاء قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف و فضل سے اس ابتلاء سے مجھے نجات دلا دی۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ ''کشف المحجوب'' کے مطالعہ سے آپ کی دس تصانیف کے نام معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں سوائے ''کشف المحجوب'' ایک کتاب بھی دستیاب نہیں۔ آپ نے اپنی تصانیف کے سرقہ ہونے کے واقعات بھی ''کشف المحجوب'' میں درج کئے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ کتابوں کے حق تصنیف کے سرقہ ہونے کی روایت برصغیر پاک و ہند میں قدیم ہے۔ بعض کتب حضرت داتا صاحبؒ کی طرف منسوب بھی کی گئی ہیں لیکن ان کا انداز تحریر گواہ ہے کہ یہ داتا صاحبؒ کی تصانیف نہیں ہیں۔

حضرت داتا صاحبؒ نے اپنے دور کے علماء و مشائخ سے استفادہ اور استفاضہ کی غرض سے ممالک اسلامیہ کی سیاحت اختیار کی۔ صوفیاء کے نزدیک سفر کی صعوبتیں ایک مجاہدہ ہوتی ہیں جو مشاہدہ کو فروغ دیتی ہیں۔ داتا صاحبؒ نے اس مجاہدہ کو حد کمال تک پہنچا کر جہاں ایک طرف اپنے مشاہدہ کو فروغ دیا وہاں مشائخ و صوفیہ کی قربت میں روحانی فیوض و برکات کی ایک ایسی دولت جمع کی جو نہ صرف آپ کے کردار میں تصویر ہوگئی بلکہ قلم کی نوک پر آ کر ''کشف المحجوب'' کی صورت اختیار کر گئی۔ ''کشف المحجوب'' جہاں حضرت داتا صاحبؒ کے سفر نامہ کی حیثیت رکھتی ہے، وہاں صوفیا و مشائخ کے ایک ایسے تذکرہ کی حیثیت بھی رکھتی ہے جو طالبانِ حق و ہدایت کے لئے نہ صرف ایک ہزار سال سے رہنما کردار ادا کر رہا ہے بلکہ تا قیامت عوام و خواص کے قلوب کو تصوف کی روشنی سے منور کرتا رہے گا۔

داتا صاحبؒ غزنی سے سفر اختیار کر کے پاک و ہند کے متعدد شہروں میں گئے۔ وہاں کی تہذیب و تمدن، رسم و رواج، عقائد، ادب اور زبان سے گہری واقفیت حاصل کی اور پھر لاہور کو اپنا مستقل مستقر قرار دے لیا۔ ایک مصنف نے لکھا ہے کہ داتا صاحبؒ نے بے سروسامانی کے عالم میں پاپیادہ اس قدر سفر اختیار کئے کہ عام صورتحال میں کسی شخص کے لئے یہ ناممکن نظر آتا ہے۔ آپؒ نے لاہور میں اسی مقام پر روز اول قیام کیا جہاں آپ کا مزار پُر انوار ہے۔ داتا صاحبؒ کی لاہور آمد کی بھی کوئی حتمی تاریخ موجود نہیں ہے۔ محققین نے قیاسی طور پر مختلف تاریخیں لکھی ہیں اور ان تاریخوں کی بنا پر بعض ایسے مغالطے جزو تاریخ ہو گئے ہیں جن کی تردید فی زمانہ محال نظر آتی ہے۔ بہر حال آپ کے مرشد حضرت حسن ختلی کے وصال کے بعد آپ لاہور تشریف لائے اور حسن ختلی کا وصال ''خزینۃ الاصفیا'' میں ۴۵۳ھ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

Marfat.com

حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی سوانحی تحقیقات میں ایک اہم حیثیت حاصل ہے کیونکہ انہوں نے اس سلسلہ میں تمام مآخذ کا تقابلی مطالعہ کر کے نتائج اخذ کئے ہیں اور یہ نتائج اپنے حوالہ جاتی پس منظر میں بڑی حد تک درست یا قرین قیاس معلوم ہوتے ہیں۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری داتا صاحبؒ کی لاہور آمد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپؒ نے قیام لاہور کے دوران نہایت مؤثر انداز میں تبلیغی خدمات سرانجام دیں اور ہزاروں افراد کو مسلمان کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ محمود غزنوی کی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی لاہور میں مسلمان ایک ''حاکم قوم'' کی حیثیت میں آباد تو ہو گئے تھے اور یہاں کے کفار مسلمانوں سے بظاہر مرعوب بھی تھے لیکن ان کے قلوب مسلمان فاتحین کے ساتھ نہیں تھے۔ وہ ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتے تھے تاکہ حکومت کے خلاف شورش برپا کر سکیں۔ حضرت داتا صاحبؒ کے لاہور تشریف لانے کے بعد یہاں کے مقامی آبادی کے لاتعداد افراد داتا صاحبؒ کی تعلیمات و تبلیغ کے سبب حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور ان کی وفاداریاں مسلم فاتحین کے ساتھ ہو گئیں۔

داتا صاحبؒ کی کرامتوں کا احوال بڑا تفصیل طلب ہے لہٰذا یہاں ہم اس سے گریز کرتے ہوئے داتا صاحبؒ کی تعلیمات کے حوالے سے گفتگو کو آگے بڑھاتے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو سکے کہ موجودہ دور میں داتا صاحبؒ کی تعلیمات کی اہمیت کیا ہے اور وہ کس قدر نافع ہیں۔ بعض صوفیہ نے داتا صاحبؒ کی کتاب ''کشف المحجوب'' کو بھی داتا صاحبؒ کی کرامت قرار دیا ہے کیونکہ وہ اسلامی تصوف میں فارسی کی پہلی کتاب تھی جو آج ایک ہزار سال بعد بھی اپنی تاثیر میں بالا اور قلوب کو مسخر کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ حضرت سلطان المشائخ شاہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ نے ''کشف المحجوب'' کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''جس کا کوئی مرشد نہ ہو اسے اس کتاب کے مطالعہ کی برکت سے مرشد مل جائے گا''۔ مفسر قرآن علامہ محمد کرم شاہ الازہری نے لکھا ہے کہ ''کشف المحجوب'' کے زندہ جاوید ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ لوگوں کا رجحان مادہ پرستی کی طرف ہے، اپنے اور بیگانے آج بھی اس کتاب پر تحقیق اور اس کی معیاری اشاعت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں کوشاں ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم مستشرقین اس کا ترجمہ دوسری زبانوں میں کر رہے ہیں جس سے اس کتاب کی عالمگیر شہرت و اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ''کشف المحجوب'' ہمیشہ سے صوفیا اور اہل علم کی رہنمائی کا سبب رہی ہے۔ یہ کتاب رشد و ہدایت، مسائل شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کا ایک بیش و بہا خزانہ ہے۔ اسے ہر دور کے اولیاء اللہ اور صوفیاء نے تصوف کی بے مثل کتاب قرار دیا ہے۔ اس کتاب کے مندرجات اپنی معنویت و تاثیر میں کاملین کے لئے رہنما اور عاملین کے لئے پیر کامل کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس کا مطالعہ کرنے سے دلوں کو عرفان و ایقان کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ یہ تشکیک کے دروازہ کو بند کرتی ہے۔ شبہات کی وادیوں میں بھٹکنے والوں کی دستگیری کرتی ہے اور گمانِ ناقص کو دل سے نکال کر یقین کی دنیا آباد کرتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے زمان و مکاں کے حجابات اٹھتے ہیں اور راہ حق کا متلاشی اپنے نفس کو پہچان کر اپنے رب سے قرب اختیار کرتا ہے۔ اس کے دل میں باطنی نفسانی خواہشات سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور وہ ایک ایسے انسان کے طور پر اپنے باطن سے ظہور کرتا ہے کہ وہ خلق خدا کے

Marfat.com

لئے نافع اور خدا کے سامنے سرخرو ہو جاتا ہے۔ دور حاضر میں داتا صاحبؒ کے افکار و تعلیمات کی اہمیت راسخ الاعتقادی اور صوفیانہ روشن خیالی کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوششوں پر انحصار رکھتی ہے۔ اس ہم آہنگی کو پیدا کرنے کی خاطر آپ نے شریعت اور طریقت میں سے کسی ایک کو دوسرے پر قربان نہیں کیا بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان ایک جدلیاتی اضافت کے موجود ہونے کے قائل ہیں۔ آپ کے نزدیک شریعت اور طریقت دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کے لئے ناگزیر ہیں۔ ایک مرحلہ پر آپ نے فرمایا کہ: ''شریعت بغیر مغز حقیقت کے ایک ظاہرداری ہے اور حقیقت بغیر امتزاج شریعت کے دو عملی ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ معرفت بغیر علم شریعت کو قبول کئے درست نہیں ہوسکتی اور شریعت پر عمل بغیر مقامات رسی کے پورا نہیں ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ''جسے علم معرفت نہیں اس کے قلب پر جہل کی موت طاری ہے اور جسے علم شریعت نہیں اس کا قلب مرض نادانی میں گرفتار ہے۔''

آپؒ نے شریعت وطریقت کے باہمی امتزاج کو روحانی ذات کی تکمیل کے لئے ناگزیر قرار دیا ہے۔ گویا شریعت اور طریقت کو اگر جدا کر دیا جائے تو فرد کی روحانی ذات اپنے حتمی امکانات کے حصول میں ناکام رہتی ہے۔ داتا صاحبؒ جامع العلوم تھے اور آپ کی جامعیت کا عالم یہ تھا کہ آپؒ نے اس دور کے انسان کو درپیش نفسی مسائل پر کلام کیا اور اپنے علمی میلان کی مدد سے ایک ایسا نظام حقائق وضع کیا کہ جو بنیادی مباحث کی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے انسان کو ایک ایسے راستے پر ڈال دیتا ہے جہاں وہ نہ صرف اپنی ذات میں دوام پا جاتا ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی ایک معیاری اور نافع انسان کے طور پر تاریخ میں زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ تصوف جو یقیناً ایک اسلامی روایت ہے اس کا بنیادی مقصد ہی اصلاح اخلاق اور تزکیہ نفس ہے۔ علم کی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بتائی گئی حقیقت کا اقرار واثبات کرتا ہے، یہ object oriented (ادراک موجود) ہوتا ہے جبکہ تصوف انسان کی اندرونی کلیت کو گرفت میں لے کر ایک ایسی یکجائی برآمد کرتا ہے جو معرفت نفس کہلاتی ہے اور ارتفاعِ ذات میں معاون اور نافع ہوتی ہے۔ علم اپنی اساس میں معلوم ہوتا ہے جبکہ معرفت حقائق کا سفر لامتناہی ہوتا ہے اور معرفت حقائق جو تعقل اور تخیل کی یکجائی میں مضمر ہے، دراصل ولایت کا اولین زینہ ہے اور داتا صاحبؒ اپنی تعلیمات کے آئینہ میں ولایت کے صورت گر ہیں۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی نے اپنی کتاب ''سوانح حیات داتا گنج بخش لاہوری'' میں علم اور معرفت کو ''کشف المحجوب'' کے مندرجات کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عالم اپنے علم کو اپنی زبان وقلم سے بیان کرتا ہے جبکہ عارف اپنی معرفت کو اپنے حال اور عمل سے ظاہر کرتا ہے اور حضرت داتا صاحبؒ کی ذات میں علم اور معرفت کی یکجائی نے آپ کی زبان اور آپ کے حال کو مقبولیت کی ارفع منزل عطا کر دی تھی یہی وجہ تھی کہ آپ سے مل کر اور آپ سے کلام کر کے لوگوں کے قلوب کا قبلہ درست ہو جاتا تھا۔

داتا صاحبؒ انسان کے ظاہر و باطن کی تقسیم کو قبول کرتے ہوئے ان کو یکساں طور پر اہم قرار دیتے تھے۔ شریعت اور طریقت میں جدلیاتی اضافت کی موجودگی پر اصرار کے باوجود وہ بہت واضح الفاظ میں یہ فرماتے ہیں کہ ''ہر حال میں اولیاء الانبیاء کے متبع و پیرو ہیں اور ان کی تعلیمات کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ تمام انبیاء لازمی طور پر اولیاء

ہوتے ہیں مگر کوئی ولی نبی نہیں ہوسکتا۔''

داتا صاحبؒ کے صوفیانہ فکری نظام سے یہ بات مترشح ہے کہ وہ پہلے صوفی تھے جنہوں نے غور وفکر کو بنیاد بنا کر بذریعہ کشف انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں ایک ایسی نافع صورتحال دریافت کی ہے جو اس وقت بھی اپنے اندر جدت رکھتی تھی اور آج بھی جدید ترین اذہان کو اپنا اسیر کئے ہوئے ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ کی تعلیمات میں عجز وانکسار کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ وہ اس عجز وانکسار کی ترویج میں بسا اوقات اخفائے ذات و صفات کو بھی روا تصور کرتے ہیں۔ آپ نے ''کشف المحجوب'' میں ''ملامت'' کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے جس میں فخر وتکبر کو آفت اور حجاب قرار دیا ہے اور متعدد ایسی روایات درج کی ہیں جن سے فخر وتکبر کی قباحتیں واضح ہوتی ہیں۔ اپنے مرشد کی طرح صوفیاء کی ظاہری نمود ونمائش سے متنفر رہتے تھے اور ان ظاہری رسوم کی معصیت اور ریا سے تعبیر کرتے تھے۔ داتا صاحبؒ صوفیا کو ایک مثالی انسان کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک ایسے انسان کے طور پر جو اپنے عمل میں خشیت الٰہی سے مملو ہو۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا جاگنا سونا سب کچھ اللہ کے لئے ہوتا کہ وہ ہر لحہ اپنے نفس کو نظر انداز کر کے اللہ کی رضا جوئی کو اپنا مشرب حیات تصور کرتا رہے۔ داتا صاحبؒ کے قول وعمل میں ایک ایسی ہم آہنگی اور یکجائی تھی کہ اس نے آپ کی شخصیت کو مثالی بنا دیا تھا۔ انسان کی عقلی اور روحانی زندگی میں تصوف یعنی رضائے الٰہی کے حصول کی اہمیت جہاں مسلم فلاسفہ کے نزدیک مسلم ہے۔ وہاں مغربی فلاسفہ نے بھی اس کی حقانیت کا اعتراف کیا ہے۔ بیسوی صدی کا مشہور فلسفی برٹرینڈ رسل جس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تصوف کا حامی تھا، کہتا ہے کہ ''بہترین انسانی خوبیوں کا اظہار صرف تصوف ہی کے ذریعہ سے ممکن ہے۔'' داراشکوہ نے اپنی کتاب ''سفینتہ الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ داتا صاحبؒ دن کے وقت تعلیم دیتے اور رات کو طالبان حق کو ہدایت کیا کرتے۔ آپ کی رہبری سے ہزاروں جاہل عالم بن گئے، کافروں نے اسلام قبول کیا، گمراہوں نے ہدایت کی راہ پائی، دیوانے ہوشمند ہو گئے، جن کا علم ناقص تھا کامل ہوئے، فاسق وفاجر پارسا بن گئے۔ داتا صاحب سے آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کے وصال کے بعد بھی ہزاروں مشائخ وصوفیاء نے اکتساب روحانی کیا اور اپنی راہ کے رہنما ہوئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آپؒ کے وصال کے تقریباً ساٹھ سال بعد نیشا پور سے لاہور تشریف لا کر آپؒ کے مزار مبارک پر چلہ کھینچا اور آپ کے خزینہ عرفان سے روحانیت کے زر وجواہر سمیٹے۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ لاہور سے رخصت ہونے لگے تو آپؒ نے یہ شعر پڑھا ۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں راہ پیر کامل، کاملاں را رہنما

یہ روایت عام ہے کہ اس دن سے آپ کا لقب ''گنج بخش'' مشہور ہو گیا۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کے وصال کی تاریخ کے سلسلے میں بھی مختلف آراء موجود ہیں لیکن حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی تحقیق کے مطابق حضرت داتا صاحبؒ کا انتقال ۴۶۵ھ تا ۴۶۹ھ میں ہی قرین صحت سمجھا جا سکتا

Marfat.com

ہے۔ ویسے ۴۶۵ھ کو سالِ وصال کی حیثیت میں عام شہرت حاصل ہے۔ آپ ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود کے عہد حکومت میں واصل الی اللہ ہوئے تھے اور ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم نے ہی پہلی مرتبہ آپ کا مزار مبارک تعمیر کرایا تھا۔

کوئی مذہب اس وقت تک وسیع الاشاعت نہیں ہوسکتا اور اپنی قوت و تاثیر کا مکمل نفاذ نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ دعوت و تبلیغ کو فروغ نہ دے۔ لہٰذا تمام مذاہب میں دعوت و تبلیغ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے لیکن اسلام اپنی تعلیمات کی بنا پر واحد مذہب ہے جس نے دعوت و تبلیغ کے ذریعہ نہ صرف عالمگیر حیثیت حاصل کی بلکہ عملی طور پر انسانیت کو یہ باور کرایا کہ انسان کی ظاہری اور باطنی فلاح اور خوشحالی صرف اور صرف اسلامی تعلیمات میں مضمر ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی حیات و خدمات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ آپؒ نے ایک مثالی مسلمان کی حیثیت میں دعوت و تبلیغ کو اپنایا اور ہزاروں افراد کو نہ صرف دائرہ اسلام میں داخل کر کے بلکہ ان کو ایک مثالی مسلمان بنا کر برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی حقانیت کا بول بالا کیا۔ شاعر مشرق علامہ اقبال جو دعوت و تبلیغ کی اہمیت سے پورے طور پر واقف تھے اور عالمی طور پر مسلمانوں کی ابتری کا آج سے ایک صدی قبل بغور جائزہ لے رہے تھے، ان کا بھی خیال یہی تھا کہ ''اگر مسلمان دنیا پر اسلام کا غلبہ چاہتے ہیں تو وہ معرفت الٰہی کے حصول پر توجہ دیتے ہوئے دعوت و تبلیغ کا راستہ اختیار کریں کیونکہ تبلیغ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے''۔ علامہ اقبال نے اپنے ایک خط میں اس خیال کا اظہار بھی کیا ہے کہ جانفشانی سے تبلیغ کے کام کا اجر حضور سرور کائنات حضرت محمدؐ ہی دے سکتے ہیں۔ حفاظت اسلام کا مقصد اشاعت اسلام سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اشاعت اسلام کے ذریعے جب ہم اسلام کی حفاظت کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے مطابق ہم کو دوسروں پر غلبہ عطا کرے گا۔ علامہ اقبال نے یہ مؤقف دراصل ان صوفیاء کے طریقہ تبلیغ سے اخذ کیا تھا جنہوں نے ہندوستان میں مسلم فاتحین کی آمد کے بعد اشاعت اسلام سے حفاظت اسلام کا فریضہ انجام دیا تھا اور ان صوفیاء کے سردار حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ ہیں جن کی تعلیمات نہ صرف اشاعت اسلام کا فریضہ ادا کرتی ہیں بلکہ ایک انسان کو مثالی مسلمان بنانے کا دستور العمل بھی فراہم کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اولیائے کرام کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات سے فائدہ اٹھانے والوں میں شامل کرے تاکہ ہم کو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی شفاعت نصیب ہو سکے۔ (آمین)

(داتا گنج بخش، سید علی ہجویریؒ از خواجہ رضی حیدر، کراچی ۲۰۰۰ء)

☆......☆......☆

Marfat.com

خالد محمود

داتا صاحبؒ اور لاہور

ورودِ مسعود

یہ ہماری بدقسمتی نہیں تو کیا ہے کہ داتا صاحبؒ کو اپنے یا فوراً بعد کے زمانے میں کوئی تذکرہ نویس نہ ملا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی عقیدت مند اہل قلم نے داتا صاحبؒ کے سوانح حیات قلمبند کئے ہوں اور وہ غزنوی عہد کی بہت سی تصنیفات کی طرح زمانے کے الٹ پھیر کی نذر ہو گئے ہوں۔[1] اس وجہ سے داتا صاحبؒ کے سوانح نگاروں کو ہر مرحلہ پر ظن اور قیاس کا سہارا لینا پڑتا ہے اور یوں ہم کسی واضح نتیجے پر نہیں پہنچ پاتے۔

لاہور میں ورود

داتا صاحبؒ کے لاہور میں ورود کا زمانہ متعین کرنے میں مشکل درپیش ہے۔ ''نفحات الانس'' اور ''سفینۃ الاولیاء'' میں داتا صاحبؒ لاہور تشریف لانے کی کوئی تاریخ نہیں بتائی گئی۔ اورنگزیب عالمگیر کے عہد (۱۷ویں صدی عیسوی) کے ایک مؤرخ سجان رائے بٹالوی نے اغلباً پہلی بار داتا صاحب کے ورود لاہور کا زمانہ ہمیں بتایا ہے۔ وہ صوبہ دارالسلطنت لاہور کے ذیل میں لکھتا ہے:

> ''لاہور میں سرتاج اولیائے عظام حضرت میر علی ہجویریؒ کی خواب گاہ ہے جو ولی ہونے کے علاوہ علم وفضل میں بھی کامل تھے۔ وہ محمود غزنوی کے ہمراہ غزنی سے لاہور آئے اور یہیں فوت ہوئے۔ سلطان کا عقیدہ تھا کہ لاہور کی فتح انہیں کی توجہ سے ہوئی۔''[2]

ہم گذشتہ باب میں داتا صاحبؒ کی ولادت کے زمانے پر روشنی ڈال چکے ہیں جو چوتھی صدی کے آخری یا پانچویں صدی کے ابتدائی ایام تھے۔ مولوی محمد شفیع مرحوم نے لکھا ہے:

> ''یہ امر طے شدہ ہے کہ سلطان کے حملوں کا زمانہ ۳۹۲ھ/۲۔۱۰۰۱ء اور ۴۱۵ھ/۱۰۲۴ء تک تھا۔ اگر داتا صاحب ۴۱۵ھ/۱۰۲۴ء میں بھی لاہور آئے تھے تو ان کی عمر پندرہ بیس سال کے قریب

Marfat.com

ہوگی جوان کارناموں کے لیے موزوں عمر نہیں۔''[۴]

اسی طرح ''رسالہ ابدالیہ'' مؤلفہ یعقوب بن عثمان الغزنوی کی یہ روایت بھی درست نہیں لگی کہ داتا صاحبؒ نے محمود غزنوی کے دربار میں ایک ہندو فلسفی سے مناظرہ کیا اور اپنی کرامات سے اسے ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ محمود غزنوی داتا صاحبؒ کے لڑکپن یعنی ۴۲۱ھ/ ۱۰۳۰ء میں انتقال کر چکے تھا۔

''کشف المحجوب'' کا ایک نسخہ لاہور سے ۱۹۲۳ء میں مولانا احمد علی استاد اسلامیہ کالج وخطیب شاہی مسجد کی تصحیح کے بعد شائع ہوا تھا۔ اس کے خاتمے پر کاتب صاحب نے داتا صاحبؒ کے سوانح حیات کا اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''پہلے آپ نے خراسان وغیرہ کا سفر کیا۔ پھر پیر کے حکم سے ہندوستان آئے۔ اس بارے میں دو روائتیں ہیں: ایک تو یہ کہ سلطان محمود بن محمود غازی کے ساتھ آئے۔ دوسری یہ کہ لاہور میں ورود سلطان مسعود کے آخری سال ۴۳۱ھ/ ۱۰۳۹ء میں ہوا۔''

تعجب ہے کہ سید ہاشمی فرید آبادی مرحوم ایسے محقق نے کاتب صاحب کی بیان کردہ پہلی روایت کو قرین قیاس سمجھ کر قبول کرلیا۔ حالانکہ انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ کاتب صاحب نے اپنے بیانات کا کوئی حوالہ نہیں دیا اور اس کی بعض روایتیں صریح تاریخی واقعات کے خلاف پائی جاتی ہیں۔ مگر لکھتے ہیں:

''تاہم داتا صاحب سلطان کی فوج میں آنے کی بات دل کو لگتی ہے۔ مسعود نے ۴۲۹ھ/ ۱۰۳۷ء میں ہانسی پر حملہ کیا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ اس لشکر کے ساتھ ہمارے ممدوح ملتان اور پھر پہلی مرتبہ لاہور آئے ہوں۔''[۵]

مولانا ہاشمی نے ایک بے سند روایت کو کیوں قبول کیا؟ اس کی انہوں نے کوئی وجہ تو نہیں بتائی، لیکن اس کے حق میں دلائل تلاش کرنے میں بڑی محنت کی ہے۔ آقائے حبیبی نے ۴۴۰ھ/ ۱۰۴۸ء کے بعد داتا صاحبؒ کا لاہور میں قیام ظاہر کرنے کے لیے نہایت عجیب دلائل کا سہارا لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ داتا صاحبؒ نے ''کشف المحجوب'' میں شیخ المشائخ ابوسعید ابوالخیر کے نام کے ساتھ دعائے خیر کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ''کشف المحجوب'' کی تصنیف کے وقت رحلت فرما چکے تھے۔ ان کی رحلت ۴۴۰ھ/ ۱۰۴۸ء میں ہوئی تھی اور چونکہ ہجویریؒ نے اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' لاہور میں لکھی ہے۔

''بنابریں ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ موصوف ۴۴۰ھ کے بعد لاہور میں رہ چکے ہیں۔''

آقائے حبیبی مزید لکھتے ہیں کہ ''کشف المحجوب'' کی تحریر کے وقت شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ بقید حیات تھے اور ہجویریؒ نے طوس میں ان سے ملاقات کی تھی۔ گرگانیؒ موصوف نے ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔

Marfat.com

''لہٰذا ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہجویریؒ ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء کے بعد لاہور میں مسکون تھے اور ''کشف المحجوب'' کی تصنیف میں مشغول تھے۔''[۶]

ان دونوں واقعات سے داتا صاحبؒ کے لاہور میں مقیم ہونے کا حکم لگانا ایسی بات ہے کہ حقائق اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

داتا صاحبؒ کا اپنا بیان

داتا صاحبؒ کرامتِ اولیاء کے ضمن میں ایک ذاتی تجربہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ ایک مرتبہ میہنہ میں شیخ ابوسعیدؒ کی تربت پر اپنی عادات کے مطابق تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سفید کبوتر اُڑتا ہوا آیا اور مزار کے غلاف میں گھس گیا۔ داتا صاحبؒ نے غلام اٹھا کر دیکھا تو کبوتر غائب تھا۔ اس سے اگلے روز بھی یہی واقعہ پیش آیا تو داتا صاحبؒ حیران ہوئے۔ آخر ایک رات خواب میں شیخ ابوسعیدؒ نے انکشاف کیا کہ وہ کبوتر ان کے معاملہ کی صفائی ہے جو روزانہ ہم نشینی کے لئے آتا ہے۔[۷] شیخ ابوسعید کا انتقال ۴۴۰ھ/ ۱۰۴۸ء میں ہوا تھا۔ اس سے ثابت ہے کہ کبوتر والا واقعہ ۴۴۰ھ/ ۱۰۴۸ء کے بعد کا ہے اور اس زمانہ میں داتا صاحب میہنہ میں مقیم تھے جو خراسان کا ایک گاؤں ہے۔

نیز گدڑی پہننے کی شرائط میں لکھا ہے:

> ''میں نے کہ علی بن عثمان الجلابی ہوں، طوس میں شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ سے استفسار کیا کہ درویش کو فقر کا سزاوار بننے کے لیے لازم ہے۔''[۸]

شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کا انتقال ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء میں ہوا تھا۔ ان دونوں واقعات سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ ۴۴۰ھ/ ۱۰۴۸ء اور ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء کے درمیانی عرصہ میں داتا صاحبؒ خراسان میں تعلیم کے مراحل طے کر رہے تھے۔

اس کے بعد ایک اور واقعہ لکھتے ہیں کہ:

> ''ایک دفعہ میں اپنے شیخ کے ساتھ آذربائیجان میں جارہا تھا کہ دو تین گدڑی پوشوں کو دیکھا، وہ گیہوں کے ڈھیر پر، دامن پھیلائے کھڑے تھے۔ شیخ نے ان کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی (ترجمہ) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی خرید لی۔ پس ان کی تجارت کچھ نفع مند نہ ہوئی اور دراصل وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔''[۹]

اپنے مرشد کے سوانحی خاکے میں داتا صاحبؒ اطلاع دیتے ہیں کہ اپنے شیخ حضرت ابوالفضل محمد الحسن الختلی کی رحلت کے وقت ان کے سرہانے موجود تھے اور انہوں نے اپنا سر داتا صاحبؒ کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ شیخ کی وفات بیت الجن میں ہوئی۔ جو داتا صاحبؒ کے بقول بانیار اور دمشق کے درمیان واقع ہے۔[۱۰] حضرت الختلی کا سال وفات ۴۶۰ھ۔۶۸۔۱۰۶۷ء ہے۔

Marfat.com

پس ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء اور ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء کے درمیان داتا صاحبؒ خراسان میں تھے اور ۴۵۰/۱۰۵۸ء اور ۴۶۰ھ/۶۸۔۱۰۶۷ء کے درمیان آذربائیجان اور شام کی سیاحت فرما رہے تھے لہٰذا زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ آپ ۴۶۰ھ/۶۸۔۱۰۶۷ء میں اپنے مرشد کی وفات کے بعد ہی لاہور میں تشریف لائے ہوں گے۔

لاہور میں دوبارہ آئے؟

مولوی محمد شفیع مرحوم کی رائے بھی یہی ہے کہ داتا صاحب ۴۶۰ھ کے بعد لاہور آئے ہوں گے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اگر داتا صاحبؒ کے محمودی لشکر کے ساتھ لاہور آنے کے متعلق ''خلاصۃ التواریخ'' کی روایت درست ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ داتا صاحبؒ ایک سے زیادہ دفعہ یہاں تشریف لائے۔[۱۱] غالباً یہی بات مولانا ہاشمی مرحوم کے ذہن میں تھی کہ سلطان مسعود کے ساتھ لاہور آنے کے بارے میں ایک کاتب کی رائے کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ داتا صاحبؒ دو مرتبہ لاہور آئے ہوں گے، ان کے الفاظ ہیں:

> ''داتا صاحب غالباً سلطان مسعود اوّل کی ہانسی پر لشکر کشی میں ملتان اور پہلی مرتبہ لاہور آئے۔ مگر مستقل سکونت بہت عرصے کے بعد اختیار کرنے کی نوبت آئی ہوگی۔ کیونکہ سالہا سال تک وسط ایشیا کے مختلف ممالک میں سیاحت کرتے رہے۔''[۱۲]

کسی ٹھوس شہادت یا واضح اشارہ کی عدم موجودگی میں داتا صاحبؒ کے دو مرتبہ لاہور آنے کی روایت قابل قبول نہیں۔ ترجیح اسی رائے کو حاصل ہے کہ داتا صاحبؒ ۴۶۰ھ/۶۸۔۱۰۶۷ء کے بعد لاہور تشریف لائے تھے۔

سلطان المشائخ کی روایت

داتا صاحبؒ کے لاہور میں ورود کے بارے میں سب سے پرانی اور مقبول روایت وہ ہے جسے سلطان مشائخ نظام الدین اولیاؒ نے بیان فرمایا تھا۔ یہ روایت ''فوائد الفواد'' میں ۲۹ ذی قعدہ ۷۰۸ھ بمطابق دس مئی ۱۳۰۹ء کی ایک مجلس میں یوں آئی ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا:

> ''شیخ علی ہجویری اور شیخ حسین زنجانیؒ ایک ہی مرشد سے بیعت تھے۔ شیخ حسینؒ مدت سے لاہور میں فروکش تھے۔ ایک روز مرشد نے شیخ علیؒ کو لاہور جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا کہ وہاں تو زنجانیؒ موجود ہیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ تم جاؤ۔ چنانچہ وہ روانہ ہو گئے۔ رات کے وقت لاہور پہنچے۔ اسی رات حسین زنجانی کا انتقال ہوا اور صبح ان کا جنازہ اٹھایا گیا۔''[۱۳]

''فوائد الفواد'' حضرت نظام الدین اولیاء (وفات ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء) کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے ان کے

Marfat.com

ایک محبوب خلیفہ میر حسن علاء سجزیؒ نے مرتب کیا۔ اس مجموعہ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگا لیجئے کہ امیر خسروؒ رشک کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ ''کاش میری تمام تصنیفات حسنؒ کے نام سے ہوتیں اور یہ ایک میرے نام سے۔''[۱۴] سلطان المشائخؒ نے یہ روایت کس سے سنی؟ اس کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو لاہور سے بھی نسبت تھی۔ وہ یوں کہ آپ کے دادا خواجہ علی بخاریؒ اور نانا خواجہ عرب صاحبؒ جب بخارا سے وارد ہند ہوئے تو لاہور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بدایوں گئے تھے۔[۱۵] ان کا زمانہ داتا صاحبؒ سے نزدیک ٹھہرتا ہے۔ غالب گمان ہے کہ انہوں نے بزرگانِ لاہور سے جو باتیں سنی تھیں، اپنے بیٹوں، پوتوں، نواسوں کو سنائی ہوں گی۔[۱۶] خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے لاہور کے متعلق اور روایتیں بھی بیان کی تھیں۔ خواجہ صاحب کے یہ ارشادات اخیر عمر کے ہیں۔

> ''فوائد الفواد شروع اس وقت ہوئی جب شیخ کی عمر ستر برس سے متجاوز ہو چکی تھی اور بند اس وقت ہوئی جب شیخ کی وفات کو کل دو ڈھائی سال رہ گئے تھے۔''[۱۷]

مولانا ہاشمی مرحوم نے اس شبہ کا اظہار کیا ہے کہ داتا صاحبؒ کے شیخ زنجانیؒ کے انتقال کے دن لاہور آنے کی روایت بعد کا اضافہ ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''واضح رہے کہ ''فوائد الفواد'' قبولِ عام کی وجہ سے قرونِ گزشتہ میں کثرت سے نقل ہوتی رہی ہے اور اس لیے بھی الحاقات سے محفوظ نہیں سمجھی جا سکتی۔ اگرچہ اس کی یہ عبارت شروع گیارہویں صدی میں ''ثمرات القدس'' کے تالیف ہونے کے وقت موجود تھی اور ''ثمرات'' میں نقل کی گئی ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے قدیم تذکرے میں نہیں آئی۔''[۱۸]

نیز یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ داتا صاحبؒ اپنے مرشد کی رحلت کے وقت ان کے سرہانے موجود تھے۔ ان کے آخری الفاظ مسئلہ اعتقاد کے بارے میں تھے جنہیں داتا صاحبؒ نے ''کشف المحجوب'' میں محفوظ کر دیا ہے اور یہ صراحت کی ہے کہ مرشد نے اس سے زیادہ کوئی وصیت نہ کی۔[۱۹] ان آخری الفاظ میں لاہور جانے کا کوئی ذکر نہیں۔ مولانا ہاشمی نے ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ ''کشف المحجوب'' میں بیسیوں معاصرین کا ذکر ہے۔ شیخ حسین زنجانیؒ کا نام کہیں نہیں لکھا۔ البتہ آذربائیجان کے ایک بزرگ شیخ شفیق فرخ معروف بہ اخی زنجانیؒ کا محبت و عقیدت سے ذکر کرتے ہیں۔ ''نفحات الانس'' میں ان کی وفات ۴۵۷ھ/۱۰۶۵ء بتائی گئی ہے۔ شیخ حسین زنجانیؒ چھٹی صدی ہجری کے اواخر یعنی داتا صاحبؒ سے کوئی ڈیڑھ سو برس بعد کے بزرگ ہیں۔[۲۰]

حضرت داتا صاحبؒ اور شیخ حسین زنجانیؒ کی معاصرت کے خلاف کئی شواہد موجود ہیں۔ ''آئین اکبری'' میں شیخ زنجانیؒ اور خواجہ معین الدین چشتیؒ کی لاہور میں ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے اور سال وفات ۶۰۰ھ/۱۰۲۳ء یا کچھ بعد لکھا ہے۔[۲۱] داراشکوہ نے بھی ''سفینۃ الاولیاء'' میں حضرت معین الدین چشتیؒ کے حالات میں اس امر کی تصدیق کی

Marfat.com

ہے کہ جب خواجہ اجمیرؒ لاہور تشریف لائے تو شیخ حسین زنجانیؒ سے ملاقاتیں کیں۔[۲۲] ''خزینۃ الاصفیا'' کے مطابق خواجہ اجمیر کی لاہور میں سید یعقوب زنجانیؒ المعروف بہ صدر دیوان میں بڑی محبت والفت ہوگئی۔ سید یعقوب کے مزار سے متصل خواجہ اجمیر کی نشست گاہ باقی ہے۔[۲۳]

''تحقیقات چشتی'' میں بھی یہی روایت درج ہے اور وضاحت کی گئی ہے کہ سید یعقوب زنجانی اپنے تین ساتھیوں یعنی شیخ المشائخ حسین زنجانیؒ، سید اسحاق زنجانیؒ اور شیخ علی الحقؒ (مدفن سیالکوٹ) کے ہمراہ ۵۵۷ھ/۱۱۶۲ء اور بعدازاں جب خواجہ اجمیر شریف لائے تو ان بزرگوں سے باہم صحبتیں رہیں۔[۲۴]

اگرچہ شیخ حسین زنجانیؒ کے سالِ وفات کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے مگر مذکورہ واقعات سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جناب حسین زنجانیؒ لاہور میں داتا صاحبؒ کے پیش رو نہ تھے بلکہ سید یعقوب زنجانیؒ (التوفی ۶۰۴ھ/۱۲۰۷ء) اور خواجہ معین الدین چشتیؒ (وفات ۶۳۲ھ/۱۲۳۵ء) کے معاصر تھے۔ آقائے حبیبی نے اپنے مقالہ ''تاریخ وفات داتا گنج بخشؒ'' میں اس مؤقف سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''خزینۃ الاصفیا' میں حسین زنجانی کی رحلت کا سال ۶۰۰ھ/۱۲۰۳ء قرار دیا گیا ہے جو اس وجہ سے غلط ہے کہ ''فوائد الفود'' کی روایت کے خلاف ہے۔''[۲۵]

آئین اکبری، سفینۃ الاولیا، خزینۃ الاولیا اور مولوی شفیع (مقالات علمی، جلد اول ۲۱۵) کی شہادتوں کے مقابلے میں حبیبی کا جذباتی اور بے سند قول چنداں اہمیت نہیں رکھتا۔

ناگوار قیام

داتا صاحبؒ کے اپنے مرشد کے حکم پر لاہور آنے کے حق میں ''کشف المحجوب'' کی یہ عبارت پیش کی جاتی ہے کہ:

> ''فی الوقت اس سے زیادہ لکھنا ممکن نہیں کیونکہ میری کتابیں غزنین اللہ ان کی حفاظت کرے میں رہ گئی ہیں اور میں یہاں دیار ہند میں ناجنسوں کے درمیان پھنسا ہوں۔''[۲۶]

نکلسن نے (دیباچہ x) ''درمیان ناجنساں گرفتار شدہ'' کا مفہوم یہ لیا ہے کہ داتا صاحبؒ ''گرفتار'' کر کے لاہور لائے گئے تھے۔ غالباً نکلسن کے اتباع میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ چونکہ داتا صاحبؒ نے لاہور کا ذکر ناگواری کے ساتھ کیا ہے لہٰذا ضرور اپنی مرضی کے خلاف اور مرشد کے حکم کی مجبوری کے باعث تشریف لائے ہوں گے۔[۲۷] اگر یہ بات درست ہوتی کہ داتا صاحبؒ نے اپنے مرشد کے حکم پر لاہور آئے تھے تو ان جیسے ولی اللہ سے یہ امید نہ کرنی چاہیے کہ اپنے مرشد کے حکم پر ناک بھوں چڑھاتے۔

Marfat.com

داتا صاحبؒ کے پیش رو

غالباً ''خلاصۃ التواریخ'' کے اتباع میں بعض سوانح نگاروں نے کہا ہے کہ داتا صاحبؒ پہلے مبلغ تھے جو سرزمین لاہور میں وارد ہوئے۔ مندرجہ بالا بحث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شیخ حسین زنجانیؒ داتا صاحبؒ سے پہلے کے نہیں بعد کے بزرگ ہیں۔ سوال ہے کہ داتا صاحبؒ سے پہلے کون کون سے بزرگ ارض لاہور میں تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے چکے تھے؟ اس سوال کے جواب میں اپنی بے مائیگی کا قرار کئے بغیر نہیں بنتی۔ ہماری محدود اطلاعات کے مطابق لاہور میں جس اولین عالم کی موجودگی ثابت ہوتی ہے وہ ابو الفتح عبدالصمد بن عبدالرحمان اشعثی لوہوری (لاہوری) ہیں جنھوں نے سمرقند میں علم حاصل کیا اور ۴۲۹/ ۱۰۳۷ء میں لاہور میں وفات پائی۔ آپ کا تذکرہ سمعانی نے ''کتاب الانساب'' میں کیا ہے۔[۲۸]

مولانا ریاست علی ندوی نے عین اسی زمانے کے ایک بزرگ کی اطلاع دی ہے:۔

> ''شیخ ابو المنصور بن علی غزنوی کو جو ممتاز اہل علم میں سے تھے، سلطان محمود غزنوی نے ۴۲۶ھ/ ۳۵۔۱۰۳۴ء میں ہندوستان بھیجا، لاہور میں قیام تھا۔ انہیں دیوان الانشاء کا افسر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔''[۲۹]

آپ ان دونوں بزرگوں سے زیادہ شیخ اسماعیل بخاریؒ سے واقف ہیں۔ اگرچہ آپ ان دونوں بزرگوں سے پہلے ۳۹۵ھ/ ۱۰۰۴ء میں لاہور آئے تھے مگر وفات ابوالفتح کے انیس سال بعد ۴۴۸ھ/ ۱۰۵۲ء میں ہوئی۔ ''تذکرہ علمائے ہند'' کے مطابق شیخ اسماعیلؒ پہلے بزرگ تھے جن کی بدولت تفسیر و حدیث کا علم لاہور میں پہنچا[۳۰] ''خزینۃ الاصفیا'' اور ''تحقیقات چشتی'' میں ان کے شاندار تبلیغی کارناموں کا ذکر ملتا ہے۔ مولوی نور احمد چشتی نے ہال روڈ لاہور پر ان کے مزار کی نشاندہی کی ہے[۳۱] مولانا ہاشمی کا یہ خیال توجہ چاہتا ہے کہ:

> ''ایک روایت کے مطابق داتا صاحبؒ محمود سے قبل لاہور آئے اور انہی کی تحریک سے سلطان نے اس شہر کو تسخیر کیا۔ ممکن ہے کہ اصل میں اس روایت کا تعلق ان بزرگ (شیخ اسماعیل) سے ہو اور عین ممکن ہے کہ یہ وہی بزرگ ہوں جن کا ذکر داتا صاحبؒ نے تذکرہ معاصرین غزنوی میں ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''وشیخ مجرداز خلائق مفرد اسماعیل الشاشی پیرے محتشم بودو بر طریق ملامت رفتے۔'' بخاری اور شاشی ہونے میں کچھ تناقض نہیں ہے۔ اسی طرح داتا صاحبؒ کی مثل ان کا غزنوی ہونا اور آخر میں لاہور آ جانا کچھ تباعد نہیں رکھتا۔''[۳۲]

داتا صاحبؒ کے زمانہ میں لاہور میں دیگر علماء کی موجودگی اور لاہور میں مسجدوں کی کثرت کا ثبوت داراشکوہ کی اس روایت سے بھی ملتا ہے کہ جب داتا صاحبؒ نے ایک مسجد تعمیر کرائی تو اس کا رخ قبلہ دوسری مساجد کی نسبت

Marfat.com

جنوب کی طرف جھکا ہوا تھا۔ اس پر علمائے وقت نے اعتراض کیا۔ داتا صاحبؒ نے معترضین کو اپنی مسجد میں جمع کیا۔ امامت فرمائی، تمام حجابات درمیان سے اٹھ گئے اور سامنے کعبہ نظر آنے لگا۔[۴۳] اس سے صاف ظاہر ہے کہ داتا صاحبؒ سے پہلے مساجد موجود تھیں تو علماء بھی ضرور ہوں گے۔

داتا صاحبؒ کے عہد کا لاہور

کفرستان ہند میں پاکستان قائم کرنے کی مساعی کا آغاز خلافت راشدہ کے زمانہ میں ہوا تھا۔ ابوالعاص ثقفی کے فرزند حضرت عثمانؓ کو رسول اللہ ﷺ نے طائف کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔ انہوں نے خلافت فاروقی کی ابتداء میں ۱۵ھ/۶۳۶ء یا اس کے بعد بحرین کی امارت ولایت پر فائز ہونے کے بعد اپنے ایک بھائی حضرت حکم بن ابی العاصؓ کو تھانہ (بمبئی) اور بھڑوچ پر لشکر کشی کے لیے بھیجا اور دوسرے بھائی حضرت مغیرہ بن ابی العاصؓ کو دیبل و کراچی کی مہم پر بھیجا۔ جب یہ مہم جو فتح یاب واپس آئے تو حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو خفا ہوئے۔ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو لکھا:

> ”اے ثقفی! تو نے گویا کیڑے کو لکڑی پر سوار کر کے سمندر کے حوالے کر دیا ہے۔ خدا کی قسم اگر مسلمانوں پر کوئی آفت آئی تو میں تمہارے قبیلے سے اس کا بدلہ لوں گا۔“[۴۴]

یوں یہ سلسلہ جہاں کا تہاں رک گیا۔ اس کے دو سال بعد ۱۷ھ/۶۳۸ء میں حضرت عمر فاروقؓ نے سلطنت فارس سے فیصلہ کن ٹکر کے لیے امیر بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ہدایات جاری کر کے حضرت سہیل بن عدیؓ کی جنرل کمان میں سات فوجیں ترتیب دیں۔ ان کے سات امیر مقرر کئے جنہوں نے بیک وقت مختلف علاقوں پر چڑھائی کر دی۔ مکران کے محاذ کی کمان حضرت حکم بن عمرو تغلبیؓ کے سپرد تھی۔ انہوں نے ۲۱ یا ۲۳ھ/۴۲-۶۴۱ء یا ۶۴۳/۴۴ء میں کارروائی شروع کی۔ سندھیوں نے مکرانیوں کی بھرپور مدد کی مگر شکست کھائی اور میدان سے بھاگ گئے۔ مکران کی فتح کی خوش خبری مال غنیمت کے خمس کے ساتھ حضرت صحار عبدیؓ کے ہاتھ حضرت عمر فاروقؓ کو پہنچائی۔ اس محاذ کی مشکلات سننے کے بعد فاروق اعظمؓ نے مکران سے آگے بڑھنے کی ممانعت کر دی۔ حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں ۴۴ھ/۶۶۴ء میں مہلب بن ابی صفرہ نے موجودہ صوبہ سرحد تک جا پہنچے۔[۴۵] بہرحال یہ فتح عارضی ثابت ہوئی۔

پہلی صدی ہجری کے آخری چند سالوں میں محمد بن قاسم کے زیر قیادت اسلامی فتوحات اتنی مشہور ہوئیں کہ ان پر روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ محمد بن قاسم نے ۹۵-۹۴ھ/۱۳-۷۱۲ء میں ملتان کو فتح کیا مگر سندھ کی نئی اسلامی مملکت میں توسیع کا سلسلہ یہیں رک گیا۔ یوں سرحد اور پنجاب اسلامی انقلاب سے ناآشنا رہے تاآنکہ محمود غزنوی نے گیارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں پنجاب اور سرحد کو اسلامی مملکت کے حدود میں شامل کر لیا۔

Marfat.com

پنجاب کا سیاسی نقشہ

داتا صاحبؒ سے پہلے یا ان کی زندگی کے ابتدائی دنوں میں پنجاب اور سرحد کئی سیاسی اکائیوں میں منقسم تھے۔ شمال مغربی سرحدی صوبے میں سب سے بڑی ریاست ویہند تھی جہاں پر جے پال حکمران تھا۔ اس ریاست کی سرحد جہلم یا پنجاب پر ختم ہو جاتی تھی۔

کوہستان نمک میں ایک اور چھوٹی سی ریاست تھی جس کا صدر مقام چکوال کے نزدیک نندنہ یا نندونہ تھا۔ جے پال کے بیٹے انند پال نے ویہند میں محمودی لشکر سے شکست کھانے کے بعد نندونہ کو اپنا مرکز بنایا۔ اس کے بیٹے ترلوچن پال سے محمود نے نندونہ کا قلعہ بھی چھین لیا۔[۳۷]

کوہستان کے دوسری طرف بھیرہ کی ریاست تھی جس کا حکمران بجی رائے تھا۔ وہ بھی محمودی یلغار کے آگے نہ ٹھہر سکا۔[۳۸] چناب اور بیاس کے درمیان ایک گمنام سی مملکت تھی جسے البیرونی نے ریاست لہاور کا نام دیا ہے اور دریائے راوی کے کنارے واقع سندھ کو اس کا صدر مقام بتایا ہے۔[۳۹] بیاس کے پار جالندھر کی ریاست تھی جس کے حکمران کا نام رائے پورہ بتایا جاتا ہے۔ شمال میں کشمیر کی ریاست تھی جس پر سنگرام راج حکومت کرتا تھا۔ محمود نے دو کوششوں کی ناکامی کے بعد تسخیر کشمیر کا خیال دل سے نکال دیا۔[۴۰]

جنوب میں ملتان اور منصورہ کی اسلامی ریاستیں تھیں۔ ملتان میں آل سامہ کے محمد قاسم بن منبہ نے ۲۷۹ھ/۸۹۲ء اور ۲۸۲ھ/۸۹۹ء کے درمیان اپنی حکومت قائم کی تھی[۴۱] جسے داتا صاحبؒ سے ذرا پہلے ۳۶۰ھ اور ۳۷۵ھ/۹۷۰ء اور ۹۸۵ء کے درمیان قرمطی داعی جلم بن شیبان نے ہتھیا لیا تھا۔[۴۲] البیرونی نے تصدیق کی ہے کہ وہ شیعہ تھا اور اس نے بنوامیہ کے دور کی جامع مسجد بغض معاویہؓ میں بند کرا دی تھی۔ محمود غزنوی کے وقت ملتان پر ابوالفتح داؤد بن نصر بن حمید باطنی حکمران تھا۔ محمود نے اسے ۴۰۱ھ/۱۰۱۰ء میں دے کر ملتان میں اہلسنت کی حکومت دوبارہ قائم کر دی۔[۴۳] منصورہ (ضلع سانگھڑ میں شہدا پور سے گیارہ میل دور اس کے کھنڈر برآمد ہو گئے ہیں) میں ہباری خاندان کی حکومت تھی جو مقدسی کے بقول سُنّی تھے مگر ۴۱۶ھ/ ۲۶-۱۰۲۵ء میں محمود غزنوی نے سومنات سے واپسی پر حاکم منصورہ کو مرتد قرار دے کر اس کی حکومت چھین لی۔[۴۴] یوں محمود غزنوی نے سرزمین ہند میں جو نئی مملکت قائم کی اس کا نقشہ پاکستان کے موجودہ نقشہ کے عین مطابق تھا۔

پنجاب کا پرانا نام

محمود غزنوی نے پنجاب کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ختم کر کے بالآخر ۴۱۳ھ/۱۰۲۲ء میں اسے غزنی میں شامل کر کے ایک متحدہ صوبے کی حیثیت دے دی[۴۵] اور عبداللہ قراتگین کو پہلا سالار یا صوبیدار مقرر کیا[۴۶] اور موجودہ لاہور کو اس صوبے کا صدر مقام قرار دیا۔

Marfat.com

عام خیال ہے کہ اس خطے کو پنجاب کا نام مسلمانوں نے دیا تھا۔[۴۷] زیادہ صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس کے نام کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ پہلی تا چوتھی صدی عیسوی کے درمیان ایک ہندو مصنف نے اس علاقے کے لیے پانچ دریاؤں کی سرزمین کا نام استعمال کیا۔[۴۸] البیرونی نے بھی اسے پانچ دریاؤں کی سرزمین لکھا ہے اور بتایا ہے کہ ملتان کے نزدیک جہاں پانچوں دریا ملتے ہیں،؟ اسے مقامی زبان میں پنجند کہتے ہیں۔[۴۹] یہی پنجند فارسی میں پنجاب بن گیا۔

لاہور تھا کہ نہیں تھا

اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لاہور کیسا لاہور تھا جس میں داتا صاحبؒ نے علامہ اقبال کے بقول اپنے جمال سے عہد فاروقؓ کو زندہ کردیا تھا۔ اس شہر میں کیسے لوگ بستے تھے جن کی اصلاح وتہذیب کے لئے داتا صاحبؒ ساری دنیا چھوڑ کر یہاں آن بسے تھے۔ ان لوگوں کے شب وروز کیسے گزرتے تھے جن میں بیٹھ کر داتا صاحبؒ نے ''کشف المحجوب'' جیسی کتاب لکھی۔

ان سوالوں کا واضح جواب معلوم کرنا محال ہے۔ ایسا تاریخی مواد جس سے اس زمانے کی حقیقی تصویر کھینچی جا سکتی تھی، ضائع ہو چکا ہے یا ابھی تک ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے یہاں تک کہ داتا صاحبؒ کے زمانے سے پہلے لاہور کا وجود اور عدم وجود مابہ النزاع ہے۔

رام چندر کے بیٹے سے نسبت

عام روایت ہے کہ لاہور کو راجہ رام چندر کے بیٹے لو نے آباد کیا تھا۔ سجان رائے بٹالوی نے اسے قبول کر کے تاریخی سند عطا کردی۔[۴۹] کرنل ٹاڈ (۱۸۲۹ء) نے کہا ہے کہ لاہور کی بنیاد رام کے بیٹے لوہ نے رکھی تھی اور پرانے زمانے میں لاہور کو لوہکوٹ کہتے تھے۔ میواڑ کے راجے اسی لوہ کوٹ کے راجاؤں کی اولاد ہیں جو ۱۴۵ء میں نقل مکانی کر کے دوارکا آئے تھے۔

جسٹس ٹی ایچ تھارنٹن نے لاہور کا سراغ مشہور یونانی جغرافیہ دان بطلیموس (نواح ۱۶۱ء) سے لگایا ہے کہ اس نے لکھا تھا:

> ''باختر سے پاٹلی پتر کو جانے والے راستے پر لبوکلا نامی شہر آباد ہے۔ یہ لبوکلا لاہور ہے۔ لبو، لو کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔''[۵۰]

اس طرح لاہور کو ویدک کے زمانے کا شہر قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ لاہور کی قدامت کے ضمن میں مسلم مورخوں اور جغرافیہ دانوں کے حوالے سے بھی پیش کئے جاتے ہیں مثلاً بلاذری نے صوبہ سرحد پر مہلب بن صفرہ

Marfat.com

کی مہم کا ذکر کرتے ہوئے لاہوار کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ ملتان اور کابل کے درمیان واقع ہے۔[۵۷]
''حدود العالم'' کے نامعلوم مؤلف نے لکھا ہے کہ لہور بہت بڑا شہر ہے۔ ملتان کے تحت ہے اور بازار اور مندر بہت ہیں جوز ہندی، بادام اور چلغوزہ کے درختوں کی بہتات ہے[۵۲] اور یاقوت الرومی نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے شہروں میں لاہور بہت بڑا شہر ہے۔[۵۳]

سرحد کے لاہور سے التباس

اس کے برعکس دسویں صدی عیسوی سے پہلے لاہور کے وجود سے انکار کرنے والوں کا کہنا ہے کہ سٹرابو نے ۶۰ ق م اور ۱۹ء کے درمیان لکھتے ہوئے لاہور کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ پلینی نے ۲۳ء اور ۷۹ء میں سندھ اور الہ آباد کے مابین منازل کا حال لکھا ہے مگر ان میں لاہور کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ عام طور پر مانا جاتا ہے کہ سکندر نے موجودہ لاہور کے کہیں قریب سے دریائے راوی کو عبور کیا تھا مگر اس کے مورخین نے بھی لاہور کا ذکر نہیں کیا۔ چینی سیاح ہوئین چونگ نے ۶۳۰ء میں پنجاب کی تفصیلی سیاحت کی تھی۔ اس نے پنجاب کے کئی شہروں کا حال لکھا ہے مگر لاہور کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ بطلیموس نے باختر سے پاٹلی پتر (پٹنہ) جانے والی شاہراہ پر واقع جس لبوکلا کا ذکر کیا ہے اس کا محل وقوع کیسپیریا (کشمیر) کے علاقہ میں قرار دیا ہے لہٰذا لبوکلا کا اطلاق موجودہ لاہور پر نہیں ہوتا۔
اسی طرح اگر مسلم مورخوں اور جغرافیہ نویسوں کے بیانات کا تجزیہ کیا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ البلاذری کا الاہوار موجودہ لاہور نہیں کیونکہ اس نے واضح کر دیا ہے کہ الاہوار ملتان اور کابل کے درمیان ہے۔ اس زمانے میں کابل سے براستہ ڈیرہ غازی خاں ملتان جاتے تھے۔ اس راستے میں وہ لاہور ضرور آتا ہے جو ضلع مردان میں ہنڈ کے نزدیک واقع ہے۔ مہلب بن ابی صفرہ کے حملہ کے سلسلہ میں الاہوار کا ذکر بنہ (بنوں) کے ساتھ آنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صوبہ سرحد والا لاہور ہی ہوگا۔۔ اسی طرح ''حدود العالم'' والے لہور میں اخروٹ، بادام، چلغوزہ کے درختوں اور مندروں کی بہتات سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پنجاب کا لاہور نہیں، سرحد کے لاہور کا ذکر ہے۔ البیرونی نے دریائے سندھ کے منبع اور ہندوستان کی شمال مغربی سرحدوں کے ذکر میں لہاور کا محل وقوع صوبہ سرحد میں متعین کر دیا ہے۔[۵۴]

لاہور: ایک ریاست

البیرونی نے ''کتاب الہند'' میں مختلف راستوں اور منازل کا ذکر کیا ہے۔ وہ قنوج سے غزنہ کے راستے میں مختلف پڑاؤ اور ان کے درمیانی فاصلے لکھتا ہوا سنام تک آتا ہے اور لکھتا ہے کہ وہاں (سنام) سے شمال مغرب کی طرف چلیں تو اوتاہور پہنچتے ہیں جو نو فرسخ ہے۔ وہاں سے ججانیر چھ فرسخ ہے اور وہاں سے مندھکور آٹھ فرسخ ہے جو دریائے راوی کے مشرقی کنارے پر ہے، لہاور کا دارالحکومت ہے۔ وہاں سے دریائے چناب بارہ فرسخ، جہلم آٹھ فرسخ،

گندھارا کا صدر مقام ویہند جو سندھ کے مغربی کنارے پر ہے، بیس فرسخ اور وہاں سے پشاور چودہ فرسخ ہے۔[۵۴]

یوں ہمیں پہلی بار پنجاب میں واقع لاہور کا ذکر ملتا ہے لیکن ایک شہر کی حیثیت میں نہیں بلکہ ایک ریاست کے طور پر...... البیرونی نے اس کے صدر مقام کا نام مندھکور بتایا ہے اور بیہقی نے مندککور۔ مولانا ہاشمی نے ان ناموں کو منڈی کھوکھر کی معرب شکل قرار دیا ہے۔[۵۵] ''کتاب الہند'' کے مترجم زخاؤ نے لکھا ہے کہ البیرونی نے ''قانون مسعودی'' میں مندھکور کو ایک قلعہ بتایا ہے۔ (صفحہ ۴۷۰)

مندھکور سے محمود پور

مندککور موجودہ لاہور کے آس پاس واقع تھا۔ تھارنٹن نے سیالکوٹ کے نزدیک مان کوٹ کو مندھکور بتایا ہے لیکن خان ولی اللہ خاں نے واضح کیا ہے کہ سیالکوٹ کے نزدیک مان کوٹ کوئی مقام ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ البیرونی نے مندھکور کا عرض و بلد خود معلوم کیا جو ۵۰-۳۱° ہے اور یہ موجودہ لاہور کے عرض بلد کے مطابق ہے اور دونوں میں صرف سولہ منٹ کا فرق ہے لہٰذا مندھکور کے آثار یہیں کہیں ہونے چاہییں۔ خان ولی اللہ خاں کا خیال ہے کہ شاید البیرونی کا مندھکور قدیم منڈوالا (منڈریاں والا) ہو جو موجودہ لاہور سے بارہ میل جنوب مغرب میں راوی کے غربی کنارے پر واقع ہے اور قدیم روایات وہاں ایک معدوم قلعے کا سراغ دیتی ہیں[۵۶] لیکن ہم جانتے ہیں کہ پنجاب کے دریاؤں کی گزرگاہیں مشرق سے مغرب کی طرف ہٹتی رہی ہیں۔[۵۷] لہٰذا مندھکور کو راوی کے مغربی کنارہ پر نہیں بلکہ مشرقی کنارے پر تلاش کرنا چاہیے۔

غزنویوں نے مندھکور کے نامانوس نام کو بدل کر محمود پورہ کر دیا۔[۵۸] لاہور کے عجائب گھر میں محمود غزنوی کی رحلت سے دو سال پہلے ۴۱۹ھ/ ۱۰۲۸ء میں لاہور کے ٹکسال میں مضروبہ درہم موجود ہے جس پر محمود پور کا نام صاف لکھا ہے لیکن یہ نیا نام بھی زبان زد عام نہ ہوسکا اور محمود کے پوتے مودود المتوفی ۱۰۴۹ء کے دور میں متروک ہو گیا اور سکوں پر لوہور مضروب ہونے لگا۔ داتا صاحبؒ کے ورود لاہور کے زمانے میں حکمران ابوالمظفر ابراہیم بن مسعود کے عہد میں مہور ولکھا جانے لگا[۵۹] جو موجودہ مقامی تلفظ کے عین مطابق ہے۔

لاہور: دسویں صدی عیسوی کا شہر

البیرونی نے لاہور نام کی ریاست کا ذکر کیا ہے۔ شہروں کے ناموں پر ریاستوں کے نام رکھے جانے کی روایت موجود ہے جیسے ریاست ملتان اور سلطنت منصورہ وغیرہ۔ اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ ریاست لاہور اسی نام کے کسی گمنام شہر سے موسوم ہوگی اور یہی زبان زد عام ہوگا جس نے سلطان مودود کو مندھکور اور محمود پورہ کے بجائے یہی مقبول نام لہور اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

مولوی شفیع مرحوم نے اس کی تاریخی سند بھی تلاش کر لی ہے۔ یہ فخر مدبر کی کتاب ''آداب الحرب والشجاعۃ''

Marfat.com

ہے جو ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء میں سلطان شمس الدین التمش کی تخت نشینی کے کچھ عرصے بعد لکھی گئی۔ فخر مدبر نے بتایا ہے کہ شہور لوہور کی بنیاد والئ لاہور جج بھندرا نے رکھی۔ اس کا جانشین بیٹا ہترت لوہور پر پچھتر سال تک حکومت کرنے کے بعد ترانوے سال کی عمر میں مرا۔ اس راجہ نے شہر لاہور میں سورج دیوتا کا بڑا مندر اور ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ یہ مندر وہاں تھا جہاں اب (''آداب الحرب'' کی تالیف کے وقت) مسجد حبشی واقع ہے اور قلعہ کی جگہ پر عرب جمعیتہ کی چھاؤنی بن گئی ہے۔ ہترت کے بیٹے جیندرت کی ویہند کے راجہ جے پال سے لڑائی چھڑ گئی۔ جے پال نے دوسری لڑائی میں ۳۸۹ھ/۹۹۹ء میں موئی لوہور پر قبضہ کرلیا۔ جیندرت قید کرلیا گیا مگر اس کے اہل خانہ بھاگ کر جالندھر کے راجہ رائے پورہ کے ہاں پناہ گزین ہوئے۔ انند پال نے لوہور کو ویہند کے ماتحت صوبہ بنا کر اپنے ولی عہد انند پال کو اس کا والی مقرر کیا۔[۶۰]

اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ موجودہ لاہور کی تعمیر دسویں صدی عیسوی میں ہوئی تھی اس لئے پرانی تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

لاہور ''کشف المحجوب'' میں

لاہور کے ضمن میں داتا صاحبؒ کی ایک عبارت غور طلب ہے۔ ''کشف المحجوب'' کے قدیم لاہوری ایڈیشن میں اور نکلسن کے زیر نظر مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں داتا صاحبؒ کی وہ عبارت جس میں اپنی کتابیں غزنی میں رہ جانے پر افسوس کیا گیا ہے۔ یوں مرقوم ہے:

> ''فی الحال اس سے زیادہ لکھنا ممکن نہیں کیونکہ میری کتابیں غزنی (خدا اسے محفوظ رکھے) میں رہ گئی ہیں اور میں یہاں دیار ہند میں شہر لہور میں کہ ملتان کے مضافات میں ہے ناجنسوں کی صحبت میں گرفتار ہوں۔''[۶۱]

''کشف'' کے روسی ایڈیشن کے متن میں:

''در بلدہ لہور کہ از مضافات ملتان ہست''

کے الفاظ شامل نہیں ہیں بلکہ حاشیہ میں دوسرے نسخوں کے حوالے سے درج کیے گئے ہیں۔ مولوی شفیع مرحوم کے نسخے میں بھی جسے شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے نقل کیا ہے، یہ الفاظ متن میں موجود نہیں ہیں، بلکہ حاشیہ میں ان کا اضافہ کیا گیا ہے۔[۶۲] ہمارے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ یہ حاشیہ شیخ بہاء الدین کا لکھا ہوا ہے یا بعد کا اضافہ ہے۔ مولانا علم الدین سالک مرحوم اسے سرے سے لاہور ہی نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ یہ لفظ بہنور ہے اور بہنور نامی ایک قصبہ مضافات ملتان میں بے شک موجود تھا۔[۶۳] اس بحث سے قطع نظر حیرت اس بات پر ہے کہ کیا واقعی داتا صاحبؒ کے زمانے میں لاہور اتنا ہی گمنام تھا کہ اس کا پتہ بتانے کے لیے ملتان کا حوالہ دینا ضروری خیال کیا گیا......؟ تاریخی

Marfat.com

حقائق اس بات کی تائید نہیں کرتے، حتیٰ کہ اگر داتا صاحبؒ ۴۳۱ھ/۱۰۳۹ء میں بھی تشریف لائے ہوں تب بھی یہ خیال درست ثابت نہیں ہوتا۔

لاہور کا غزنی سے تعلق

لاہور کی سیاسی، انتظامی اور تہذیبی اہمیت پر بحث سے پہلے ایک نظر غزنی کی سیاست پر ڈال لینی چاہیے تاکہ آئندہ مباحث کو سمجھنے میں آسانی رہے۔ داتا صاحبؒ کے زمانہ حیات میں غزنی کے تخت پر گیارہ بادشاہ بیٹھے جن میں صرف چھ کو صحیح معنوں میں بادشاہ کہا جاسکتا ہے۔ باقی پانچ ایسے ہیں کہ انہیں ایک سال سے زیادہ عرصہ تک تخت پر بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ انہی محلاتی سازشوں کا نتیجہ تھا کہ داتا صاحبؒ کی پیدائش کے زمانہ میں جو خود مختار سلطنت غزنی میں قائم ہوئی تھی، وہ ان کی رحلت کے وقت تخت نشین بادشاہ کے ساتھ ہی زوال کا شکار ہوگئی۔

لاہور: غزنویوں کی پناہ گاہ!

سلطان محمود غزنوی نے تینتیس برس حکومت کرنے کے بعد ۲۳ ربیع الثانی ۴۲۱ھ/۳۰ اپریل ۱۰۳۰ء کو انتقال کیا تو ہمدان سے لے کر تھانیسر تک وسیع سلطنت اور اربوں روپے کا خزانہ جانشینوں کے لیے چھوڑ گیا۔[۶۴] لیکن ساتھ ہی سراسر جذباتی وجوہ کی بنا پر ایسی خرابی کی بنیاد رکھ گیا جو گھن کی طرح اس کی سلطنت کو چاٹنے لگی۔ اس کے دو بیٹے محمد اور مسعود ایک ہی دن دو مختلف ماؤں سے پیدا ہوئے تھے۔ محمد بزم کا دھنی تھا تو مسعود رزم کا۔ مسعود کا گرز کسی پہلوان سے بھی نہ اُٹھایا جاتا اور اس کا تیر فولادی چادر کے بھی پار نکل جاتا۔ اس نے نوعمری میں ہی تلوار کے وہ جوہر دکھائے کہ محمود نے اسے اپنا ولی عہد مقرر کر دیا۔

زندگی کے آخری دور میں محمود، مسعود سے بدظن ہوگیا اور اس کی ولی عہدی کو منسوخ کر کے ''خوش گفتار اور سعادت مند'' محمد کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ نئے انتظام کی توثیق خلیفہ سے کرالی اور اپنے امراء سے بھی۔ محمود کے آنکھیں بند کرتے ہی مرحوم کے محبوب ایاز اور ابوعلی دایہ جیسے امیروں نے محمد سے آنکھیں پھیر لیں اور مسعود سے جا ملے۔ رمضان/ستمبر میں خراسان کی فوج نے مسعود کی سلطانی کا اعلان کر دیا۔ محمد مقابلے کو نکلا مگر اس کے امرا نے راہ میں ہی اسے معزول کر کے قید کر دیا اور مسعود کی اطاعت تسلیم کر لی۔ پھر مسعود کے حکم سے محمد کو قید خانہ میں اندھا کر دیا گیا۔ یوں مسعود اسی سال تخت غزنی پر متمکن ہوگیا۔

مسعود تلوار کا دھنی اور شجاعت کا پیکر ضرور تھا مگر اس بصیرت سے محروم تھا جو صحیح حربی حکمت عملی اور منصوبہ بندی کے ذریعے فتح کی ضمانت بنتی ہے۔ اُلٹی سیدھی مہموں اور غلط منصوبہ بندی نے لشکریوں کا مورال گرا دیا۔ سیاسی اور انتظامی امور کو اس کے لائق وزیر خواجہ حسن میمندی نے سنبھال رکھا تھا لیکن تین سال بعد میمندی کی وفات سے وہ اس امداد سے محروم ہوگیا۔ اس وقت سلطنت غزنی کو دو خطرے لاحق تھے۔ مغرب میں سلجوقیوں کا اور مشرق میں

ہندوستانی راجوں کا...... وہ ان خطرات کے مقابلہ کے لیے ترجیحات کے تعین میں ناکام ہو گیا اور اس نے ساری توجہ اور طاقت ہندوستان پر مرکوز کر دی۔ یہاں اس نے ۴۲۹ھ/ ۳۸۔۱۰۳۷ء میں ہانسی فتح تو کر لی مگر جب غزنی واپس پہنچا تو سلجوق قابو سے باہر ہو چکے تھے اور انہوں نے رے کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ مسعود نے مقابلے کی ٹھانی مگر پے در پے ایسی شکستیں کھائیں کہ دو ہی سال بعد غزنی چھوڑ کر بچے کھچے لشکر اور باپ کے جمع کردہ خزانوں کے ساتھ پنجاب کو روانہ ہوا تا کہ از سر نو فوجیں مرتب کر کے سلجوقوں کا مقابلہ کر سکے۔ لیکن ابھی وہ راولپنڈی کے نزدیک مارگلہ کی پہاڑیوں میں پہنچا تھا کہ اس کے ترکی اور ہندو غلاموں نے بغاوت کر کے سارا خزانہ لوٹ لیا۔ مسعود کو اس سرائے میں قید کر دیا جس میں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔ باغیوں نے اس کے اندھے بھائی محمد کو قید سے رہا کر کے سلطان بنا دیا اور پھر مسعود کو قید ہی میں مار دیا گیا۔

یہ خبر سن کر مسعود کا بیٹا مودود بلخ سے فوج لے کر بڑی برق رفتاری کے ساتھ مارگلہ پہنچا۔ اس نے اپنے تایا (محمد، مسعود سے چند ثانیے بڑا تھا) محمد اور اس کے بیٹوں کو شکست دے کر قتل کر دیا اور سلطان بن بیٹھا۔

یہ سارے واقعات ۴۳۲ھ/ ۴۱۔۱۰۴۰ء کے ہیں۔ مودود نے اس خوشی میں اسی جگہ ایک شہر بسایا جسے فتح آباد کا نام دیا اور اپنے باپ کی میت لے کر غزنی واپس پہنچا۔ یہی فتح آباد آج کل راولپنڈی کہلاتا ہے۔ اُدھر مودود کے بھائی مجدد نے جو ملتان کا والی تھا، محمود کے محبوب امیر ایاز کی مدد سے لاہور پر قبضہ کر کے دریائے سندھ سے تھانیسر تک کے علاقہ پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ مودود اس کی سرکوبی کے لیے لشکر لے کر نکلا اور ۶ ذی الحجہ ۴۳۳ھ/ ۲۶ جولائی ۱۰۴۲ء کو لاہور پہنچ گیا۔ ابھی صفیں آراستہ بھی نہ ہوئی تھیں کہ عین عیدالاضحیٰ کے روز مجدد اپنے خیمے میں مردہ پایا گیا۔ اس کے چند روز بعد امیر ایاز بھی انتقال کر گیا اور یوں ہندوستانی مقبوضات بھی مودود کے قبضہ میں آ گئے۔

اس سیاسی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر ۴۳۵ھ/ ۴۴۔۱۰۴۳ء میں ہندوؤں نے دہلی کے راجہ کی سرکردگی میں متحد ہو کر ہانسی، تھانیسر اور کانگڑہ پر یکے بعد دیگرے قبضہ کر لیا مگر لاہوری امراء ٹس سے مس نہ ہوئے اور باہم دست و گریبان رہے۔ بالآخر جب ہندوؤں کے متحدہ لشکر نے لاہور کا بھی محاصرہ شروع کر دیا تو وہ خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور ہندوؤں کے مقابلہ کے لئے میدان میں نکل آئے مگر ہندو لشکر مقابلہ کے بغیر پسپا ہو گیا اور یوں وہ علاقے جو ہندوؤں نے فتح کر لئے تھے، انہی کے قبضہ میں رہے اور مسلمان بیاس تک کے علاقہ پر قابض ہو کر بیٹھ رہے۔

غزنی میں اکھاڑ پچھاڑ

مودود نے ۴۴۰ھ/ ۱۰۴۸ء میں اپنے دونوں بڑے بیٹوں ابوالقاسم محمود (یہ نام مشکوک ہے) اور منصور کو ایک ہی دن خلعت سے سرفراز کیا۔ محمود کو لاہور اور منصور کو پشاور میں متعین کیا۔ مودود اس کے اگلے سال ہی ۲۴ رجب ۴۴۱ھ/ ۲۲ دسمبر ۱۰۴۹ء کو پُر اسرار حالات میں انتقال کر گیا۔ امیر علی بن ربیع نے ساز باز کر کے مودود کے چار سالہ بیٹے مسعود ثانی کو تخت پر بٹھا دیا لیکن امیر باس تگین نے صرف پانچ چھ دن بعد جوابی انقلاب برپا کر کے مسعود ثانی کو

Marfat.com

معزول کر کے اس کے چچا ابوالحسن علی بن مسعود اول کو تخت پر بٹھا دیا لیکن کچھ ہی دن بعد عبدالرزاق بن احمد بن حسن میمندی نے ابوالحسن کے چچا ابو منصور رشید الدین کو زنداں سے نکال تخت پر بٹھا دیا۔ ابوالحسن جیل میں بھیج دیا گیا۔ اس اثناء میں علی بن ربیع جس نے مودود کے چار سالہ بیٹے مسعود ثانی کو تخت پر بٹھانے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، عملاً پنجاب کا حکمران بن بیٹھا تھا۔ رشید نے اسے حیلوں سے غزنی بلایا اور اس کی جگہ نوش تگین حاجب کو پنجاب کا گورنر بنا کر لاہور بھیجا جس نے کانگڑہ کو دوبارہ فتح کیا۔ ادھر ۴۴۴ھ/۱۰۵۲ء میں طغرل حاجب نے سلطان عبدالرشید کو اس کے خاندان کے نو افراد کے ساتھ قتل کر دیا اور خود سلطان بن بیٹھا۔ مگر نوش تگین نے خفیہ خطوط کے ذریعے غزنوی امراء کی حمایت کو جگایا اور انہیں طغرل کے خلاف اقدام پر آمادہ کیا چنانچہ ایک دن طغرل کو سر دربار قتل کر دیا گیا۔

نوش تگین نے غزنی پہنچ کر دوسرے امراء کے مشورے سے آل سبکتگین کی حکومت بحال کرنے کا فیصلہ کیا۔ بچے کھچے شہزادوں کی تلاش شروع ہوئی اور آخر بڑی دقتوں اور مشکلوں کے بعد تین شہزادوں کا سراغ ملا۔ فرخ زاد، ابراہیم اور شاہ شجاع۔ تینوں مختلف قلعوں میں قید تھے۔ امرا نے قرعہ اندازی کے ذریعے متفقہ طور پر ابوشجاع فرخ زاد بن مسعود اوّل کو تخت پر بٹھا دیا۔ فرخ زاد چھ سال تک حکومت کرنے کے بعد قولنج کے مرض میں مبتلا ہونے کے بعد انتقال کر گیا اور ۴۵۱ھ/ ۱۰۵۹ء میں اس کا بھائی ابوالمظفر ابراہیم مصلے سے اٹھ کر تخت پر بیٹھا۔ اس نے عین عالم شباب میں دنیاوی لذتوں کو ترک کر دیا تھا۔ سال میں تین ماہ روزے رکھتا۔ ہر سال اپنے ہاتھ سے ایک قرآن شریف لکھ کر ہدایہ کے ساتھ مکہ معظمہ ارسال کرتا۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا شہر اجودھن اسی کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ اس نے روپڑ پر بھی اپنا پرچم لہرایا۔ سلطان ابراہیم تمام غزنوی بادشاہوں سے زیادہ عرصہ تک حکومت کرنے کے بعد ۴۹۲ھ/۱۰۹۹ء میں خالق حقیقی سے جا ملا۔ بعض مورخوں نے اسے بادشاہوں کے بجائے درویشوں میں محسوب کیا ہے اور اسے ''سید السلاطین'' کا لقب دیا ہے۔[۶۵]

ہمارے داتا صاحبؒ اسی سلطان کے عہد حکومت میں تشریف لائے۔ داتا صاحبؒ کا روضہ بھی اسی درویش صفت بادشاہ نے بنوایا۔

لاہور کا سیاسی انتظام

موجودہ لاہور داتا صاحبؒ کے عہد سے پہلے کس قدر گمنام تھا اس کا ذکر ہو چکا۔ اس کی ناموری کا آغاز داتا صاحبؒ کے زمانے سے ہوتا ہے۔ شروع میں ہندوستان کی تسخیر محمود غزنوی کا مطمح نظر تھی۔ تاہم دوآب کی مہموں کے دوران وہ اپنے مستقل مستقر سے بہت دور نکل آیا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اگر بندھیل کھنڈ جیسے دور دراز مقامات تک ترکتازیاں دکھانی ہیں تو پنجاب کو مکمل کنٹرول میں لا کر وہاں سول اور فوجی انتظامیہ قائم کرنی ہوگی۔ اس نے موجودہ لاہور کو نئے صوبے کا صدر مقام بنانے کا فیصلہ کیا۔ ۲۲-۱۰۲۱ء (۴۱۲ھ) میں بڑی تعداد میں بڑھئی، لوہار، سنگتراش اور معمار فوج کے ساتھ لئے اور لاہور کو روانہ ہوا۔ راستے کو ایسے عناصر سے پاک کرتا گیا جو امن و امان کے لئے خطرناک

Marfat.com

ہوسکتے تھے۔ لاہور پہنچ کر مختلف علاقوں میں حاکم مقرر کیے اور چھاؤنیاں قائم کی۔[۶۶] غالباً یہیں سے لاہور کی بنیاد ڈالنے کی روایت محمود سے وابستہ ہوئی اور بعض مورخوں نے اس میں ایاز کو بھی شامل کرلیا ہے۔[۶۷] لیکن اصل واقعہ صرف اتنا ہے کہ محمود نے موجودہ لاہور کی جگہ پر آباد سابقہ قلعہ مند کور میں یا اس سے قدرے ہٹ کر ایک قلعہ اور سول سیکرٹریٹ تعمیر کیا۔ غالباً اسی کا نام محمود پور تجویز ہوا۔[۶۸] یہ تعمیرات جلد ہی مکمل ہوگئی ہوں گی کیونکہ لاہور کے عجائب گھر میں محمود پور کا ایک سکہ موجود ہے جو ۴۱۹ھ/۱۰۲۸ء میں مضروب ہوا۔ ہم بتا چکے ہیں کہ محمود پور کا نام مقبول نہ ہوسکا اور صرف ربع صدی کے اندر سکوں پر لوہور مضروب ہونے لگا۔[۶۹]

سلطان محمود غزنوی نے لاہور کا سالار یا صوبیدار کسے مقرر کیا تھا؟ اس کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ سب سے پہلے جو شخص اس عہدے پر متمکن دکھائی دیتا ہے، وہ عبداللہ قراتکین تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک ایرانی افسر علی ابوالحسن شیرازی کی پنجاب کے قاضی کے طور پر تقرر کا سراغ ملتا ہے۔ اختیارات دونوں کے برابر تھے کیونکہ جب قراتکین کو محمود غزنوی کی زندگی میں ہی واپس بلالیا گیا تو وزیر خواجہ احمد حسن میمندی نے جو قاضی شیرازی کو اپنا حریف سمجھتا تھا، طعنہ دیا کہ جرنیل قراتکین قاضی سے دب گیا تھا۔[۷۰]

۴۲۰ھ/۱۰۲۹ء میں یا اس سے کچھ پہلے عبداللہ قراتکین کی جگہ حاجب اریارق صوبیدار یا سالار مقرر ہوکر لاہور آیا۔ قاضی علی شیرازی کی اریارق سے نہ بن سکی۔ اس اثناء میں وزیر خواجہ معزول ہو چکا تھا۔ وہ کالنجر کے قلعہ میں اور اس کا بیٹا عبدالرزاق قلعہ نندونہ میں قید تھے۔ اریارق نے آتے ہی سراغرسانی کے محکمہ کے افسر اعلیٰ۔۔۔(صاحب برید) کو ڈرایا دھمکایا کہ اس کے خلاف کوئی خبر سلطان کو بھیجی تو سر قلم کردوں گا۔ اسی طرح عمال پر سخت رعب جمایا۔ معمولی نافرمانی پر سخت سزائیں دیتا بلکہ واقعۃً بے گناہوں کو مروا ڈالتا۔ قاضی علی کی مسلسل تحریک پر ابوالفتح دامغانی اور ابو الفرج کرمانی عامل اور مشرف (شاہی محاسب) مقرر ہوکر لاہور آئے مگر وہ بھی اریارق کو قابو میں نہ لاسکے۔

محمود نے اریارق کے ظلم وتعدی اور زرستانی کے قصے سنے تو اسے غزنی طلب کیا مگر وہ نہ مانا جس پر مطعون ومردود ہوا۔ اسی اثناء میں (۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) محمود انتقال کرگیا۔ اس کے جانشین محمد نے بھی اسے غزنی بلایا مگر وہ پھر ٹال گیا۔ محمد کی مختصر حکومت ختم ہونے پر مسعود تخت نشین ہوا تو خواجہ احمد میمندی کو کالنجر کے قلعہ سے رہا کر کے غزنی طلب کیا۔ وہ لاہور سے گزرتے ہوئے اریارق کو سمجھا بجھا کر اور اپنی شفاعت کا یقین دلا کر ساتھ لیتے گئے۔ چند دن بعد جب وہ نشے میں دھت تھا تو طوق اور سلاسل پہنا کر قید میں ڈال دیا گیا۔ وہ قید میں ہی مرگیا۔[۷۱]

اریارق کی جگہ ولایت لاہور کے "بڑے اور بانام" عہدے پر محمود غزنوی کے ایک معتمد اور خازن احمد نیال تگین (یا احمد انال تگین) کی تقرری عمل میں آئی۔ یہ واقعہ ۴۲۲ھ/۱۰۳۱ء کا ہے۔ قاضی علی اپنے عہدے پر برقرار رہے۔ تاہم دونوں کی نگرانی کے لئے ابولقاسم ابوالحکم کو صاحب برید مقرر کیا۔ محمود نے پنجاب میں دوعملی کی جو پالیسی وضع کی تھی اسے بحال رکھا گیا۔ احمد نیال تگین کو ہدایت کی گئی کہ مال گزاری اور حساب کتاب میں دخل نہ دے۔ خواجہ احمد جو دوبارہ وزیر بن چکا تھا۔ قاضی علی سے خار کھاتا تھا۔ اس نے نیال تگین کو قاضی کے خلاف بھڑکایا اور کہا کہ اس شیرازی

سے بچنا۔ وہ سالاروں سے اپنی فرمانبرداری کی توقع رکھتا تھا۔[۴۲] دوسری طرف قاضی کو بھی مطلع کر دیا گیا کہ تمہارا کام مالیات کی نگرانی ہے۔ فوج اور فوجی کمان سے تمہارا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ نیا سالار احمد نیال تگین اپنے فرائض اپنی صوابدید کے مطابق انجام دے گا۔ مواضعات کا خراج وصول کرے گا اور جہاد کرے گا۔[۴۳] اس دو عملی اور خواجہ احمد میمندی کی طرف داری کا یہ نتیجہ نکلا کہ لاہور آتے ہی دونوں میں ٹھن گئی۔ احمد نیال تگین نے اپنے فرائض کس خوبی سے انجام دیئے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نیال تگین نے لاہور میں رہ کر اپنے محدود وسائل کو اس خوبی سے منظم کیا کہ ۴۲۴ھ/۱۰۳۳ء میں لاہور سے آٹھ سو میل دور بنارس پر اپنا جھنڈا لہرا آیا۔ بنارس سے جو مال و دولت حاصل ہوئی وہ غزنی پہنچائی مگر قاضی علی شیرازی نے خفیہ اطلاع بھیجی کہ نیال تگین نے خراج وغنائم کا بہت بڑا حصہ غائب کر دیا ہے اور سلطان کو جزوقلیل پر ٹرخا دیا ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق اس پر یہ اضافہ بھی کیا کہ ''اس کے ارادوں کا حال تو کسی کو معلوم نہیں تاہم وہ خود کو پسر محمود کہتا پھرتا ہے۔'' نیال تگین پہلے بھی قاضی شیرازی سے خوش نہ تھا مگر تمام دیوانی حکام قاضی کے ساتھ تھے لہٰذا کچھ نہ کر سکتا تھا۔ بنارس سے فتح یاب واپسی سے اس کے حوصلے اتنے بڑھے کہ ۴۲۵ھ/۱۰۳۴ء میں قاضی علی اور اس کے ساتھیوں پر چڑھ دوڑا۔ وہ تلور سے مقابلہ نہ کر سکتے تھے لہٰذا قلعہ مندککور میں محصور ہو کر بیٹھ گئے۔ یہ گویا احمد نیال تگین کی طرف سے اعلان آزادی تھا۔

ہندو حجام کی سرفرازی

دربار غزنی میں صلاح مشورے شروع ہوئے۔ کوئی امیر نیال تگین کے مقابلے پر جانے کو تیار نہ ہوا۔ سب سے بڑا عذر گرمی اور ساون کا تھا۔ مسلمان افسروں کی لیت ولعل سے طیش کھا کر ایک ہندو سردار تلک حجام خم ٹھونک کر میدان میں آیا۔ سلطان محمود نے اسے سلطانی طبل وعلم دے کر اس شان وشوکت کے ساتھ غزنی سے لاہور روانہ کیا کہ مسلمان امراء رشک سے ہونٹ کاٹتے تھے۔ تلک حجام کے لشکر نے لاہوری باغیوں پر اتنا اثر ڈالا کہ بہت سے سردار نیال تگین سے منحرف ہو گئے۔ شکست مقدر دیکھ کر بنارس کا فاتح احمد نیال تگین لاہور کے ایک حجام تلک سے لڑے بغیر بھاگ کھڑا ہوا۔ تلک نے قاضی علی اور ان کے ساتھیوں کو محاصرہ سے چھڑایا اور باغی سردار کا سر لانے والے کو پانچ لاکھ درہم انعام دینے کا اعلان کیا۔ نیال تگین کسی دریا کو عبور کرتا ہوا مارا گیا۔ اس کا کٹا ہوا سر اور اسیر بیٹا تلک کے پاس لایا گیا۔ تلک یہ تحفے لے کر سلطان مسعود کے پاس حاضر ہوا۔ کسوت گراں بہا سے حجام سپہ سالار کا سر افتخار سے بلند کیا اور سلطان نے جواہر کا طوق سر دربار اپنے ہاتھ سے اس کے گلے میں ڈالا۔ وہ مستقلاً سالار ہندوواں کے منصب پر فائز ہوا۔[۴۴]

امیر ایاز کی آمد

سلطان مسعود دو سال تک لاہور میں نیال تگین کے جانشین کا فیصلہ نہ کر سکا۔ اس عرصہ میں غالباً قاضی علی شیرازی بلاشرکت غیرے ولایت لاہور پر حکمرانی کرتے رہے۔ بالآخر ۴۲۷ھ/۱۰۳۶ء میں اٹھارہ بیس سالہ شہزادے

Marfat.com

مجدود بن مسعود کو لاہور کی امارت تفویض کی گئی۔ تین حاجب جو خود صاحب لشکر تھے، اس کے ساتھ بھیجے گئے۔ ان میں اس کے دادا محمود کا محبوب امیر ایاز بھی شامل تھا جسے مجدود کا اتالیق بھی مقرر کیا گیا تھا۔ ابوالقاسم علی نوکی کے فرزند ابو منصور کو بطور دبیر سعد سلیمان (جس کے بیٹے مسعود نے بطور شاعر بڑی شہرت حاصل کی) کو بطور مستوفی (وزیر مالیات) لاہور بھیجا گیا۔

سلجوقوں کا عروج

۴۲۹ھ/ ۳۸-۱۰۳۷ء میں سلطان مسعود نے ہندوستان کا اچھوتا قلعہ فتح کرنے کی منت پوری کرنے کے لیے ہانسی اور سون پت پر حملہ کیا۔ وہ لاہور نہیں آیا تھا بلکہ ملتان سے چڑھائی کی تھی۔[۷۵] مسعود نے یہ مہم اپنے وزیر کے مشورے کے خلاف سر کی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ مسعود اپنی پوری قوت سے سلجوقیوں کا مقابلہ کرے جو غزنی کے لئے خطرہ بنتے جا رہے تھے۔ مسعود واپس پہنچا تو سلجوق طلیقان اور فریاب پر قبضہ کرنے کے بعد رے کو محاصرہ میں لے چکے تھے۔ امیر خراسان کو مقابلے کا حکم دیا تو اس نے اپنی بے مائیگی کا عذر پیش کیا۔ مجبور ہو کر میدان میں گیا مگر بری طرح شکست کھائی اور یوں سارا خراسان سلجوقوں کے زیر نگیں آ گیا۔ اس سے اگلے سال سلطان مسعود نے سرخس کے معرکہ میں سلجوقوں پر فتح حاصل کی مگر ان کی قوت کو ختم نہ کر سکا مگر پھر ۴۳۲ھ/ ۱۰۶۰ء میں سلجوقوں سے شکست کھا کر ایسا بدحواس ہوا کہ میدان سے جان بچا کر نکلا اور غزنی پہنچ کر دم لیا۔ اپنے بیٹے مودود کو فوج دے کر بلخ بھیجا۔ مجدود کو جو لاہور کا امیر تھا، ملتان میں متعین کیا، غزنی کا انتظام شہزادہ ایزدیار کے سپرد کر کے خود حرم اپنے والد کے ہندوستان سے حاصل کئے ہوئے خزانے تین سو اونٹوں پر لاد کر لاہور روانہ ہوا۔ وزیر خواجہ محمد بن عبدالصمد رو کتا رہ گیا مگر مسعود سلجوقوں سے ایسا خوفزدہ ہوا تھا کہ کسی کی نہ مانی۔ مارگلہ کی پہاڑیوں میں پہنچا تو ترک اور ہندو غلاموں نے بغاوت کر کے سارا خزانہ لوٹ لیا اور مسعود کو قید کر کے گری کے قلعے میں ڈال دیا۔ معزول بادشاہ محمد کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔[۷۶]

راولپنڈی کی بنیاد

جس وقت راولپنڈی میں یہ خونین ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا، مجدود ملتان میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا، جیسے اسے کچھ خبر ہی نہیں۔ اس کے بھائی مودود نے بلخ میں یہ خبر سنی تو غزنی کو بھاگا اور ایک لشکر لے کر بڑی تیز رفتاری کے ساتھ راولپنڈی کی طرف بڑھا جہاں چاچا محمد کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ مودود کو فتح حاصل ہوئی۔ اس نے چچا اور اس کے بیٹے کو اسی جگہ ۴۳۲ھ/ ۱۰۴۱ء قتل کیا اور فتح آباد راولپنڈی کی بنیاد رکھی اور غالباً اپنے بھائی پر اعتماد کرتے ہوئے واپس غزنی چلا گیا جہاں تاجپوشی کی رسم ادا ہوئی۔[۷۷]

مجدود کا خاتمہ

اس اثناء میں مجدود نے یقیناً امیر ایاز کے مشورہ پر عمل کر کے ہندوستان میں اپنی خود مختار سلطنت قائم کرنے

کا فیصلہ کیا۔ اس نے دریائے سندھ سے لے کر ہانسی اور تھانیسر تک اپنی حکومت قائم کرلی۔ مودود سے اطاعت کا مطالبہ کیا جسے اس نے نامنظور کر دیا۔ ۴۳۳ھ/۱۰۴۲ء میں مودود نے لاہور کا رخ کیا۔ مجدود ان دنوں ہانسی میں بیٹھ کر دہلی پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ مودود کے ارادہ کی اطلاع پا کر مجدود لاہور پہنچا اور مقابلہ کے لیے تیار ہو کر بیٹھ گیا۔ دونوں بھائیوں کے لشکر آمنے سامنے تھے۔ خونریز جنگ ہونے کو تھی کہ عین عیدالاضحیٰ ۴۳۳ھ/۱۷ جولائی ۱۰۴۲ء کو مجدود اپنے خیمے میں مردہ پایا گیا۔ امیر ایاز معزول ہوا اور پندرہ سولہ سال گمنامی میں بسر کرنے کے بعد ۴۴۹ھ/۱۰۵۷ء میں انتقال کر گیا۔ رنگ محل لاہور میں اسی امیر ایاز کا مزار بتایا جاتا ہے۔ ۷۸

لاہور پر ہندوؤں کا حملہ

مودود نے لاہور پر قبضہ کرکے حکومت کس کے سپرد کی؟ فوجی انتظامات کس کے حوالے کیے؟ اس ضمن میں تاریخ بالکل خاموش ہے۔ اگلے سات برسوں میں لاہور غالباً بے ملک رہ گیا تھا۔ مختلف علاقوں میں کوئی نہ کوئی انتظام ضرور ہوگا مگر اس میں کوئی مرکزیت نہ تھی۔ ہندوؤں نے اس سیاسی اور فوجی خلا سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ دہلی کے راجہ کی قیادت میں انہوں نے یکے بعد دیگرے ہانسی، تھانیسر اور پٹھانکوٹ کے قلعے غزنویوں سے چھین لئے یہاں تک کہ ۴۳۵ھ/۱۰۴۴ء کے لگ بھگ ہندو لشکر لاہور کے نواح پر بھی حملے کرنے لگے۔ اس وقت امرائے لاہور باہم دست و گریباں تھے۔ بالآخر جب لاہور بھی ہاتھ سے جاتا دکھائی دیا تو خواب غفلت سے بیدار ہوئے۔ مودود کی اطاعت کا حلف اٹھایا اور متحد ہو کر ہندوؤں کے مقابلے کو نکلے۔ ہندو اب تک ان کے نفاق سے فائدہ اٹھا رہے تھے مگر اب انہیں متحد دیکھ کر محاصرے کا خیال چھوڑ کر پسپا ہو گئے۔

آخر کار کہیں ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء میں مودود کو لاہور کی بے نظمی کا خیال آیا اور اس نے اپنے ایک بیٹے منصور کو پشاور کا اور دوسرے کو لاہور کا امیر مقرر کیا۔ فرشتہ نے اس کا نام ابوالقاسم محمود لکھا ہے لیکن مولانا ہاشمی کو اس سے اختلاف ہے۔ کہتے ہیں کہ مودود نے اپنے جس بیٹے کو لاہور کا امیر مقرر کیا، اس کا نام کچھ اور ہوگا کیونکہ ابوالقاسم محمود نامی جو شہزادہ بعد ازاں امیر لاہور مقرر ہوا، وہ سلطان ابراہیم کا بیٹا تھا ابھی نیا انتظام مستحکم نہ ہو سکا تھا کہ اگلے سال ۴۴۱ھ/۱۰۴۹ء میں سلطان مودود کا انتقال ہو گیا اور خود غزنی میں وہ افراتفری مچی کہ تخت کے پائے ہل گئے۔ دس برس کے عرصہ میں چھ بادشاہوں کا عزل ونصب ظہور میں آیا۔ ۷۹

علی بن ربیع کی بغاوت

مودود کے بعد پنجاب کا کیا بنا؟ اس کا کوئی واضح جواب نہیں ملتا۔ بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ غزنی کے ایک امیر علی بن ربیع نے مودود کے چار سالہ بیٹے ابوجعفر مسعود (ثانی) کو تخت پر بٹھا دیا اور اس کے پردے میں خود حکومت کرنے لگا۔ دوسرے امراء خصوصاً باس تکین کو یہ جانشینی پسند نہ آئی۔ انہوں نے متفق ہو کر مسعود ثانی کو چند دنوں کی

Marfat.com

حکمرانی کے بعد معزول کر دیا اور ابوالحسن بن مسعود اول کو تخت پر بٹھا دیا مگر اسی سال ۴۴۱ھ/۱۰۴۹ء میں اسے عبدالرشید نے تخت سے محروم کر دیا۔ ابوالحسن نے فقیری اختیار کر لی۔ علی بن ربیع اپنے مہرے (مسعود ثانی) کے پٹ جانے کے بعد جس قدر زر و جواہر سمیٹ سکا، سمیٹ کر پشاور بھاگ گیا۔ وہاں مودود کا بیٹا منصور متعین تھا۔ پتہ نہیں اس کا کیا بنا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ علی بن ربیع نے ملتان اور سندھ کے علاقے پر قبضہ جما لیا۔ سلطان عبدالرشید نے حیلوں بہانوں سے علی بن ربیع کو واپس غزنی بلایا اور ہندوستان میں نظم و نسق بحال کرنے کے لیے جب نوش تگین کو ۴۴۳ھ/۱۰۵۱ء میں ولایت لاہور کا والی مقرر کیا اور اپنے برادر نسبتی طغرل حاجب کو سندھ اور مکران کی طرف بھیجا۔[۸۰]

غزنی کا ایک اور انقلاب

لاہور کے نئے حاکم نوش تگین کے متعلق ہماری معلومات کا سارا ذخیرہ بس اتنا سا ہے کہ اس نے پنجاب میں امن و امان بحال کیا۔ نظم و نسق کی اصلاح کی اور پھر طوفانی حملہ کر کے کانگڑہ کو ہندوؤں سے چھین لیا۔ اس کے علاوہ شمالی سرحد کو ہندوؤں سے پاک کیا۔ نوش تگین ابھی پنجاب میں مستحکم حکومت قائم نہیں کر سکا تھا کہ طغرل نے اپنی مہم سے واپس آ کر ۴۴۴ھ/۱۰۵۲ء میں اپنے برادر نسبتی سلطان عبدالرشید کو گھیر کر مار دیا اور اس کے ساتھ آل سبکتگین کے نو افراد کو بھی قتل کر دیا جو تخت کی دعویداری کر سکتے تھے۔ یہ خبر سن کر نوش تگین پشاور پہنچا۔ طغرل نے اسے بھی پھانسنا چاہا مگر منہ توڑ جواب پایا۔ نوش تگین نے دوسرے امیروں کو بھی غیرت دلائی تو انہوں نے متحدہ اقدام کر کے طغرل کو جسے کافر نعمت کا لقب دیا گیا ہے، قتل کر دیا۔

اس کے بعد نوش تگین غزنی پہنچا تو تمام امرا سے یہ بات منوالی کہ آل سبکتگین کی حکومت بحال کر دی جائے لیکن اب مصیبت یہ تھی کہ کوئی شہزادہ ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا۔ آخر بڑی تلاش کے بعد تین شہزادوں کا سراغ ملا جو مختلف قلعوں میں قید تھے، فرخ زاد، ابراہیم اور شاہ شجاع۔ ان میں سے فرخ زاد کو بذریعہ قرعہ اندازی ۴۴۴ھ/۱۰۵۲ء میں سلطان مقرر کیا۔ فرخ زاد کے سات سالہ دور اقتدار میں لاہور کا نظم و نسق کس کے سپرد تھا یا اس اثنا میں لاہور پر کیا بیتی؟ اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔۔۔ تاہم مولانا ہاشمی نے بعض قرائن سے اندازہ لگایا ہے کہ اس عرصہ میں ابوبکر صالح جو بعد ازاں فرخ زاد کا وزیر بنا، لاہور کا والی تھا۔ اسی زمانے میں فرخ زاد کے جانشین سلطان ابراہیم کے اوائل عہد میں نجم الدین شیبانی کو لاہور کا والی مقرر کیا گیا تھا۔[۸۱]

لاہور کا نیا حاکم

۴۵۰ھ/۱۰۵۶ء میں سید السلاطین ابوالمظفر رضی الدین ابراہیم بن مسعود تخت نشین ہوا۔ اس کے فضائل پر پہلے روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اس نے اپنے بیٹے سیف الدولہ ابوالقاسم محمود کو غالباً ۴۶۲ھ/۱۰۷۳ء میں لاہور کا والی مقرر کیا۔ لاہور کی قدیم و جدید تواریخ میں اس شہزادے کے ولایت لاہور کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ مولانا ہاشمی نے پہلی مرتبہ

Marfat.com

بڑی عرق ریزی سے مسعود سعد سلمان اور ابوالفرج مسعود رونی کے قصائد سے اس کا تذکرہ مرتب کیا ہے۔

ابوالقاسم کو دربار غزنی سے سیف الدولہ کا خطاب ملا اور پھر ہندوستان کی امارت ہونے کے وقت خلیفہ بغداد نے "ضیع امیر المومنین" کے خطاب کا اضافہ کیا۔ شہزادہ محمود کے مرتبے کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اسے سر پر تاج رکھنے کی اجازت تھی اور اسے قریب قریب شاہی القاب سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ شہزادہ محمود نے پنجاب میں نظم ونسق اور صنعت وتجارت کی بحالی پر توجہ مبذول کی اور جلد ہی لاہور کی پرانی عظمت ہی بحال نہ کر دی بلکہ اس میں مزید اضافہ کیا۔

لاہور کی امارت کے دوران اس کا سب سے بڑا کارنامہ آگرہ کی فتح ہے۔ اس نے یہ حملہ روپیہ پیسہ حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ محض جہاد کا ثواب حاصل کرنے کے لیے کیا تھا۔ آگرہ کی مہم کے لیے اس نے چالیس ہزار سواروں کا لشکر لاہور سے ہی انتخاب کیا تھا۔ جس شہر سے چالیس ہزار سوار چھانٹ کر علیحدہ کئے جاسکے اس کی مجموعی آبادی یقیناً لاکھوں میں ہوگی۔ اس کے عہد میں لاہور تعمیرات اور ثقافت میں غزنی کا ہم پلہ بن گیا۔

کسی بدخواہ نے سلطان ابراہیم کے کان بھرے کہ اس کا بیٹا شہزادہ محمود اس کے دشمن ملک شاہ سلجوق کے پاس عراق جانے کی سوچ رہا ہے۔ سلطان ابراہیم نے ۴۸۰ھ (۱۰۷۸ء) میں اسے معزول کر کے قید میں ڈال دیا۔ اس کی جگہ ایک اور بیٹے علاء الدولہ مسعود کو پنجاب کا والی مقرر کیا۔ یہی مسعود بعد ازاں مسعود ثالث کے نام سے غزنی کا تاجدار بنا۔۔۔ حلم وتحمل اور فیاضی کے پیش نظر اسے مسعود الکریم کا لقب دیا گیا۔

اس کے زمانہء امارت کے متعلق بس اتنا ہی معلوم ہے کہ اس نے ہندوستان میں جہاد کا سلسلہ جاری رکھا۔[۸۲] اس کی امارت کا زمانہ ۴۸۰ھ/ ۱۰۷۸ء اور ۴۹۲ھ/ ۱۰۹۹ء کے درمیان تخمین کیا گیا ہے۔[۸۳] اس کے ساتھ ہی داتا صاحبؒ کا زمانہ ختم ہوجاتا ہے ورنہ اس کے جانشین بھائی شیرزاد نے ۴۹۳ھ/ ۱۱۰۰ء میں ہندوستان کا والی مقرر ہونے کے بعد لاہور کو جو ترقی دی، وہ بے مثال تھی۔

مرکزِ ثقافت

داتا صاحبؒ کے عہد کا لاہور شمشیر زنی کا ہی مرکز نہ تھا بلکہ بقول عوفی "ایک خطہ بفضل لامتناہی او برسائر بلاد ومفاخر ومباہی" بھی تھا۔ ساتویں صدی ہجری کے اس تذکرہ نگاہ نے مسلم لاہور کے جس پہلے شاعر کا ذکر کیا ہے وہ سلطان مسعود اول ۴۲۱ھ تا ۴۳۲ھ/ ۱۰۳۰ء تا ۱۰۴۱ء کے زمانہ کا شاعر ابوعبداللہ روزبہ ابن عبداللہ النکتی اللہوری ہے۔ ایرانی الاصل تھا۔ اس کا باپ الحاق پنجاب کے بعد لاہور میں ہی آ گیا تھا۔ اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں۔[۸۴]

لاہور کا پہلا نامی شاعر ابوالفرج بن مسعود الرونی ہے جو مولانا ہاشمی کی تحقیق کے مطابق الحاق لاہور سے چند سال بعد ۴۲۶ھ/ ۱۰۳۵ء میں لاہور کے ایک گاؤں رونہ میں پیدا ہوا جس کا اب نشان تو کیا نام بھی نہیں ملتا۔ انوری نے اسی کا ایک شعر چرا کر بدنامی مول لی تھی۔ رونی کسی ذی وجاہت خاندان کا فرد نہ تھا۔[۸۵]

مسعود سعد سلمان کو لاہور کے شاعروں میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ اس کے والد سعد سلمان شہزادہ مجدود کے ساتھ مستوفی بنا کر لاہور بھیجے گئے۔ اصلاً ہمدان کے رہنے والے تھے۔ لاہور مین انہیں جاگیر ملی تھی اور وہ یہیں کے ہو کے رہ گئے تھے۔ مسعود کی پیدائش لاہور میں ہوئی۔ اسے لاہور سے جو محبت تھی اس کا اظہار کئی قصائد اور قطعات میں کیا ہے۔ ۴۹۲ھ/ ۱۰۹۸ء میں یا کچھ بعد انتقال کیا۔ بعض روایات کے مطابق وہ غزنی میں مدفون ہوا مگر اس کی کوئی سند نہیں۔[۸۶] مزنگ لاہور میں اس کی قبر دکھائی جاتی ہے اور اگر یہ درست ہے تو پھر اسے عہد غزنوی کی دو اثری نشانیوں مزار داتا گنج بخشؒ اور مزار امیر ایاز کے ساتھ ایک اضافہ سمجھنا چاہیے۔

اس کی عمر کا کافی عرصہ جیل خانوں میں گزرا۔ قید میں اس نے جو شاعری کی وہ بے مثال ہے اس لئے وہ حبسیہ شاعری کا امام کہلاتا ہے۔ مسعود فارسی کے ساتھ عربی میں بھی شعر کہتا تھا۔ لاہور کا یہ پہلا شاعر ہے جو پنجاب میں بھی شعر کہتا تھا بلکہ پنجاب کا صاحب دیوان شاعر تھا۔

مولانا ہاشمی مرحوم نے مسعود سعد سلمان کی ایک مثنوی کے ذریعے داتا صاحبؒ کے عہد کے فوراً بعد کے امرائے دولت سے روشناس کرایا ہے۔ داتا صاحبؒ کے زمانہ میں بھی امرائے لاہور کی معاشرت کچھ مختلف نہ ہو گی۔ خواجہ ابونصر فارسی کو نشہ چڑھتا ہے تو ''شاہنامہ'' کے سینکڑوں شعر پڑھتا چلا جاتا ہے۔ پھر چلتے چلتے ایک پیالے پر اور ہاتھ مارتا ہے اور امیر لاہور کو دعائیں دیتا ہوا کھڑا ہو جاتا ہے۔ امیر بہمن نیک نام خاندانی امیر ہے۔ آداب تہذیب سے خوب واقف ہے۔ لطافت میں کوئی مدمقابل نہیں۔ سید ابوالفضائل۔ جگر شیر کا اور بدن ہاتھی کا۔ اس کے دم قدم سے مجلس کی رونق ہے۔ شہزادہ دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا ہے۔ اسے مست کرنے کے لیے چھ قدحے درکار ہیں۔ حسین طبیب اپنے فن کا ماہر ہے۔ جالینوس کی غلطیاں نکالتا ہے۔ نرد کھیلنے کا شائق ہے!

اسی مثنوی میں مسعود سعد سلمان نے دربار لاہور سے وابستہ بعض ارباب طرب سے بھی متعارف کرایا ہے مثلاً محمد نَے نواز بانسری بجانے میں کمال رکھتا ہے۔ عثمان نامی گویے کے ذکر سے اس وقت کے لاہور میں قحبہ خانوں کے وجود کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اسفندیار چنگ بجانے میں جواب نہیں رکھتا۔ ہمیشہ خلعت ونقد سے نوازا جاتا ہے مگر جوئے کا ایسا چسکا پڑا ہے کہ دربار سے نکلتے ہی خلعت شاہی کو بیچ کر قمار خانے میں جا پہنچتا ہے اور اکثر وہاں سے صرف پاجامہ پہنے گھر جاتا ہے۔ ایک سرودنواز چھوکرا ایک مطربہ پری اور بانو قوال اور رقاص کا ماہو کا تعارف کرایا گیا ہے۔

مسعود سعد سلمان نے اپنی مثنوی ''شہر آشوب'' میں ہمیں لاہور کے جن پیشہ وروں سے متعارف کرایا ہے ان میں قصاب، نان بائی، رنگریز، کسان، سقّے، تاجر، زرگر، لوہار، مستری، معمار، تیرگر، باغبان، عطار، طبیب، منجم، فال گیر، ملاح، تیراک، پہلوان، چوگان باز، کبوتر باز، پارچہ باف، عنبر فروش، جوہری اور علماء میں قاضی، فقیہ، مہندس، فلسفی، صوفی، قلندر اور واعظ وغیرہ شامل ہیں۔[۸۷]

یہی وہ لوگ ہیں جن میں داتا صاحبؒ کے شب و روز بسر ہوتے ہوں گے۔ یقیناً اس معاشرے کے باعث داتا صاحبؒ نے ''کشف المحجوب'' میں جگہ جگہ طبقہ امراء سے کراہت کا اظہار کیا ہے۔ غالباً یہی وہ لوگ تھے

Marfat.com

جن کی صحبت کو داتا صاحبؒ نے ناجنسوں میں گرفتاری قرار دیا تھا۔

عجیب بات ہے کہ دنیا دار بھی اس نظام سے خوش نہ تھے۔ مسعود سعد سلمان نے گلہ کیا کہ کسب حلال میں پوری نہیں پڑتی۔ علم و ادب کی بے قدری کا گلہ کرتے ہوئے اپنے بیٹے سعادت کو نصیحت کی کہ آج کل علم و فضل کی ایسی مٹی پلید ہوئی ہے کہ تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ لکھنا پڑھنا چھوڑ دے۔ اگر دنیا میں بھلائی چاہتے ہو تو جولاہے کا پیشہ اور عیب و جہالت کا راستہ اختیار کر۔[۸۸]

غزنی جو داتا صاحبؒ کے زمانہ حیات سے تقریباً نصف صدی قبل ایک شاندار اور بے حد متمول سلطان کے طور پر دنیائے اسلام کے نقشے پر ابھرا تھا، داتا صاحبؒ کے تقریباً پچاس سال بعد ہی علاء الدین غوری "جہاں سوز" کے ہاتھوں اسی طرح جلا کہ اس کا کچھ بھی نہ بچا۔

غزنوی خاندان کے آخری دو سلاطین یعنی ظہیر الدولہ اور خسرو شاہ (متوفی ۵۵۵ھ/۱۱۶۰ء) اور سراج الدولہ خسرو شاہ نے ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء میں شہاب الدین محمد بن سام کے ہاتھوں شکست کھانے تک اپنا مرکز اسی لاہور کو بنایا، لیکن وہ لاہور جو داتا صاحبؒ کے زمانہ میں عالم وجود یا عالم شہود میں آیا تھا اور جسے غزنویوں نے ترقی دے کر بغداد، بخارا اور سمرقند کا ہمسر بنا دیا تھا، وہ بھی داتا صاحبؒ کے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد (۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء) مغلوں کے سپہ سالار طائر کے لشکر کے ہاتھوں اس طرح برباد ہوا کہ نہ تو کوئی ذی نفس زندہ بچا اور نہ کوئی عمارت محفوظ رہی۔ تین سال بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے اس ویرانے کو زر کثیر صرف کر کے دوبارہ آباد کیا۔[۸۹]

داتا صاحبؒ لاہور میں

"کشف المحجوب" سے پتہ چلتا ہے کہ داتا صاحبؒ نے غزنی سے آ کر لاہور میں مستقل سکونت اختیار کرنے سے پہلے مفتوحہ ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا تھا اور غالباً اسی دوران ہندو عقائد سے واقفیت حاصل کی مثلاً اولیا پر انبیا کی فضیلت کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرقہ حشویہ (اہل تجسیم جو خدا تعالیٰ کے جسم کے قائل ہیں) اور مشبہین (اللہ تعالیٰ کے عام لوگوں سے مشابہ جسم کے قائل) کے عقائد کو رد کیا اور لکھا ہے کہ:

> "یہ دونوں گروہ جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، انبیا کی تخصیص و فضیلت کی نفی کے بارے میں برہمنوں سے متفق ہیں اور جو شخص انبیاء کی تخصیص کی نفی کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہوتا ہے۔"[۹۰]

اس کے بعد روح کی حقیقت کے بیان میں وہ روح کو قدیم جان کر اس کی پرستش کرنے اور ارواح کو قدیم و مدبر عالم ماننے اور روح کے ایک جسم سے دوسرے جسم کی طرف پلٹ جانے کا نظریہ رکھنے والوں میں نصاریٰ، شیعوں، قرامطیوں اور باطنیوں کے ساتھ ہندوؤں اور بدھوں کو بھی شامل کیا جائے۔[۹۱]

یہ امر دلچسپی کا باعث ہوگا کہ داتا صاحبؒ نے بدھوں کا نام نہیں لیا بلکہ ان کا ذکر اہل تبت اور چین و ماچین والوں کے طور پر کیا ہے۔ پنجاب میں داتا صاحبؒ کے پیشرو البیرونی نے بھی بدھ مت سے اغماض برتا ہے۔ "کتاب

Marfat.com

الہند" کے مترجم ایڈورڈ زخاؤ نے بھی بدھ مت کو نظر انداز کر دینے پر تعجب کا اظہار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ قیاس کی ہے کہ غالباً گیارہویں صدی عیسوی کے نصف اول میں وسطی ایشیا، خراسان، افغانستان اور شمال مغربی ہندوستان سے بدھ مت کے تمام آثار مٹ چکے تھے۔[92] زخاؤ کے اس خیال کی تصدیق "کشف المحجوب" کی مذکورہ عبارت سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق بدھ مت تبت اور چین میں ہی رہ گیا تھا۔

محمود کی تلوار وصوفی کی محبت

ہندوؤں کے عقائد کا بیان "کشف المحجوب" کے اصل موضوع سے خارج ہے، تاہم مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے عقائد اور نظریات کے ضمن میں ہندو عقائد کا حوالہ دیئے جانے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ داتا صاحبؒ ان سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہ آگاہی ذاتی تحقیق کا نتیجہ تھی یا البیرونی کی "کتاب الہند" پر مبنی تھی؟ اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ تاہم موسیقی کے باب میں دیئے گئے ایک حوالہ سے اشارہ ملتا ہے کہ "کتاب الہند" داتا صاحبؒ کی نظر سے گزر چکی تھی۔ ہندوستان میں جہاں کے علماء اپنے سوا کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، اسلام کی تبلیغ کے لیے ہندوؤں کے عقائد سے واقفیت حاصل کرنا ضروری امر تھا۔

چونکہ داتا صاحبؒ کے پیش نظر صرف تبلیغ تھی، لہٰذا محبت کے باب میں اشاعت دین کے لئے تلوار پر زبان کی فوقیت ظاہر کرتے ہوئے ایک بزرگ کا یہ مقولہ پیش کرتے ہیں کہ "ہندوؤں میں محمود کی تلوار کا غلام بننے کی بہ نسبت محبت کا غلام بننے کی رغبت زیادہ پائی جاتی ہے"۔[93]

داتا صاحبؒ نے "کشف المحجوب" میں ہندوستان میں اپنی سیاحت کے تجربات بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "میں نے ہندوستان میں دیکھا ہے کہ زہر قاتل میں ایک کیڑا پیدا ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی اس زہر پر ہی موقوف ہوتی ہے اس لئے وہ ہم تن زہر ہی ہوتا ہے۔"[94]

داتا صاحبؒ نے سماع کے باب میں انسانوں اور جانوروں پر آواز خوش اور نغمہ ساز کے اثرات بیان کرتے ہوئے خراسان اور عراق کی طرح ہندوستان میں موسیقی کے ذریعے شکار کا طریقہ بتایا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "ہندوستان میں ایک جماعت ہے جو باہر جنگل میں جا کر سریلی آواز میں گاتی ہے۔ جب ہرن ان سریلی آوازوں کو سنتے ہیں تو ان کی طرف دوڑ آتے ہیں۔ لوگ ان کے گرد گھومتے اور گاتے بجاتے ہیں یہاں تک کہ راگ کی لذت کے باعث ہرن آنکھیں بند کر کے سو جاتے ہیں اور پھر وہ شکاری ان کو پکڑ لیتے ہیں۔"

"کشف المحجوب" کی یہ عبارت البیرونی کی "کتاب الہند" کا ایک اقتباس لگتی ہے۔ البیرونی نے موسیقی کے ذریعے شکار کے ہندوستانی دعوے کی قلعی کھولتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی وجہ کوئی جادو ٹونا نہیں بلکہ میری رائے اور

Marfat.com

تحقیق کے مطابق یہ ہے کہ جانوروں کو مسلسل ایک ہی دھن سنا کر اس کا عادی بنا دیا جاتا ہے۔ ہمارے لوگ تو موسیقی کے ذریعے IBEX کو شکار کر لیتے ہیں جو ہرن سے کہیں زیادہ وحشی ہوتا ہے۔ داتا صاحبؒ نے ہرنوں کے گرد گاتے بجاتے ہوئے چکر لگانے کا جو طریقہ ہندوستان سے منسوب کیا ہے، اسے البیرونی نے اپنے لوگوں کا قاعدہ بتایا ہے۔[۹۶] عین ممکن ہے کہ داتا صاحبؒ نے ہندوؤں کو محبت کا غلام بنانے سے متعلق کسی بزرگ کا جو مقولہ عربی میں پیش کیا ہے، وہ بھی البیرونی کا ہو۔

لاہور کا غازی

ایک پہلے باب میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ داتا صاحبؒ کی لاہور تشریف آوری کے وقت مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد پنجاب کے مختلف حصوں میں آباد ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت اسماعیل بخاریؒ کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ ۳۹۵ھ/۱۰۰۴ء میں لاہور آئے تھے۔[۹۷] اس وقت لاہور پر جے پال کی حکومتی تھی جس نے شیخ اسماعیلؒ کی آمد سے سات سال پہلے لاہور کے بانی راجہ کے پوتے جیندرت کو شکست دی تھی۔[۹۸] لاہور پر محمود کا قبضہ شیخ اسماعیلؒ کی تشریف آوری کے پندرہ سولہ سال بعد ہوا۔ شیخ اسماعیلؒ کی تبلیغ سے پہلے ہی جمعۃ المبارک کو ڈھائی سو، دوسرے جمعہ کے وعظ سے ساڑھے تین سو اور تیسرے جمعہ کو پانچ سو ہندو مسلمان ہوئے تھے۔[۹۹]

۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء میں ان کی رحلت کے وقت تک لاہور میں نو مسلموں کی تعداد جہاں تک پہنچ چکی ہو گی اس کا ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ محمود کے ہاتھوں پنجاب کی فتح کے بعد لاہور میں افغانستان اور ایران سے آنے والے مسلمانوں کی آبادی بھی قابل لحاظ ہو گئی تھی اور یوں آج کل لاہور کی اصطلاح میں کاسموپولیٹن شہر بن گیا تھا۔

داتا صاحبؒ کے زمانہ میں لاہور کی آبادی کے ایک حصہ کا تذکرہ بہت ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مورخوں نے اسے ''غازیوں'' کا نام دیا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو عالم اسلام کے مختلف گوشوں سے محض جہاد کا ثواب حاصل کرنے کے لیے محمود کے لشکر میں آن شامل ہوئے تھے۔ غازیوں کو مستقل لشکر کی طرح تنخواہ نہیں ملتی تھی البتہ بعض اوقات اسلحہ مل جاتا تھا۔ یہ غازی صرف مال غنیمت پر گزر بسر کرتے تھے ۳۹۱ھ/۱۰۱۸ء میں قنوج کی مہم میں ماوراء النہر کے بیس ہزار غازی شامل تھے۔

سومنات کی مہم میں محمود نے غازیوں کو اسلحہ خریدنے کے لیے پچاس ہزار دینار اپنے خزانے سے دیئے تھے۔ مفتوحہ علاقوں کی حفاظت پر بھی غازی ہی مامور کئے جاتے تھے۔ مسعود کے عہد میں ''سالار غازیاں'' کا ایک عہدہ قائم ہو گیا تھا،[۱۰۰] جس کا صدر مقام لاہور تھا اور ایک ترک غلام عبداللہ قراتگین ''سالار غازیاں'' کے عہدہ پر فائز تھا۔ ان غازیوں میں مختلف عقائد کے لوگ ہوتے ہوں گے اور ان میں کچھ تعداد صوفیوں کی ہو تو ہمیں چنداں متعجب نہ ہونا چاہیے۔ اس گمان کا سبب ''کشف المحجوب'' ہی کی ایک عبارت ہے۔

داتا صاحبؒ نے سفر میں آداب صحبت پر روشنی ڈالتے ہوئے کسی صوفی کی طرف سے اقامت ترک کر کے

Marfat.com

سفر اختیار کرنے کی یہ شرط رکھی ہے کہ سفر نفس کی متابعت کے لئے نہ ہو بلکہ محض اللہ کے لئے ہو۔ اللہ کے لیے سفر کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اسے حج، زیارت، علم یا غزوہ کے لیے اختیار کیا جائے، بصورت دیگر صوفی سفر میں خطاوار ہوگا۔[101]

مختلف عقائد کے لوگ

پنجاب میں مختلف عقائد کے مسلمانوں کی موجودگی کا ثبوت ''کشف المحجوب'' کی ایک عبارت سے ملتا ہے۔ فنا و بقا کے باب میں فرقہ خرازیہ کے عقائد پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک گروہ نے فنا و بقا کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اس گروہ کا خیال ہے کہ فنا یہ ہے کہ اپنی ذات کو خدا میں مدغم کر کے نیست و نابود ہو جائے اور بقا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی بقا بندہ میں شامل ہو جائے۔ داتا صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ دونوں باتیں محال ہیں۔ میں نے ہندوستان میں ایک آدمی کو دیکھا جو تفسیر و تذکیر اور علم کا مدعی تھا۔ اس نے اس موضوع پر مجھ سے مناظرہ کیا۔ اس کی باتوں پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ شخص نہ تو فنا و بقا کو جانتا ہے اور نہ ہی قدیم اور محدث میں فرق کر سکتا تھا اور جاہلوں میں ایسے لوگ بہت ہیں۔''[102]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ لاہور میں داتا صاحبؒ کا مشن صرف ہندوؤں کو مسلمان بنانا ہی نہیں بلکہ اس سے زیادہ مہتمم بالشان تھا یعنی مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح۔۔ داتا صاحبؒ نے یہ دوہرا مشن جس کامیابی کے ساتھ پورا کیا، اس کی وضاحت ضروری ہے۔ دارا شکوہ کے الفاظ ہیں:

> ''اس طرف کے سبھی باشندے آپ کے مرید و معتقد ہو گئے۔ لاہور ایک بڑا اور متبرک شہر ہے۔''[103]

داتا صاحبؒ نے لاہور میں جس طرح اپنا مشن انجام دیا اس کی تفصیل کہیں بھی نہیں ملتی۔ تاہم ''کشف المحجوب'' کی داخلی شہادتوں سے جو مبہم سا خاکہ ذہن میں ابھرتا ہے، اس کے پیش نظر بے اختیار ہو کر داتا صاحبؒ سے لپٹ جانے کو جی چاہتا ہے۔

داتا صاحبؒ کی تمنا

داتا صاحبؒ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ بلاد اسلامیہ کی سیاحت میں بسر کیا مگر کسی ایک جگہ بھی سفر کی صعوبتوں کا گلہ نہیں کیا۔ ہاں البتہ جب اپنی سیاحتوں کے دوران کسی گدڑی پوش کو ہاتھ پھیلائے دیکھتے یا کبھی خود آپ کو کسی کے مجبور کرنے پر یہ کام کرنا پڑا تو دل خون کے آنسو رونے لگتا۔ بے شک داتا صاحبؒ نے مریدوں کی تربیت کے دوران فخر اور غرور کو دماغ سے نکالنے کے لیے ''سوال'' کی اجازت دی ہے مگر اس پر کڑی پابندیاں عائد کر دی ہیں مثلاً

Marfat.com

کسی جگہ سے دھتکارے جانے پر خوشی محسوس کرے اور اپنے اور خاندان کے درمیان کسی شخص کو حائل نہ سمجھے۔ عورتوں اور بازاری لوگوں سے سوال نہ کرے صرف اسی شخص سے سوال کیا جائے جس کے مال کے حلال ہونے کا یقین واثق ہو۔ صرف وقت کی ضرورت کے مطابق سوال کیا جائے۔ کل کی ضروریات کا خیال نہ کرتا کہ ہمیشہ کی تباہی میں گرفتار نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی گدائی کا جال نہ بنا،[۴۰۱] لیکن جب داتا صاحبؒ کسی جگہ یہ جال پھیلا دیکھتے تو تڑپ جاتے تھے۔ لکھتے ہیں:

> ''ایک دفعہ میں اپنے شیخ کے ہمراہ آذربائیجان میں جا رہا تھا کہ دو تین گدڑی پوشوں کو دیکھا۔ وہ گندم کے ایک ڈھیر پر اپنی گدیوں کے پلو پھیلائے کھڑے تھے۔ کسان نے ان میں کچھ غلہ ڈال دیا۔ میرے شیخ نے ان کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی۔ ''یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی پس ان کی تجارت کچھ نفع مند نہ ہوئی اور وہ دراصل وہ ہدایت پانے والے نہ تھے''۔۔۔ میں نے پوچھا: ''اے شیخ! یہ لوگ کس وجہ سے اس بلا میں مبتلا ہیں اور مخلوق کے سامنے رسوا ہوئے ہیں؟''۔۔۔ انہوں نے فرمایا: ''ان کے پیروں کو مرید جمع کرنے کی حرص تھی اور انہیں دنیا جمع کرنے کی اور کوئی حرص بھی دوسری حرص سے بہتر نہیں ہوتی۔''[۴۰۵]

سوال سے اپنی کراہت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''مجھے اپنے سفروں میں اس سے بڑھ کر اور کوئی بات ناگوار اور رنج دہ نہیں ہوتی کہ جاہل خدام اور بے خوف مقیم مجھ کو اپنے ساتھ لے لیتے اور کبھی اس خواجہ کے گھر اور کبھی اس زمیندار کے گھر لئے پھرتے اور میں دلی کراہت سے ان کے ساتھ چلتا اور بظاہر درگزر کرتا۔''

پھر اس ضمن میں اپنے ایک عہد کا اعلان کرتے ہیں:

> ''مقیم لوگ مجھ سے جو بے قاعدگیاں کیا کرتے تھے، میں ان کی وجہ سے دل میں عہد کر لیتا کہ اگر کسی وقت مقیم ہو جاؤں گا تو مسافروں سے کبھی ایسا سلوک نہ کروں گا۔''

لاہور میں چشمۂ فیض

داتا صاحبؒ نے بتایا ہے کہ مقیم وہ ہوتا ہے جس نے مطلوب حاصل کر لیا ہو۔[۴۰۶] جب داتا صاحبؒ مطلوب پا لینے کے بعد لاہور میں اقامت گزین ہو گئے تو انہوں نے عوام اور مسافروں سے حسن سلوک کا عہد کس طرح پورا کیا؟ اس کی ایک جھلک ''اقامت میں صحبت کے آداب'' میں ملتی ہے جہاں آپ مریدوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ:

> ''جب کوئی درویش سفر چھوڑ کر اقامت اختیار کر لے تو اس کے ادب کی شرط یہ ہے کہ جب کوئی

Marfat.com

مسافر اس کے پاس پہنچے تو اس کی عزت کرے، خندہ پیشانی سے پیش آئے اور کامل ادب واحترام سے اسے اپنا مہمان قبول کرے۔ یہ نہ پوچھے کہ کہاں سے آئے ہو یا کہاں جاؤ گے یا تمہارا نام کیا ہے۔ ان کے آنے کو خدا کا بندہ خیال کرے۔ پھر غور کرے کہ اس کو آرام کے لیے تنہائی چاہیے یا صحبت۔ اگر اس کو خلوت پسند ہو تو اس کے لیے جگہ خالی کر دے۔ اگر اس کو صحبت پسند ہے تو بے تکلف محبت اور ہمدردی کی گفتگو کرے اور جب مسافروں کے لیے لیٹ جائے تو مقیم کو چاہیے کہ اس کے پاؤں دابے۔ دوسرے دن اسے کسی صاف ستھرے حمام میں لے جائے، وہاں اسے اجنبی خدمات گار کے حوالے نہ کرے بلکہ خود اس کی خدمت کرے۔ اس کے بدن کو اپنے ہاتھوں سے ملے تا کہ وہ بدن کی صفائی کی طرح خود بھی تمام عیبوں سے پاک ہو جائے۔ مقدور ہو تو اسے نئے کپڑے بنوا دے ورنہ اس کے پرانے کپڑوں کو ہی دھو ڈالے۔ تا کہ حکام سے نکل کر اسے پہن لے۔ حمام سے واپسی پر اسے تین دن ٹھہرائے۔ اگر اس شہر میں کوئی بزرگ یا کوئی جماعت یا اسلام کے اماموں میں سے کوئی موجود ہو تو اسے وہاں چلنے کی دعوت دے۔ اگر انکار ہو تو مجبور نہ کرے کیونکہ طالبان کا حق پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اپنا دل بھی ان کے قابو میں نہیں ہوتا۔ یہ تو کسی حالت میں بھی روا نہیں کہ مسافر کو اہل دنیا کو سلام کرنے کی یا دعوت یا عیادت کے لیے لے جائے۔ انہیں گدائی کا آلہ بنانے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ سرے سے ان کی کوئی خدمت ہی نہ کی جائے۔"[108]

اس میں کیا شک ہے کہ داتا صاحبؒ نے دوسروں کو جو نصیحت کی ہے، خود اس پر کئی چند عمل کرتے ہوں گے اور اسی حسن سلوک اور غریب پروری کی انتہائی دل کش عادات کے باعث "مخدوم"[110] اور "گنج بخش" کہلانے لگے ہوں گے۔[111]

"گنج بخش"

سید علی ہجویریؒ پاکستان اور ہندوستان میں داتا صاحبؒ یا "گنج بخش" کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔۔۔ اس لقب کے ضمن میں یہ روایت زبان زد خلائق ہے کہ جب خواجہ معین الدین چشتیؒ ہندوستان میں تشریف لائے تو لاہور پہنچ کر حضرت شیخ علی الہجویریؒ کے مزار پر چلہ کاٹا جس کی تکمیل پر مزار کی پائنتی کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما[112]

اس روز سے لقب گنج بخش مشہور ہوا۔ "تحقیقات چشتی" کے بعد تذکرہ نویسوں نے پہلا مصرعہ بدل دیا۔ اب اسے یوں پڑھا جاتا ہے۔

Marfat.com

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا[۱۳]

اس وقت مزار پر جو لوح نصب ہے، اس پر بھی پہلا مصرعہ اسی طرح لکھا ہے۔ مولانا ہاشمی مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''ادبی اعتبار سے یہ شعر اتنا ادنیٰ، بلکہ نادرست نظر آتا ہے کہ ہم خواجہ بزرگؒ سے اسے منسوب کرنا ادب کے خلاف خیال کرتے ہیں۔''[۱۴]

داتا صاحبؒ سے منسوب ایک رسالہ ''کشف الاسرار'' میں داتا صاحبؒ کو اس لقب پر تاسف کا اظہار کرتے دکھایا گیا ہے:

''اے علی! خلقت تجھے گنج بخش کہتی ہے حالانکہ تیرے پاس ایک دانہ تک نہیں۔ تو اس بات پر فخر نہ کر کیونکہ یہ غرور ہے۔ گنج بخش اور رنج بخش صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو بے مثل ہے جس کی مانند کوئی دوسرا نہیں۔ جو شبہ سے پاک ہے اور نمونے سے آزاد ہے۔ جب تک تو زندہ ہے شرک کے قریب نہ جا اور اللہ تعالیٰ کو واحد اور لاشریک خیال کر۔''[۱۵]

اگر یہ رسالہ واقعی داتا صاحبؒ کا لکھا ہوا ہے تو آپ اس لقب کو شرک سمجھتے تھے۔ اس شہادت سے قطع نظر قرائن سے یہی پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنی زندگی میں ہی اس لقب سے پکارے جانے لگے تھے۔

(داتا گنج بخش اور ان کا عہد از خالد محمود لاہور ۱۹۷۵ء ص ۴۰۔۸۸)

حواشی

۱۔ جیسے داتا صاحبؒ کی اپنی نو کتابیں ابوسعید عبدالحی الضحاک گردیزی کی ''زین الاخبار'' کے بیشتر اجزاء ابوالفضل بیہقی (۳۸۵ھ تا ۴۷۰ھ) کی تاریخ مسعودی کی کم از کم پچیس جلدیں۔ ظہیر الدین علی بن زید البیہقی (۴۹۰ھ تا ۵۶۵ھ) کی ''مشارب التجارب وغرائب الغرائب'' وغیرہ۔

۲۔ بٹالوی۔ سجان رائے ''خلاصۃ التواریخ'' اردو ترجمہ ڈاکٹر ناظر حسن زیدی۔ لاہور (۱۹۶۶ء) صفحہ ۱۰۶۔

۳۔ مقالات علمی، اول، ۹۴۔۱۹۳

۴۔ ''رسالہ ابدالیہ'' بحوالہ نکلسن دیباچہ X

۵۔ مآثر لاہور، جزو دوم، ۲۰، ۲۲

۶۔ اورینٹل کالج میگزین (فروری ۱۹۶۰ء) صفحات ۳۱۔۳۰

۷۔ کشف المحجوب، ۲۵۶

۸۔ ایضاً، ۴۷

۹۔ ایضاً، ۵۴

۱۰۔ ایضاً، ۱۷۳

Marfat.com

۱۱۔ مقالات علمی اول، ۱۹۴

۱۲۔ مآثر لاہور، جزو دوم، ۲۷

۱۳۔ سجزی، امیر حسن ''فوائد الفواد'' ملک سراج الدین اینڈ سنز۔ لاہور (۱۹۶۶ء)، صفحہ ۵۷

۱۴۔ محدث، شیخ عبدالحق دہلوی۔ ''اخبار الاخیار''۔ اردو ترجمہ لطیف ملک لاہور (۱۹۷۱ء) ۲۱۳

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ مآثر لاہور، جزو دوم، ۲۴

۱۷۔ تصوف اسلام، ۵۱۔۱۵۰

۱۸۔ ''مآثر لاہور'' جزو دوم ۲۵

۱۹۔ کشف المحجوب، ۱۷۳

۲۰۔ مآثر لاہور، جزو دوم، ۲۵

۲۱۔ آئین اکبری، جلد ۳، صفحہ ۱۶۸، ''خزینۃ الاصفیا'' جلد ۲، صفحہ ۲۵۰۔ سید محمد لطیف نے تاریخ لاہور (انگریزی) میں مآخذ بتائے بغیر تاریخ ۴۳۱ھ لکھی ہے۔

۲۲۔ ''سفینۃ الاولیا'' ۱۲۸، مقالات علمی اول، ۲۱۵

۲۳۔ ''خزینۃ الاصفیا''، جلد ۲، صفحہ ۲۵۳

۲۴۔ تحقیقاتِ چشتی، صفحہ ۱۲۸، لیکن چشتی نے اس سے پہلے صفحہ پر لاہور میں ورود کا سن ۵۳۵ھ لکھا ہے۔

۲۵۔ اورینٹل کالج میگزین (فروری ۱۹۶۰ء) ۳۹ تا ۴۱

۲۶۔ کشف المحجوب ۹۶۔ بعض نسخوں میں ''اندر دیار ہند'' کے آگے ''در بلدۂ لہور کہ از مضافات ملتان است'' کا اضافہ ملتا ہے۔ نکلسن، ترجمہ کشف المحجوب صفحہ ۹۱۔ روسی نسخے میں بھی لاہور کا ذکر متن میں نہیں، حاشیہ میں کیا گیا ہے۔ صفحہ ۱۰

۲۷۔ ''تصوف اسلام'' صفحہ ۴۹

۲۸۔ اطہر قاضی مبارکپوری ''ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں''، ندوۃ المصنفین دہلی (۱۹۶۷ء) ۹۹

۳۰۔ آب کوثر، ۷۵

۳۱۔ تحقیقاتِ چشتی۔ ۸۔۱۹۷، ''خزینۃ الاصفیا'' جلد ۲ صفحہ ۲۳۰

۳۲۔ مآثر لاہور۔ جزو دوم، ۹۔۱۰

۳۳۔ سفینۃ الاولیا۔ ۲۱۰

۳۴۔ ''فتوح البلدان''، ''معجم البلدان'' و ''جمہرۃ انساب العرب'' بحوالہ ''ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں'' صفحات ۲۵ تا ۲۷

۳۵۔ ایضاً، ۲۴۵

۳۶۔ مآثر لاہور۔ جزو اول، ۱۵

۳۷۔ البیرونی، ابوریحان، کتاب الہند۔ انگریزی ترجمہ، جلد اوّل، ۲۷۔۴۲۔ فرشتہ، اردو ترجمہ لاہور ۱۲۴۔ مآثر لاہور۔ جزو اوّل۔ صفحات ۱۶۔۱۷

۳۸۔ سلطان محمود آف غزنین۔ ۲۴

۳۹۔ کتاب الہند جلد۔ اول ۲۷۶، ۴۲۷

۴۰۔ فخر مدبر ''آداب الحرب والشجاعۃ'' بحوالہ مآثر لاہور۔ جزو اول ۱۵، دوم ۱۷۳

Marfat.com

۴۱۔ محب الحسن ''کشمیر سلاطین کے عہد میں'' اعظم گڑھ (۱۹۶۹ء) صفحات ۴۰ تا ۴۲

۴۲۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ۲۱۰۔ کتاب الہند۔ جلد اول ۱۵۶

۴۳۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ۲۲۴

۴۴۔ سلطان محمود آف غزنین، ۳۴

۴۵۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ۱۰۰

۴۶۔ سلطان محمود آف غزنین، ۴۷۔۴۶

۴۷۔ مآثر لاہور، جز واول، ۲۵

۴۸۔ لاہور، لطیف حاشیہ صفحہ ۲۴۷

۴۹۔ وتسیانا، ''کام شاستر'' انگریزی ترجمہ سر رچرڈ برٹن۔ لندن (۱۹۶۳ء) ۵۸

۵۰۔ کتاب الہند۔ جلد اول ۳۴۸

۵۱۔ خلاصۃ التواریخ، بٹالوی ۱۰۵

۵۲۔ ٹاڈ کرنل ''انیلز اینڈ انٹیکیز آف راجستھان'' لندن (۱۹۱۴ء) جلد اول ۱۷۶، نیز لاہور۔ لطیف صفحہ ۴۰

۵۳۔ تھارنٹن ٹی۔ ایچ ''اے بریف اکاؤنٹ آف ہسٹری آف انڈیا'' ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن، لندن (۱۸۶۷ء) جلد اول ۱۱۶

۵۴۔ البلاذری (متوفی ۲۷۹ھ/۸۹۲ء) بحوالہ ہسٹری اینڈ انٹیکیز آف لاہور (۱۸۷۳ء) ۱۱۰

۵۵۔ نامعلوم، ''حدود العالم'' (لندن ۱۹۳۷ء) ۲۱۴

۵۶۔ یاقوت، معجم البلدان بحوالہ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ۲۴۵

۵۷۔ خان ولی اللہ خان ''دی اوریجن آف لاہور'' پاکستان ٹائمز۔ لاہور دس سالہ نمبر

۵۸۔ کتاب الہند، جلد اول، ۲۷۵۔۲۷۶

۵۹۔ مآثر لاہور، جز واوّل ۲۰

۶۰۔ خان ولی اللہ خان ''دی اوریجن آف لاہور''

۶۱۔ پراشری ایل ''لاہور شہر'' (پنجابی)، ۲۶

۶۲۔ مآثر لاہور، جزو اول، ۲۲

۶۳۔ لاہور از لطیف، ۳۹۷ تا ۴۰۰

۶۴۔ شفیع ''آداب الحرب والشجاعۃ'' اورینٹل کالج میگزین لاہور (نومبر ۱۹۳۷ء) اصل کتاب ابھی تک نہیں چھپی۔ نیز مآثر لاہور جزو دوم صفحات ۱۷۲ تا ۱۷۴

۶۶۔ کشف المحجوب، نکلسن ۹۱

۶۷۔ ایضاً، ۹۶

۶۸۔ سالک، علم دین ''گنج بخش'' بحوالہ یزدانی ۳۲

۶۹۔ ۳۹۹ھ/۹۔۱۰۰۸ء میں قلعہ نگرکوٹ سے ۷ کروڑ درہم کے سکے۔ ستر ہزار من سونا چاندی اور سومناتھ سے دو کروڑ دینار کا مال ہاتھ لگا۔ رے پر قبضہ سے ۸ لاکھ دینار کے سکوں کے علاوہ تیس ہزار دینار کے طلائی ونقرئی برتن ہاتھ لگے۔ بحوالہ باسورتھ ''دی غزنویڈز'' صفحہ ۷۸۔ نیز مرنے کے دو دن پہلے سارے خزائن کا ڈھیر لگوا کر دیکھا اور رو پڑا۔ اگلے دن ہاتھیوں اور گھوڑوں کی قطاریں لگوا کر دیکھیں۔ فرشتہ ۱۵۳

Marfat.com

۷۰۔ غزنوی سلاطین کے عزل ونصب کی یہ مختصر داستان ''فرشتہ'' ''سلطان محمود آف غزنین''، ''دی غزنویڈز'' ''مآثر لاہور'' اور ''نزہتہ الخواطر'' سے مرتب کی گئی ہے۔ عزل ونصب کی تاریخوں کے لیے کلیتاً انحصار ''دی غزنویڈز'' پر کیا گیا ہے۔ نیز مردم شماری رپورٹ (۱۹۶۱ء) انگریزی، ڈسٹرکٹ راولپنڈی ا صفحہ ۹

۷۱۔ سلطان محمود آف غزنین، ۴۶۔۴۷

۷۲۔ خلاصۃ التواریخ، ۱۰۵

۷۳۔ مآثر لاہور، جزو اول، ۲۱

۷۴۔ لاہور، لطیف ۳۹۷۔۳۹۸

۷۵۔ مآثر لاہور۔ جزو اول ۲۵، ۲۶

۷۶۔ ایضاً، ۲۸ تا ۳۱

۷۷۔ ایضاً، ۳۱ تا ۳۲، نیز سلطان محمود آف غزنین، ۹۵

۷۸۔ ''دی غزنویڈز'' ۷۶

۷۹۔ مآثر لاہور۔ جزو اول ۳۱ تا ۳۹۔ سلطان محمود آف غزنین، ۱۰۳

۸۰۔ فرشتہ ۱۸۱۔۱۸۲، نیز سلطان محمود آف غزنین، ۱۰۳

۸۱۔ فرشتہ ۱۸۵، سلطان محمود غزنوی، ۱۰۴

۸۲۔ سلطان محمود آف غزنین، ۱۰۴۔ مآثر لاہور، جزو اول، ۵۶

۸۳۔ ایضاً، ۱۰۵۔۱۰۶

۸۴۔ فرشتہ ۵۔۱۹۴، مآثر لاہور، جزو اول ۷۷

۸۵۔ ایضاً، ۱۹۶، ایضاً ۷۸

۸۶۔ مآثر لاہور، جزو اول، ۹۷ تا ۱۰۵

۸۷۔ ایضاً، ۲۰۷

۸۸۔ ایضاً، جزو دوم، ۷۵

۸۹۔ ایضاً، ۷۶ تا ۹۶

۹۰۔ ایضاً، ۱۳۵

۹۱۔ ایضاً، جزو اوّل، ۱۲۰ تا ۱۲۸۔ جزو دوم ۱۳۸ تا ۱۴۰

۹۲۔ ایضاً، جزو دوم، ۱۴۴

۹۳۔ ایضاً، جزو اول، ۱۶۲، ۱۹۰ تا ۲۰۱

۹۴۔ کشف المحجوب ۸۔۲۵۷

۹۵۔ ایضاً، ۲۸۶

۹۶۔ کتاب الہند۔ جلد اوّل۔ پیش لفظ ix

۹۷۔ کشف المحجوب، ۳۴۰

۹۸۔ ایضاً، ۴۶۵

۹۹۔ ایضاً، ۴۵۵

۱۰۰۔ البیرونی، کتاب الہند، جلد اول، ۲۶۱۔۲۶۰

۱۰۱۔ مآثر لاہور، جزو دوم، ۹

۱۰۲۔ ایضاً، جزو اول، ۱۶

۱۰۳۔ تحقیقاتِ چشتی، ۱۹۸

۱۰۴۔ دی غزنویڈز، صفحات ۷۸۔۱۱۴

۱۰۵۔ کشف المحجوب، ۳۸۷

۱۰۶۔ ایضاً، ۲۶۶

۱۰۷۔ داراشکوہ۔ سفینۃ الاولیا، ۲۱۰

۱۰۸۔ کشف المحجوب، ۴۰۶

۱۰۹۔ ایضاً، ۵۴

۱۱۰۔ ایضاً، ۳۸۳

۱۱۱۔ ایضاً، ۳۸۰

۱۱۲۔ ایضاً، ۸۳۔۲۸۲

۱۱۳۔ تحقیقاتِ چشتی، ۱۳۹

۱۱۴۔ مآثر لاہور، جزو دوم، ۲۳

۱۱۵۔ کشف الاسرار، اردو ترجمہ ملک شیر محمد اعوان، کالاباغ، ۱۹۶۳ء، صفحات ۴۰۔۳۹

☆......☆......☆

Marfat.com

محمد لطیف ملک

سید علی مخدوم ہجویریؒ

غزنوی جلابی المشہور ر داتا گنج بخشؒ، یہ حضرت اولیائے عظام میں بڑے مشہور بزرگ ہیں۔ حضرت کے والد کا نام حضرت عثمان ابن علی جلابی غزنوی ہے۔ یہ حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن ختلیؒ کے مرید ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب رکھتے تھے اور بڑے کامل اور جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ سلسلہ ان کا جنیدیہ ہے۔

ہجویر اور جلاب شہر غزنین کے محلوں میں سے دو محلے ہیں۔ وہاں سے ان کی تشریف آوری کا حال یہ ہے کہ اول یہاں لاہور میں ان کے پیر بھائی حضرت حسین زنجانیؒ قطب لاہور تھے۔ بعد ازاں حضرت کے پیر نے ان کو ارشاد فرمایا کہ تم لاہور میں جاؤ۔ حضرت نے عرض کی کہ وہاں میرے پیر بھائی حسین زنجانی موجود ہیں، میرے جانے کا کیا فائدہ ہوگا۔ تب انہوں نے فرمایا کہ تم کو چون و چرا سے کیا غرض ہے، بلا توقف چلے جاؤ۔ القصہ حضرت لاہور میں بوقت شب تشریف لائے اور شہر کے باہر شب باش ہوئے۔ جب صبح کو شہر میں داخل ہونے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ حضرت حسین زنجانی کا جنازہ اٹھائے ہوئے لئے آتے ہیں۔ حکمت الٰہی کو دیکھ کر جنازہ میں شامل ہوئے اور تکفین و تدفین فرمائی۔ بعد ازاں اسی جگہ پر جہاں خانقاہ شریف ہے، اقامت اختیار کی اور ایک مسجد بصرف زر خود تیار کرائی، چنانچہ اب تک اسی مسجد کی زمین پر مسجد ثانی نو تیار موجود ہے اور اب ۱۲۷۹ھ میں ایک شخص گلزار شاہ نامی سادھو نے معرفت مسمی نور محمد سادھو کے اس مسجد کو اسی بنا پر از سر نو تعمیر کرا کے بلند کیا۔

داراشکوہ اپنی کتاب "سفینۃ الاولیاء" میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت مرحوم نے یہ مسجد بنوائی تو بہ نسبت اور مسجدوں کے اس مسجد کا رخ قبلہ ذرا سا مائل بہ سمت جنوب تھا۔ علمائے لاہور نے اس پر اعتراض کیا، حضرت سن کر خاموش تھے۔ جب تعمیر مسجد سے فراغت پائی تو آپ نے تمام علماء و فضلاء کی ضیافت فرمائی اور خود امام ہو کر اس مسجد میں نماز پڑھائی۔ اس کے بعد سب حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ اس مسجد کے قبلہ پر اعتراض کرتے ہو، اب دیکھو کہ قبلہ کس طرف ہے۔ جب انہوں نے دیکھا تو یک بارگی قبلہ بالمشافہ بچشم ظاہر نظر آیا۔ حضرت نے کہا کہ دیکھو قبلہ کدھر ہے۔ حضرت کی یہ کرامت دیکھ کر سب نے سلّمنا کہا اور اپنے اعتراض سے نادم ہوئے۔ حضرت کا شہرہ کرامت مشہور ہونے لگا اور آپ قطب الاقطاب مشہور ہوئے۔

Marfat.com

حضرت کے اسم مبارک گنج بخش کی وجہ شہرت یہ ہے کہ عقائد اہل اسلام میں یہ دستور مروج ہے کہ بہر حال وہروقت ایک فقیر ہر ملک و ہر شہر کا حاکم ومحافظ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حکومت ظاہری تو حاکمانِ ظاہری کے سپرد ہوتی ہے اور حکومت باطنی فقیروں کے سپرد ہوتی ہے۔ چنانچہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ کوئی شہر اور کوئی ملک حکومت قطب کے بغیر نہیں ہے، چنانچہ جو حکم الٰہی ہوتا ہے ان لوگوں کی معرفت جاری ہوتا ہے اور سلطنت ظاہری کا تقرر و تبدل بھی انہی کے تفویض ہوتا ہے اور چونکہ یہ حضرت بڑے کامل اور شہنشاہ اولیاء ہیں، اسی لئے اب تک جو کوئی فقیر ملک ہندو پنجاب کا حاکم باطنی مقرر ہوتا ہے، ان کے حکم کے سوا اس کا تقرر نہیں ہوتا، چنانچہ ۵۰۰ھ میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری قدس اللہ سرہ ان حضرت کے مزار پر آئے اور چلہ ادا کیا۔ چلہ کا دستور یہ ہے کہ اکثر بزرگ چند مدت ایک بند مکان میں بیٹھ کر خور و خواب اور عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور جس بزرگ کی قبر پر چلہ بیٹھتے ہیں، اس بزرگ کی روح سے استمداد کرتے ہیں، چنانچہ حضرت کے مزار کے جنوب رویہ اندرون چار دیواری حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا مکانِ چلہ اب تک موجود ہے۔ حضرت موصوف اس عبادت خانہ میں مدت بھر تشریف فرما رہے اور پھر حضرت کو ہندوستان جنت نشان کی حکومت عطا ہوئی۔ ان کا مزار پُر انوار اجمیر شریف میں مشہور و معروف ہے اور ہزار ہا خلقت دور و نزدیک سے وہاں حاضر ہوتی ہے اور کروڑوں روپیہ کا اسباب ان کے مزار پر موجود ہے۔ جب یہ حضرت تشریف فرمائے ہند ہونے لگے تو پائنتی کی طرف دست بستہ کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا ۔

گنج بخش فیض عالم مظہرِ نورِ خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اس روز سے حضرت کا نام مبارک ''گنج بخش'' مشہور ہوا[۳] اور اب تک ہر ملک دور و نزدیک سے ہزار ہا مخلوقات حضرت کی زیارت کے لئے آتی ہے اور حصول مرادات ہوتی ہے اور ہمیشہ جمعرات اور خاص ہر جمعہ کے دن ہجوم زائرین ہوتا ہے، بلکہ ہر ایک جمعہ کو آٹھویں دن میلہ ہو جاتا ہے۔ شہر اور باہر کی خلقت مزار پر جمع ہوتی ہے اور مزار کے شرق رویہ قوالی بھی ہوتی ہے۔

داراشکوہ اپنی کتاب ''سفینتہ الاولیاء'' میں لکھتا ہے کہ جو کوئی چالیس روز یا چالیس جمعرات آپ کے مزار مبارک پر حاضر ہو تو جو مراد چاہے خدا سے پائے اور اپنی نسبت لکھتا ہے کہ میں چالیس روز برابر حضرت کے مزار پر حاضر ہوتا رہا اور جو مطلب چاہا مجھ کو حضرت کے طفیل جناب الٰہی سے حاصل ہوا۔

حضرت کی وفات کے بارے میں مختلف اقوال مسموع ہوتے ہیں۔ چنانچہ عارف نامی مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ مصنف ''نفحات الانس'' ۴۶۵ ہجری، اور صاحب ''تذکرۃ الاصفیاء'' ۴۶۴ ہجری اور حضرت داراشکوہ صاحب ''سفینتہ الاولیاء'' ۴۶۶ ہجری تحریر فرماتے ہیں اور خانقاہ کے اندرونی دروازہ پر یہ تاریخ تحریر ہے۔ شعر

چونکہ سردارِ ملک معنی بود سالِ وصلش برآید از سردار[۴]

۴۶۵

اس میں مادہ تاریخ لفظ سردار ہے اور سردار کے عدد ۴۶۵ ہوتے ہیں اور مفتی غلام سرور نے حضرت کے جو

قطعات تاریخ بامید اندراج کتاب ہذا ارسال کئے ہیں، وہ یہ ہیں ۔

علی غزنوی آں شاہِ ہجویر سراپا نورِ روشن ماہِ ہجویر
چو ورزید آخر از دنیائے فانی مکاں اندر مکانِ لا مکانی
عیاں تاریخ اوچوں ماہ گفتم "علی ہجویری عالیجاہ" گفتم

اس کے عدد ۴۶۴ ہوتے ہیں۔ ایضاً

چوں آں شاہِ جناں اندر جناں شد زسرور سالِ وی سرور عیاں شد
۴۶۶ھ

اس میں مادہ تاریخ لفظ سرور ہے اور سرور کے عدد ۴۶۶ ہوتے ہیں۔ ایضاً

بسالِ رحلت آں عارف دیں ندا آمد زرضواں کاشف دیں
۴۶۵ھ

اس تاریخ سے ۴۶۵ برآمد ہوتے ہیں کہ مادہ تاریخ لفظ "کاشف دین" ہے اور جناب والدم حضرت مولوی احمد بخش صاحب چشتی یکدل یوں فرماتے ہیں۔ شعر

شیخ عالی علی ہجویری بود مخدوم ہر صغار و کبار
ہست سردار زیورِ لاہور طرفہ تاریخ وصل آں سردار

ہست، سردار اور زیور لاہور تینوں لفظوں سے علیحدہ علیحدہ ۴۶۵ نکلتا ہے۔

"مقبرہ مبارک لاہور شہر میں بھاٹی دروازہ کے باہر واقع ہے اور صدیوں سے زیارت گاہِ خلق ہے۔ مزارِ گوہر بار سنگ مرمر سفید کے چبوترہ پر ہے۔ حضرت کا مزار سب سے پہلے سلطان محمود غزنوی کے برادر زادے ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی نے بنوایا تھا۔ بعد میں ہر زمانے میں آپ کی خانقاہ ومسجد کی مرمت، تعمیر وتوسیع کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ کے احاطہ مزار کے اندر حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے حجرہ اعتکاف اور مسجد کے علاوہ آپ کے معتقدین اور مریدین کی کئی اور قبریں ہیں۔" رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم

چونکہ اصل کتاب میں شیخ علی ہجویریؒ کی تصنیفات کا کوئی ذکر نہیں اس لئے یہاں آپ کے علمی کارناموں پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

زمانے کی دستبرد سے حضرت شیخ علی ہجویریؒ عرف داتا گنج بخش (المتوفی ۴۶۵ھ) کی ایک ہی تصنیف بچی ہے یعنی "کشف المحجوب"، جو علم تصوف کا ایک زندہ جاوید شاہکار ہے اور فارسی زبان میں تصوف کی مستند ترین اور قدیم ترین موجود کتاب شمار کی جاتی ہے۔ ہر زمانے میں اکابر صوفیہ اور محققین نے اپنے ملفوظات وتحریرات میں اس کتاب کی عظمت وشوکت کا صاف اعتراف کیا ہے۔ داراشکوہ کے الفاظ میں "اس کتاب کی شہرت وعظمت میں کسی کو کلام نہیں، یہ ایک مرشد کامل کی حیثیت رکھتی ہے اور فارسی میں تصوف کے موضوع پر اس پائے کی کوئی کتاب تصنیف

نہیں ہوئی۔'' (سفینۃ الاولیاء)

حضرت شیخ علی ہجویریؒ نے سلوک و معرفت پر متعدد کتابیں تصنیف کیں لیکن آج ''کشف المحجوب'' کے سوا سب ناپید ہیں اور اس کتاب میں صرف ان کے نام ہی باقی رہ گئے ہیں مثلاً ۱۔ منہاج الدین (اہل صفہ کے بیان میں) ۲۔ کتاب الفنا والبقا ۳۔ اسرار الحزق والمؤنات ۴۔ کتاب البیان لاہل العیان ۵۔ بحر القلوب ۶۔ الرعایۃ لحقوق اللہ ۷۔ کشف الاسرار ۸۔ وجدان (دیوانِ اشعار)۔ علاوہ ازیں منصور حلاج اور ایمان پر بھی دو کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

''کشف المحجوب'' کے قلمی نسخے مشرق و مغرب کے اکثر کتب خانوں کی زینت ہیں۔ لاہور میں گذشتہ صدی عیسوی کے اواخر سے یہ کتاب متعدد بار طبع ہو چکی ہے اور یہیں سے کئی اُردو تراجم بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ انگلستان سے پروفیسر نکلسن نے گب میموریل سیریز میں انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کے مخطوطوں کی مدد سے ۱۹۱۱ء میں اس کا ایک انگریزی ترجمہ شائع کیا تھا۔ روس میں پروفیسر ژوکوفسکی نے وی آنا، لینن گراڈ اور تاشقند کے چند قدیم مخطوطوں کی بنا پر ایک نسخہ ایڈٹ کیا تھا جو ۱۹۲۶ء میں لینن گراڈ میں طبع ہوا۔ اس نسخے کا عکسی چاپ ایران میں آقائے محمد عباسی کے زیر اہتمام شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ سمرقند میں ملا سید عبدالمجید مفتی نے ۱۹۱۴ء میں ایک نسخہ طبع کیا تھا جو متن کے اختلافات کے علاوہ کتابت و طباعت کے لحاظ سے بھی منفرد ہے۔

مخدوم سید علی ہجویریؒ ''کشف المحجوب'' کی تصنیف کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ ان کے ایک رفیق ابو سعید ہجویری نے عرض کیا کہ ''مجھ سے طریق تصوف کی حقیقت اور مقامات صوفیہ کی کیفیت اور ان کے مذاہب و مقالات کا حال بیان فرمایئے اور مجھ پر ان کے رموز و اشارات، اور خدائے عزوجل کی محبت کی نوعیت اور دلوں میں اس کے ظاہر ہونے کی کیفیت اور اس کی ماہیت کے ادراک سے عقل کے حجاب کا سبب اور اس کی حقیقت سے نفس کی نفرت اور اس کی برگزیدگی و پاکیزگی سے روح کی تسکین اور دوسرے متعلقہ امور کا اظہار فرمایئے۔''

حضرت شیخ علی ہجویریؒ نے ساری کتاب اسی سوال کے جواب میں تصنیف فرمائی اور اس میں تصوف کی اصل تاریخ اور مختلف فرقوں اور گروہوں کے عقائد، اکابر صوفیہ کے حالات، سلوک و طریقت کے مصطلحات، تصوف کے عملی مسائل اور راہ سلوک میں حجابات کی تشریح کی ہے۔

پانچویں صدی ہجری کے اس عالم و عارف کی علمی استعداد کی تفصیلات بہت کم معلوم ہیں۔ گو ''کشف المحجوب'' کے مطالعہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اس کا مصنف علوم ظاہری و باطنی میں ید طولیٰ رکھتا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے بہت سے اساتذہ کے نام لئے ہیں جن سے وقتاً فوقتاً تحصیل علم کی۔ اس کے علاوہ بے شمار ائمہ و مشائخ کی تصانیف و تعلیمات سے مستفید ہوئے۔ حضرت امام ابو العباس احمد اشقانی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ''اندر بعضی علوم استادِ من بود۔'' شیخ ابو القاسم بن علی گرگانیؒ کو بھی اپنا معلم تسلیم کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ ان سے عجز و نیاز کی تعلیم پائی۔ طریقت کی تعلیم ابو الفضل محمد بن حسن الختلی سے پائی جو سلسلہ جنیدیہ سے نسبت رکھتے تھے اور تفسیر و حدیث کے زبردست عالم تھے۔ حضرت شیخ علی ہجویریؒ نے منازلِ سلوک طے کرنے کے لئے بڑے بڑے مجاہدے

Marfat.com

کئے اور اپنے عہد کے تمام اسلامی ممالک کی سیاحت کی اور دور دراز ممالک کے شیوخ و علماء سے ملاقاتیں کیں۔ صرف خراسان میں وہ تین سو مشائخ سے ملے اور ان سے کسب فیض کیا۔ ''کشف المحجوب'' میں ان تمام علمی و روحانی صحبتوں کا تذکرہ کیا ہے اور اس ضمن میں بہت سے پُر لطف اور عجیب و غریب واقعات بیان کئے ہیں۔ کتب بینی اور مطالعہ سے غیر معمولی شغف کا یہ عالم تھا کہ جب مرشد کے حکم سے لاہور میں آئے تو ایک موقع پر نہایت افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ''میری کتابیں تمام غزنین میں رہ گئی تھیں اور میں لاہور میں ناجنسوں کے درمیان گرفتار تھا۔''

(اقتباس از مقالہ مولف بعنوان ''کشف المحجوب کا ایک ورق''
ہفت روزہ ''لیل ونہار'' لاہور مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۶۱ء)

(در: اولیائے لاہور از محمد لطیف ملک' لاہور' سنگ میل' ۱۹۶۲ء' ص ۱۔۸)

حواشی

۱۔ داتا صاحبؒ اپنے معاصرین میں اس نام کے کسی بزرگ کا ذکر نہیں کرتے۔ ''آئینِ اکبری'' نیز بعد کے بعض تذکروں میں خواجہ معین الدین اجمیریؒ سے ان کی ملاقات اور سال وفات ۶۰۰ھ یا کچھ بعد تحریر کیا گیا ہے۔

۲۔ آپ حضرت شیخ ابوالفضل بن ختلیؒ کے ارشاد کے مطابق پینتیس چالیس کی عمر میں ۴۳۱ھ میں غزنی سے لاہور تشریف لائے۔ یہ زمانہ سلطان مسعود بن سلطان محمود کا تھا۔ (مآثر لاہور مولفہ منشی محمد الدین فوق) پیر روشن ضمیر نے بعد تکمیل ان کو ہند کے لوگوں کی ہدایت کے لیے رخصت کیا۔ اُنہوں نے لاہور میں آ کر ہنگامہء فضیلت و مشیخت گرم کیا۔ دن کو طالب علموں کی تدریس اور رات کو طالبانِ حق کی تلقین ہوتی' ہزاروں جاہل ان کے ذریعے سے عالم' ہزاروں کافر مسلمان' ہزاروں گمراہ روبراہ' ہزاروں دیوانے صاحبِ عقل و ہوش' ہزاروں ناقص کامل اور ہزاروں فاسق نیکوکار ہوئے۔ تمام زمانے نے ان کی غلامی کو اپنا فخر تصور کیا۔ (حدیقۃ الاولیاء مفتی غلام سرور لاہوری)

۳۔ لیکن آپ کی تصنیف ''کشف الاسرار'' سے ظاہر ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں آپ کا یہ نام مشہور ہو چکا تھا' چنانچہ آپ اس کتاب میں خود لکھتے ہیں۔ ''اے علی! خلقت تجھے گنج بخش کہتی ہے حالانکہ تیرے پاس ایک حبہ بھی نہیں۔ اس بات کو اپنے دل میں جگہ مت دو کیونکہ یہ پندار و غرور کی بات ہے۔ گنج بخش اور رنج بخش ذاتِ حق ہی ہے جو کہ بے چون و بے چگون ہے۔'' (مآثر لاہور مولفہ فوق و ترجمہ کشف الاسرار از سید میرک شاہ)

۴۔ پورا قطعہ تاریخ یہ ہے:

خانقاہِ علی ہجویری است — خاکِ جاروب از درش بردار
طوطیا کن بدیدہ حق بیں — تا شَوی واقفِ درِ اسرار
چوں کہ سردارِ ملک معنی بود — سالِ وصلش برآید از سردار

(جامی لاہوری)

☆......☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی

حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ...... داتا گنج بخشؒ

حسب نسب

آپ کا اسم گرامی علی، کنیت ابوالحسن اور لقب داتا گنج بخش ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام سید عثمان ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت زید شہید بن حضرت امام حسنؓ سے جا ملتا ہے۔ ہجویر غزنوی کے نواحی محلّہ کا نام ہے جہاں آپ نے مدتوں قیام کیا اس لئے آپ ''ہجویری'' کہلائے۔ آپ کو'' جلابی'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ غزنی کے نواحی محلّہ یا گاؤں کا نام ہے۔

ولادت

آپ کی ولادت باسعادت ۴۰۰ھ (۱۰۰۹۔۱۰۱۰ء) میں ہوئی۔

تعلیم

ظاہری علوم کی تحصیل آپ نے اپنے وطن میں کی۔ آپ کی تعلیم کا تفصیلی تذکرہ تو نہیں ملتا۔ البتہ آپ کی کتاب ''کشف المحجوب'' میں آپ کے اساتذہ کے نام ملتے ہیں۔ آپ بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے ابوالعباس بن محمد اشقانی، ابوجعفر بن مصباح صیدلانی، شیخ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ اپنے استاد ابوجعفر بن مصباح کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''وہ رؤسائے تصوف میں تھے۔ تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی۔ حسین بن منصور سے بہت محبت رکھتے تھے۔ میں نے ان کی بعض تصانیف ان سے پڑھیں۔'' (کشف المحجوب)

بیعت وخلافت

علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے اور شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کے مرید

ہوئے جو حضرت خضری کے مرید تھے اور وہ حضرت شیخ شبلی کے مرید تھے۔

سیر وسیاحت

قدیم زمانے کے صوفیائے کرام کا دستور تھا کہ تزکیہ نفس اور روحانی ترقی کے لئے سیر و سیاحت کرتے تھے۔ آپ نے بھی مختلف مسلم ممالک مثلاً خراسان، ماوراء النہر، مرو، آذر بائیجان، شام، بغداد، عراق، ایران، طبرستان، خوزستان، کرمان اور ترکستان کی خوب سیاحت کی۔ بہت سے درویشوں سے ملے اور اولیائے کرام، صوفیائے عظام اور برگزیدہ ہستیوں سے استفادہ کیا۔ اسی سیر وسفر کے دوران حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ، حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر اور حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔

طویل عرصہ تک مسلسل سفر میں رہے۔ اس کے باوجود ہمیشہ نماز باجماعت پڑھتے اور نماز جمعہ پڑھنے کے لئے کسی شہر میں قیام فرماتے تھے۔ ظاہری نمود اور نمائش سے ہمیشہ دور رہے۔ راہ سلوک کے سلسلہ میں ریاضتیں مجاہدوں کا ذکر ملتا ہے۔ روحانی مقصد کے حصول کے لئے تین مہینے حضرت بایزید بسطامیؒ کے مزار پر رہے۔

لاہور میں آمد

سیاحت کرتے ہوئے آپ پیر ومرشد کے حکم سے لاہور میں تشریف لائے۔ ''فوائد الفواد'' میں آپ کی لاہور تشریف آوری کی تفصیل ملتی ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ نے فرمایا ہے:

> ''شیخ حسن زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور ان کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے۔ حسین زنجانی عرصے سے لاہور میں مقیم تھے۔ کچھ دنوں کے بعد پیر نے خواجہ علی ہجویری سے کہا کہ لاہور میں جا کر قیام کرو۔ شیخ علی ہجویری نے کہا کہ وہاں شیخ حسن زنجانی موجود ہیں، لیکن ان کے پیر نے پھر فرمایا کہ تم لاہور جاؤ۔ جب علی ہجویری اپنے پیر کے ارشاد کی تعمیل میں لاہور آئے تو رات تھی۔ صبح کو شیخ حسن زنجانی کا جنازہ باہر لایا گیا۔''

بعض لوگوں کا خیال ہے آپ سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ لاہور تشریف لائے۔

لاہور میں آپ نے اس جگہ قیام فرمایا جہاں آپ کا مزار ہے۔ آپ نے وہاں مسجد بنوائی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ دن کو درس دیتے تھے اور رات کو راہ سلوک کے طالبوں کو تعلیم دیتے تھے۔

تبلیغ اسلام اور روحانی اصلاح

آپ کی تعلیم اور تبلیغ سے بہت سے لوگوں نے دین اسلام قبول کیا جن میں سے ایک رائے راجو بھی تھا جو

Marfat.com

سلطان مودود بن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب تھا۔ اس کا نام ''شیخ ہندی'' رکھا گیا۔ اسی کی اولاد سے آپ کے مزار کے مجاورین چلے آتے ہیں۔

طریقت میں آپ شریعت کی پابندی ضروری سمجھتے تھے۔ آپ نے گمراہ صوفیوں کی اصلاح فرمائی اور کئی گمراہ لوگوں نے آپ سے مستفیض ہو کر ہدایت کی راہ پائی۔ آپ کے وعظ و تبلیغ سے فاسق و فاجر لوگ پارسا بن گئے۔ غرض یہ کہ آپ کا وجود مسعود لاہور اور اس کے گرد و نواح کے لئے مبارک ثابت ہوا۔ غیر مسلم مسلمان ہوئے، مسلمانوں کے عقائد اور عمل کی اصلاح ہوئی اور لوگ شریعت کے پابند ہوئے۔ اس کے علاوہ معاشی اور معاشرتی حالات میں اسلام کی روح کارفرما ہوئی۔

لاہور کی زندگی کے متعلق حضرت داتا گنج بخشؒ کی دوسری کتاب ''کشف الاسرار'' میں مذکور ہے:

> ''میں ایک بزرگ حسام الدین سے ملا اور ان کی پارسائی سے بے حد متاثر ہوا۔ میں نے التجا کی کہ میری روحانی ترقی کے لئے کچھ ارشاد فرمایئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہر دم لوگوں کی دل جوئی اور تسکین میں مصروف رہو تاکہ وہ اپنا غم بھول جائیں ...... کسی کے جذبات کو ٹھیس نہ لگاؤ ...... حاصل کیا ہوا علم ضائع نہ کرو ...... ہر وقت اپنے مرشد سے لو لگائے رکھو۔''

''کشف الاسرار'' میں لاہور کے کریم اللہ نامی شخص کا ذکر بھی آیا ہے، جو بہت ہی مالدار تھا۔ بعد میں اس کا مال و دولت، گھر اور اولاد تباہ ہو گئے تھے۔ آپ نے یہ واقعہ دنیا کی ناپائیداری ذہن نشین کرانے کے لئے بیان فرمایا تھا۔

وفات

اکثر تذکرہ نگار متفق ہیں کہ آپ نے سنہ ۴۶۵ھ (۱۰۷۲ء۔۱۰۷۳ء) میں اس جہان فانی سے سفر آخرت فرمایا۔ یہی تاریخ آپ کے مقبرہ پر بھی درج ہے۔ آقائے عبدالحی حبیبی نے اپنے تحقیقی مقالے (اورینٹل کالج میگزین جلد ۳۶) میں ''کشف المحجوب'' کی داخلی شہادت کی بنا پر آپ کی وفات کا تعین سنہ ۴۸۱ھ (۱۰۸۸ء۔۱۰۸۹ء) اور ۵۰۰ھ (۱۱۰۶ء۔۱۱۰۷ء) کے درمیان کیا ہے۔

اوصاف

آپ بہت بڑے روحانی بزرگ تھے۔ ہمیشہ ذکر و فکر، مراقبہ و محاسبہ، ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کے روحانی مرتبہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے آپ کے مزار پر چلہ کھینچا تھا۔ جب وہاں سے رخصت ہونے لگے تو مندرجہ ذیل شعر پڑھا:

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

علمی ذوق

آپ نے تصوف کے اسرار و رموز بیان کرنے کے لئے کتابیں بھی لکھی ہیں۔ آپ کی مندرجہ ذیل کتابوں کے نام معلوم ہوئے ہیں۔ منہاج الدین۔ البیان لاہل العیان، اسرار الخرق والمؤنات، کشف الاسرار، الرعایۃ لحقوق اللہ، ''کشف المحجوب'' کتاب الفناوالبقا، بحر القلوب، رسالہ در شرح کلام حلاج اور رسالہ الایمان۔

''کشف المحجوب'' فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہے، جو پاکستان کے بزرگ حضرت داتا گنج بخشؒ نے لکھی۔ اس کتاب کو ہر دور میں غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ بزرگان دین اس کو پڑھتے رہے ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، مولانا جامیؒ، داراشکوہ اور دیگر اہل علم اور اہل دل نے تعریف کی ہے۔ پروفیسر نکلسن نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ اردو میں اس کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ سندھی زبان میں بھی اس کے دو ترجمے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنے ساتھی ابوسعید ہجویری کے ایک استفسار پر جو آپ کے ساتھ غزنی سے لاہور آئے تھے، تصنیف کی۔

آپ کی دوسری کتاب ''کشف الاسرار'' کا ذکر شاہ عبداللطیف بھٹائی کے پردادا شاہ عبدالکریم بلڑی والے کے ملفوظات ''بیان العارفین'' میں ملتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی دور دراز علاقوں میں بزرگان دین تک پہنچی تھی۔ بہر حال ''کشف المحجوب'' زیادہ مشہور اور مقبول رہی۔ اس کتاب کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو برصغیر پاک و ہند میں پیش کیا گیا۔ کتاب کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا باب علم کی بحث کے متعلق ہے۔ دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے۔ تیسرے باب میں صوفی کی اصلیت پر محققانہ بحث ہے۔

چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر بحث کی گئی ہے۔ پانچواں باب فقر اور صفوت کی فضیلت کے بارے میں ہے۔ چھٹا باب ملامت کے متعلق ہے۔ ساتواں باب صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین میں سے آئمہ صوفیا کے متعلق ہے۔ آٹھواں باب اہل بیت میں سے آئمہ تصوف کے متعلق ہے۔ نواں باب اہل صفہ کے ذکر میں ہے۔ دسواں باب تابعین اور انصار میں سے آئمہ طریقت کے بارے میں ہے۔ گیارہواں باب تبع تابعین میں سے صوفیاء کے رہنماؤں کے متعلق ہے، بارہواں اور تیرہواں باب بھی صوفیائے کرام کے متعلق ہے، چودھواں باب صوفیائے کرام کے مختلف سلسلوں کے باہمی فرق کے متعلق ہے۔ پندرہواں باب کشف حجابات کے متعلق ہے۔ چودھویں باب میں مندرجہ ذیل صوفیانہ فرقوں کا تذکرہ موجود ہے:

۱۔محاسبیہ: یہ فرقہ عبداللہ بن حارث بن اسد المحاسبی کے جانب منسوب ہے۔ محاسبی کا عقیدہ تھا کہ رضا مقامات سے نہیں، بلکہ احوال میں سے ہے۔ حضرت ہجویریؒ نے رضا اور مقامات کی تشریح کر کے حارث کی موافقت کی ہے۔

۲۔قصاریہ: اس مسلک کے بانی ابوصالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہیں، جو خلق کی ملامت کو تزکیہ نفس کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔

۳۔الطیفوریہ: یہ گروہ ابویزید طیفور بن عیسیٰ البسطامی کے طرف منسوب ہے۔ اس طریق میں غلبہ (غلبہ شوق و محبت) اور سکر (یعنی حالت جذب و مستی) کو اولیت حاصل ہے۔

۴۔الجنیدیہ: اس فرقہ کی محبت وعقیدت کا مرکز ابوالقاسم جنید بن محمد ہیں۔ یہ طریق طیفوریوں کے برعکس صحو پر مبنی ہے۔

۵۔الھیلیہ: یہ سلسلہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری کے طرف منسوب ہے۔ ان کا طریق اجتہاد، مجاہدہ نفس اور ریاضت پر مشتمل ہے۔

۶۔الحکیمیہ: اس فرقہ کے پیرو ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم الترمذی کے معتقد ہیں۔ اس کا مسلک یہ ہے کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے۔

۷۔الخرازیہ: اس مسلک کے پیرو حضرت ابی سعید خراز کے معتقد ہیں، جنہوں نے سب سے پہلے مقام فنا اور بقا سے بحث کی ہے۔

۸۔نوریہ: ان کے پیشوا ابن الحسن نوری ہیں۔ وہ درویشوں کی عزلت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے ہیں اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

۹۔خفیفیہ: ان کے پیشوا حضرت ابوعبداللہ بن خفیف ہیں، جن کا مسلک ''غیبت وحضور'' ہے۔ غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا اور حضور سے مراد اللہ کا خدا کے ساتھ رہنا ہے۔

۱۰۔سیاریہ: یہ فرقہ ابوعباس سیاری کی جانب منسوب ہے۔ ان کی بحث جمع اور تفریق پر ہے۔

۱۱۔حلولیہ: یہ فرقہ ابوسلمان دمشقی کے جانب منسوب ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس فرقہ کو گمراہ اور زندیق کہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بندہ کے روح میں اللہ تعالیٰ کا حلول کرنا محال ہے، کیونکہ روح قدیم نہیں ہے، بلکہ حادث ہے۔ فرماتے ہیں کہ قیم اور حادث اور خالق ومخلوق ایک دوسرے میں کس طرح حلول کر سکتے ہیں، کیونکہ خالق اور مخلوق یکساں نہیں ہو سکتے۔

Marfat.com

۱۲۔ ایک اور فرقہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ایک دوسرا گروہ ہے جو اس قسم کے اقوال و کلام کو فارس (یعنی فارس بن عیسیٰ بغدادی) سے منسوب کرتا ہے، جس کا اپنا دعویٰ یہ ہے کہ مسلک حسین بن منصور کا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اس رائے کی تردید کی ہے کہ حسین منصور کے اصحاب میں سے کسی کا یہ مذہب نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں: میں نے ابو جعفر صیدلانی اور ان چار ہزار افراد کو دیکھا جو عراق میں اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے ہیں اور اپنے آپ کو حلاجی (یعنی محبان و معتقدان حسین بن منصور) کہلاتے ہیں اور ان میں سے ہر کوئی فارس پر اس کے اس قول کی وجہ سے لعنت بھیجتا ہے۔

تیسرے باب میں حضرت ہجویریؒ نے تصوف کے متعلق اظہار خیال کیا ہے۔ ''صوفی'' کی اصل کے متعلق رقم طراز ہیں۔

> ''لوگوں نے اس نام (تصوف) کی تحقیق میں بڑی موشگافیاں کی ہیں۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ ''صوفی'' کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ صوف کا لباس استعمال کرتا ہے۔ ایک جماعت نے کہا کہ اسے صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ صفت اول میں ہوتا ہے۔ ایک گروہ نے کہا کہ اصحاب صفہ کے ساتھ قیام کرنے یا ان سے والہانہ شیفتگی کی بنا پر اسے صوفی کہا جاتا ہے۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں یہ لفظ صوفی ''صفا'' سے مشتق ہے۔''

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں: لفظ ''صفا'' ان میں سے نہایت عمدہ اور دلپسند ہے اور کدورت اس کی ضد ہے۔ یعنی ان کے خیال میں ''صوفی'' لفظ ''صفا'' سے نکلا ہے اور صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک اور صاف ہو۔ اس باب کی دوسری فصل میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے مشائخ کبار کے وہ اقوال نقل کئے ہیں، جن سے ان کے مذکورہ خیال کی تائید ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے حضرت حسن نوریؒ، حضرت حصریؒ، حضرت شبلیؒ اور حضرت جنیدؒ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ حضرت شبلیؒ نے کہا ہے کہ صوفی وہ ہے جو دونوں جہاں میں خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی چیز نہ دیکھے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا ہے کہ تصوف کی بنیاد مندرجہ ذیل آٹھ خصلتوں پر ہے، جن سے آٹھ پیغمبروں کی خصوصیات نمایاں ہیں:

> ''سخاوت، حضرت ابراہیمؑ کی ہو، رضا حضرت اسماعیلؑ کی ہو، صبر حضرت ایوبؑ کا ہو، اشارات حضرت زکریاؑ کے ہو، غربت حضرت یحییٰؑ کی ہو، سیاحت حضرت عیسیٰؑ کی ہو، لباس حضرت موسیٰؑ کا ہو اور فقر حضرت محمد مصطفیٰؐ کا ہو۔''

''کشف المحجوب'' کے آخر میں سماع پر بحث ہے۔ آپ کے نزدیک ''سماع'' مباح ہے، لیکن اس کے لئے آپؒ نے کچھ شرطیں رکھی ہیں، مثلاً سالک بلا ضرورت سماع نہ سنے اور طویل وقفہ کے بعد سنے۔ محفل سماع میں مرشد

Marfat.com

موجود ہو، عوام شریک نہ ہوں، قوال فاسق نہ ہو، سماع کے وقت دل دنیوی علائق سے پاک ہو، طبیعت لہو ولعب کی طرف مائل نہ ہو، اگر وجد کی کیفیت طاری ہو تو اس کو تکلیف کے ساتھ نہ رکھے۔

(در: پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں از ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی، لاہور ۲۰۰۰ء، ص ۵۵-۶۲)

مآخذ:

(۱) Ali bin Usman Al-Hujweri` Data Ganj Bakhsh: The Kashf Al-Mahjub, Translated by Reynold A. Nicholson, Reprinted, Lahore, 1980.

(۲) علی ہجویری، داتا گنج بخش: ''کشف المحجوب'' اردو ترجمہ: پروفیسر محمد عبدالحمید یزدانی، لاہور

(۳) مفتی غلام سرور لاہوری۔ حدیقۃ الاولیاء، لاہور۔

(۴) خواجہ عبداللہ انصاری ہروی: طبقات الصوفیہ، تصحیح، و تعلیق و تحشیہ عبدالحیٔ حبیبی، کابل۔ ۱۹۶۲ء

☆......☆......☆

Marfat.com

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع

کشف المحجوب

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی زندگی کے حالات کم و بیش اتنے ہی معلوم ہیں جتنے انہوں نے خود استطراداً ''کشف المحجوب'' میں بتائے ہیں۔ شاید ہی اس سے زائد کوئی بات کسی اور ماخذ سے ملے۔ ان کے متعلق ''نفحات الانس'' میں ہے کہ علی بن عثمان بن علی جلابی غزنوی عالم و عارف تھے۔ شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی کے مرید تھے اور بہت سے اور مشائخ کی صحبت سے بھی فیض اٹھایا تھا۔ وہ ''کشف المحجوب'' کے مصنف ہیں، جو اس فن (یعنی تصوف) کی مشہور معتبر کتابوں میں سے ہے۔ انہوں نے بہت سے لطائف و حقائق اس کتاب میں جمع کر دیئے ہیں، اپنے مرشد جناب الختلی کے متعلق ''کشف المحجوب'' میں وہ لکھتے ہیں:

> ''طریقت میں مَیں ان کا پیرو ہوں۔ وہ تفسیر و روایات کے عالم تھے اور تصوف میں جنید کے مذہب کے پیرو تھے اور جناب حصری کے مرید تھے۔ ساٹھ سال تک گوشہ نشین رہے اور گمنامی اختیار کیے رہے، زیادہ تر وہ جبل[1] لکام میں منزوی رہے۔''

جناب الختلی نے بہت عمر پائی۔ آیات و براہین (درایت) ان میں بہت تھے، لیکن صوفیاء کا لباس اور رسوم (صوفیاء) انہوں نے اختیار نہ کیے۔ داتا صاحبؒ لکھتے ہیں، میں نے ان سے زیادہ بارعب مرد نہیں دیکھا۔ جب وہ فوت ہونے لگے تو ان کو فرمایا:

> ''ایک اعتقادی مسئلہ تم سے کہتا ہوں۔ اگر خود کو اس کے مطابق کر لو گے تو سب طرح کے رنجوں سے نجات پا لو گے۔ وہ یہ کہ ہر محل میں ہر نیک و بد حال کے پیدا کرنے والا خدائے عزّوجل ہے، اس کے فعل سے جھگڑا نہ کرو اور دل کو رنج نہ دو'' یہ کہا اور جان دے دی۔''

ختلی کے علاوہ وہ اور بہت سے مشائخ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے، جن کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب میں کیا ہے، مثلاً شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ، ابوسعید ابوالخیرؒ اور ابوالقاسم قشیریؒ۔

Marfat.com

لاہور آنے سے پہلے انہوں نے بہت سیاحی کی۔ ''کشف المحجوب'' سے معلوم ہوتا ہے کہ شام سے ترکستان تک تمام عالم اسلام میں انہوں نے گشت لگائی اور کتاب کے مختلف مقامات میں جو کچھ کہا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مختلف وقتوں میں دمشق، بیت الجن، آذر بائیجان، بغداد ونواحی خوزستان، فارس، طوس، نیشا پور، میہنہ، سرخس، مرو، بخارا، بسطام، اوزکند، جبل بُتم (جو سمرقند کے مشرق میں ہے) میں گئے اور یہ فہرست غالباً مکمل نہیں۔ ایک زمانہ میں وہ عراق میں مقیم تھے اور ''طلبِ دنیا وفناء آن ناپاکی'' میں مصروف، مقروض ہو گئے تھے۔ فرماتے ہیں ''جس کسی کو ضرورت ہوتی میری طرف رخ کرتا اور میں ان کی خواہش کے حصول کی محنت میں مبتلا ہو جاتا۔'' آخر ایک بزرگ نے لکھا۔ ''بیٹا دیکھنا، دل کو خدا سے ہٹا کر کسی مشغولِ ہوا دل کی فراغت جوئی میں نہ لگانا، ہاں اپنے دل سے عزیز تر دل پاؤ اور اس کے دل کی فراغت طلبی میں اپنا دل لگاؤ تو جائز ہے، ورنہ نہیں اس لئے کہ بندگانِ خدا کے لئے خدا کافی ہے۔'' اس بات سے ان کو اطمینان حاصل ہوا۔

شادی کے متعلق ان کو جو معاملہ پیش آیا وہ کچھ خوش آیند ثابت نہ ہوا۔ وہ لکھتے ہیں: ''بعد اس کے کہ حق تعالیٰ نے گیارہ[2] سال تک مجھ کو شادی کی آفت سے محفوظ رکھا، اس کی تقدیر سے میں اس آزمائش میں گرفتار ہوا اور میرا ظاہر و باطن اس صفت کا اسیر ہوا جو مجھ سے بیان کی گئی ہے اس کے کہ آنکھوں سے دیکھنے کا موقعہ ہوتا۔ ایک سال تک میں اس میں مستغرق رہا۔ چنانچہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا تب حق تعالیٰ نے کمالِ لطف اور تمام فضل سے میرے بے چارہ دل کے استقبال کے لئے اپنی نگہداشت کو بھیجا اور اپنی رحمت سے خلاصی نصیب کی'' **والحمد للہ علی جزیل نعمائہ۔**

''سفینۃ الاولیاء'' میں ہے کہ تجرید وتوکل کے قدم پر وہ سفر میں رہے اور بہت سی سیاحی کے بعد لاہور میں پہنچ کر مقیم ہوئے۔ اپنے لاہور کے قیام کا ذکر انہوں نے ''کشف المحجوب'' میں صرف ایک جگہ کیا ہے۔

ایک بزرگ کے ذکر میں لکھتے ہیں ''ان سے بہت سی روایتیں مجھ کو میرے شیخ کے ذریعہ پہنچی ہیں مگر اس وقت اس سے زیادہ (درج کرنا) ممکن نہیں۔ اس لئے کہ میری کتابیں دارالسلطنت غزنین میں ...... خدا اس کا نگہبان ہو! ہیں اور میں دیار ہند میں ناجنسوں کے درمیان گرفتار ہوں۔''[3] اس عبارت کا آخری حصہ بعض نسخوں میں یوں ہے ''اور میں شہر لہانور میں جو ملتان کے مضافات میں ہے ناجنسوں کے درمیان گرفتار ہوں۔'' اس جملہ سے ظاہر ہے کہ ''کشف المحجوب'' کا اقلاً کچھ حصہ لاہور میں مرتب ہوا۔

''خلاصۃ التواریخ'' میں ہے کہ جناب ہجویری غزنین کے سلطان محمود کے ہمراہ آئے اور سلطان نے فتح لاہور کو ان کے برکات قدم کی طفیل سمجھا۔ یہ بیان غالباً درست نہیں اس لئے کہ اگر بقول عبداللطیف سلطان محمود نے لاہور ۳۹۳ھ میں فتح کیا جو غالباً حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کے بچپن کا زمانہ ہے یا وہ شاید اس وقت ابھی پیدا بھی نہ ہوئے ہوں۔

ان کے ورود لاہور کے متعلق ''فوائد الفواد'' (لکھنؤ ۱۹۰۸ء) ص ۳۵ میں ایک دلچسپ گفتگو لکھی ہے

Marfat.com

حضرت نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہ العزیز نے ۹۰ ذوالقعدہ ۷۰۸ھ کی مجلس میں لاہور کی قبروں کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ''بہت بزرگوں کی خواب گاہ وہاں ہے'' پھر جامع فوائد سے پوچھا ''تم نے لاہور دیکھا ہے''۔ عرض کیا گیا۔ ''دیکھا ہے'' اور بعض بزرگوں کی (قبروں کی) زیارت کی ہے۔ مثلاً شیخ حسین زنجانیؒ اور دوسرے اولیاء کی۔ فرمانے لگے کہ مخدوم علی ہجویری سے پہلے ان کے مرشد نے ان کے پیر بھائی خواجہ حسین زنجانی کو لاہور کا قطب مقرر کیا ہوا تھا۔ جب مخدوم صاحب کو لاہور جا کر مقیم ہونے کا حکم ملا تو انہوں نے کہا کہ زنجانی وہاں ہیں۔ ان کے ہوتے میرے بھیجنے میں کیا حکمت ہے؟ جواب ملا تم وہاں جاؤ۔ تم کو حکمت پوچھنے سے کیا واسطہ؟ غرض جب یہ لاہور پہنچے تو رات کوشہر کے باہر ٹھہرے۔ صبح جب شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ خواجہ زنجانیؒ کا جنازہ آرہا ہے۔ یہ جنازے کے ہمراہ ہوئے اور واپسی پر شہر کے مغرب میں جہاں ان کا مزار مبارک ہے، جا ٹھہرے۔

شیخ حسین زنجانیؒ اور شیخ علی ہجویریؒ دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے۔ وہ پیر قطب عہد تھا۔ حسین زنجانی مدت سے لاہور میں مقیم تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد خواجہ علی ہجویریؒ کے پیر نے ان سے فرمایا کہ ''لاہور جا کر مقیم ہوں'' عرض کیا کہ شیخ حسین زنجانی وہاں ہیں'' فرمایا ''تم جاؤ تو سہی۔'' جب علی ہجویریؒ حکم کے مطابق لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا۔ صبح ہوئی تو شیخ حسین کا جنازہ لوگ باہر لائے۔

اس کے برعکس ملا جمالی نے ''سیر الاولیاء'' قلمی ص ۲۰ پر لکھا ہے کہ جب خواجہ لاہور پہنچے تو ہجویریؒ کا اسی سال میں انتقال ہو چکا تھا مگر حسین زنجانی زندہ تھے۔ ان ہی دنوں میں دلّی فتح ہوئی اور معزالدین محمد سام بطرف غزنی روانہ ہوا اور راہ میں مارا گیا۔ حالانکہ دلّی ۵۸۹ھ میں فتح ہوئی اور محمد سام ۶۰۲ھ میں مارا گیا۔ جمالی میں خواجہ اجمیر کی چلہ کشی بر مزار داتا صاحبؒ کا ذکر نہیں البتہ ص ۸ پر ہے کہ جیال جو بغداد سے سات دن کی راہ پر ہے وہاں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے پاس پانچ ماہ سات دن رہے۔ ان کا حجرہ وہاں ہے۔ جمالی نے زیارت کی۔

شیخ حسین زنجانی کا حال لاہور کی تاریخوں میں ملتا ہے مگر ان کی تاریخ وفات کا صحیح پتہ ان سے نہیں ملتا۔ اگر مل جائے تو پیر ہجویریؒ کے ورود لاہور کی تاریخ مل جائے۔ سید محمد لطیف نے یہ تاریخ ۴۳۱ھ/ ۱۰۳۹-۱۰۴۰ء دی ہے مگر ان کا ماخذ معلوم نہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ زمانہ غزنیوں میں سے سلطان مسعود اول بن محمود غزنوی کی سلطنت کا تھا۔

داراشکوہ نے ''سفینۃ الاولیاء'' میں ان کی ایک کرامت کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک مسجد بنوائی تھی جس کی محراب اور مساجد لاہور کی نسبت مائل بجنوب تھی اور علمائے وقت کے اعتراض پر خود امامت کرائی۔ تب مقتدیوں کو کعبہ مسجد کے محاذ میں نظر آیا (دیکھئے تحقیقات چشتی)

اسی قسم کا قصہ حسن افغان مرید خواجہ بہاء الدین زکریاؒ کا ''سیر الاولیاء'' صفحہ ۴۵ میں ہے کہ دہلی میں ایک مسجد بن رہی ہے۔ لوگ شک میں تھے۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ وہ دیکھو کعبہ۔

اس کے بعد صاحب ''سفینہ'' نے لکھا ہے ان کی قبر بھی ان کی مسجد کی محراب کے مطابق ہے۔ ہمارے ایک فاضل معاصر نے اس مسئلہ پر توجہ دی ہے کہ سوائے شاہی مسجد کے دورِ انحطاط کی مساجد کا رخ صحیح سمت قبلہ کی طرف نہیں ہے۔ پرانی مسجد کو چند مرتبہ از سر نو تعمیر کیا گیا اور مسجد قدیم اس وقت بصورت قدیم موجود نہیں مگر ریاضین کے

Marfat.com

نقطہ نظر سے یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ مسجد اور قبر کی سمت میں کیا نسبت ہے؟ اور وہ سمت کیا ہے؟

داتا صاحبؒ کے متعلق مولانا جامی نے لکھا ہے کہ وہ عالم اور عارف تھے۔ صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' نے لکھا ہے کہ وہ ''جامع علوم ظاہری و باطنی زاہد متورع متقی صاحب خوارق و کرامت اور حنفی المذہب تھے۔ لاہور میں دن کو تدریس و تعلیم اور رات کو تلقین میں مصروف رہ کر ہزار ہا جہلا کو عالم و فاضل اور صد ہا گم کردگان راہ حق کو راہ راست بتائی''۔ ان کی تاریخ وفات ''نفحات'' اور ''حاشیہ نفحات'' ''مآثر الکرام'' (آگرہ ۱۹۱۰ء) ۱: ۶ میں نہیں دی ہے اور اکثر دیگر مآخذ میں اور مزار کے کتبوں میں ۴۶۵ھ درج ہے اور لفظ سردار اس کو ظاہر کرتا ہے۔ صرف ''خزینۃ الاصفیاء'' میں ''سفینۃ الاولیاء'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ ۴۶۰ھ یا ۴۶۶ھ میں فوت ہوئے۔ مگر داراشکوہ کے خود نگاشتہ نسخہ میں جس کے روٹو گراف پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہیں، سوائے چہار صد اور واؤ اور علامت زیادت کے اور کچھ درج نہیں۔ یعنی غرض اس نسخہ کی تحریر کے وقت آپ کے سنِ وفات کی تحقیق مصنف کو نہ تھی۔ ۴۶۵ھ میں سلطان ابراہیم بن مسعود غزنوی کا عہد سلطنت تھا۔

داتا صاحبؒ کی قبر کے متعلق ابوالفضل نے ''آئین اکبری'' میں تعین نہیں کی۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ آپ کی خواب گاہ لاہور میں ہے۔ البتہ داراشکوہ نے تفصیل دی ہے اور یہ کہا ہے کہ ''قبر شہر لاہور کے درمیان قلعہ کے مغرب میں واقع ہے۔'' یہ کچھ عجیب سا بیان ہے اس لئے کہ قبر شہر کی فصیل کے باہر ہے۔ البتہ شہر کی بیرونی آبادی کے درمیان ہے اور قلعہ کے مغرب کی بجائے جنوب مغرب کہنا زیادہ صحیح تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ کے زمانہ میں قلعہ سے مغرب کو آتے تھے تو شاہی مسجد تو اس وقت تھی ہی نہیں۔ پہلا قابل ذکر مقام دریائے راوی کا گھاٹ تھا۔ دریا اس وقت قلعہ کے نیچے سے بہتا تھا۔ اس گھاٹ کو کابل جانے والی سڑک عبور کرتی تھی اور گھاٹ کے بعد داتا صاحبؒ کے مزار مبارک والا علاقہ ہی قابلِ ذکر تھا۔ چنانچہ ایک انگریز سیاح فنچ نامی نے جو ۱۶۱۱ء یعنی جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ساڑھے چھ ماہ کے قریب لاہور میں ٹھہرا رہا، اسی ترتیب سے ان مواضع کا ذکر کیا ہے، گو وہ ''مسجد شکر گنج'' کہتا ہے بجائے ''مسجد گنج بخش'' کے۔

صاحب ''سفینۃ الاولیاء'' (داراشکوہ) نے لکھا ہے کہ مخدوم صاحب کے والد کی قبر غزنین میں ہے اور ان کی والدہ ماجدہ کی قبر بھی غزنین ہی میں اپنے بھائی تاج الاولیاء کی قبر کی متصل ہے۔ دارا نے آپ کے والدین اور ماموں کی اور لاہور میں خود ان کے روضہ منورہ کی زیارت کی تھی۔ داتا صاحبؒ کا مزار سنگ مرمر کا گل کار ہے اور سفید سنگ مرمر کے چبوترہ پر واقع ہے۔ سارا تعویذ ایک ڈال پتھر کا ہے۔ اس مزار مبارک کے دائیں اور بائیں دو اور قبریں ہیں۔ بقول چشتی ایک شیخ احمد حمادی سرخسی کی ہے (یہ نام مطبوعہ کتاب میں مسخ شدہ ہے) اور دوسری شیخ ابوسعید ہجویری کی رحم اللہ اجمعین۔ سرخسی کا ذکر ''کشف المحجوب'' میں مخدوم صاحبؒ نے چار پانچ مرتبہ کیا ہے۔ رجال صوفیائے متاخرین کی فہرست میں ان کو شامل کر کے لکھا ہے کہ وہ مدت تک میرے رفیق تھے۔ ایک دوسری جگہ تعیین سے کہا ہے کہ وہ ماوراء النہر میں میرے رفیق تھے، مگر ان کے لاہور میں آنے کا ذکر نہیں کیا۔ شیخ ابوسعید ہجویری کا ذکر

Marfat.com

کتاب کے آغاز میں صرف ایک مرتبہ کیا ہے اوران کا سوال بیان کر کے کتاب کو اس کے جواب سے شروع کیا ہے:

"تحقیقات چشتی" میں ہے کہ مزار اور چبوترہ ابراہیم بن مسعود غزنوی نے بنوایا۔ واللہ اعلم۔

پہلے قبر پر گنبد نہ تھا۔ یہ ۱۲۷۸ھ میں تعمیر ہوا اور پنجرہ چوبی بنایا گیا اور اس میں آئینے لگوائے گئے۔ حاجی فیروز دین نے اس چوبی پنجرہ کی بجائے سنگ مرمر کے ستون اور جالیاں لگوائیں۔ ۲۰ صفر ۱۳۵۹ھ اس ترمیم کی تاریخ مختلف اطراف میں درج ہے۔ مشرق کی جانب شیخ ہندی کی بڑی مسجد ۱۳۴۰ھ میں نوتعمیر ہوئی۔ پرانے محراب کے موقعہ پر سنگ مرمر کی سل لگی ہے۔ ۹ محرم کو غسل قبر ہوتا ہے۔

داراشکوہ نے لکھا ہے کہ مخدوم صاحب لاہور میں آ بسے، تو اس کے نواح کے لوگ سب ان کے مرید اور معتقد ہو گئے۔ میر عبدالعزیز زنجانی لاہوری نے جو غالباً شاہ جہان کے زمانہ کا شاعر ہے، عرفی کے مشہور قصیدے کے جواب میں لاہور پر ایک قصیدہ میں لکھا ہے کہ اس میں داتا صاحبؒ کے مزار پر جو ہجوم زائرین کا رہتا ہے، اس کی طرف اشارہ کرتا ہوا کہتا ہے

مزارِ دُر نثارِ شاہِ ہجویری ندیدستی
کہ محل آسا بہ پیرامونش جوش انس و جان بینی
گدای درگہش از منزلت شاہ جہان یابی
غلام خادمش از رتبہ مخدوم جہان بینی

داراشکوہ نے "سفینہ" میں لکھا ہے کہ شب جمعہ کو خلقت انبوہ درانبوہ زیارت روضہ منورہ کے لئے جمع ہوتی ہے اور مشہور ہے کہ جو شخص چالیس شب جمعہ یا چالیس روز پیہم ان کے روضہ شریف کا طواف کرتا ہے، جو حاجت اس کی ہو پوری ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

رجوع خلائق کی کیفیت آج بھی ویسی ہے جیسی مغلوں کے دور میں تھی۔ جمالی کے حوالہ سے "گلزار ابرار" میں ہے کہ خواجہ جب تشریف لائے تو لاہور میں چند روز پیر زنجانی کی مصاحبت میں بھی قیام فرمایا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ مصنف "کشف" کی خواب گاہ غزنین میں ہے۔ "اذکار ابرار" ترجمہ "گلزار ابرار" (آگرہ۔ ۱۳۲۶ھ) ص ۲۵۔ عہد جہانگیر میان (۱۰۱۴ھ۔ ۱۰۲۲ھ) لیکن اولین بیان کہ ("کشف المحجوب" کے مصنف وہ بزرگ ہیں جن کا مبارک مزار لاہور میں ہے) دوسرے بیان کی نسبت قریب بہ صحت ہی ہے۔

داتا صاحبؒ نہ صرف عارف تھے بلکہ عالم اور مصنف بھی تھے۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف "کشف المحجوب" ہے جس کی نسبت مولانا جامیؒ نے لکھا ہے کہ اس فن (یعنی تصوف) کی معتبر اور مشہور کتابوں میں ہے۔ جس میں آپ نے بہت سے لطائف وحقائق کو جمع کر دیا ہے۔ "کشف المحجوب" کے علاوہ کم سے کم نو تصانیف ان کی اور تھیں جن کا ذکر سرسری طور پر اسی کتاب "کشف المحجوب" میں آیا ہے اور جواب ناپید ہیں۔ ہاں "کشف المحجوب" میں بعض مضامین ان کتابوں کے اختصار سے بیان ہوئے ہیں ان کتابوں کی تفصیل یہ ہے:

Marfat.com

(۱) ایک دیوان:

(۲) منہاج الدین: جس کا ہر موضوع طریقت تصوف تھا۔ اس میں مناقب اصحاب صفہ بہ تفصیل بیان کئے گئے اور حسین بن منصور حلاج کا کچھ حال بھی بتایا تھا۔ دیوان کی نسبت لکھا ہے کہ کسی نے مجھ سے مانگا۔ اس کا اور نسخہ نہ تھا۔ مانگنے والے نے میرا نام سرِ کتاب سے حذف کر کے اس کی نسبت پلٹ دی۔ اسی طرح دوسری کتاب بھی کسی نے اپنی طرف منسوب کر لی۔

(۳) اسرار الخرق والمؤنات: ''کشف المحجوب'' کے لاہوری ایڈیشن اور ایک قدیم نسخہ میں جو شیخ بہار الدین زکریا ملتانیؒ کے قلم سے نقل ہوا، اس کتاب کا یہی نام ہے مگر روسی ایڈیشن میں اس کا نام ''اسرار الخرق الملونات'' اختیار کیا گیا ہے۔ بہر حال مضمون اس کا مرقعات ظاہری و باطنی سے تعلق رکھتا ہے۔

(۴) کتاب فنا و بقا: ''ترہات ارباب اللسان'' اور ان کی ''پرستش''، ''عبادت'' کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ کتاب مذکور میں ''ہوس کودگی و تیزی احوال'' کے وقت ہم نے بھی اس قسم کا کلام لکھا ہے۔

(۵) کتاب در شرح کلام حسین منصور حلاج۔ یہ کتاب کا نام نہیں اس کا مضمون ہے۔ اس میں دلیلوں اور حجتوں سے حلاج کے علو کلام پر گفتگو کی ہے۔

(۶) کتاب البیان لاہل العیان: فرماتے ہیں کہ میں نے حال بدایت میں یہ کتاب لکھی۔

درباب جمع و تفرقہ

(۷) بحر القلوب: اس میں اسی جمع و تفرقہ پر سیر حاصل گفتگو ہے۔

(۸) الرعایہ بحقوق اللہ تعالیٰ: توحید کے مضمون پر قریباً اسی نام کی کتاب ان سے دو صدی سے زیادہ پہلے ابو عبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی قدس سرہ نے لکھی جو چھپ چکی ہے۔

(۹) ایک کتاب ایمان کے موضوع پر انہوں نے لکھی جس کا نام نہیں بتایا۔

''کشف المحجوب'' کتاب کے نسخے ملتے ہیں۔ ایک دفعہ لاہور میں چھپی۔ ڈاکٹر نکلسن کا انگریزی ترجمہ لاہوری ایڈیشن پر مبنی ہے۔ کتاب کا ایک نفیس ایڈیشن پروفیسر ژوکوفسکی نے ۱۹۲۶ء میں لینن گراڈ سے شائع کیا۔

''کشف المحجوب'' تصوف کی اولین تصنیف ہے جو فارسی میں لکھی گئی۔ صوفیائے کرام کے حالات اور تعلیمات کے بارے میں اس سے پہلے عربی میں متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ مثلاً ابونصر سراج کی ''کتاب اللمع''، ابوطالب مکّی کی ''قوت القلوب''، کلاباذی کی ''کتاب التعرف''، السلمی کی ''طبقات الصوفیہ''، ابونعیم کی ''حلیۃ الاولیاء'' اور ''رسالہ قشیری''۔ مگر مخدوم صاحب نے اس کتاب کو لوگوں کی آسانی کی غرض سے سلیس فارسی میں لکھا۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ ''میری مراد اس کتاب کے لکھنے سے اثبات اصول طریقت ہے۔'' ایک دوسری جگہ کہا ہے کہ مقصد تحریر کتاب سے یہ ہے کہ مراد طریقت کے مغلقات کو کھولا جائے۔ کتاب میں تاریخی عنصر قریباً مفقود ہے۔ کسی واقعہ کی تاریخ نہیں دی ہے۔ شاید ایک حد تک اس کی وجہ یہ تھی کہ بقول ان کے لاہور میں جہاں کتاب مکمل ہوتی، ان

Marfat.com

کو کتابیں نہ ملتی تھیں۔

اس کتاب میں مصنف علیہ الرحمۃ کی حیثیت ماہر اصول علم تصوف کی ہے۔ یوں سمجھیے کہ گویا کسی صوفی کا حال بیان کرنے لگتے ہیں تو اس کے دو چار اقوال بیان کرنے کے بعد وہ ان مسائل کی حقیقت پر ایک ضمنی عنوان قائم کر کے ایک پوری فصل لکھ دیتے ہیں۔

مقدمہ کتاب کے بعد فقر، تصوف، مرقعہ پوشی، ملامت وغیرہ کی بحث کے بعد وہ ائمہ تصوف کے طبقہ اول میں صحابہ کرام، اہل بیت اور تابعین کا ذکر کرتے ہیں خصوصاً اہل صفہ حضرت بلال اور حضرت سلمان فارسی کا، رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین میں سے انہوں نے حضرت حسن بصریؒ کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کے دور کے بعد اتباع تابعین سے لے کر عہد مصنف کے قریب تک ۶۴ صوفیائے کرام کا ذکر ہے۔ ان میں امام ابوحنیفہؒ، امام احمد حنبلؒ اور جناب داؤد بن نصیر الطائی کو بھی شامل کیا ہے، جو اصحاب مذہب تھے۔ اکابر صوفیاء جن کا ذکر اس باب میں آیا ہے، ان میں ذوالنون مصریؒ، ابراہیم بن ادہمؒ، بایزید بسطامیؒ اور جنیدؒ و حلاجؒ ہیں۔

ان کے بعد مصنف نے صوفیائے معاصرین سے پہلے دس اکابر کا ذکر کیا ہے جن میں ان کے پیر ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی بھی شامل ہیں۔ پھر ایک لمبی فہرست شام و عراق، ایران، ماوراء النہر اور غزنین کے صوفیوں کی دی ہے جن کے متعلق ان کے پاس مواد کافی نہ تھا۔ اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمانہ خراسان میں تصوف کے عروج کا تھا۔ خود مصنف نے فرمایا ہے کہ ''خراسان کے تمام صوفیہ کا شمار میرے لئے دشوار ہے۔ میں صرف خراسان میں تین سو ایسے لوگوں سے ملا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک کا الگ مشرب تھا۔ ان میں سے ہر ایک جہان بھر کے لئے کافی ہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ آفتاب محبت اور اقبال طریقت خراسان کے طالع میں ہے۔''

طبقات صوفیہ کو بیان کرنے کے بعد جو کتاب کی ایک چوتھائی سے کچھ زیادہ ہے، جناب مصنف نے صوفیوں کے گیارہ فرقوں کے فرق پر ایک اہم باب باندھا ہے۔ یہ فرق چنداں اہم معلوم نہیں ہوتا اور ایسا گمان ہوتا ہے کہ جناب مصنف نے ان فرقوں کا ذکر کر کے صوف کے اصولوں کی وضاحت کے لئے مواقع تلاش کئے ہیں مثلاً پہلا فرقہ محاسبی رضا کو مقامات میں نہیں، احوال میں شمار کرتا ہے، مصنف نے یہ بیان کرنے کے بعد حقیقت رضا پر ایک مقالہ تحریر فرما دیا ہے۔ آخری فرقہ ملامتیہ تناسخ کا قائل ہے۔ اس کا ذکر کرنے کے بعد مصنف نے حقیقت روح پر مفصل گفتگو کی ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔

اصول اسلام کی مزید تشریح کے لئے جناب مصنف نے گیارہ باب اور مرتب کر کے اپنی کتاب کو ختم کیا ہے۔ ان ابواب کا عنوان ''کشف الحجاب الاول'' ''کشف الحجاب الثانی'' تا ''کشف الحجاب الحادی عشر'' رکھا ہے۔ ان میں معرفت الٰہی، توحید، ایمان، طہارت از نجاست، توبہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ سے بحث کی ہے مگر ہر اصول کی تشریح میں صوفیہ کا نقطہ نظر پیش کیا ہے مثلاً نماز کے متعلق فرماتے ہیں:

''جان لو کہ نماز ایسی عبادت ہے کہ ابتداء سے انتہا تک مرید اس میں راہ حق پاتے ہیں اور ان

Marfat.com

کے مقامات کا انکشاف اس میں ہوتا ہے۔ چنانچہ طہارت مریدوں کے لئے توبہ کی جگہ لیتی ہے اور پیر پکڑنا قبلہ راست کرنا ہے اور قیام بجائے مجاہدہ نفس ہے اور قرأت بجائے ذکر دائم کے اور رکوع کرنا بجائے تواضع اور سجدہ کرنا بجائے معرفت نفس ہے اور تشہد بجائے مقام انس اور سلام پھیرنا دنیا سے گوشہ گیری اور بند مقامات سے باہر نکل آنے کے بجائے ہے۔''

حج کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

''حج دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک غیبت (الٰہی) میں اور دوسرا حضور (الٰہی) میں۔ جو شخص مکہ کے قرب و جوار میں غیبت میں ہے وہ ایسا ہے گویا اپنے گھر میں غیبت میں ہے، اس لئے کہ ایک غیبت دوسری غیبت سے بہتر نہیں ہوتی اور وہ جو اپنے گھر کے اندر حضور میں (ہے) وہ ایسا ہے گویا مکہ میں حضور میں ہے، اس لئے کہ ایک حضور دوسرے حضور سے بہتر نہیں ہوتا۔ پس حج ایک مجاہدہ ہے جس سے مقصود مشاہدہ ہے اور مجاہدہ مشاہدہ کی وجہ نہیں بلکہ اس کا ذریعہ ہے۔ پس مقصود حج خانہ کعبہ کی زیارت نہیں بلکہ مشاہدے کا حصول ہے۔''

اس سے کچھ پہلے داتا صاحبؒ نے حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:
''پہلے حج میں مَیں نے گھر (یعنی خانہ کعبہ) کے سوا کچھ نہ دیکھا، دوسری طرف گھر بھی دیکھا اور گھر والے کو بھی دیکھا، تیسری دفعہ صرف گھر والے کو دیکھا ہے اور گھر کو نہ دیکھا۔'' حقیقت سماع میں صوفیہ کے مراتب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''ایک درویش کو میں نے بچشم خود جبال آذربائیجان میں دیکھا تھا کہ وہ چلتے چلتے یہ شعر گنگنا رہا تھا۔

واللّٰہ ما طلعت شمس ولا غربت	الا وانت منی قلبی و وسواسی
ولا جلست الی قوم احدثھم	الا وانت حدیثی بین جلاسی
ولا تنفست محزونا ولا طرباً	الا وجبک مقرون بانفاسی
ولا ھممت بشرب الماء من عطش	الا رأیت خیالامنک فی الکاس
فلو قدرتُ علی الایتان زرتکم	سحبا علی الوجہ او مشیاً علی الراس

(خدا کی قسم سورج کبھی طلوع نہ ہوا اور کبھی غروب نہ ہوا بجز اس کے کہ تم میرے دل کی آرزو ہو۔

اور میں نے کبھی لوگوں میں بیٹھ کر بات چیت نہ کی بجز اس کے کہ تم میرے ہم نشینوں میں میری گفتگو کا موضوع تھے۔

اور میں نے کبھی غم یا خوشی میں سانس نہ لیا بجز اس کے کہ تمہاری محبت میرے سانس کے ساتھ

Marfat.com

جاری تھی۔

اور میں نے کبھی پیاس میں پانی نہ پیا بجز اس کے کہ تمہاری صورت مجھے پانی کے پیالے میں نظر آئی۔

اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں آکر تمہاری زیارت کرتا، ماتھا رگڑتا ہوا سر کے بل چلتا ہوا۔

یہ شعر پڑھتے ہی اس کا رنگ اڑ گیا تھوڑی دیر تک بیٹھا اور ایک پتھر کے ساتھ پیٹھ لگالی اور دم دے دیا۔)

صوفیائے کرام اہل حال ہیں ہم اہل قال، ان کی حقیقت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں، مگر چونکہ صالحین کی محبت سے امید ہو سکتی ہے کہ خدا ہم کو بھی توفیق صلاح دے۔ ان بزرگوں کے حالات کے مطالعہ سے فلاح و بہبود اور خیر و برکت کی توقع جائز طور پر کی جا سکتی ہے۔ ان بزرگوں نے ظواہر دین کی حقیقت تلاش کی اور لفظ کو معنیٰ سے روشناس کرایا۔ روح کی گہرائیوں کے ممکنات کو ڈھونڈا اور چونکہ انہوں نے خود کو تمام عمل بنایا، ان کی زندگیاں لوگوں کے لئے نمونہ بنیں اور ان کے کلمات میں وہ تاثیر پیدا ہوئی جس سے ایک عالم کو راہ ہدایت نہ صرف نظر آئی بلکہ اس پر چلنے کے لئے ایک قوی جذبہ بروئے کار آیا۔ انہی کی پاک زندگیوں نے مذہب اسلام کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کی کہ جس سے اپنے اور بیگانے کشاں کشاں اس کی طرف آئے اور مُردہ روحوں میں زندگی کی لہر دوڑنے لگی۔ جن مسیحا نفس بزرگوں نے اس ملک کے لوگوں کو طریقت کا پیغام پہنچایا۔ ان کی صفِ اول میں حضرت داتا گنج بخشؒ کا مقام ہے۔

(کشف المحجوب، مرتبہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، مقدمہ، لاہور ۱۹۶۸ء)

حواشی

۱۔ یعنی جبل لبنان میں جس کے متعلق ابن بطوطہ (۱: ۱۸۴) نے لکھا ہے کہ وہ دنیا کے نہایت سرسبز پہاڑوں میں ہے۔

۲۔ میور (۲۸۹) یہ خیال کرتا ہے: اس کا مطلب ہوا کہ حضرت بغیر شادی کے رہے۔

۳۔ قلمی نسخہ، ص ۱۲۷، روسی، ص ۱۱۰

☆......☆......☆

Marfat.com

مترجم: مولوی فیروز الدین

بحر الاسرار

ترجمہ اردو

کشف الاسرار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس بے نیاز کی تعریف ہے جس نے ہمارے وجود کو اربعہ عناصر سے شہود کے میدان میں ظاہر کیا۔ جناب پیغمبر خدا ﷺ کی نعت ہے جن کی اہم لوگ امت ہیں۔

بعد ازاں

عرض پرداز ہوں کہ یہ کتاب جان بوجھ کر چھوٹی اور مختصر لکھی ہے۔ کیونکہ لمبی چوڑی کتاب پڑھنے والا اکتا جاتا ہے۔ پڑھنے والوں کی خدمت التجا ہے کہ اگر کلمہ نامناسب ہو تو اس کی اصلاح کریں۔ نہیں تو از راہ لطف و کرم پردہ پوشی اور درگذر فرمائیں۔

میرے (علی ابن عثمان الجلابی قدس سرہما) پاس طالبوں کے لئے بہت سی ایسی مفید باتیں ہیں کہ اگر ان پر عمل کریں تو مشائخ کے سردار ہو سکتے ہیں۔ میں نے کتاب ''کشف المحجوب'' کو نہایت دلی محبت کے ساتھ تھوڑے ہی عرصے میں مکمل کر دیا تھا۔ اب میں لکھنے کے قابل بعض باتیں لکھتا ہوں اور اس مجموعے کا نام ''کشف الاسرار'' رکھتا ہوں۔ میری نگاہ میں یہ کتاب دوسرے ذکروں سے بہتر ہے۔ سبحان اللہ عما تصفون واللہ ولی التوفیق. اللہ تعالیٰ کی تعریف جو تم کرتے ہو، اس سے پاک ہے اور وہ صاحب توفیق ہے۔

پہلے فقرا کا ذکر کرتا ہوں۔ فقیر کے لئے لازم ہے کہ بادشاہوں یا حاکموں کی جان پہچان اور ان کے میل جول کو اژدہا اور سانپ کی ہم نشینی اور دوستی خیال کرے کیونکہ جب فقیر کو بادشاہ کا لقب حاصل ہوتا ہے تو اس کا سامان

Marfat.com

سفر اور توشہ برباد ہو جاتا ہے۔لباس سے متعلق بہت کچھ روایات و حکایات ہیں چنانچہ میں نے ''کشف المحجوب'' میں مفصل لکھ دیا ہے۔اب صرف اتنا کہلاتا ہوں کہ ترکی کلاہ سر پر رکھ لینے سے فقیری حاصل نہیں ہوتی۔تم خواہ کافرانہ کلاہ سر پر رکھ لو لیکن فقیر بنے رہو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی پر کاربند رہو۔اگر فقیر اس نیت سے فقیرانہ لباس پہنتا ہے کہ اسے دولت مند کی ہم نشینی نصیب ہو جائے تو یقین جانو کہ وہ فقیر نہیں، آتش پرست ہے جو غرور و تکبر سے پُر ہے۔

چونکہ فقیر کے لئے مرشد کی حضوری سے بڑھ کر اور کوئی چیز درکار نہیں ہے، اس لئے مرشد کے داغ کو یاد رکھ۔جب فقیر مسافر، مفلس، قلاش اور مصیبت زدہ ہوتا ہے تو صحیح معنوں میں فقیر ہوتا ہے۔چنانچہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز جناب سرور کائناتﷺ فقر کے بارے میں کچھ فرما رہے تھے کہ فقیر کو معرفت الٰہی کیونکر حاصل ہوتی ہے۔صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم نے پوچھا یا رسول اللہﷺ! اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام جناب الٰہی سے یہ حکم لائے: سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین روئے زمین پر سیر و سیاحت کر کے دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔

پس اے ہجویری! سیر و سیاحت اور سفر لاانتہا دولت ہے۔اسے اختیار کرو اور اسی وقت راہ لے۔دلیلوں اور حجتوں کو چھوڑ۔اگر تجھے سامان سفر کی قدرت ہے تو حج کی راہ لے اور محنت اور مشقت برداشت کر، تاکہ میدان حقیقت میں آ جائے میں نے (علی ہجویری الغزنوی) اسی روز سے روئے زمین کی سیر و سیاحت اختیار کی اور مخلوقات کے عجائبات مشاہدہ کئے۔مختصر یہ کہ ایک روز ماوراء النہر میں حوض کے کنارے بیٹھا وضو کرنے لگا تو میں نے کوزہ میں اپنے منظورِ نظر معشوق کو دیکھا۔مجھے معلوم ہوا کہ واقعی دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔پہلے عفو اختیار کر اور پھر اس پر جان قربان کر دے اور یہ کہہ کر اگر جان اس کی راہ میں قربان ہو جائے تو بہتر۔جب تُو دیکھے تو اللہ تعالیٰ کی کاریگری دیکھ۔تو اپنی شمع کا پروانہ نہ بن جا اور اس بات کی پرواہ نہ کر کہ جان کو غم ہوگا۔ہونے دو۔اس کا ہونا ہی بہتر ہے۔

غرور کو اپنے جسم سے نکال۔جب میں ہندوستان آیا تو لاہور کے گرد و نواح کو بہشت سا پا کر وہیں رہنے سہنے کی ٹھانی۔چنانچہ لڑکوں کا استاد بن کر وہیں بود و باش اختیار کی۔جب مجھے بخوبی معلوم ہو گیا کہ اس پیشے سے میرے دماغ میں حکومت اور بادشاہی کی بو آنے لگی ہے تو پھر میں نے اسے بالکل ترک کر دیا اور پھر اس کا نام تک نہ لیا۔

اے طالب! تو اپنے حبیب اور لطیف کا غم اپنے وجود میں پیدا کر۔راہ خدا کا مردج بن۔رات کو اٹھ کر عبادت کر۔اپنے وجود کے سوراخ کشادہ کر۔بہت بہت رو۔خوش کم ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فلیضحکوا قلیلاً ولیبکوا کثیرا۔پس چاہیے کہ ہنسیں کم اور روئیں بہت۔صبح کے وقت دریا پر جا اور حضرت خضر علیہ السلام سے محبت کر اور اسم مذکور کا ذکر کر تاکہ تو منزل پر پہنچ جائے۔تجھے لازم ہے کہ نفسانی خواہشات کی طرف مائل نہ ہووے۔خلقت کا میل جول ترک کر دے۔تنہائی اختیار کر لے اور خلقت کی طرف سے جو تحفہ، پیش کش، نذر نیاز ملے، فقرا میں تقسیم کر دے۔اس میں کوئی چیز بھی اپنے پاس نہ رکھے۔اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں مشغول نہ ہووے۔اگر کسی قبر یا مزار پر تیرا گزر ہو تو اسے پڑھ کر بخشے تاکہ اسے آرام نصیب ہو۔اور وہ تیرے حق میں دعا کرے۔اگر کسی کی کھجور کی

Marfat.com

گٹھلی بھی ہو تو اس کے حوالے کردے اور اپنے پاس نہ رکھ۔ جس دوست کا کوئی بھید تجھے حاصل ہو تو اُسے نہ پھینک اور اس سے بیزار نہ ہو کیونکہ اس سے تیرا بھلا ہو گا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب منصور حلاج نے دوست کے بھید کا ایک ذرہ ظاہر کیا، جس کے بدلے اسے سر دینا پڑا اور اس کی معرفت خاک میں مل گئی۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام اولیاء اللہ کے دوست ہیں اور اور بقا اور مشاہدہ ربانی اولیاء اللہ کے وسیلے سے حاصل ہوتا ہے۔ صلہ رحم کی دوستی تجھ پر فرض ہے۔ تجھے لازم ہے کہ اپنے ماں باپ کو اپنا قبلہ سمجھے۔ تفسیروں میں بھی لکھا اور حسام الدین لاہوری سے بھی سنا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے والدین کی قبر پر سجدہ کرے تو کافر نہیں ہو جاتا۔ اگر کوئی مشکل پیش آئے تو والدین کی قبر پر جا کر دعا کرے تو اس کی مشکل حل ہو جاتی ہے۔

نیز میں نے حسام الدین لاہوری سے سنا ہے کہ نفس کافر ہے۔ حسب ذیل باتوں کے سوا نہیں مرتا۔ حق کی مدد، خاموشی، بھوک، تنہائی، میل جول کی ترک اور اکیلے بیٹھ کر ہر دم خدا کی یاد کرنا۔

جب شیخ حسام الدین لاہوری کا آخری وقت قریب آیا تو مجھے کہا جان من! دعا کرو میرا خاتمہ ایمان پر۔ تجھے اچھی طرح یاد ہے جب جان کنی کا موقع آیا تو اس کے منہ پر کان لگا کر سنا۔ وہ کہہ رہا تھا: اللھم انت ربی وانا عبدک یا اللہ! تو میرا پروردگار ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ وہ اسّی سالہ نیک مرد تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں نے آخری وقت اس سے وصیت چاہی تو کہا اے ہجویری! ہر دم بنی آدم کی تسلی وتشفی کرتے رہنا، نیکی کرنا، کوئی ایسی بات کرنا جس کے سبب ہر کوئی مجھ سے خوش ہو جائے، کسی کا دل نہ ستانا، مروّت سے پیش آنا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یار نہ بنانا۔ نیز کہا کہ اپنے علم کو ضائع نہ کرنا، مال اور اولاد کو فتنہ سمجھنا، دیکھ اب جبکہ میری جان نکل رہی ہے۔ فرزند میرے کچھ نہیں آ رہے۔ جو کچھ میں نے کہا وہی میرے پیش آیا اور آئے گا۔ پس تجھے لازم ہے کہ ماں باپ اور بنی نوع انسان کی دلجوئی کرنا اور اس سے بھلائی کرنا۔

میں نے تاج الدین کو یہ کہتے سنا کہ ایک کیڑا (بھنورا) ہے جو پھول کی خوشبو سونگھتا ہے۔ لوگوں نے جب اسے دیکھا کہ جہاں چنبیلی اُگی ہوئی تھی، اس مٹی میں لوٹ رہا ہے اور غمگین ہے تو پوچھا کہ وہ تمہاری چنبیلی کیا ہوئی؟ کہا میں نے سنا ہے جل گئی۔ لوگوں نے کہا کہ ارے تیرا عشق خام ہے۔ اگر واقعی عاشق ہوتا تو پیچھے کیوں رہ جاتا۔ اس کے ساتھ ہی کیوں نہ جل مرتا۔ اس نے کہا یارو! میں پردیس گیا ہوا تھا۔ میری عدم موجودگی میں برباد ہوا۔ اب تو میں بہتیرا چاہتا ہوں کہ مجھے اس کی جگہ ہی نظر پڑے۔ وہ جگہ بھی تو دکھائی نہیں دیتی کیونکہ جہاں وہ پیدا ہوا تھا وہاں کی مٹی کو اپنا تاج سر جانتا ہوں۔ میں اسے سر پر ڈال رہا ہوں۔ اے یار! تجھے لازم ہے کہ سچا عاشق بنے اور اپنے پیر ومرشد کے پاؤں میں جان دے دے۔ مرشد کے قریب ہی رہے۔ ہر وقت مرشد کا دیدار کرتا رہے تاکہ تو حقیقت اور طریقت حاصل کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اب یہ کلام ختم اور دوسرا شروع ہوتا ہے:۔

سنو اور گوش ہوش سے سنو! یہ باتیں تمہارے کام آئیں گی۔ یہ اچھی طرح یاد رکھو کو خواہ تم ہفت ہزاری بھی

Marfat.com

ہو جائے تو کیا ہو جائے گا۔ آخر تم مٹھی بھر گرد ہو اور ہو جاؤ گے۔ تم منی کا ایک قطرہ ہو۔ کیوں اس قدر غرور کرتے ہو۔ آخر کار جو کچھ تمہیں دنیا سے نصیب ہے وہ لے دے کر چار گز کفن ہے۔ وہ بھی خدا جانے نصیب ہو یا نہ ہو۔

اے طالبو! غور کرو اور سمجھو۔ غرور وتکبر کو چھوڑ دو۔ راہ حق کے مرد بنو۔ بیگانے کو اپنے پاس نہ آنے دو۔ دولت کو عذاب سمجھو۔ دولت اہل فاقہ کو دے دو۔ قربان کر دو۔ اگر نہ دو گے تو قبر میں کیڑے بن کر کھائے گی۔ اگر دے دو گے تو وہ تمہاری دوست بن جائے گی۔ تمہارے ہاتھ پاؤں بھی تمہارے دشمن ہیں۔ جب تم مر جاؤ گے تو تمہارے پاؤں کہیں گے کہ تم بری جگہ کیوں گئے تھے۔ ہاتھ کہیں گے تم نے غیر کی چیز کو کیوں چھوا۔ آنکھیں کہیں گی تم نے کیوں بری نگاہ سے دیکھا۔ ایسا خیال کر کے کسی چیز کی خواہش نہ کرو۔ اپنے گناہوں کے لئے دن رات استغفار کرتے رہو۔ استاد کا حق بجا لاؤ۔ کمزور خلقت پر رحم کرو۔ حرام لقمہ نہ کھاؤ۔ بے عزتی کی جگہ پر قدم نہ رکھو۔ جو عزت کرے اس کے پاس بیٹھو۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں۔(۱) توبہ گناہوں کو، (۲) جھوٹ رزق کو، (۳) چغلی علم کو، (۴) غم عمر کو، (۵) صدقہ بلا کو، (۶) غصہ عقل کو، (۷) پچھتانا سخاوت کو، (۸) تکبر علم کو، (۹) نیکی بدی کو اور (۱۰) ظلم عدل کو۔ میں یہ باتیں ہر طالب کو بتاتا ہوں تاکہ ان پر عمل کرے اور میرے حق میں دعائے خیر کرے۔ مجھے یاد رکھے اور خدا تعالیٰ کو پہچانے۔ غیر پر بالکل نگاہ نہ کرے۔

طالب کے لیے ضروری ہے کہ غرور وتکبر اور خود پسندی کو چھوڑ دے اور انہیں اپنے شہر سے نکال دے۔ جن اسما کو اس نے کتاب میں آگے چل کر لکھا ہے اور جن کی صفت مجھ سے پوری پوری ادا نہیں ہو سکتی، انہیں اپنا ورد بنائے۔

لقمان حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے چار سو پیغمبروں کی خدمت کی جن سے کل آٹھ ہزار کلمات حاصل کئے۔ ان میں صرف آٹھ میں نے چن لئے جن پر عمل کرنے سے خدا شناسی حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ اول جب نماز ادا کر رہے تو اپنے دل کو قابو میں رکھو۔ دوسرے جماعت کے یار بنے رہو۔ تیسرے جب کسی کے گھر جاؤ تو اپنی آنکھ کو محفوظ رکھنا۔ چوتھے جب خلقت کے پاس آؤ تو زبان کی نگہداشت کرو۔ پانچویں اللہ تعالیٰ بزرگ و بلند کو فراموش نہ کرو۔ چھٹے موت کو نہ بھلا دو۔ ساتویں جو نیکی کسی کے حق کرو اسے بھول جاؤ۔ آٹھویں بدی جو تم سے کی جائے، اسے فراموش کر دو۔

اے عزیز! ان باتوں کو یاد رکھو۔ میں عمر بھر ان پر عمل کرتا رہا ہوں۔ میں نے اپنے والد بزرگوار قدس سرہ سے سنی تھیں۔ میری جائے پیدائش ہجویر ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے حادثوں اور مصیبتوں سے بچائے اور ظالم بادشاہ سے محفوظ رکھے۔ میں نے وہاں (ہجویر) بہت عجائبات دیکھے ہیں۔ اگر میں انہیں لکھوں تو قلم سیاہ آنسو روئے اور عاجز ہو جائے۔ وہاں ایک شیخ بزرگ نام عمر رسیدہ آدمی تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ اے علی! تو اسی عمر میں ایک کتاب تیار کر جو تیری یادگار رہے۔ میں نے عرض کیا یا شیخ! جو جانتا ہے وہ نہ جانے تو؟ جب انہوں نے بہت کچھ کہا تو میں اسی وقت بارہ سال کی عمر شہر ہجویر کے اندر ایک کتاب بنا کر ان کے پیش کی۔ مجھے فرمایا کہ تم بزرگ ہو گے۔ میں نے کہا جناب

Marfat.com

کی عنایت! مجھے ان کی حسب ذیل نصیحتیں یاد ہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ اپنے معشوق سے محبت کریں۔ معشوق کون ہے۔ باخدا ہے جو اسے یاد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر مہربانی کرتا ہے۔ تو معشوق مجازی اختیار کر کیونکہ جناب پیغمبر خداﷺ فرماتے ہیں المجاز قنطرة الحقیقة مجاز حقیقت کا پل ہے۔ فقیروں کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دے۔ میرے استاد شیخ ابوالقاسم جن سے علم حاصل کرتا ہوں، فرماتے ہیں کہ فقیر کے لیے لازم ہے کہ ہر وقت اپنے مرشد کو حاضر ناظر سمجھے۔ مرشد وہ ہوتا ہے جو بذریعہ مراقبہ مرید کو دیکھتا رہے۔ فقیر کے لئے لازم ہے کہ بیعت اس وقت کرے جب اپنے آپ میں قوت پائے۔ اگر قوت نہ ہو تو مرید مرشد دونوں ہی خراب ہوتے ہیں۔ فقیر کا طریق بہت مشکل ہے میں نے اپنے دل میں ٹھان لی ہے کہ سفر اختیار کروں تاکہ میرے دل پر زنگار نہ بیٹھ جائے بلکہ دل صیقل ہوتا رہے، کیونکہ جب لوہے پر زنگ آجاتا ہے تو صیقل ہی سے دور ہوتا ہے۔

اے میرے معشوق! اللہ تعالیٰ سے دعا کر یا اللہ! میرے دل کو روشن چراغ بنا اور مجھے اپنی یاد کا شوق بخش اور میرے دل کو غیر سے خالی کر۔ میرے مرشد کو مجھ پر مہربان کر کہ پہلے مجھے شکر بخش، بعدازاں دولت دے۔ پہلے مجھے کدورت سے پاک کر، بعدازاں اپنی طرف سے عنایت کر۔ پہلے مجھے صبر وصبوری بخش، بعدازاں مجھے بیماری دے۔ یا اللہ! مجھے وہ عنایت کر جو بہت نیک اور عمدہ ہو اور مجھے اس بات کی توفیق دے جو پسندیدہ ہے۔

مبتدی کو سماع نہیں سننا چاہیے بلکہ اس کے پاس تک نہیں بھٹکنا چاہیے بلکہ الگ رہنا چاہیے یہ رستہ بہت مشکل ومحال ہے۔ زوال کا زیادہ اندیشہ ہے تو گوشہ گیری اختیار نہ کر، بلکہ اللہ تعالیٰ سے مرشد کامل کی صحبت طلب کر۔ اس کی محبت میں مجنوں بن جا۔ بغیر ہم کلامی معشوق اختیار کرنا سراسر جہالت ہے۔ اے عاشق صادق سن! مجھے ایک دوست کا کام یاد آ گیا جو مجھے کہتا تھا کہ اے یار! اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربانی کرے تو میں جنگل میں جا کر یاد الٰہی کروں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں مشغول نہ ہوں۔ میں نے کہا کہ میں ''علی بن عثمان جلابی قدس سرہ'' اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ وہ دوست پاس ہو، میری باتوں اور مکروہ کاموں سے بچتا رہے۔ جہاں تک ہو سکے کسی مرد خدا کے ساتھ رہے۔

اللہ تعالی جو حکیم وعلیم ہے، عزیز ہے، شفیق ہے، اس کا لطف عام ہے۔ کریم ہے، رحیم ہے، رحمان ہے، غفار ہے، جبار ہے، قہار ہے، وہاب ہے، سلطان ہے، حنان ہے، گنہگاروں کا فریاد رس ہے۔ اس سے میری یہ التجا ہے کہ یا اللہ! شہادت کے وقت بندش نہ رکھنا اور مجھے بہشت بریں عنایت کرنا۔ میرا معشوق میری بغل میں دینا۔ مجھے عذاب میں مبتلا نہ کرنا۔ میں بیمار اور روگی ہوں تو شافی وکافی ہے۔ مجھے یہی بات پسند آتی ہے کہ گوشہ گیری اختیار کروں اور معشوق کے چہرے کے سوا اور کسی کا چہرہ نہ دیکھوں۔ اے علی! خلقت تجھے گنج بخش کہتی ہے حالانکہ تیرے پاس ایک دانہ بھی نہیں۔ تو اس بات پر فخر نہ کرنا کیونکہ یہ غرور ہے۔ گنج بخش اور رنج بخش حق تعالیٰ کی ذات ہے جو بے مثل، مانند، بے شبہ اور بے نمون ہے۔ شرک نہ کر۔ جب تک زندہ ہے، اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک خیال کرنا۔

میرے طالب! دنیا پانی پر کشتی کی طرح ہے اور بے آب ملک ہے تو غوطہ لگانے والا غوطہ خور بن نہ کہ ڈوبنے والا۔ ایسا کام کر کہ تجھ سے کسی کو فیض پہنچے، کسی کا دل ناراض نہ کر۔ دین پناہ بادشاہ کی طرح ظلم وستم کا روا

کرنے والا اور رعیت کے نفع و نقصان کا جاننے والا ہونا چاہیے۔ غفلت نہیں کرنی چاہیے۔ دنیا کو کینہ اور ادنیٰ سمجھ۔ عقبیٰ کا بھی طالب نہ بن۔ عقبیٰ کو بھی عذاب ہی خیال کر۔ تو مولیٰ کا طالب بن تا کہ تو مذکر اور نر ہو جائے۔ طمع اور خواری کو اچھی طرح سمجھ لے۔ دنیاوی مکر و عقل کو اپنے آپ سے دور کر۔ ایمانی عقل کے لیے اللہ تعالیٰ سے التجا کر۔ مرشد کو اپنا قبلہ جان۔ اس کے سامنے حاضر رہ اور نفس کو موٹا تازہ نہ بنا۔ میری نصیحت مان۔ اے علی! تو کیوں ایسی دل لگی اور ہنسی مخول کرتا ہے۔ تُو تو پُرنور آدمی ہے۔ طور کی طرح پُر ظہور ہے۔ شیطان سے دور رہ۔ اب تو جہاں میں نور ہے۔ اپنے آپ کو خاک بنا تا کہ تو نیک اولاد ہونے کا مستحق ہو جائے۔ اے علی! تو نے اتنے سفر بھی کیے لیکن دو ملعونوں کو دور نہ کر سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو نے کچھ نہیں دیکھا۔ تو اپنے آپ کو خاک بنا تا کہ باطن دیکھ لے۔

اے علی! تُو تو عجب دلربا ہے۔ تو گویا یوسف کنعانی ہے۔ تُو تو کوئی جہاں کی جان ہے۔ تُو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے۔ آخر تُو نے کیا پڑھا کہ تُو ایسا گھبرایا ہوا ہے۔ تُو نے دشمنوں کو اپنے آپ سے دور کیوں نہ کیا۔ تُو نے اپنے اوپر گناہوں کی گرد بٹھائی۔ تُو اپنے ہاتھ سے جوہر صاف نہیں کرتا۔ اے محل تُو اپنے دل میں عمارت بنا۔ تو نے نہیں سنا عمارت تجارت ہے۔ ذکر الٰہی کی کچی پکی اینٹوں سے ایک دلکش عمارت تیار کر۔ اے علی! تو عقلمند، بالغ، ولی اللہ، صاحب تاج و تخت اور فقر فقیری کے تخت پر سونے والا ہے۔ تُو نیک درخت کی پرورش کرتا کہ پھل اٹھائے، تُو پیر دلپذیر اور بادشاہ کا وزیر بنا ہوا ہے۔ اپنی وزیری کو دلگیری میں خاک کر۔ اے علی! تو بادشاہ ہے۔ چاند کی طرح سورج کا سہارا نہ لے۔ جب تک تو مرد راہ اور فخر کنندہ شیر ہے، تب تک تو بمنزلہ تنکا ہے۔ ایسا نہ ہو انجام کار تجھے روسیاہی نصیب ہو۔ اپنے آپ کو خاک کرتا کہ مردِ خدا بن جائے۔

اے علی! تُو بلند مرتبہ سورج ہے اور اونچا آسمان ہے بلکہ سورج کا رکھنے والا ہے۔ خوش ہو۔ اپنے آپ کو خاک کرتا کہ حور چہرہ مرد بن جائے۔ اے علی! تیرے پاس روشن چمک دار اور آبادار ہوتی ہے۔ تیرے پاس مالک کی طرح بار برداری ہے۔ تو اپنے مصر (شہر) میں رہ کر بے عزتی نہ دیکھ۔ بڑھیا عورت کی طرح حرص اور لالچ نہ کر۔ اللہ تعالیٰ سے موافقت کیے رہ۔ شریک سے مل بیٹھ۔ یادیار میں خوشبو سے کھیل۔ صبر اختیار کر۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر ناز نہ کر۔ بھید ظاہر نہ کر نماز قضا نہ کر۔ کیونکہ تو کامل عامل اور بوجھ کا اٹھانے والا ہے۔ آخر میں تو نیک بخت ہے۔ اپنی جزا میں سختی حاصل کرنا جائز نہیں سمجھتا۔

اے میرے طالب! تم میرے لخت جگر ہو۔ ان باتوں پر عمل کرنا۔ اے علی! کیوں باتیں بناتا ہے۔ تُو اپنا کر۔ کیا تُو نے نہیں سنا کہ تجربہ کاروں نے کہا ہے۔ تعلقات قطع کرو۔ حق کے واصل بنو اور اس کے سوا کسی کی تلاش نہ کرو۔ مجھے یعنی (علی بن عثمان جلابی قدس سرہ) پاس ورد کی نہایت عجیب و غریب باتیں ہیں۔ میں ہر دم سوائے اپنے معشوق کے اور کسی کو پیار نہیں کرتا اور اس کے دیدار کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ اس کے نام کے سوا میرا کوئی ورد نہیں۔ کبھی میں اس کے چاند کو فریفتہ کرنے والے چہرہ کو دیکھتا ہوں اور کبھی اس کے دونوں رخساروں کو دیکھتا ہوں۔ کبھی میں اس کی خاک کو حقیقت میں آنکھ کا سرمہ بناتا ہوں۔ کبھی اس کے نقش پا کو بدر جانتا ہوں۔ کبھی اس کے دانتوں کی

لڑی پر جان کا موتی قربان کرتا ہوں۔ کبھی اس کے سرور رفتار پر اپنی رائے کی فکر کو روشن کرتا ہوں رات بھر غم عشق کی خواری میں رہتا ہوں۔ دن بھر اس کی محنت وزاری میں دل کہ اس پر قربان کیا تو اس قدر ذلیل ہوا۔ میں نے کپڑے یہاں تک پھاڑ ڈالے کہ سارا بدن ننگا ہو گیا۔ میں خطا کار فقیر اور گناہ گار حقیر ہوں جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی یاد میں دل ہار دیا ہے۔ سوائے عشق کے اور کسی میں مشغول نہیں ہوں۔ کبھی میں دنیا کو بیت الخلا جانتا ہوں اور کبھی اس سرائے کو آرام کی جگہ خیال کرتا ہوں۔ کبھی آسمان پر جا بیٹھتا ہوں۔ کبھی زمین پر رہ جاتا ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو خاک کر لیا ہے۔

اے میرے طالب! بیدل نہ ہو۔ یادِ حق میں عمر بسر کر۔ اپنے آپ کو سختی میں رکھ اور محنت کر تا کہ مرد بن جائے۔ اکیلے رہنا نہایت بے بہا چیز ہے اور بیش قیمت اسباب ہے۔ مرشد کی حضوری ہر وقت اور ہر لحظہ رکھنی چاہیے۔ مزاروں پر جا کر فاتحہ پڑھنا چاہیے تا کہ اہل مزار بھی دعا کریں۔ یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنا چاہیے کیونکہ یہ ایک بہترین فرض ہے۔ نماز باجماعت ادا کرنی چاہیے۔ دل سے وضو کرنا چاہیے۔ میں نے بیت اور شعر بہت لکھے ہیں۔ ایک دیوان بھی ہے جو پسندیدہ ہے اور اچھے اچھوں نے اسے پسند کیا ہے۔ حسب ذیل غزل اسی دیوان سے ہے:

شوق تو در روز و شب دارم دلا ‏ عشق تو دارم بہ پنہان و ملا
جان خواہم دادمن در کوئے تو ‏ گر مرا آزار آید یا بلا
عشقِ تو دارم میانِ جان و دل ‏ مید ہم از عشق تو ہر سو صلا
یا خداوندا رقیباں رابکش ‏ یا مرا دریا دکن مست بلا
جامِ من دارد شراب یارِ خود ‏ مہرباں کُن برمن و ہم مبتلا
اے چپاکز تو اگر خواہم لقا ‏ گر تو آری و بکن ہرگز قولا
اے علی! تو فرخی در شہر و کوئے ‏ دہ زعشق خویشتن ہر سو صلا

بعد ازاں میں لکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہر دم بیان کرنی چاہیے کیونکہ اس کے سوا نہ ہمارا کوئی پشت و پناہ ہے۔ نہ فریاد رس۔ میرے طالب! میں اور تُو غریب ہیں۔ دعا کر کہ اللہ تعالیٰ ہم پر فضل و کرم کرے اور اپنی یاد کا ذوق عنایت کرے۔ میں ایک بیچارہ اور آوارہ آدمی ہوں۔ میرا ظاہر و پوشیدہ ہونا برابر ہے۔ میں ہر دم معشوق کو یاد کرتا ہوں۔

میرے طالب! میں نے دنیا بہت دیکھی بھالی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد مانگو۔ اگر تم میں اکیلے رہ کر سلامت رہنے کی قوت ہے تو بیوی نہ کرو کیونکہ یہ بڑی مصیبت اور دردناک عذاب ہے۔ لاہور میں اپنی آنکھوں دیکھا اور اپنے کانوں سنا کہ کریم اللہ نام ایک سوداگر تھا۔ اس کے گھر میں اس قدر مال تھا کہ سونا اس کے ہاتھ میں غلہ کی طرح تھا۔ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام امام بخش رکھا۔ اسی روز اس کا مال چوروں نے رستے میں لوٹ لیا۔ جب اس نے یہ خبر سنی تو پروانہ کی۔ دوسرے روز اس سے بھی بری خبر سنی۔ غرضیکہ اس کا مال و اسباب تھوڑے ہی

سالوں میں برباد ہوگیا۔ گھر سے نکل آوارہ ہوا۔ دولت کے واسطے مارا مارا پھرا لیکن کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اس کے لڑکے کو جب معلم کے پاس بٹھایا تو اس نے معلم کی داڑھی پر ہاتھ مارا۔ اس نے بددعا کی تو خراب اور آوارہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ اس کی عورت چکی کندھے پر اٹھا بازار بیچنے گئی جس سے چار دینار ہاتھ آئے۔ وہ خاوند کی دشمن ہوگئی۔ اس کا لڑکا کونی ہوگیا۔ وہ سوداگر مفلس وقلاش ہوکر پردیس میں مرا۔ اس کا لڑکا اس حالت میں مرگیا اور اس کی عورت نے اسی طرح بے مروتی میں جان دی۔ غرضیکہ دنیا خوشی کا مقام نہیں، سراسر درد ہے۔ اگر وہ مرد گوشہ نشینی اور تنہائی اختیار کرتا تو اتنا خراب نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہی ایسی تھی۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ دم مارنے کی جگہ نہیں۔ وہ آقا ہے ہم اس کے بندے ہیں۔ یا اللہ! علی کی عاجزی پر رحم کر اور اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے علی کو بخش اور اس کی حالت پر رحم کر کیونکہ یہ عاجز ہے، بے کس ہے۔ اس کا کوئی یار نہیں اور تیرے سوا کسی کو نہیں چاہتا اور اس کا ورد تیرے نام کے سوا اور کوئی نہیں سوائے غربت کے اور کوئی کسب نہیں جانتا۔ یا اللہ! مری بے کسی پر رحم کیجیو۔ تُو رحیم ہے، حلیم اور شفیق ہے۔ میں گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں۔ تُو مجھے بخش۔ یا اللہ! مجھے بہشت عنایت کرنا تاکہ میں اس میں خوش رہوں۔ نہ میں تیرے سوا کسی کو چاہتا ہوں نہ تیرے سوا میرا کوئی ہے نہ تیرے بغیر میری کسی سے بنتی ہے۔

اے طالب! حق کا طلب بن۔ تکلیف سے نہ ڈر۔ فقیری مشکل ہے۔ علم پڑھ، علم سیکھ اور عمل کر۔ والدین کو بلاشک وشبہ قبلہ جان کیونکہ ایسا کرنے سے تو منزل الٰہی پر پہنچ جائے گا۔ انشاء اللہ تو صدر ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تیرے شامل حال ہو جائے گا۔ میرے عیب ڈھانک۔ مجھے خواری نہ دے۔ اے طالب! میں ہر روز یار کے دیدار کے لیے جاتا ہوں لیکن کبھی کبھی وہ ہنستا ہوا چاند نظر آتا ہے۔ دیوان بھی مَیں نے اسی حالت میں کہا ہے۔ جب یار کا چہرہ دیکھتا بلا اختیار بے سوچے میری زبان سے غزل نکل جاتی۔ جتنی غزلیں ہیں، تمام کی تمام بغیر زور طبیعت خود بخود منہ سے نکلی ہیں۔ میں عاجز وتقصیر ہوں۔

اے بصیر! مجھ پر رحم کر کیونکہ میں بے تدبیر ہوں۔ تُو قادر ہے یا الٰہی! بلا شرکت کارساز ہے۔ وحدہ، وحدہ، وحدہ، لاشریک لہ ہے۔ اے میرے طالب! جو کچھ اللہ تعالیٰ عنایت کرے اس پر راضی رہ۔ اگر جنگل بخشے تو اس میں رہ۔ اگر آبادی بخشے تو اس میں خوش رہ۔ اگر وطن نصیب کرے تو وطن میں رہ۔ اگر پردیس دے تو پردیس میں رہ۔ غرضیکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ بخشے اُسی پر رہ۔ اگر گودڑی دے تو پہن لے، اگر قاقم دے تو اسے اوڑھ لے، اگر گدھا دے تو اس پر سوار ہو جائے، اگر گھوڑا دے تو اسے بھی نہ چھوڑ۔ جو کچھ دے لے لے، جو نہ دے اس پر صبر کرتا کہ تو مردِ راہ بن جائے اور تو خدارسیدہ ہو جائے۔ صبر عجب چیز ہے۔ حدیث میں آیا ہے: الصبر مفتاح الفرح. صبر خوشی کی چابی ہے۔ صبر اختیار کرو اور مردِ راہ بن، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر مہربانی کی ہے، تجھے بخش دے گا۔

اس کتاب کے پڑھنے والو! اگر میری کتاب کو پڑھو تو میرے حق میں دعائے خیر کرنا۔ اب میں رُخصت ہوتا ہوں اور الوداع کہتا ہوں اور تمہیں اللہ جل جلالہ وعم نوالہ واعلا صفاۃ کے سپرد کرتا ہوتا کہ تم خوش رہو۔ میرے کہنے پر ناراض نہ ہونا اور غصہ نہ کرنا میں نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے ؏ بر رسولاں بلاغ وباشد وبس۔

Marfat.com

قاصدوں کا کام صرف پیغام رسانی ہے۔ وما علینا الا البلاغ ۔ ہمارا کام صرف پیغام پہنچانا ہے۔ تمہیں لازم ہے کہ عمل کرو اور میرے حق میں دعا کرو یا میرے خدائے برحق جل جلالہ وعم نوالہ میری کتاب کو منور کر اور مجھ پر نوازش فرما۔ میرے گناہ بخش دے جو کچھ ہے تو ہے:

مکن اے علی ازیں گفتگو — کہ مردِ خدائی پاکیزہ خُو
ہر آنچہ تو داری ثواب و عذاب — خدا داند آں راہمہ بالصواب

شجرہ طیبہ شیخ علی ہجویری قدس سرہ

علی ہجویریؒ آں پیرولایت — زدست شیخ بو الفضلؒ ہدایت
ابوالفضل از علی حصریؒ گرفتہ — بدست خدمت اسرار نہفتہ
علی حصریؒ بوے اسرار کلی — رسید از خدمت بوبکر شبلیؒ
بہ شبلی ازجنیدؒ آمد عطائے — کہ در عالم شدہ او رہنمائے
جنید ازسری وسقطیؒ بپوشید — لباس پارسائی راچہ خوش دید
سری سقطیؒ ازمعروفؒ خرقہ — بہ برپوشید وشد والئے فرقہ
شدہ معروفؒ از داؤد طائیؒ — چراغ خانقاہ پارسائی
بہ داؤد از حبیبؒ آں فتح باب است — حبیب آں کز حسنؒ او کامیاب است
حسن بصری مرید مرتضیٰؒ بو
علی را پیر کامل مصطفیٰ بود

☆......☆......☆

مختصر حالاتِ زندگی حضرت داتا گنج بخشؒ

اسم شریف، ولدیت، وطن

آپ کا اسم شریف علیؒ تھا اور والد صاحب کا نام عثمان تھا۔ غزنی کے رہنے والے تھے۔ ہجویر اور جلاب اسی غزنی کے دو محلے تھے جن سے کہ آپ منسوب کئے جاتے تھے۔

ولادت

آپ غزنی ہی میں پیدا ہوئے۔ سنہ ولادت کو متعین نہیں کیا گیا مگر یہ قیاس صحیح ہے کہ آپ ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ

میں عدم ہستی سے ہستی دنیا میں تشریف لائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب غازی محمود غزنوی ہندوستان پر ساتواں حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔

مذہب

آپ اہل سنت والجماعت تھے اور مسائل فقہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے۔

نسب

آپ سید حسینی تھے اور آپ کا سلسلہ نسب نو واسطوں سے آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہے۔

مرشد

آپ سلسلہ جنیدیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی سلسلہ کے ایک شیخ کامل کے ہاتھ پر آپ بیعت تھے جن کا نام ابوالفضل محمد بن حسین الختلی تھا۔ اس کا ثبوت آپ کی تصانیف سے مل سکتا ہے۔

اساتذۂ علم

آپ نے علم کے حصول کی غرض سے دور دور سفر کئے۔ ''کشف الاسرار'' میں خود ابوالقاسم کو اپنا استاد بتایا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ سے بھی حصول فیض کیا ہے۔

شادی

آپ کی دو شادیاں ہوئیں اور غالب خیال یہ ہے کہ دونوں آپؒ کے والدین ہی نے کی ہیں کیونکہ آپ عورتوں سے قطعاً متنفر تھے۔ آپ کی پہلی شادی کے بعد جب دوسری شادی ہوئی تو آپ نے کہا کہ خدا نے بارہ برس تک اس آفت سے محفوظ رکھا مگر قسمت نے بالآخر پھر اس میں لا پھنسایا۔

دونوں شادیوں میں وقفہ

حضرت داتا صاحبؒ کے مندرجہ بالا اشارے سے یہ بات عیاں ہے کہ آپ نے پہلی زوجہ محترمہ کے انتقال کے بارہ برس گذرنے کے بعد دوسرا نکاح کیا۔ اس سے دونوں شادیوں میں بارہ برس کا وقفہ گذرا۔ خدا نے ایسا کیا کہ اس دوسری بیوی کا بھی ایک سال بعد انتقال ہوگیا۔

Marfat.com

سیر وسیاحت

آپ نے ظاہری اور باطنی کمالات حاصل کرنے کی غرض سے بہت ہی دشوار گذار راستوں کو طے کر کے دور دور کے سفر اختیار کئے چنانچہ اس مقصد کے لئے خراسان، ماوراء النہر مرو اور آذربائیجان تک سفر کئے۔

تصانیف

آپ کثیر التصانیف تھے۔ آپ کی تصنیفات فن تصوف میں عجیب وغریب ہیں۔ آپ کا ایک دیوان تھا جو کہ آپ کی زندگی ہی میں کسی نے چرالیا اور اس کو اپنے نام سے منسوب کر دیا۔ علاوہ ازیں منہاج الدین، اسرار الخرق والمومنات، کشف المحجوب، الرعایت بحقوق اللہ، کشف الاسرار، البیان اہل العیان وغیرہ آپ کی معرکتہ آلارا تصانیف ہیں جن میں بعض کتابیں طبع بھی ہو چکی ہیں اور ان کے تراجم بھی ملک فضل الدین چنن الدین صاحبان مالک اللہ والے کی قومی دکان بازار کشمیری لاہور نے کرا دیئے ہیں جنہوں نے تصوف کی بے شمار کتب کے ترجمے کرا کر نہایت محبت اور محنت سے طبع کرائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس شغل میں انہماک دے آمین۔ بعض کتابیں بالکل مفقود ہو چکی ہیں۔

شاعری

اس فن میں آپ کسی کے شاگرد نہ تھے بلکہ ایک خداداد ذہانت اور تائید خداوندی تھی جو آپ سے شعر کہلواتی تھی۔ دیوان کے چوری ہو جانے سے آپ کا شاعرانہ کلام بالکل مفقود ہو گیا۔ کچھ اشعار "کشف الاسرار" کے آخر میں ہیں۔ ناظرین ان کو ملاحظہ فرما کر آپ کے مذاق سلیم اور ذہانت کی داد دیں۔ وہ اشعار "کشف الاسرار" میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کا لاہور آنا

جب آپ کامل ہو گئے تو آپ کے مرشد نے فرمایا کہ اے علی! اب تو لاہور جاؤ تا کہ باشندگان لاہور تم سے استفاضہ کریں۔ آپ نے فرمایا بھی کہ وہاں میرے پیر بھائی حسین زنجانی ہیں۔ میری وہاں کیا ضرورت ہے۔ مرشد نے فرمایا کہ حیل وحجت کی ضرورت نہیں۔ چلے جاؤ۔

آپ نے مرشد کے حکم کو قبول فرمایا اور عازم سفر لاہور ہوئے۔

رفیقانِ سفر

بعض کہتے ہیں کہ آپ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ لاہور تشریف لائے مگر یہ کچھ صحیح معلوم نہیں ہوتا بلکہ آپ چند دیگر بزرگان دین کے ہمراہ تشریف لائے جن کی ہمراہی میں آپ نے لاہور کو تقدس بخشا۔ ان میں ایک

Marfat.com

ابوسعید ہجویری تھے جو آپکے ہم وطن تھے اور دوسرے خواجہ احمد سرخسی تھے۔

یہ دونوں کہاں دفن کیئے گئے؟

حضرت داتا صاحبؒ کے روضہ اقدس کے باہر داہنے اور بائیں طرف دو چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں قبریں ابوسعید ہجویری اور خواجہ احمدؒ سرخسی کی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

راز کھل گیا

جب آپ لاہور پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ شہر سے ایک جنازہ لے کر نکل رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ کیوں صاحبو یہ جنازہ کس کا ہے۔ انہوں نے کہ حسین زنجانیؒ کا ہے آپ مبہوت ہو کر رہ گئے اور سوچنے لگے کہ مرشد نے مجھے اسی واسطے یہاں بھیجا ہے کہ اب ان کا وقت ختم ہو چکا ہے لہٰذا اب میں ان کی جگہ کام کروں۔

حسین زنجانیؒ

حسین زنجانیؒ کا مزار موضع کھوہی میراں میں ہے۔ یہ لاہور سے بہت ہی قریب فاصلہ پر ہے۔

داتا صاحبؒ نے لاہور آ کر سب سے پہلے کیا کام کِیا؟

آپؒ نے لاہور پہنچ کر ایک مسجد تعمیر کرائی۔ اس کی تعمیر کرنے میں مزدوروں کے ساتھ برابر شریک شغل رہے۔ اس کی تعمیر آپ نے اپنی رقم سے کرائی۔

اظہارِ کرامت

جب مسجد بن رہی تھی تو اہل شہر یہ کہنے لگے کہ قبلہ زیادہ ٹیڑھا ہے۔ آپ نے یہ اعتراض سن کر کچھ نہیں کہا۔ جب مسجد تیار ہو چکی تو آپ نے ان لوگوں کو بلایا اور ان کو اپنی امامت میں نماز پڑھائی۔ جب نماز پڑھ چکے تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو مسجد کا قبلہ درست ہے یا نہیں؟ یہ کہتے ہی جملہ حاضرین کے سامنے بیت اللہ کی عمارت آ گئی جسے دیکھ کر سب دم بخود ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہاں اس میں کوئی کجی وغیرہ نہیں۔ بالکل درست ہے۔ یہ کرامت لاہور کیا بلکہ پنجاب میں سبب شہرت بن گئی۔

سب سے پہلے کون شخص آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا؟

آپ بہت ہی رحم دل اور نہایت ہی بااخلاق بزرگ تھے۔ آپ نے ہندوستان میں ہزاروں کافروں کو

دولت اسلام سے مالا مال کیا چنانچہ سب سے پہلا شخص جو آپ کے ہاتھ پر ایمان لایا۔ وہ رائے راجو نامی نائب سلطنت پنجاب تھا۔ چونکہ یہ ہندوستان میں سب سے پہلا شخص ہے جو آپ کے دست حق پر مشرف باسلام ہوا اس لئے بطور یادگار آپ نے اس کا نام "شیخ ہندی" رکھا۔ موجودہ مجاور خدام جن کا تعلق آپ کے روضہ مبارک سے ہے، اس شیخ ہندی کی نسل میں سے ہیں۔

لباس

آپ کا لباس کوئی خاص نہ تھا۔ دنیا طلب فقیروں کی طرح نہ پشم ہی تھی اور نہ امراء کی طرح پُرتکلف کپڑے۔ جو آپ کو مل گیا پہن لیا مگر بالعموم آپ ایک سخت گدڑی زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

آپ کی درس گاہ

آپ نے لاہور میں بچوں کو تعلیم دینا شروع کر دیا مگر اس وجہ سے کہ اس کام میں حکمرانی کی بو آتی ہے، اسے ترک کر دیا۔

آپ حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے

آپ نے آنحضرت ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ آپ نے حضور اکرمؐ کو دیکھ کر عرض کیا کہ یا حضرت! کچھ فرمایئے۔ حضور پاک ﷺ نے جواب میں فرمایا اپنے حواس کو خدا تعالیٰ کے عشق میں مقید کرو اس لئے کہ حواس کا مقید کرنا مجاہدہ کامل ہے اور جملہ قسم کے آلات و علوم ہی حواس پنجگانہ سے حاصل ہوتے ہیں۔

سماع اور اُس سے توبہ

آپ ابتداءً سماع کے قائل تھے اور فرماتے تھے کہ جو اس کا اہل ہے، اس کے لیے جائز اور نااہل کے لیے ناجائز۔ بعد کو جب آپ نے دیکھا کہ یہ سماع عام ہو گیا ہے۔ ہر کس و ناکس اہل نااہل اس میں کافی حصہ لینے لگا ہے تو جب سے آپ نے چھوڑ دیا اور آپ نے یہ کہہ دیا کہ میرا دوست وہ ہے جو سماع سے دور رہے اور اس کے بعد آپ نے توبہ کی اور دم وصال تک کبھی اس کے قریب نہ بھٹکے۔

داتا گنج بخشؒ

آپ کو داتا گنج بخشؒ اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کا فیض بہت ہی عام تھا اور اکابرین میں سب سے پہلے

Marfat.com

حضرت معین الدین اجمیریؒ نے اس وقت کہا جبکہ آپ حضرت داتا صاحبؒ کے اعتکاف سے فارغ ہوکر تشریف لئے جارہے تھے اور آپؒ نے یہ شعر پڑھا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

یہ شعر حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی زبان مبارک سے نکلنا تھا کہ ہر کہ ومہ کی زبان پر آ گیا۔

وفات

آپ کے سن وفات میں بھی بہت اختلاف ہے مگر اقرب الی القیاس ۴۶۵ھ ہے۔ چنانچہ جس قدر آپ کی تاریخہائے وفات کہی گئی ہیں، ان سے ۴۶۵ھ ہی نکلتا ہے۔ اگر مان لیا جائے تو اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ۶۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔

شعراء نے بہت سی تاریخیں لکھی ہیں

یہاں نموتاً تحریر کی جاتی ہیں جس کے ایک مصرعہ سے تین تین تاریخیں نکلتی ہیں۔

وہوہذا

شیخ عالی علی ہجویری بود مخدوم ہرصغار و کبار
ہست۔سردار۔زیور لاہور طرفہ تاریخ وصل آں سردار
۴۶۵ھ ۴۶۵ھ ۴۶۵ھ ۴۶۵ھ

بادشاہ وسلاطین آتے رہے

آپ کی وفات کے بعد جو سلاطین آتے رہے، وہ آپ کے مزار اور خانقاہ پر برابر حاضری دیتے رہے۔

سلطان ابراہیمؒ اور تعمیرِ مزار

سلطان ابراہیم غزنوی جب لاہور آیا تو اس نے حکم دیا کہ جس درجہ کے یہ جلیل القدر بزرگ ہیں، اسی درجہ کا ان کا مزار بنایا جائے چنانچہ نہایت اہتمام سے آپ کا مزار تعمیر کیا گیا۔

اس کے بعد جو بادشاہ ہندوستان آئے، وہ مزار پُرانوار پر حاضری دیتے اور مزار سے متعلق معافی لکھتے اور نذریں چڑھاتے رہے۔ پنجاب بھر میں غالباً ایسا کوئی دوسرا آستانہ نہیں جس پر اس قدر بادشاہوں نے حاضری دی ہو۔

Marfat.com

قرآن شریف

آپ کے مزار کے متعلقات میں سے وہ قرآن شریف بھی ہیں کو جو بڑے بڑے سلاطین نے خود لکھ کر یا دوسروں سے لکھا کر بطور نذر کے رکھ دیئے۔ یہ قرآن مجید قابل زیارت ہیں۔

حجرہ اعتکاف حضرت معین الدین اجمیریؒ

روضہ اقدس سے گز ڈیڑھ گز کے فاصلہ پر وہ حجرہ ہے کہ جس میں سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ چلہ کش رہے۔ اس کا گنبد اکبر بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا۔

میلے اور عرس

دیگر آستانوں کی طرح یہاں بھی یہ رسم ہے کہ ہر سال ۲۰ صفر کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔ معتقدین بڑی دور دور سے کھنچے آتے ہیں۔

یہاں پر مناسب سمجھتا ہوں کہ بطور تبرک چند ایک نظمیں اردو فارسی عاشقان آستانہ عالیہ حضرت مخدوم داتا گنج بخشؒ کی دلچسپی کے لیے درج کروں گا تاکہ ناظرین ان کے مطالعہ سے بہرہ اندوز ہو کر حظ وافر حاصل کریں۔ وھو ہذا

سلام فارسی

بحضور فیض گنجور سرآمد اولیائے کبار زبدۂ اخیار و ابرار حضرت مخدوم علی ہجویری ملقب بہ داتا گنج بخشؒ لاہوری۔ بتضمین شعر حضرت خواجہ معین الدین احسن السجزی ثم اجمیری چشتیؒ۔

السلام اے آفتاب خاندانِ مصطفیٰ — السلام اے سروبستانِ محمد ﷺ مجتبےٰ
السلام اے نور چشمان علیؑ مرتضےٰ — السلام اے فخر فرزندانِ امام باصفا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما
السلام اے قدوہ درگاہ رب ذوالجلال — صد سلامت یا علی ﷺ یا مظہر شان جمال
السلام اے طائر صدرہ نشین خوش مقال — السلام اے صاحب فضل و کمال لایزال
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

Marfat.com

السلام اے ساقی صہبائے نور معرفت　　السلام اے قاسم لطف و سرور معرفت
السلام اے شرح فرمائے طہور معرفت　　السلام اے گوہر پاک بحور معرفت
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے غازی میدان زہد و اتقا　　السلام اے کشتہ شمشیر عشق جانفزا
السلام اے پہلوان عرصہ فقر و غنا　　السلام اے تاجدار و فتاح ملک ولا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے نغمہ خوان قل ھو اللہ احد　　السلام اے صدر بزم عشق اللہ الصمد
السلام اے ماہر تجرید و تفرید ابد　　السلام اے محو لم یلد قتیل لم یلد
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے مہبط فیض حقیقت السلام　　السلام اے سرمہ چشم بصیرت السلام
السلام اے رہبر ملک طریقت السلام　　السلام اے حافظ داب شریعت السلام
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے مرجع و امید گاہ شیخ و شاب　　السلام اے بادشاہ اولیائے پنج آب
السلام اے سرگروہ صوفیا عالیجناب　　السلام اے گنج بخش بے شمار و بحساب
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے چارۂ بے چارگان بے نوا　　السلام اے مرہم جاں بخش زخم جانگزا
السلام اے ہر مرض را خاک تو دارالشفا　　السلام اے وجہء تسکینِ دل ہر مبتلا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے حامی درماندگانِ ناتواں　　السلام اے اوج بخشِ در حضیض افتادگاں
السلام اے قاطع بدعات و کفرانِ جہاں　　السلام اے ہادیٔ پیراں دلیل طالباں
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے روئے زیبائت جواب صد بہشت　　السلام اے فیض یاب در گہت ہر خوب وزشت
نقشبندی قادری و سہروردی در بسفت　　ہمزباں در مدحت ہچوں معین الدین چشت

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے حضرتِ مخدوم عالم السلام　　جز سلامت نیست دیگر یک کہالم السلام
نفس و شیطانند ہردم درز و الم السلام　　کن بر ایں اعدائے دیں فیروز حالم السلام

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

(بحر الاسرار یعنی اردو ترجمہ...... کشف الاسرار و مختصر سوانح عمری داتا گنج بخشؒ، لاہور، ۱۹۵۵ء)

☆......☆......☆

Marfat.com

محمد وارث کامل

حضرت داتا گنج بخشؒ

تاریخ اولیائے لاہور میں یوں تو جتنے مشائخ کے تذکرے شامل ہیں، ان کی عظمت میں کوئی کلام نہیں اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ جملہ نفوس قدسیہ اپنے اپنے منصب ولایت کے اعتبار سے کامل اور اکمل ہیں لیکن اس کے باوجود یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ جس شخصیت کو ہر طبقہ میں قبول عام کا شرف حاصل ہوا، وہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی شخصیت ہے۔ ''کشف المحجوب'' جو فارسی میں تصوف کی قدیم ترین اور معرکتہ آلارا تصنیف شمار کی جاتی ہے، آپ ہی کے زور قلم کا نتیجہ اور کاوش طبع کا ماحصل ہے۔ اس کتاب کے سبب وہ علمائے ظاہر بھی جو تصوف سے کوئی قلبی رابطہ نہیں رکھتے، حضرت داتا گنج بخشؒ کا نام عزت واحترام سے لیتے ہیں۔

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشند خدائے بخشندہ

عوام اس لئے آپ پر فریفتہ ہیں کہ آپ کی ذات فیوض و برکات کا مرجع ہے۔ خواص اس لئے آپ پر جان چھڑکتے ہیں کہ آپ کی ہستی علوم ومعارف کا گنجینہ ہے۔

تو نخل خوش ثمرے کیستی کہ باغ و چمن
ہمہ زخویش برید ند و دوتو پیوستند

ترجمہ: اے اچھے اچھے پھلوں سے لدے درخت! تو کون ہے کہ باغ وچمن جہاں کہیں بھی ہیں اپنی اپنی جگہوں سے اکھڑ اکھڑ کر تجھ سے آ ملے ہیں۔

شجرۂ نسب

حضرت داتا گنج بخشؒ حضرت مخدوم سید علی ہجویریؒ کا شجرہ نسب یہ ہے:
علی بن سید عثمان بد سید علی سید عبدالرحمان بد سید عبداللہ بن سید ابوالحسن علی بن سید حسن بن حضرت زید اشد

Marfat.com

بن حضرت امام حسن بن حضرت علی مرتضیٰ (بعض تذکرہ نگاروں نے سید عبدالرحمان بن شاہ شجاع بھی تحریر کیا ہے۔) چونکہ آنخضرت ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہم زاد تھے اس لئے نو واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب آنخضرت ﷺ تک پہنچتا ہے۔

پیدائش

حضرت داتا گنج بخشؒ ولادت سلطان محمود غزنوی کے عہد میں ہے کہ سلطان محمود غزنوی کا انتقال ۱۱۲۱ء میں ہوا۔ اس وقت حضرت مخدوم کی عمر تقریباً اکیس سال کی تھی۔ غزنوی دور کے ایک مورخ یعقوب بن عثمان غزنوی نے اپنی کتاب ''رسالہ ابدالیہ'' میں (پندرہویں صدی کی تصنیف ہے) یہ انکشاف کیا ہے کہ ایک دفعہ سلطان محمود غزنوی کی موجودگی میں غالباً مؤخر الذکر کے ایما سے حضرت مخدوم سید علی ہجویریؒ المعروف بہ داتا گنج بخشؒ نے ہندوستان کے ایک فلسفی سے مناظرہ کیا۔ اپنے بیان کے اعجاز اور اپنی شخصیت کے مقناطیسی اثر سے حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس فلسفی کو اس غضب کی شکست دی کہ اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

تعلیم وتربیت

حضرت مخدومؒ خاندان سادات کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد محترم نے خاندانی روایات کے پیش نظر، آپ کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ صرف کی۔ ابتدائی درجہ کے علوم دینیہ کی تحصیل وتکمیل کے بعد آپ نے فرغانہ، ماوراء النہر، خراسان، مرو اور آذربائیجان وغیرہ بلادِ اسلامیہ کا رخ کیا۔ جہاں جہاں بھی گئے، وہاں کے ارباب کمال سے علمی استفادہ کیا۔ غزنی کے اساتذہ کے علاوہ جن مشہور علماء سے آپ نے تعلیم حاصل کی، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (۱) امام ابوالعباس احمد اشقانیؒ (۲) شیخ ابوالقاسم گورگانیؒ (۳) شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ۔

(الف) امام ابوالعباس کا اصل نام احمد بن محمدؒ ہے۔ اصول وفروع کے آپ امام تھے۔ بعض علوم میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ شرعی علوم میں آپ منتہی تھے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ یہ بھی ان پر شفقت فرمایا کرتے تھے۔

(ب) شیخ ابوالقاسم گورگانیؒ سید الطائف حضرت جنید بغدادیؒ کے ساتھ تین واسطوں سے نسبت رکھتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے جن اصحاب کمال سے علوم و معارف کا درس لیا ہے، اُن میں ان کا شمار بھی ہے۔ ان کا باطنی کمال اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ ستون تک ان سے باتیں کی ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ان سے ملاقات کے لیے ان کی خدمات میں حاضر ہوا تو ستون سے ہم کلام تھے۔

(ج) شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کا اصل نام فضل اللہ بن ابی الخیر ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے آپ سے علمی استفادہ کیا ہے اور اس کے علاوہ باطنی فیوض بھی آپ کو ان سے حاصل ہوئے ہیں۔ موصوف اپنے

دور میں یکتائے روزگار تھے۔ مشائخ طریقت ان پر جان چھڑکتے تھے۔ ان کے پیر طریقت شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسیؒ ہیں۔ نیشا پور میں آپ کا قیام تھا۔ آپ نے بہت سی فارسی رباعیات بطور یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کی بعض رباعیات ورد و وظائف میں داخل ہیں۔

سلسلہء بیعت

حضرت داتا گنج بخشؒ علوم ظاہر کی تکمیل کے بعد اس تجسس میں تھے کہ کہیں سے ان کے باطن کی تشنگی بھی فرو ہو۔ آپ نے جو علوم و معارف سیکھے تھے، ان کا تقاضا تھا کہ آپ پر روحانیت کے دروازے بھی کھلیں۔ حصول علم کا مقصد جب اپنی اصلاح اور تبلیغ دین کا عزم ہوتا ہے تو پھر طالب کا دامن گوہرِ مراد سے خالی نہیں رہتا۔ علم کا تعلق جسم سے ہو تو دنیا ملتی ہے اور اگر اس کا رشتہ روح سے ہو تو دین کی دولت ہاتھ آتی ہے۔

علم رابرتن زنی مارے بود
علم رابر دل زنی یارے بود

حضرت داتا گنج بخشؒ نے قطب وقت حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن ختلیؒ کے روحانی کمالات کے چرچے سنے تو آتش شوق کے شعلے بھڑک اٹھے۔ پہلی فرصت میں اس شیخ کامل کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ حضرت شیخ ختلیؒ کی نظر کیمیا اثر جو حضرت داتا گنج بخشؒ پر پڑی تو جگر تک اتر گئی۔

دل سے تری نگہ جگر تک اُتر گئی!
دونوں کو ایک نظر میں رضامند کر گئی

حضرت شیخ ابوالفضل الختلیؒ کو ایک قابل مرید ملا اور حضرت داتا گنج بخشؒ کو ایک کامل مرشد۔ دونوں کی دلی مراد پوری ہوگئی۔ پیری مریدی کا رشتہ بیعت کے بعد اتنا استوار ہوگیا کہ پیر و مرشد دونوں سفر و حضر میں ساتھ رہنے لگے۔ گھڑی بھر کے لئے حضرت داتاؒ کو اپنے پیشوا کی جدائی گوارا نہ ہوتی۔ ان ایام میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنے باطنی رہنما کی ذات سے اتنا فیض حاصل کیا کہ آپ کا سینہ انوار کا گنجینہ اور آپ کا دل نور کا خزینہ بن گیا تھا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ تھوڑی سی مدت میں روحانی کمالات کے بلند مقام پر پہنچ گئے جہاں تک مرغ تخیل کی پرواز بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ مرید نے کیا لیا اور پیر نے کیا دیا۔ شمع انجمن سے پروانے کو جو دولت بے بہا ملتی ہے، اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ کسی پروانے سے پوچھو تو وہ بتائے کہ اسے کیا ملا۔ مرغ سحر اس داد و ستد اور اس لین دین کی حقیقت کیا جانے۔ کہاں کسی مرغ سحر کی اس ترانہ ریزی اور کہاں پروانہ کا سوز۔

بے نیازی کی ادائیں سیکھ اے مرغ سحر
شمع کے نزدیک پروانہ کہاں تک آ گیا

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ میرے پیشوا اپنے مرید کو کم گوئی اور کم خوابی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

Marfat.com

ایک جگہ ''کشف المحجوب'' کے بیسویں باب میں ہے کہ جب نیند کا پورا غلبہ ہو تو سو رہو اور جب آنکھ کھل جائے تو دوبارہ سونے کی کوشش نہ کرو کیونکہ مرید کے واسطے ایسی نیند حرام ہے اور بیکاری کا شغل ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے شیخ نے ۵۶ سال تک ایک ہی جامہ پہنا اور آپ بے تکلف اس سے پیوند لگا کر سی لیا کرتے تھے حتیٰ کہ اصل جامہ کا نشان بھی باقی نہ رہا۔

حنفی مسلک

حضرت داتا گنج بخشؒ کو امام اعظم ابو حنیفہؒ سے خاص عقیدت تھی۔ آپ نے ''کشف المحجوب'' میں ایک ایسے خواب کا ذکر کیا ہے جس سے امام اعظمؒ کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت مخدومؒ فرماتے ہیں:

''میں ملک شام میں تھا۔ ایک دفعہ حضرت بلال حبشیؓ کے مزار کے سرہانے مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں یہ دیکھتا ہوں کہ میں مکہ معظمہ میں حاضر ہوں اور آنحضرت ﷺ باب بنی شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں اور جس طرح کوئی کسی بچے کو گود میں لیے ہوئے ہو، آپ ایک معمر شخص کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہیں۔ میں دوڑتا ہوا حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور میں نے آپ کے پائے اقدس کو بوسہ دیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ معمر شخص کون ہے۔ آنحضرت ﷺ کو میرے خیال پر اطلاع ہوئی۔ فرمایا کہ یہ شخص تیرا اور تیری قوم کا امام ہے یعنی ابو حنیفہؒ۔ اس خواب سے مجھے اپنے اور اپنی قوم کے حق میں بڑی امیدیں قائم ہو گئیں اور اس خواب سے مجھ پر یہ حقیقت بھی روشن ہو گئی کہ امام ابو حنیفہؒ ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنے صفات ذاتی سے فانی ہو چکے ہیں اور محض احکام شرع کے لیے باقی رہ گئے ہیں، اس لئے کہ ان کے حامل رسول اللہ ﷺ تھے۔ اگر میں انہیں خود چلتے ہوئے دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ وہ باقی الصفات ہیں اور باقی الصفات کے لئے خطا و صواب دونوں کا امکان ہے لیکن چونکہ انہیں حضرت رسول خدا ﷺ کی گود میں دیکھا اس سے معلوم ہوا کہ ان کا وجود ذاتی فنا ہو چکا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے وجود سے باقی ہیں اور چونکہ خود آنحضرت ﷺ کے لئے کسی طرح کی خطا کا امکان نہیں اس لئے جس کا وجود ان میں فانی ہو چکا ہے، وہ بھی امکان خطا سے پاک ہے۔''

ازدواجی زندگی

احکام شریعت کی اتباع اور اپنے والدین کی خواہش کی تعمیل میں حضرت داتا گنج بخشؒ بھی آخر ازدواجی زندگی کے حلقہ میں داخل ہوئے۔ آپ کی اہلیہ کی عمر نے وفا نہیں کی اور وہ جلد ہی جیسے تھے ویسے ہی رہ گئے۔ گیارہ

Marfat.com

سال کی مجرد زندگی کے بعد پھر آپ کا عقد ایک خاتون سے ہوا لیکن یہ رشتہ بھی راس نہ آسکا۔ موت نے یہ سلسلہ منقطع کر دیا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے خود بھی ''کشف المحجوب'' میں نکاح کی سنت پر بصیرت افروز الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

(الف) مرد و عورت سب پر نکاح کرنا مباح ہے۔

(ب) جو حرام سے پرہیز نہ کر سکیں ان پر فرض ہے۔

(ج) اور جو عیال کا حق ادا کر سکیں ان پر نکاح سنت ہے۔

سیر و سفر

لاہور میں آمد سے قبل آپ نے کئی اسلامی ممالک کی سیر و سیاحت کی۔ شام، عراق، ماوراء النہر، بغداد، فارس، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان اور ترکستان وغیرہ ممالک کی سیاحت سے حضرت داتا گنج بخشؒ نے تجربات اور مشاہدات کا ایک ذخیرہ جمع کیا۔ ایک ایسا ذخیرہ جس سے بعد کی زندگی میں آپ کو بہت کافی فائدہ پہنچا۔ اس سیر و سیاحت کو ہم ریاضت و مجاہدہ کی ایک طویل داستان سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ آپ نے اس سیاحت میں قدرت کے آثار کا مشاہدہ بھی کیا اور اس کے ساتھ ہی اولیائے کرام کی روح پرور صحبتوں سے بھی مستفید ہوئے۔ خراسان میں آپ کی ملاقات تین سو مشائخ سے ہوئی۔ سفر کے دوران آپ کو عجیب و غریب واقعات بھی پیش آئے۔ ایک واقعہ کا ذکر خود فرماتے ہیں کہ:

> ''ایک دفعہ میں سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامیؒ کے مزار عالیہ پر تین ماہ تک شب و روز حاضر باش رہا۔ ہر روز غسل اور وضو کا اہتمام کرتا مگر اس مقام کا کشف نہ ہو سکا جو پہلی بار ہو چکا تھا۔ آخر میں نے خراسان کے لئے رخت سفر باندھا۔ ایک گاؤں سے گزرا جہاں ایک خانقاہ بھی تھی۔ اس خانقاہ میں مترفین (نام نہاد صوفیا) کی ایک جماعت نظر آئی۔ ان لوگوں نے مجھے اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور اپنی نگاہوں میں حقیر جانا۔ ان سے کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ یہ (اپنی ذات کی طرف اشارہ ہے) ہم میں سے نہیں ہے اور واقعی میں ان میں سے نہ تھا۔ انہوں نے مجھے تو سوکھی روٹی دی اور خود اچھا کھانا کھایا۔ ستم یہ کیا کہ کھانا کھانے کے بعد تمسخر سے خربوزے کے چھلکے میرے سر پر پھینکتے تھے اور طنز و طعن کی باتیں کرتے تھے مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اس طنز و تمسخر سے وہ مقام کھل گیا جو اس سے پہلے نہ کھلا تھا۔ اس سے اس بات کی علت بھی معلوم ہوگئی کہ مشائخ اپنے یہاں جہلا کی آمد و رفت کیوں روا رکھتے ہیں۔''

Marfat.com

جب حضرت داتا گنج بخشؒ عراق میں تھے تو آپ پر عقدہ کھلا کہ عوام کی حاجت روائی میں اتنی مشغولیت نہیں ہونی چاہیے کہ یاد الٰہی سے دل غافل ہو جائے۔ اس قسم کی مشغولیت سوائے نفس کی پیروی کے سوائے اور کچھ نہیں۔ جس شخص کی قلبی حالت بہتر ہے، ایسے شخص کی خاطر مشغولیت کوئی عیب نہیں تو ان کے لئے دوسروں کی پریشانی مول لینے کی کیا ضرورت۔

''کشف المحجوب'' میں حضرت داتا گنج بخشؒ لکھتے ہیں کہ مخلوق سے قطع تعلق کرنا گویا بلا اور مصیبت سے چھٹکارا پانا ہے۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی کی طرف نہ دیکھے تاکہ دوسرے بھی اس کی طرف نہ دیکھیں مخلوق سے اس بےتعلقی کے باوجود حضرت داتا گنج بخشؒ بھی اپنے شیخ کی طرح اسلام کے جماعتی نظام کے پابند رہے۔

خراسان کے سفر میں جب حضرت داتاؒ کا گذر ایک گاؤں سے ہوا جسے کمندور کہتے تھے' وہاں آپ نے ایک شخص کو جسے ادیب کمندوری کہتے تھے، دیکھا۔ اس شخص کے بارے میں یہ سننے میں آیا کہ یہ بیس سال تک مسلسل پیروں کے بل کھڑا رہا اور سوائے تشہد کے کبھی نہیں بیٹھا۔ جب لوگوں نے اس سے کھڑے رہنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا کہ ابھی مجھے وہ مقام حاصل نہیں ہوا کہ میں خدا کا مشاہدہ بیٹھے بیٹھے کروں۔

ایک دفعہ حضرت داتا گنج بخشؒ ماوراء النہر میں تھے۔ احمد حماد سرخسیؒ (ان کا مزار حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار عالیہ سے متصل روضہ کے اندر ہے) آپ کے رفیق سفر تھے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے ان سے پوچھا کہ نکاح کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ان سے پوچھا گیا آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب شیخ احمد نے یہ دیا کہ میں اپنے زمانے میں یا تو اپنے آپ سے غائب رہتا ہوں یا حاضر۔ جب غائب ہو جاتا ہوں تو دونوں جہاں کی مجھے خبر نہیں ہوتی اور جب حاضر ہوتا ہوں تو اپنے نفس کو اس حالت میں رکھتا ہوں کہ ایک روٹی کو ہزار حوروں سے بہتر سمجھتا ہوں۔

جب حضرت داتا گنج بخشؒ مرو میں تھے تو آپ کی ایک عالم حدیث سے ملاقات ہوئی۔ یہ عالم اپنے زمانے کا امام تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے سماع کی اباحت پر ایک کتاب لکھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوں گی۔ آپ نے امامت کے منصب پر فائز ہوتے ہوئے لہو ولعب کے مشغلے کی جو سب گناہوں کی جڑ ہے، حلال اور جائز قرار دیا ہے۔ اس امام حدیث نے بحث و تکرار کے انداز میں آپ سے خطاب کیا کہ اگر آپ سماع کو حلال نہیں جانتے تو آپ خود کیوں سماع کی محفلوں میں شریک ہوتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہر شخص سماع کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اگر دل میں حلال کی تاثیر ہے تو سماع حلال ہے اور اگر حرام کی تاثیر ہے تو سماع حرام ہے اور اگر مباح کی تاثیر ہے تو پھر مباح ہے۔

آذربائیجان کا سفر کرتے ہوئے حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ:

''میں آذربائیجان کے پہاڑوں میں پھر رہا تھا۔ میں نے ایک درویش کو دیکھا جو بہ حسرت و زاری اشعار پڑھ رہا تھا۔ شعر پڑھنے کے بعد اس کا رنگ ایسا متغیر و متاثر ہوا کہ ایک پتھر پر

Marfat.com

بیٹھ گیا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس پر اتنی بے ہوشی طاری ہوئی کہ جاں بحق ہو گیا۔"

تصنیف و تالیف

ایسے صوفیاء کی تعداد نہایت مختصر ہے جنہوں نے اپنے روحانی کمالات کے نتائج تصنیف و تالیف کے لباس میں پیش کیے ہوں۔ قدما میں تو یہ ملکہ سرے سے تھا ہی نہیں، لیکن حیرت ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنے پیچھے ایک اچھا خاص ذخیرہ تصانیف چھوڑا۔ یہ دوسری بات ہے کہ زمانہ کے الٹ پھیر سے ان میں سے کچھ ضائع ہو گئی ہیں تصانیف کے نام یہ ہیں:

(۱) وجدان (فارسی دیوان کا نام) (۲) منہاج الدین (۳) کتاب الفناو البقا (۴) اسرار الخرق (۵) کتاب البیان لاہل العیان (۶) بحر القلوب (۷) ایمان (۸) الرعایۃ الحقوق اللہ (۹) شرح کلام منصور حلاج (۱۰) کشف المحجوب۔ وَ

مولانا عبدالرحمان جامیؒ نے صاحب "کشف المحجوب" کی شان ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ:

"عالم و عارف بود در صحبت بسیارے از مشائخ دیگر رسیدہ است صاحب کتاب کشف المحجوب است کہ از کتب مشہورہ معتبرہ دریں فن است و لطائف بسیار درآں کتاب جمع کردہ است"

ترجمہ:۔ عالم بھی تھے اور عارف بھی۔ بہت سے دوسرے مشائخ سے بھی فیض صحبت پایا۔ کشف المحجوب کے مصنف ہیں جو اس فن کی مشہور اور معتبر کتاب ہے۔ اس کتاب میں بہت سے لطائف وحقائق جمع کر دیئے ہیں۔

داراشکوہ نے "سفینۃ الاولیا" صاحب "کشف المحجوب" کے بارے میں یہ تحریر کیا ہے کہ:

"خانوادہ ایشان خانوادۂ زہد و تقویٰ بود حضرت پیر علی ہجویری را تصانیف بسیار است کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچ کس را بر آن سخن نیست و مرشدے است کامل اور اکتاب تصوف بہ خوبی آن در زبان فارسی تصنیف نہ شدہ خوارق و کرامات زیادہ از حد و نہایت و بار ہا بر قدم تجرید و توکل سفر کردہ اندر۔"

ترجمہ: آپ کا خاندان طریقت زہد و تقویٰ کا خاندان تھا۔ حضرت مخدوم علی ہجویریؒ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ان میں "کشف المحجوب" مشہور و معروف ہے اور کسی کو بھی اس میں کلام نہیں ہے۔ یہ کتاب مرشد کامل کا حکم رکھتی ہے۔ تصوف پر فارسی میں اس سے زیادہ بہتر کوئی تصنیف نہیں ہے۔ آپ کے خوارق و کمالات بے حد بے حساب ہیں۔ آپ نے بار ہا توکل کے

سہارے سیر وسیاحت کی ہے۔

سلطان نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ نے ''کشف المحجوب'' کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

''کشف المحجوب از تصنیف شیخ علی ہجویری ست قدس اللہ روحہ العزیز اگر کسے راپیرے نہ مباشد چون این کتاب را مطالعہ کند اوارا پیر میسر شود من ایں کتاب رابہ تمام مطالعہ کردم''

(درر نظامی مرتبہ شیخ علی محمود)

ترجمہ:۔ ''کشف المحجوب'' شیخ علی ہجویری کی تصنیف ہے۔ اگر کسی کا پیر نہ ہو تو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے گا تو اس کا پیر ظاہر ہو جائے گا۔ میں نے اس کتاب کا مکمل مطالعہ کیا ہے۔

ورودِ لاہور

حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی سیاحت کے جو واقعات جستہ جستہ بیان کئے ہیں، ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ کا سفر ایک درویش متوکل باللہ کا سفر تھا۔ ایسے سفر میں اس مزاج کے درویش تو نبھ سکتے ہیں جن کی نظر اسباب سے زیادہ مسبب پر ہو۔ امیروں اور بادشاہوں کی رفاقت انہیں راس نہیں آسکتی۔ امیر و بادشاہ ان کے ذوق سفر کی تسکین کا سامان فراہم نہیں کر سکتے۔ یہ جو مشہور ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ سلطان مسعود غزنوی کے ہمراہ لاہور آئے تھے، تاریخی حیثیت سے غلط ہے۔ سلطان مسعود کی آمد لاہور کا سال ۴۳۱ھ نہیں ہے۔ اس کی آمد پہلی بار ۹ ربیع الاول ۴۳۰ھ میں ہوئی تھی اور دوسری بار ۴۳۲ھ میں۔ صرف دریائے سندھ تک اس سلطان کی آمد ثابت ہوتی ہے۔ سلطان مسعود کے دونوں سفر پریشان کن تھے۔ ایسے حالات میں عقلاً بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس نے اپنے ہمراہ علماء وصوفیا کے ایک گروہ کو بھی لیا ہو یا خصوصیت کے ساتھ حضرت داتا گنج بخشؒ کے ہم سفر رہے ہوں۔ ''کشف المحجوب'' اور بعض دوسرے تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے ہم سفر اور رفیق راہ صرف دو شخص تھے اور جو آج بھی آپ کے مزار عالیہ کے دائیں اور بائیں پہلوؤں میں ابدی رفاقت کا عملی ثبوت دے رہے ہیں۔ یہ دو شخص تھے حضرت ابوسعید ہجویریؒ اور حضرت شیخ احمد حماد سرخسیؒ۔ حضرت ابوسعید ہجویریؒ کا حال اس سے زیادہ اور معلوم نہ ہوسکا کہ آپ حضرت داتا گنج بخشؒ نے ''کشف المحجوب'' میں کئی جگہ مخاطب کیا اور آپ ہی کے بعض استفسارات کے جواب میں ''کشف المحجوب'' منظر عام پر آئی۔ حضرت خواجہ احمد حماد سرخسیؒ وہ بزرگ ہیں جن سے آپ نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ آپ کی توبہ کی ابتدا کس طرح ہوئی، تو انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ میں سرخس سے روانہ ہوا۔ ایک مدت تک ایک جنگل میں اپنے اونٹوں کے ساتھ رہا۔ اس دن میں بہت خوش ہوتا تھا جب خود بھوکا رہ کر اپنے حصے کی خوراک کسی مسافر یا راہگیر کو دیا کرتا تھا۔ ایک دن ایک شیر آیا اور میرے ایک اونٹ کو مار کر آپ بلند جگہ پر جا بیٹھا اور ایک چیخ ماری جس سے گردونواح کے درندے، لومڑی، گیڈر اور بھیڑیئے وغیرہ آگئے۔ ان کے آنے پر شیر نے اونٹ کو

Marfat.com

پھاڑ ڈالا اور پھر بلند جگہ پر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سب درندے اونٹ کا گوشت مزے سے کھانے لگے اور خوب سیر ہو کر چلے گئے۔ پھر شیر نیچے اترا، اس غرض سے کہ آپ خود بھی کچھ کھالے۔ اس اثناء میں ایک لنگڑی لومڑی نظر آئی جو اسی طرف آ رہی تھی۔ شیر پھر واپس چلا گیا۔ جب وہ کھا کر چلی گئی تو شیر نے بھی تھوڑا سا کھا لیا۔ میں دور سے یہ کیفیت دیکھ رہا تھا۔ شیر میرے نزدیک آیا اور خدا کے حکم سے گویا ہو کر یہ کہنے لگا۔ اے احمد! لقموں کا ایثار کرنا بھی کوئی ایثار ہے، اگر مرد ہے تو اپنی جان کی بھی پروانہ کر، لقموں کا ایثار تو حیوان بھی کر سکتے ہیں۔ تُو انسان ہے تجھے یہ زیبا ہے کہ تو اپنے ایثار میں انسانیت کا ثبوت دے۔ احمد حماد سرخسیؒ نے کہا کہ جب میں نے شیر سے یہ بات سنی تو مجھ پر ایثار کے اسرار کھلے اور میں نے دنیا کے تمام مشاغل سے توبہ کر لی اور یہی دن میری توبہ کا ابتدائی دن تھا۔

یہ ہمراہی تھے جو حضرت داتا گنج بخشؒ کے رفیق سفر رہے۔ تذکروں سے جہاں یہ ثابت ہے کہ یہ دونوں ہمراہی لاہور آئے ہیں اور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ دونوں اس وقت بھی ہمراہ تھے جب حضرت داتا گنج بخشؒ لاہور میں تشریف لائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ہمراہی کہیں راستہ میں بچھڑ گئے تھے اور پھر بعد میں لاہور آ کر کچھ عرصہ کے بعد حضرت داتا گنج بخشؒ سے ملے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی مرضی سے لاہور آئے یا اپنے پیشوا کی اجازت سے؟ یہ مسئلہ بھی نزاعی بنا ہوا ہے۔ حضرت سلطان نظام الدین اولیاؒ کے بیان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی لاہور آمد حکماً عمل میں آئی ہے۔ ''فوائد الفوائد'' میں ارشاد ہوتا ہے:

> ''شیخ حسن زنجانیؒ وشیخ علی ہجویری ہر دو مرید یک پیر بوندو آن پیر قطب عہد بو وہ حسن زنجانیؒ در بار ساکن لہاور بود بعد از چندگاہ پیر ایشان خواجہ علی ہجویری را گفت کہ در لہاور ساکن شو۔ علی ہجویری عرضداشت کرد کہ شیخ حسین زنجانی آنجاست، فرمود کہ تو برو، چوں علی ہجویری بحکم اشارت در لہاور آمد شب بود بامراداں جنازہ شیخ حسین را بیرون آوردند۔'' (فوائد الفواد ۳۵)

> ترجمہ: شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک پیر کے مرید تھے اور وہ پیر اپنے زمانے کے قطب تھے۔ میر حسن زنجانیؒ عرصہ سے لاہور میں سکونت میں تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے پیر نے شیخ علی ہجویری کو یہ حکم دیا کہ وہ لاہور میں قیام کریں۔ شیخ علی ہجویری نے عرض کیا کہ وہاں تو حسین زنجانی موجود ہیں۔ پیر نے حکم دیا کہ تو جا۔ جب شیخ علی ہجویری نے بموجب لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا۔ صبح کو آپ نے دیکھا کہ لوگ شیخ حسین زنجانی کا جنازہ لئے جا رہے تھے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ ۱۴۴۱ھ میں دن ڈھلے پورے ڈیڑھ برس کی مسافت کے بعد دریائے راوی کے کنارے پہنچے۔ دریا کے جس کنارے پر آپ نے نزول اجلال فرمایا، اس کے مشرق میں لاہور کی آبادی تھی۔ آپ

Marfat.com

نے دریا کے کنارے لاہور کے بیرونی حصہ میں رات بسر کی۔ آرام سے نرم وگرم بستروں پر لیٹے رہے۔ لاہور کے باشندوں کو کیا خبر تھی کہ ان کا وہ روحانی مقتدا اسی شہر کے ایک اجاڑ گوشے میں بے آرامی سے رات گزار رہا ہے، جس کی ہستی پر نہ صرف وہ بلکہ ان کی آئندہ نسلیں بھی فخر کریں گی۔ کون جانتا تھا کہ ایک رات کے صلے میں جو یہ مرد کامل اپنی آنکھوں میں کاٹ رہا ہے قدرت قیامتؔ تک اس کے مزار پر لوگوں کو نیندیں حرام کر دینے پر مجبور کرے گی۔ یہ بات بھی کس کے علم میں تھی کہ یہ مرد خدا رات اس لئے شہر کے باہر تنہا گزار رہا ہے کہ اسے اپنے آقا کی غار حرا کی زندگی کا مثالی نقشہ پیش کرنا تھا۔ دوسرے لاہور میں ان کا دن ڈھلنے پہنچنا بھی یہ ظاہر کر رہا تھا کہ لاہور کی دینی وروحانی زندگی کا آفتاب ڈھل چکا ہے۔ اب نئے سرے سے اس کی رگ وپے میں زندگی کی روح پھونکی جائے گی اور اس شان سے اس کے بام و در پُر انوار وتجلیات کی بارش ہوگی کہ لوگ چاند تاروں اور سورج کی چمک دمک کو بھول جائیں گے۔ صبح سویرے آپ شہر میں داخل ہوئے۔ ان کا اعزاز یا خیر مقدم اس اجنبی شہر کے عوام وخواص تو کیا کرتے، نسیم شہر کے جھونکوں اور اس شہر کی خاک کے زروں نے تو کیا ہوگا۔ ہاتف غیبی نے یہ آواز دی ہوگی ؎

مسند دولت اقبال کو خالی کردو
آج محفل میں محمد ﷺ کا غلام آتا ہے

حضرت داتا گنج بخشؒ نے دیکھا کہ لوگ میت اٹھائے چلے آتے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت میر حسین زنجانیؒ کا جنازہ ہے۔ آپ فوراً سمجھ گئے کہ پیرو مرشد کا مجھے لاہور بھیجنا اس غرض سے تھا کہ میں خلا پُر کروں جو حضرت میر حسین زنجانیؒ کی وفات کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہے۔ چنانچہ آپ جنازہ کے ہمراہ ہو لئے۔ نماز جنازہ پڑھی۔ میت چاہ میراں میں سپرد خاک کی گئی جہاں آج بھی (سالہا سال کے بعد مسجد اور مزار کی ازسرنو تعمیر ہوئی ہے۔ پہلے گنبد نہ تھا اب گنبد بھی تعمیر کیا گیا ہے) حضرت داتا گنج بخشؒ نے شہر کے جنوب مغربی گوشے کا رخ کیا اور ایک بلند ٹیلے پر جہاں املی کا ایک درخت تھا' آپ نے قیام کیا۔ جہاں آج نہ بلند ٹیلہ ہے اور نہ املی کا درخت ہے۔ ان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے سنگ مرمر کا ایک بڑا سا کٹورا مزار عالیہ کے شمال مغرب میں ایک دو گز کے فاصلے پر نصب ہے۔ اس کٹورے میں ہر وقت صاف ستھرا پانی بھرا رہتا ہے۔ زائرین آتے ہیں اور انگلیوں کے پورے بھگو بھگو کر اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کی آمد لاہور کا مقصد گوشہ نشینی نہیں تھا بلکہ اسلام کی تبلیغ آپ کا نصب العین تھا۔ چنانچہ آپ نے تبلیغی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ چند ہی دنوں میں آپ کی قیام گاہ پر لوگوں کا تانتا بندھ گیا اور مخلوق خدا جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگی۔ چونکہ شروع سے اسلام کا مقام مسجد ہی رہی ہے، اس لئے آپ نے مسجد کی تعمیر کا بیڑا اٹھایا۔ خود اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ مسجد کی تعمیر سے جہاں آپ کا مقصد مرکز کا قیام تھا، وہاں پر عقل بھی کام کر رہی تھی کہ لوگوں کو نماز کے ارکان کی عملی تعلیم دیں اور ان کے اندر وہ روح پھونکیں جسے ہم ایمان سے تعبیر کرتے ہیں درس قرآن وحدیث بھی آپ کے مقاصد میں داخل تھا۔

Marfat.com

شہزادہ داراشکوہ "سفینۃ الاولیاء" میں رقمطراز ہے کہ جب حضرت داتا گنج بخشؒ نے مسجد کی تعمیر کا کام شروع کیا تو لوگوں نے دیکھا کہ دیگر مساجد کی نسبت اس کے قبلہ کا رخ ذرا سا جنوب کی سمت ہٹا ہوا ہے۔ علمائے لاہور نے اس پر اعتراض کیا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ یہ اعتراض سن کر خاموش ہو گئے۔ جب مسجد کی تعمیر سے فراغت پائی تو آپ نے تمام علماء وفضلاء کو دعوت دی اور اپنی امامت میں نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد تمام حاضرین سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا تم لوگوں کو اس مسجد کی سمت قبلہ پر اعتراض تھا۔ ذرا دیکھو تو سہی قبلہ کس طرف ہے۔ جب انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے کے تمام حجابات دور ہو گئے اور قبلہ سب کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ اس عینی مشاہدہ کے بعد معترضین کو ندامت ہوئی اور آپ سے معذرت چاہی۔ یہ پہلی کرامت تھی جو لاہور آپ سے ظاہر ہوئی اور یہی کرامت ہے جس نے آپ کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ ہزار ہا بندگان خدام میں سے سب سے پہلا شخص جو آپ کے دست اقدس پر مشرف بہ اسلام ہوا، وہ کوئی معمولی آدمی نہ تھا بلکہ سلطان مودود والی کابل وغزنی کی طرف سے ولایت پنجاب کا نائب حاکم تھا۔

"تحقیقات چشتی" اور دیگر کتب تاریخ میں اس شخص کا نام رائے راجو لکھا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس شخص کا نام شیخ ہندی رکھا تھا۔ پنجاب کے نائب حاکم رائے راجو کو کیا خبر تھی کہ 431ھ میں اس کی کتاب زندگی کی ہر سطر سنہری ہو جائے گی۔ غزنی کے مرد حق آگاہ کی ایک ہی نظر نے رائے راجو کے دل ودماغ کی گہرائیوں میں آتش سوز محبت کے شرار گھول دیئے ؎

اس مرکز جمال پہ اب ہے مری نگاہ
جلوے بھی دیکھ لیں تو طواف نظر کریں

تبلیغِ اسلام

حضرت داتا گنج بخشؒ کی تبلیغی جدوجہد کا ہی یہ ثمرہ ہے کہ لاہور تاریخ کے ہر دور میں علماء وفضلاء وصوفیاء کا مرکز ومرجع رہا ہے۔ آپ کی تبلیغ کا انداز حکیمانہ بھی تھا اور واعظانہ بھی۔ کبھی کبھی آپ نے احسن طریق پر اپنے معاصرین سے مجادلہ بھی کیا ہے اور قرآن مجید میں بھی تبلیغ کے یہی نقش اجاگر کئے گئے ہیں مثلاً

"اپنے رب کی راہ کی جانب حکمت اور موعظت سے دعوت دے اور لوگوں سے احسن طریق پر مجادلہ کر۔" (الآیہ)

ہندوستان کے ایک فلسفی سے مناظرہ کا حال تو ہم شروع میں درج کر چکے ہیں۔ اس سلسلہ کے دوسرے واقعات یہ ہیں:

لاہور میں حضرت داتا گنج بخشؒ کا مباحثہ ایک ایسے شخص سے ہوا جو تغیر، تزکیہ اور علم کا مدعی تھا۔ اس نے فنا و

Marfat.com

بقا کے مسئلہ پر حضرت داتا گنج بخش سے بحث کی۔ ''کشف المحجوب'' میں خود حضرت داتا گنج بخشؒ کا بیان ہے کہ یہ شخص فنا و بقا کے اصول سے قطعاً ناآشنا نکلا، بلکہ حدوث و قِدم میں بھی امتیاز نہیں کر سکا۔ ''کشف المحجوب'' میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے ملاحدہ کے ایک گروہ کا ذکر کیا ہے جسے عرفِ عام میں سوفسطائی کہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ علم کسی معاملہ میں اور کسی حالت میں کام نہیں آتا اور جسے علم کہتے ہیں اس کا وجود عدم کے برابر ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس گروہ سے ان الفاظ میں خطاب فرمایا:

''یہ سمجھ جس کی بنا پر تم یہ کہتے ہو کہ علم کسی حالت میں بھی کارآمد نہیں، صحیح ہے یا غلط۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ تمہاری سمجھ کا فیصلہ درست ہے تو پھر تم نے علم کے وجود کا اثبات کیا نفی کہاں کی اور اگر تم یہ کہتے کہ علم کا وجود وعدم کے برابر ہے اور ہماری سمجھ کا فیصلہ درست نہیں ہے۔ پس ایسی صورت میں بحث و حجت ہی فضول ہے اور ایسے شخص سے گفتگو کرنا جس کے پاس سمجھ کا مادہ نہیں، بے عقلی اور بے وقوفی ہے۔''

ملاحدہ کا وہ گروہ جو سوفسطائی مذہب رکھتا تھا کہتا ہے کہ ہمارا علم کسی صورت میں بھی درست نہیں ہے لہٰذا ہمارا ترکِ علم، اثباتِ علم کے مترادف ہے۔ یہ بات حماقت اور جہالت کا کھلا ثبوت ہے کہ ترکِ علم دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا یا اس کا تعلق علم سے ہوگا یا جہالت سے اور یہ حقیقت ہے کہ علم سے علم کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ علم علم کی ضد نہیں ہوتا۔ علم سے علم کی نفی نہیں ہوسکتی۔ علم کی ضد تو جہالت ہے۔ یہ بات ثابت ہوگئی کہ علم کی نفی جہالت ہے اور اس کا ترک جہالت کی بنا پر ہوتا ہے۔ جاہل کی مذمت کون نہیں کرتا۔ جہالت کفر و باطل کی ایک حالت کا نام ہے۔ حق کو جہالت سے تعلق کبھی نہیں ہوتا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک ظاہر بیں نے جو غرور کو عزتِ علم، خواہش نفس کی اتباع کو سنتِ پیغمبری اور شیطان کی موافقت کو پیشواؤں کی خصلت سمجھتا تھا، بحث کے دوران میں مجھ سے کہا کہ ملحدوں کے بارہ فرقے ہیں جن میں سے ایک صوفیاء کا گروہ ہے۔ میں نے کہا کہ صوفیوں میں تو ایک گروہ وہ ملحد ہے جبکہ تم میں سے گیارہ ہیں۔ صوفی ایک فرقہ سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں اس لئے ان میں بچنے کی صلاحیت موجود ہے لیکن تم گیارہ ملحد اور زندیق فرقوں سے کیسے نجات حاصل کر سکتے ہو۔

ایک واعظ

ایثار کے موضوع پر حضرت داتا گنج بخشؒ کا ایک واعظ ''کشف المحجوب'' سے اردو ترجمہ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ غور کیجئے کہ آپ کے ارشادات کتنے دلنشین اور کتنے سبق آموز ہوتے تھے:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اور وہ ایثار کی راہ اختیار کرتے ہیں خواہ وہ خود کتنے ہی حاجت مند کیوں نہ ہوں۔ یہ آیت فقرائے صحابہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ایثار کی حقیقت یہ ہے کہ جب کسی کے ساتھ ہم نشینی

اتفاق ہو تو چاہیے کہ اس کے حقوق کی رعایت اور اسکا لحاظ کیا جائے اور اپنے فائدہ پر اس کے فائدے کو ترجیح دے۔ اسے راحت و آرام پہنچانے کی خاطر خود تکلیف بھی اٹھائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ ایثار کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی پیروی میں جو اس نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کو دیا ہے، دوسروں کی مدد اور ان کے ساتھ ساتھ تعاون کے لیے ہر وقت آمادہ رہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''دوسروں کی خطاؤں سے درگزر کرنے کی تعلیم دے اور جاہلوں سے منہ موڑ'' (الایۃ)۔ ایثار کی دو صورتیں ہیں (۱) ایثار صحبت اور (۲) ایثار محبت۔ صحبت میں جو ایثار ہوتا ہے اس میں رنج و کلفت سے سابقہ پڑتا ہے جبکہ ایثار محبت میں راحت ہوتی ہے۔ ابوالحسن نوریؒ، اقامؒ اور ابوحمزہؒ ان نیک دل لوگوں کے سرگروہ اور امام گزرے ہیں جو دوسروں کو مصلحت اور منفعت پر اپنی مصلحت اور منفعت کو قربان کر دیا کرتے تھے۔ خلیفہ وقت کے ایک غلام خلیل کو ان سے خدا واسطے کا بیر ہو گیا۔ اس نے خلیفہ کے کانوں میں ان کے خلاف زہر گھولا اور یہ شکایت کی کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے باعث دین میں طرح طرح کی خرابیاں راہ پا گئی ہیں۔ ان کے خیالات میں بے دینی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اگر خلیفہ انہیں قتل کرا دے تو بے دینی کی جڑ کٹ جائے گی کیونکہ بے دینوں کے سب سے بڑے سردار یہی ہیں۔ خلیفہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً ان کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ جلاد آئے اور ان تینوں کے ہاتھ باندھ کر مقتل میں لایا گیا۔ جب اقامؒ کو قتل کرنے لگے تو نوریؒ اٹھے اور کہا کہ پہلے میرا حق ہے۔ جلادوں نے کہا کہ کیا تلوار میں ایسی ہی لذت ہے کہ تو قتل ہونے کی تمنا کرتے ہو۔ جواب دیا بے شک اس میں ایسی ہی لذت ہے۔ میرا طریقہ اور اصول ایثار ہے۔ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبت اپنی جان سے ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ جان اپنے بھائیوں کی خاطر صرف کر دوں کیونکہ دوسرے جہاں میں جہاں خدمت نہیں بلکہ قربت ہوتی ہے، ایثار کی لذت میسر نہیں آئے گی۔ سرکاری قاصد نے اس عجیب واقعہ سے خلیفہ کو مطلع کیا۔ خلیفہ کو اس سے بڑی حیرت ہوئی اور اس نے جلادوں کے پاس یہ حکم بھیجا کہ ان کے قتل کے بارے میں توقف سے کام لو۔

خلیفہ نے قاضی القضاۃ ابوالعباس بن علی کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ ان کے حالات کا جائزہ لے۔ قاضی القضاۃ ان تینوں کو اپنے مکان پر لے گئے اور ان سے مختلف سوالات کئے۔ جب یہ دیکھا کہ ان میں اور ان کے کلام میں بے دینی کی بات نہیں ہے تو قاضی القضاۃ کو اس بات پر سخت ندامت ہوئی اور اس نے اپنے دل میں سوچا کہ مجھے بڑی غلطی ہوئی کہ میں ان کے حالات سے بے خبر رہا۔

ابوالحسن نوریؒ نے کہا کہ اے قاضی! تو نے جو ہم سے یہ سوالات کئے ہیں، یہ تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ کچھ اور پوچھا ہوتا۔ تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن کا کھانا پینا بیٹھنا اور بولنا سب اسی ایک خدا کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ خدا کے جلوے دیکھ کر جیتے ہیں۔ اگر ایک لحظہ کے لیے بھی وہ مشاہدہ جمال و نظارہ تجلی سے محروم ہو جائیں تو وہ حشر برپا کر دیتے ہیں۔ ان کے نظام میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ قاضی کو اس گفتگو سے اور بھی تعجب ہوا۔ اس نے خلیفہ کو یہ لکھ بھیجا کہ اگر یہ لوگ ملاحدہ (بے دین) ہیں تو پھر موحد کون ہے؟ خلیفہ نے

انہیں اپنے پاس بلایا اور کہا کہ مجھ سے کوئی حاجت بیان کرو۔ ان سب نے بیک آواز کہا کہ ہماری حاجت یہ ہے کہ تو ہمیں بھول جا۔

نافعؒ کی روایت ہے کہ ابن عمرؓ کو ایک دفعہ مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ بہت کچھ جستجو اور تلاش کے بعد مچھلی ملی۔ اسے بھون کران کے سامنے لایا گیا۔ انہیں یہ دیکھ کر قلبی مسرت ہوئی۔ ٹھیک اسی وقت دروازہ پر ایک سائل آ گیا۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ یہ بھنی ہوئی مچھلی اسے دے دو۔ غلام موجود تھا۔ اس نے کہا کہ حضرت! ایک مدت سے آپ کے دل میں مچھلی کھانے کی خواہش چٹکیاں لے رہی تھی۔ آج جب خدا نے یہ خواہش پوری کی ہے تو آپ اسے فقیر کے حوالے کر رہے ہیں۔ فقیر کو کوئی اور چیز دے دی جائے گی۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کیا تو نے آنحضرت ﷺ کی حدیث نہیں سنی۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس چیز کو خواہش سے حاصل کرو، اس سے ہاتھ اٹھا لو۔

دس درویش ہم سفر تھے۔ ایک جنگل میں راستہ بھول گئے۔ انہیں پیاس نے سخت ستایا۔ پانی جوان کے پاس تھا وہ صرف اتنی مقدار میں تھا کہ اس سے صرف ایک آدمی کی پیاس بجھ سکتی تھی۔ انہوں نے یہ ایثار کیا کہ اپنی اپنی خواہشوں کو ایک دوسرے کی خواہشوں پر قربان کیا۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ایک کے سوائے سب پیاسے مر گئے۔ دسویں آدمی نے پانی پی لیا اور اس کی قوت سے گرتا پڑتا جنگل سے باہر نکلا۔ ایک شخص سے اس نے یہ سب ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا کہ اگر تو بھی پانی نہ پیتا تو اچھا ہوتا۔ اس نے کہا کہ اگر میں نے پانی نہ پیا ہوتا تو مجھ پر خودکشی کا جرم عائد ہوتا اور عاقبت میں مجھ سے مواخذہ ہوتا۔ کہنے والے نے کہا کہ پھر وہ نو آدمی جنہوں نے پانی نہیں پیا ہے، انہوں نے بھی خودکشی کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ کیا ان سب سے جواب طلبی ہوگی؟ اس نے کہا کہ نہیں وہ سب شہید ہیں اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کی جان بچانے کے لیے خود موت قبول کی ہے، لیکن جب وہ ایک دوسرے پر قربان ہو کر چل بسے اور صرف میں اکیلا رہ گیا تو شریعت نے مجھ پر یہ واجب کر دیا کہ میں پانی پی لوں اور اپنے آپ کو جان بوجھ کر بغیر کسی مقصد کے ہلاکت میں نہ ڈالوں۔ اگر میں بھی پانی نہ پیتا تو ظاہر ہے کہ میں بھی مر جاتا اور چونکہ گیارہواں آدمی کوئی نہ تھا جس کے لیے میں ایثار کرتا اس لئے میری موت حرام ہوتی اور اسے خودکشی سے تعبیر کیا جاتا۔ اللہ اللہ! یہ زندگی تھی مردان خدا کی ؎

پابندی وفا ہے تو پھر مدعا سے کام
مرجایئے کسی کی تمنا نہ کیجئے

جس شب کو کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ کے قتل کے منصوبے باندھے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر ان کے بستر پر جا سوئے۔ اسی طرح غار ثور میں حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی آنحضرت ﷺ کی خاطر اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھا تھا۔ غزوہ احد کا حادثہ بھی کافی مشہور ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کڑی آزمائش میں ڈالا تھا۔ جب وہ اس آزمائش کی کسوٹی پر پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف و توصیف بھی کی ہے۔ غزوہ احد کی بات ہے کہ ایک انصاری خاتون کوئی خدمت کرنا چاہتی تھی۔ جب وہ میدان جنگ میں پہنچی تو اس

نے دیکھا کہ چند آدمی زخمی پڑے ہیں۔ ان میں سے ایک دم توڑ رہا تھا۔ وہ عورت اس کے پاس پانی لائی۔ اس زخمی نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ پہلے اسے پلا دے۔ یہ کل سات آدمی تھے۔ ان سے ہر ایک نے اشارہ سے یہی کہا کہ اور ہوا یہ کہ جب عورت پانی لے کر آخری آدمی کے پاس پہنچی تو وہ جاں بحق تسلیم ہو چکا تھا۔ جب واپس لوٹی اور دوسروں کے پاس پہنچی تو ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ تھا۔ کیا ایثار کی اس سے بڑی کوئی اور مثال ہو سکتی ہے؟

ایک عابد سے خطا سرزد ہو گئی۔ ادھر سے خطاب ہوا کہ اس کا نام اشقیا کی فہرست میں شامل کر دیا گیا ہے۔ عابد نے کہا کہ خدایا! اگر دوزخ ہی میں بھیجنا مقصود ہے تو ایسا کر کہ سب دوزخیوں کی جگہ مجھے ہی بھیج دے تا کہ دوسروں کو میری ذات سے کوئی فائدہ تو پہنچے۔ حکم ہوا کہ ہماری ناراضی صرف ایک آزمائش تھی۔

ابوالحسن نوریؒ بالعموم یہی دعا مانگا کرتے تھے کہ:

"یاالٰہی! خواہ بری ہے یا بھلی، تیرے علم تیری قدرت اور تیرے ارادہ سے دنیا میں ہے۔ اگر تو دوزخ میں بھرنا ہی چاہتا ہے تو اس میں سب کی جگہ اکیلا مجھے ڈال دے اور دوزخیوں کو دوزخ کی آگ سے نجات دے۔"

ایک مروزی نوجوان کو نصیحت

"اسرار خودی" میں اقبال نے ایک واقعہ نظم کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک نوجوان جس کا تعلق مرو (ترکستان) سے تھا' حضرت داتا گنج بخشؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضور! میں دشمنوں کے نرغہ میں گھرا ہوا ہوں۔ کوئی ایسی تجویز فرمائیں کہ دشمن مجھے کوئی گزند اور کوئی تکلیف نہ پہنچا سکیں۔ اس پر حضرت مخدوم نے ارشاد فرمایا:

فارغ از اندیشۂ اغیار شو قوت خوابیدہ بیدار شو

یعنی تو اظہار کے خوف و خطر کو اپنے دل میں راہ نہ دے، دل سے یہ اندیشہ نکال دے تو ایک سوئی ہوئی قوت ہے بیدار ہو کر اپنی شان دیکھ یعنی دل سے یہ خیال نکال دے کہ دشمن تیرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ تیری کوشش یہ رہنی چاہیے کہ تیری وہ صلاحیتیں جن پر غفلت کے غلاف چڑھے ہوئے ہیں، اُجاگر ہوں۔

سنگ چوں برخودگمان شیشہ کرد شیشہ گردید و شکن پیشہ کرد

اگر پتھر اپنے بارے میں یہ گمان کر لے کہ میں شیشہ ہوں تو رفتہ رفتہ اس میں شیشہ کی سی صفات پیدا ہو جائیں گی اور ہر شخص اسے توڑ سکے گا یعنی ساری خرابیاں یقین کی کمزوری اور اپنے اوپر بھروسہ نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ جو لوگ خود اعتمادی کے جوہر سے ناآشنا ہیں اور جو یقین کی دولت سے مالا مال نہیں ہیں، وہ دنیا میں کبھی فتح و کامرانی اور عزت و آبرو کی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔

Marfat.com

ناتواں خودرا اگر رہرو شمرد نقد جان خویش با رہزن سپرد

اگر کوئی راہرو اپنے آپ کو کمزور سمجھتا ہے تو یقیناً راستے میں اس کے لٹ جانے خطرہ ہے۔ کسی قیمت پر بھی اپنے ضعف کے احساس کو غالب نہیں ہونے دینا چاہیے۔ عالی ہمت اشخاص اسے موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

تا کجا خود را شماری ماء وطین از گل خود شعلہء طور فرین

تو کب تک اپنے آپ کو مٹی اور پانی سے مرکب شے تصور کرتا رہے گا۔ تجھ پر یہ لازم ہے کہ تو اپنی شخصیت کا معیار اتنا بلند کر لے کہ اس سے شعلہ طور پیدا ہو۔

باعزیزاں سرگراں بودن چرا شکوہ سنج دشمناں بودن چرا

رشتہ داروں کے گلے شکوے بے سُود ہیں۔ دشمنوں کی شکایت بھی بے فائدہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ رشتہ داروں اور دشمنوں سے بے نیاز ہوکر زندگی بسر کرے۔

راست می گویم مدہم یار تست ہستی اور رونق بازار تست

میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ دشمن بھی تیرا دوست ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس کے دم سے تیری زندگی میں گرم جوشی اور ہماہمی پائی جاتی ہے

ہر کہ دانائے مقامات خودی ست فضل حق داند اگر دشمن قوی ست

جو شخص خودی کے مقامات سے آگاہ ہے، وہ تو اس بات کو خدا کی مہربانی تصور کرتا ہے کہ اسے کسی زبردست دشمن سے سابقہ پڑ جائے کیونکہ اس سے اس کو اپنی مخفی قوتوں کو پیدا کرنے کا موقع ملے گا۔

کشت انسان راعد و باشد سحاب ممکناتش رابر انگیزو خواب

انسان کی زندگی کی کھیتی کے لئے دشمن بادل کا کام دیتا ہے اور انسان کی مخفی اور سوئی ہوئی قوتوں کے بیدار ہونے کا سبب بنتا ہے۔ اگر مینہ نہ برسے تو کھیتی سوکھ جائے گی۔

سنگ راہ آب است اگر ہمت قوی است سیل راپست و بلند جادہ چیست

اگر انسان کی ہمت بلند ہو تو راستہ کا پتھر پانی کی طرح بہہ جاتا ہے۔ یقین نہ ہو تو تجربہ کر لو جس وقت سیلاب آتا ہے اس کے سامنے پستی و بلندی دونوں کی حیثیت یکساں ہوتی ہے۔ بڑے سے بڑے درخت جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور خاروخس کی طرح انہیں اپنی رو میں بہالے جاتا ہے۔

وصال

ذات باری تعالیٰ کے ماسوا ہر وجود پر فنا وارد ہوتی ہے۔ باقی صرف ایک ذات واحد ہے اور فانی اس کے ماسوا۔ ہر ایک مخلوق خدا کے علاوہ اگر کسی کے لیے بقا ہوتی تو انبیاء علیہ اسلام اور اولیاء علیہ اسلام ہمیشہ ہمیشہ نہ صرف باعتبار صفات بلکہ بلحاظ ذات بھی باقی رہتے۔ ایسا کیوں نہیں ہے؟ اس کی وجہ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ قادر مطلق نے خلود

Marfat.com

دوام اور اثبات و بقا کی خاصیتیں صرف اپنی ذات کے لیے روا رکھی ہیں اور یہی مناسب بھی تھا۔ ممکن و واجب کی ہم سطحیت سے تو والہٰ لازم آتا حالانکہ اس کی نفی پر وحدت کے اثبات کا دارومدار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص اور اخص الخواص بندوں کو جو صفائی اعتبار سے بقا کی دولت لازوال مرحمت کی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ انبیا علیہ السلام اور اولیا سے ہماری عقیدتیں کچھ اس نوعیت کی ہیں کہ ہم کسی صورت بھی ان کی یاد سے غافل نہیں ہو سکتے۔ جن خوش قسمت اشخاص کی نسبتیں ان نفوس قدسیہ سے قوی ہوتی ہیں، خلود و دوام کی فہرست میں ان کے اسمائے گرامی بھی لکھ لئے جاتے ہیں۔ قرآن شریف میں شہدا سے متعلق جو یہ بشارت دی ہے کہ:

''تم ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن ان کی زندگی کا تمہیں شعور نہیں'' (آلایہ)

اس کا اطلاق اولیائے کرام پر بھی ہوتا ہے اس لئے کہ یہ بھی شہدا ہیں۔ عمر بھر انہوں نے اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا۔ صبر آزما مصائب و آلام کے پہاڑ ان پر ٹوٹے لیکن ان کی پامردی اور استقلال میں سرِ مُو فرق نہیں آیا۔ ان کی زندگیاں موتو اقبل ان تموتوا کی زندہ تفسیریں تھیں۔ آتش عشق الٰہی کی قربان گاہ پر انہوں نے اپنی جانیں بھینٹ چڑھا دی تھیں اور ان کے سوا ان بیچاروں کے پاس اور تھا بھی کیا۔ حافظ شیرازی نے کیا خوب لکھا ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت ست برجید عالم دوام ما

حضرت داتا گنج بخش کا وصال ۴۶۵ھ میں ہوا۔ اتنی طویل مدت کے بعد بھی یہ عالم ہے کہ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی گھڑی ایسی نہیں ہے کہ مزار عالیہ کے گرد پروانوں کا ہجوم نہ رہتا ہو۔ ۱۹ اور ۲۰ صفر کو ہر سال ان کا عرس ہوتا ہے۔ یوں ہر روز زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

نذرِ عقیدت

قطب الاقطاب حضرت مخدوم علی ہجویریؒ کی بارگاہ میں......اقبال

سید ہجویر مخدوم امم مرقد او پیر سنجر را حرم
بند ہائے کوہسار آسان گیخت درزمین ہند تخم سدہ ریخت
عہد فاروق آز جمالش تازہ شد حق ز حرف او بلند آواز وشد
پاسبان عزت ام الکتاب از نگاہش خانہ باطل خراب
خاک پنجاب ازدم او زندہ گشت صبح ما از مہر او تابندہ گشت

منظوم ترجمہ......کامل

Marfat.com

کس قدر اونچا ہے پایہ سید ہجویر کا
سرجھکا ہے آستان پر خواجہ اجمیر کا
اللہ اللہ کوہساری بند توڑے آپ نے
کشور ہندوستاں پر نقش چھوڑے آپ نے
تازہ اپنے دور میں کی عہد فاروقی کی یاد
آپ نے دیں حق پرستوں کو نوید زندہ باد
پاسبانی آپ نے کی دین کے ناموس کی
شان مٹی میں ملا دی کفر کے ناقوس کی
آبرو پنجاب کی ہے آپ سے اے گنج بخش
آن شیخ وشاب کی ہے آپ سے اے گنج بخش

(در: تذکرہ اولیائے لاہور از محمد وارث کامل، کراچی ۱۹۶۳ء، ص ۸۲۔۱۱۱)

☆......☆......☆

Marfat.com

پروفیسر احمد رفیق اختر

سید علی بن عثمان ہجویریؒ

اپنے ذاتی واقعہ میں سیدِ ہجویرؒ کے حوالے سے میں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ جب تلاشِ خدا کی ایک ذرا سی تڑپ میرے دل میں پیدا ہوئی، اس سے پہلے بڑا ضروری ہے کہ میں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ یہ تڑپ کیوں پیدا ہوئی؟ اپنے مطالعاتی دور میں مشرق و مغرب کے تمام علوم کو دیکھتے ہوئے ممکنہ حد تک ان کے مطالب سے جب میں نے اچھی طرح رسوخ حاصل کر لیا تو میرے ذہن میں ایک فطری سا سوال پیدا ہوا۔ سوال یہ تھا کہ سُنا جاتا ہے، کہا جاتا ہے، معلوم ہے کہ علم سکون عطا کرتا ہے...... اتنا کچھ پڑھنے اور جاننے کے باوجود ہزار ہا اوراقِ علم کھولنے کے باوجود میرا دل سکون سے کیوں خالی ہے؟ یہ سوچنا پڑتا تھا کہ ہیگل اور کانٹ اور برگساں کیوں مجھے سکون نہیں دیتے؟ کیا یہ تفاخر کافی ہے کہ کسی بڑے عالم کو پڑھ کر، اس کا حوالہ دے لینا سکون کا باعث ہے؟ ایسا تو نہیں تھا، ایسا تو کوئی عالم دُنیا میں نہیں تھا کہ جس کی تعلیمات کے بعد میں ایمانداری سے یہ اعلان کرتا کہ لوگو! میں نے سکون پا لیا، امن پا لیا، جستجوئے خیال پالی، اس نے میرے صحرا نشین دل کو تمدن کا ایک گھروندہ دے دیا، ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا۔

اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ خدا ہے ہی نہیں...... اس لیے کہ خدا رسیدہ لوگوں کو دیکھا۔ ایسے بندوں کو بہت دیکھا جو دعویٰ شناسائی ربِّ کریم رکھتے تھے۔ ان لوگوں کو بہت دیکھا، مگر کسی میں ایسا سُراغِ حقیقت نہیں ملا۔ معلوم ہوا کہ وہ اپنے آپ کو جانتے بھی نہ تھے۔ وہ تو ایک general psychology of the self کے بھی شناسا نہ تھے، وہ psychology of the self جو مغربی علماء نے متعارف کروائی تھی، وہ اِس سائیکالوجی کے عام معیار پر بھی پورے نہ اُترتے تھے۔ ان کو ہم کیا خداشناس سمجھتے؟ سنا گیا ہے کہ خدا کی شناخت، شناختِ ذات سے بہت آگے کی بات ہے۔ سُنا گیا ہے کہ جہاں زوالِ علمِ نفسیات شروع ہوتا ہے، وہیں سے شناختِ خداوند کا علم شروع ہوتا ہے کیونکہ نفسیات اللہ کے لیے نہیں پڑھی جاتی۔ self کا یہ علم self ہی کے عروج اور بہتری کے لیے ہے۔ دُنیا کا بڑے سے بڑا نفسیات دان اپنا یہ دعویٰ نہیں رکھتا کہ:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

(جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔)

نفسیات کے کسی عالم کا خیال، شعور اور منزل تلاشِ خداوند نہیں ہوتی بلکہ وہ تلاشِ خداوند کو بھی آسیب سمجھتے ہیں۔ ایک ایسا نظریہ جو شاید کسی وہم اور وسوسے کی پیداوار ہے، شاید کسی psychotic brain کی تخلیق ہے، شاید وجود کے اندر کسی جناتی وجود کی پیداوار ہے۔ ایسا مرحلہ جب کہیں پیش آیا تو اس تلاش میں، مَیں بہت عرصہ سرگرداں رہا کہ کوئی ایک ایسا فاضل، دانش ور، کوئی ایسا اللہ کا بندہ تو ہو جو مجھے خدا کے رستے سے آشنا کر دے۔

اس تلاش میں، مَیں ایک مرتبہ آستانہء ہجویرؒ پر حاضر ہوا۔ بڑا گلہ کیا۔ میں نے ان سے کہا: تم لوگ لفاظ ہو، بے کار کی بحثوں میں تم نے لوگوں کو اُلجھائے رکھا، جمع و وحدت میں اُلجھائے رکھا، صدق و صفا میں اُلجھائے رکھا۔ بھلا اگر تم ایسے لوگ تھے اور تمہارے پیچھے آنے والے بھی تھے اور اگر آپ کہتے ہو کہ زمین اقطاب سے خالی نہیں ہوتی، نقیبوں اور نجیبوں سے خالی نہیں ہوتی تو ایک متلاشی کو کون سراغ دے گا؟ کہاں سے لاؤں گا وہ رہبر، کہاں سے لاؤں گا وہ دانش ور، جو حجابِ ذات سے مجھے آشنا کر دے؟ کوئی ایسا سُراغ تو ہوگا آپ کے پاس؟ مگر کیا افسوس کی بات ہے کہ زمانے کی ہر گلی اور کوچہ گھوما پھرا ہوں، معاشرے کے ہر فرد و بشر کو دیکھا ہے؟ تمکنت نظر آتی ہے، دعویٰ نظر آتا ہے، وعدے نظر آتے ہیں، مگر یہ خالی خولی لوگ کسی کو خدا کے رستے پر پہنچانا تو بہت دُور کی بات ہے، یہ تو خدا کی یاد کے رستے بھی لوگوں پر مسدود کر دیتے ہیں۔

جواب کیا ملنا تھا۔ جواب تو کچھ بھی نہ ملا۔ سو میں غصّے، افسوس اور رنج سے واپس پلٹا۔ اتفاق یہ دیکھئے کہ میز پر ''کشف المحجوب'' کُھلی پڑی تھی۔ اتفاقاً، کچھ غصّے سے، میں نے اس کتاب کے اس صفحے پر نظر ڈالی جو کھلا ہوا تھا، تو میری توجہ حضرت ابوسعیدؒ ہجویری کے اس سوال پر گئی کہ سید ہجویرؒ اسے مخاطب کر کے کہہ رہے تھے کہ ''اے ابوسعید! ایک وقت تھا کہ ہم زمین پر خدا کی تلاش کے لیے نکلے تھے۔ ہمیں بے شمار رہبر ملے، بے شمار اللہ کے ولی ملے، بے شمار دوست ملے، ہم نے سینکڑوں لوگوں سے کسبِ فیض کیا، کسی سے حال لیا، کسی سے مقام لیا، کسی سے غیبت لی، کسی سے حضور لیا، کسی سے صدق و صفا لیا، مگر اے طالبِ الٰہ! ایک وقت آئے گا کہ تیری بے چارگی پر ہمیں افسوس ہوا کہ تُو کوچہ کوچہ، گلی گلی پھرے گا، تجھے ایسا کوئی شخص نظر نہ آئے گا، جو تجھے رشد و ہدایت کے کسی سلسلے تک پہنچائے۔ مجھے ایک بات بتا کہ پھر کیا تُو خدا کی تلاش چھوڑ دے گا؟'' یہ جملہ مجھے بڑا اچنبھا لگا کہ سیدؒ نے کہا کہ ''پھر کیا تُو خدا کی تلاش چھوڑ دے گا؟ تو میری اتنی بات ضرور یاد رکھنا کہ وہ ہے...... وہ موجود ہے...... وہ خلق کی رضا سے بہت بالا ہے، وہ شکوک و شبہات سے بہت بلند ہے اور جو اسے تلاش کرے گا، چاہے کسی زمانے میں بھی کرے، چاہے کسی وقت بھی کرے، وہ اسے ہر حال میں اپنے رسوخ تک، اپنی ملاقات تک، شناسائی تک، مصاحبت تک، ہمسائیگی تک ضرور پہنچائے گا۔''

یہ میرے سوال کا جواب تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ اس سوال کا جواب بھی تھا کہ بڑے بڑے اولیاء اللہ تعالیٰ نے، بڑے بڑے ماہرینِ تعقل نے، بڑے بڑے متجسس حضرات نے شیخ کے بارے میں یہ کیوں لکھا کہ :

Marfat.com

ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را راہنما

یہ کتاب ''کشف المحجوب'' جس مقصد سے لکھی گئی، اصل میں اس کتاب کے پیچھے جو خواہش تھی وہ آج بھی اسی طرح زندہ ہے۔ اس سے زمانوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اوقات اس کے رستے میں حائل نہیں ہوتے۔ آج بھی جسے خدائے بزرگ و برتر کی تلاش ہے، جسے محبت کی تلاش ہے، اللہ کے قرب اور ہمسائیگی کی تلاش ہے، آج بھی اسے ''کشف المحجوب'' بھرپور رہنمائی دیتی ہے۔ جیسے ان کے اپنے زمانے میں لوگوں کو رہنمائی میسر تھی۔

تصوف کی عمومی دنیا پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو بہت اولیا ہیں جو بڑے قابلِ قدر ہیں، ان کے بڑے خوبصورت اور قیمتی اقوال ہیں، ان کا ہر قول عمل میں جانے کے بعد اپنی خاصیت دکھاتا ہے۔ سیدِ ہجویرؒ فرماتے ہیں کہ ''متصوف بھی بہت ہیں، متصوف بھی بہت ہیں لیکن صوفی بہت کم ہیں۔'' Intellectual heights پر جا کر تلذذِ گفتگو صوفیانہ بھی ہوتی ہے۔ شعر میں بھی ہم کسی شاعر میں تصوف کا پہلو نکال لیتے ہیں۔ تصوف نکالنا بڑا آسان ہے۔ maturity کے کسی بھی pattern سے ہم دراصل خلق کے مباحث میں پڑ جاتے ہیں۔ consensual, mental اور temporal mysticism کو ہم تصوف سمجھتے ہیں۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔ پینتیس سال کی شاعری کے بعد اگر ایک شاعر اچھا شعر لکھ دے تو وہ شاعری کا تصوف ہو سکتا ہے مگر تصوف نہیں ہوتا۔ ہر چیز ایک مرتبۂ کمال تک پہنچتی ہے اور ہر مرتبۂ کمال کو تصوف کہا جا سکتا ہے۔ But it is the mysticism of the same، thing which we are studying. It is not the mysticism which we call. اللہ کے علم کو ایسا بالکل نہیں کہا جا سکتا۔ مصیبت یہ ہے کہ intellectual جب اپنی انا میں کسی تجربۂ زندگی سے نہیں گزرتا تو وہ ہمیشہ اس علم کو مسترد کرتا ہے یا اس کو خرافات پر مبنی ایسی سوچ قرار دیتا ہے، جو نا قابلِ اطلاق ہے۔ کسی نے کہا کہ صوفی ازم دُنیا سے کنارہ کشی ہے۔ کسی نے کہا کہ صوفی ازم ایک قصۂ پارینہ ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تلاش محض ایک فریب اور دھوکا ہے، مگر حقیقت یہ تھی کہ ان لوگوں کو تصوف سے کسی قسم کی کوئی شناسائی حاصل نہ تھا۔

سیّدِ ہجویرؒ نے تصوف میں چند ایک باتیں ایسی کہیں، جیسے میں نے ان سے سمجھا، خلاصۃً آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اتفاق یہ ہوا کہ میرا واسطہ کچھ ایسے لوگوں سے پڑا کہ جو مجھ سے بار بار سوال کرتے تھے۔ کسی نے کہا کہ میں نے پندرہ برس خدا کو تلاش کیا، میں نے کیوں خدا کو نہ پایا، تجھ میں کون سے سُرخاب کے پَر لگے ہوئے تھے۔ کسی نے مجھے کہا کہ یہ تصوف کیوں نہیں تسکینِ قلب کا باعث بنتا، کسی نے کہا کہ بغیر رشد و ہدایت تصوف ہو نہیں سکتا، کسی نے کہا کہ بیعت کرنا کتنا لازم ہے، بغیر بیعت کب کوئی صوفی ہو سکتا ہے مگر یقین جانیے کہ تصوف کا ان باتوں سے قطعاً کوئی تعلق نہیں تھا، کسی ایسے سخت رویّے سے، کسی ایسے تخصیصی مراتب سے تصوف کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کوئی بندش ایسی نہیں ہے جو بندے کو خدا تک پہنچنے سے روک سکے مگر صرف ایک ہے کہ وہ خالقِ کُل، وہ صاحبِ کائنات، وہ جو سب سے بڑا ہے، وہ اپنی حیثیت سے کم درجے پر اُترنا پسند نہیں کرتا۔ اگر آپ اپنی ترجیحاتِ زندگی کو اپنی مقصدِ

Marfat.com

حیات بنائیں اور اگر آپ یہ چاہیں کہ خدا آپ کو نصیب ہو تو آپ کو سب سے پہلے اس ذہنی منافرت کو دور کرنا ہوگا جو آپ کے اور اللہ کے درمیان ہے۔ اللہ کسی بھی قیمت پر، کسی بھی درجہء ثانویہ پر اترنے والا نہیں ہے۔ اگر آپ کو اللہ نہیں مل رہا ہے تو اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ بقول سید ہجویرؒ خدا کو جاننا، ماننا اور اُسے، اُس کے غیر کی نفی کے برابر تسلیم کرنا ضروری ہے، مگر جہاں اللہ نے ہمیں اجازت دی، ہر اُس چیز سے فائدہ اُٹھانے کی جو اس زندگی کے لیے کارآمد ہے، وہاں ایک قید ضرور لگائی کہ اگر تم دوسری ترجیحات کو مجھ پر ترجیح دو گے تو پھر میں کسی قیمت پر تم سے ملنے والا نہیں ہوں۔ یہ توہینِ مرتبہء عالیہ اُس کو کسی قیمت پر پسند نہیں ہے۔ اگر آپ کی ذہانت، آپ کا علم، آپ کا کوئی چھوٹا سا درجہء عزت وتوقیر بھی اللہ کا نہ بتا سکے تو پھر آپ اللہ کے قابل نہیں ہو۔ خالق کبھی مخلوق کے مراتب تک نہیں اُترتا۔ وہ تمام دعویٰ علمیہ ناقص ہے، جس میں کسی شے کو، کسی فرد کو، کسی بھی قسم کے علم کو جب آپ خدا کے علم سے برتر جانتے ہو تو پھر اللہ آپ سے بالکل نہیں ملتا مگر میں جانتا ہوں، آپ بھی جانتے ہیں کہ ہم اعمال سے اپنے اس دعویٰ کو پورا نہیں کر سکتے۔

ہمارے اعمال سست رو ہیں، خیال بہت تیز ہے، یہ اشہبِ خیال برق رو ہے اور یہ پتہ نہیں کہاں سے کہاں کی زقند لگاتا ہے، تجلیاتِ فکر آسمان گیر ہیں، یہ زمین سے افلاک سے نکل جاتی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بدن زمین سے باہر نہیں نکل سکتا، وجود سست رو ہے، اس کو خیال تک آتے ہوئے بھی برسوں لگ جاتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا: ''توبہ آسان ہے، ترکِ گناہ مشکل ہے۔'' اسی طرح ذہن سے کسی چیز کا انکار کر دینا آسان ہے مگر اس کے مطابق عمل کرنا مدتوں کی بات ہے۔ برس ہا برس کی بات ہے، مگر اللہ کو آپ کے اعمال سے اتنی غرض نہیں ہے۔ اس کو تو اُس دولتِ فکر، اُس امانتِ علمیہ سے غرض ہے جو اس نے ہر اِک سے چھپا کر، ہر اِک سے ہٹا کر آپ کو دے دی تھی اور کام صرف اتنا رکھا تھا کہ مجھے پہچانو گے کہ نہیں۔ اُس وقت اس نے یہ بھی کہا کہ:

''اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا'' (الاحزاب ۳۳: ۷۲)

(بے شک وہ ظالم ہے، جاہل ہے۔)

تم انصاف نہیں کر سکو گے، ترجیحات برقرار نہیں رکھ سکو گے لیکن جب ہم ایک دفعہ ذہنی طور پر یہ عہد کر لیتے ہیں، چاہے اس پر عمل کریں یا نہ کریں مگر بڑے خلوص سے جب یہ عہد کر لیتے ہیں کہ اے مالک وکریم! میں اپنی سابقہ غلطیوں سے توبہ کرتا ہوں، میں نے حماقتیں کیں، اب مزید نہیں کروں گا، مجھ سے کچھ کوتاہیاں ہوئیں، اب میں اس سے بڑی کوتاہی نہیں کروں گا، اب تجھ سے بڑھ کر میری کوئی ترجیح نہیں ہوگی۔ تُو میری ترجیحِ اوّل ہے۔ اب مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس ترجیح کے ساتھ باقی زندگی گزاروں۔ جب آپ نے یہ ذہنی فیصلہ لے لیا تو اللہ کی آپ سے ضد ختم ہوگئی۔ اللہ کا مقصد پورا ہو گیا، باقی رہے افعال واعمال...... حضورِ گرامی مرتبتﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ زمین وآسمان بنانے سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ نے آپ کے قاعدہ، قانون، ضابطہ اخلاق، کام سب کچھ لکھ کر دیا ہے، پھر آپ کو وہ اعمال دے دیئے جائیں گے جو آپ کی ترجیح کے مطابق ہوں گے، پریشانیاں اس کے مطابق ہوں گی۔ ذیابیطس

اور امراضِ گردہ اس کے مطابق ہوں گے۔ بے سکون تب ہوں گے، بے چین تب ہوں گے، جب آپ اپنی ترجیحِ اوّل کے تعین میں ناکام ہو جائیں گے۔

یہ اتنا بڑا سبق ہے جو ہمیں سیّد ہجویرؒ سے ملتا ہے، سیّد ہجویرؒ کیوں؟ یہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور صاحبانِ اہلِ بیعت کے بعد اتنا بڑا عالم مشرق ومغرب میں کوئی نہ گزرا۔ تصوف کے چار بہت بڑے ستون ہیں: سید الطائفہ، جنید بغدادیؒ، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جو قطبِ عالم بھی ہیں، غوثِ زمانہ بھی ہیں اور امام مغرب خواجہ ابوالحسن شاذلیؒ، مگر سید ہجویرؒ سب پر بازی لے گئے۔ اتنا exactitude ہے، داخلی اور خارجی کیفیتوں میں اتنا توازن ہے اور تحریرات میں اتنی scientific approach ہے کہ بہ حیثیت ایک چھوٹے سے شاگرد کے جب میں نے اپنا تھیسس ایک انگریز پروفیسر کو سنایا تو اس نے مجھے ایک compliment دیا۔ Which looks like a very good compliment to me. اس نے کہا۔ His approach towards God is as we approach Quantum and Relativity یعنی اتنی Scientific approach میں نے سیّد ہجویرؒ کے علاوہ اور کسی صوفی میں نہیں دیکھی۔

انہوں نے ہر کیفیت اور اس کے خطرات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے، وطنات کو وضاحت سے بیان کیا ہے، وہ خطرات جو وطن بن جاتے ہیں، وہ آسیب زدگیاں جو ہمارے ذہن کی possessions اور obsessions بن جاتی ہیں، جہاں سے نکلنا ہمارے لیے مشکل ہوتا ہے اور وہ حجابات جو عارضی ہیں اور جن کو اللہ کے نام کے ساتھ دور کیا جاتا ہے۔ سیّد ہجویرؒ اس معاملے میں جب واقعاتِ صوفیاء بیان کرتے ہیں تو ساتھ ساتھ اپنی ایک مکمل رائے بھی دیتے ہیں کہ یہ شدتِ خیال ہے، اس سے بچ کر رہنا۔ وہ بتاتے ہیں کہ یہ صوفیاء بڑے صوفیاء تھے مگر گریز کرنا ایسے تصوف سے، جس میں شدتِ خیال تم نبھا نہ سکو۔

سب سے بڑی خوبی جو سیّد ہجویرؒ میں ہے کہ وہ اتنا کھلا ڈھلا اور صاف ستھرا شخص ہے کہ اپنی کمزوری کو بھی علم کے لیے آشکار کر دیتا ہے۔ یہ آج تک کسی صوفی نے نہیں کیا۔ وہ جب علم کی بات کر رہا ہوتا ہے تو اپنی عزت کو بھی ترک کر دیتا ہے۔ اپنی عزت وقار کو بھی خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ سماع کی گفتگو میں آپ نے فرمایا: ''خدا معاف کرے ان مجالس سے جن میں ہم جاتے تھے، وہاں چھتوں سے عورتیں لگی ہوتی تھیں اور محافل میں بے ریش لونڈے بیٹھے ہوتے تھے۔'' شیخؒ نے وضاحت سے بتایا کہ ''ہم ان خطرات سے خالی نہ تھے۔ بظاہر تو ہم اسی لیے سماع کی محفلوں میں جاتے تھے، مگر دراصل ہماری اندرونی نیتوں میں کتنی خرابی تھی۔ شیخؒ نے جب خطرات کا ذکر کیا تو فرمایا کہ: ایک پری چہرہ کا میں نادیدہ عاشق ہوا اور دو سال میں نے غربتِ حق میں گزارے اور قریب تھا کہ میں اپنا زہد و ایمان کھو بیٹھتا، شناختِ خداوند سے عاری ہو جاتا کہ اللہ نے مجھ پر احسان کیا اور اس کا کرم میرے شاملِ حال ہوا اور میں اس کے قبضہ سے نکلا اور اپنی راہ پر گامزن ہوا۔'' بھلا ایسا بے تکلف استاد کہاں سے ملتا؟ یہاں تو تقدس مآب اپنی

Marfat.com

داستانِ تقدس میں آپ کو ایسا غرق کر دیتے ہیں کہ خوف و وحشت سے آپ اُلجھ جاتے ہیں مگر ایک کام ہم بھی بڑا غلط کرتے ہیں۔ ہم صوفیاء کو ان کے آفاقی کناروں سے دیکھتے ہیں، ہم صوفیاء کو زمین پر نہیں دیکھتے۔ ہم اس عبدالقادر جیلانیؒ کو نہیں دیکھتے جو زمین پر تصوف کی تلاش میں، اللہ کی تلاش میں نکلا تھا۔ ہم تو غوثِ زمانہ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں، قطب الاقطاب کو دیکھ رہے ہوتے ہیں، ہم اس معین الدین شیخ اجمیری کو نہیں دیکھتے جو باغ میں معمولی سی مزدوری کر رہا تھا۔ ہم اُس نظام کو نہیں جانتے جو دو وقت کی روٹی کے لیے بھاگتا پھرتا تھا۔ ہم تو نظامِ دہلیؒ کو جانتے ہیں۔ یہ سب سے بڑی غلطی ہے۔ ہمیں ان بزرگوں کے مقامات نہیں دیکھنے چاہئیں۔ ان مقامات کے علوم مرتبت نہیں دیکھنے چاہئیں، یہ بعد کی بات ہے۔ یہ محبت وعزت کی بات ہے۔ ہمیں تو ان لوگوں کا آغاز دیکھنا چاہیے۔

کیا آپ آغاز ان کے ساتھ share نہیں کر سکتے؟ یہی سید ہجویرؒ نے فرمایا۔ کیا آپ کو پتہ نہیں کہ سید ہجویرؒ نے فضیل بن عیاضؒ کے ذکر میں لکھا کہ وہ پہلے ڈاکو تھے۔ عبداللہ بن مبارک مروزیؒ کے بیان میں لکھا کہ وہ تمام رات ایک طوائف کے گانے کے لیے اس کے دروازے کے نیچے کھڑے رہے۔ کیا وہ ہم جیسے ہی نہ تھے؟ پھر اُن پر ایک چیز غالب آئی، انہوں نے معاملاتِ زندگی کو سمجھ لیا، عقلِ سلیم نے انہیں تھاما اور پھر وہ خدا کے رستے پر گامزن ہو گئے۔ گناہ وثواب سے صوفی کو اتنی غرض نہیں ہوتی۔ ان کا گناہ خدا سے غیاب ہے اور ان کا حضور، جس میں ان کا غیاب شامل ہو جائے، ان کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہوتا ہے۔ یہ غیب وحضور کی باتیں فلسفیانہ نہیں ہیں۔ ان کا کوئی تعلق فلسفہ اور دانش سے نہیں ہے۔ ان کا تعلق طلب سے ہے، خیال سے ہے، محبت سے ہے۔ بھلا محبت کرنے والا کب صاحبِ محبت سے جدا ہونے میں راضی ہو جائے گا؟

صوفیاء کے جو اقوال سیّد ہجویرؒ نے تحریر کیے ہیں، وہ اپنے اپنے مقام پر کچھ ایسی حقیقتوں کی نشاندہی کرتے ہیں، جن کی طلب آپ کے لیے لازم ہے۔ ذرا غور کریں کہ ہم گردش و بلا سے کتنے حیران و پریشان ہوتے ہیں، ہم ہر لمحے اس سے آزاد ہونا چاہتے ہیں، مگر صوفی یہ کہتا ہے کہ: ''جو بھی غم سے دور ہے، اس پر آخرت کا عذاب لازم ہے۔'' کیونکہ یہ طریقِ خداوند کے خلاف ہے۔ دُنیا دارالمحن ہے، یہاں اس نے آپ کو آزمائش کے لیے بھیجا ہے۔ تین طریقے ہیں خدا کو پانے کے اور تینوں طریقوں میں بلا ہے، تینوں طریقوں میں پیغمبروں نے ان بلاؤں کی فطرت کو واضح کیا ہے۔ تصوف میں تین بڑی approaches ہیں۔ سیدِ ہجویرؒ میں وہ تینوں approaches مکمل موجود ہیں۔ آج کل کے بہت سے دبستان ہائے خیال دنیوی تعلیم کو دینی تعلیم سے جدا کرتے ہیں مگر سید ہجویرؒ نے فرمایا کہ ''تمام علوم سے ان کی تحصیل بھی کرو اور اتنا ضرور لے لو، جو کہ خدا کی شناخت کے لیے لازم ہے۔'' اگر علوم نفس کے لیے نفسیات ہے، علومِ ہیئت کے لیے Cosmology ہے، عمرانیات کے لیے Anthropology ہے تو یہ علوم آپ کہاں سے سیکھو گے؟ کہاں سے ان علوم کی معرفت ملے گی؟ بڑا احسان کیا مغرب نے، اگرچہ اُنہوں نے اپنے آپ پر نہیں کیا کہ خدا کا رستہ آپ پر آسان کر دیا۔ کیا عجیب بات ہے کہ ہم لوگ ان کی پیروی کرنے میں

Marfat.com

خدا کا رستہ بھول جاتے ہیں۔

اگر علمِ نفسیات کمتر نفس سے، بہتر نفس کو لے جاتا ہے تو جہاں نفسیاتِ بالا کی حدود ختم ہوتی ہیں، وہاں خدا کی شناخت شروع ہوتی ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ نفسیات جہاں اختتام پذیر ہوتی ہے وہاں آپ نفس کو مربی اور محترم جانتے ہیں۔ وہاں ایک better self کو تسلیم کرنا چاہیے، اُسے حب جاہ چاہیے، اسے ہر صورت میں اپنے لیے محبت چاہیے، مگر قرآنِ حکیم میں اللہ نے اس کا قانون بدل دیا کہ نفس کسی بھی حال میں خدا کا دشمن ہے، خواہ وہ کمتر ہو، خواہ وہ بہتر ہو، خواہ وہ وحشی ہو، خواہ وہ مہذب ہو۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (النّٰزعٰت ۷۹: ۴۰)

(اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرے اور نفس کو خواہش سے روکے)

ہم نے ہر حال میں اس کی مخالفت کرنا ہوتی ہے۔ جب علومِ مظاہرہ سے آپ کے علوم نفس کی تکمیل ہوتی ہے تو پھر لازم ہے کہ کسی صوفی سے، کسی طریق سے رہنمائی حاصل کریں اور اگر کوئی نہ ملے تو پھر لازم ہے کہ ''کشف المحجوب'' سے وہ طریق ضرور سیکھے، جو اس آخری درجہء کدورتِ دل کو آپ سے دور کر دے اور ہر حال میں آپ کو نفس پر غالب کرے۔

جیسے آج ہم گلہ کرتے ہیں کہ زمانہ خراب ہے، ہم گلہ کرتے ہیں کہ وقت درست نہیں ہے، بُرائیاں بہت بڑھ گئیں، اخلاقیات بہت کم ہو گئے، تو حضرتِ ہجویریؒ اپنے زمانے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''جب فقراء خراب ہوں، کم علم ہوں، کم فہم ہوں تو آدابِ مذہب جاتے رہتے ہیں، جب علماء خراب ہوں تو مذہب کا علم جاتا رہتا ہے، معمولات خراب ہو جاتے ہیں، معمولات اور منقولات کی دُنیا اُجڑ جاتی ہے اور تعلیم جہالت کا شکار ہو جاتی ہے۔'' اور فرمایا کہ ''جب علم خراب ہو جائے تو زمانہء جاہلیت کے بھی کچھ اخلاق ہوتے ہیں'' جیسے آج یورپ میں ہے، یورپ میں آج بھی جہالت ہے۔ تکنیکی ترقی ان کو عالم ثابت نہیں کرتی، وہاں زندگی کے مقاصد کے تعین میں واحد مقصد کا تعین ہی نہیں ہو رہا۔ آج تک میں نے کسی یورپ کے دانش ور اور فلاسفر کو نہیں دیکھا جس نے زندگی کی ترجیح کو سوال بنایا ہو۔ میں تسلیم کی بات نہیں کرتا، جو کہ بہت بعد کی ہے مگر کسی مذہبی فکر کے فلاسفر نے، دانشور نے، مغرب میں خدا کی جستجو کو کبھی موضوع نہیں بنایا اور نہ صرف یہ کہ موضوع نہیں بنایا بلکہ آج تک کوئی عالم مغرب میں ایسا نہیں گزرا جس نے پچیس سال تحقیقِ کارِ خداوندی کی ہو اور اس کے بعد کہا ہو کہ اللہ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم اُس کو داد دیتے۔ اگر پچیس یا تیس برسوں کی تحقیق کے بعد کوئی برگساں، کوئی کانٹ، کوئی ہیگل، کوئی وائٹ ہیڈ، کوئی رسل ہمیں یہ بتاتا کہ میں نے بہت جستجو کی، جس چیز کو تم مانتے ہو، جس تصور کو تم خدا سمجھتے ہو، وہ دراصل کوئی نہیں ہے، تو ان کی رائے معتبر ہو سکتی تھی مگر ایسا تو کبھی ہوا ہی نہیں۔ یورپ کے کسی دانشور نے نہ کبھی خدا کی تلاش کی، نہ اُس حقیقتِ عالیہ کو کبھی چاہا۔ انہوں نے اسے از خود ایک رد کردہ اور تصوراتی موضوع قرار دیا اور اس داخلی کیفیت کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔

Marfat.com

نیوٹن جیسے معمولی سے مغربی مفکر نے بارہ سال کشش ثقل کے اصول کی دریافت میں صرف کیے۔ فلیمنگ کو پنسلین کی دریافت میں بارہ سال لگ گئے مگر ایسا تو کوئی مفکر اُدھر نہیں گزرا جس نے بارہ سال ہر کام چھوڑ کر صرف خدا کی تلاش کی ہو، اپنی ترجیح اوّل کو سنوارنے کی کوشش کی ہو اور پھر ہمیں کہا ہو کہ دیکھو اے لوگو! تم غلط تھے، اللہ کوئی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً وہ خدا کو پالیتا۔

حضورﷺ کا ارشاد بیان کرتے ہوئے سیّد ہجویرؒ نے فرمایا کہ ''بے علم عبادت گزار ایک گدھے کی طرح ہے جسے آٹے کی چکی سے باندھا جاتا ہے اور وہ اسے گھماتا ہے۔'' اس کو کچھ پتہ نہیں، اس کا ذہن متجسّس نہیں، اسے ایک روٹین پر عمل کرایا جاتا ہے۔ یہی حال ان تمام مسلمانوں کا ہے کہ

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ اسلام

ان کو خاندانوں سے، اپنے پُرکھوں سے اسلام کی نعمت تو مِل گئی مگر غور وفکر سے عاری۔ جیسے پڑھا، دیکھا، اسی طرح عمل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اگر وہ اسلام میں علم کو استعمال کرتے، اگر علم کے ذریعے اسلام کو پاتے اور مجاہدۂ ذات میں جاتے، مجاہدۂ فکر میں جاتے تو وہ یقیناً اللہ کی تلاش کے مقصود کو پا لیتے اور یہ گلہ قرآنِ حکیم میں بار بار اللہ نے اہلِ کفر سے کیا ہے کہ اے اہلِ کفر! اگر تم غور کرتے تو ایسے دلائل و براہین موجود تھے کہ تم مجھے پا جاتے۔ اللہ بے انصاف نہیں ہے، جو گلہ وہ اہلِ کفر سے کرتا ہے، وہی گِلہ وہ آپ سے بھی کرتا ہے کہ میراث میں تو آپ نے اسلام کو پا لیا ہے مگر اس کو سمجھنے کی کوئی جدوجہد نہیں کی، اس پر غور وفکر کرنے کی اور اللہ کو جاننے کی کوئی کوشش آپ نے نہیں کی۔ یہ یاد رکھیے کہ خدا ہر شخص کا نصیب ہے۔ اگر آپ اسے پانے کی کوشش نہیں کر رہے ہے تو آپ بے نصیب ہو۔ اللہ نے ہر سطح پر، ہر مقام پر، ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ ترین مفکر تک اپنی approaches کے رستے کھول رکھے ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد، اسے شعوری فضیلتیں عطا کرنے کے بعد خواہ وہ کسی درجے کی بھی ہوں، وہ اپنی ذات کو ان سے حجاب میں ڈال دے۔ وہ ہر آدمی کو اس کی قدر کے مطابق جواب دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قبر کا سوال بے معنی ہوتا اور ناانصافی ہوتی کہ اللہ جنت اور دوزخ کے criteria میں لے جا کر جسے آپ قبر کہتے ہو، وہاں وہ ہر فرد سے پوچھتا: مَنْ رَبُّکَ۔ اَن پڑھ سے کیوں پوچھتا؟ بے علم سے کیوں پوچھتا؟ اگر یہ سوال اس نے ہر ایک سے پوچھنا ہے تو دو ہی صورتیں واجب ہیں، یا وہ بے انصاف ہے یا کم از کم اس سوال کا جواب دینے کی استطاعت اس نے ہر فرد و بشر میں رکھی ہے۔ ہر فرد و بشر میں یہ استطاعت موجود ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے: ''مَنْ رَبُّکَ'' تو وہ کہہ سکتا ہے:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی لیے حدیث میں آیا ہے:

افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ

اگر آپ اس کلمے کا وردِ زمین پر کرو گے تو آسمان پر بھی ہوگا تو پھر یقیناً قبر آپ کو کچھ نہیں کہے گی۔ آپ کو صرف دُہرانا ہی ہوگا اور یہ وہ نقطۂ عالیہ ہے جو ایک کمزور ترین بندے سے لے کر اعلیٰ ترین بندے تک کے لیے یکساں ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ ہم لوگ گلی کوچے میں رال ٹپکتے ہوئے مجذوبوں کو ڈھونڈتے ہیں۔ کم از کم "کشف المحجوب" پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معیار اللہ کے نہیں ہیں۔ سیّد ہجویرؒ نے شیخ جنید بغدادؒ کا حوالہ دیا ہے کہ کسی نے پوچھا: "سکر تو بڑی شے ہے۔ یہ خدا میں فنا کا نام ہے۔" شیخ جنیدؒ نے فرمایا: "سکر تو بچوں کا کھیل ہے۔" یعنی غور و فکر کرنا، ہر کیفیت کو ضبط کرنا اور مقاماتِ علم و عمل کو طے کرنے کا نام تصوف ہے۔

شیخ آپ کو یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہے کہ کسی لذتِ خیال سے نکلنے کے دو طریقے ہیں جیسے آپ اپنے گھر کی باڑھ کو اونچا نہیں ہونے دیتے۔ جب وہ بے ترتیب ہو جائے تو اسے قینچی سے کاٹ دیتے ہیں۔ ہر وہ چیز جو لذت میں اتنی آگے بڑھ جائے کہ تصورِ خدا میں حائل ہو جائے اسے کاٹ دو، چاہے وہ لذتِ ادب ہو، چاہے لذتِ فلسفہ ہو، چاہے وہ محبتِ ذات ہو، چاہے وہ محبتِ والدین ہو۔ اگر آپ کا مقصد اللہ اور اس کی شناخت ہے تو نفس کی اشتہاء کو اور تمام معاملاتِ ذات کو جو آگے بڑھ کر آپ کو کسی بھی قسم کے تلذذ میں ڈال سکتے ہیں، ان کو کاٹ دو۔ اس قطع و برید کے بغیر آپ تصوف کی دنیا میں داخل نہیں ہو سکتے۔ تمام تر تصوف outgrowth ہے۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک گزرنے کا نام ہے حتیٰ کہ آپ رضائے الٰہیہ کے مقام تک پہنچ جائیں۔ سن رکھیے! کہ اللہ کے حضور سے اپنے طلب گاروں کو جو سب سے بڑا مقام دیا گیا ہے وہ مقامِ رضا ہے۔ اللہ کی طرف سے کہا گیا کہ ہم آپ سے راضی ہوئے، اصحابِ رسول ﷺ سے کہا گیا کہ ہم آپ سے راضی ہوئے...... تمام فنا و بقا اور جمع و وحدت سے گزرنے کے بعد اگر ایک جملۂ مبارک اُس صاحبِ کائنات کی زبانِ مبارک سے نکل جائے کہ اے بندے! میں تجھ سے راضی ہوا تو آپ نے بقا یا فنا پا لی، جمع پا لی، وحدت پا لی، توحید پا لی، رسالت کے مطالب پا لیے، محبتِ خداوند پا لی اور محبتِ رسول ﷺ پا لی۔

اگرچہ یہ تمام اسباق میں جستہ جستہ سیّد ہجویرؒ کے ذکر کے ساتھ mention نہیں کر سکا مگر وہ ایسا مرشد ہے کہ اگر تمام تعلیم، تمام علم ایک طرف چھوڑ دیا جائے اور صرف سیّد ہجویرؒ کے analytical processes کو دیکھا جائے تو سب سے بڑی problem اپنی کم تعلیمی بنتی ہے، اس لیے بہت سے لوگ "کشف المحجوب" پڑھ کر زیادہ حجابِ علم میں کھو جاتے ہیں۔

شیخ ابنِ عربیؒ نے کبھی کہا تھا کہ علم حجاب اکبر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کم علمی Lack of understanding and personal wishful thinking of changing the meaning of text, become our major problems. کیونکہ شیخ ہجویرؒ کی کہی ہوئی باتیں خلافِ نفس ہیں اور

Marfat.com

چونکہ اللہ کو چاہنا خلافِ نفس ہے، اس لیے ہر حال میں جب ہم استادانِ مکرم کی باتیں سنتے ہیں تو ان کی تاویل میں گنجائشیں نکالتے ہیں مگر کم از کم سید علی ہجویریؒ analytical process کے بعد ایسا کوئی امکان موجود نہیں ہے۔

آج اگر برصغیر میں آپ کو ان گنت اور کروڑوں مسلمان نظر آ رہے ہیں تو یہ فوجیوں کی وجہ سے نہیں ہیں، یہ غارت گری کی وجہ سے نہیں ہیں، یہ محمود غزنوی یا غوری کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ اللہ کے ان بندوں کی طرف سے ہیں کہ جنہوں نے اتنی محبتوں کا اظہار کیا، لوگوں سے اتنی شفقتیں برتیں کہ ان کو اور ان کے سوا اور کسی دین میں سچائی نظر نہیں آئی اور یہی وجہ ہے کہ برصغیر میں اسلام کے عروج میں آپ کو کسی سکہ بند سکول کا عالم نظر نہیں آئے گا۔ جب بھی برصغیر میں اسلام کی تاریخ لکھی جائے گی تو اس کی تبلیغ و رشد و ہدایت میں اولیاء اللہ کے نام آئیں گے، جس کا آغاز سید علی بن عثمان ہجویریؒ سے ہوا اور انجام اللہ بہتر جانتا ہے۔

(در: احسنِ تقویم از پروفیسر احمد رفیق اختر، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء۔
اس کتاب کے ایک مضمون سے اقتباسات)

☆......☆......☆

Marfat.com

داتا صاحبؒ

ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویریؒ المعروف بہ داتا گنج بخشؒ

(حیات و افکار)

ترتیب و تدوین

محمد اکرام چغتائی

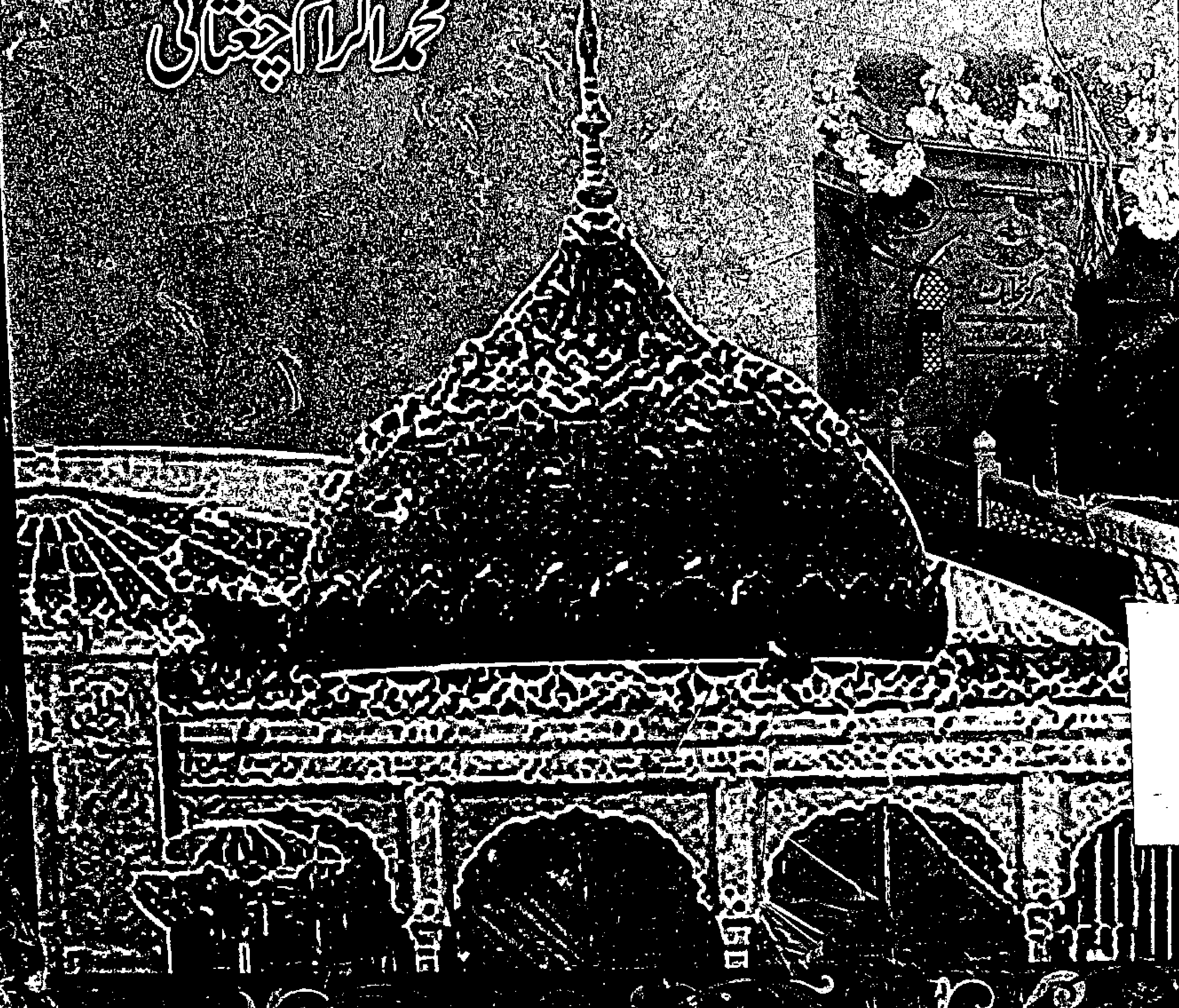

Marfat.com